www.iqbalkalmati.blogspot.com

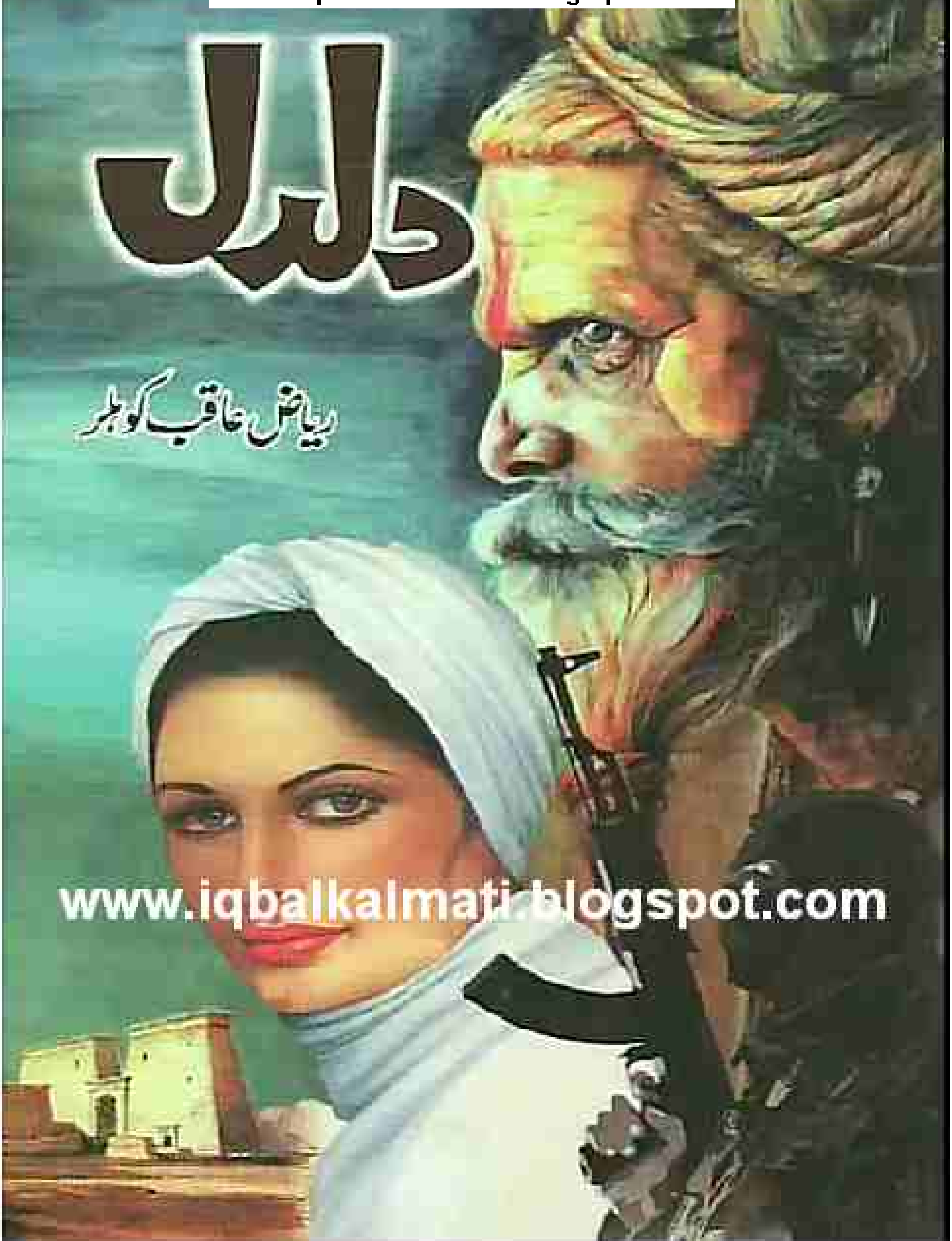

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دلدل

حصہ اول-دوم (یکجا)

تحریر ریاض عاقب کوہلر

عرضِ مصنف

''بھگوڑا'' کی حکایت میں اشاعت کے دوران اور اسکے بعد کتابی صورت میں شائع ہونے پر جس طرح پذیرائی ہوئی وہ میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھی اس بات سے حوصلہ پا کر میں ایک مرتبہ پھر ''دلدل'' کی شکل میں قارئین کی عدالت میں پیش ہونے کی جسارت کر رہا ہوں۔

''دلدل'' کہانی ہے ان دہشت گردوں کی جو ہمارے سماج کی فرسودہ روایات نے پیدا کیے، جنھیں ہمارے غلط سسٹم نے پروان چڑھایا، معاشرے میں پھیلی ناانصافی جن کے پھیلنے کا سبب بنی، ہمارے نااہل حکمرانوں اور مفاد پرست گھٹیا سیاست نے جنھیں حوصلہ بخشا، حقوق و فرائض کی غلط تقسیم نے جنھیں پنپنے کا موقع دیا، جو ہم میں سے ہی ہیں، جن کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور اگر ہم نے موجودہ سسٹم کو بدلنے کے لیے کوئی خاطر خواہ انتظامات نہ کیے تو جانے کتنے انجینئرز، ڈاکٹرز، سائنسدان، علماء اور فلاسفر بننے والوں کو ہم اپنے بدن کا ناسور بنا لیں۔ ایسا ناسور جس کا علاج اس کے کاٹ کر پھینک دینے میں ہوتا ہے یا وہ ایسے کینسر کی شکل اختیار کر لیں کہ جو لا علاج ہو۔

پاکستان ہمارا گھر ہے، اس کی بنیادوں میں ہمارے اجداد کا خون شامل ہے۔ اس کی تعمیر میں اینٹوں کی جگہ ہمارے مجاہدین کی کھوپڑیوں کی چنائی کی گئی، اس کی چھت ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے دوپٹوں سے ڈالی گئی، اس کی لپائی علماء کے مقدس خون سے ہوئی، اس کی سلامتی کے لیے ہم نے اپنے معصوم بچوں کا بلیدان دیا۔ اپنی پاکیزہ بہنوں کی عصمت کا خراج پیش کیا اور تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ہم نے اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج اسی پیارے وطن کو ہم اپنی آنکھوں سے آگ کے بھیانک شعلوں میں جلتا دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں علم ہی نہیں ہے کہ ہمارے آشیاں کو آگ کے شعلے، نفرت و فرقہ بندی کے شعلے، نئی تہذیب کے شعلے مسلسل چاٹ رہے ہیں۔

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

ہماری آنکھیں یہود و ہنود و نصاریٰ کی خیرات کی ہوئی عینکیں لگا کر صرف وہی دیکھ رہی ہیں جو وہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ایک با شرع آدمی ہمارے لیے دہشت گردی کا نشان ہے مسلمان ہونا ہمارے لیے گالی بن گیا ہے دشمن کی شکل تہذیب، لباس اور بد اعمالیاں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہو گئی ہیں۔ کیوں؟...... ایسا کیوں ہے؟

کب تک ہم غفلت میں پڑے رہیں گے؟

کیا سچ وہی ہے جو ہمیں میڈیا دکھا رہا ہے یا اصل حقائق پس پردہ ہیں؟

کیا مجاہد دہشت گرد ہیں؟

اگر نہیں تو اصل دہشت گرد کون ہیں؟

کیا جہادی تنظیموں کا نقطہ نظر ہمارے سامنے واضح ہے؟

مساجد کے اندر بم دھماکے کون کرا رہا ہے؟

معصوم شہریوں کو طالبان کے نام پر کون قتل کر رہا ہے؟

پاکستان آرمی اور عوام کو دو مخالف دھڑوں میں بانٹنے کی سازش کس کی ہے؟

یہ اور اس جیسے کئی سوالات ہر پاکستانی کے دماغ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر حقائق، ہم سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔ غیروں کی مسلسل کوشش ہے کہ دین اسلام کو بدنام کیا جائے۔ شریعت محمدی کو مسخ کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے، لیکن ان شاء اللہ انکی یہ کوشش ناکام ہوگی۔

میں نے بذات خود بہت قریب سے ان حالات کا جائزہ لیا ہے اور کوشش کی ہے "دلدل" کی شکل میں یہ حقائق قارئین کی نذر کروں۔ گو میں نو آموز ہوں مگر ڈرائنگ روم یا بیڈ روم کا لکھاری نہیں اور اس کا اندازہ قارئین کو "بھگوڑا" پڑھ کر ہو گیا ہوگا۔

"دلدل" میں کہانی کی ڈیمانڈ کے لیے کچھ واقعات میں مجھے مبالغہ آرائی سے کام لینا پڑا ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس میں زیادہ تر واقعات ایسے ہیں جو میری آنکھوں کے سامنے رُونما ہوئے یا جن پر بیتے ان سے بنفسِ نفیس میری ملاقات ہوئی "دلدل" انہی واقعات کے تسلسل کی ایک شکل ہے۔ گو اس میں افسانہ طرازی کا عنصر نمایاں ہے مگر یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہم کڑوی دوا بغیر شوگر کوٹڈ کے نہیں کھا سکتے۔ اس لیے مجھے بھی ان تلخ حقائق اور کڑوے واقعات پر افسانے کی تہہ چڑھانی پڑی۔ اسے پڑھ کر اپنی قیمتی آراء سے ضرور مطلع کیجئے گا۔

والسلام

آپ تمام کا:

ریاض عاقب کوہلر

Email :aqibkohlar@gmail.com

mob : 03455883954

وہ گھر کا بیرونی دروازہ آہستگی سے کھولتے ہوئے دھیرے سے اندر داخل ہوا..... اس کا ارادہ ماں کی بے خبری میں کمرے تک جانے کا تھا۔ مگر ماں تو جیسے شدت سے اس کی منتظر تھی۔

"آ گئے بیٹا.....؟ کیا رہا؟" وہ بے صبری سے مستفسر ہوئی۔ حالانکہ اس کے بیٹے کے چہرے پر چھائے تاثرات واضح طور پر اس کی ناکامی کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ حسب معمول آج بھی ناکام لوٹا تھا۔ جاب کے لیے انٹرویو لینے والوں کے نزدیک ایم کام فرسٹ ڈویژن کی سند سے ایک وزیر کا سفارشی خط زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔

اس نے نادم آنکھوں سے اپنی ماں کے جھریوں بھرے چہرے کو دیکھا، جو اس کے چہرے پر چھائی پریشانی سے اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر ناکام رہا تھا۔ کیونکہ نوکری کے حصول کے لیے نہ تو تعلیم کی ضرورت تھی نہ لیاقت کی۔ پھر بھی جانے کیوں وہ ہر بار اپنے بیٹے کے منہ سے تسلی کا کوئی لفظ سننے کی خواہاں ہوتی۔ ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی اس کے بیٹے نے نفی میں سر ہلایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی، اس نگاہ میں سینکڑوں شکوے پنہاں تھے لیکن ہونٹوں سے کوئی لفظ نکالے بغیر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی کہ جس سے شکوہ تھا وہ دلوں کے بھید خوب جانتا تھا، اسے زبان سے سنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ رات کا بچا ہوا سالن گرم کر کے اس نے پلیٹ میں ڈالا اور چھابے میں روٹیاں رکھ کر بیٹے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

گھر میں فقط دو کمرے تھے ایک کمرے میں بوڑھے والدین اپنی جوان بیٹی کے ساتھ رہتے تھے جبکہ دوسرا کمرہ جوان بیٹے کے تصرف میں تھا۔ جو ایم کام امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اسے ایم کام کرانے کے لیے بوڑھے والدین کو جو پاپڑ بیلنے پڑے تھے وہ خدا جانتا تھا یا اس کے والدین۔ بہن میٹرک کرنے کے بعد ایک ویمن انسٹی ٹیوٹ میں سلائی کڑھائی کا کام سیکھ رہی تھی۔ گو وہ دل سے اس چیز کے حق میں نہیں تھا مگر اس ادارے کی ساکھ دیکھتے ہوئے طوعاً و کرہاً وہ چپ رہا تھا۔ البتہ اس بات کا اس نے خصوصی خیال رکھا کہ اس کی بہن آتے جاتے وقت پردے کا اہتمام کرے۔

والد ایک پرائیویٹ فرم میں چوکیدار تھا۔ اس کی عمر کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ گھر میں آرام کرتا مگر جوان بیٹے کی بیروزگاری نے ابھی تک اسے کام سے چمٹے رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔

"پُترا اتنا پریشان کیوں ہے؟" ماں نے کھانا اس کے سامنے چارپائی پر رکھا۔

"کچھ نہیں ماں جی..... بس یوں ہی.....؟"

"لے کھانا کھا..... اور زیادہ سوچا مت کر۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔" ماں نے اپنا پسندیدہ فقرہ دہرایا۔ مگر کثرت

استعمال سے وہ فقرہ اپنی افادیت کھو چکا تھا یا شاید وہ دیر جو اس فقرے میں مذکور تھی اس کی طوالت نے اس کا اثر سلب کر لیا تھا۔

''ماں اللہ بھی شاید انہی کی سنتا ہے کہ جن کے پاس سفارشی چٹھیاں ہوتی ہیں یا پھر رشوت میں دینے کے لیے ایک تگڑی رقم۔'' اس کے لہجے میں تلخی کا عنصر نمایاں تھا۔

''نا پتر ناں ایسا نہیں کہتے...... گناہ ہوتا ہے۔''

''ہونہہ...... گناہ۔'' وہ بے دلی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ایک بات تو بتاؤ پتر؟''

''پوچھو ماں۔''

''یہ نوکری دینے والے کتنے پیسے مانگتے ہیں؟''

''لاکھ...... ڈیڑھ لاکھ یا اس سے کچھ اوپر نیچے۔''

''ہم...... میرے پاس ڈیڑھ دو تولے سونے کے کنگن تو پڑے ہیں۔ ریحانہ کے جہیز کے لیے رکھے تھے۔ اگر ان سے کام بن سکتا ہے تو بیچ دو۔ نوکری ملنے کے بعد پھر بنوا لینا۔''

''چھوڑو ماں...... اس سے پہلے میری تعلیم کے لیے بھی تمہیں اپنے سارے زیورات سے ہاتھ دھونے پڑے تعلیم پر اتنا خرچا کرنے کی بجائے وہ زیور بیچ کر میں کوئی کاروبار شروع کر لیتا تو شاید بہتر ہوتا۔''

''ہے نا پگلا...... وہ زیورات میرے کس کام کے تھے۔ آخر تیرے اور ریحانہ کے ہی تھے نا......؟ جب نوکری مل جائے تو اپنی بہن کے لیے اور بنوا لینا۔ وہ کون سا کل پرسوں ڈولی بیٹھ رہی ہے۔ ابھی بچی ہی تو ہے۔''

''ٹھیک ہے ماں...... یہ بھی کر کے دیکھ لیتا ہوں۔'' اس نے کھانے کے برتن ماں کی طرف کھسکائے اور ماں کے باہر جاتے ہیں وہ آنکھیں موند کر گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔ سوچوں کا محور باپ کا بڑھاپا، اپنی بیروزگاری اور جوان بہن کی شادی تھی جیسے اس کی ماں بچی کہہ کر اسے اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو بہلا رہی تھی۔ مگر ان سارے مسائل کا حل اچھی نوکری کا حصول تھا اور جانے کب وہ نوکری کے حصول کے مختلف منصوبے بناتے بناتے نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

''دو تولے سونے کے کنگنوں کی قیمت 50000 ہزار؟'' وہ ششدر رہ گیا۔ ''جبکہ سونے کے ایک تولے کی قیمت 38,37 ہزار روپے ہے۔''

''ایسا ہی ہے۔'' مکروہ صورت سنار نے اسے سمجھایا۔ ''جس وقت زیور بنایا جاتا ہے تو جوڑ کے ٹانکے لگانے کے لیے دوسری

دھات کا استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا ہر پرانے زیور کو دوبارہ بناتے وقت بھی سونے کی ہلکی سی مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس وجہ سے تم اسے دو تولے کی بجائے ڈیڑھ تولہ سمجھو اور ڈیڑھ تولہ بھی پرانا سونا۔"

"مگر ڈیڑھ تولے سونے کی قیمت بھی تو 50000 ہزار سے زیادہ بنتی ہے۔"

"ہاں.....لیکن اتنا منافع لینا تو ہمارا حق بنتا ہے نا؟.....اور تمھیں پسند نہیں تو کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔"

مگر یہ کوئی پہلی دکان نہیں تھی جس میں وہ کنگن بیچنے کے لیے داخل ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ پانچ چھ دکانداروں کو بھگت چکا تھا۔ کوئی بھی 49,48 ہزار سے نہیں بڑھا تھا۔ اس نے بادل نخواستہ وہ کنگن دکاندار کی طرف بڑھا دیے اور 50000 ہزار روپے جیب میں ڈال کر دکان سے باہر نکل آیا۔

اب اس نے کوئی ایسا بندہ ڈھونڈنا تھا جسے یہ رقم دے کر وہ اپنے لیے معقول نوکری کا بندوبست کرتا۔ کسی کو رقم دے کر نوکری حاصل کرنا لامحالہ رشوت کے زمرے میں آتا ہے مگر یہ کام وہ خود کو نوکری کا حقدار سمجھتے ہوئے کر رہا تھا اس لیے ذہنی طور پر مطمئن تھا۔ مطلوبہ مقام تک جانے کے لیے پہلے اس نے ٹیکسی ہائر کرانے کی بابت سوچا مگر پھر اس عیاشی کا خیال دل سے نکال کر وہ بس سٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔ بہن کے کنگن بیچ کر حاصل ہوئی والی رقم یوں بھی اسے ضمیر پر بوجھ لگ رہی تھی۔

بس سواریوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اسے بھی پیر ٹکانے کی جگہ مل گئی اور وہ سر جھکا کر اچھی نوکری کے حصول کے سہانے خوابوں میں گم ہو گیا۔ بس ذرا سا چل کر سواری اتارنے کے لیے رکی اور دوبارہ چل پڑی۔ کنڈیکٹر سواریوں کی بھیڑ میں بمشکل رستہ بناتے ان مطلوبہ افراد کے قریب پہنچ رہا تھا جن سے اس نے کرایہ وصول کرنا تھا۔

"بابو جی کرایہ.....؟" کنڈیکٹر نے اسے متوجہ کیا۔

"آں.....ہاں، ضرور ضرور۔" وہ گڑبڑا سا گیا اور پھر غائب دماغی کی خفت مٹانے کے لیے اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ کرایہ نکال سکے۔ جیب کو خالی پا کر اس کا دل زور سے دھڑکا کنگنوں سے حاصل شدہ رقم جیب سے غائب تھی۔ بدحواسی میں اس نے تمام جیبیں کھنگال لیں۔ رقم غائب تھی۔

"مم.....مم.....میرے پیسے.....میرے پیسے کسی نے نکال لیے۔" وہ وحشت زدہ آواز میں چلایا۔

کنڈیکٹر نے ایک لمحے کے لیے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔ کرایے کی رقم بچانے والے مختلف قسم کے فراڈیوں سے اس کا واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کنڈیکٹر کو رائے بدلنی پڑی۔

"کتنے پیسے تھے.....؟" وہ ہمدردی سے مستفسر ہوا۔

"پ.....پچ.....پچاس ہزار۔" غم کی شدت سے اس بولا نہ گیا۔ اس نے شک بھری نظروں سے اپنے دائیں بائیں کھڑے

مسافروں کی طرف دیکھا۔تمام مسافر اسے جیب کترے دکھائی دے رہے تھے۔

''بس رکواؤ اور کسی کو باہر نہ جانے دو۔جیب کترا بس میں ہی موجود ہوگا۔'' ایک بڑے میاں ہمدردی سے بولے۔

''جیب کترے اپنا کام کرنے کے بعد بس میں نہیں ٹکتے بزرگو!......پہلی فرصت میں نیچے اترتے ہیں۔'' کنڈیکٹر نے بڑے میاں کو سمجھایا۔

وہ تیزی سے بولا۔''مم......مگر میں تو ابھی سوار ہوا ہوں۔''

کنڈیکٹر نے پوچھا۔''تیرے سوار ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی بس نہیں رکی؟''

''بس......صرف ایک دفعہ رکی تھی۔''

''تو بس یہاں ٹائم ضائع کرنے کی بجائے قریبی تھانے چلے جاؤ۔پولیس والوں کے پاس ان اُچکوں کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں اگر وہ چاہیں تو آسانی سے اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''مگر اس سے پہلے بس میں موجود سواریوں کی تلاشی لی جانی چاہیے۔'' بڑے میاں کو اس سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی ہو چلی تھی۔

''یوں ہی کرلو۔'' کنڈیکٹر نے نیم دلی سے کہا۔''مگر یہ صرف وقت کا ضیاع ہی ہوگا۔اس سے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔''

اسے بڑے میاں سے زیادہ کنڈیکٹر کی بات مناسب لگی اور وہ سر جھکائے دروازے کی طرف چل پڑا۔بس اس اثنا میں رکی ہوئی تھی۔نیچے اتر کر وہ کافی دیر کھڑا سوچ میں گم رہا۔اسے پتا تھا کہ رقم اسے واپس ملنے والی نہیں تھی۔اس کی آنکھوں میں اپنی ماں کا حسرت زدہ چہرہ اور اپنے باپ کا کمزور جسم گھوم گیا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔آخر کچھ نہ سوجھنے پر اس نے کنڈیکٹر کے مشورے پر عمل کرنا مناسب سمجھا اور نزدیکی تھانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''ہاں......اتنی رقم تُو نے کہاں سے لی تھی؟'' موٹی توند والے ایس ایچ او نے اس کی رام کہانی سن کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پوچھا۔

''ماں کے کنگن بیچے تھے......سونے کے کنگن۔''

''اچھا......جوا کھیلتا ہے بے غیرت۔'' ایس ایچ او دھاڑا۔

''جج جوا......کیسا جوا؟'' وہ حیران رہ گیا تھا

''تو کیا......نشہ کرتے ہو؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں سر!......میرا جوئے یا نشے سے کیا تعلق؟''

''اس کا مطلب ہے عورت کا شوق ہے تجھے؟'' تھانیدار نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

''نہیں سر۔''

''پھر ماں کے کنگن کیوں بیچے ہیں۔ اس طرح کے کام تو نشئی، جواری یا عورت کے شوقین کرتے ہیں۔''

''ماں نے خود میرے حوالے کیے تھے۔ کیونکہ گھر میں پیسوں کی ضرورت تھی۔''

''اچھا...... اچھا ٹھیک ہے اپنا پتا نوٹ کراتے جانا جیسے ہی رقم کے بارے اطلاع ملی تجھے مطلع کر دیا جائے گا۔'' ایس ایچ او نے ...... پولیس والوں کی ازلی بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ نیم دلی سے اپنا ایڈریس نوٹ کرا کر باہر نکل آیا۔

اس کی عمر کی پونجی لٹ گئی تھی۔ یہ 50000 ہزار نہیں...... اس کی ماں کی آرزوئیں، باپ کی حسرتیں اور بہن کی ضرورتیں تھیں۔ جیب کاٹنے والے کو شاید پتا ہی نہ چلا ہو کہ وہ کتنا بڑا ظلم ایک خاندان پر ڈھا چکا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم بے سمت چلتا رہا۔ یہاں تک کہ بے خیالی میں گھر کے دروازے تک آ پہنچا۔ شاید لاشعوری طور پر اسے حوصلے، تسلی اور ڈھارس کی ضرورت تھی۔ کچھ دیر دروازے پر رک کر وہ پیچھے مڑا، اس مرتبہ اس کا رخ اپنے دیرینہ دوست شکیل کے گھر کی طرف تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اپنے گھر میں داخل نہ ہو سکا تھا۔

شکیل کا گھر بھی اسی محلے میں تھا۔ دستک کے جواب میں اس نے ہی دروازہ کھولا۔

''ارے ڈاکٹر اسماعیل شاہ غازی صاحب...... آج کدھر رستہ بھول پڑے۔''

وہ میٹرک تک کلاس فیلو رہ چکے تھے اور میٹرک تک اس کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا تھا گو بعد میں اخراجات کی کمی کی وجہ سے اس نے کامرس میں داخلہ لے لیا تھا لیکن چند قریبی دوست آج تک اسے ڈاکٹر کہہ کر ہی بلاتے تھے۔

شکیل کا پُرجوش استقبال بھی اسے ذہنی تناؤ سے باہر نہیں لا سکا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب خیر تو ہے...... پریشان نظر آ رہے ہو؟''

''ہونہہ خیر......''

''یار تو تو سچ مچ پریشان ہے...... اندر آؤ اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اور وہ سر جھکائے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟''

وہ تلخی سے بولا۔ ''یار شکیل!...... سمجھ نہیں آتی ہم غریبوں کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ بچپن محرومیوں میں گزرتا ہے، جوانی تلخیوں میں اور بوڑھاپا اپنی اولاد کو انہی محرومیوں میں مبتلا دیکھنے میں جس سے بچپن میں ہم گزر چکے ہوتے ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحب آج تو پھر بقراط بنے پھر رہے ہو؟''

''شکیل یہ حقیقت ہے۔ ہمارے معاشرے میں غریب صرف جلنے، کڑھنے اور سسکنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔''

''شاہ صاحب!...... اصل بات بتلاؤ۔ معاشرتی ناہمواری کے یہ لیکچر اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ سن چکا ہوں۔''

''اصل بات یہ ہے کہ ایم کام کیے ہوئے دو سال ہونے کو ہیں اور اب تک بے روزگار ہوں، کیونکہ نہ تو میرے پاس رشوت میں دینے کے لیے پیسے ہیں، نہ ہی کوئی تگڑی سفارش۔ آج امی جان کے کنگن بیچ دیئے تا کہ کسی کو ہڈی ڈال کر اپنا حق حاصل کر سکوں مگر...... جیب کٹ گئی۔ اب سمجھ نہیں آرہی کس منہ سے گھر جاؤں۔ امی شاید اب تک مصلے پر بیٹھی اپنے بیٹے کی کامیاب واپسی کے لیے دعا گو ہو۔ حالانکہ اسے یہ پتا نہیں کہ غریبوں کی دعائیں صبر کا فرشتہ وصول کرتا ہے اور بدلے میں صبر کی ایک نئی آزمائش عطا فرما دیتا ہے۔''

''دیکھو اسماعیل!...... اس سے پہلے بھی میں کئی مرتبہ یہ نصیحت کر چکا ہوں کہ، اگر اپنی تعلیم کے مطابق نوکری ڈھونڈو گے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں نے میٹرک کے بعد جب تعلیم کو خیر باد کہا تھا تو تمھیں اس وقت بھی مشورہ دیا تھا کہ کوئی مزدوری وغیرہ کرتے ہیں، مگر تم نہ مانے۔ اب مجھے دیکھو...... چھ سات سال ہو گئے ہیں مزدوری کرتے۔ الحمدللہ دال روٹی چل رہی ہے اور ابو جان بھی بڑھاپے کے دن آرام و سکون سے گزار رہے ہیں۔ جبکہ تمھارے والد صاحب آج اس عمر میں بھی چوکیداری کر رہے ہیں۔ تعلیم کے حصول کے لیے جو وقت خرچ ہوا سو ہوا اب تو اپنے بوڑھے باپ کے حال پر رحم کرو اور جب تک کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملتی محنت مزدوری کر لو اس سے نہ تو تیری شان میں کمی آئے گی اور نہ ہی ایم کام کی ڈگری پہ کوئی حرف......''

''یار!...... وہ بعد کی بات ہے...... آج کے مسئلے کا کیا حل کروں؟''

''بہت ہی آسان حل ہے...... گھر جا کر بتا دو، نوکری مل گئی ہے اور کل سے میرے ساتھ سٹیل مل میں چلو، کام سخت ہے مگر اوور ٹائم لگا کر اچھی دیہاڑی بن جاتی ہے۔''

''م...... مم...... مگر میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا؟'' اسماعیل نیم رضامند ہو گیا تھا۔

''یہ کوئی ٹیکنیکل کام تو نہیں ہے؟...... لوہے کی لوڈنگ ان لوڈنگ کرنی ہے۔ ماشاءاللہ اچھی صحت کے مالک ہو۔ گو ابتدا میں یہ کام سخت لگے گا لیکن آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گے۔ مجھے دیکھ لو آج میرے لیے یہ روٹین کا کام ہے۔''

کچھ دیر گہری سوچ میں گم رہنے کے بعد وہ آہستہ سے مستفسر ہوا۔

''صبح کس ٹائم جاتے ہو؟''

''یہ ہوئی نا بات۔'' شکیل خوش ہو گیا۔ ''صبح ان شاءاللہ ساڑھے سات بجے گھر سے نکلیں گے، آٹھ بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ اور فکر مت کرو خدا نے چاہا تو تمھیں نوکری بھی جلد مل جائے گی بقول شاعر۔''

نجومی کیوں ہماری بد نصیبی بیچ لاتے ہو
بڑے ہاتھوں میں جب چھالے بدل جائیں گی ریکھائیں

☆......☆......☆

نوکری ملنے کی خوش خبری سنتے سن کر اس کی ماں شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے مصلے کی طرف بڑھ گئی۔ والد کا چہرہ بھی خوشی سے دمکنے لگا تھا۔ اس کا دل والدین کو خوش دیکھ مزید دکھی ہو گیا۔ اس نے دکھ سے سوچا۔

"اگر ان کو پتا چل جائے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو نہ جانے ان پر کیا بیتے؟"

کھانا کھا کر وہ جھوٹ موٹ سونے کے لیے لیٹ گیا، حالانکہ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس نے زندگی میں کبھی مزدوری نہیں کی تھی۔ نامعلوم ایک دم اتنی سخت مزدوری اس کا جسم برداشت کر بھی پاتا یا نہیں، مگر ایک بات طے تھی کہ اس کے بغیر چارہ کوئی نہیں تھا جب تک کوئی اچھی نوکری نہ مل جاتی اسے یہ مشقت برداشت کرنا پڑتی۔ کمرے سے باہر والدین اپنے بیٹے کی حالت سے بے خبر مستقبل کے منصوبے بنانے میں مصروف تھے۔

صغرا خاتون بولی۔ "میں تو سب سے پہلے اپنی ریحانہ کا جہیز بناؤں گی؟"

"وہ بھی بن جائے گا نیک بخت..... مگر اس سے پہلے اسماعیل پتر کے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈو، ماشاءاللہ اب برسر روزگار ہے۔"

"اچھا یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم ذرا ان پیسوں کی شیرینی پکڑ لاؤ تاکہ محلے کے بچوں میں بانٹ دوں۔" صغرا خاتون نے شوہر کی طرف پیسے بڑھائے اور وہ پیسے پکڑ کر سر ہلاتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

دو تین گھنٹے کام کرنے کے بعد ہی اس نے ہمت ہار دی تھی۔ وہ پریشانی سے بولا۔

"مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔"

"یار!..... شرم کرو، اپنی جان دیکھو، مجھ سے تو دگنے ہو؟..... اتنی جلدی ہمت ہار دی؟"

"بات ہمت ہارنے کی نہیں ہے۔ آج پہلے دن یہ حالت ہے تو آگے کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔" شکیل نے اسے تسلی دی۔ "بس چند دن کی بات ہے اس کے بعد تمھیں یہ کام محسوس ہی نہیں ہوگا۔"

شکیل کے ہمت بندھانے پر وہ دوبارہ کام میں جت گیا اور پھر عصر تک وقفے وقفے سے شکیل کی ترغیب پر وہ کام میں جتا رہا۔ اس کی وجہ سے شکیل نے بھی ٹائم سے پہلے چھٹی کر لی۔ اس کے کپڑے پسینے سے شرابور تھے۔ دونوں نے نہا کر کپڑے بدلے، کام کے کپڑے وہیں چھوڑے اور گھر کی طرف چل پڑے۔

"ڈاکٹر صاحب۔ چند دن تکلیف ہوگی۔ مگر اس کے بعد ان شاءاللہ تمھارے لیے یہ روٹین کا کام ہوگا اور اس دوران تم جاب سے متعلق ویکنسیوں پر بھی نظر رکھو شاید اللہ کوئی سبب پیدا کر دے۔"

"یار!..... مجھ سے تو صحیح طریقے سے چلا بھی نہیں جاتا..... اور آج تو پہلا دن تھا آگے پتا نہیں؟"

"بکواس نہ کرو...... بس پہلا ہفتہ تکلیف کا ہے اس کے بعد......"

اس نے قطع کلامی کی۔ "ہاں...... اس کے بعد مل مالک ڈبل بیڈ لگوا دے گا کہ گھر سے آ کر اس پر سو جایا کروں؟"

"بیڈ تو خیر مل مالک نہیں لگوانے والا۔ البتہ یہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم صرف دو ہفتے کی مشقت برداشت کر لو اس کے بعد بھی تمہیں یہ کام دشوار لگے تو میرا نام بدل دینا۔"

اس مرتبہ اس نے جواب دینے کی بجائے سر جھٹکا اور روزانہ کی دیہاڑی کو جوڑ کر ماہانہ تنخواہ کا حساب لگانے لگا۔ یہ اندازہ کر کے اسے خوشی ہوئی تھی کہ وہ اوور ٹائم لگا کر اچھی خاصی رقم ماہانہ کما سکتا تھا۔ کام بے شک دشوار تھا مگر شکیل بھی تو کافی عرصے سے یہ کام کر رہا تھا۔ اور شکیل کو دیکھ کر اس کی ڈھارس بندھ گئی۔

باقی رستے وہ خاموش رہے۔ گلی کے موڑ پر شکیل نے اسے سلام کہہ کر اپنے گھر کی راہ لی اور وہ اپنے گھر کی طرف مڑ گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر چارپائی پر لیٹے، باپ پر پڑی۔ تکیہ دوہرا کر کے سر کے نیچے رکھ کر وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ریڈیو سن رہا تھا۔ بیٹے کی نوکری کی خبر سنتے ہی اس نے چوکیداری چھوڑنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اپنے باپ کو یوں سکون میں دیکھ کر اسے دلی تسکین محسوس ہوئی تھی، سارے دن کی تھکن جیسے لمحوں میں کافور ہو گئی۔ اس کی ماں اور بہن باورچی خانے میں گھسی رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم ابو جان۔" وہ اپنے باپ کو سلام کہہ کر اپنے کمرے کے جانب بڑھ گیا۔

"وعلیکم السلام، جیتے رہو پتر۔"

"میرا شہزادہ پتر آ گیا۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی ماں بھی کچن میں کام ادھورا چھوڑ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔

"چائے لاؤں پتر؟" ماں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر پوچھا۔

"ہاں امی...... اگر ہو سکے تو؟"

"ابھی لائی پتر۔" وہ جس تیزی سے آئی تھی اسی رفتار سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

رات کا کھانا کھا کر وہ سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن اتنی زیادہ تھکن کے باوجود وہ سکون سے نہ سو سکا۔ صبح اس کا پورا بدن پھوڑے کے مانند درد کر رہا تھا۔ وہ ہمت ہار چکا تھا اور شاید عملی طور پر بھی کام پہ جانے سے انکاری ہو جاتا اگر اس کے کانوں میں باپ کی آواز نہ پڑتی ...... وہ اپنی بیوی سے مخاطب تھا۔

"اسماعیل کی ماں...... او نیک بخت اٹھ جا، نماز پڑھ اور ناشتا تیار کر۔ اسماعیل پتر نے جانے کس ٹائم جانا ہو۔ نئی نئی نوکری لگی ہے وقت کی پابندی تو کرنے پڑے گی اسے۔"

"نوکری۔" اس کے اندر تلخی گھل گئی۔ اور پھر ہمت اور کوشش سے وہ اٹھ بیٹھا۔ ایک دفعہ تو اس کے منہ سے کراہ نکلی مگر پھر اس نے سختی سے اپنے لبوں کو بھینچ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ بیٹوں کی تکلیف کے لیے ماؤں کے کان بڑے حساس ہوتے ہیں۔ اس کی ہلکی سی بے احتیاطی سے نوکری کا راز فاش ہو سکتا تھا اور وہ اپنے والدین کی معصوم خوشیوں کا قاتل نہیں بننا چاہتا تھا۔

دوسرا دن، پہلے دن سے زیادہ مشکل اور دشوار گزار ثابت ہوا۔ مگر شکیل کی تسلیاں اور والدین کے حسرت بھرے چہرے اس کی ثابت قدمی کا باعث بنے رہے اور پھر یونہی رفتہ رفتہ اسماعیل شاہ اس ماحول میں ڈھل گیا۔ وہ بھرپور جوان تھا، اللہ نے اسے صحت و طاقت دی تھی اور اسی تندرستی کو کام میں لا کر وہ اس پُر مشقت کام میں جت گیا۔ شکیل کے کہنے کے بموجب اب یہ اسے معمول کا کام لگتا تھا۔ اوور ٹائم لگا کر وہ اچھی خاصی دیہاڑی بنا لیتا۔ مل میں انھیں ہفتہ وار تنخواہ ملتی، مگر اپنے والد کو وہ یکم کے دن تنخواہ لا کر دیتا تھا تا کہ اسے شک نہ ہو۔ مل میں کام کرتے ہوئے اسے سال ہونے والا تھا اس دوران اس نے ایک دو جگہوں پر جاب کے لیے اپلائی کی تھی مگر اسے کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی بہن بھی سلائی کڑھائی سیکھنے کے بعد اسی انسٹی ٹیوٹ میں کام کرنے لگی تھی۔ وہاں پہ چونکہ تمام عورتیں کام کرتی تھیں اور مردوں سے اختلاط کی گنجائش نہیں تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خاموش رہا تھا البتہ وقتاً فوقتاً وہ بہن کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ اور اعتماد ہونے کے باوجود وہ اس پر نظر رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اسماعیل کی ماں صغرا خاتون ان دنوں بیٹے کے لیے کسی اچھی سی دلہن کی تلاش میں تھی۔ اسماعیل ان سرگرمیوں سے آگاہ تھا مگر چونکہ اس کی اپنی کوئی پسند نہیں تھی اس لیے اس نے کبھی ماں سے اس سلسلے میں گفتگو نہیں کی تھی وہ والدین کی خوشی میں خوش تھا۔ اس کا والد باقاعدگی سے نماز کا عادی ہو گیا تھا۔ شام کو جب وہ تھکا ہارا گھر میں داخل ہوتا تو والد کو چارپائی پر سکون سے لیٹے دیکھ کر اس کی آدھی تھکن دور ہو جاتی اور باقی کی آدھی تھکن ماں کی پُر شفقت خدمت دور کر دیتی۔

☆......☆......☆

ایک دن وہ کام سے واپس پہنچا تو اسے اپنے پڑوسی ارشد صاحب کے گھر سامنے ایک ٹرک کھڑا نظر آیا جس میں گھر کا سامان لوڈ کیا جا رہا تھا۔

"ارشد انکل!...... یہ کیا؟" اس نے ٹرک کے ساتھ کھڑے ارشد صاحب سے پوچھا۔

"بس بیٹا!...... کیا بتاؤں؟ جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو والدین کو اشاروں پر نچانا چاہتی ہے اور ان کی محبت سے مجبور ہو کر والدین کو ان کی ہر بات ماننا پڑتی ہے کیونکہ اولاد تو والدین کے بغیر رہ لیتی ہے مگر والدین کا گزارا ان کے بغیر مشکل ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں انکل؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"اسد اور فہد...... دونوں اسلام آباد سیٹل ہو گئے ہیں، وہیں پر انھوں نے گھر بھی لے لیا ہے۔ اب چاہتے ہیں کہ ہم بوڑھے بھی

ان کے پاس اسلام آباد پہنچ جائیں اور یہ گھر خالی کر دیں، کیونکہ اب ان کا سٹیٹس ہائی ہو گیا ہے اور یہ گھر ان کے رہنے کے قابل نہیں رہا۔" ارشد صاحب کا لہجہ اپنے آبائی مکان کو چھوڑتے ہوئے گلوگیر سا ہو گیا تھا۔

"اچھا.....اچھا.....' اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو کیا یہ گھر اسی طرح خالی پڑا رہے گا؟ اس سے بہتر تھا کرائے پر اٹھا دیتے۔"

"بیٹا!.....اسد اور فہد نے تو یہاں آنا نہیں اور ہم دونوں تو بس آج کل کے مہمان ہیں اس لیے اس مکان کو بیچ دیا ہے اور ان شاء اللہ اگلے سال اس رقم سے میں اور تیری خالہ حج پر جائیں گے۔"

"ان شاء اللہ.....ان شاء اللہ.....انکل!.....اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو.....؟"

"جیتے رہو بیٹا۔" ارشد صاحب نے اسے دعا دی اور وہ اس سے ہاتھ ملا کر گھر میں گھس گیا۔ بعد میں والد صاحب سے بات چیت کرنے پر اسے علم ہوا کہ پڑوسی ہونے کے ناطے ارشد صاحب نے اس کے والد کو مکان بیچنے کی بابت آگاہ کیا تھا۔ مگر ابراہیم کی اتنی حیثیت نہیں تھی کہ وہ مکان خرید سکتا۔ اس لیے اس نے خوشی سے ارشد کو اجازت دے دی تھی کہ وہ کسی سے بھی مکان کا سودا کر سکتا ہے۔

ارشد صاحب کے مکان کے ساتھ ایک پلاٹ کافی عرصے سے ویران پڑا تھا وہ نا معلوم کس کی ملکیت تھا۔ گلی کے مکین عموماً اپنے گھروں کا کچرا اسی میں پھینکتے تھے اور اپنے مالک کی لاپروائی کی بدولت وہ جگہ اچھا خاصہ کچرا گھر بن گئی تھی۔ اور پھر ایک دن اسماعیل نے دیکھا کہ چند مزدور اس کچرے والے پلاٹ کی صفائی میں مشغول تھے۔ اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔

"شاید مالک کو اس پلاٹ پر رحم آ گیا ہے اور وہ اسے تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" اس کے دماغ میں سوچ ابھری مگر وہ مزدوروں سے اس بات کی تصدیق نہ کر سکا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے عجیب سا احساس ہوا جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔ ماں اور باپ دونوں کچن میں بیٹھے سر جوڑے کسی کھسر پھسر میں مصروف تھے۔

"شاید میری شادی کا کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں۔" اس کے دماغ میں خیال آیا اور وہ انھیں سلام کہتا ہوا اپنے کمرے میں گھس گیا۔ ابھی وہ ٹھیک طرح سے بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے والدین کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے چہروں پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر اس کا دل ناخوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا۔

"خیر تو ہے ابو جی؟"

"پتر آج فاضل علی خان آیا تھا۔"

"کیوں؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔ فاضل علی خان کو وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ پہلے انھی کے محلے میں رہتا تھا۔ بعد میں اس کے روابط غلط قسم کے لوگوں سے ہو گئے تھے اور وہ مختلف جرائم میں ملوث ہو گیا تھا۔ جس میں قتل، ڈکیتی، سمگلنگ سے لے کر اغوا برائے

تاوان تک شامل تھے۔ایسے بندے کا ان کے گھر آنا کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

''بیٹا!.....وہ ہمارا گھر خریدنے آیا تھا۔''

''گھر خریدنے کے لیے؟.....میں سمجھا نہیں۔''

''سمجھ تو مجھے بھی نہیں آئی.....میں نے اسے بتلا دیا کہ ہم گھر نہیں بیچ سکتے ہیں۔پر اس نے میری بات سننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی.....اپنا حکم سنا کر چلا بنا۔''

''اس کے باپ کی حکومت ہے نا کہ اپنا حکم چلائے گا۔''اسماعیل سے غصہ ضبط نہ ہو سکا۔

''ناں پتر ناں.....جوش سے نہیں ہوش سے کام لو۔وہ غلط قسم کا بندہ ہے،ایسے بندوں کی نہ دشمنی اچھی ہوتی ہے نہ دوستی۔''

''آپ فکر نہ کریں ابو جی میں خود اس سے بات کرلوں گا۔''اس نے باپ کو تسلی دی۔

''تم ضرور اس سے بات کرنا مگر جھگڑنا نہیں۔سمجھ گئے نا پتر؟''

''ابو!.....پاگل تھوڑی ہوں کہ لڑوں گا۔میں تو بس اسے آرام سے سمجھاؤں گا۔''

''شاباش پتر۔''اس کا والد کمرے سے نکل گیا۔جبکہ کافی دیر سے خاموش کھڑی ماں اس سے چائے کا پوچھنے لگی۔

☆......☆......☆

اگلے دن اتوار تھی اور اس کا ارادہ فاضل علی خان سے جا کر ملنے کا تھا۔اس کی کوٹھی اس نے دیکھی ہوئی تھی۔چھٹی کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر سے اٹھا۔ناشتا کرنے کے بعد فاضل علی خان کی طرف جانے سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اس نے سوچا شاید شکیل ہوگا کہ وہ چھٹی کا دن عموماً اس کے پاس آ جاتا تھا،مگر دروازہ کھولنے پر اسے ایک اجنبی صورت دکھائی دی۔

''جی؟''

اجنبی بولا۔''تمھیں سیٹھ صاحب یاد کر رہے ہیں۔''

''سیٹھ صاحب؟''اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی.....سیٹھ فاضل علی خان صاحب۔وہ سامنے گاڑی میں تشریف فرما ہیں۔''

''ہونہہ.....سیٹھ فاضل علی خان۔''وہ گھر سے باہر نکل آیا۔چوڑی گلی کے وسط میں ایک چمکتی دمکتی پجارو کھڑی تھی جس کی فرنٹ سیٹ پر فاضل علی اپنے ڈرائیور کے ساتھ براجمان تھا۔

''جی۔''گاڑی کے قریب جا کر اس نے حتی الوسع نارمل لہجے میں پوچھا۔ورنہ اس کا دل کچھ اور چاہ رہا۔

''لڑکے۔''فاضل خان شانِ بے اعتنائی سے بولا۔''ہم نے تمھارے باپ کو بتلا دیا تھا کہ اگلے ہفتے ڈیڑھ تک یہ گھر خالی

کر لیں۔" "اب ہم پے منٹ دینے آئے ہیں۔"

"گھر خالی کر لیں۔مگر کیوں؟" وہ کوشش کے باوجود اپنی آواز کی تلخی پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

"ہماری عادت تو نہیں ہے کہ کسی کی بات کا جواب دیں، لیکن چلو...... تجھے بتلائے دیتے ہیں۔" اس نے گویا اسماعیل کی سات پشتوں پہ احسان کرتے ہوئے کہا۔" تمہارے ساتھ والا مکان اور اس کے ساتھ پڑا خالی پلاٹ ہم خرید چکے ہیں اور ہمارا ارادہ یہاں پلازہ تعمیر کرنے کا ہے۔اور اس کے لیے جگہ کم پڑ رہی ہے۔اس مکان سے یہ کمی دور ہو جائے گی سمجھے......؟" وہ ملازم کی طرف متوجہ ہوا۔" شیرے اسے مکان کے تین لاکھ روپے دے دو۔"

شیرے نے مستعدی سے کہا۔"جی سیٹھ جی۔"

اسماعیل شاہ نے تلخی سے کہا۔" مگر تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں گھر کا سودا کر رہا ہوں اور وہ بھی تین لاکھ جیسی حقیر رقم میں۔"

اس مرتبہ اس کی بات کا جواب دینے کے لیے فاضل خان ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور اس کے روبرو آ کر بولا۔

"ہماری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی، جب ہم نے کہہ دیا تو وہ پتھر پر لکیر ہو گیا سمجھے؟"

"مسٹر بناوٹی سیٹھ صاحب نہ تو ہم یہ گھر خالی کر رہے ہیں اور نہ ہی مستقبل قریب و بعید میں اس قسم کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے پلازے پر میں دس بار لعنت بھیجتا ہوں اور یہ جو تم تین لاکھ کی بھیک دے رہے ہو،اس سے تو آج کل لکڑی کا کھوکھا نہیں ڈالا جا سکتا۔اور تم پورے گھر کا سودا اس حقیر رقم میں چکا رہے ہو۔"

"جوان!......ہمارا خیال تھا گھی سیدھی انگلیوں سے نکل جائے گا؟"

"تم ٹیڑھی کر کے بھی دیکھ لو۔"

"دیکھ لو...... تیرے گھر میں جوان بہن ہے اور ہمارا خیال ہے تُو یہ نہیں چاہے گا کہ تیری بہن......"

مگر اگلی بات وہ صرف ذہن میں ہی سوچ سکا تھا کہ ہونٹوں کے راستے باہر آنے سے پہلے اسماعیل کا بھرپور تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا۔سٹیل مل کی مزدوری نے اس کے ہاتھوں کو بھی لوہے کی طرح سخت کر دیا تھا۔فاضل خان تھپڑ کھا کر زمین پر گر گیا۔اس کے ساتھ ہی اسماعیل دھاڑا......

"کتے بہن کا نام لیتا ہے۔اگر دوبارہ میری بہن کا نام تیرے گندے ہونٹوں پر آیا زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔"

فاضل خان کے باڈی گارڈ نے کلاشن کوف کاک کرتے ہوئے اسکی طرف تانی مگر فاضل خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا......

"نہیں......نہیں......شیرے۔اتنی آسان موت نہیں۔اس نے سیٹھ فاضل علی خان پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔میں اسے اتنا ذلیل کروں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا کہ اپنی نسلوں کو بھی نصیحت کرے گا۔" فاضل خان غصے کی شدت میں اپنی نوابی بولی بھول گیا تھا۔

جواباً اسماعیل شاہ نے نفرت سے ایک جانب تھوکنے پر اکتفا کیا تھا۔

"چند دن انتظار کرو تجھے اس کا صلہ مل جائے گا۔" یہ کہتے ہی فاضل خان گاڑی کی طرف مڑا۔ شیرے نے جلدی سے آگے بڑھ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

گلی میں چند آدمی اکٹھے ہو گئے تھے جو اسماعیل کے پڑوسی تھے۔ گاڑی کے جاتے ہی وہ قریب آ گئے

"کیا کہہ رہا تھا یہ کمینہ۔" ایک بزرگ نے اسماعیل سے پوچھا۔

"ہمارے گھر کا سودا کرنے آیا تھا چچا۔"

"پتر تو نے اس کی اچھی خاصی بے عزتی کی ہے۔ اب تھوڑا احتیاط سے رہنا گھٹیا شخص ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔" بزرگ اسے مشورہ دیا۔

"ایسے لوگ صرف باتوں کے شیر ہوتے ہیں چچا۔ بہرحال آپ کی نصیحت کا میں خیال رکھوں گا۔"

"جیتے رہو بیٹا۔" وہ اسے دعا دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ بھی سر جھٹکتے ہوئے اپنے گھر میں گھس گیا۔ اس کی ماں دروازے کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھی۔ اس کے گھر میں گھستے ہی مستفسر ہوئی۔

"کک کون تھا پتر؟ کس سے جھگڑ رہے تھے؟"

"وہی کمینہ تھا ماں جی۔ فاضل خان۔ چوریاں اور سمگلنگ کرتے کرتے آج کل سیٹھ بن گیا ہے چند ٹکے کیا آ گئے ہیں گفتگو کا انداز ہی بدل گیا ہے کمینے کا۔"

"بیٹا تجھے تیرے باپ نے کہا بھی تھا کہ اس کے منہ نہ لگنا۔ وہ تو غنڈہ ہے۔ یہ نہ ہو تجھے نقصان پہنچا دے۔" صغرا خاتون نے تشویش ظاہر کی۔

"ماں جی!...... میں کب اس کمینے کے منہ لگا ہوں۔"

"میں سب سن رہی تھی پتر۔ تُو نے اسے تھپڑ بھی مارا ہے شاید؟"

"ریحانہ کا نام اپنی گندی زبان سے لے رہا تھا...... ماں، کیا اسے سلامی پیش کرتا؟"

"کچھ بھی ہو بیٹا!...... تمھیں احتیاط کرنی چاہیے تھی۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا امی جی۔" اس نے جان چھڑائی۔ ورنہ اسے پتا تھا کہ ماں کی نصیحتیں اسی طرح جاری رہتیں۔

☆......☆......☆

''تمہیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ میرا تو مشورہ ہے کہ ریحانہ کو گھر بٹھا دو، کوئی ضرورت نہیں اس کی کمائی کی، سلائی کڑھائی کا کام وہ گھر بیٹھے بھی کر سکتی ہے۔''

شکیل نے ساری صورت حال آگاہ کر اسے یہ مشورہ دیا تھا۔

اسماعیل شاہ کو یہ بھی پتا تھا کہ شکیل در پردہ ریحانہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کا خواہاں ہے بلکہ اس کی ماں نے تو اسماعیل کی ماں سے ڈھکے چھپے لفظوں میں رشتے کی بات بھی کی تھی گو وہ نسب کے لحاظ سے اسماعیل شاہ کے گھرانے سے کم درجہ رکھتے تھے کہ اسماعیل شاہ سید تھا اور عمومی طور پر سید...... خاندان سے باہر رشتا کرنے کے مخالف ہوتے ہیں۔ مگر اسماعیل یا اس کے والد کو اس قسم کا کوئی امر مانع نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام میں اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی کہ سید کا کسی غیر سید سے رشتا نہ ہو سکتا ہو۔ اس قسم کی کئی مثالیں انھیں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دور کے ملتی تھیں جن میں سید ذات کا رشتا غیر سید سے ہوا ہو۔ باقی معاشی لحاظ سے دونوں گھرانے ہم پلہ تھے۔ مگر اسماعیل کی ماں پہلے بہو گھر میں لانا چاہتی تھی، دوسرے ریحانہ کے جہیز کے لیے بھی اب تک کوئی سامان تیار نہیں ہوا تھا اس لیے اس نے شکیل کی ماں کو۔

''ہم مشورہ کریں گے۔'' کہہ کر وقتی طور پر ٹال دیا تھا۔

''اس طرح وہ کمینہ آدمی سمجھے گا کہ ہم اس سے ڈر گئے ہیں۔'' اسماعیل شاہ بولا۔ ''ورنہ میں خود ریحانہ کے اس کام پر دلی طور پر ناخوش ہوں۔''

''تم مجھے سمجھانے کو چھوڑو ڈاکٹر صاحب۔ عورت ذات کانچ کی مانند ہوتی اور تمھیں پتا ہوگا کہ کانچ ہلکی سی ٹھوکر بھی نہیں سہارتا۔''

''مگر یار اس کی بے عزتی میں نے کی ہے اور مجھے ہی نقصان پہنچا کر وہ بدلہ لے گا۔''

''تمھیں کچھ کہنا ہوتا تو وہ اسی وقت اپنے آدمیوں سے تیری مرمت کرا دیتا۔''

''اس طرح...... سرِ عام؟''

''کیا کہنے تیری عقل کے...... بیوقوف ایسے کمینے، لوگوں سے نہیں ڈرتے، وہ تیری پٹائی بھی کرتے اور الٹا تجھے حوالات میں بھی بند کرا دیتے۔''

''پولیس اندھی ہے کیا؟''

''صرف اندھی نہیں۔ بہری بھی ہے۔''

''اگر یوں ہے تو اس نے اسی وقت اپنی بے عزتی کا بدلہ کیوں نہیں لے لیا؟''

''وہ کینہ پرور اور گھٹیا شخص ہے۔ میرا خیال وہ آپکو کوئی بڑا نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ احتیاطی تدابیر استعمال کرو۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہی کہ ریحانہ کے گھر سے باہر جانے پر پابندی لگا دو۔ خود بھی رات کو گھر سے نکلنے سے پرہیز کرو۔ دن کو بھی غیر ضروری پھرنے پھرانے سے پرہیز کرو گو تیرے پاس آوارہ گردی کے لیے صرف اتوار کا دن ہوتا ہے، وہ دن بھی کوشش کر کے گھر میں ہی گزارو۔ اگر کہیں جانا مجبوری بن جائے تو مجھے کال کر کے بلا لو...... ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔ اگر پولیس میں کوئی واقف کار ہے تو اس ضمن میں اس سے بھی مشورہ کر لو۔''

شکیل تعلیم کے میدان میں اسماعیل سے بہت پیچھے پر عملی زندگی میں کافی جہاندیدہ تھا۔ اس کے مشورے اسماعیل کو بہت معیاری لگے۔ مگر افسوس کہ ان میں سے کسی مشورے پر عمل کرنے کی نوبت نہ آسکی۔ اس دن وہ بغیر اوور ٹائم لگائے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اسے رہ رہ کر ریحانہ کی فکر ہو رہی تھی۔

''مجھے اسے کام پر نہیں جانے دینا چاہیے تھا۔'' اس کے ذہن میں سوچ ابھری۔ اس کے اندیشے اس وقت حقیقت کا روپ دھار گئے جب گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی ماں بولی۔

''اسماعیل پتر!...... ریحانہ کا تو پتا کرلو وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔''

''اب...... بھی تک نہیں پہنچی؟'' اس کی زبان ہکلا گئی۔ روزانہ ریحانہ اس سے کافی پہلے گھر پہنچ جاتی تھی۔ ''ابو جان کو بھیج دیا ہوتا۔''

''تم تو پریشان ہی ہو گئے؟'' ماں اس کی پریشانی بھانپ گئی۔ ''ہو سکتا ہے رکشہ وغیرہ خراب ہو گیا ہو...... تیرے والد نے وہ جگہ ہی نہیں دیکھی جہاں وہ کام کرتی ہے۔''

''پریشانی کیسی...... ماں جی۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں ابھی اسے لے آتا ہوں۔'' مگر اس کے دروازے کی طرف مڑنے سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ تیر کی طرح دروازے کی طرف بڑھا کہ شاید ریحانہ ہو۔ حالانکہ اس کو دروازے پر دستک دینے کی ضرورت نہیں تھی۔

''یہ ابراہیم شاہ غازی کا گھر ہے؟'' دروازے پر پولیس والے کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا تھا۔

''ج...... جی...... جی۔''

پولیس والے نے پوچھا۔ ''تم اس کے بیٹے ہو؟''

اس مرتبہ بھی اس کا جواب اثبات میں تھا۔

''تمھیں اور اپنے والد کے ساتھ تھانے چلنا پڑے گا۔''

''مم......مگر کیوں؟'' آواز اس کے گلے میں اٹکنے لگی۔

''اپنی بہن کی ضمانت کے لیے......وہ تھانے میں ہے۔''

''ضض......ضمانت، کک، کیا اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟''

''ہاں۔'' پولیس والا معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''مگر یہ دوسری قسم کا ایکسیڈنٹ ہے۔''

''کیا بات ہے بیٹا؟ یہ پولیس والا کیسے بلانے آیا ہے۔'' سر پہ سفید ٹوپی رکھے اس کا باپ غالباً مسجد سے آرہا تھا۔

''یہ والا کہہ رہا ہے کہ ریحانہ کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے اور وہ تھانے میں ہے۔ ہمیں اسے وہاں سے لانے کے لیے اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔''

''یا اللہ خیر۔'' ابراہیم کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ ''کیا ہوا میری بچی کو۔''

''وہ تھانے چل کر دیکھ لینا۔'' پولیس والے نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔ ''چلو بیٹھو رکشے میں۔''

وہ دونوں اس کے ہمراہ رکشے میں بیٹھ گئے۔ اسماعیل کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اسے پولیس والے کا معنی خیز لہجہ عجیب سا محسوس ہوا تھا، مگر وہ اسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ راستے بھر رکشے میں خاموشی چھائی رہی۔

''سر جی کڑی کا بھائی اور باپ حاضر ہیں۔'' انھیں گھر سے لانے والے سپاہی نے تھانیدار کو سیلوٹ کر کے کہا۔

تھانیدار نے کہا۔ ''بزرگو!......تسی تے اچھے خاصے نمازی پرہیزی نظر آرہے ہو، فر آپڑیں کڑی نوں سنبھال کے کیوں نہ رکھ سکدے۔''

''آ......آپ کی بات میں سمجھا نہیں تھانیدار صاحب؟'' ابراہیم شاہ ہکلا گیا تھا۔

''تمھاری بیٹی آج پکڑی گئی ہے بزرگو......پتنگ اڑاتے نہیں۔ گڈی چڑھاتے۔ جسے سادہ الفاظ میں کہتے ہیں منہ کالا کرنا۔''

''تھانیدار صاحب آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' اسماعیل شاہ نے بمشکل اپنے غصے کو کنٹرول کیا تھا۔

''برخوردار میں حقائق بیان کر رہا ہوں......اگر میری زبان سے یہ سننا برا لگ رہا ہے تو کل اخبار میں پڑھ لینا تفصیل کے ساتھ۔ اور اگر اس کے بعد بھی آپ لوگوں نے کڑی کو لگام نہ ڈالی تو شاید اگلی مرتبہ اس کی ویڈیو بھی بازار میں آجائے۔ ویسی ہی ویڈیو جو کسی زمانے میں لوگ چھپ چھپ کر دیکھا کرتے تھے مگر آج کل سرعام بیچی اور دیکھی جارہی ہیں۔ کیونکہ جنرل مشرف صاحب کی مخلصانہ کوششوں سے فحاشی کو بھی آرٹ کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ بہرحال مختصراً یہ کہ آپ اپنی کڑی کو سنبھالیں۔ بلکہ جلد از جلد کسی کے متھے مار کر اپنی چھڑائیں۔''

''ر......رے......ریحانہ کی خبر اخبار میں آئے گی۔'' ابراہیم شاہ نے خود کلامی کی اور پھر بائیں پہلو پہ ہاتھ رکھ کر نیچے جھکتا چلا گیا۔

''ابو جان۔'' اسماعیل نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر ابراہیم نیچے گر گیا تھا۔ اسے گود میں اٹھا کر وہ باہر کی طرف بھاگا۔

''اوے شیدے!...... جا کوئی رکشہ ٹیکسی پکڑ کے دو انھیں۔'' تھانیدار نے انھیں گھر سے بلا لانے والے سپاہی کو حکم دیا۔ اور وہ ''جی سر'' کہہ کر اسماعیل کے پیچھے نکلا مگر اس کی مدد سے پہلے اسماعیل ٹیکسی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی کہ ٹیکسی والا کسی سواری کو چھوڑنے تھانے آیا تھا سواری کا ٹیکسی سے نکلنا اور اسماعیل کا والد کو لے کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھنا ایک وقت میں ہوا تھا۔

''ڈرائیور جلدی چلو ایمرجنسی ہے۔''

ڈرائیور نے عجلت میں ٹیکسی آگے بڑھائی۔ ''کہاں جانا ہے صاحب؟''

''سول ہسپتال چلو۔'' وہ ایک لمحہ سوچ کر بولا۔ یوں بھی تھانے کے سب سے نزدیک سول ہسپتال ہی پڑ رہا تھا اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی اسے جانا تو بہر حال سول ہسپتال ہی پڑتا کہ کسی پرائیویٹ ہسپتال میں والد کا علاج کرانا کم از کم اس کے بس سے باہر تھا۔ ڈرائیور کو ہسپتال کا بتا کر اس نے موبائل فون نکالا اور شکیل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شکیل کی 'ہیلو' سنتے ہی اس نے کہا۔

''شکیل جلدی سے سول ہسپتال پہنچو۔ ابو جان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے۔ ساتھ کچھ پیسے بھی لیتے آنا۔''

''میں ابھی آیا۔'' شکیل نے بھی موقع کی مناسبت سے کوئی سوال کرنے سے گریز کیا تھا۔ فون بند کر کے وہ والد کی چھاتی سہلانے لگا، اذیت جیسے اس کے چہرے پر نقش ہو گئی تھی۔ خود اس کا دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ریحانہ ایسی تو نہیں تھی۔ وہ تو بہت سلجھی ہوئی کم گو، حیا والی اور پابند صوم وصلوٰۃ تھی۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے اور بھائی بہن جیسا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ پچھلے پانچ چھ سال سے اس نے کبھی ریحانہ کو ننگے سر دیکھا ہو۔ اگر وہ اتنی ہی آبرو باختہ تھی تو کم از کم اپنے کسی عمل سے تو ایسی لگتی۔

''بہر حال یہ سب کچھ ریحانہ سے ملنے پر ہی پتا لگے گا۔'' وہ جیسے خود سے بولا۔

''اور اگر یہ سچ ہوا پھر؟''

ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کی نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا۔ ''بھائی نے بے حیا بہن کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا...... بدچلن بہن کو گولی مار کر غیرت مند بھائی نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا...... مظلوم بھائی نے بہن کے آشنا کے ساتھ پکڑے جانے پر خود کشی کر لی۔ بھائی نے پٹرول چھڑک کر بہن کر عصمت فروش بہن کو آگ لگا دی...... بھائی نے بہن کو گولی مار کر خود کو بھی ہلاک کر دیا۔'' اخبار کی مختلف قسم کی سرخیاں اس کی نگاہوں کے سامنے ناچ رہی تھیں۔ ان بھیانک خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ٹیکسی ڈرائیور اس سے مخاطب ہوا۔ ''بھائی گاڑی کدھر روکنی ہے؟''

''آں...... ہاں۔'' وہ گڑبڑا سا گیا۔

''سر جی میں نے کہا گاڑی کدھر روکوں۔''

''پارکنگ میں روکو اور بھلا وارڈ کے اندر لے جاؤ گے۔''

ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر دی۔ سٹریچر اسے ایمرجنسی سے مل جاتا مگر اتنا ٹائم اس کے پاس موجود نہیں تھا، اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے والد کو بازوؤں میں بھرا اور ہسپتال کی اندرونی عمارت کے جانب بڑھ گیا۔

ڈرائیور نے آواز دی۔ ''سر جی کرایہ؟''

''میں واپس آرہا ہوں۔'' وہ بغیر رکے بولا..... اور ہسپتال میں گھس گیا۔

''ایمرجنسی وارڈ کدھر ہے؟ ایمرجنسی وارڈ کس طرف ہے؟'' وہ عجلت میں ایک بندے سے مستفسر ہوا اور اس نے ایک جانب اشارہ کر دیا، وہ باپ کو اٹھائے ادھر دوڑتا چلا گیا۔

''سر ڈاکٹر صاحب کدھر ہے؟'' ایمرجنسی وارڈ میں موجود بیڈ پر والد کو لٹاتے ہوئے وہ وارڈ بوائے سے مخاطب ہوا۔

''ذرا انتظار کرو..... ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں؟''

''آنے والے ہیں کیا مطلب؟..... یہ ایمرجنسی وارڈ ہے اور یہاں ہر وقت ڈاکٹر صاحب کا حاضر رہنا ضروری ہے۔''

''تم مجھے قانون مت پڑھاؤ۔ آرام سے بیٹھ کر انتظار کرو۔''

''اگر میرے والد کو کچھ ہو گیا؟ تو میں تیری گردن اتار دوں گا۔'' اسماعیل نے غصے سے بپھر کر وارڈ بوائے کا گریبان پکڑا۔ اس کا غصہ دیکھ کر سختی سے وارڈ بوائے کی حالت غیر ہونے لگی۔

''بب بلاتا ہوں، ابھی بلاتا ہوں۔'' وہ وہ گھبرا گیا اور اسماعیل نے جیسے ہی اس کا گریبان چھوڑا وہ بھاگ کر اندر گھس گیا اور اگلے چند منٹوں میں وہ ڈاکٹر کے ہمراہ نمودار ہوا۔ ڈاکٹر کی حالت دیکھ کر اسماعیل کو اندازہ لگانے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ وہ سویا ہوا تھا۔ مگر اس نے ڈاکٹر سے شکوہ شکایت کی بجائے اپنے والد کی حالت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

ابراہیم شاہ کی حالت دیکھتے ہی ڈاکٹر نے وارڈ بوائے سے کہا.....

''سٹریچر میں ڈالو..... اسے آئی سی یو میں لے جانا پڑے گا۔''

وارڈ بوائے نے جلدی سے سٹریچر سیدھا کیا اس دوران اسماعیل نے والد کو اٹھا کر سٹریچر میں لٹا دیا۔ وہاں سے وہ تیزی سے آئی سی یو کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ۔ اسماعیل کو دروازے پر روک کر ڈاکٹر اور وارڈ بوائے اندر گھس گئے۔ اور وہ پریشانی کے عالم میں دروازے کے سامنے ٹہلنے لگا۔ موبائل کی گھنٹی بجی اس نے فون نکال کر دیکھا شکیل کی کال تھی۔

اس نے کال اٹینڈ کی ''شکیل میں انتہائی نگہداشت کے وارڈ کے سامنے کھڑا ہوں جلدی پہنچو۔''

"او کے میں آ گیا۔" شکیل نے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر چند منٹ بعد وہ اس کے پاس تھا۔

"یہ کیسے ہوا؟......صبح تک تو بھلے چنگے تھے؟"

"دل کا دورہ اچانک ہی لگا کرتا ہے بھئی...... مزید تفصیلات تمھیں بعد میں بتاؤں گا ابھی میں نے ایک ضروری کام کے سلسلے میں جانا ہے۔ تم یہیں ٹھہر کر انتظار کرو، ابو جی اندر ہی ہیں۔"

"تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" شکیل حیران رہ گیا۔ "والد کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ ایسا کون سا ضروری کام ہے؟"

"یہ سب بتانے کا ٹائم نہیں ہے...... بس فون پر رابطہ رکھنا۔" وہ شکیل کو ششدر چھوڑ کر وہاں سے چل پڑا۔ ٹیکسی والا کرایے کی وجہ سے اس کا منتظر تھا۔

"معافی چاہتا ہوں دوست تجھے انتظار کی زحمت دی۔" وہ ٹیکسی کے اندر بیٹھ گیا۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب۔" ٹیکسی ڈرائیور خوش اخلاقی سے بولا۔ "اب کہاں جانا ہے؟"

"واپس تھانے چلو۔" اس کا ارادہ ریحانہ کو گھر پہنچا کر واپس ہسپتال آنے کا تھا۔

تھانے کے سامنے ٹیکسی روک کر اس نے کرایہ ادا کیا اور ڈرائیور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تھانے میں گھس گیا۔

"اسے اپنے آشنا سمیت تمھارے جاتے ہی رہا کر دیا تھا۔" تھانیدار اس کے ریحانہ کے متعلق استفسار پر اطمینان سے بولا۔ "ہمارا مقصد تو فقط آپ لوگوں کو حقیقت سے آگاہ کرنا تھا ورنہ جب کڑی منڈا راضی تو کیا کرے گا قاضی۔"

تھانیدار کے ریمارکس پر وہ خجالت بھرا چہرہ لیے تھانے سے نکل آیا۔

"شاید وہ گھر پہنچ گئی ہو۔" اس نے موبائل نکال کر گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر کافی دیر گھنٹی بجنے کے باوجود کسی نے فون نہ اٹھایا۔

"میرا خیال ہے خود ہی گھر جانا پڑے گا۔" یہ سوچ کر اس کے قدم بس سٹاپ کی طرف اٹھنے لگے کہ ٹیکسی کا کرایہ اس کی جیب میں پورا نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ماں کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کر کے اپنے ساتھ ہسپتال لے جائے گا۔ اسے اپنی بہن کی بھی فکر تھی نا معلوم وہ گھر پہنچی تھی یا جان کے خوف سے کہیں بھاگ گئی تھی۔ اگر وہ گھر سے غائب ہو جاتی تو بہت سے سوالات کے جوابات تشنہ رہ جانے تھے۔

سٹاپ پر اتر کر وہ تیز قدموں سے گھر کے جانب چل پڑا۔ وہ دروازے سے چند قدم دور ہی تھا کہ اسے گھر کے اندر سے اپنی ماں کی چیخ سنائی دی اس نے دوڑ کر دروازہ کھولا اندر داخل ہوتے ہی اسے ماں صحن میں تڑپتی نظر آئی۔ باورچی خانے میں استعمال ہونے والی بڑی چھری دستے تک اس کے پہلو میں گھسی ہوئی تھی۔ اسے مارنے والا غائب تھا۔ ماں کو اس حال میں دیکھ کر اسماعیل کے ذہن میں اس کے تعاقب کا خیال نکل گیا تھا۔

"امی جان۔" اس نے ماں کا سر اٹھا کر گود میں رکھا۔ چھری کو دستے سے پکڑ کر کھینچ کر باہر نکالا اور سائیڈ پر پھینک دیا۔ چھری کے

بدن سے نکلتے ہی خون کا ایک فوارہ سا نکلا تھا جو اس کے چہرے اور کپڑوں کو رنگین کر گیا تھا۔

اس نے ماں کا دوپٹہ اٹھا کر اس کے زخم کے گرد لپیٹا۔ مگر اس کی یہ کوشش بے سود تھی اس کی ماں کا جسم آہستہ آہستہ بے حرکت ہونے لگا اس کی آنکھیں اپنے بیٹے کی طرف مرکوز تھیں اور پھر آہستہ آہستہ وہ مقدس آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

اسماعیل اس وقت بھی کسی امید کے سہارے اپنی ماں کا بے جان لاشہ چھوڑ کر بیرونی دروازے کی طرف بھاگا اس کا ارادہ کسی ٹیکسی یا رکشے والے کو بلانے کا تھا۔ مگر اس کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور پولیس والے دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

''خبردار......کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔'' سپاہیوں کو لیڈ کرنے والا تھانیدار دھاڑا۔

''انسپکٹر صاحب، انسپکٹر صاحب مجرم بھاگ گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس گاڑی ہے تو پہلے میری ماں کو ہسپتال تک چھوڑنے میں میری مدد کرو اس کی جان خطرے میں ہے۔ بعد میں ضروری کارروائی کر لینا۔'' پولیس والوں کو دیکھ کر اسماعیل کی ہلکی سی ڈھارس بندھ گئی تھی اور اسے امید ہو چلی تھی کہ وہ بروقت اپنی ماں کو ہسپتال لے جائے گا۔ حالانکہ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ ورنہ اس کی ماں کب کی دم توڑ چکی تھی۔

''مجرم بھاگا نہیں ہے پتر...... بھاگنے کی فکر میں ہے...... تیرا کیا خیال ہے تُو ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اوئے شیدے پکڑ لو اس بے غیرت کو۔'' تھانیدار اس سے بات کرتے کرتے ایک سپاہی سے مخاطب ہوا۔

''جی سر۔'' شیدا مستعدی سے بولا۔

''آ......آپ......کیسی باتیں کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟'' وہ حیران رہ گیا تھا۔

''میں ویسی ہی باتیں کر رہا ہوں جس طرح تمھیں سنائی دے رہی ہیں اور جیسی مجھے کرنی چاہئیں...... بشیرے آلۂ قتل کو کسی رومال سے پکڑ کر محفوظ کر لو اس پر قاتل کی انگلیوں کے نشان ہوں گے۔''

اسماعیل کو جھڑک کر وہ دوسرے سپاہی سے بولا اور بشیرا ''جی جناب'' کہہ کر جیب سے سفید رومال نکالے اسماعیل کی ماں کے پاس پڑے آلۂ قتل کی طرف بڑھنے لگا جبکہ اس دوران شیدا اسماعیل کو ہتھکڑی لگا چکا تھا۔

☆......☆......☆

''ہاں بھئی شیرے!......سناؤ کوئی نئی تازی۔'' فاضل خان نے صوفے سے ٹیک لگا کر اپنی دونوں ٹانگیں سامنے پڑے شیشے کی میبل پر رکھ لیں تھیں۔

شیرے نے جواب دیا۔ ''سیٹھ صاحب!......لڑکی کو تھانیدار صاحب نے ایک سپاہی کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔ اس کے بھائی کو پولیس اپنی ماں کے قتل کے جرم میں پکڑ کر لے گئی ہے اور اس کا والد ہارٹ اٹیک کے باعث ہسپتال کے رستے قبر میں پہنچ گیا ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہا...... ہا...... ہا" فاضل کا قہقہہ کافی بلند تھا۔ "یہ ہے ہم سے ٹکر لینے کا انجام۔ بیوقوف! کچھ سیکھو۔تم تو اسی وقت اسے پار کرنے کے چکر میں تھے۔مگر اس کا فائدہ کیا ہوتا دوست کی تکلیف کے بعد ہمیشہ کی نکتی۔"

"جی سیٹھ صاحب...... آپ کی دانشمندی نے ہی آپ کو یہ مقام بخشا ہے۔"

"اب پتا ہے کیا کرنا ہے؟"

"حکم کریں سیٹھ صاحب؟"

"اس فائل میں سید اسماعیل شاہ کے گھر کی ملکیت کے کاغذات ہیں...... یہ لے جاؤ اور اس سے دستخط کروا کر لے آؤ۔"

"وہ دستخط کر دے گا؟"

"کیا اس کی بہن ہم ڈولی میں بٹھانے کی غرض سے لائے ہیں؟ بیوقوف! اسے دھمکی دو کہ اگر اس نے سائن نہ کیے تو ہم اس کی بہن کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں؟"

"جی بہت بہتر۔" شیرے نے فاضل سے فائل لی اور باہر جانے کے لیے مڑا۔

"اور ہاں...... سائن کرانے سے پہلے اس کی ڈھارس بندھا دینا۔ ڈھارس بندھانے کا مطلب سمجھتے ہو نا؟"

"جج...... جی...... جی۔ جانتا ہوں...... پر آپ بتا دیتے تو بہتر ہوتا۔"

"گدھے۔ اسے بتانا کہ اس کی بہن بالکل محفوظ ہے۔ اور اس کے ساتھ معصوم بھی۔ اسے تھانے میں زبردستی لے جا کے بٹھایا گیا تھا باقی سارا ڈراما تھا اس کی اکڑ ختم کرنے کا؟"

"اسے حقیقت بتلا دوں؟"

"بالکل...... تا کہ اسے پتا چلے اس نے کس سے ٹکر لی ہے۔"

اور شیرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

"یہ سب کیا ہے ہاں؟" شکیل کے لہجے میں تاسف تھا۔

"مم...... مم مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی شکیل...... کچھ بھی نہیں۔"

"اخبار میں تو کوئی عجیب سی کہانی شائع ہو رہی ہے...... پولیس کا بھی سارا زور اس بات پہ ہے کہ آنٹی کو آپ نے قتل کیا ہے۔ اسی وجہ سے انسپکٹر نے تجھے والدین کے جنازے میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔"

"اخبار...... کون سی عجیب کہانی شائع کر رہے ہیں؟"

''یہی کہ ریحانہ...... کا کردار..... خراب تھا اور اس کے ساتھ آنٹی کی ملی بھگت تھی، جبکہ انکل اور آپ اس سے لاعلم تھے اور جب انکل کو اس بات کا پتا چلا تو اسے ہارٹ اٹیک ہو گیا اور آپ نے اسی وجہ سے آنٹی کو قتل کر دیا۔''

''بکتے ہیں سارے...... بکواس کرتے ہیں...... یہ...... یہ سارے بے غیرت ہیں۔ اپنی طرف سے ہانکتے ہیں ایسی...... ایسی کوئی بات نہیں، نہ ریحانہ ایسی ہے اور نہ ہی میں نے امی جان کو قتل کیا ہے۔ شاید میں قاتل کو پکڑ بھی لیتا مگر افسوس۔ میں امی جان کو سنبھالنے لگ گیا اور اسے بھاگنے کا موقع مل گیا۔''

''اس کا مطلب تو یہی ہے کہ تیرے خلاف سازش تیار کی گئی ہے اور یہ کام لازمی طور پر فاضل خان کا ہوگا۔''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے...... بہرحال تم ریحانہ کا پتا چلانے کی کوشش کرو کہ وہ کہاں ہے؟''

''ٹھیک ہے یار میں اپنی سی کوشش کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی آپ کے لیے کسی وکیل کا بندوبست بھی کرتا ہوں۔''

شکیل نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور حوالات سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کی پرچھائیاں تھیں۔ اپنے تئیں تو وہ اسماعیل کو تسلی دے آیا تھا مگر اسماعیل جس جال میں پھنس گیا تھا شاید وہ مشکل سے ہی بچ پاتا۔ پولیس کے بیانات اسماعیل کے خلاف تھے چشم دید گواہ بھی فاضل خان نے کرائے پر حاصل کر لیے تھے، سب سے بڑھ کر آلہ قتل پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے۔ مگر اس کے باوجود شکیل نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہ اسماعیل کو بچانے کی پوری کوشش کرے گا۔ آگے اللہ مالک ہے۔ فی الحال تو اسے ریحانہ کو تلاش کرنا تھا جو آخری مرتبہ تھانے میں دیکھی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''سلاما لیکم۔'' شیر خان بڑے انداز سے تھانیدار کے آفس میں داخل ہوا۔

''وعلیکم السلام!...... آئیں جی شیر خان صاحب خوش آمدید۔'' تھانیدار کرسی سے اٹھ گیا۔

''بیٹھیں جناب۔'' تھانیدار نے مصافحہ کر کے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ تھانیدار صاحب۔'' شیر خان پھیل کر بیٹھ گیا۔

''اوئے شیدے۔ کوئی چائے پانی کا بندوبست کر۔''

''جی سر۔'' شیدا چراغ کے جن کی طرح نمودار ہو کر بولا۔

''ساتھ کچھ کھانے کو بھی ہو جائے؟'' اس مرتبہ اس کا مخاطب شیر خان تھا۔

''نہیں...... نہیں تھانیدار صاحب شکریہ۔''

''کیسے تشریف آوری ہوئی؟''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ایک تو آپ کی امانت پہنچانی تھی۔" شیر خان نے جیب سے بڑی مالیت کے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ سیٹھ صاحب نے آپ کا بہترین کام دیکھتے ہوئے بطور انعام بھیجے ہیں...... دوسرا اسماعیل نامی ملزم سے کچھ کاغذات بھی سائن کرانے تھے۔"

"کام کا معاوضہ تو میں نے پہلے سے وصول کر لیا تھا، بہرحال سیٹھ صاحب کے ہدیے کو ٹھکرانا کفرانِ نعمت ہوگا۔" تھانیدار نے لالچی انداز میں رقم جیب میں منتقل کر لی۔

"کون سے کاغذات سائن کرانے ہیں آپ نے؟"

"معلوم نہیں...... یہ فائل سیٹھ صاحب نے میرے حوالے کی ہے۔" شیر خان نے ہاتھ میں موجود فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صریحاً جھوٹ بولا۔ "باقی سیٹھ صاحب جانے اور اس کا کام۔"

"بالکل جی...... بڑوں کے کام تو بڑے جانیں۔" تھانیدار نے خوشامدانہ انداز میں اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "بہرحال آپ جائیں چائے کے آنے تک دستخط کروالیں۔"

اور شیر خان اثبات میں سر ہلاتا ہوا حوالات کی طرف بڑھ گیا۔ اسے دیکھ کر اسماعیل کے بدن میں کوئی جنبش نہیں ہوئی اور وہ اسی طرح بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا رہا۔

"کیسے ہو بھئی؟" شیر خان نے اسے متوجہ کیا، مگر اسماعیل خاموش رہا۔

شیر خان نے کہا۔ "میں تمھاری بہن کا پیغام لایا ہوں۔" اور اس مرتبہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔ اسماعیل تیر کی طرح حوالات کے دروازے کی طرف بڑھا۔

"کہاں ہے وہ؟" اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"فی الحال تو بالکل ٹھیک ہے...... اس کی جان بھی محفوظ ہے اور عزت بھی...... مگر اس وقت تک جب تک تُو چاہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب واضح ہے۔ ہماری ہدایات پر عمل کرو گے تو وہ محفوظ رہے گی اس کے برعکس ہونے کی صورت میں تُو نے سیٹھ صاحب کی طاقت دیکھ لی ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے میرا اندازہ ٹھیک تھا یہ سارا فاضل خان کا کیا دھرا ہے؟"

"یقیناً اسی کا کیا ہوا ہے۔ جب تم جیسے دو دو ٹکے کے آدمی سیٹھ فاضل کے منہ پر تھپڑ مارنے لگ جائیں تو تیرا کیا خیال ہے وہ چپکا بیٹھا رہے گا۔"

"گھٹیا انسان ہے، اور گھٹیا انداز میں بدلہ لیا ہے اس نے۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔"

''ہاہاہا۔'' شیر خان کے منہ سے بے ساختہ قہقہہ نکلا۔ ''بے وقوف تم اپنی جان کی خیر مناؤ اور سیٹھ صاحب سے انتقام لینے کا سوچو بھی مت......تم جیسے کے لیے اس کے غلام ہی کافی ہیں۔''

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' اسماعیل نے دانت پیسے۔

''ٹھیک ہے شاہ جی تم انتقام لے لینا......فی الحال اپنی بہن کی فکر کرو۔''

''مجھے اس کی فکر ہے۔ پر افسوس میں قید میں ہوں......بہر حال، بتاؤ تمھیں اس کے بدلے کیا چاہیے؟''

''ان کاغذات پر سائن کر دو، تمھاری بہن باعزت رہا کر دی جائے گی۔'' شیر خان نے ہاتھ میں پکڑی فائل اس کی طرف بڑھائی۔

''کاغذات......کیسے کاغذات؟''

''تمھارے گھر کی ملکیت کے کاغذات ہیں۔''

''چند گز زمین کے لیے تمھارا فاضل خان اتنا گر گیا کہ قتل اور اغوا جیسے ہتھکنڈوں پر اتر آیا......اس کے باوجود خود کو سیٹھ کہتا ہے۔ لعنت ہو ایسی دولت و جائیداد پر۔''

''دیکھو بے!......تم سیٹھ صاحب کی شان میں بہت گستاخی کر رہے ہو......یہ نہ ہو تمھیں پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے۔''

''پچھتانے کے لیے میرے پاس کیا رہ گیا ہے؟ خیر......تم یوں کرو پہلے میری بہن میرے دوست شکیل کے گھر حفاظت سے پہنچا دو اس کے بعد میں تمھیں سائن کر دوں گا۔''

''نہیں برخوردار!......ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پہلے تم سائن کرو۔ یوں بھی اگر ہماری نیت ٹھیک نہیں ہے تو ہم تیری بہن کو دوبارہ بھی اغوا کرا سکتے ہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی شرائط کو چھوڑو اور سائن کر دو۔''

''میری بات پوری ہو چکی ہے۔'' اسماعیل نے فائل باہر پھینک دی۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے......مسٹر شاہ جی۔''

''اپنا اچھا بُرا میں خوب جانتا ہوں......اس کے لیے مجھے تیرے جیسے کسی دلال کے مشورے کی ضرورت نہیں۔''

شیر خان نے کڑی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے فائل اٹھائی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا تھانیدار کے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''ہوں......! اسے کہتے ہیں رسی جل گئی پر بل نہیں نکلے۔'' شیر خان کی زبانی ساری تفصیل سن کر فاضل خان دانت پیستے ہوئے بولا۔ ''ہمارا خیال ہے پہلے والا سبق اس کے لیے کافی نہیں تھا۔''

''سیٹھ صاحب ابھی تو آپ نے اس کی اکڑ نہیں دیکھی۔ وہ تو مچھے پر ہاتھ ہی نہیں دھرنے دے رہا تھا۔''

''دھیرج، دھیرج، شیرے...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تجھے ہماری عادت کا تو پتا ہے نا کہ ہمیں غصہ نہیں آتا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے سیٹھ صاحب!...... پر مجھ سے تو آپ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں ہوتی۔'' شیر خان کے لہجے میں خوشامد کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

''یوں کرو دوبارہ تھانیدار کے پاس چلے جاؤ اسے کہو کہ آج رات کے لیے اسماعیل کو ہمارے حوالے کر دے صبح سویرے اسے باخیریت واپس کر دیں گے۔''

''اسے ابھی لے آؤں یا......؟''

''نہیں...... لانا رات کو ہے۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔'' شیر خان سلام کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تو فاضل خان کسی سوچ میں گم رہا پھر تپائی پر رکھا فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو...... ہم بول رہے ہیں۔'' کال اٹینڈ ہوتے ہی وہ بولا۔

''جی سیٹھ صاحب حکم کریں؟''

''ٹھیکیدار!...... فی الحال ہمارا کام موخر کر دو کیونکہ کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں چند دن بعد شروع کرنا۔''

''جیسے آپ کی مرضی سیٹھ صاحب۔ بس شروع کرنے کا حکم دے دینا۔''

''اوکے۔'' کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

''امی کچھ پیسے پڑے ہوں گے؟'' شکیل نے کچن میں مصروف ماں سے پوچھا۔

''کیا کرنا ہے پتر......؟''

''وہ...... امی آپ کو تو پتا ہے نا۔ اسماعیل کے ساتھ کتنا ظلم ہوا ہے۔ تو میرا ارادہ ہے کم از کم اس غریب کے لیے کوئی وکیل ہی کر لوں۔''

''آئے...... ہائے لڑکے جھلا تو نہیں ہوا۔ تجھے کس نے کہا وہ بے قصور ہے۔ پوری دنیا جھوٹی ہے کیا؟ اور پولیس والوں نے خود اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں پرائی آگ میں کودنے کی۔''

''مگر امی وہ میرا دوست ہے اور......''

''دوست ہے تو کیا ہوا۔ جاؤ جیل میں حال چال پوچھ لو اور کیا تُو کوئی لینڈ لارڈ ہے کہ اس کے لیے اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے

وکیل پکڑو گے۔ یہاں پر دو وقت کی دال روٹی پوری کرنا مشکل ہوا ہے اور صاحبزادے چلے ہیں پرائے جھگڑے نمٹانے۔"

"پرایا جھگڑا کہاں امی...... وہ میرا دوست ہے اور اس کی بہن کو بھی تو آپ نے میرے لیے مانگا ہوا ہے۔"

"وہ میں نے پہلے مانگا تھا مگر انھوں نے ٹرخا دیا...... اب میں پاگل ہوں کہ دوبارہ اُدھر کا رخ کروں گی جس ظالم نے اپنی بوڑھی ماں کو نہ بخشا وہ کسی اور پر کب ہاتھ روکے گا؟"

"امی جی میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اسماعیل بے قصور ہے...... اس کے خلاف سازش ہوئی ہے۔ یہ سارا کیا دھرا اس بے غیرت فاضل خان کا ہے...... وہی غنڈہ بدمعاش جو پہلے اپنے محلے میں رہتا تھا۔ آج کل سیٹھ بنا پھرتا ہے۔ اس نے اسماعیل اور اس کے گھرانے کے خلاف یہ سارا منصوبہ ترتیب دیا ہے پولیس بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔"

"پھر تو پتر میں تیرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" شکیل کی ماں نے سچ مچ اپنے آٹے سے لتھڑے ہوئے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ "تجھے سائیں گیارویں والے کا واسطا تُو اس کام میں نہ پڑ، میں بے موت مرنا نہیں چاہتی۔ یہ نہ ہو پتر کل اسماعیل کی جگہ تُو حوالات میں کھڑا ہو۔"

"ایسے ہی امی حوالات میں جاؤں گا...... بغیر کسی قصور کے۔"

"تُو خود ہی تو کہہ رہا ہے کہ اسماعیل بےقصور حوالات میں بند ہے۔ تو تیرے ساتھ کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔"

"پر امی اسماعیل کیا سوچے گا کہ اس مشکل وقت میں اس کے کسی کام نہ آ سکا۔"

"بیٹا جان ہے تو جہان ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ تیری وجہ سے وہ بچ جائے جب پولیس اس کے خلاف ہے، وہ موا فاضل اس کے خلاف ہے، تو ان کے خلاف اکیلا تُو کیا کرے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تُو چپ کر رہ۔ اگر بعد میں اللہ کے فضل سے اسماعیل رہا ہو بھی جاتا ہے تو بتا دینا کہ تجھے فاضل نے جان کی دھمکی دی تھی اس لیے تُو اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔"

"امی وہ...... ریحانہ بھی لاپتا ہے۔ اسماعیل کہہ رہا تھا کہ میں اسے ڈھونڈوں کیونکہ وہ خود تو......"

"تُو اسے کہاں ڈھونڈے گا؟" ماں نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

"کوشش تو کر سکتا ہوں نا۔"

"کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھے...... اول تو اس نے ملنا نہیں اگر وہ مل بھی گئی تو تیرے قابل کہاں ہوگی۔"

"امی جان ایسا تو نہ کہیں...... آپ تو جانتی ہیں وہ بے قصور ہے۔ اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔"

"ہاں ہاں مجھے پتا ہے۔" شکیل کی ماں چلائی۔ "خبردار جو دوبارہ اس موضوع پر مجھ سے بات چیت کی۔ خواہ مخواہ مجھے گناہگار کیے جا رہا ہے۔ جاؤ جا کر آرام کر کل سے اپنے کام پر جانا اس طرح چھٹیاں کرنا اچھا نہیں ہوتا، دماغ میں الٹی سیدھی سوچیں گھس جاتی ہیں۔"

شکیل نے لاچاری سے ماں کے جانب دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ ماں کی باتیں تلخ ہونے کے باوجود حقیقت پر مبنی تھیں، وہ ان ٹھوس باتوں کو جھٹلا نہیں سکتا تھا مگر کیا کرتا کہ ریحانہ بھی تو اس کی پہلی محبت تھی اور پہلی محبت کو بھلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

اسماعیل کی آنکھیں کھلیں تو اس نے خود کو جیل کی بجائے نئی جگہ پر پایا۔ اس کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی سوائے اس کرسی کے جس پر وہ بندھا بیٹھا تھا۔ وہ رات کا کھانا کھا کر سویا تھا۔ شاید کھانے میں بے ہوشی کی دوا شامل تھی کہ کھانا کھاتے ہی اسے بہت زور کی نیند آئی تھی۔ اسے اپنے دائیں بازو میں ہلکی سی چبھن کا احساس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے بازو میں تازہ تازہ انجکشن لگایا ہو۔

اس نے پیچھے سر گھمایا۔ اس سمت بھی اسے سپاٹ دیوار ہی دکھائی دی۔ کمرے کا اکلوتا دروازہ اس کے سامنے تھا، وہ ابھی تک وہاں پہنچنے کے معمے کو حل کرنے کی ذہنی تگ ودو میں معروف تھا کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا، اسے فاضل علی خان کی منحوش شکل دکھائی دی۔ دروازہ کھولنے والا شیر خان تھا جو فاضل کے پیچھے مؤدب چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ہاں بھئی شاہ صاحب، ہم کوئی نئی بات سن رہے ہیں۔" فاضل خان اندر داخل ہوتے ہی مستفسر ہوا۔ مگر وہ خاموش رہا۔

"ارے اس غیرت مند کی تو بولتی ہی بند ہوگئی۔" فاضل خان کا لہجہ استہزائی تھا۔ اس بار بھی اسماعیل کو خاموش پا کر وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"سن اوئے کاکے...... تیرا پورٹریٹ بنانے کے لیے تجھے نہیں بلایا سمجھے...... شیرے کاغذ پنسل لاؤ اس سے دستخط لو انگوٹھا وغیرہ لگواؤ تا کہ اسے اپنی آرام گاہ میں چھوڑ آئیں۔"

"جب تک میری بہن کسی محفوظ مقام تک نہیں پہنچ جاتی، میں نے سائن نہیں کرنے۔"

"بلے بھئی بلے، شاہ صاحب تو شرائط پیش کرنے لگے ہیں۔ شیرے ذرا کڑی کو منگواؤ تا کہ اس کا دماغ جگہ پر آئے۔"

"جی سیٹھ صاحب۔" کہہ کر شیر خان باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد وہ دو ہٹے کٹے مردوں کے ساتھ برآمد ہوا جنہوں نے ریحانہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑا ہوا تھا۔

"بھیا......!" اسماعیل کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی اور اس نے اپنے آپ کو دونوں مردوں کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔

"گڑیا" اس نے بے ساختہ اٹھنے کے لیے زور لگایا مگر ناکام رہا۔ "فاضل خان...... تیرا انجام بہت برا ہوگا۔ چھوڑ دے میری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہن کو کمینے۔"

"شاہ صاحب۔ بڑکیں مارنے کی ضرورت نہیں، سائن کر کے دیتے ہیں یا تماشا شروع کراؤں۔"

"تف ہے تیری مردانگی پر زنخے ..... عورتوں کے سہارے جنگ لڑتے ہو۔"

شیر خان۔ اس کا داہنا ہاتھ کھول دو تا کہ یہ دستخط کر سکے۔" اسماعیل کی بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"شیر خان نے آگے بڑھ کر اس کا داہنا ہاتھ کھولا فائل اس کی گود میں رکھی اور جیب سے روشنائی کا پیڈ نکال کر آگے بڑھایا تا کہ وہ انگوٹھا لگا سکے۔ کاغذات پر سائن لے کر شیر خان نے اس کا ہاتھ دوبارہ باندھ دیا۔

"شیر خان ..... ایک چارپائی اس کمرے میں لگوا دو تا کہ ہم شاہ صاحب کو یقین دلا سکیں کہ ہم زنخے نہیں ہیں۔" فاضل خان کے لہجے میں شیطانیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"فاضل خان ..... تت ..... تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمھیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔" فاضل خان کی نیت جان کر اسماعیل کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں ..... تجھے اب تک اس کا اندازہ نہیں ہوا؟"

"دیکھ فاضل خان دشمنی تو تیری اور میری ہے نا؟ میں تیرے سامنے ہوں مجھ سے انتقام لے، اس معصوم کو کیوں بیچ لا رہے ہو۔"

"اسی کا نام لینے پر تُو نے ہمارے چہرے پر تھپڑ مارنے کی جسارت کی تھی نا؟ اتنی جلدی بھول گیا؟" اسی دوران دو ملازم چارپائی لیے اندر داخل ہوئے۔ چارپائی ایک کونے میں رکھ کر وہ باہر نکل گئے۔

"اسے چارپائی پہ باندھ کر تم لوگ بھی چلے جاؤ۔ تمھارا نمبر ہمارے بعد ہوگا۔"

ان دونوں کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ ریحانہ کو لے کر چارپائی کی طرف بڑھے۔

"بھیا ..... مجھے ان سے بچاؤ۔" ریحانہ چیخی اور ان دونوں کے ہاتھ سے نکلنے کے لیے زور لگانے لگی۔ مگر ایک نازک سی لڑکی ان دیوزادوں کا مقابلہ کہاں کر سکتی تھی، انھوں نے بڑی آسانی سے اسے چارپائی سے باندھ دیا۔

"سید اسماعیل شاہ صاحب، اب دیکھو تم نے اس لڑکی کا نام لینے پر ہماری بے عزتی کی تھی نا آج ہم حقیقت میں اسے بے عزت کرنے والے ہیں۔ یہ سارا سیٹ اپ ہم نے اسی دن کے لیے ترتیب دیا تھا۔"

فاضل خان شیطانی انداز میں چارپائی سے بندھی ریحانہ پہ جا پڑا۔ ریحانہ کی چیخیں اور اسماعیل کے گرجنے سے کمرے کی فضا گونج اٹھی مگر اس چیخ و پکار کا فاضل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اسماعیل نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں مگر سماعتیں تو کھلی تھیں اور پھر انھی سماعتوں سے وہ مسلسل اپنی بہن کے لٹنے کا منظر دیکھتا رہا۔ اپنے آپ کو کرسی سے آزاد کرانے کے لیے اس نے لگاتار جھٹکے لگائے مگر مضبوطی سے بندھا

ہونے کی وجہ سے اس کی یہ کوششیں رائیگاں گئیں اور پھر نہ جانے کتنے طویل وقت کے بعد اسے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن کا احساس ہوا اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔اس سے پہلے اس کی بہن بے ہوش ہو گئی تھی مگر اس کی بے ہوشی کی وجہ کوئی نشہ آور دوائی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

روڈ پر ایک نوجوان دوشیزہ کار کے نیچے آ کر ہلاک ہو گئی۔عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ اس میں قصور سراسر لڑکی کا تھا،ڈرائیور کی اس میں کوئی غلطی نہیں تھی۔روڈ کے کنارے چلتے چلتے لڑکی نے اچانک کار کے سامنے چھلانگ لگا دی۔کار ڈرائیور کوشش کے باوجود اسے نہ بچا سکا۔لڑکی کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی شناخت کی جا سکے۔پولیس ماہرین کے مطابق یہ خودکشی کیس ہے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ان ماہرین کی رائے کی تائید کرتی ہے۔جس کے مطابق مرنے سے چند گھنٹے پہلے لڑکی کی اجتماعی عصمت دری کی گئی تھی۔لڑکی کی نعش ہسپتال کے سردخانے میں پڑی ہے مگر ہنوز اس کا کوئی وارث لاش کی وصولی کے لیے نہیں آیا۔

شکیل اتنی دفعہ یہ خبر پڑھ چکا تھا کہ اسے یہ خبر ازبر ہو گئی تھی۔ریحانہ کی تصویر پہچاننے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔وہ تو ویسے بھی اس کے خوابوں وخیالوں کا مرکز تھی وہ کیونکر اسے نہ پہچانتا۔اسماعیل کی گرفتاری کے بعد وہ باقاعدگی سے اخبار خریدتا تھا حالانکہ جانتا تھا کہ اسماعیل اتنا اہم نہیں کہ اس کی خبریں متواتر اخبار میں جگہ پا سکیں مگر اس کے لیے اسماعیل کے متعلق جاننے کا کوئی اور ذریعہ بھی نہیں تھا۔خود تو وہ شرم کی وجہ سے اسماعیل کے پاس جا بھی نہیں سکتا تھا وہ اسے کہہ آیا تھا کہ وہ اس کے لیے وکیل کا بندوبست کرنے جا رہا ہے اور ریحانہ کو بھی ڈھونڈے گا مگر اس کام میں اس کی ماں آڑے آ گئی تھی۔اب اتنے دن بعد اسے اسماعیل کے متعلق خبر ملی بھی تو ایسی کہ اس کے زخموں کو تازہ کر گئی تھی۔اسماعیل نے اسے ریحانہ کی تلاش کی التجا کی تھی اب وہ ریحانہ کی موت کی خبر کیسے اس تک پہنچاتا۔تھوڑی دیر وہ مختلف سوچوں میں گم رہا،اس کی سوچوں کا مرکز ریحانہ تھی۔کیا وہ ریحانہ کو یونہی لاوارث دفن ہونے دیتا۔زندگی میں تو وہ اس کے کسی کام نہ آ سکا تھا،کم از کم مرنے کے بعد وہ اس کو یوں خیراتی طور پر دفن ہونے سے تو بچا سکتا تھا۔گو مرنے کے بعد مرنے والا کسی قسم کے شکوہ شکایت کے قابل نہیں رہتا یہ گلے شکوے تو زندگی کی حد تک ہوتے ہیں بقول شاعر

بے روح بدن کوئی بھی خواہش نہیں رکھتا

اب دفن کرو یا مجھے دریا میں بہا دو!

لیکن اس کے باوجود وہ خود کو ہسپتال کے جانب جانے سے نہ روک سکا۔اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر کسی نے ریحانہ کے کفن دفن میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ منت سماجت سے انھیں قائل کرنے کی کوشش کرے گا۔

☆......☆......☆

منظور حسین اور لعل دین تھانیدار کے آفس میں داخل ہوئے،اسے سیلوٹ کرنے کے بعد منظور نے کہا۔"سر جی مجرم نے اپنے

تمام جرائم کا اقرار کرلیا ہے۔"

"تمام جرائم کا؟" تھانیدار حیرانی سے مستفسر ہوا۔ "اور کون کون سے جرائم کا اقرار اس سے کروالیا ہے۔"

"میرا مطلب ہے سر اس نے اپنی ماں کے قتل کا اعتراف کرلیا ہے۔"

"تو یوں کہو نا۔ تم تو جرائم کہہ رہے تھے اور یہ فقط ایک جرم ہے۔"

"یہ ایک جرم بھی کئی جرائم کے برابر ہے سر جی۔" لعل دین فلسفیانہ لہجے میں بولا۔

"اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔ اب تک چار دن بتایا ہیں، عدالت نے ایک ہفتے کا جسمانی ریمانڈ دیا تھا۔ تم دونوں اسے عدالت میں پیش ہونے کے بعد اپنی بات سے مکرنے کے نتائج سے آگاہ کرتے رہو۔"

"جی جناب۔" کہہ کر انھوں نے دوبارہ سیلوٹ کیا اور دفتر سے باہر نکل گئے، ان کے نکلتے ہی تھانیدار موبائل نکال کر سیٹھ فاضل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"یس......ہم بول رہے ہیں۔" اس نے کال اٹینڈ کی۔

"سیٹھ صاحب، آپ کا خادم حکم داد عرض کررہا ہوں۔"

"ہاں حکم داد......کیسے ہو؟"

"بس سیٹھ صاحب آپ کی کرم فرمائیوں اور مہربانیوں کے سائے میں دن گزار رہے ہیں۔"

"ہاہاہا۔" فاضل علی نے قہقہہ لگایا۔ "تو گویا تھانیدار صاحب آپ کو پھر کوئی کام درپیش ہوگیا ہے۔ ہم سے؟"

"توبہ توبہ سیٹھ صاحب، پہلے ہی آپ کے اتنے احسان ہیں کہ۔" تھانیدار ایک لحظے کے لیے رکا مگر کوئی مناسب لفظ اسے نہ سوجھا تو بات بدلتے ہوئے بولا۔ "ابھی تو فقط آپ کے مجرم اسماعیل کے متعلق بتانا تھا کہ اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ہے۔"

"وہ تو خیر ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔ ہم یونہی تو آپ کی صلاحیتوں کے معترف نہیں ہیں۔"

"او کے سیٹھ صاحب پھر اجازت چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے تھانیدار صاحب کل شیرا تیرا انعام تجھے پہنچا جائے گا، اس کے علاوہ اگر کوئی چیز چاہیے ہو تو اسے بتا دینا۔"

"تھینک یو سیٹھ صاحب۔" تھانیدار کے منہ سے نکلا اور فاضل علی خان نے رابطہ منقطع کردیا۔ تھانیدار کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ شیرے نے انعام کی مد میں رقم ہی لانی تھی یوں بھی اس کیس میں وہ ڈیڑھ پونے دو لاکھ کی رقم گھسیٹ چکا تھا حالانکہ اس طرح کے آسان کیس کبھی کبھار ہی مل پاتے تھے۔

☆......☆......☆

اسماعیل نے بڑی مشکل سے کروٹ بدلی مگر منہ سے نکلنے والی بے ساختہ کراہ کو نہ روک سکا۔ پولیس کے تشدد کے سامنے وہ دو دن بھی نہ ٹھہر سکا تھا اور اسے ماں کے قتل جیسے قبیح جرم کا اقرار کرنا پڑا تھا، اس کا خیال تھا کہ اس جرم میں اسے زیادہ سے زیادہ پھانسی کی سزا ہی دی جاسکتی تھی جبکہ پولیس نے ان دو تین دنوں میں اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کے مقابلے میں موت ایک نعمت تھی۔ حالانکہ ظاہری طور پر اس کا بدن بالکل سلامت تھا۔

حوالات کے اس کمرے میں وہ اکیلا تھا اور شاید اسے جان بوجھ کر تنہا رکھا گیا تھا کہ یہ بھی ذہنی اذیت کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے ساتھ تھانیدار نے اس کی ملاقات پر بھی پابندی عائد کر رکھی تھی یہ علیحدہ بات کہ اس سے ملاقات کا کوئی خواہشمند زندہ نہیں رہا تھا۔

جسمانی و روحانی تکالیف نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفقود کر دیا تھا، اس کے ماں باپ اور بہن ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ بہن کے متعلق شائع ہونے والی خبر تھانیدار اسے سنا چکا تھا۔ گھر کی ملکیت کے کاغذات وہ سائن کر کے فاضل خان کے حوالے کر چکا تھا، اس تہی دامنی میں ایک شکیل اس کا سہارا تھا وہ بھی نامعلوم کئی دنوں سے غائب تھا اور اسماعیل کے گمان کے مطابق اسے بھی شاید فاضل خان کی طرف سے دھمکی ملی تھی۔ اس لیے وہ اس کے پاس نہیں آسکا تھا۔ اب پھانسی کے پھندے اور اس کی گردن کے مابین فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا مگر اس کا ذہن ہر قسم کے تفکرات سے آزاد تھا۔ شاید اس کی سوچیں ختم ہو گئی تھیں اور جسمانی موت سے پہلے وہ ذہنی موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اب نہ تو موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز اسے کوئی تحریک دے رہی تھی اور نہ ہی ماں بہن پر ہونے والے مظالم کے بارے سوچ کر اس میں کوئی جذبہ پیدا ہو رہا تھا۔ کہتے ہیں انتقام دنیا کا طاقتور ترین جذبہ ہے کہ چیونٹی کو بھی ہاتھی کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے۔ پر وہ جذبہ بھی پولیس کے غیر انسانی تشدد کے باعث کہیں دفن ہو چکا تھا، اسے اپنا انجام علامہ صاحب کے اس شعر کے مصداق لگ رہا تھا کہ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

☆......☆......☆

سفید کاٹن کا شلوار سوٹ آنکھوں پر سنہری فریم کی نفیس عینک اور چہرے پر مختصر سی داڑھی۔ پہلی نظر میں ہی وہ تھانیدار کو بہت اہم آدمی لگا۔ اس سے مصافحہ کر کے تھانیدار نے اسے بیٹھنے کی دعوت دی۔

"جی جناب!......آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں حوالات میں بند ایک ملزم سے ملنا چاہوں گا......اگر آپ کی اجازت ہو؟"

"کون سا ملزم؟......ہمارے مہمان تو درجنوں کی تعداد میں ہیں جی۔"

''غالباً اسماعیل شاہ نام ہے اس کا۔''

''اوہ......اسماعیل شاہ......'' تھانیدار نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کہا۔ ''سوری سر وہ ایک ہفتے کے جسمانی ریمانڈ پر ہے۔''

''مجھے علم نہیں ہے کہ آیا جسمانی ریمانڈ میں ملزم سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں تھانیدار صاحب، کہ پاکستان میں کوئی کام ناممکن نہیں چاہے وہ قانونی ہو یا غیر قانونی، صرف بابا قائداعظم کی چٹ ہونی چاہیے۔''

''تو کیا آپ کے پاس بھی یہ سہولت موجود ہے؟'' تھانیدار دوستی لہجے میں بولا۔

''آف کورس......ملاقات کی قیمت بتاؤ؟''

''10 ہزار۔''

''یہ لو'' اس نے بڑی مالیت کے دو نوٹ جیب سے نکال کر تھانیدار کے جانب یوں بڑھائے جیسے اسے پیسوں کی بالکل پروانہ ہو۔

تھانیدار پیسے جھپٹ کر بولا۔ ''آپ کے پاس ایک گھنٹا ہے۔''

''بہت ہے۔ اگر اس تک رہنمائی کے لیے کوئی......''

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔'' تھانیدار قطع کلامی کی۔ ''اوے شیدے۔''

''جی سر؟'' شیدے نے اندر آ کر اسے سیلوٹ کیا۔

''بھائی صاحب کو اسماعیل شاہ پاس چھوڑ آؤ۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' شیدے نے دوبارہ سیلوٹ کیا اور اسے لے کر دفتر سے باہر نکل گیا۔

تھانیدار رقم ملنے کی خوشی میں اس سے متعارف بھی نہیں ہو سکا تھا، اس میں سارا کمال دولت کا تھا جو ہر قسم کی اجنبیت کو ختم کر دیتی ہے، اب وہ تھانیدار کی بلا سے کوئی بھی ہوتا تھانیدار کو اپنی جیب بھاری کرنے سے غرض تھی۔ اور اسماعیل تو اس کے لیے سونے کی چڑیا ثابت ہوا تھا، اس سے پہلے فاضل علی خان بھی اسے اسماعیل کے سلسلے میں کافی رقم دے چکا تھا اور اب یہ اجنبی بھی لگتا تھا اس ضمن میں اسے بہت کچھ دینے والا تھا۔

''بہت بخت آور ہے یہ اسماعیل تو'' اس نے خود کلامی کی۔ ''اگر اس قسم کے چند قیدی اور مل جائیں تو شاید میری تیسری کوٹھی کی تعمیر جلد مکمل ہو جائے۔''

☆......☆......☆

''رشید صاحب!......میرا خیال ہے اس پہ تو آپ لوگوں نے اچھا خاصا تشدد کیا ہے، اب مشکل ہے کہ یہ حوالات کے دروازے کے قریب آ کر بات چیت کر سکے......لامحالہ مجھے ہی اس کے نزدیک جانا پڑے گا۔ میرا خیال ہے آپ کو اس بات پہ اعتراض تو نہیں ہوگا کہ

میں حوالات کے اندر اس کے ساتھ بیٹھ جاؤں...... صرف ایک گھنٹے کی تو بات ہے۔" شیدے کو اس کی بات پہ لازماً اعتراض ہوتا اگر اجنبی کی انگلیوں کے درمیان ہزار روپے کا کڑکتا ہوا نوٹ موجود نہ ہوتا۔

"تھانیدار صاحب کو آگاہ کرنا پڑے گا۔" شیدے نے نوٹ جھپٹ لیا تھا۔

"اسے میں بتا چکا ہوں۔"

"تو پھر میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔" شیدے نے مسکرا کر کہا۔ اسے پتا تھا کہ اجنبی نے جھوٹ بول رہا ہے، اگر تھانیدار سے اس کی اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہوتی تو وہ یوں سپاہی کو ہزار روپے نہ دیتا۔ مگر شیدے کو ایک بہانہ چاہیے تھا وہ پتا چل جانے پر آسانی سے کہہ سکتا تھا کہ اس آدمی نے تھانیدار کا حوالہ دیا تھا۔ یوں بھی وہ جانتا تھا کہ ملزم غریب اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا تو فرار اس نے کیا ہونا تھا۔

شیدے نے دائیں بائیں دیکھ کر حوالات کا تالا کھولا اور اجنبی کے اندر داخل ہونے کے بعد وہاں سے کھسک گیا کہ اجنبی لازمی طور پر اس کی موجودگی کو پسند نہ کرتا۔

"السلام علیکم......" اجنبی اسماعیل کے قریب بیٹھ کر آہستگی سے بولا۔ اسماعیل سپاہی سے اس کی گفتگو سن چکا تھا اور جس وقت وہ سپاہی سے معروف گفتگو تھا اسے کن انکھیوں سے دیکھ بھی لیا تھا، مگر بہت زیادہ دماغ پر زور دینے کے باوجود وہ اسے پہچان نہیں پایا تھا۔

"شاید یہ سٹیل مل کے مالکان میں سے کوئی ہو۔" ایک سوچ اس کے دماغ میں گونجی، اسی وقت اجنبی نے قریب آ کر اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" کہتے ہوئے اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔ نہ جانے پولیس نے کن حربوں سے اسے زدوکوب کیا تھا کہ وہ بات چیت میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

اجنبی نے اس کا دایاں ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا گویا وہ اس کی جسمانی تکلیف سے واقف تھا اور پھر اس نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا......

"اسماعیل صاحب!...... میں ایک سماجی کارکن ہوں، میرا نام مرزا سلیم الحسن ہے۔ آپ کے متعلق اخبار میں پڑھا بہت دکھ ہوا۔ میرا دماغ اس بات سے متفق نہ ہو سکا کہ کوئی بیٹا اپنی ماں کا قتل اس بے دردی سے کر سکتا ہے، لازماً اس کے پسِ پشت کوئی راز نہاں ہے۔ کوئی ایسا راز جسے ایک دنیادار صحافی کی ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکیں اور اسی راز کی جستجو مجھے آپ تک لے آئی ہے۔ کیا آپ مجھے اصل کہانی سے آگاہ کرنا پسند کریں گے؟"

"کیا کرو گے اصل کہانی جان کر؟" اسماعیل نے اپنے قید ہونے کے بعد پہلی مرتبہ تسلی کے الفاظ سنے تھے، سلیم الحسن پہلا شخص تھا جس کے لہجے میں اسے ہمدردی کی جھلک نظر آئی تھی اس کی آواز میں درد جھلکنے لگا تھا۔

"شاید آپ کی رہائی کا بندوبست کر لوں۔" سلیم الحسن کے لہجے میں ایسا اعتماد تھا جسے محسوس کر کے اسماعیل کا دل خوشگوار انداز میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دھڑ کنے لگا تھا۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا مرزا صاحب۔ آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں نا؟ مجھ سے نا کردہ جرم کا اقرار کرانے کے لیے میری یہ حالت بنائی گئی ہے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔ ریمانڈ کے دوران تمہارے دیئے گئے بیان کی کوئی اہمیت نہیں، تم عدالت کے سامنے آسانی سے اس بیان سے منحرف ہو سکتے ہو۔''

''تا کہ بعد میں تھانیدار مجھے زندہ درگور کر دے۔''

''جوان تم تھانیدار کی فکر چھوڑو۔ اس سے میں نبٹ لوں گا۔ بس اب جلدی سے شروع ہو جاؤ کیونکہ میرے پاس ٹائم کم ہے۔''

اسماعیل نے فاضل خان کے مطالبے سے لے کر اپنی بہن کی بے حرمتی اور قتل تک کی ساری تفصیلات مختصراً سلیم الحسن کے گوش گزار کر دیں، اپنی بہن کی عصمت دری کا ذکر کرتے وقت اس کے لہجے میں عجیب بے بسی ذلت، غیض و غضب اور افسوس در آیا تھا جسے محسوس کیے بنا سلیم الحسن نہ رہ سکا۔

ایک لمبے کی خاموشی کے بعد وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا..... ''مجھے نہایت افسوس ہے۔ مگر تمہارے دکھ کا مداوا نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارے بھرے پُرے گھر کو فاضل خان نے جس درندگی اور بربریت کا نشانہ بنایا اس کی مثال دینی مشکل ہے، میں.....'' ابھی تک سلم الحسن اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ شیدے نے حوالات کے دروازے پر آ کر کھنکھارتے ہوئے اپنی موجودگی کا اعلان کیا۔ وہ لازمی طور پر گھنٹا مکمل ہونے کے بعد آیا تھا یا شاید اسے تھانیدار نے بھیجا تھا کہ ایک گھنٹے کا ٹائم سلیم الحسن نے تھانیدار سے ہی لیا تھا۔ اسے دیکھ کر سلیم الحسن نے بغیر کسی سوال جواب کے جیب میں ہاتھ ڈال کر 500 سو کا نوٹ نکالا اور رول کر کے اس کی طرف پھینکتے ہوئے بولا۔

''شیدے صاحب!..... چائے وائے پی لو بس دس، پندرہ منٹ میں آتا ہوں۔''

شیدے نے پانچ سو کا نوٹ جھپٹتے ہوئے کہا۔ ''سر جی ذرا جلدی کرنی ہے، تھانیدار صاحب پوچھ رہا تھا کہ ملاقاتی چلا گیا کہ نہیں؟ میں تو اسے آپ کی رخصتی کی رپورٹ دے آیا ہوں۔ یہ نہ ہو وہ خود ادھر چیک کرنے آ جائے۔''

سلیم الحسن سر ہلاتے ہوئے دوبارہ اسماعیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تو اسماعیل صاحب!..... میں کہہ رہا تھا کہ آپ کے خلاف آپ کی اپنی والدہ محترمہ کے قتل کا کیس بہت مضبوط ہے۔ آپ بلاشبہ بے گناہ ہیں مگر عدالت ثبوت و شواہد دیکھتی ہے، میں اگر قانونی طریقے سے آپ کی رہائی کا کیس لڑوں تو شاید آپ کی رہائی اتنی آسانی سے نہ ہو سکے، اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ ہمارے کیس جیتنے کی صورت میں فاضل علی خان آپ کو حوالات کے اندر نقصان بھی پہنچا سکتا ہے جبکہ اس کے برعکس یعنی غیر قانونی طریقے سے کام لیتے ہوئے آپ کو حوالات سے فرار کرایا جا سکتا ہے اس طرح بے شک آپ

قانون کی نظر میں مجرم ہوں گے مگر فاضل سے اپنے والدین کے قتل کا بدلہ لینا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا، یوں بھی پولیس کے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں کہ وہ مجرموں کے پیچھے بھاگتی پھرے۔"

"مم......مگر حوالات سے فرار ہونا......"

"وہ مجھ پہ چھوڑ دو۔" سلیم الحسن نے قطع کلامی کی۔

"مجھے اس طرح فرار کرانے میں آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"دیکھو جوان۔ میرے فائدے اور نقصان میں سر نہ کھپاؤ۔ تم صرف اپنا فائدہ دیکھو۔ یوں بھی تم موت کی دہلیز پر کھڑے ہو اور جہاں تک میرا خیال ہے فاضل علی خان اور انسپکٹر حکم داد سے انتقام لینے کے بدلے تمھیں ہر قسم کی شرائط منظور ہوں گی۔"

"صحیح کہا......مگر پھر بھی میں آپ کی عنایات کی قیمت جاننا چاہوں گا؟"

"میرے پاس تفصیل بتانے کا ٹائم نہیں ہے۔ البتہ یہ میرا وعدہ رہا کہ تمھیں کسی بھی بات سے اختلاف ہوا تو بے جھجک انکار کر سکتے ہو؟"

"اندھا کیا چاہے گا سلیم صاحب، ا......دو آنکھیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم یہاں سے فرار ہونے پہ راضی ہو۔"

"راضی نہیں......یہ میرا ایسا خواب ہے جس کی تعبیر کے لیے میں جان کی بازی لگا سکتا ہوں۔"

"گڈ بوائے......اب میں چلتا ہوں تم ذہنی طور پر تیار رہنا کل ان شاء اللہ حوالات میں تمھارا آخری دن ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے اسماعیل سے الوداعی معانقہ کیا اور حوالات سے باہر آ گیا۔ شیدا جو تھانیدار کے آفس کے باہر بے چینی سے اس کے باہر نکلنے کا منتظر تھا اسے باہر آتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"سر جی ہو گئی ہے بات چیت؟"

"ہاں یار......بڑی مہربانی۔ اب کل ملاقات ہوگی۔"

"ضرور ضرور سر......کیوں نہیں۔" شیدا جلدی سے بولا کہ ایسی ہی موٹی آسامیوں سے تو ان کا دانہ پانی چلتا تھا۔

☆......☆......☆

مرزا سلیم الحسن کے حوالات سے نکلتے ہی اسماعیل کھلی آنکھوں سے فرار کے سہانے سپنے دیکھنے لگا۔ پولیس نے جس وقت اس سے اپنی ماں کے قتل کا اقرار کرایا تھا اس وقت سے اس نے پھانسی کا پھندہ اپنے گلے میں فٹ ہوتے محسوس کر لیا تھا۔ پوری دنیا میں اسے کوئی بھی اپنا ہمدرد و غم خوار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک شکیل ایسا تھا جس سے اس کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ بھی مطلبی نکلا تھا۔ نامعلوم پہلے دن

بھی وہ کیسے اس کا حال احوال پوچھنے چلا آیا تھا۔شاید اس دن اسے حالات کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا یا پھر بعد میں کسی بہی خواہ کے سمجھانے پر اس نے اسماعیل کی مدد سے ہاتھ کھینچا تھا۔یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اسے فاضل خان نے دھمکی دی ہو؟ کچھ بھی تھا بہر حال اسماعیل کو پہلے ہی سے اس کی مدد کے بارے تردد تھا۔

اس کے گھریلو حالات سے بھی وہ واقف تھا اور اس کی مالی حیثیت بھی خوب جانتا تھا۔اسے پتا تھا کہ شکیل نہ تو اس کے مقدمے کی پیروی کے لیے کوئی اچھا وکیل ہائر کر سکتا تھا اور نہ ہی اس میں اتنی جرأت تھی کہ وہ اسے حوالات سے فرار کرانے میں کوئی مدد دیتا۔ایسے میں اپنی موت کا یقین ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی،مگر پھر جانے کہاں سے وہ رحمت کا فرشتا نمودار ہوا جس نے اس کی سوئی ہوئی امنگوں کو پھر سے بیدار کر دیا۔اس کی ڈوبتی ناؤ کو ساحل کی جھلک دکھلا دی اور اس کے سینے میں بجھی انتقام کی چنگاری کو رہائی کی امید دلا کر بھڑکتے الاؤ میں بدل دیا تھا۔

وہ ایک تعلیم یافتہ شخص تھا اور جانتا تھا کہ سلیم الحسن کی اس سے لازماً کوئی غرض وابستہ تھی مگر اس کے لیے یہ بات ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔اس کی رہائی کے بدلے سلیم الحسن زیادہ سے زیادہ اس سے کوئی ناجائز کام لیتا جس میں قتل،اغوا سے لے کر سمگلنگ تک شامل ہو سکتی تھی مگر زندگی کے بدلے ان امور کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔سب سے پہلے اس کی اپنی جان اور اپنے گھر والوں کے انتقام کی اہمیت تھی اس کے بعد اخلاقیات کا نمبر آتا۔یوں بھی جو کچھ اس کے ساتھ پیش آچکا تھا اس کے بعد نیکی کی ترغیب اور گناہ کا خوف اس کے لیے بے معنی ہو گئے تھے۔

بہت دنوں بعد اس کے دل میں جینے کی امنگ جاگی جس نے اسے ساری رات بیدار رکھا۔وہ شدت سے آنے والے دن کا منتظر تھا۔ان دعاؤں کے ساتھ کہ کہیں سلیم الحسن اپنا ارادہ نہ بدل دے۔ان لمحات میں ابن انشاء کی نظم اس کے دماغ میں گونجی۔

''اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہوکار بنے
ہے کوئی جو دیون ہار بنے
کچھ سال مہینے دن لوگو
پر سود بیاج کے بن لوگو
ہاں اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں عمر کے توشہ خانے سے

جب نام ادھار کا آیا ہے
کیوں سب نے سر کو جھکایا ہے
ہم مانگتے نہیں ہزار برس
دس پانچ برس، دو چار برس
آسان بنے دشوار بنے
پر کوئی تو دیون ہار بنے
ہم بیٹھے ہیں کشکول لیے
سب عمر کی نقدی ختم کیے
اب گیت گیا سنگیت گیا
ہاں شعر کا موسم بیت گیا
اب پت جھڑ آئی پات گریں
کچھ صبح گریں کچھ رات گریں

یہ اپنے یار پرانے ہیں
اک عمر سے ہم کو جانیں ہیں
ان سب کو ہم نے بلایا ہے
اور جھولی کو پھیلایا ہے
جب عمر کا آخر آتا ہے
ہر دن صدیاں بن جاتا ہے
جینے کی ہوس ہی نرالی ہے
ہے کون جو اس سے خالی ہے
یہ پانچ برس یہ چار برس
چھن جائیں تو لگیں ہزار برس
سب دوست گئے سب یار گئے

تھے جتنے ساہوکار گئے“

نمکین پانی اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کا چہرہ دھونے لگا۔

☆......☆......☆

”السلام علیکم سر جی!“ سلیم الحسن جونہی تھانے میں داخل ہوا شیدے نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

”رشید صاحب!...... کیا حال ہے؟“ اسے دیکھ کر سلیم الحسن کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی۔

”خدا کا فضل ہے صاحب جی۔“

”انسپکٹر صاحب آفس میں ہیں؟“

”جی...... موجود ہیں۔“

سلیم الحسن سر ہلاتے ہوئے انسپکٹر کے آفس کی طرف بڑھ گیا جبکہ شیدا آفس کے سامنے اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا، اسے معلوم تھا کہ وہ اسماعیل سے ایک بار پھر حوالات کے اندر بیٹھ کر ملنا چاہے گا اور اس کے صلے میں اچھی خاصی بخشش دے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا سپاہی اسے اٹینڈ کرے اور پھر اس کے اندازے کے مطابق تھوڑی دیر بعد ہی سلیم الحسن انسپکٹر کے آفس سے برآمد ہوا اور چھوٹتے ہی بولا......

”رشید صاحب!...... ہمارے دوست سے تو ملاقات کرادیں۔“

”کیوں نہیں سر آئیں۔“ شیدا اسے لے کر حوالات کی طرف بڑھا اور اس مرتبہ بغیر سلیم الحسن کے کہنے کے اس کے لیے حوالات کا دروازہ کھول دیا۔

سلیم الحسن نے بھی شکریہ کہتے ہوئے ایک بڑا سا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا اور اسماعیل کے جانب بڑھ گیا۔ اس کے حوالات میں گھستے ہی شیدے نے باہر کا رخ کیا اس کے انتظار میں وہ صبح سے چائے پینے بھی نہیں جا سکا تھا۔ مگر چائے اس کے نصیب میں نہیں تھی وہ تھانے کے مین گیٹ سے نکلا ہی تھا کہ گیٹ کی سائیڈ پر بنی پارکنگ میں موجود کسی گاڑی میں زوردار دھماکا ہوا، لوہے کے وزنی پرزے روئی کی طرح ہوا میں اڑے اور انہی میں سے ایک ٹکڑا شیدے کے سر سے ٹکرایا اور وہ چائے پینے کی خواہش دل میں لیے سڑک پر ڈھیر ہوگیا۔

چند اور راہگیر بھی زخمی و ہلاک ہو کر گرے، وہ کافی معروف سڑک تھی، کچھ لوگ دھماکے کے خوف سے حیران و ششدر اپنی جگہوں پر جم سے گئے، جبکہ کچھ بے تحاشا بغیر کسی سمت کا دھیان رکھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس افراتفری میں چند آدمی روڈ پر سے گزرتی ہوئی تیز رفتار گاڑیوں سے ٹکرا گئے۔ وطنِ عزیز کی پولیس کا یہ ریکارڈ ہے کہ وہ جائے حادثہ یا واردات پر سب سے آخر میں پہنچتی ہے مگر دھماکا چونکہ

تھانے کے سامنے ہی ہوا تھا اس لیے پولیس والے بے ساختہ تھانے سے بھاگتے ہوئے نکلے۔ شاید ان کو تھانے پر حملہ ہو جانے کا خدشہ تھا۔ اگلے چند لمحوں میں ہمدردی کے جذبے سے سرشار عوام زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

اسماعیل، سلیم الحسن کی حرکت پر حیران رہ گیا تھا۔ حوالات میں گھستے ہی اس نے بغیر سلام دعا کیے جیب سے موبائل نکال کر کسی کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ اگر وہ کسی کی طرف سے آئی ہوئی کال کو اٹینڈ کرتا تو اسماعیل کو اتنا محسوس نہ ہوتا۔ مگر وہ تو جیسے حوالات میں کال کرنے ہی آیا تھا۔

اسماعیل آنکھیں بند کر کے اس کی کال ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اس کے بارے کوئی الٹی سیدھی بات نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ اسے اپنا محسن سمجھ رہا تھا۔ دوسری طرف سے کال اٹینڈ ہوتے ہی اسماعیل کو سلیم الحسن کی مدھم آواز سنائی دی۔

اوکے......شروع کرو۔" اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا اور اسماعیل سے پوچھا۔

"اسماعیل شاہ......چل تو سکتے ہونا؟"

"ج......جی؟" پہلے تو اسماعیل اس کی بات نہ سمجھ سکا مگر جیسے ہی بات اس کے پلے پڑی وہ جوش سے بولا۔ "سر میں اس حالت میں دوڑ بھی سکتا ہوں، چلنا تو بہت آسان ہے۔"

"چلو پھر تیار......" مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہ لڑکھڑا سا گیا۔ مگر پھر سنبھل کر بولا۔ "تیار ہو جاؤ۔"

دھماکے سے اسماعیل بھی سن سا ہو گیا تھا مگر اگلے لمحے وہ جلدی سے اٹھ گیا۔

"میں تیار ہوں جناب۔" گو اس طرح تیزی سے حرکت کرنے پر درد کی ایک شدید لہر اس کے جسم میں اٹھی مگر آزادی کی خواہش اس تکلیف پر غالب رہی۔ سلیم الحسن نے اپنی واسکٹ اتار کر اس کے جانب بڑھائی۔

"یہ پہن لو......تیری پہچان میں تھوڑی بہت رکاوٹ تو ڈالے گی نا۔"

اسماعیل نے بے چوں چراں واسکٹ پہن لی۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے حوالات سے باہر نکلے۔ تھانے میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ کچھ سول لوگ حالات جاننے کے لیے اندر گھس آئے تھے۔ سلیم الحسن کو شہدے کی فکر تھی کیونکہ اس حقیقت سے صرف وہی واقف تھا کہ حوالات کا دروازہ کھلا ہے۔

تھانے کے اندر داخل ہونے والے سول لوگوں میں 10 تو سلیم الحسن کے اپنے آدمی تھے۔ ان کا مقصد ایک تو افراتفری پھیلانا تھا۔ دوسرے کسی بھی خراب صورت حال میں سلیم الحسن اور اسماعیل کو فرار ہونے میں مدد دینی تھی۔ مگر اسماعیل کی خوش قسمتی کہ کسی نے بھی اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا نوٹس نہیں لیا تھا اور وہ سلیم الحسن کے ساتھ تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ پولیس کی زیادہ تر نفری تھانے سے باہر بکھری ہوئی تھی۔ سول لوگوں کی بھی کافی تعداد جمع تھی تمام زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کو نزدیکی ہسپتال لے جانے کی بندوبستی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

سلیم الحسن اور اسماعیل پولیس والوں کی نظروں سے بچتے ہوئے وہاں سے کھسک لیے۔

تھانے سے فرلانگ بھر دور سلیم الحسن کی گاڑی پارک تھی، اسماعیل کو پچھلی نشست پر بٹھا کر وہ خود آگے بیٹھ گیا۔ کار کے شیشے گہرے سیاہ تھے اسماعیل کا باہر سے نظر آنا ناممکن تھا۔

خطرے کی حدود سے باہر آتے ہی سلیم الحسن نے ایک مرتبہ پھر موبائل نکال لیا۔

''ہم محفوظ ہیں اب آپ لوگوں کی وہاں کوئی ضرورت نہیں۔''

اور پھر دوسری طرف سے نامعلوم کیا بات کی گئی کہ اس نے......

''ٹھیک ہے۔'' کہہ کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر کار میں خاموشی چھائی رہی اور پھر اس خاموشی کو سلیم الحسن نے ہی توڑا۔

''اسماعیل...... اب تم آزاد ہو۔ مگر اس آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ تم آزادانہ طور پر گھوم سکتے ہو۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کہیں جانا ہو تو اپنا حلیہ بدل لینا، چند دن تک پولیس تمہاری تلاش میں سرگرم رہے گی، فاضل خان کے کارندے بھی اس کام میں پیش پیش ہوں گے مگر تم فکر نہ کرو اب تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔''

اسماعیل نے فقط سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے سلیم الحسن کا شکریہ ادا کرے۔ کار میں خاموشی چھا گئی اور پھر یہ خاموشی اس وقت تک برقرار رہی جب تک وہ ایک پُرتعیش کوٹھی کے گیٹ تک نہ پہنچ گئے۔ چوکیدار نے گاڑی پہچانتے ہی گیٹ کھول دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''تو پھر تو نے کیا سوچا؟'' مرزا سلیم نے پوچھا۔

''کس بارے؟''

''اپنے بارے...... اپنے مستقبل کے بارے۔''

''ہم...... مجھے تو کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔''

مرزا سلیم الحسن کچھ دیر سر جھکائے کسی سوچ میں گم رہا اور پھر بولا......

''دیکھو اسماعیل شاہ۔ تم لازماً سوچ رہے ہو گے کہ میں نے کسی غرض سے تجھے حوالات سے فرار ہونے میں مدد دی ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ مگر یاد رکھنا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ تو اس میں میری کوئی غرض شامل ہے اور نہ ہی میں نے تجھ پر کوئی

احسان کیا ہے۔ یہ اپنی ذمہ داری نبھانے کی بساط بھر کوشش تھی۔ یا یوں سمجھ لو برسوں پہلے لیے ہوئے قرض کی ادائی کی ایک قسط تھی۔ اور یہ کوئی پہلی قسط نہیں ہے، میں اس سے پہلے بھی اس قسم کی کئی اقساط ادا کر چکا ہوں۔ اسی طرح یہ آخری قسط بھی نہیں ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس طرح مظلوموں کے کام آتا رہوں گا...... جانتے ہو کیوں؟" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور پھر اس کی گفتگو جاری رہی۔

"اس کیوں کے پیچھے ایک بہت لمبی کہانی موجود ہے۔ میری اپنی کہانی، آج سے کئی سال پہلے میں بھی اس فرسودہ نظام اور ناانصاف معاشرے کے ہاتھوں جیل کی سلاخیں دیکھ چکا ہوں اور جس وقت پھانسی کا پھندہ میری گردن کے لیے تیار ہو چکا تھا، مجھے بھی کسی عظیم شخص نے آزاد کروایا۔ آج میں جو کچھ ہوں جس مقام پر ہوں اس کا مرہون منت ہوں۔

میں نے ساری زندگی اس شخص کی خدمت کی اور مرنے سے پہلے اس نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی کہ میں بے گناہوں کی مدد کروں، وہ افراد جو کسی کے ظلم کا شکار ہوئے ہیں جن کے ساتھ کوئی ناانصافی ہو رہی ہو۔ جو اس فرسودہ نظام کی بھینٹ چڑھ رہے ہوں ان کی مقدور بھر مدد کروں اور اس دن کے بعد میری زندگی کا یہی مشن بن گیا ہے۔ آج عدل و انصاف کا نام صرف مذہبی کتابوں میں ملتا ہے۔ حق دار اگر یہ سمجھتا ہے کہ اسے خود بخود اپنا حق مل جائے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ اب حقدار صرف وہی ہے جو حق چھین سکتا ہے۔ جینے کا حق اسے ہے جو جینے کے ڈھنگ جانتا ہے اور الحمدللہ میں یہ ڈھنگ خوب جانتا ہوں۔ اس کی چھوٹی سی مثال سامنے ہے اگر میں قانونی جنگ لڑ کر تجھے آزاد کرانے کی کوشش کرتا تو برسوں بیت جاتے مگر انصاف شاید پھر بھی نہ ملتا اور کیس کو لٹکتے دیکھ کر فاضل علی خان تجھے حوالات میں ہی ٹھکانے لگوا دیتا، اخبار میں بڑی سی سرخی لگتی۔

"ماں کے قاتل نے خودکشی کر لی۔" اس طرح نہ رہتا بانس اور بجتی بانسری۔ کچھ سمجھ میں آئی میری بات؟"

"جج...... جی...... جی میں سمجھ رہا ہوں۔" اچانک سوال پوچھے جانے پر اسماعیل گڑبڑا گیا تھا۔

"کیا سمجھ رہے ہو؟"

"یہی کہ...... حق صرف اس کو ملتا ہے جو حق کے لیے لڑ سکتا ہو؟"

"گڈ...... تو کیا تم میں یہ اہلیت موجود ہے...... میرا مطلب ہے حق چھین لینے کی۔"

"م...... مم...... میں...... میں......"

"شاہ جی...... بات یہ ہے۔" سلیم الحسن قطع کلامی کی۔ "تم ایک مظلوم شخص ہو تمہارے پاس نہ تو دولت ہے کہ فاضل علی خان کے خلاف قانونی جنگ لڑ سکو نہ ہی تم جسمانی طور پر اس قابل ہو کہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکو۔ یوں بھی اگر تم کہیں سے کوئی بڑی رقم حاصل کر لیتے ہو تب بھی قانونی جنگ لڑنا تو تمہارے لیے اب ممکن نہیں رہا کہ تم خود پولیس کی نظر میں مجرم ہو۔"

"تو اب میں کیا کروں؟"

''یہ سوچنا تمھارا کام ہے۔ میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا ہوں۔''

''آپ مجھے گائیڈ تو کر سکتے ہیں نا؟''

''میرے بھائی گائیڈ ہی تو کیا ہے۔ ساری صورت حال آپ کے سامنے رکھ دی ہے اب تم جانو اور تمھارا کام۔''

اسماعیل شاہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔''آپ مجھے کچھ رقم ادھار دے سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں......رقم جتنی چاہیے لے لو۔ مگر رقم کا کرو گے کیا؟''

''پستول خریدوں گا اور دونوں ذلیلوں کو ٹھکانے لگاؤں گا۔''

''چلو پستول تمھیں مل گیا۔'' سلیم الحسن نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چپٹا سا پستول نکال کر اس کے جانب بڑھایا۔''اب تمھارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟''

''میں نے فاضل علی کی کوٹھی دیکھی ہوئی ہے سیدھا وہیں جاؤں گا اور کوٹھی کے باہر اس کا انتظار کروں گا جیسے ہی وہ کوٹھی سے نکلے گا اسے جہنم واصل کروں گا۔''

''گڈ شاباش...... مجھے امید تھی کہ تم نے ایسا ہی سوچا ہوگا، لیکن شاہ صاحب پہلی بات تو یہ ہے کہ فاضل خان کے ساتھ کم از کم ایک باڈی گارڈ تو ہر وقت موجود رہتا ہے، دوسرا وہ پیدل بھی کہیں نہیں آتا جاتا۔ تو تم اس کی گاڑی کو کیسے روکو گے؟ اور بالفرض گاڑی رکوا بھی لی تو اس کا محافظ تو سنبھلنے سے پہلے تمھیں والدین کے پاس بھیج چکا ہوگا۔''

''اس کے علاوہ تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''آئے بھی کیسے؟ 16 سال تو تم پڑھائی لکھائی میں متھا مارتے رہے، پھر ٹیکسٹائل مل کی مزدوری کرتے رہے ہو اور اب تم یہی دو کام ہی سرانجام دے سکتے ہو۔ جبکہ انتقام لینا ایک علیحدہ فن ہے۔ ایک مکمل سبجیکٹ ہے بالکل اسی طرح جیسے تم ایم کام کرنے کے بعد اکاؤنٹینٹ تو بن سکتے ہو انجینئر یا ڈاکٹر نہیں......''

''میں یہ فن کہاں سے سیکھ سکوں گا؟''

''کہیں سے بھی سیکھ سکتے ہو...... میں بھی سکھا سکتا ہوں لیکن اس پر وقت خرچ ہوگا تمھیں اپنے انتقام کی خواہش کو وقتی طور پر بھلا کر صرف سکھلائی پر توجہ دینی ہوگی اور جب ہم تمھیں ٹرینڈ کر لیں گے تو تم ہماری تحریک کا حصہ بن جاؤ گے اور اپنا انتقام لینے کے بعد کم از کم تین سال تک اپنی خدمات ہمارے لیے وقف کر دو گے۔ اس کے بعد اگر تم ہم سے علیحدہ ہونا چاہو تو تمھاری مرضی ہماری طرف سے تم آزاد ہو گے۔''

''مجھے منظور ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

”نہیں ایسے نہیں۔تم آج رات سوچو۔کل صبح تک حتمی رائے دو کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ بے سمجھے بوجھے تم ہمارے سیٹ اپ کا حصہ بن جاؤ۔“

”میں نے سوچ لیا ہے سر......اور فاضل خان سے انتقام لینے کے لیے میں اپنے جسم تو کیا روح کا بھی سودا کر سکتا ہوں۔یوں بھی یہ زندگی آپ ہی کی مرہونِ منت ہے اور مجھے پتا ہے آپ کسی برے کام میں ملوث نہیں ہو سکتے۔“

”کام کے بارے میں تمھیں ساتھ ساتھ پتا چلتا رہے گا۔فی الحال تم آرام کرو۔“ یہ کہتے ہی وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔”آؤ تمھیں بیڈ روم دکھا دوں۔“

اسماعیل بھی اس کی تقلید میں کھڑا ہو گیا۔وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک سجے سجائے کمرے میں پہنچے۔

”یہ تمھارا کمرہ ہے کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے تو بیل دے کر ملازم کو بلا لینا۔باقی الماری میں مختلف سائز کے لباس لٹکے ہوئے ہیں،اپنے ناپ کے کپڑے پہن لو۔“ سلیم الحسن کمرے سے نکلنے کے لیے مڑا۔

”سر جی ایک چھوٹی سی خلش ہے اگر......؟“ اسے مڑتے دیکھ کر وہ مستفسر ہوا۔

”جی......بولو۔“

”کوٹھی......رکھ رکھاؤ اور انداز سے معلوم ہوتا ہے آپ خاصی مشہور شخصیت ہوں گے اور تھانیدار وغیرہ آپ سے اچھی طرح واقف ہوں گے،تو کیا وہ میرے فرار کی بابت آپ سے باز پرس نہیں کریں گے؟“

سلیم الحسن چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

”وہ مجھ سے باز پرس نہیں کر سکتے؟“

”کیوں؟“

”کیونکہ میں سلیم الحسن نہیں ہوں۔میرا نام مرزا طاہر حسین ہے اور میرا اصل حلیہ یہ ہے۔“ اس نے اپنی گردن کے نیچے چٹکی بھر کر اپنا ہاتھ اوپر کے جانب کھینچا تو ایک پتلی باریک جھلی اس کے چہرے سے اترتی چلی گئی۔نیچے سے جو چہرہ برآمد ہوا اس کی سلیم الحسن کے چہرے کے ساتھ صرف عمر کی مشابہت تھی۔

”آ......آپ......“ حیرانی کی شدت سے اسماعیل سے بولا نہ گیا۔

”اسے کہتے ہیں زندگی گزارنے کا فن۔یہ اور اس جیسے کئی اور فنون کا تجھے جلد ہی ماہر بنا دیا جائے گا۔“

”یہ آپ کا مجھ پہ احسان ہوگا۔“ اسماعیل ممنونیت سے بولا اور مرزا طاہر حسین اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''کیا......؟ تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' فاضل علی خان حیرت کی شدت سے چیخ پڑا تھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں سیٹھ صاحب۔'' ریسیور سے انسپکٹر حاکم داد کی شرمندہ آواز ابھری۔

''تمام سپاہی دھماکے کی آواز سن کر تھانے سے باہر نکلے اور اسے بھی بھاگنے کا موقع مل گیا۔''

''مگر حوالات کے دروازے کو تو تالا لگا ہوتا ہے جناب۔'' فاضل علی کا لہجہ شکوک سے پُر تھا۔

''جی!......لگا ہوتا ہے۔ مگر سمجھ نہیں آ رہی کہ اس نے تالے کو کیسے کھولا۔ ہمیں تو کافی دیر بعد اس کے بھاگنے کا پتا چلا۔ دھماکے میں ہمارا ایک سپاہی شدید بھی شہید ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے بھی افراتفری کچھ زیادہ ہی بن گئی تھی۔ بہرحال ہم جلد ہی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''تم اسے ڈھونڈ نکالو گے؟ یہ تو اتنا ہی ناممکن ہے جتنا ہندو کا مسجد میں جانا۔''

''اب پولیس اتنی بھی گئی گزری نہیں ہے سیٹھ صاحب۔'' انسپکٹر کے لہجے میں شکایت کا عنصر نمایاں تھا۔

''کسرِ نفسی ہے حضور ہے۔ ورنہ اگر حقیقت دیکھی جائے تو اتنی سے بھی کچھ زیادہ گئی گزری ہے۔'' فاضل علی نے غصے سے فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

وہ تھوڑی دیر گہری سوچ میں ڈوبا رہا، پھر ایک نتیجے پر پہنچتے ہوئے اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔

''شیرے کو ہمارے پاس بھیج دو۔'' دوسری طرف کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحے بعد شیر خان اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''شیرے......اسماعیل شاہ حوالات سے بھاگ گیا ہے۔''

''بھاگ گیا ہے؟......پر کیسے سیٹھ صاحب؟'' وہ بھی حیران ہو گیا تھا۔

''اس کے متعلق تو خود پولیس والے نہیں جانتے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے سیٹھ صاحب؟''

''یوں کرو اپنے تمام آدمیوں کو اسماعیل شاہ کی تلاش میں پھیلا دو خصوصاً لاری اڈوں اور ریلوے اسٹیشن پر گہری نظر رکھنا ہو گی۔ غیر معروف ہوٹل بھی اس ضمن میں سرِفہرست رہیں۔ دوسرے تم خود تھانے جا کر اصل حقیقت جاننے کی کوشش کرو۔ ہمیں تھانیدار کی بات پر اعتماد نہیں ہے اور لگتا ہے پسِ پردہ کوئی اور کہانی ہے۔ یہ نہ ہو تھانیدار ہمیں ڈبل کراس کر رہا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو اس حکم داد کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب میں سمجھ گیا۔''

''تم جا سکتے ہو۔'' اور شیرا سلام کہتے ہوئے کمرے سے نکلنے کے لیے مڑا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اور ہاں...... اپنے آدمیوں کو کہہ دینا اسماعیل شاہ جدھر نظر آئے اسے گرفتار کرنے کے چکر میں نہ پڑے رہیں بس گولی مار کر ختم کر دیں۔ بعد میں پولیس کے کھاتے میں اس کی ہلاکت ڈال دی جائے گی کہ پولیس مقابلے میں مارا گیا۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔'' شیرے نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا اور پھر فاضل کے ہاتھ کا اشارہ پا کر کمرے سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

سر نئے آدمی کے لیے آپ نے کوئی ہدایات جاری نہیں کیں؟'' مرزا طاہر حسین کے سامنے مؤدبانہ انداز میں بیٹھا ہوا شخص مستفسر ہوا۔

''چند دن آرام کرنے دو۔ پھر ٹریننگ سنٹر بھجوا دینا۔''

''اسے کس کھاتے میں رکھنا ہے سر؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''سر!...... میرا تو خیال ہے، اسے خودکش بنا دیتے ہیں۔ ماں باپ مر گئے ہیں کوئی قریبی رشتادار ہے نہیں اور ایسے لوگ یوں بھی سب معاشرے سے کٹے کٹے اور علیحدہ رہتے ہیں زندگی سے تنگ اور بیزار، مہینہ دو مہینہ بھاشن سننے کے بعد آسانی سے بارود بھری جیکٹ پہننے کے لیے تیار ہو جائے گا۔''

''اگر میں کہوں کہ تُو احمق ہے تو میری اس بات میں کسی احمق کو ہی اعتراض ہو گا۔ بیوقوف، اس نے ماسٹر کیا ہوا ہے، اَن پڑھ جاہل نہیں ہے۔ ظلم و ناانصافی کا ڈسا ہوا ہے اپنی جان سے تنگ نہیں آیا ہوا۔ وہ اپنے والدین کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ بہن کی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا ہے اور اسی مقصد کے لیے حوالات سے فرار ہوا ہے اسے تم خودکش بناؤ گے لعنت ہو تم پر۔''

''سس...... سوری...... سر...... مم...... میں نے تو اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔''

''میرا دل تمھیں بھیجنے والوں کی عقل پر ماتم کرنے کو چاہ رہا ہے۔ جانے کیا سوچ کے انھوں نے تیری تقرری کی ہے۔''

''مم...... مجھے سیکھنے کے لیے آپ کے چرنوں میں بھیجا گیا ہے۔ سر۔''

''ہونہہ...... سیکھنے کے لیے...... اور چھ ماہ میں تُو نے یہی سیکھا ہے کہ معاشرتی ناہمواری کے شکار ایم کام نوجوان کو خودکش بنا دو...... بیوقوف ایسے لوگ ہمارے لیے ہیرا ہوتے ہیں ہیرا، ناتراشیدہ ہیرا۔ ہلکی سی محنت کے بعد ہم اسے اپنے مزاج کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔''

''جج...... جی...... سر۔'' وہ نادم لہجے میں بولا۔

”تو پھر......؟اب بتاؤ اسے کس کھاتے میں ڈالنا چاہیے۔“

”جج......جو آپ کی اچھا ہو سر۔“

”اچھا کے بچے۔ کتنی دفعہ کہا ہے اپنی زبان پر توجہ دو۔ پہچان لیے جاؤ گے۔“

”جج......جی......جی......سر۔“ وہ بری طرح ہکلا گیا تھا۔ ”میرا مطلب تھا جو آپ کی مرضی ہو۔“

مرزا طاہر حسین چند لمحے خشمگین نظروں سے اس کے چہرے کو تکتا رہا پھر آہستہ آہستہ اپنے اندرونی ابال پر قابو پاتا ہوا بولا۔

”اچھا سنو......پہلی بات تو یہ ہے کہ اسماعیل شاہ ایک اعلیٰ نسب رکھنے کے باوجود اپنے دین سے کوئی خاص رغبت نہیں رکھتا۔ نہ تو اسے جنت کا شوق ہے اور نہ ہی جہنم کا خوف۔ اس لیے دین کے نام پر اسے استعمال کرنے کا خیال دل سے نکال دو......دوسری بات وہ پڑھا لکھا ہے اسے کوئی بھی بات ذہن نشین کرانے کے لیے دلیل کا سہارا لینا پڑے گا، اس کے شکوک وشبہات ایسے انداز میں رفع کرنے پڑیں گے کہ اسے یہ محسوس نہ ہو کہ ہم اس کے سامنے کوئی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ تیسری بات فاضل علی خان اور تھانیدار سے انتقام اس کی زندگی کا مقصد ہے اور اس کی اسی کمزوری کو بنیاد بنا کر ہم اپنی مروجہ ٹریننگ میں اس کے شوق کو ہوا دے سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ فاضل علی خان کو ہماری تنظیم کا بندہ نہیں مگر اس کا تعلق جس تنظیم سے ہے۔ اس تنظیم کے اور ہمارے مقاصد میں کوئی نمایاں فرق نہیں اس لیے ہماری کوشش تو یہی ہوگی کہ فاضل علی خان حتی الوسع اسماعیل شاہ کے انتقام سے بچا رہے تاکہ ہمارے مفادات پر کوئی زد نہ آئے، البتہ انسپکٹر حکم داد کی کوئی بات نہیں اس جیسے کئی راشی مل جاتے ہیں بلکہ پولیس میں 95 فیصد ایسے ہی لوگ ہیں۔ باقی اسماعیل شاہ ایک غریب جوان ہے۔ جس کی زندگی تشنہ خواہشات، ناکمل آرزوؤں، سلگتے ارمانوں اور پوری نہ ہونے والی تمناؤں کا محور رہی ہے۔ اسے سہولیات عیاشی اور آسائشوں کا عادی بناؤ۔ نوابوں والے شوق لگاؤ۔ شراب اور عورت کا رسیا بناؤ اور اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرو......آیا سمجھ میں کچھ؟“

”جی سر۔“

”باقی جہاں تک تعلق ہے اس کی ٹریننگ کا......تو اسے ہر قسم کا اسلحہ چلانے کی سکھلائی کے ساتھ خالی ہاتھ لڑائی بھڑائی میں بھی ماہر کر دو کیونکہ اسے ہم نے اندرون شہر استعمال کرنا ہے پڑھے لکھوں کی ضرورت یہاں پر زیادہ ہے اور اس کے علاوہ میں نے ایک مستقل ممبر کے طور پر اس کا انتخاب کیا ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے بھی مضبوط ہے اور پڑھا لکھا بھی اسی لیے تو اس کا معاملہ میں نے تیرے اوپر نہیں چھوڑا تھا۔“

”اس میں تو کوئی کوئی شک نہیں سر کہ آپ کی طرح صفائی سے کام کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔“ اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

”ہفتے کو اسماعیل شاہ کو ٹریننگ سنٹر بھجوا دو اور بھجوانے سے پہلے اسے مجھ سے ضرور ملانا۔ اب تم جا سکتے ہو۔“ مرزا طاہر حسین نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

''آجاؤ'' دروازے پر ہونے والی ہلکی سی ''ٹھک ٹھک'' کے جواب میں فاضل علی با آواز بلند بولا...... دروازہ کھول کر شیر خان اندر داخل ہو گیا۔

''سلام سیٹھ صاحب۔''

''کچھ پتا چلا اس کے بارے؟'' فاضل خان نے بے صبری سے پوچھا۔

''سیٹھ صاحب تمام لاری اڈوں پر میں نے اپنے آدمی بھجوا دیے ہیں، ریلوے اسٹیشن اور مقامی بس......''

''ہمیں بکواس سننے کی عادت نہیں ہے شیر خان، مطلب کی بات کرو...... کیا اس کا پتا چلا؟''

''نہیں سیٹھ صاحب۔''

''اس کا مطلب ہے ہم نے ہڈ حرام پالے ہوئے ہیں۔ جو ایک ایسے اناڑی جوان کو بھی تلاش نہیں کر سکتے جو جرم کی الف بے سے بھی ناواقف ہے۔''

''بس...... سیٹھ صاحب زیادہ دن چھپا نہیں رہ سکتا۔'' فاضل علی کا خراب موڈ دیکھ کر شیر خان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

''شیرے۔ ہمیں اس جوان سے کوئی خوف نہیں۔ اگر وہ بالکل نہ ملے تب بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا...... لیکن تم لوگوں کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے ہیں۔ یہ ہے تمھاری کارکردگی...... آئندہ ہم تم سے کیا امید رکھیں؟''

''سیٹھ صاحب...... جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ ابھی تک اس شہر سے نہیں نکل سکا اور اندرونِ شہر کسی جگہ روپوش ہے...... لیکن کب تک چھپا رہے گا جس دن بھی باہر نکلا کتے کی موت مارا جائے گا۔''

''اس کے جاننے والے تو ہوں گے؟ ان کے گھروں کو کھنگال لینا تھا۔''

''اس کے جاننے والے تو بس اس کے پڑوسی وغیرہ تھے اور اس کے محلے میں میں نے دو بندے بھجوائے تھے دونوں ناکام واپس آئے ہیں،...... البتہ اس کا ایک دوست تھا جس کے ساتھ وہ ٹیکسٹائل مل میں کام پہ جاتا تھا، اس پر نظر رکھنے کے لیے ایک پکا بندہ تعینات کر دیا ہے۔''

''نظر رکھنے کو چھوڑو جناب اسے اٹھا کر لے آؤ۔ یہ جاسوسی وغیرہ ایجنسیوں کے ساتھ بھلی لگتی ہے...... ہم سیدھے سادے بندے ہیں اس الگل پچھ میں نہیں پڑنا چاہتے۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب اسے آج ہی اٹھوا لیتا ہوں۔''

''اور تجھے تھانیدار کے بارے کہا تھا کہ پتا کرنا ہے کہیں قیدی کو فرار کرانے میں اس کی ملی بھگت تو نہیں تھی؟''

''اس بارے میں نے معلوم کرلیا تھا سیٹھ صاحب......اسے بھگانے میں تھانیدار کا ہاتھ نہیں ہے البتہ جس دن وہ بھاگا اس دن اور اس سے ایک دن پہلے کوئی سلیم الحسن نامی شخص اس سے ملنے آیا تھا اور تھانیدار نے دونوں دفعہ سلیم الحسن کو قیدی سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔''

''سلیم الحسن؟'' فاضل علی ذہن پر زور دیا۔''کیا تم اس نام کے کسی بندے سے واقف ہو؟''

''نہیں جناب۔'' شیر خان نے انکار میں سر ہلایا۔

''اس کا حلیہ کیسا تھا؟''

''جنٹل مین ٹائپ بندہ تھا، لباس سے بھی کھاتے پیتے گھرانے کا لگتا تھا البتہ اس کے حلئے میں کوئی ایسی انفرادیت نہیں تھی جس سے اس کی پہچان آسانی سے ہوسکے، آنکھوں پر عینک لگاتا ہے اور یہ بھی کوئی منفرد چیز نہیں ہے۔ آج کل تو لوگوں نے یوں بھی عینک کو فیشن کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔''

''یہ معلومات تمھیں کس سے ملی ہیں؟''

منظور حسین سے......وہ ہمارا پکا آدمی ہے۔''

''تھانیدار کے بارے کیا خیال ہے......کیا وہ سلیم الحسن نامی شخص سے واقف ہے؟''

''نہیں سیٹھ صاحب۔'' شیر خان کا جواب نفی میں تھا۔''وہ خود در پردہ اس سلیم الحسن کی تلاش میں ہے۔''

''ٹھیک ہے......تم جاؤ اور اس کے ساتھی کو ذرا اپنے انداز میں مل لو شاید وہ اس کے بارے میں کوئی علم رکھتا ہو۔''

''اسے آپ سے ملانے کے لیے لانا ہے؟''

''نہیں ہم اتنے فارغ نہیں کہ ہرایرے غیرے سے ملتے رہیں۔ تم خود کس مرض کی دوا ہو۔ پکڑو اسے، پوچھو......اگر نہیں بتلاتا تو چھیٹی لگاؤ۔ ویسے بھی کبھی کبھار ایک آدھ بندے کو چھیٹی لگا دیا کرو اس طرح ایک تو رعب بنا رہتا ہے دوسرا لوگوں کو ہماری پہچان ہو جاتی ہے، ورنہ تو لوگ ہم سے ڈرنا چھوڑ دیں گے۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔'' شیرے نے خوشی سے دانت نکالے۔ مظلوموں اور کمزوروں کو ستانا، ان پر رعب جھاڑنا یوں بھی اس کا دل پسند مشغلہ تھا اور اب تو سونے پہ سہاگہ اسے مالک کی طرف سے اس کا حکم مل گیا تھا۔

''اور ہاں......بے بی کے ساتھ مزید دو گارڈز کا اضافہ کردو۔ پہلے دو محافظ تھے نا اس کے ساتھ؟''

''جی جناب۔''

''تو اب چار محافظ اسے کالج چھوڑنے جایا کریں۔''

شیرے نے پوچھا۔''امان بخش اور سانول کے ساتھ اور کس کو چھوٹی بی بی کی خدمت پر مامور کرنا ہے؟''

''انور اور چل کو کردو۔''

''اور کوئی حکم سیٹھ صاحب؟''

''نہیں.....بس اسماعیل شاہ کے دوست سے پوچھ گچھ کر کے ہمیں اطلاع دو۔''

شیر خان''جی سیٹھ صاحب'' کہتے ہوئے وہاں سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

پرانے کپڑے، پھٹے ہوئے جوتے اور عسرت زدہ چہرے لیے سبزی کا ٹھیلا دھکیلتا جوان حلیے سے، سبزی بیچنے سے زیادہ بھیک مانگنے والا دکھائی دے رہا تھا۔اس تاثر میں بڑا ہاتھ اس کے کپڑوں کے بوسیدہ پن سے زیادہ میلے پن میں تھا۔البتہ ٹھیلے میں رکھی ہوئی سبزیاں خوب تازہ تھیں۔آہستہ قدموں سے ٹھیلا دھکیلتے اس کی بے چین نظر چاروں طرف سرگرداں تھیں۔دیکھنے والوں کو یہ نظریں بظاہر کسی ممکنہ گاہک کی تلاش میں سرگرداں لگتیں لیکن کوئی قیافہ شناس آسانی سے یہ بتا سکتا تھا کہ ان نظروں کے بارے دیکھنے والوں کا یہ گمان غلط تھا اور اس کی بڑی وجہ گاہکوں کے ساتھ اس کا بیزار رویہ تھا۔

ایک درخت کے سائے میں ٹھیلا روک کر وہ ستانے کے لیے بیٹھ گیا مگر اس کی بے چین نظریں اسی طرح سرگرداں رہیں۔

گو اس روڈ پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی مگر سبزی بیچنے کے لیے وہ روڈ بالکل ناموزوں تھا۔اس روڈ پر مختلف قسم کے سرکاری و غیر سرکاری دفاتر بکھرے ہوئے تھے اور درخت جس کے نیچے اس نے اپنا ٹھیلا روکا تھا۔بالکل ایک سرکاری عمارت کے سامنے تھا اور درمیان میں صرف سڑک کی رکاوٹ تھی۔درخت کے نیچے اس کا قیام کافی طویل رہا اس اثناء میں چند آدمیوں نے اس سے سبزی بھی خریدی اور اس خریداری کی وجہ اس پر ترس کھانے سے زیادہ سبزیوں کا تازہ پن تھا۔

سرکاری عمارت کا چوکیدار بجا طور پر اس کے ٹھہرنے پر اعتراض کر سکتا تھا مگر ایک غریب صورت ٹھیلے والے کو وہ کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔اس وقت ایک بڑے میاں اس سے مول تول میں مصروف تھے کہ اچانک سبزی والے کی نظر سرکاری عمارت سے نکلنے والے ایک شخص پر پڑی اور وہ سے جان چھڑانے کے انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے بزرگو.....جو مناسب سمجھو دے دو۔'' بڑے میاں نے سرعت سے چند چھوٹے نوٹ گن کر اس کے جانب بڑھائے جو اس نے گنے بغیر جیب میں ڈالے اور ٹھیلے کو اس طرف دھکیل کر لے جانے لگا جس طرف سرکاری عمارت سے نکلنے والا شخص جا رہا تھا۔اس مرتبہ اس کے قدموں میں پہلے والی آہستگی مفقود تھی۔سرکاری عمارت سے دو اڑھائی سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ہوٹل بنا

ہوا تھا۔جہاں اطراف میں موجود دفاتر والے ٹی بریک اور دوپہر کے کھانے کے لیے جمع رہتے تھے۔وہ کلرک بھی اسی ہوٹل میں جا کے بیٹھ گیا۔سبزی والے نے اپنا ٹھیلا ایک جانب کھڑا کیا اور سبزی ڈھانپے بغیر ہوٹل میں گھس گیا۔وہ کوئی اعلیٰ طبقے کا ہوٹل تو تھا نہیں اس لیے اس کے حلیے پر کسی نے توجہ نہیں دی۔

طائرانہ نگاہ ہال میں دوڑا کر اس کے قدم کونے میں رکھی اس ٹیبل کی طرف بڑھنے لگے جس کے ساتھ والی ٹیبل پر اس کا مطلوبہ آدمی ایک معزز نظر آنے والے شخص کے ساتھ بیٹھا تھا۔کرسی سنبھال کر اس نے ہوٹل کے بیرے کے جانب ہاتھ لہرایا جو ایک نوعمر لڑکا تھا۔

''جی بابو جی۔''ہوٹل میں چونکہ کثرت سے کلرک حاضر رہتے تھے اس وجہ سے بیرے کی زبان سے بھی ہر ایک کے لیے بابو کا لفظ نکلتا تھا۔

''کچھ کھانے کو لے آؤ۔''مینو پوچھے بغیر اس نے آرڈر دیا۔

''کیا لاؤں؟''بیرا پوچھنے پہ مصر ہوا۔

''گوشت لے آؤ؟''اس نے جان چھڑائی،اس کی ساری توجہ ساتھ والی میز پر بیٹھے آدمیوں کی گفتگو سننے پر تھی۔

''استاد ایک گوشت لگا۔''بیرے نے وہیں سے چلا کر اس کا آرڈر دہرایا اور دوسری میز پر بیٹھنے والے نئے گاہک کی طرف بڑھ گیا۔

''نہیں جی یہ رقم تو بہت کم ہے۔''اس کی سماعتوں میں سرکاری آفس سے نکلنے والے شخص کی مدھم آواز گونجی جو یقیناً کلرک تھا۔ جواباً دوسرا بندہ کچھ بولا مگر ایک تو وہ اس سے تھوڑی دور بیٹھا تھا اور دوسرا ہوٹل میں گونجنے والی باتوں کی آواز کی وجہ سے وہ اس کی بات سننے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اس سے ڈیل کر لیں۔''وہ دوبارہ کلرک کی آواز ہی سن پایا تھا۔سبزی والے نے جیب سے ایک پرانا سا موبائل نکالا اور میسج لکھنے لگا مگر اس کا انداز ہ ایسا تھا کہ دور سے دیکھنے والے کو وہ نمبر ڈائل کرتا ہوا لگتا۔

''دس منٹ میں پوائنٹ فائیو پر پہنچو۔''مختصر سا ایس ایم ایس لکھ کر اس نے سینڈ کر دیا اور موبائل جیب میں ڈال کر اس کی توجہ دوبارہ اپنے مطلوبہ افراد کی گفتگو کی طرف ہو گئی۔اسی وقت بیرے نے اس کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔کھانے کے دوران بھی وہ کلرک اور اس کے سامنے بیٹھے ادھیڑ عمر کے معزز شخص کی باتوں کی طرف متوجہ رہا۔اس کے کھانا ختم کرنے تک وہ اپنی گفتگو سے کسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔

''تو پھر پرسوں کنفرم ہو گیا۔''اس مرتبہ معزز شخص دانستہ کچھ زور سے بولا تھا جو اس نے آسانی سے سن لیا۔

''کنفرم نہیں......البتہ کوشش کروں گا۔''اس معزز نظر آنے والے شخص نے دوبارہ کچھ کہا،جو اسے سنائی تو نہ دیا البتہ اس دفعہ کلرک کا جواب اثبات میں تھا۔اس نے کہا......

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔''

اس کے بعد کھانے کے اختتام تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی، سبزی والے نے ان سے پہلے کھانا کھا لیا تھا مگر مزید کچھ سن گن لینے کی لالچ میں وہ اپنی سیٹ پر ٹکا رہا اور پھر جیسے ہی وہ دونوں کھا پی کر اٹھنے لگے سبزی والا بھی جلدی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ بل ادا کر کے جب وہ باہر نکلا تو ٹھیلے کے ساتھ ایک موٹر سائیکل سوار اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ سبزی خریدنے کا خواہش مند نظر آ رہا تھا۔

''ٹماٹر کیسے کلو ہیں بھائی۔'' اس کے نزدیک پہنچتے ہی اس نے پوچھا۔

جواباً وہ آہستگی سے بولا۔'' سفید کاٹن کے کپڑوں میں ہے۔ سر پہ سندھی ٹوپی رکھی ہوئی ہے۔''

''پچاس روپے کلو...... دماغ تو ٹھیک ہے۔'' موٹر سائیکل سوار نے زور سے کہا۔

''اس کی جگہ دیکھ کر بیٹھک میں پہنچو وہاں نگرانی کے لیے عمران کو مقرر کر دینا۔'' سبزی والا اس انداز میں بولا کہ دور سے دیکھنے والے کو وہ سبزی کا ریٹ بتاتا ہوا لگ رہا تھا۔

''بیس روپے سے ایک روپیہ زیادہ نہیں دوں گا۔'' موٹر سائیکل سوار کے انداز سے یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ سبزی والے پر سخت خفا ہو۔

''وہ سرخ گاڑی میں بیٹھ رہا ہے۔''

''اپنے پاس رکھو اپنے اعلیٰ نسل کے ٹماٹر...... ٹماٹر نہ ہوئے گھوڑے ہو گئے۔''

اور پھر سرخ گاڑی کے روانہ ہوتے ہی اس نے موٹر سائیکل کو کک لگائی اور کار کے پیچھے روانہ ہو گیا، جبکہ ٹھیلے والا آہستہ روی سے سرکاری دفتر کی عمارت سے مخالف سمت میں چل پڑا۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

اس دن شکیل اوور ٹائم کی وجہ سے تھوڑا لیٹ ہو گیا تھا اس لیے جس وقت وہ اپنی گلی میں مڑا شام کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں، مگر ایسا چونکہ اس کے ساتھ وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا اس لیے اس کی رفتار معمول کے مطابق تھی۔ ابھی تک وہ گھر سے پچاس ساٹھ گز دور ہی تھا کہ ایک کار اس کے قریب سے گزر کر اس کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اسے کار والے کی حرکت بہت ناگوار گزری مگر وہ امن پسند آدمی تھا، کسی سے الجھنا اسے نہیں آتا تھا۔ وہ کار کی سائیڈ سے ہو کر گزرنے ہی لگا، اسی وقت کار سے دو آدمی نکلے۔ ایک اس سے مخاطب ہوا

۔''بھائی صاحب بات سنیں؟''

''جی......'' وہ اس کے قریب ہوا۔

''اسے جانتے ہو؟'' اس آدمی نے جیب سے پستول نکال کر شکیل سے دریافت کیا۔

''کک کیا مطلب ہے آپ کا۔'' پستول دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"کار میں بیٹھ جاؤ اگر شور مچانے کی کوشش کی تو تمھاری زندگی کی آخری آواز ہوگی۔"

"ب...... بھائی صاحب!...... م...... میں تو غریب سا بندہ ہوں م...... مجھے......"

"اوئے غریب کے ماے تمھیں کہا ہے چپ کر کے کار میں بیٹھ جاؤ۔" پستول والے نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

اس نے دوبارہ کچھ کہنا چاہا۔ "م...... میں...... جی......" مگر پستول والے نے اس کے گریبان سے پکڑ کر کار کی طرف کھینچا اور گھسیٹ کر کار کی پچھلی نشست پر دھکیلا۔ "میرا خیال ہے تجھے میری زبان کی سمجھ نہیں آئی۔"

"م...... مجھے معاف کر دو...... م میں میں......"

"اب چپ۔" اس نے پستول کی نال اس کے منہ میں گھسیڑی اور شکیل کی زبان کو بریک لگ گئی۔ ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی تھی شکیل کو انھوں نے پچھلی نشست پر اپنے درمیان میں بٹھا دیا۔ شکیل کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا اس قسم کا حادثہ اس کے ساتھ پہلی دفعہ پیش آیا تھا اور وہ اس کی توجیہ کرنے سے قاصر تھا۔

"کہاں جانا ہے......؟" روڈ پر آتے ہی ڈرائیور مستفسر ہوا۔

"سائیں شیر خان کے ڈیرے پر۔" اس مرتبہ بھی پستول والا ہی بولا تھا اور کار والا اثبات میں سر ہلا کر خاموش رہا۔ بیس پچیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد کار ایک درمیانے سے مکان کے سامنے جا رکی، کار کا ہارن سن کر گیٹ کھل گیا۔ چند لمحے بعد وہ شکیل کو لیے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئے۔

"سلام سائیں۔" کمرے میں شیر خان اکیلا تھا۔

"یہی ہے سید اسماعیل شاہ کا دوست؟" شیر خانے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"جی سائیں۔"

اس نے شکیل سے پوچھا۔ "ہاں بھئی بچونگڑے!...... کہاں چھپا کے رکھا ہے اسے؟"

"ک...... کک...... کس کو سرکار؟" شکیل کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

"اپنی بہن کے خصم کو۔" پستول والے نے اسے کولہوں پر لات رسید کی۔ وہ اچھل کر شیر خان کے قدموں میں جا گرا۔

"چھل میاں!...... آرام سے...... دیکھو غریب نیچے گر گیا ہے۔"

"یہ بڑا گھنا ہے سائیں جی!...... ایسے لوگ لاتوں کے بھوت ہوتے ہیں باتیں ان کے سر سے گزر جاتی ہیں۔"

"خدا قسم سرکار مجھے نہیں پتا آپ کس کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟" شکیل کھڑا ہو گیا۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگ گئی تھیں۔

"اسماعیل شاہ کہاں ہے؟ اسماعیل شاہ!...... جانتے ہو اسے؟" شیر خان نے وضاحت کی۔

"جی سرکار جانتا ہوں...... وہ حوالات میں ہے۔" شکیل کے لہجے میں موجود سچائی شیر خان سے مخفی نہ رہ سکی۔ مگر فاضل خان کی ہدایات کے بموجب اس نے شکیل کی پٹائی کرانی مناسب سمجھی۔

"مچل یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"سائیں یہ اپنی دھلائی کروانے کے چکر میں ہے اور وہ میں کر دیتا ہوں۔" مچل نے پستول جیب میں ڈالا اور شکیل کی طرف بڑھا، وہ اس کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے بے ساختہ شیر خان کے قدموں میں گر گیا۔

"رب دی سوں سرکار!...... مجھے اسماعیل شاہ کے بارے کچھ نہیں معلوم، جس وقت وہ گرفتار ہوا تھا اس کے بعد میں صرف ایک دفعہ اس سے ملا ہوں پر جس وقت پتا چلا، اس پر سیٹھ فاضل علی خان صاحب کا عتاب نازل ہوا ہے اس کے بعد میں اس کا حال احوال پوچھنے کے لیے بھی نہیں گیا۔"

مگر شکیل کی یہ وضاحت بے کار گئی، شیر خان بے پروائی سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھاتے خاموش بیٹھا رہا اور یہ مچل کے لیے اپنی کارروائی جاری رکھنے کا اشارہ تھا۔ مچل نے ٹھوکروں سے زمین پر لیٹے پڑے شکیل کی مرمت کرنی شروع کر دی۔

"ہائے مر گیا۔ خدا کے لیے معاف کر دو، میں بے قصور ہوں ہائے۔ آہ......" شکیل تکلیف سے زیادہ واویلا مچا رہا تھا...... یہ کھیل چند منٹ تک ہی جاری رہ سکا پھر نہ جانے شیر خان کو اس پہ ترس آ گیا یا ویسے ہی وہ اس کھیل سے اکتا گیا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر مچل کو روک دیا۔

"مچل بس کرو۔" ان الفاظ نے مچل کے مشین کی طرح چلتے ہوئے پاؤں کو روک دیا۔ مچل کے پیچھے ہوتے ہی وہ شکیل سے مخاطب ہوا۔

"بچے تجھے ہم چھوڑ رہے ہیں، لیکن یاد رہے جیسے ہی تجھے اسماعیل کے بارے کچھ پتا چلے فوراً ہمیں اطلاع کرنی ہے...... سمجھ گئے؟"

"جی سرکار۔ بالکل ٹھیک ہے جیسے ہی مجھے اس کے بارے معلوم ہوا میں آپ سرکار کے پاس آ کر بتا دوں گا۔" شکیل جلدی سے ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔

"نہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔" شیر خان مچل کی طرف متوجہ ہوا۔

"اسے اپنا فون نمبر دے دو۔ اسماعیل کے متعلق کچھ پتا چلنے پر یہ تجھے فون پر بتا دے گا۔"

"ٹھیک ہے سرکار...... جیسے ہی اسکے متعلق کچھ معلوم ہوا میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔" مچل سے پہلے شکیل بول اٹھا اور اسکی تابعداری دیکھتے ہوئے شیر خان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ اگلے چند منٹ میں شکیل مچل کا فون نمبر لیے اس عمارت سے باہر آ چکا تھا۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے اسکے دل سے اپنی ماں کیلئے دعائیں نکل رہی تھیں اگر وہ اس کی نصیحت پر عمل نہ کرتا تو جانے آج اس کا کیا حشر ہوتا۔

☆......☆......☆

اسماعیل کو وہاں آئے دوسرا دن تھا اس دوران سوائے کھانے پینے اور سونے کے اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ پولیس کی مار کی تکلیف سے اب اسے افاقہ تھا مگر ان بے کاری کے دنوں میں ذہنی اذیت بڑھ گئی تھی۔ حوالات میں زندگی ختم ہونے کا جو ڈر تھا وہ محو ہو چکا تھا اور اب خود کو اس حال تک پہنچانے والوں کے خلاف انتقام لینے کی خواہش ایک جنون کی صورت اختیار کر گئی تھی اور اس کی یہ خواہش فطری تھی۔ کیونکہ انتقام ایسا جذبہ ہے جو جانوروں کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ تو انسان تھا، اشرف المخلوقات، سوچنے سمجھنے والا، علم نے اس کے ذہن کو جلا بخشی تھی، وہ ایک عام انسان سے زیادہ حساس تھا۔ معاشرے میں موجود طبقاتی فرق پہلے بھی اسے کھلتا تھا مگر اب تو وہ اس نظام کے ہاتھوں اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ زندگی کی اعلیٰ قدریں اب اس کے لیے بے مقصد ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس کی محبت کرنے والی ماں، شفیق باپ اور معصوم بہن سے صرف اس لیے جینے کا حق چھین لیا گیا تھا کہ وہ دولت مند نہیں، ان کے پاس پولیس کو دینے کے لیے رشوت موجود نہیں تھی، مقدمہ لڑنے کے لیے وکیل کی فیس نہیں تھی اور ایسے لوگوں کو تو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اس کے ذہن میں مرزا طاہر حسین کی آواز گونجی۔

''حق دار کو جب اپنا حق نہ ملے تو اسے چھین لینا چاہیے۔'' مگر چھیننے کے لیے بھی قوت کی ضرورت تھی جو اس کے پاس مفقود تھی اور اب اس نے یہ قوت حاصل کرنی تھی کسی بھی قیمت پر، کسی بھی طرح، کہیں سے بھی۔

وہ انہی سوچوں میں غرق تھا کہ دروازے پر ہلکے سے دستک ہوئی اور پھر دستک دینے والا بغیر اجازت ملے اندر گھس آیا، بلکہ گھس آئی۔ وہ ایک خوبصورت دوشیزہ تھی اور جس قسم کے لباس میں تھی وہ کم از کم کسی غیر مرد کے کمرے میں رات کے اس پہر پہن کر جانے کے لیے بالکل موزوں نہیں تھا۔

''آداب!'' اسے متوجہ پا کر وہ سریلی آواز میں بولی۔ جواباً اسماعیل نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے انداز میں واضح بیزاری تھی۔ اس تاثر وہ اپنی تنہائی میں کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کر سکتا تھا۔

مگر وہ اس کی بیزاری نظر انداز کرتے ہوئے نزاکت سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اتنی تیز قسم کی خوشبو لگائی ہوئی تھی کہ سارا کمرہ مہک اٹھا تھا۔ اس کے بے تکلف انداز کو دیکھ کر اسماعیل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''آ......آپ......کون......؟''

''میں......؟'' اس کے کانوں میں جلترنگ بجا، وہ اس کی ہنسی کو اس کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکا تھا۔ ''میں شہزادی ہوں۔''

لامحالہ وہ اسم بامسمیٰ تھی، اگر اسماعیل کو اس کا نام رکھنے کی دعوت دی جاتی تو اسے بھی شہزادی کے علاوہ کوئی نام موزوں نہ لگتا۔

''تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' اسماعیل پہلے جھٹکے سے سنبھل چکا تھا۔ لڑکی کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اہم حیثیت کی مالک ہو۔ اور وہ حیثیت مرزا طاہر حسین کی بیٹی ہونے کے علاوہ کیا ہو سکتی تھی۔

''مجھے، انکل طاہر نے آپ کی تنہائی دور کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

"جج...... جی......؟" اسماعیل اس کی بات سن کر ہکلا گیا تھا۔

"ہاں ناں مسٹر اسماعیل...... انکل کہہ رہے تھے کہ آپ بہت مظلوم ہیں اور اکیلے کمرے میں پڑے پڑے جانے کیا الٹے سیدھے خیالات آپ کے دماغ میں آ رہے ہوں گے، تو میں جا کر گپ شپ کر کے آپ کی تنہائی دور کروں۔" اس نے معصومیت سے وضاحت کی۔

اسماعیل کو اپنی سوچ پر شرمندگی سی ہوئی کہ تنہائی دور کرنے کا مطلب اس نے کچھ اور سمجھا تھا اس لیے وہ ہکلا گیا تھا۔

"شکریہ مس شہزادی...... آپ نے میرے لیے اتنی زحمت کی۔"

"زحمت کی کیا بات ہے؟...... میں خود بھی اکیلی ہوں۔ امی ابو، میرے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ بھائی بہن ہے نہیں، ایک انکل ہیں وہ بھی اتنے معروف رہتے ہیں کہ دو دو دن ان کی صورت نہیں دیکھ پاتی اس لیے آپ سے زیادہ میں اپنی تنہائی دور کرنے آئی ہوں۔ بلکہ حقیقت کہوں تو میں تو پہلے دن ہی آپ کو ملنا چاہتی تھی مگر انکل چونکہ میرا اس طرح کسی سے گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے اس لیے میں احتیاط کرتی ہوں...... اور میری خوش قسمتی کہ انھوں نے آپ سے ملنے کی اجازت دے دی۔"

شہزادی کا انداز اتنا معصومانہ تھا اور اس کی باتوں میں ایسی بے ساختگی اور اپنا پن تھا کہ اسماعیل لمحوں میں ہی اس سے متاثر ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس بے تکلفی سے گپ شپ کر رہے تھے جیسے برسوں کے شناسا ہوں۔ شہزادی کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسماعیل کو مرد کی بجائے اپنی کوئی سہیلی سمجھ رہی ہو۔ مذاق کی بات پر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔ ہنستے ہنستے اس کے اوپر گر جانا۔ شرارت کرتے ہوئے اسے گھونسہ رسید کرنا یا چٹکی کاٹنا۔ ان افعال کا شاید اس کے اپنے اوپر کوئی اثر نہ پڑ رہا ہو پر ایسے ہر عمل پر اسماعیل کی تو جان نکل جاتی تھی۔ پہلے پہل تو وہ گھبرایا مگر بعد میں اسے عجیب سی لذت محسوس ہونے لگی۔ اس کی خشک و ویران زندگی میں یہ پہلی لڑکی تھی جو اتنی بے تکلف ہوئی تھی۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا، جانے کتنی دیر وہ اسی طرح محو گفتگو رہتے اگر شہزادی کی نظر گھڑی پر نہ پڑتی۔

"باپ رے...... ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں...... میں چلی شاہ جی۔" اس نے اسماعیل کا ہاتھ پیار سے دبایا اور دروازے کی طرف بھاگی اس کا ہر قدم گویا اسماعیل کے دل پر پڑ رہا تھا دروازے پر رک کر اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے "ٹاٹا" کیا اور غائب ہو گئی۔

اسماعیل بقیہ رات اسی کے خیالوں میں کھویا رہا۔ انتقام لینے کی خواہش اسے وقتی طور پر اسے بھول چکی تھی۔

☆......☆......☆

"کیسا رہا پاربتی؟" مرزا طاہر حسین، شہزادی سے مخاطب تھا۔ اپنے انداز سے وہ کسی طرح بھی چچا بھتیجی نہیں لگ رہے تھے۔

"مہاراج نہایت آسان شکار ہے، دو دنوں میں ایسا کر دوں گی کہ سب کچھ بھول جائے گا۔" شہزادی کے انداز میں تھوڑی دیر پہلے نظر آنے والی معصومیت اور سادگی ایسے غائب ہو گئی تھی کہ اسماعیل اگر اسے اس حال میں دیکھ لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ یہ وہی شہزادی ہے جو تھوڑی دیر پہلے ایک الہڑ اور نادان دوشیزہ دکھائی دے رہی تھی۔

"نہیں میری جان۔" مرزا طاہر حسین اس کے ساتھ ایک نازیبا حرکت کا ارتکاب کرتے ہوئے مکروہ انداز میں مسکرایا۔ "یہ کیس ذرا مختلف ہے تو نے اسے اپنا عاشق نہیں بنانا۔ بلکہ ایسا خون آشام درندہ بنانا ہے جس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔ اسے شراب وشباب کی ایسی لت ڈالو کہ اس کا جی اس کام سے کبھی نہ بھرے اور اس کام کے لیے تیرے پاس صرف چار دن ہیں۔ ان چار دنوں میں میں یہاں پہ نظر نہیں آؤں گا۔ تم اسے کہہ سکتی ہو کہ میں چند دن کے لیے شہر سے باہر گیا ہوں۔ بلکہ کہنا اسی کے کام کے سلسلے میں گیا ہوا ہوں۔"

"مطلب...... پہلی مرتبہ مجھے دل پسند کام کرنے کو مل رہا ہے۔" پارمی کا انداز سراسر کسی بازاری عورت کا سا تھا۔ "پہلے تو عمر رسیدہ مریل اور ایسے بھوکے بھیڑیے میرے حصے میں آتے تھے جن کی صرف آنکھوں میں ہی بھوک ہوتی تھی، جو آگ لگانا تو جانتے پر آگ بجھانا ان کے بس سے باہر ہوتا تھا۔"

"اس کے لیے خاکسار جو موجود تھا۔" مرزا طاہر حسین نے ہوس بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں کھینچا۔

"اس ٹائم تو مہاراج جانے کہاں ہوتے ہے۔" وہ اس کی آغوش میں لیٹ گئی۔

مرزا طاہر حسین کا پارمی کو اس ٹائم بلانے کا مقصد اسماعیل کے بارے کچھ ہدایات دینے کا تھا۔ مگر پارمی کی ادائیں اتنی مسحور کن تھیں کہ اس نے مجبوراً ان ہدایات کو کچھ دیر موخر کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے ہاتھوں کی گستاخیاں بڑھتی گئیں اور ان حرکات کا اختتام لازماً جذبات کی انتہا پر ہوتا تھا، مگر اچانک اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ حیوانی خواہشات کے تند و تیز ریلے میں موبائل کی گھنٹی اسے کسی بدروح کی آواز محسوس ہوئی تھی کال منقطع کرنے کے لیے اس نے جیب سے سیل فون نکالا لیکن سکرین پر چمکتے نمبر کو دیکھ کر اس کا انگوٹھا خود بخود کال ریسیو کرنے والے بٹن کی طرف بڑھ گیا۔

"یس!...... پاشا بول رہا ہوں۔"

"سر!...... خادم حسین نظروں میں آ گیا ہے سی آئی (Counter Intalligence) اس کی نگرانی کر رہی ہے۔" دوسری جانب سے بولنے والے نے اپنا تعارف کرائے بغیر رپورٹ پیش کی۔

"کیا؟" پارمی کو اپنی آغوش سے دھکیلتے ہوئے وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سچ کہہ رہا ہوں سر!...... رات کے اس ٹائم بھی خادم حسین کے گھر کے سامنے سی آئی کا اہلکار نگرانی کے لیے موجود ہے۔"

"یہ اُلو کا پٹھا کیسے نظروں میں آ گیا؟...... اور تمھیں کس ٹائم پتا چلا؟"

"تھوڑی دیر پہلے ہی پتا چلا ہے۔ اور کنفرم کرنے کے بعد آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔"

"کچھ اندازہ ہے...... یہ کب سے سی آئی کی نظروں میں ہے۔"

"سر!...... میرا خیال ہے، یہ آج اورنگ زیب کلرک سے کام کے سلسلے میں ملنے گیا تھا اور وہیں سے اس پر یہ بلا مسلط ہوئی ہے۔"

"اپنے آدمیوں میں آج، اس کی کس کس سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"صرف جگجیت سے۔"

"او کے...... گھر کی نگرانی تو سامنے سے ہو رہی ہے۔ تم پیچھے سے جاؤ اور اس کی کار میں ریموٹ کنٹرول بم فٹ کردو...... کل کسی مناسب جگہ پر بلاسٹ کر دینا۔ اس کے علاوہ تمام کو بتا دو کہ جگجیت اور اس سے اپنے رابطے منقطع کر دیں۔ جگجیت کو بھی گولی مار دو کیونکہ سی آئی ایسی بلا ہے کہ ہلکی سی لاپروائی سے پورے سیٹ اپ کو تباہ و برباد کر دے گی اور ہمیں اپنی جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔"

"سر!...... اگر جگجیت کو کچھ عرصے کے لیے منظرِ عام سے ہٹا دیں؟ یا واپس بھیج دیں اور......"

"نہیں نہیں وکرم!...... ایسا سوچنا بھی مت۔ بھارت ماتا کے لیے ہمیں جگجیت جیسی کئی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ اور ہاں سب کو بتا دینا اپنے سیل فون اور کنکشن بدلی کر لیں پرانے والے ضائع کر دیں...... اور نگ زیب کلرک کے متعلق بھی سب کو آگاہ کر دینا کہ اس کے بعد اس کے ساتھ کوئی ڈیل نہ کی جائے...... سمجھ گئے؟"

"جی سر...... اور کچھ؟"

"بس...... کل پرانے اڈے پر آ جانا باقی گپ شپ وہیں ہوگی۔"

"کتنے بجے سر؟"

"دن کا کھانا اکٹھے کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"او کے اینڈ گڈ بائی۔" اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کے سر پر سوار حیوانی خواہش کا بھوت اتر چکا تھا، سی آئی کا نام سن کر ہی اس کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

"پاربتی تم جاؤ آرام کرو۔"

"جی مہاراج"۔ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی جبکہ مرزا کمرے میں ٹہلتے ہوئے آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔

☆......☆......☆

"اس کا مطلب ہے وہ اپنی نگرانی سے آگاہ ہو گئے تھے۔" عاطف نے عمران سے تفصیل سن کر خیال ظاہر کیا۔

عمران نے کہا۔ "شاید!...... ایسا ہی ہو سر۔"

"شاید نہیں...... یقیناً کہو...... خادم حسین کی کار کو سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بلاسٹ کیا گیا ہے...... اس طرح انھوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ہوسکتا ہے وہ سچ مچ دہشت گردی کا شکار ہوا ہو...... پاکستان میں بھی تو کئی ایجنسیاں دہشت گردی کی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔''

''تمھاری بات کئی وجوہات کی بنا پر غلط ہے۔'' عاطف نے اپنے موقف کی دلیل سے وضاحت کی۔ ''پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر بارود موٹر سائیکل سوار کے پاس ہوتا تو کار کی صرف وہ سائیڈ متاثر ہوتی جس سائیڈ پر موٹر سائیکل تھا، دوسری سائیڈ نسبتاً بہتر رہتی۔ جبکہ سامنے ٹی وی پر جو دکھایا جا رہا ہے اس میں کار کے پرزے چاروں طرف بکھرے نظر آ رہے ہیں اس کے برعکس موٹر سائیکل کی حالت کار کے مقابلے میں کافی بہتر ہے۔ دوسرا کل جس آدمی نے خادم حسین سے ملاقات کی تھی وہ بھی صبح بستر پر مردہ پایا گیا ہے۔ اور یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔ تیسرا!...... جس جگہ بلاسٹ ہوا ہے یہ جگہ دہشت گردی کے لحاظ سے بالکل موزوں نہیں تھی یہ بھی اس بات کا مظہر ہے کہ بلاسٹ کرنے والے کا اصل مقصد خادم حسین سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا اور دہشت گردی کی حیثیت ثانوی تھی۔ ورنہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ دھماکے کے لیے اس سے کئی گنا موزوں جگہ چند سو گز آگے آنے والی چیک پوسٹ تھی۔ مگر بلاسٹ کرنے والے کا مقصود کچھ اور تھا اس لیے وہ اس بات پہ دھیان نہ دے سکا۔''

''آپ نے بالکل درست تجزیہ کیا ہے سر۔''

''ہاں...... لیکن تم نے اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے نہیں دی۔''

''اس میں میرا کیا قصور ہے...... سر؟'' عمران کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ پنہاں تھا۔

''تمھارا ہے یا امجد کا ہے...... تم ہی اس کی نگرانی پہ مامور تھے اور دونوں میں سے کسی ایک کی لاغرضی سے اتنا اہم کلیو (Clue) ہاتھ سے نکل گیا۔''

''اورنگ زیب کلرک بھی تو ہے نا سر۔''

''اس کے پاس، ذرا سی بھی معلومات ان کے خلاف مل سکتی تو وہ آج تجھے زندہ نظر نہ آتا۔''

''سوری سر!...... میں شرمندہ ہوں۔''

''سوری کی ضرورت نہیں، آئندہ خیال رکھنا...... امجد کو بھی اس بارے بریف کر دینا اور آج اورنگ زیب کلرک کو چھٹی کے بعد لے آؤ تا کہ اس کی مزاج پرسی کر لیں۔''

''تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں ہے۔''

''وہ میں نے دشمن کے نقطہ نظر کی بات کی تھی...... ہوسکتا ہے اتنی چالاکی کے باوجود ان سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو۔ اور پھر اورنگ زیب کو بھی تو آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا...... وہ اس پاک دھرتی کا مجرم ہے۔ ایسے غلیظوں سے جتنی جلدی یہ دھرتی پاک ہوگئی اتنا ہی بہتر ہو گا۔ پہلے تو اسے چارے کے طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے ڈھیل دے رکھی تھی۔ اب تو مشکل ہے کہ دشمنوں کا یہ گروپ اس کا رخ کرے اور کسی دوسرے گروپ کی امید میں ہم اپنی نگرانی جاری نہیں رکھ سکتے۔''

''تو اس کے ساتھ کیا کریں گے؟''

''وہی جو مجرموں کے ساتھ کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سر!'' عمران جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوکے......'' عاطف نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ بھی کپڑے بدل کر باہر چل دیا۔ اس کے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں نے اس کی وجاہت کو کافی حد تک کم کر دیا تھا...... اور پھر سبزی کے ٹھیلے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

☆......☆......☆

''اٹھو ناں!...... ابھی تک سوئے ہوئے ہو۔'' پارمی نے اسماعیل کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

وہ رات اس کے جانے کے کافی دیر بعد تک جاگتا رہا تھا۔ صبح کی اذانوں کے قریب اس کی آنکھ لگی تھی، اس لیے گہری نیند میں تھا مگر پارمی کی سریلی آواز سن کر اس کی نیند لمحوں میں رخصت ہو گئی۔

''او سوری۔'' وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر نادم لہجے میں بولا۔ ''اصل میں رات کو آپ کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''کیوں......؟ کیا میری صورت اتنی بری ہے کہ آپ کی نیند ہی اُڑ گئی۔''

''نہیں...... نہیں...... آپ تو ماشاءاللہ لاکھوں میں ایک ہیں، نیند تو بس ویسے ہی نہیں آ رہی تھی۔''

''چل جھوٹے۔'' وہ اس کے چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔ ''اتنی خوبصورت ہوتی تو میرے کئی چاہنے والے ہوتے۔''

''کیا کسی نے آپ کی چاہت کو ٹھکرایا ہے؟''

''ہاں نا......''۔ اس نے بیڈ پر بیٹھ کر اسماعیل کے کندھے سے سر لگا دیا۔

''کس نے؟'' اسماعیل کے لہجے میں بے چینی تھی۔

''ہے ایک...... کل رات اس سے ملاقات ہوئی اور نیند ہی اُڑ گئی۔ جبکہ وہ گیارہ بجے اٹھ کر کہہ رہا ہے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔'' پارمی کے لہجے میں معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''کک...... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''صحیح کہہ رہی ہوں شاہ جی!...... تم پہلے دن سے ہی میرے من میں اتر گئے ہو۔''

''کیا کہہ رہی ہو شہزادی ہوش میں تو ہو؟...... مم...... میں کہاں اور آپ کہاں۔ طاہر صاحب کو پتا چل گیا تو میری خیر نہیں۔''

''میری خیر نہیں۔'' اس نے منہ بگاڑا۔ ''انکل نہ ہوئے جلاد ہو گئے۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو شہزادی!...... وہ میرے محسن ہیں۔ بھروسا کرتے ہوئے انھوں نے آپ کو مجھ سے ملنے کی آزادی دے دی ہے تو میں آپ سے محبت فرمانا شروع کر دوں۔''

''تم کچھ بھی مت کرو۔'' اس نے پٹری بدلی۔ ''بستر چھوڑو...... فریش ہو جاؤ میں ناشتے کی میز پر تمھارا انتظار کر رہی ہوں۔''

''میں چند منٹ میں آیا۔'' وہ اتنی جلدی موضوع بدلی ہونے پر خوش ہو گیا تھا۔

اس سے قطع نظر کہ وہ قتالۂ عالم اسے پہلی نظر میں بہت اچھی لگی تھی، پھر اس کی معصومیت اور سادگی نے تو اسے گرویدہ کر لیا تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی اور اس کی حیثیت سے بخوبی واقف تھا۔ گو محبت طبقاتی فرق کو نہیں دیکھتی مگر دماغ کو دیکھتا ہے اور ابھی تک اس کا دماغ اس کے دل پر حاوی تھا۔

روزانہ کے معمولات سے فارغ ہو کر وہ کمرے سے باہر نکلا ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے برتن سجائے وہ اسے منتظر ملی۔ وہ پہلی دفعہ اس گھر کے کسی فرد کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا کرنے جا رہا تھا اس لیے اسے گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی، اس سے پہلے وہ ناشتا، لنچ اور ڈنر کمرے میں ہی کرتا تھا۔

''طاہر صاحب نے ناشتا کر لیا ہے؟''

''ہاں...... انکل بہت سویرے ناشتا کرتے ہیں۔''

''اب وہ کہاں ہیں؟''

''چند دنوں کے لیے شہر سے باہر گئے ہیں۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں...... کسی کام کے سلسلے میں گئے ہیں...... اتنا بتایا ہے کہ تمھارا خیال رکھوں۔''

''اچھا...... اس کا مطلب ہے طاہر صاحب کے کہنے پر یہ عنایات ہو رہی ہیں۔'' اسماعیل نے دبے لفظوں میں شکوہ کیا۔

''تو اور کیا؟'' وہ شوخی سے بولی۔ اور اسماعیل ہنس پڑا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' اس نے منہ بنایا۔

''آپ کو اعتراض ہے تو نہیں ہنستا۔'' وہ سر جھکا کر ناشتا کرنے لگا۔

''اے!...... ناراض ہو گئے کیا؟'' قریب آ کر اس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے بولی۔ ''سوری میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

وہ بوکھلا گیا۔ ''وہ آ...... آپ بیٹھیں نا پلیز میں خفا نہیں ہوں۔''

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' اس کی شوخی لوٹ آئی۔

''پپ...... پلیز شہزادی صاحبہ!......کوئی دیکھ لے گا اور اگر طاہر صاحب کو پتا چل گیا تو میری شامت آجائے گی۔''

''گھر میں کوئی ہوگا تو دیکھے گا نا؟۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں نے سب ملازموں کو کہہ دیا ہے کہ جب تک میں نہ بلاؤں وہ اپنے کوارٹرز تک محدود رہیں۔''

''کیوں؟''

''بس ویسے ہی......اور تم ناشتا تو کرو۔''

''بس......بس نے کرلیا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ شہزادی کی قربت سے عجیب قسم کی خواہشات اس کے بدن میں ہلکورے لینے لگی تھیں اور اس کا علاج شہزادی سے جسمانی طور پر دور رہنے میں تھا مگر وہ غریب یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ ایک شاطر اور عیار عورت سے پڑا تھا۔ جس کی ساری ادائیں سادگی اور معصومیت میں لپٹی ہوئی تھیں، وہ اس کی دلی کیفیت کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی انجان بنی ہوئی تھی۔

''پھر چلو......تمھیں اپنا کمرہ دکھاؤں۔'' وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے آئی۔ بیڈروم میں عجیب قسم کی بھینی بھینی خوشبو چھائی ہوئی تھی۔ کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر تو اسماعیل کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہوگئی تھیں۔

''پسند آیا میرا کمرہ؟''

''بہت اچھا ہے......بلکہ کچھ زیادہ ہی اچھا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''اچھا بیٹھو تمھیں فلم دکھاتی ہوں۔'' وہ اسے کمرے کے وسط میں پڑے جہازی سائز کے گول بیڈ پر دھکیلتے ہوئے بولی۔

''فلم؟''

''ہاں جی فلم......میں انڈین فلمیں بڑے شوق سے دیکھتی ہوں۔ اور جب تک انکل نہیں آجاتے تین چار دن تمھیں بھی میرے ساتھ دیکھنی پڑیں گی۔''

''مگر میں نے اس سے پہلے کبھی فلم نہیں دیکھی۔''

''تو آج سے دیکھنا شروع کردو......اتنی اچھی تو ہوتی ہیں۔'' وہ ٹی وی آن کر کے اس کے ساتھ آبیٹھی......تھوڑی دیر بعد ہی وہ فلم کے رومینٹک مناظر میں گم تھا اور پھر اسے پتا ہی نہ چلا کہ جانے کس وقت اس نے ہیرو کی اور شہزادی نے ہیروئن کی جگہ سنبھال لی۔ اس کے دماغ نے ہلکا سا احتجاج کیا مگر پاربتی جیسی گھاگ عورت نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور اسے ان جہانوں کی سیر کو لے گئی جس کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

☆......☆......☆

وکرم اور چندر پال بے چینی سے پاشا کے منتظر تھے، وکرم کے ساتھ اس نے دوپہر کے کھانے کے وقت ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر تین بجنے والے تھے اور وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ اس کے انتظار میں وہ کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے......اور جب بھوک برداشت کرنا وکرم کے بس سے باہر ہو گیا تو چندر پال سے بولا۔

''سر کھانا کھا لیتے ہیں مہاراج جانے کس ٹائم تشریف لائیں۔''

''فون کر کے معلوم کر لیتے ہیں؟'' چندر پال نے مشورہ دیا۔

''نہیں......مہاراج نے کنکشن تبدیل کر لیا ہے میں تھوڑی دیر پہلے ٹرائی کر چکا ہوں؟''

''کنکشن تبدیل کر لیا ہے؟ پر کیوں؟''

''آپ کو نہیں بتایا انھوں نے؟'' وکرم نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں یار...... پرسوں سے ان سے بات ہی نہیں ہو سکی ہے۔''

''دراصل فیلڈ میں کام کرنے والے تمام آدمیوں کے سیل فون اور کنکشن مہاراج نے کل رات تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا۔''

''پر کیوں؟''

''اپنے دو بندے سی آئی کی نظروں میں آ گئے تھے اور احتیاطی تدبیر کے طور پر مہاراج نے یہ حکم جاری کیا ہے؟''

''میں بھی بدل لوں؟''

''کیا کہہ سکتا ہوں......آپ کا مہاراج سے براہِ راست رابطہ رہتا ہے انھی سے پوچھ لینا۔''

یہ بات وکرم کے ہونٹوں پر تھی کہ انھیں گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

''میرا خیال ہے مہاراج آ گئے ہیں۔'' چندر پال نے کہا اور چند لمحوں بعد اس کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ مرزا طاہر حسین اندر داخل ہوا وہ دونوں اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''سوری...... میں تھوڑا لیٹ ہوں۔'' ان کے نمسکار کے جواب میں اس نے بھی اپنے ہاتھوں کو چہرے کے سامنے باندھتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں مہاراج۔'' دونوں بیک زبان بولے۔

''کھانا کھا لیا ہے؟''

چندر پال نے جواب دیا۔''نہیں مہاراج۔''

''اوہ ہو...... یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ چلو جلدی سے کھانا لگواؤ میں نے بھی ابھی تک نہیں کھایا۔

کھانا کھا کر وہ دوبارہ اسی جگہ آ بیٹھے۔

"وکرم...... تازہ صورتِ حال بتاؤ؟" پاشا سگار سلگاتے ہوئے مستفسر ہوا۔

"خادم حسین کی گاڑی بیچ بازار میں بلاسٹ کر دی ہے، جگجیت صبح اپنے بستر پر مردہ پایا گیا ہے، فیلڈ میں کام کرنے والے تمام ممبروں کے سیل فون اور کنکشن آج بدل دیئے گئے ہیں...... یہ رہی نئے نمبروں کی لسٹ۔" وکرم نے جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر مرزا طاہر حسین کی طرف بڑھایا۔

"گڈ...... میرا نیا نمبر بھی نوٹ کرلو۔" مرزا نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لیتے ہوئے اپنا نیا نمبر دہرا دیا۔ جو دونوں نے نوٹ کرلیا۔

"اور چندر پال تم بھی آج ہی اپنا کنکشن بدلی کرلو۔"

"ٹھیک ہے سر۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔

"تمھارے خودکش بمبار کا کیا حال ہے...... وکرم؟"

"ایک دم تیار ہے سر...... بس ٹارگٹ کا انتخاب باقی ہے جو آپ نے کرنا ہے۔"

"محرم کتنی دور ہے؟"

"قریباً پندرہ دن بعد یکم محرم ہے سر۔"

"یوں کرو، پرسوں کسی امام باڑے میں دھماکا کرا دو اور اگلے جمعہ کو نماز جمعہ کے ٹائم سنیوں کی کسی مسجد میں خودکش بمبار کو بھیج دینا...... تاکہ محرم آنے تک ماحول خوب گرم ہو جائے۔ اس کے بعد تم 9 محرم میں شیعوں کے جلوس پر بلاسٹ کرنے کے لیے تیار رہنا ہے۔"

وکرم نے پوچھا۔ "بیچ کے دنوں میں کچھ نہیں کرنا؟"

"نہیں؟" اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ "ان دنوں میں دونوں گروپوں کا بھی کچھ حق بنتا ہے۔"

"ٹھیک ہے سر...... اور کوئی حکم؟"

"ہاں...... ہفتے کے دن نئے لڑکے اسماعیل شاہ کو ٹریننگ سنٹر بھجوانا ہے، اسے وہاں چھوڑنے کے لیے تجھے اس کے ہمراہ جانا پڑے گا۔"

"چھوڑ کر واپس آ جانا ہے سر؟"

"ہاں...... تُو نے واپس آ جانا ہے۔"

"میں تیار ہوں سر۔"

"ہفتے کی صبح تم لوگوں نے نکل جانا ہے۔ دونوں نے سمگلر کے روپ میں سفر کرنا ہے اور اپنے سرحدی ساتھیوں کو پہلے سے آگاہ

کردینا تاکہ وہ بارڈر پر موجود محافظوں سے ڈیل کرلیں۔"

"اسے کس سنٹر میں پہنچانا ہے سر؟"

"اسٹیبلشمنٹ 221 میں اور کس میں۔" چندر پال جلدی سے بولا۔

"نہیں اسے جے پور کیمپ میں پہنچانا ہے۔" پاشا نے چندر پال کی تردید کی۔

چندر پال نے حیرانی سے پوچھا۔ "مگر سر!.....آپ نے تو کہا تھا کہ اسے مکمل تربیت دلانی ہے۔ جبکہ جے پور کیمپ میں تو چند ہفتوں پر مشتمل کورس میں چند ایک چیزیں ہی سکھلائی جاتی ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو چندر پال، مگر اسٹیبلشمنٹ میں اسے اس لیے نہیں بھیجا جا رہا کہ وہاں بھارتی فوج کی وردی پہنا کر تربیت دی جاتی ہے۔ جو شاید اسماعیل جیسے پڑھے لکھے کو ہضم نہ ہو سکے۔"

"تو جے پور کیمپ بھی تو انڈیا میں ہے۔"

-1 اسٹیبلشمنٹ (Establishment 22) 22 دراصل ایس ایف ایف (Special Frontier Force) کا تربیتی مرکز ہے جس کا کنٹرول براہ راست وزارت دفاع کرتی ہے اس کی بنیاد CIA نے بھارت میں رکھی تھی جس کے تحت انٹیلی جنس افسران کو گوریلا کارروائیوں کی تربیت دے کر چین کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ پاکستانیوں کی تربیت کا آغاز اس کیمپ میں 1986 سے ہوا۔ اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے تخریب کاری کے جو کورس کروائے جاتے ہیں ان کا عرصہ تربیت چار ہفتے۔ چار ماہ تا پانچ ماہ، نو ماہ، اٹھارہ ماہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ عرصہ تربیت میں قیام پذیر تخریب کاروں کو باقاعدہ بھارتی فوج کی وردیاں پہنائی جاتی ہیں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر "چکراتا" میں ہے۔ اس کی کمانڈ بھارتی فوج کا ایک بریگیڈیر کرتا ہے۔

-2 بھارت نے راجستھان کی سرحد پر مختلف تربیتی کیمپ قائم کیے ہوئے ہیں جن کی مجموعی تعداد 40 کے قریب ہے اور ان میں سارا سال دہشت گردی کی تربیت جاری رہتی ہے۔ یہ کیمپ گنگا نگر، جے پور، اودھم پور، کشن گڑھ، بارمر اور چندی گڑھ وغیرہ میں واقع ہیں۔ (از طارق اسماعیل ساگر)

"ہاں مگر وہاں بھارتی فوج کی وردی استعمال نہیں ہوتی۔ دوسرے وہاں انڈین دوستی سے زیادہ پاکستان دشمنی سکھائی جاتی ہے اور سب سے اہم بات جو میں نے ابھی تک آپ لوگوں نہیں بتائی وہ یہ ہے کہ اسماعیل کی ٹریننگ جے پور سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ایک نئے قائم شدہ کیمپ میں ہوتی ہے، وہاں اسماعیل اکیلا نہیں جائے گا پاکستان کے مختلف شہروں سے مزید پندرہ بیس پڑھے لکھے جوان وہاں جمع ہو رہے ہیں اور ان تمام کو پندرہ ماہ دورانیے کی طویل تربیت دی جائے گی۔ وہیں انھیں بلیک میل کرنے کے لیے مواد بھی تیار کیا جائے گا تاکہ مستقبل میں ہم سے باغی نہ ہو سکیں۔"

''سوری سر میں نے......'' چندر پال ندامت سے کہنا چاہا۔ مگر پاشا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا......

''سوری کی ضرورت نہیں مجھے تیری باتوں سے خوشی ہوئی، یہ بات حقیقت کے قریب تھی اور تیری آج کی گفتگو سے مجھے امید ہو چلی ہے، کہ تمھارے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''تھینک یو سر۔'' چندر پال مسرت سے بولا۔

''اوکے......اجازت دیں، میں تھوڑی دیر آرام کروں گا۔ البتہ آپ لوگوں نے گپ شپ کرنی ہے تو بیٹھے رہیں۔'' وہ دونوں بھی اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے تھے اور اس کے کمرے سے نکلتے ہی وکرم نے بھی چندر پال کو الوداعی نمسکار کرتے ہوئے رخصت لی۔

☆......☆......☆

اورنگ زیب کلرک کی آنکھ ایک چھوٹے سے کمرے میں کھلی، اور بے ساختہ ہاتھ ہلانے کی ناکام کوشش سے اسے پتا چلا کہ وہ کرسی پر بندھا بیٹھا ہے۔ خوف کی لہر نے اس کے دل کے اندر ہلکورا لیا اور اس کا دل تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا۔

''پتا نہیں کس کی قید میں ہوں۔'' وہ اغوا کاروں کی شکلیں دماغ میں دہرانے لگا جو بہت مدہم تھیں......اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ان کی شکلوں کو غور سے دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔ دوپہر کا کھانا وہ عموماً اپنے دفتر کے نزدیک ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں کھاتا تھا اور آج بھی وہ اسی نیت سے دفتر سے نکلا تھا مگر اسے ہوٹل کے اندر جانا نصیب نہ ہو سکا۔ ہوٹل کے اندر جانے کے لیے وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر اس کار کے گزرنے کا منتظر تھا جو درمیانی رفتار سے بڑھتی چلی آ رہی تھی اور پھر، کار بجائے وہاں سے گزرنے کے اس کے قریب آ رکی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک عام شکل کے جوان نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے ایک کاغذ کا پرزہ اس کی سمت بڑھایا جس سے اس نے سمجھا کہ وہ کوئی ایڈریس معلوم کرنا چاہتا ہے۔

''جی۔'' اورنگ زیب نے قریب ہو کر کاغذ کے پرزے پر نگاہ دوڑائی ایسا کرنے کے لیے اسے ہلکا سا جھکنا پڑا اور یہ جھکنا اسے مہنگا پڑا، کاغذ کا ٹکڑا ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے ڈرائیور کا ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے اس کے گریبان کی طرف بڑھا اور اسے گریباں سے پکڑ کر اس نے اپنی جانب کھینچا، اورنگ زیب اس انداز سے گرا کہ اس کا سر تو کار کی کھڑکی میں گھس گیا جبکہ باقی بدن کار سے باہر تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا ڈرائیور نے ایک رومال اس کی ناک پر رکھ دیا، ایک تیز ناگوار بو اسے محسوس ہوئی اور اس کا دماغ اندھیروں میں ڈوب گیا۔ اس کے بعد وہ اس جگہ تک کیسے پہنچا تھا یہ اسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا۔

''شاید یہ اغوا برائے تاوان ہو'' اس نے خود کو تسلی دی مگر یہ طفل تسلی تھی، اس کی حیثیت اتنی نہیں تھی کہ اسے باقاعدہ منصوبہ بنا کر اغوا کیا جاتا۔ پھر دماغ پر زور دینے سے اس کی سوچیں اس آدمی کی طرف گھوم گئیں جس کا کام کرنے کی ہامی وہ منہ مانگی قیمت پر بھر چکا تھا۔

''شاید وہ اپنا کام مفت میں کروانا چاہتے ہوں'' اور اس مرتبہ اپنے دماغ میں ابھرنے والی سوچ سے وہ دلی طور پر متفق ہو گیا،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک اطمینان کی لہر اس کے بدن پر سرایت کر گئی کیونکہ یہ کام اتنا مشکل نہیں تھا۔ ان دو آپشنوں کے علاوہ اس نے کسی تیسرے آپشن کی طرف اپنی سوچوں کے گھوڑے دوڑانے کی کوشش کی مگر دروازے پر ہونے والے کھٹکے سے وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔ دروازہ آہستگی سے کھلا، اندر داخل ہونے والا ایک جوان آدمی تھا، اور اس کے وجیہہ چہرے پر چھائی نرمی مخالف کے دل میں پیدا ہونے والے اندیشوں کا تریاق تھی، لیکن اس کے باوجود اسے دیکھ کر اورنگ زیب کا دل ناخوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکا ہو، لیکن اس مصیبت کی توجیہہ کرنے سے اس کی عقل قاصر تھی البتہ اتنا اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پہلے والے اندازے بالکل غلط تھے۔

جوان نے اس کے ساتھ پڑی خالی کرسی کو گھسیٹ کر اس کے سامنے رکھا اور بیٹھ کر اورنگ زیب کو گھورنے لگا، یوں جیسے اس کی آمد کا مقصد اورنگ زیب کو گھورنے کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ اس کی نگاہوں میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اورنگ زیب گفتگو میں پہل نہ کر سکا اور اضطراری انداز میں پہلو بدلنے کی ناکام کوشش کر کے رہ گیا۔ چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد اس نے تصدیق چاہی......

''تمھارا نام اورنگ زیب ہے اور تم...... میں کلرک ہو۔'' (ادارے کا نام لکھنے سے دانستہ گریز کیا جا رہا ہے۔ مصنف)

''جی......'' اورنگ زیب نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی اور یہی حال جسم کے دوسرے اعضا کا بھی تھا۔

''تمھاری تعلیم کتنی ہے؟''

وہ اپنے خشک ہوتے ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے بولا۔ ''بب...... بی اے۔''

''اس کا مطلب ہے تعلیم یافتہ ہو۔ اور یقیناً زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت تاریخ سے واقفیت رکھتے ہو گے۔''

''مم...... میں سمجھا نہیں سر؟'' اس کے لہجے میں خود بخود احترام در آیا۔

''سمجھا دیتا ہوں،...... سمجھا دیتا ہوں۔ تاریخ سے میری مراد ہے کہ تمھیں پتا ہو گا ہمارے بزرگوں نے پاکستان حاصل کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دیں، قائداعظم محمد علی جناح اور اس کے ساتھیوں کو کن تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کتنی بہنوں اور بیٹیوں کی عزتوں کا جنازہ نکلا، کتنے معصوموں کے سر کاٹے گئے۔ کتنوں کو نیزوں میں پرو دیا گیا اور کیا کچھ ہوا۔ اس سے تھوڑی بہت تو واقفیت ہو گی تجھے یا اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟ تا کہ میں تمھیں یہ واقعات سنا سکوں یوں بھی اتنے پرانے نہیں ہیں بمشکل آدھی صدی بیتی ہے۔ یہی ہمارے باپ دادوں کی کہانیاں ہیں اس لیے مجھے ازبر ہیں۔ سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں نا۔ ویسے بھی اپنی ماؤں بہنوں کی عصمت دری کوئی بے غیرت ہی فراموش کر سکتا ہے۔''

''جج...... جانتا ہوں سر!...... یہ قصے سنے ہیں میں نے۔''

''قصے نہیں مسٹر اورنگ زیب!...... یہ قصے نہیں ہیں واقعات کہو واقعات آپ بیتی اور خود نوشت کہو تم انھیں قصے کہہ رہے ہو؟''

''مم میرا مطلب بھی واقعات ہی تھا۔''

"تو پھر تُو نے ان واقعات سے کیا سبق حاصل کیا؟"

"سس...... سبق؟"

۔"ہاں، ہاں، سبق...... بھئی عبرت انگیز واقعات تو ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ ان سے کوئی نتیجہ نکالا جائے کوئی سبق حاصل کیا جائے۔"

اس بار اورنگ زیب جواب دینے کی بجائے نیچے دیکھنے لگا۔

"تم تو خاموش ہو گئے یار...... میرا خیال ہے بتانے کو دل نہیں کر رہا۔ خیر میں بتا دیتا ہوں ہوں، تُو نے یہ سبق لیا ہے کہ اپنی لٹی پٹی بہن اور بیٹی کو کوٹھے پر بٹھا دیا جائے کہ چلو عزت تو رہی نہیں کچھ کمائی ہی کر لیں اور پھر اس کمائی سے اپنی بہن اور بیٹی کی عصمت دری کرنے والوں کی دعوت کی جائے کہ ان کی مہربانی سے تو یہ روزگار کھلا ہے۔ کیا خیال ہے ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

اس کی آواز میں چھپی وحشت سے اورنگ زیب کانپ گیا تھا اس نے ایک دفعہ نگاہیں اٹھائیں مگر اس جوان کی سلگتی آنکھوں کی تاب نہ لا کر پھر جھکا لیں۔

"میرا خیال ہے میں غلط نہیں کہہ رہا؟" اورنگ زیب کو خاموش پا کر وہ دوبارہ مستفسر ہوا۔ مگر اس مرتبہ بھی اورنگ زیب خاموش رہا تھا۔ اس جوان کو دیکھ کر اس کے دماغ میں جن اندیشوں نے سر اٹھایا تھا، بات چیت سے ان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ پاک سرزمین کی حفاظت کرنے والی کسی ایجنسی کے ہاتھ چڑھ گیا ہے اور وطن کے دشمنوں کے لیے یہ لوگ جتنے بے رحم تھے اس سے اورنگ زیب ناواقف نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں اپنے مخلص دوست اور دفتر کے ساتھی کلرک اکبر کی آواز گونجی۔

"دیکھو بھائی...... سب کا اصل گھر تو وہی ڈیڑھ ضرب چھ فٹ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی ہے۔ تو پھر اس دنیاوی گھر کے لیے، عارضی ٹھکانے کے لیے حرام کمائی کی کیا ضرورت۔ تم ایک کنال کے مکان میں رہتے ہو میں چھ مرلے کے کوارٹر میں ہوں دونوں کا وقت گزر رہا۔ میرے گھر دال یا سبزی بنتی ہے، تمھارے ہاں گوشت بنتا ہے دونوں کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ میں سائیکل پر گھر جاتا ہوں تم نے موٹر سائیکل رکھی ہوئی ہے، دونوں گھر پہنچ جاتے ہیں فرق صرف چند منٹ کا ہے۔ ذائقے کی تبدیلی کا ہے، لیکن سب سے بڑی بات میرا ضمیر مطمئن ہے تیرا شاید نہ ہو، تو اتنے چھوٹے فوائد کے لیے کیوں غیر قانونی کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہو۔ باز آجاؤ اس کی رسی دراز ہے مگر پکڑ بہت مضبوط۔" اور اورنگ زیب اس کی باتوں کو قہقہوں میں اڑا دیتا...... لیکن اب جبکہ اس کی رسی کھینچ لی گئی تو اس پر اکبر کی باتوں کی صداقت کھلی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔" اورنگ زیب کو خیالوں میں گم دیکھ کر اس کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔

"جج...... جی...... سر...... میں بے قصور ہوں سر۔ میں نے کچھ نہیں کیا، خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ تیرا کوئی قصور ہے؟...... ملکی راز غیر متعلق شخص کو فروخت کرنا تو فیشن ہے آج کل اور میں کوئی تیرا سینئر تو

ہوں نہیں کہ اعتراض کرسکوں...... ہے نا؟“

”مم...... میں نے کوئی سودا نہیں کیا، کوئی راز کسی کے حوالے نہیں کیا آ...... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”پرسوں ہوٹل میں سفید کپڑوں میں معزز نظر آنے والا غیر معزز شخص کون تھا؟...... تم نے اکٹھے کھانا کھایا اور دونوں کے درمیان ڈیل ہوئی۔ اس کا اصرار تھا کہ کام کی تکمیل آج شام تک ہو جائے جبکہ تم نے شاید کام کا ٹائم ایک دو دن بڑھوا دیا تھا۔“

”اس طرح کی کوئی بات میں نے کسی سے نہیں کی اور پرسوں تو میں نے کھانا بھی اکیلے کھایا تھا...... یہ کسی بدخواہ کی سازش ہے جو مجھے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔“

”سازش کرنے والا خاکسار پھر میں ہی ہو سکتا ہوں جس نے ان گناہ گار آنکھوں سے تجھے کسی کے ساتھ بیٹھے دیکھا اور ان کانوں سے یہ ساری گفتگو سنی تھی۔“

”میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔“

”دیکھا تو خیر تھا۔ البتہ پہچانا نہیں تھا بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی تیرے خلاف ہمارے پاس مزید شواہد بھی موجود ہیں۔ اب تمھیں یہاں لانے کا مقصد تم سے ایک بات پوچھنی ہے اور وہ یہ کہ اس دن دوران گفتگو تو نے دوسرے شخص کو کہا تھا کہ...... آپ پھر اس سے ڈیل کرلیں۔ اس نے کس بندے کا نام لیا تھا جس کے جواب میں تمھیں یہ کہنا پڑا تھا۔“

”آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی سر...... میرے ساتھ پرسوں ہوٹل میں کوئی تھا ہی نہیں۔“

”میرا خیال ہے تمھاری یادداشت میں کوئی فرق آ گیا ہے...... بہر حال کوئی بات نہیں ہمارے پاس اس بیماری کا علاج موجود ہے۔“ اس نے دروازے کی جانب منہ کر کے آواز دی۔ ”آجاؤ بھئی تمھاری ضرورت پڑ گئی ہے۔“ دروازہ کھلا اور دو قوی ہیکل آدمی اندر داخل ہوئے دونوں نے چہروں پر نقاب چڑھائے ہوئے تھے صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ رکھے گئے تھے جن سے ان کی شعلہ برساتی سرخ آنکھیں جھلک رہی تھیں ان کو دیکھ کر اورنگ زیب کے ذہن میں بے ساختہ جلاد کا نام گونجا۔

وہ جوان ان سے مستفسر ہوا۔ ”میرا خیال ہے آپ لوگوں کو پتا تو چل گیا ہو گا کہ میں اس سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟“

دونوں میں سے ایک جلاد بھیانک آواز میں بولا۔ ”چھوڑیں سر ہمارے جاننے کو...... آپ گھنٹا بعد تشریف لائیں اور جو کچھ پوچھنا ہے خود پوچھ لیں۔ ہمارا کام تو بس اسے گفتگو کرنے کا ڈھنگ اور آداب سکھانے ہیں۔“

”چلو یوں ہی سہی۔“ اس جوان کے چہرے پر اورنگ زیب کو پہلی مرتبہ ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی...... وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو اورنگ زیب کا جی چاہا کہ اسے آواز دے کر روک لے اور سب کچھ بلا کم و کاست بتا دے، مگر پھر اقرار جرم کی جرأت اس نے اپنے اندر مفقود پائی اور چپکے بیٹھا رہا۔

☆......☆......☆

جذبات کا طوفان تھمتے ہی اسماعیل پر پچھتاوے اور ندامت کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ سختی سے آنکھیں بھینچے اپنے عمل کے نتائج پر غور کر رہا تھا۔ شہزادی جیسی معصوم لڑکی کو داغدار کرنے کے ساتھ اس نے مرزا طاہر حسین کے اعتماد کو بھی چکنا چور کر دیا تھا۔ اب اگر مرزا کو اس بات کا پتا چل جاتا تو کیا وہ اسے معاف کر دیتا۔

''ہوسکتا ہے مجھے دوبارہ پولیس کے حوالے کر دے۔'' ایک بھیانک سوچ اس کے دماغ میں گونجی۔ ''اس کا مطلب ہے مجھے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔'' وہ ابھی سوچوں میں الجھا تھا کہ اچانک اسے اپنے بازو پر نرم و نازک ہاتھ کا لمس محسوس ہوا جو یقیناً شہزادی کا ہاتھ تھا اور پھر وہ ہاتھ بازو سے رینگتا ہوا اس کے سینے پر گردش کرنے لگا۔ اس لمس میں نفرت کے بجائے چاہت کا اظہار تھا اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں شہزادی اس کی طرف متوجہ تھی اور اس کی آنکھوں سے پھوٹنے والی دائمی پیاس کی لہریں وہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔

''خفا ہو گیا؟'' اس کی مترنم آواز نے اسماعیل کے کانوں میں رس گھولا۔

''نن نہیں تو۔'' وہ گڑبڑا گیا۔ یہاں تو معاملہ ہی عجیب ہو گیا تھا مقتول الٹا قاتل کے خفا ہونے کا اندیشہ لیے پڑا تھا۔

''پھر اتنی دور کیوں لیٹے ہو۔'' شہزادی نے اسے آہستگی سے اپنی جانب کھینچا اور اس کھینچنے میں جانے کون سی قوت پوشیدہ تھی کہ وہ بے ساختہ کھچا چلا آیا۔

''کوئی اندیشہ، کوئی فکر، کوئی تردد کرنے کی ضرورت نہیں میری جان..... تمہارا یہ راز ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گا۔'' وہ اس سے لپٹ گئی۔

''پھر بھی شہزادی صاحبہ!..... مجھے ایسا.....'' مگر پارمتی نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ اسے انہی وادیوں اور نخلستانوں کی جانب کھینچ کے لے گئی جہاں ہر طرف خوشیوں کے ترانے بج رہے تھے۔ غم و دکھ کا کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا۔

''شاید جنت ایسی ہی ہوتی ہے۔'' اس کے اندر اٹھنے والے سوال کا جواب اثبات میں تھا۔

جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ اسے شدت کی پیاس محسوس ہوئی۔ وہ اٹھنے لگا۔

''کہاں چل دیے؟'' وہ مستفسر ہوئی۔

''پانی پینا ہے..... سخت پیاس لگی ہے۔''

''تو خود کیوں جا رہے ہو۔؟ میں موجود ہوں نا تمہاری داسی۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو شہزادی۔ آپ اور میری..... توبہ..... توبہ۔''

''سچ کہہ رہی ہوں۔'' پارمتی دل کی گہرائیوں سے بولی اور جلدی سے اٹھ کر اپنے بدن کے گرد تولیہ لپیٹتے ہوئے فریج کی جانب

بڑھ گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ شیشے کے خوبصورت جگ میں سرخی مائل شربت لے آئی اور گلاس بھر کے اسماعیل کی جانب بڑھا دیا۔ جو وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ دوسرا گلاس پیتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ شربت کے اندر عجیب قسم کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔ خالی گلاس واپس کرتے ہوئے وہ مستفسر ہوا۔

''عجیب قسم کا ذائقہ ہے شربت کا۔ میٹھا اور کڑوا ملا جلا۔''

''یہ تو میٹھا ہے شاہ جی۔'' پاریتی ہنستے ہوئے بولی۔ ''تلخی آپ کے حلق کے اندر موجود ہے۔'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے ایسی بات کی کہ اسماعیل شرمندہ سا ہو گیا۔ ایک ہی دن بلکہ چند گھنٹوں میں شہزادی کے اندر عجیب سی تبدیلی در آئی تھی کہ وہ بہت زیادہ بے باک لگنے لگی تھی۔

''شاہ جی اور بھی پیو نا؟'' پاربتی نے ایک اور گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس مرتبہ شربت پیتے ہوئے اسے عجیب سا احساس ہوا کہ جیسے اعصاب اس کے قابو میں نہ ہوں اور وہ ہواؤں میں اُڑ رہا ہو۔ شربت کی تلخی بھی اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

گلاس واپس کرتے ہوئے وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولا۔ ''یہ..... تت تو مارا چاہ را کیوں گھوم رے آ ہے شاہ زادی جی۔''

اس کے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

''یہ لو اور بھی پیو۔'' اس نے ایک اور گلاس بھر کر اس کے جانب بڑھایا۔

''توم بی بھی پیونا۔'' وہ گلاس لیتے ہوئے بمشکل بول پایا تھا۔

''میں۔'' اس کی نقرئی ہنسی گونجی۔ ''یہ لو میں جگ کو منہ لگا لیتی ہوں۔'' کہتے ہوئے باقی ماندہ شربت پاربتی نے جگ کو منہ لگاتے ہوئے پی لیا۔

''توم سارا پپ پی گائی ہو۔ میں کک کیا پی اوں گگ گا۔''

''تم میرے لبوں سے پینا'' پاربتی بے حیائی سے بولی۔

''آچھا..... یہ ٹھی ٹھی ک ہے۔'' اسماعیل کا دماغ اس کے قابو میں نہیں رہا اور اس کے منہ سے وہ باتیں نکلنے لگیں جن پر پہلے اس نے کئی پہرے بٹھائے ہوئے تھے اور شہزادی بجائے شرمانے کے اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے دل پسند کھلونا ملا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس کے پاس خوشیاں اور مسرتیں کشید کرنے کے لیے چند دن کا ٹائم تھا۔ اس کے بعد تو جانے کب ایسے گھبرو سے ملاقات ہو پاتی اور اسے ایک نامعلوم مدت تک ان بوڑھے گدھوں کے آگے اپنے جسم کا دسترخواں سجانا پڑتا جو پیٹ بھرا ہونے کے باوجود مردار کے گرد جمع رہتے ہیں اور ان کی بھوکی آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی۔

☆.....☆.....☆

''سر!..... چند باتیں پوچھنی تھیں آپ سے؟'' اخبار کے مطالعے میں مصروف پاشا سے چندر پال مستفسر ہوا۔ مگر وہ شاید کسی

دلچسپ خبر میں محو تھا کہ اس نے چندر پال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چندر پال بھی دوبارہ اپنی بات دہرانے کی جرأت نہ کر سکا......

تھوڑی دیر کے مطالعہ کے بعد پاشا نے اخبار لپیٹا اور اس کے جانب متوجہ ہوا......

''پوچھو......؟''

''سر!......کل وکرم کو آپ بتا رہے تھے کہ وہ مسجد میں خودکش حملہ آور بھیجے حالانکہ یہ کام ہم مسجد میں ٹائم بم یا ریموٹ کنٹرول بم رکھ کر بھی لے سکتے ہیں؟''

''بالکل لے سکتے ہیں اور لیتے بھی ہیں......مگر خودکش دھماکا کرانے کی ایک اہم وجہ ہے۔''

''وہ کیا سر؟''

''وہ یہ ہے کہ مسلمان ایسی قوم ہے جس کا مذہب کے ساتھ بہت لگاؤ ہوتا ہے، باقی مذاہب والے اپنے مذہبی احکامات پر اتنے عمل پیرا نہیں ہوتے۔ جتنی کثرت سے مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اور ان کی اس خوبی کو خامی میں بدلنے کے لیے ہم سب نے مل کر بنیاد پرست اور انتہا پرست کا لقب ان کے ان دانشوروں کو سکھلا دیا جو درپردہ ہمارے لیے کام کرتے ہیں۔ اس طرح ایک مذہبی خوبی کو برائی کے زمرے میں شمار کر کے اس کا اتنا پرچار کیا گیا کہ عوام الناس بھی اسے برا سمجھنے لگے......اس سٹیج پر ہم نے اس کی قباحت کو مزید اجاگر کرنے کے لیے خودکش کی مصطلاح رائج کی اور جس وقت بارود سے بھری جیکٹ پہن کر ایک شخص لوگوں کے مجمع میں گھس کر نعرہ لگاتے ہوئے بلاسٹ کرتا ہے تو دیکھنے والے، دھماکا کرنے والے کے نظریات یا عقائد سے واقف نہیں ہوتے وہ ہم نے میڈیا کے ذریعے ان تک پہنچانے ہوتے ہیں کہ وہ داڑھی والا جنونی تھا جس نے مخالف فرقے کی مسجد میں یا امام باڑے میں خودکش دھماکا کر دیا۔ بے شک اس کی داڑھی چند دن کی بڑھی ہوئی شیو ہو......اور پھر آخر میں ایک اسلامی تحریک اس کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے اور ہم پر کوئی شک نہیں کرتا کہ یہ کام مہابھارت کے سپوتوں کا ہو سکتا ہے۔''

''کوئی اسلامی تحریک اس کی ذمہ داری کیوں قبول کرتی ہے سر؟''

''ہا......ہا......ہا''مرزا طاہر حسین نے بلند بانگ قہقہہ لگایا۔''بیوقوف اگر میں اخبار کے دفتر فون کر کے کہہ دوں کہ میرا تعلق فلاں جماعت سے ہے اور میری جماعت اس کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ تو پھر تیرا کیا خیال ہے میڈیا والے کیسے تحقیق کریں گے کہ ایسا کچھ ہو گیا ہے یا یہ جھوٹ ہے۔''

''تو سر کیا سارے خودکش دھماکے ایسے ہی ہو رہے ہیں؟''

''نہیں۔''پاشا نے انکار میں سر ہلایا۔''سارے ایسے نہیں ہو رہے کچھ سچ مچ نام نہاد اسلامی تنظیموں نے کرائے ہیں اور کچھ صدر پاکستان نے کرائے ہیں۔''

’’مسس......صدر پاکستان نے؟‘‘ چندر پال کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

’’ہاں صدر پاکستان نے......اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا کہ صدر پاکستان نے باقاعدہ کسی دہشت گرد کو حملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔‘‘

’’تو پھر کیا سمجھوں سر۔‘‘

’’دیکھو تم اپنے گھر میں آرام وسکون سے رہ رہے ہو اور کسی بھی تنظیم سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ رات کے ٹائم اچانک ایک ڈرون حملہ ہوتا ہے جس میں تمام گھر والے ہلاک ہو جاتے ہیں صرف تم باقی بچتے ہو۔ خبر لگتی ہے۔ ڈرون حملے میں نو دہشت گرد ہلاک۔ اب بتاؤ تم کس سے انتقام لو گے؟ انتظامیہ سے نا۔ ملک کی حفاظت کرنے والوں سے نا۔ جنہوں نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ تو پھر ان سے انتقام لینے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے خودکش حملہ اور یہ تجھے بتانا کس نے ہے، میں نے، میں تمہارا ہمدرد بن کر سامنے آؤں گا اور تجھے ترغیب دوں گا تو اس طرح اپنا انتقام لے......اور اس طرح حکومت کافی خودکش تیار کر دیتی ہے اور یہ تو میں نے صرف ایک مثال دی ہے تمہیں پاکستان میں چاروں طرف ایسے مختلف کردار بکھرے نظر آئیں گے جو مختلف طرح سے زیادتی کا شکار ہوئے ہوں گے اب یہ تیری صوابدید ہے کہ تو ان کو کس طرح اپنے مقصد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس کی تازہ مثال اسماعیل شاہ تمہارے سامنے ہے۔‘‘

’’اور جس خودکش کا کل وکرم تذکرہ کر رہا تھا؟‘‘

’’نہیں وہ ایک دوسرا کیس ہے؟‘‘

’’یعنی اس کے علاوہ بھی......؟‘‘

’’جی جناب!......اس کے علاوہ بھی خودکش تیار ہوتے ہیں۔‘‘

’’پر کیسے سر؟‘‘

’’یہ تم نے خود سوچ کر بتانا ہے...... سمجھو تمہارا امتحان ہے۔‘‘

کسی کو بہت زیادہ رقم دے کر اس کام پر تیار کیا جائے؟‘‘

’’ہو سکتا ہے...... مگر ایسا کیس نہ ہونے کے برابر پیش آتا ہے کیونکہ مرنے کے بعد دولت اس کے کس کام کی۔‘‘

’’کسی کو بلیک میل کر کے یہ کام کرایا جائے۔‘‘

’’یہ بھی سمجھو مؤخرالذکر کیس کی طرح ہے۔‘‘

’’اس کے علاوہ تو مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا۔‘‘ چندر پال نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

’’اچھا یہ بتلاؤ کبھی عادی نشئی دیکھے ہیں جنہیں عرف عام میں ’’جہاز‘‘ کہتے ہیں؟‘‘

’’بہت دیکھے ہیں سر۔‘‘

''ان کی نفسیات سے بھی واقف ہو؟''

''کچھ کچھ۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہی کہ وہ نشے کے لیے اپنی ماں، بہن کا بھی سودا کر سکتے ہیں۔''

''گڈ.....بس وکرم کے پاس جو خودکش ہے وہ عادی نشئی ہے اور اس پر محنت کر کے ہم نے اسے اس کام کے لیے تیار کر لیا ہے۔''

''یعنی اس کو پتا ہے کہ اسے خودکش دھما کا کرنا پڑے گا۔''

''نہیں بیوقوف اسے کیا پتا کہ خودکش دھما کا کیا ہوتا ہے۔ اسے تو بس اتنا سکھایا ہے ہجوم میں گھس کر ایسے نعرہ لگاتے ہوئے یہ پن نکال لینی ہے اور واپسی پر اس کے انعام میں اسے نشے کے کتنے انجیکشن ہم مفت دیں گے۔''

''سر ایسے بندوں کی عقل پر تو بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ اس وقت بلاسٹ کرنے کا طریقہ بھول جائے تو؟''

''گڈ اچھا سوال ہے؟'' مرزا طاہر حسین نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔''ایسی صورت میں ہم ریموٹ کنٹرول سے بلاسٹ کر دیتے ہیں، ایسے آدمیوں کی جیکٹ میں ایسا سسٹم رکھنا ضرور ہوتا ہے۔''

''تھینک یو سر۔'' چندر پال تعریف سن کر خوش ہو گیا۔

''تھینکس کی ضرورت نہیں...... یہ میرا حق بنتا ہے اگر تمھاری بیوقوفی پر ڈانٹ سکتا ہوں تو ذہانت کی بات پر تعریف بھی کرنی چاہیے۔''

''آپ کی ڈانٹ بھی ہمارے لیے اعزاز سے کم نہیں ہے سر۔'' چندر پال اپنے خوشامدانہ لہجے میں عقیدت سموتے ہوئے بولا۔

''اچھا اٹھو......وکرم کی طرف چلتے ہیں۔ اسی بہانے تم خودکش کو بھی دیکھ لینا، کیونکہ میری جگہ سنبھالنے سے پہلے تجھے کچھ عرصہ فیلڈ میں بھی کام کرنا پڑے گا۔'' اور چندر پال سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا...... تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھے وکرم کے ٹھکانے کی طرف رواں دواں تھے۔

☆......☆......☆

''پاپا جانی!......یہ کیا میں پہلے کے دو محافظوں سے تنگ تھی۔ آپ نے دو محافظ مزید بڑھا دیے۔'' فاضل علی خان کے گھر داخل ہوتے ہی اس کی لاڈلی اکلوتی بیٹی اس کے ساتھ چمٹ گئی۔

''ارے ہماری گڑیا تو خفا لگتی ہے۔'' وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے پچکارا۔

''بس مجھے پتا نہیں پاپا......آپ یہ محافظوں کا دم چھلا میرے ساتھ ختم کریں۔ پتا ہے سارے طلباء پیٹھ پیچھے ہنستے ہیں اور طنزاً

کہتے ہیں ریاست پرستان کی شہزادی۔"

"وہ تو تم ہو..... تمہارے شہزادی ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔"

"پر پاپا..... مجھے اچھا نہیں لگتا نا۔"

"پاپا کی جان...... یہ ضروری ہے۔ دشمن دار آدمی ہیں ہم نہیں چاہتے کہ کوئی دشمن گڑیا کے ذریعے ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرے۔"

"پاپا..... میں تو کسی کی دشمن نہیں، نہ کبھی کسی کا برا چاہا ہے، تو کوئی مجھے کیوں نقصان پہنچائے گا؟"

"بہت بھولی ہو گڑیا!..... تمہیں کیا معلوم دنیا میں کیسے کیسے شقی القلب بھرے پڑے ہیں۔"

ایسا کہتے ہوئے اسے اپنے ظلم بھول گئے تھے۔

وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لئے صوفے پر بیٹھا اور پھر جیب سے قیمتی چاکلیٹ کا ڈبہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ہمیں اپنی گڑیا کے چاکلیٹ لانے نہیں بھولے۔"

"تھینک یو پاپا۔" وہ چاکلیٹ کا ڈبہ جھپٹتے ہوئے خوشی سے چہکی۔

"ابھی تک بچپنا نہیں گیا اس لڑکی کا۔" فاضل علی کی بیوی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑائی۔

"بیگم تیرا کیا خیال ہے یہ بڑی ہوگئی ہے۔"

"تو اور کیا..... مجھ سے تو دو انچ لمبی ہی لگتی ہے۔"

"بندہ قد سے نہیں عمر سے جوان ہوتا ہے بیگم..... اور ہماری گڑیا کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔"

"بس بس وکالت کی ضرورت نہیں..... تم تو ہمیشہ اسی کی طرف داری کرو گے؟" فاضل علی بیوی کو جواب دینے ہی لگا تھا کہ اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی۔

"یس شیر خان..... کیا بات ہے؟"

شیر خان نے کہا۔ "سیٹھ صاحب!..... پارٹی پہنچ گئی ہے اور بلیو لینڈ میں آپ کی منتظر ہے۔"

"اتنی جلدی۔" وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سر انہیں اسلام آباد سے فلائیٹ مل گئی تھی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ ان کی خاطر تواضع کرو ہم دس منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔" اس نے سیل فون بند کر کے جیب میں ڈالا اور اپنی بیٹی سے بولا۔ "اچھا حنا بیٹا رات کو گپ شپ ہوگی ابھی ایک ضروری کام سے جانا پڑ رہا ہے۔"

"پاپا..... آپ بھی بس چند منٹ کے لیے آتے ہیں، میں جی بھر کے دیکھ بھی نہیں پاتی کہ آپ پھر چلے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو کام مجھ سے زیادہ عزیز ہو" حنا نے منہ بسورا۔

"پاپا کی جان، یہ سارا کام، ساری محنت مشقت، سب کچھ ہم اپنی شہزادی کے لیے ہی تو کرتے ہیں۔"

"مجھے نہیں چاہیے یہ سب کچھ۔"

"ارے ہماری گڑیا تو خفا ہو گئی۔" وہ اپنی بیٹی کی ناک آہستہ سے مروڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہم گھنٹے ڈیڑھ میں واپس آنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر آج کی رات اور کل کا پورا دن ہم اپنی گڑیا کی معیت میں گزاریں گے۔"

"نہیں ایسے نہیں پاپا..... میرے سر کی قسم کھا کر وعدہ کرو۔"

"اچھا بھئی ایسے ہی ہوگا جیسے تُو کہہ رہی ہے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا اور پھر بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے دیکھ کر سکون کا سانس لیتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کی بیٹی اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ وہ اس کی اکلوتی اولاد تھی اور اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

ڈرائیور نے اسے دیکھ کر جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور دروازہ بند کر کے اپنی سیٹ پر آن بیٹھا۔ اس کے دونوں محافظوں نے بھی کار کی پچھلی نشستیں سنبھال لی تھیں۔

"بلیو لینڈ چلنا ہے۔" ڈرائیور کو کہہ کر اس نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ وہاں تک پہنچنے سے پہلے وہ ذہنی طور پر خود کو گفتگو کے لیے تیار کرنے لگا۔ بلیو لینڈ تک پہنچتے انھیں گھنٹا لگا تھا۔ بلیو لینڈ ایک چھوٹی سی خوب صورت کوٹھی تھی۔ جس کی دیواروں اور کھڑکی دروازوں کو ہلکا نیلا پینٹ کیا گیا تھا اسی وجہ سے اس کا کوڈ نیم بلیو لینڈ تھا۔ اس جگہ عموماً اس کے خصوصی مہمان ٹھہرائے جاتے تھے۔

گیٹ پر موجود چوکیدار نے اس کی گاڑی پہچانتے ہی گیٹ کھول دیا۔ کوٹھی کے مختصر صحن میں گاڑی روک کر ڈرائیور پھرتی سے باہر نکلا اس کا ارادہ فاضل کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنے کا تھا مگر اس سے پہلے فاضل علی خان کا محافظ پچھلی نشست سے نکل کر یہ خدمت سرانجام دے چکا تھا۔

گاڑی سے نکل کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں محافظ لاحقہ بنے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اسی وقت شیر خان اندر سے برآمد ہوا وہ شاید گاڑی کی آواز سن کر نکلا تھا۔

"سلام سیٹھ صاحب۔" وہ مودبانہ لہجے میں سلام کہتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا۔

"مہمان کدھر ہیں شیرو؟"

''انھوں نے میٹنگ روم میں بیٹھنا پسند کیا ہے سیٹھ صاحب۔'' اور فاضل علی سر ہلاتے ہوئے میٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''ہیلو ایوری باڈی۔ ہم لیٹ تو نہیں ہو گئے؟'' وہ ام الخبائث سے شغل کر رہے تھے۔ چاروں فاضل خان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک شستہ اردو میں بولا۔

''نہیں سیٹھ صاحب...... ہم ابھی پہنچے ہیں۔''

''تھینک یو ڈیوی صاحب۔'' فاضل علی نے فرداً فرداً تمام سے مصافحہ کیا۔ ''پلیز تشریف رکھیں۔'' تمام لوگ دوبارہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ملازم نے ایک خالی گلاس لا کر ادب سے فاضل علی کے سامنے بھی رکھ دیا۔ اس نے پسندیدہ شراب کی بوتل سے گلاس بھرا اور اپنے محافظوں سے بولا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ فی الحال باہر رک کر انتظار کرو۔ جاتے ہوئے دروازہ بند کرتے جانا اور جب تک ہمیں پتا نہ ہو کسی کو میٹنگ روم کے قریب آنے کی اجازت نہیں۔''

تمام محافظ مع شیر خان سر ہلاتے ہوئے میٹنگ روم سے باہر نکل گئے۔ اس قسم کی میٹنگز میں فاضل علی اپنے قریبی آدمی اور دست راست شیر خان کو بھی شامل نہیں کرتا تھا۔ ملازموں کے باہر جاتے ہی فاضل علی ڈیوی کی طرف متوجہ ہوا۔

''اب بتائیں ڈیوی صاحب اتنی ایمرجنسی میں کیسے آنا ہوا؟''

''پہلا مقصد تو آپ کو مبارک باد پیش کرنا تھا کہ ہائی کمانڈ کی طرف سے آپ کے کام کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ آپ نے کراچی کے حالات جس انداز سے ہینڈل کیے ہوئے ہیں یہ آپ ہی کا خاصا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اپنے دو آدمی پنڈی میں خفیہ ایجنسی کے ہاتھ آ گئے ہیں۔ اس وجہ سے پنڈی اسلام آباد کا سارا سیٹ اپ تبدیل کرنا پڑ گیا ہے۔ تنظیم کے باقی آدمی فی الحال زیر زمین چلے گئے ہیں۔ آپ کا ان میں سے کسی کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تو خیر نہیں تھا لیکن پھر بھی کچھ روز احتیاط برتنی ہے۔ یہ سی آئی اور آئی ایس آئی والے ایسی بدروحیں ہیں کہ ایک مرتبہ کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو پاتال تک نہیں چھوڑتے۔ تیسری بات این او این اور قبائلیوں کے درمیان لڑائی کافی سرد پڑ چکی ہے اس کو ذرا اپنے انداز سے حرارت دینی ہے۔''

''ڈیوی صاحب...... ہماری جانب سے ہائی کمان کا شکر ادا کر دینا کہ ہم پر اتنے اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ دوسرا ہماری طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں خفیہ ایجنسی کا باپ بھی ہمارے سیٹ اپ کا سراغ نہیں لگا سکتا ہمارے سارے مہرے جو کام بھی کرتے ہیں وہ اس کے نتائج سے ناواقف ہوتے ہیں اور ہماری شہرت ایک گینگسٹر کے طور پر اعلیٰ حلقوں میں ہے کسی کو بھی ہماری اصلیت کا پتا نہیں ہے۔ باقی جہاں تک این او این اور پختونوں کی بات ہے اس ایشو پر بھی جلد از جلد کام شروع ہو جائے گا...... اصل میں بات......'' فاضل خان کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے شیر خان دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''مسس، سیٹھ صاحب چھاپہ پڑ گیا ہے۔''

''کیا؟'' سیٹھ فاضل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ باقی چاروں بھی بیٹھے نہ رہ سکے تھے ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''مم میں سچ کہہ رہا ہوں سیٹھ صاحب ابھی ابھی ساحل کے اڈے سے رحمت کا فون آیا ہے کہ وہاں پولیس کا چھاپہ پڑا ہے۔ جس میں ولدار علی اور شمشیر گرفتار ہو گئے ہیں اور اڈے میں موجود مال بھی پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔'' شیر خان کی وضاحت کے ساتھ فاضل علی کی زرد پڑتی رنگت بحال ہو گئی تھی وہ سکھ کا سانس لیتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''شیرو تُو نے تو ہمیں حیران کر دیا۔ بہرحال جاؤ اس کا حل ہو جائے گا۔'' اور شیر خان کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کمرے سے باہر چل دیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ انجانے میں اس نے سیٹھ اور اس کے ساتھیوں کو کس خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ سی آئی اور آئی ایس آئی کا خوف ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا تھا اور بدقسمتی سے شیر خان شروع میں اپنی بات واضح انداز میں نہیں کہہ پایا تھا۔

''اس بیوقوف نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔'' ڈیوی کا سفید فام ساتھی پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''نہیں یار ڈرنے کی کیا بات تھی؟ بس ذرا حیرانی ہوئی کہ جانے کون سا چھاپہ پڑ گیا ہے؟'' فاضل علی نے اپنے خوف کو پریشانی کا نام دینے کی کوشش کی مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی چاروں سفید فام چھاپے کے نام پر اس کی اڑتی رنگت دیکھ چکے تھے، پر اسے آئینہ دکھلانے میں انھیں کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے خاموش رہے تھے۔ یوں بھی چھاپے کے نام پر ان کے دل کی دھڑکنیں اب تک اعتدال پذیر نہیں ہو سکی تھیں۔

''خیر مٹی ڈالو اس معاملے پر۔'' ڈیوی نے گفتگو کا رخ بدلا۔ ''آپ کچھ کہہ رہے تھے سیٹھ صاحب؟''

''ہاں...... ہم کہہ رہے تھے کہ کراچی کے حالات ہمارے کنٹرول میں ہیں۔ چھوٹے موٹے اتار چڑھاؤ تو خیر آتے رہتے ہیں لیکن ان کی ہماری نظر میں کوئی حیثیت نہیں، جیسے آج کے چھاپے کو لے لو یہ لازماً اپنے کسی انچارج کے پولیس کے کسی افسر کو خفا کر دینے کی وجہ سے پڑا ہوگا۔ ابھی میٹنگ سے فارغ ہو کر مجھے ایک دو فون کرنے پڑیں گے، بندے بھی رہا ہو کر آ جائیں گے اور مال بھی واپس مل جائے گا۔''

''وہ تو خیر ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ پھر بھی میں ایک دوست ہونے کے ناتے آپ کو محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا۔ یوں بھی پاکستان کا سب سے اہم علاقہ آپ کی ذمہ داری پہ ہے اور ہائی کمانڈ نہ صرف یہ کہ آپ کے کام سے مطمئن ہے بلکہ آپ پر اندھا اعتماد کرتی ہے...... اور ایک راز کی بات آپ کو بتا دوں کہ پاکستان کے اندر ہائی کمانڈ کا ارادہ پورے نیٹ ورک کو لنک کرنے کا ہے اور اس کے لیے لازمی ہوگا کہ تمام شہروں میں موجود تنظیم کے نمائندوں کو کسی ایک آدمی کے احکامات کا پابند کیا جائے، اس آدمی کی حیثیت ایک انچارج یا سربراہ کی سی ہوگی اس ضمن میں سفارشات زیرِ غور ہیں اور بطور انچارج جن بندوں کا نام زیرِ غور ہے ان میں آپ سرِ فہرست ہیں۔''

ڈیوی کی بات سن کر فاضل خان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔ ''اگر یوں ہو جائے تو ہم بہت شکر گزار ہوں گے اور پھر آپ دیکھنا کہ ہم بلیک لیکوڈ (Liquid) کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔''

''اطمینان رکھو! میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا آگے تیری قسمت۔ البتہ یہ ضرور یاد رکھنا کہ کسی کو بھی نامزد کرتے وقت اس کی تازہ ترین کارکردگی کو ضرور مدِنظر رکھا جائے گا اس لیے اپنے کام میں مزید تیزی لاؤ کیونکہ پشاور میں موجود (Black Liquid) کے نمائندے کا نام بھی ہائی کمانڈ کی فہرست میں بطور سربراہ کے موجود ہے اوران دنوں اس کی کارکردگی خاصی نمایاں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ نے اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی ہوگی؟'' فاضل خان کا لہجہ شکایت کا رنگ لیے ہوئے تھے۔

''نہیں۔'' ڈیوی نے انکار میں سر ہلایا۔''ہم تو پشاور گئے ہی نہیں، اسلام آباد سے ڈائریکٹ ادھر پہنچے ہیں۔ ہاں یہاں سے واپسی پر ضرور اکبر علی خان سے ملاقات ہوگی، لیکن اس کے ساتھ ایسی کوئی گفتگو کرنے کا ارادہ نہیں ہے میرا۔''

''تھینکس برادر...... اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو...... حکم کرو؟''

''نہیں، اب ہم چلیں گے، بس وہ این او این او اور اے پی ایم کے درمیان جو ٹھنڈ چھائی ہوئی ہے اس کا کوئی حل ضرور کرو۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں جناب بس چند دن انتظار کریں۔'' اور فاضل خان کی اس بات کے ساتھ ہی وہ تمام کھڑے ہوگئے تھے۔

''آج کی رات تو ہمیں خدمت کا موقع دیتے؟''

''ہم ضرور آپ کی میزبانی سے بہرہ مند ہوتے مگر افسوس ہمارے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے، ابھی ہم نے کوئٹہ جانا ہے۔''

''او کے، ایز یو وش (Ok, As You Wish)'' کہتے ہوئے وہ انھیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ چل پڑا۔

☆......☆......☆

''سناؤ شاہ جی کیسے دن گزرے؟'' مرزا طاہر حسین نے واپس آتے ہی اسماعیل کو بلوا لیا تھا۔

''بہت بہتر سر۔'' اسماعیل کا لہجہ مؤدبانہ تھا مگر اس میں چھپے گزشتہ تین چار راتوں کے بھید نے اسے کوئی عجیب رنگ دے دیا تھا۔

''شہزادی نے تنگ تو نہیں کیا؟''

''ن نہیں تو سر۔ وہ...... وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے؟''

''اچھا۔'' مرزا کی ''اچھا'' خاصی معنی خیز تھی، مگر اسماعیل اس کی حقیقت سے ناواقف تھا اس لیے دھیان نہ دے سکا تھا۔''بہر حال اگر کوئی بات ہوئی بھی ہو تو اسے دل پر نہ لینا وہ الہڑ و نادان بچی ہے اور دنیا داری سے ناواقف ہے۔''

''نہیں سر! میں صحیح کہہ رہا ہوں، شہزادی نے میرا بہت زیادہ خیال رکھا اور آپ کی کمی بالکل محسوس نہ ہونے دی۔''

''چلو یہ تو اچھا ہو گیا، اب بتاؤ صبح ٹریننگ سنٹر جانے کے لیے تیار ہو؟''

''ایک دم تیار سر!......''

''اسماعیل شاہ!...... میں ایک بات ابھی سے صاف کر دوں تا کہ تیرے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو...... میں ایک محب وطن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستانی ہوں۔ بھارت کا دشمن نمبر ایک، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں پاکستان کی موجودہ حکومت اور معاشرے میں پھیلی ناانصافی سے متفق ہوں۔ میری نظر میں یہ معاشرہ انڈیا کی غیر مسلم حکومت سے ہزار گناہ زیادہ برا ہے میں انقلاب کا متمنی ہوں اور میری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ پاکستان میں ایسا انقلاب آ جائے کہ غریب کو اس کا حق ملے، عدالتوں میں عدل وانصاف ہو، انسانیت کی حکمرانی ہو اور اور وہ سب کچھ ہو جو ایک آئیڈیل معاشرے کے لیے تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے میری انفرادی کوششیں کس کام آنے والی نہیں۔ اس کے لیے بڑے پیمانے پر محنت کرنا ہوگی، لوگوں کے ذہن کو ہموار کرنا ہوگا انھیں احساس دلانا ہوگا کہ اس ملک کے لیے انقلاب کی کتنی ضرورت ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہوں کہ چند اسماعیل شاہوں کو ان کا حق دلانے کے لیے کچھ جدوجہد کرلوں اور وہ میں کر رہا ہوں۔ تمھیں ٹریننگ کے لیے بھیجنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ٹریننگ سنٹر میں تم اکیلے نہیں ہو گے تمھارے ساتھ کچھ اور جوان بھی ہیں جو اسی معاشرے کے ڈسے ہوئے ہیں۔ ہمارا ٹریننگ سنٹر سرحد پار ہے۔ اس سے پہلے ہم نے یہ سنٹر لاہور میں بنایا تھا مگر اس کی سن گن حکمران جماعت کو مل گئی اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس سنٹر کو تباہ کر دیا گیا۔ مجبوراً اس کام کے لیے مجھے سرحد پار جگہ تلاش کرنی پڑی۔ اس جگہ انڈیا کی حکومت اور ایجنسیوں کی لاعلمی میں ہم نے سارا سیٹ اپ تیار کیا ہوا ہے۔ وہاں آپ لوگوں کو تقریباً 15 ماہ کی ٹریننگ دی جائے گی۔ واپسی پر یاد رکھنا آپ نے 3 سال ہمارے لیے کام کرنا ہوگا اور اس کے بعد بھی اگر آپ ہمارے ساتھ رہنا چاہیں تو ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر علیحدہ ہونا چاہیں تب بھی آپ کی مرضی چلے گی ہمارے لیے اتنا اطمینان کافی ہوگا کہ ہمارے ساتھ اتفاق کرنے والا ایک ایسا بندہ پاکستان میں موجود ہے جو وقت پڑنے پر ہمارے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑا ہوسکتا ہے۔"

"طاہر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھ پہ اعتماد کرتے ہوئے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے آپ کی ساری شرائط منظور ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں اس سلسلے میں آپ کا شکر گزار ہوں، لیکن میری چھوٹی سی درخواست بھی ہے؟"

"کیا؟"

"ٹریننگ کے بعد میں سب سے پہلے اپنے والدین اور بہن کے قاتل سے بدلہ لینا چاہوں گا۔"

"یہ تمھارا حق ہے...... اور اس سلسلے میں تمھیں جتنی بھی مدد درکار ہوگی اس کے لیے میں اور میرے آدمی حاضر ہوں گے۔"

"تھینکس سر!" اسماعیل ممنونیت سے بولا۔

"اور کچھ؟"

"نہیں سر اب میں اطمینان سے ٹریننگ کرسکوں گا۔"

"گڈ...... اب جاؤ آرام کرو، کیونکہ تُو نے صبح سویرے رخصت ہونا ہے۔" اور اسماعیل سلام کرکے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس کے جانے کے چند لمحے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

”یس، آجاؤ۔“ پاشا جو اسماعیل کے کمرے سے نکلنے کے بعد جانے کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا چونک گیا۔

دروازہ کھول کر پاریتی اندر داخل ہوئی۔

”آؤ پاریتی!.....کیسی ہو؟“ اسے دیکھ کر پاشا اٹھا تھا۔

”مہاراج کی کرپا سے ٹھیک ہوں۔“ وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

”تم پریشان لگ رہی ہو؟.....کہیں اسماعیل شاہ کو لائن پر لانے میں ناکامی تو نہیں ہوئی۔“

”کیسی بات کر رہے ہو مہاراج.....یہ ہو سکتا ہے کہ حضور کی داسی کسی پر نظر عنایت کرے اور مخالف کے لیے بچ نکلنا ممکن ہو۔“

”تو پھر کیسا رہا؟“

”شیر کے منہ کو گوشت اور خون لگ چکا ہے.....اب شکار نظر آنے کی دیر ہے۔“

”گڈ.....“ وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ ”مجھے تم سے یہی امید تھی، لیکن تمھارے چہرے پہ چھائے پریشانی کے تاثرات کی وجہ سمجھنے میں مجھے ناکامی ہو رہی ہے۔“

”مہاراج بس ایک بنتی کرنی تھی آپ سے؟“

”ہاں، ہاں بولو۔“ وہ اشتیاق سے بولا۔

”وہ.....دراصل.....اگر.....؟“ پاریتی کو اپنا مدعا زبان پہ لانے میں مشکل ہو رہی تھی۔

”پاریتی!.....کھل کر بتاؤ۔“

”مہاراج!.....ہم میں چاہ رہی تھی کہ شاہ جی کو اگر اگلے ہفتے ٹریننگ کے لیے بھیجا جائے، میرا مطلب ہے ایک ہفتہ مزید میں اسے.....“ پاریتی نظریں جھکائے اپنی دھن میں بولتی گئی مگر جیسے ہی اس نے نظر اٹھا کر مرزا طاہر کی طرف دیکھا اسے مرزا کے تاثرات دیکھ کر آگے بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔

”شش شاید چاہتی ہوں ہم.....مہاراج!.....میرا مطلب.....“

”شٹ اپ.....“ وہ غصے سے دھاڑا۔ ”تمھیں کہا تھا اسے اپنا عادی بناؤ، الٹا تم اس پہ شیدا ہو گئی ہو۔ بھارت ماتا کی بیٹیاں ایسی نہیں ہوا کرتیں.....؟ سمجھیں۔“

”مم مہاراج!.....آ۔آپ غلط سمجھے۔ میری بات کا مطلب یہ نہیں تھا۔“ وہ جیسے ندامت سے ہاتھ مروڑتے ہوئے بولی۔

”پاریتی!.....مجھے پڑھانے کی کوشش نہ کرو.....جاؤ چلی جاؤ۔ تیرے پاس آج کی رات ہے کل صبح اس نے ہر حال میں نکل جانا ہے.....اور یاد رکھنا یہ تمھارے لیے پہلا چانس تھا، اگر دوبارہ ایسا موقع دیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔“

پاربتی نمسکار کرتی ہوئی تھکے قدموں اس کمرے سے نکل آئی۔ اسماعیل کے ساتھ گزارے ہوئے چند دن اس کی زندگی کا سرمایہ تھے، شاید بقیہ زندگی اسے انہی خیالوں میں گزارنی پڑتی، بھارت ماتا کے لیے ایک مرتبہ پھر اسے بہت بڑی قربانی دینی پڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اورنگ زیب کے لیے وہ زندگی کے بدترین لمحات تھے، ان دونوں جلادوں کے سامنے پانچ منٹ میں اس کی چیخیں بول گئی تھی، وہ بہت سے ایسے جرائم بھی اپنے سر لینے کے لیے تیار ہو گیا تھا جن کے متعلق اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، مگر اس کی بدقسمتی کہ وہ دونوں نہ تو کچھ بولنے پر آمادہ تھے اور نہ ہی کچھ سننے پر، بس خاموشی سے اپنی کارروائی جاری رکھے ہوئے تھے۔ چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا مگر ان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ اورنگ زیب ان کے سینئر کے ساتھ کیے گئے برتاؤ پر پشیمان تھا۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ ان کی تفتیش کا طریقہ کار کیا ہے تو شاید وہ ایسی غلطی کبھی نہ کرتا اور پھر جانے کتنی صدیوں بعد بند کمرے کا دروازہ کھول کر وہی شخص اندر داخل ہوا جو اسے ان جلادوں کے حوالے کر گیا تھا اسے دیکھتے ہی وہ چیخ پڑا تھا۔

”خدا کیلئے بھائی صاحب مجھے ان جلادوں سے بچاؤ۔ میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں۔ مجھے سب یاد آ گیا ہے، سب کچھ، بس انھیں کمرے سے باہر نکال دو۔“ اس نے دونوں جلادوں کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور کرسی گھسیٹ کر اورنگ زیب کے روبرو بیٹھ گیا۔

”اگر پہلے تم ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو شاید تمھاری یہ درگت نہ بنتی، بہرحال ایک لحاظ سے تو اچھا ہوا کہ کم از کم تجھے یہ تو پتا چل گیا ہوگا کہ کچھ چھپانے یا غلط بیانی کرنے پر تیرے ساتھ کیا سلوک ہو سکتا ہے۔“

جواباً اورنگ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تھا۔

”اب شروع ہو جاؤں؟“

”آ......آپ پوچھیں جو کچھ پوچھنا ہے؟“

”خادم حسین کو کب سے جانتے ہو؟“

”کون خادم حسین؟“ اورنگ زیب کے لہجے میں حیرانی تھی۔

”وہی......جس سے چند دنوں پہلے ہوٹل کے اندر سودا بازی ہو رہی تھی۔“

”مجھے اس نے اپنا نام ارشد بتلایا تھا۔“

”ارشد ہی......اس کو کب سے جانتے ہو؟“

”ڈیڑھ ماہ سے جانتا ہوں۔“

”اس سے پہلے کتنی مرتبہ اس کے لیے کام کر چکے ہو۔“

’’ایک بار..... یہ دوسری دفعہ تھا۔‘‘

’’اس کے علاوہ کس کس کے ساتھ تیرے روابط ہیں۔‘‘

’’اس سے پہلے منور حسین نامی شخص کے لیے بھی دو مرتبہ کام کیا تھا.....اسے میں شکل سے پہچانتا ہوں، اس کی رہائش سے ناواقف ہوں۔‘‘

’’مسٹر اورنگ زیب مجھے صرف سچ سننے سے دلچسپی ہے۔‘‘

’’مم میں سچ کہہ رہا ہوں سر.....آپ کسی بھی ذریعے سے تصدیق کرسکتے ہیں۔‘‘

’’منور حسین سے تمھاری ملاقات کس نے کرائی تھی؟‘‘

’’مطلوب نے۔‘‘

’’یہ مطلوب کون ہے؟‘‘

’’کلرک ہے مجھ سے پانچ سال سینئر ہے اور..... برانچ کا ہیڈ ہے۔ اس دن ارشد (خادم حسین) اپنی گفتگو میں اسی مطلوب کا حوالہ دے رہا تھا۔‘‘

’’گڈ.....تو نے اگلے سوال سے پہلے اس کا جواب دے دیا۔ بہرحال یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے علاوہ تمھارے دفتر میں اور کون کون اس کام میں ملوث ہے؟‘‘

’’سوری سر اگر کوئی ہے بھی تو اس سے میں ناواقف ہوں‘‘۔

’’منور حسین کا حلیہ کیسا تھا؟‘‘

’’سانولا رنگ، درمیانہ قد۔ چھریرا بدن، گھنگریالے بال چھوٹی آنکھیں، پکوڑا سی ناک، دائیں نتھنے پر موٹا سا مسہ.....‘‘اس نے بڑی تفصیل سے منور حسین کا حلیہ دہرا دیا۔

’’اس سے کس جگہ یہ ملاقات ہوئی تھی؟‘‘

’’اس سے بھی بابو جی ہوٹل میں ہی ملاقات ہوئی تھی اور اسی جگہ اس کی مطلوبہ چیز اس کے حوالے کی تھی۔‘‘

’’ان سے پیسوں کی وصولی کا طریقہ کار کیا تھا؟‘‘

’’سامان کی وصولی سے ایک دن پہلے میرے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کرا دیے جاتے تھے۔‘‘

’’مطلوب کے ساتھ کبھی اس موضوع پر کھل کر بات چیت ہوئی؟‘‘

’’نہیں.....وہ بہت ریزرور رہنے والا آدمی ہے وہ شاید کبھی بھی مجھے ہم راز نہ بناتا مگر مجبوری یہی کہ جس قاتل کا وہ منور حسین سے

وعدہ کر بیٹھا تھا وہ میری برانچ سے متعلق تھی..... یوں سمجھیں کہ میری کسٹڈی میں تھی اور اسے بادل نخواستہ میرا سہارا لینا پڑا۔''

''تمھارا ہی کیوں..... وہ کسی اور کو بھی یہ آفر کر سکتا تھا۔ یا شاید کسی اور کو اس نے یہ آفر کی بھی ہو؟''

''نہیں..... ایسا ممکن نہیں۔'' اورنگ زیب نفی میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ ایک تو میری سابقہ شہرت اچھی نہیں تھی دوسرا وہ فائل براہ راست میری کسٹڈی میں تھی۔ اگر وہ کسی اور کا سہارا لیتا تو بیچ کے آدمی کو بھی میری مدد لینی پڑتی۔''

''سابقہ شہرت سے تیری کیا مراد ہے؟''

''سر!..... غریب لوگ ہیں بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے اوپر کی آمدن کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔''

''کبھی خادم حسین سے میرا مطلب ہے ارشد سے ملاقات کے وقت اس کا کوئی دوسرا ساتھی بھی تیرے سامنے آیا ہے؟''

''نہیں۔''

''اچھا کون کون سی معلومات ان کے حوالے کر چکے ہو؟''

''میں نے.....'' وہ تفصیل سے ان دستاویزات کے متعلق بتانے لگا جو وہ خادم حسین اور منور کے حوالے کر چکا تھا اس کے بعد بھی اس شخص نے کافی دیر اورنگ زیب کو سوالات میں الجھائے رکھا اور پھر جس وقت اپنے تئیں وہ اورنگ زیب سے تمام معلومات نچوڑ چکا تو کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''مسٹر اورنگ زیب دعا کرو کہ تمھاری باتوں کی تصدیق ہو جائے، کیونکہ ہم سچ بولنے کا صرف ایک موقع دیا کرتے ہیں، اگر بندہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سب کچھ سچ بول دے تو فبہا، ورنہ اگلی بار اس سے کچھ پوچھنے کی بجائے اگلوایا جاتا ہے۔ جس کے عنوان سے تجھے متعارف کرا دیا ہے اگر تیری باتوں میں جھوٹ کی آمیزش پائی گئی تو تفصیل میں جا کر دیکھ لو گے۔''

''اگر میری باتیں حرف بہ حرف درست پائی گئیں تو کیا میرے ساتھ کوئی رعایت برتی جائے گی۔''

''ہاں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''ہمارے پاس سب سے بڑی رعایت یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی بندے کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جو تھوڑی دیر پہلے تیرے ساتھ ہو چکا ہے اور اگر تیری باتیں درست ثابت ہوئیں تو تُو اس رعایت کا مستحق ہو گا۔''

''اگر مجھے میرے انجام سے باخبر کر دیا جاتا.....؟''

''نہیں یہ میرے بس میں نہیں..... کیونکہ تیرے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار کسی اور اتھارٹی کے پاس ہے۔''

''میرے بیوی بچے پریشان ہوں گے اگر.....؟''

''ناممکن.....'' اس نے قطع کلامی کی۔ ''بیوی کو تمھارے موبائل سے کال کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ تم چند دنوں کے لیے سرکاری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہے ہو۔ اس طرح تیرے دفتر فون کر کے چند دن چھٹی بھی لے لی گئی ہے۔''

''مگر وہ کیسے؟'' اورنگ زیب کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''بہت آسان ہے...... ہمارے پاس ایسے ماہر نقال موجود ہیں جو ہو بہو کسی کی بھی آواز میں گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور موبائل فون میں میرا خیال ہے صرف آواز ہی سنائی دیتی ہے تصویر نظر نہیں آتی۔'' اس کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔ اورنگ زیب خاموشی سے آنکھیں بند کر کے اپنے تاریک مستقبل پر آنسو بہانے لگا، اپنے بیوی بچوں کی صورت اسے ماضی کا سہانا سپنا محسوس ہو رہی تھی، وہ کسی سے گلہ کرنے کے بھی قابل نہیں تھا کہ یہ راستہ اس نے خود اختیار کیا تھا۔ شاید اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکتی...... مگر کیسے......؟''

''یا اللہ اس دفعہ بچا لے...... آئندہ مر جاؤں گا مگر ملک سے غداری نہیں کروں گا...... حرام نہیں کھاؤں گا۔'' اس کے لبوں پر توبہ کے الفاظ مچلے اور وہ سسکی بھر کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

''عاطف صاحب!'' ادھیڑ عمر شخص ٹی وی سکرین پر نظر آنے والے اورنگ زیب پہ نظریں جمائے اس سے پوچھ گچھ کرنے والے شخص سے مخاطب ہوا۔ ''میرا خیال ہے اس نے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی؟''

''جی سر۔'' عاطف کا مؤدبانہ لہجہ اس بات کا مظہر تھا کہ وہ اپنے سینئر سے محو کلام ہے۔

''تمھاری کیا رائے ہے بیگ صاحب؟'' اس بار وہ اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھے آدمی سے مستفسر ہوا۔

''اس کی آنکھوں کے تاثرات، لہجے کا اتار چڑھاؤ، مختلف اعضاء کی حرکت، زبان کی روانی، ساری باتیں اس کی صداقت پہ شاہد ہیں۔'' بیگ نامی شخص نے بھی عاطف کی تائید ہی کی تھی۔

''تو اب اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟''

''صدیقی صاحب یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔'' بیگ ہنستے ہوئے بولا۔

''عاطف!...... آپ کیا کہتے ہو؟''

''سر وطن کے ساتھ ادنیٰ غداری کرنے والا بھی میری نظر میں واجب القتل ہے مگر کبھی کبھی مصلحت سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے مجرم کی زندگی اس کی موت سے زیادہ قیمتی ہو۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' صدیقی صاحب کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''سر!...... میرا مطلب ہے اگر ہم اورنگ زیب کو اس کے جرم کی سزا دیتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں تو اس کی گمشدگی سے ایک تو مجرم چوکنا ہو جائیں گے، دوسرا مطلوب بھی اپنی سرگرمیاں ترک کر دے گا...... اور اگر ہم اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیں تو گو مجرم خادم حسین والے کیس کی وجہ سے اس کے قریب نہ آئیں مگر یہ امکان موجود ہے کہ وہ مطلوب سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے علاوہ اورنگ زیب جان بخشی کی قیمت پر اپنے دفتر میں موجود مشکوک سرگرمیوں والے کلرکوں پر نظر رکھ سکتا ہے، خصوصاً مطلوب کی نگرانی کے لیے اس سے اچھا آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

عاطف کی وضاحت سے صدیقی اور بیگ کے چہروں پر تحسین آمیز تاثرات نمودار ہوئے۔

''میں تم سے ہنڈرڈ پرسنٹ متفق ہوں عاطف...... بہت اچھا آئیڈیا ہے تمھارا۔''

''اس کا مطلب ہے اورنگ زیب کو رہا کر دیں سر؟'' عاطف نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

''اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار میں آپ کو تفویض کرتا ہوں۔'' صدیقی صاحب خوشدلی سے بولا۔

''اس کے باوجود میں آپ کی رائے اور مشورے کا محتاج ہوں۔''

''ہم ہر دم تیرے ساتھ ہیں۔'' صدیقی صاحب کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ بیگ بھی اٹھ گیا تھا۔ ''اب ہم چلتے ہیں، تم اورنگ زیب کے متعلق حتمی فیصلہ کر کے اس پہ عمل کرو اور بدرالدین صاحب کو دکھانے کے لیے مفصل رپورٹ بھی تیار کر دینا تاکہ اسے بریف کیا جا سکے۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' عاطف بھی ان کی تقلید میں کھڑا ہوا اور پھر انھیں گیٹ تک جا کر رخصت کرنے کے بعد، جیب سے موبائل نکال کر عمران کو کال کرنے لگا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر کوئی مناسب لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو......! انسپکٹر دلشاد میں بات کر رہا ہوں۔''

''انسپکٹر صاحب!......ہم سیٹھ فاضل بول رہے ہیں۔''

''جی سیٹھ صاحب......حکم کرو۔''

''انسپکٹر صاحب حکم تو خیر کیا کرنا ایک چھوٹی سی درخواست تھی، لیکن اس سے پہلے معذرت کہ ہم آپ کو خوش آمدید نہ کہہ سکے۔ ویسے اس میں زیادہ غلطی تو انسپکٹر اکرام کی ہے جس نے ہمیں آپ کی آمد اور اپنی رخصتی کے متعلق پتا نہ چلنے دیا۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش ہم کریں گے۔''

''سیٹھ صاحب!......میں آپ کی بات سمجھنے میں ناکام رہا ہوں۔''

''ہا ہا ہا......'' فاضل علی کے منہ سے ایک مصنوعی قہقہہ برآمد ہوا۔ ''آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں دلشاد صاحب......آپ سے خوب نبھے گی۔''

''سیٹھ صاحب......کام کی بات کریں، ورنہ رابطہ منقطع ہونے کی صورت میں شاید آپ کو سبکی محسوس ہو؟''

"انسپکٹر صاحب رابطہ بحال کرنا تو خیر ہم جانتے ہیں، لیکن چونکہ آپ ہم سے واقف نہیں ہیں اس لیے اس غلطی کو نظرانداز کرتے ہوئے اصل بات کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ساحل سمندر پر بنے ہوہٹ سے آپ نے کچھ مال برآمد کیا ہے اور اس کے ساتھ دلدار علی اور شمشیر نام کے دو آدمی بھی گرفتار کیے ہیں، تو جناب عرض یہ ہے کہ وہ مال انہی آدمیوں کے حوالے کرتے ہوئے اگر آپ انھیں اگلے چند منٹوں میں رہا کردیں تو عین نوازش ہوگی۔ آپ کا نذرانہ گھنٹے آدھ گھنٹے تک پہنچا دیا جائے گا۔"

"سیٹھ صاحب!...... میں لعنت بھیجتا ہوں رشوت لینے والے پر......اور دو دفعہ لعنت بھیجتا ہوں رشوت دینے والے پر......اگر تمھارا کوئی بندہ تھانے آگیا ہے تو واپس نہیں جاسکے گا......اور دعا کرو کہ دوران تفتیش وہ تیرا نام نہ لے لیں......ورنہ جلد بالمشافہ ملاقات بھی ہوجائے گی۔"

"مسٹر دلشاد......تو نے پرسوں کا اخبار پڑھا ہوگا۔ اگر نہیں پڑھا تب بھی ہم ایک خبر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ایک دس سالہ بچی کا گینگ ریپ ہوا، کہیں اور نہیں......اپنے روشنیوں کے شہر کراچی میں۔ بے چاری کی لاش ہی والدین کو موصول ہو سکی۔ یہ تو ویسے ایک لحاظ سے اچھا ہوا، کیونکہ اب وہ ویسے بھی کسی کے قابل نہیں رہی تھی بہر حال ہمارا بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بچی بالکل آپ کی بیٹی کی ہم عمر تھی بس چند ماہ کا فرق ہوگا۔"

"تت......تم گندی نالے کے کیڑے تمھاری یہ جرأت کہ میری بیٹی کی طرف میلی نظروں سے دیکھو میں......" غصے کی شدت سے اس سے بات مکمل نہ کی جاسکی۔

"انسپکٹر ہم تمھارے فائدے کی بات کررہے تھے۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ......تم کب تک پہرہ بٹھاؤ گے اپنی لاڈلی پر......یوں بھی پولیس کے سپاہی جتنے مستعد ہوتے ہیں وہ تم خوب جانتے ہو۔ کم از کم مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

لیکن اس دفعہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر انسپکٹر نے رابطہ منقطع کردیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے اس انسپکٹر کا کچھ کرنا پڑے گا۔" یہ سوچتے ہوئے اس نے ملازم کو بلانے کے لیے بیل دی۔

"جی سیٹھ صاحب؟" ایک ادھیڑ عمر ملازم اندر داخل ہوا۔

"شیرے کو بلاؤ" "اور وہ دوبارہ "جی سیٹھ صاحب" کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"سلام سیٹھ صاحب۔" چند لمحوں بعد شیرا اندر داخل ہوا۔

سلام کے جواب میں فاضل علی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"شیرے......یہ نیا انسپکٹر تھوڑی گرمی دکھا رہا ہے۔"

"آپ حکم کریں سیٹھ صاحب۔ ٹھنڈا کردیتے ہیں۔ اصل میں پٹھان ہے نا؟ سوچتا کم ہے اور بولتا زیادہ ہے۔"

’’پٹھان ہے؟......‘‘ فاضل علی نے حیرانی سے پوچھا۔’’کس علاقے سے تعلق رکھتا ہے؟‘‘

’’علاقے کا تو پتا نہیں ہے سیٹھ صاحب!......اتنا معلوم ہے کہ قومیت پٹھان ہے۔البتہ اس کی پیدائش یہیں کراچی کی ہے۔‘‘

’’یہ ہوئی نا بات۔‘‘ وہ خوشی سے بولا،شاید اس کے شیطانی دماغ میں کوئی نیا منصوبہ پرورش پا چکا تھا۔’’اب یہ بتاؤ کہ اپنے کس کس آدمی کا نام این او این تنظیم کے رکن کے طور پر ان کے پاس رجسٹرڈ ہے؟‘‘

’’کوئی چھ سات بندے ہوں گے سیٹھ صاحب۔‘‘ شیرا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

’’بہت ہیں......تم بیٹھو اور غور سے ہماری بات سنو۔‘‘ شاید یہ شیر خان کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ فاضل علی خان نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی دعوت دی تھی وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گیا اور فاضل بھی اسے تفصیل سے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔

☆......☆......☆

وہ رات اس کی زندگی کی عجیب رات تھی،صبح سویرے وہ ایک نئی جگہ پر جانے والا تھا نہ جانے وہ اپنے محسن کی توقعات پر پورا بھی اتر پاتا کہ نہیں،یوں بھی یہ ٹریننگ مرزا سے زیادہ اس کی اپنی زندگی کے لیے ضروری تھی،پھر ایک بڑا امتحان شہزادی سے بچھڑنے کا تھا وہ دھم سے اس کی ویران اور خشک زندگی میں آ کودی تھی،اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔اس کی سوچوں پر حاوی ہو گئی تھی۔اس کے ساتھ گزرے ہوئے چند روز پلک جھپکتے میں گزر گئے تھے۔اس وقت بھی صبح جانے کے خیالوں میں کھوئے ہوئے اچانک اس کے دل میں شہزادی کو دیکھنے کی تمنا مچلی مگر اسے خود پہ قابو رکھنا پڑا وہ مرزا طاہر کو کسی قسم کے شک کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا،لیکن اس کی یہ احتیاط بے کار گئی اور تھوڑی دیر بعد شہزادی خود اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔دروازے کی کنڈی وہ اندر سے لگانا نہ بھولی تھی۔

’’شش......شہزادی......تم۔‘‘ وہ اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔’’مرزا صاحب موجود ہیں یہ نہ ہو......؟‘‘

’’کچھ نہیں ہوتا۔‘‘ اپنا حنائی ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے وہ دلیری سے بولی۔

’’شہزادی......یہ......یہ غلط ہے......تیرے انکل......‘‘

مگر اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر وہ بے طرح اس سے لپٹ گئی تھی۔اسماعیل کے سارے اندیشے سارے تفکرات جانے کہاں جا چھپے اور پھر اسے اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔اس کی کیفیت اس بھوکے سی ہو گئی جس کے سامنے اس کا مرغوب کھانا رکھ دیا گیا ہو۔نامعلوم وہ رات کا کون سا پہر تھا جب شہزادی کی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجی۔

’’شاہ جی بھول تو نہیں جاؤ گے اپنی شہزادی کو؟‘‘

’’سانس لینا بھی کوئی بھول سکتا ہے۔‘‘ وہ دل کی گہرائیوں سے بولا تھا۔

’’کاش میں تیرے لیے اتنی ہی اہم بن جاؤں۔‘‘

''وہ تو تم ہو۔''

''بھول ہے تمھاری۔'' شہزادی کے لہجے میں عجیب دکھ در آیا تھا۔''تمھیں شہزادی جیسی ہزاروں مل جائیں گی پر شہزادی کو شاہ جی جیسا ایک بھی نہیں ملے گا۔ کاش...... کاش...... میں ہمیشہ تیری داسی بن کر رہ سکتی، تجھے ہمیشہ کے لیے اپنا سکتی...... بس ایک چھوٹا سا گھر زندہ رہنے کے لیے تھوڑی سی غذا اور تیرا ساتھ۔ کتنا دلفریب سپنا ہے۔ ہے نا؟ پر یہ ناممکن ہے۔ اس جنم میں تو کسی قیمت پر پورا نہیں ہو سکتا۔'' خود کلامی کرتے ہوئے وہ اسماعیل کی چوڑی چھاتی سے لپٹ گئی تھی۔ اسماعیل کو اس کی باتیں بڑی عجیب محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ بالکل بدلی بدلی سی لگ رہی تھی، لیکن اسماعیل نہیں جانتا تھا کہ وہ کن طوفانوں کی زد میں تھی۔ اسماعیل سے بچھڑنا اس کے لیے اتنا سوہان روح ہوگا۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ اگر پاشا کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو شاید وہ اپنی تنظیم، ملک، مذہب تک سے بغاوت کر دیتی۔ مگر وہ جانتی تھی اس قسم کی غلطی کا انجام بھیانک موت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جبکہ چپکے رہنے میں یہ چانس موجود تھا کہ اسماعیل شاہ کی ٹریننگ سے واپسی پر اس کی جھولی میں اس سے ملاقات کے کچھ لمحے ڈال دیے جاتے۔

اس رات اس نے اسماعیل کو سونے نہ دیا۔ کبھی پیار بھری سرگوشیاں، کبھی وعدے وعید کبھی شکوے شکایات...... اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ رات کو کیسے طول دے، صبح کو آنے سے کیسے روکے۔ مگر وقت اپنی چال نہیں بدلتا، ہجر کی لمبی رات اور وصل کی شب مختصر صرف ذہنی سوچ کی تفاوت کا نتیجہ ہوتی ہے ورنہ وقت نہ تو وصل میں تیزی سے گزرتا ہے اور نہ ہی ہجر میں ٹھہرتا ہے۔ وہ رات بھی آخر گزر گئی، پاربتی کی زندگی میں آنے والی مختصر ترین رات، صبح اذانوں کے ٹائم پر وہ بھیگی آنکھوں سے اپنے شاہ جی کو الوداع کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی اسماعیل سونے میں کامیاب نہ ہو سکا یہاں تک کہ اس کا بلاوا آ گیا کہ ناشتے کی میز پر اس کا انتظار ہو رہا ہے۔

ڈائننگ ٹیبل پر شہزادی اور مرزا دونوں اسے اپنے منتظر نظر آئے۔ ناشتے کے دوران شہزادی کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں...... مگر وہ کوشش کے باوجود اس سے نظریں نہ ملا سکا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ مرزا طاہر حسین کو ان کے مابین کسی قسم کے تعلقات کا شک پڑے، مگر شہزادی کو شاید کسی چیز کی پروا نہیں رہی تھی۔

''مسٹر اسماعیل!......'' مرزا جو شہزادی کی حرکتوں سے انجان سر جھکائے ناشتا کرنے میں مصروف تھا اس سے مخاطب ہوا۔ ''اب 15 ماہ کے لیے تم تمام دنیا سے کٹ کر ایک ٹریننگ سنٹر تک محدود ہونے والے ہو۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ واپسی تک تم ایک بھولی بسری داستان بن چکے ہوگے، دشمن اور پولیس والے تمھیں فراموش کر چکے ہوں گے۔ دوسرا فائدہ تمھاری اپنی صوابدید پر ہے کہ تم وہاں کتنا کچھ سیکھ سکتے ہو؟...... اس بات کا تو تجھے بخوبی علم ہو گیا ہوگا کہ پاکستان میں طاقت کا قانون چلتا ہے۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' والی کہاوت اگر صادق بیٹھتی ہے تو پاکستانی معاشرے پر...... دولت کی میرے پاس کمی نہیں ہے، تجھے بھی واپسی پر دولت کمانے کے کئی ڈھنگ سکھلا دوں گا مگر اس سے پہلے تم جسمانی طور پر اس قابل ہو جاؤ کہ اپنے مظلوم والدین اور معصوم بہن کے قاتلوں اور ان کے

مددگاروں کی گردنیں اپنے ہاتھوں سے مروڑ سکو...... وہاں سنٹر میں گھبرانہ جانا، شروع میں تجھے کافی دقت و دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن آہستہ آہستہ عادی ہوجاؤ گے۔ تمھارے علاوہ اور لڑکے بھی ہیں، پہلے ان کی تعداد چودہ تھی مگر کل مجھے اطلاع ملی ہے کہ پانچ مزید لڑکے بھی جارہے ہیں وہاں...... اور آخر میں میری ایک نصیحت یاد رکھنا، مذہب ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے اصل چیز ہے انسانیت، کوئی ہندو ہے، سکھ ہے، عیسائی ہے کچھ بھی ہے ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ان کے لیے ان کا دین ہمارے لیے ہمارا دین لیکن انسانیت کا رشتا جو ہے نا وہ بہت بڑا رشتا ہے۔ سمجھ گئے؟"

"جی سر......" وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

"اوکے، گاڑی تیاری کھڑی ہے صرف تیرے ناشتا کرنے کی دیر تھی۔" یہ کہہ کر مرزا نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور پھر دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر اخبار سنبھالتے ہوئے بولا۔ "شہزادی تمھیں گاڑی تک چھوڑ آئے گی آگے تُو نے کہاں جانا ہے یہ سب کچھ ڈرائیور کو پتا ہے۔"

"ڈائننگ ہال سے نکلتے ہی شہزادی اس بری طرح سے اس سے چمٹی کہ وہ بوکھلا گیا تھا۔" "کک کوئی دیکھ...... لے گا...... کیا کر رہی ہو؟"

"تو کیا ہوجائے گا؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "زیادہ سے زیادہ جان سے ہی جاؤں گی نا؟ اس طرح گھٹ گھٹ کر جینے سے تو بہتر ہے مر ہی جاؤں۔"

"پگلی اتنی جلدی ہمت ہار دی۔ چند ماہ کی تو بات ہے...... واپسی پر میں طاہر صاحب کے آگے جھولی پھیلا کر تیرا ہاتھ مانگ لوں گا...... مجھے امید ہے اس جیسا شفیق آدمی ناں نہیں کرے گا۔"

"تجھے نہیں پتا شاہ جی...... تجھے نہیں پتا۔" اس نے سسکی بھری اور پھر اسماعیل کی پیشانی پر بوسہ دے کر اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "جاؤ صحن میں کالے شیشوں والی مرسڈیز کھڑی ہے۔ میں شاید تجھے جاتا نہ دیکھ پاؤں۔" یہ کہتے ہی وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی اور اسماعیل بوجھل قدموں سے صحن کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

"مسٹر اورنگ زیب!...... مجھے یہ استفسار بہت بُرا لگ رہا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ مجھے تمھاری آخری خواہش پوچھنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔" عاطف کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی بھری ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے میری ہلاکت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔" اورنگ زیب نے خود کلامی کی۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار نمودار ہوئے، چند لمحے اسی کیفیت میں گزارنے کے بعد وہ بولا۔

"آخری خواہش تو ہے صاحب!...... اگر آپ مہربانی کرسکیں تو مجھے صرف چوبیس گھنٹے کی بھیک دے دیں۔ صرف چوبیس گھنٹے

کی۔ یہ وقت میں اپنی بیوی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اپنی نسرین کے ساتھ جانے کب سے اس کے کان میرے ہونٹوں سے نکلنے والے پیار کے دو بولوں کو ترس رہے ہیں۔ مجھے تو حرام کمانے سے ہی فرصت نہیں تھی، میری نظر میں سب کچھ دولت ہی تھی۔ میں تو اپنے بچوں کو بھی جی بھر کے پیار نہ کرسکا۔ ان کے ساتھ کھیل نہ سکا۔ انھیں برا بھلا نہ سمجھا سکا۔ ان چوبیس گھنٹوں میں شاید میں انھیں زندگی کا فلسفہ سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہیں وہ بھی اپنے بدنصیب باپ کے نقشِ قدم پہ نہ چل پڑیں۔ اس راستے پر قدم نہ بڑھا لیں جہاں سے لوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ صرف چوبیس گھنٹے صاحب......بس ایک دن ایک رات۔ شاید کوئی بہتری ممکن ہو جائے۔ شاید صاحب شاید......؟"

"اس بارے تجھے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"سوچا تھا صاحب!......بہت سوچا تھا۔ بُرا ہو لالچ نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ بہت سمجھایا تھا مجھے میرے دوست اکبر نے، مگر اس وقت عقل نہ آئی۔ نہ سمجھ سکا میں۔ عارضی عیش و آرام کے لیے اپنی آخرت بھی برباد کر ڈالی۔ دنیا بھی ہاتھ نہ آئی۔ پلیز صاحب یہ چوبیس گھنٹے، بہت مختصر ٹائم ہے، اللہ آپ کا بھلا کرے گا، مجھے اپنے جرم کا اعتراف ہے اور اس کے بدلے سنائی جانے والی سزا بھی قبول ہے، میں اپنی سزا میں تخفیف کا خواستگار بھی نہیں ہوں۔ بس اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کا خواہش مند ہوں، یوں بھی میں بھاگ تو نہیں سکتا نا اور نہ ہی بھاگنا چاہتا ہوں۔ سر بس تھوڑی سی مہربانی فرما دیں، بس اتنی سی۔"

"اورنگ زیب یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ البتہ اس کے علاوہ کوئی خواہش ہو تو بتاؤ؟"

اورنگ زیب نے حسرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "سر چند گھنٹوں کے لیے تو بھیج سکتے ہو ناں۔ میں نسرین سے آخری ملاقات کرلوں۔ اس کو جی بھر کے دیکھ لوں۔"

"چند گھنٹے؟" عاطف اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر اپنا ماتھا ٹھکورنے لگا۔ یہ اس کے سوچنے کا مخصوص انداز تھا۔ اورنگ زیب امید بھری نظروں سے اس کے جانب متوجہ رہا۔ تھوڑی دیر اس شغل میں معروف رہنے کے بعد وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"میں اپنے سینئرز سے اس بارے اجازت لینے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اس کی واپسی تک اورنگ زیب امید و بیم کی کش مکش میں مبتلا رہا۔ آج سے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کی قیمت کا احساس ہو رہا تھا۔ آج اس سے جتنا معاوضہ طلب کیا جاتا وہ چند گھنٹوں کے عوض ادا کرنے کو تیار تھا بشرطیکہ اتنی رقم اس کے پاس ہوتی، عاطف کی واپسی بمشکل ایک آدھ گھنٹے میں ہوگئی مگر اورنگ کے لیے یہ وقت بہت طویل ہو گیا تھا۔ ویسے بھی انتظار کو جہنم کا ٹکڑا کہا جاتا ہے۔

"سر!......کیا طے ہوا؟" عاطف کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بے صبری سے مستفسر ہوا کیونکہ مزید انتظار کی سکت اس کے اندر نہیں رہی تھی۔

"مسٹر اورنگ زیب تمھارے لیے ایک نئی آفر لایا ہوں۔" عاطف کا انداز ڈرامائی تھا۔ "تمھاری گفتگو سن کر ہم نے تیری پہلے

والی سزا منسوخ کرتے ہوئے ایک اور فیصلہ کیا ہے؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"وہ......وہ کیا سر؟"

"وہ یہ کہ......" عاطف نے ایک ہلکا سا وقفہ لیا جو اورنگ زیب کو بہت گراں گزرا مگر وہ صبر سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔

"ہم نے تمھاری رہائی کا فیصلہ کرلیا ہے تم ہمارے ساتھی کے طور پر اپنے دفتر میں اپنی پوسٹ پر فائز رہتے ہوئے کام کروگے اور یہ ازالہ ہوگا تیرے ان کرتوتوں کا جو اس سے پہلے تم سے سرزد ہوچکے ہیں۔ اس دوران اگر تو نے دوبارہ دو نمبری کرنے کی کوشش کی تو اس کا خمیازہ صرف تجھے نہیں تیرے پورے خاندان کو بھی بھگتنا پڑے گا۔ منظور ہے؟"

جواباً کچھ کہنے کی بجائے اورنگ زیب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے گھورے جارہا تھا اور پھر اچانک اس کے منہ سے قہقہہ نکلا۔

"شاید میں بیٹھے بیٹھے خواب دیکھ رہا ہوں سر؟ یا پھر میرے کان بج رہے ہیں۔"

"نہیں یہ حقیقت ہے، تم نے جو سمجھا ہے میں نے وہی کہا ہے۔"

"سر پلیز اگر آپ میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ ماریں تو آپ کی عنایت ہوگی، تاکہ مجھے یقین آجائے کہ میں جاگ رہا ہوں۔"

"اورنگ زیب، بدحواسی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، میری بات کا جواب دو، کیا تم ہمارے لیے ایمانداری سے کام کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"دل و جان سے سر......اگر میں بندھا نہ ہوتا تو یہ بات آپ کے پاؤں پر گر کر کہتا۔"

"نہیں مسٹر اورنگ زیب اتنا گرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم نے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے خود کو نامزد کرلیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ اس میں تیری جان کو بھی خطرہ لاحق رہے گا۔"

"میری زندگی تو ویسے ہی پوری ہوچکی ہے۔" وہ آبدیدہ ہوگیا۔ "اب تو بقیہ سانسیں وہ ہیں جو مجھے اس مٹی کی خدمت کا عوضانہ مل رہی ہیں۔"

"گڈ......" عاطف تحسین آمیز لہجے میں بولا "یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ باقی تمھاری غلط شہرت اپنوں اور بیگانوں کے درمیان میں پھیلی ہوئی ہے، لیکن تم نے اس شہرت کو نیک نامی میں بدلنے کی کوشش نہیں کرنی، ظاہراً اپنی پہلے والی حالت پر قائم رہنا ہے۔ جو بندہ تمھارے ساتھ سودا بازی کرنا چاہے، بے فکر ہو کر ہاں کردینی ہے، اسے مطلوبہ مال بھی مہیا کردینا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی آگاہ رکھنا ہے۔ ویسے امید واثق تو یہی ہے کہ اب کوئی مشکل ہی تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا لیکن تو نے ذہنی طور پر تیار رہتے ہوئے مطلوب کلرک کے اوپر گہری نظر رکھنی ہے۔ اس کے علاوہ بھی تیری نظر میں کوئی ایسا شخص تمھارے دفتر کی کسی برانچ میں موجود ہے تو اس سے بھی روابط بڑھا دینے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"جی سر۔" وہ مستعدی سے بولا۔

"او، سوری..... مجھے تمہیں کھولنے کا خیال ہی نہیں رہا پہلے سے ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں۔" عاطف نادم لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور اس کی بندشوں کو کھول دیا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا سر۔" اورنگ زیب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ "آپ نے مجھے توبہ کرنے کا موقع دیا ہے، مجھے نسرین واپس لوٹا دی ہے، ماریہ اور خالدہ میری گود میں ڈال دیے ہیں۔ مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔ میں شکریہ کہہ کر آپ کی توہین کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔ بس آپ سمجھ لیں کہ اس وقت میرے جذبات کیا ہیں۔"

"تُو ہمارا بھائی ہے اورنگ زیب۔" عاطف نے اسے چھاتی سے لگا لیا۔ "یہ وطن، یہ سرزمین ہماری ماں ہے اور ہم تمام اس کے بیٹے ہیں۔ تو ایک ماں کے بیٹے تو بھائی ہوتے ہیں نا۔ تو بھائیوں کے درمیان شکریہ کیسا؟ تجھے واقعی شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اورنگ زیب ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھا چائے پیتے ہوئے عاطف کی ہدایات کو غور سے سن رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ مسلسل سفر کرتے ہوئے چھ سات گھنٹوں کے بعد حیدر آباد، میر پور خاص سے ہوتے ہوئے عمر کوٹ پہنچ گئے ڈرائیور نے گاڑی کو ایک چھوٹے سے مکان کے اندر جا کر روکا۔ وہاں ان کا استقبال ایک ادھیڑ عمر شخص نے کیا جسے اسماعیل کے ساتھی نے نورل کہہ کر پکارا تھا۔ دن کا کھانا وہ راستے میں نہیں کھا سکے تھے۔ نہا دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد انھوں نے دن کا کھانا کھایا اور پھر اسماعیل کا ساتھی جس نے اسماعیل کو اپنا نام امام بخش بتلایا تھا کہنے لگا۔

"شاہ جی آپ چند گھنٹے آرام کر لیں، یہاں سے مغرب کے ٹائم نکلیں گے۔" اور اسماعیل سر ہلاتا ہوا آرام گاہ کی طرف بڑھ گیا، گزشتہ رات وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا اور آنے والی رات بھی بے آرامی میں گزرنے والی تھی اس لیے اس نے سونے میں عافیت سمجھی۔ اس کی آنکھ امام بخش کے جھنجھوڑنے پر کھلی تھی۔

"شاہ جی اٹھو..... تیاری کرو..... کھانا کھا کر نکلتے ہیں۔"

"کھانے کے لیے تو بالکل جی نہیں کر رہا۔" اس نے کسلمندی دور کرنے کی غرض سے انگڑائی لی۔

"اچھا پھر فریش ہو جاؤ چائے پی کر نکل چلتے ہیں۔ کھانا راستے میں کھائیں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اسماعیل نے چارپائی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک مرتبہ پھر منزل کی طرف رواں دواں تھے، اس مرتبہ سواری بدل گئی تھی اور وہ بجائے مرسڈیز کے ایک کھلی چھت کی جیپ میں سوار تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ بھی امام بخش کی جگہ نورل نے سنبھال لی تھی، گھنٹا بھر سفر کے بعد وہ پاکستان کے سب سے

بڑے صحرا تھر پار کر میں داخل ہوئے۔ اسماعیل تو راستے سے بالکل لاعلم تھا کہ اس سے پہلے اسے کبھی کراچی سے باہر جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ البتہ امام بخش کی نورل سے ہونے والی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس راستے پر کافی دفعہ سفر کر چکا تھا۔ اسماعیل ان کی غیر دلچسپ باتوں سے لاتعلق ہو کر سونے کی کوشش میں مصروف ہو گیا، مگر یہ کوشش بے سود رہی کہ ناہموار رستہ اور جیپ کی اچھل کود سے آدمی صحیح طریقے سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ نیند کیا کی جاتی؟...... جیپ کی لائیٹیں نورل نے بجھائی ہوئی تھیں اور پھر صحرا میں کافی دیر سفر کرنے کے بعد ایک جگہ نورل نے جیپ روک دی۔

"چلو شاہ جی۔ اس سے آگے پیدل سفر کرنا پڑے گا۔" اس کا گائیڈ امام بخش جیپ سے اترتا ہوا بولا اسماعیل بھی اس کی تقلید میں جیپ سے اتر گیا تھا۔ امام بخش نے ایک سیاہ رنگ کا بیگ جیپ سے نکال کر کندھے سے لٹکایا اور نورل کو خدا حافظ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے، آدھا گھنٹا پیدل سفر کے بعد امام بخش آہستہ سے بولا۔

"یہاں بات کرنے، کھانسنے اور کھنکارنے سے بالکل پرہیز کرنا کیونکہ ہم پاکستان کی سرحد عبور کر رہے ہیں۔ یہاں سے دائیں بائیں دونوں جانب پاکستان رینجرز کے ٹاور ہیں، ان کی پیدل پٹرولنگ بھی یہاں سے گزرتی ہے اس لیے خاموشی اور تیزی سے چلتے رہو۔"

اسماعیل نے خاموش رہتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریت پر قدموں کی آہٹ یوں بھی کم سنائی دیتی ہے۔ دائیں بائیں تھوڑے فاصلے پر اسماعیل کو روشنی چمکتی ہوئے نظر آ رہی تھی جو لازماً رینجرز چوکیوں میں جلنے والی لائیٹوں کی تھی۔

"بس اب خطرے سے باہر ہیں۔" امام بخش سکون کا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"کیوں...... انڈین بارڈر بھی کراس کر لیا ہے، کیا؟" اسماعیل کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"نہیں...... لیکن ان سے بات چیت ہو چکی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب بہت واضح ہے، ہم سمگلروں کے روپ میں سرحد پار کر رہے ہیں۔ یہ بیگ دیکھ رہے ہو نا؟" اس نے کالا بیگ اسماعیل کی نظروں کے سامنے لہرایا۔ "اس میں تھوڑی بہت منشیات ہے تاکہ ہم پہ کوئی شک نہ کر سکے، سمگلروں کے لیے یوں بھی جوانب کی سرحدیں کھلی ہوئی ہیں۔"

"مگر آپ تو پاکستان کی سرحد عبور کے بعد کہہ رہے تھے کہ اب ہم خطرے کی حدود سے نکل آئے ہیں۔"

"ہاں...... کیونکہ اس دفعہ نورل ٹائم کی کمی کی وجہ سے پاکستان رینجرز کے سرحدی محافظوں سے ڈیل نہیں کر سکا تھا۔ البتہ بھارت میں موجود آدمی نے ہمارے متعلق اطلاع دی ہوئی ہے۔" امام بخش نے اسماعیل کا شک رفع کرنے کی کوشش کی۔

"تھوڑی دیر بعد وہ کانٹا دار تار کی ایک اونچی باڑ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

''عام حالات میں اس ساری تار میں کرنٹ دوڑایا جاتا ہے۔'' امام نے سرگوشی کی۔ ''لیکن آج یہ کلومیٹر بھر کا ٹکڑا اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔''

''ہمارے لیے؟'' اسماعیل مستفسر ہوا۔

''بالکل۔'' کہتے ہوئے وہ ایک مخصوص جگہ پر تار کے قریب بیٹھ گیا۔ پہلے جیب سے ٹیسٹر نکال کر اس نے تاروں میں کرنٹ کی غیر موجودگی کی تسلی کی اور پھر بیگ سے دستانوں کا جوڑا نکال کر ہاتھ میں پہنتے ہوئے اس نے تار کو مخصوص انداز سے کھولنا شروع کر دیا۔ اس جگہ شاید پہلے سے خفیہ گزرگاہ بنی ہوئی تھی۔ چند منٹ میں امام بخش نے اتنا راستہ بنا لیا تھا کہ وہ آسانی سے وہ باڑ عبور کر گئے۔ باڑ کو اپنی پہلی حالت میں لانے کے بعد امام بخش اسماعیل کو لیے آگے بڑھا، چند میٹر کے فاصلے پر ایک اور باڑ تھی۔ اس کو بھی انھوں نے پہلی باڑ کی طرح عبور کیا آدھا گھنٹا مزید پیدل چلنے کے بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کے پیچھے چھپی ہوئی جیپ تک جا پہنچے۔ امام بخش ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے بولا۔

''ہم لیٹ تو نہیں ہو گئے؟''

''نہیں۔'' وہ جواباً بولا۔ ''بلکہ دس منٹ پہلے ہی پہنچ گئے ہو۔''

''تو پھر چلو۔'' امام بخش اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسماعیل اس کی دیکھا دیکھی عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ راستے میں امام بخش ڈرائیور کے ساتھ مختلف موضوعات پر محو گفتگو رہا جبکہ اسماعیل ان کی گفتگو سے لاتعلق آنے والے دنوں کے خیال میں کھو گیا، آدھ پون گھنٹا مزید سفر کے بعد وہ پختہ روڈ پر چڑھ گئے اور روڈ پر چڑھتے ہی ڈرائیور نے سپیڈ بڑھا دی تھی۔ روڈ کی حالت اتنی اچھی نہیں تھی مگر صحرا کے مقابل وہ بہت بہتر تھا۔ اس روڈ پر تقریباً 25,20 کلومیٹر چلنے کے بعد ڈرائیور نے ایک مرتبہ پھر گاڑی کچے میں اتار دی۔ اس دفعہ چند کلومیٹر چلنے کے بعد وہ ایک بہت بڑی عمارت کے قریب پہنچے، عجیب بات یہ تھی کہ اس کے قریب کوئی دوسری آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ عمارت بہت زیادہ وسیع تھی اتنی کہ اسے آسانی سے پرانے زمانے کا کوئی قلعہ کہا جا سکتا۔

چوکیدار نے ان کی شناخت کے بعد عمارت کے بڑے گیٹ کا ایک پٹ کھول دیا۔ ان کی جیپ آسانی سے اندر داخل ہو گئی۔ عمارت کے وسیع صحن کے ایک کونے میں گاڑیوں کی پارکنگ کی جگہ بنی ہوئی تھی اس میں دو جیپیں اور ایک کار پہلے سے کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ڈرائیور نے بھی گاڑی وہیں روکی اور نیچے اتر گئے۔ اسماعیل کو ساتھ لے کر امام بخش اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ عمارت کے صحن میں وقفے وقفے سے لگے بلب اپنی زرد روشنی بکھیر رہے تھے۔

''صبح ہونے کو ہے...... فی الحال آرام کرتے ہیں جاگنے پر آپ کا تعارف و ملاقات سب سے کرا لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اسماعیل نے کہا کہ اس نے تو یوں بھی اپنا آپ ان کے حوالے کیا ہوا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مہاراج آپ نے یاد فرمایا تھا؟" پاربتی نے پاشا کے کمرے میں داخل ہو کر اسے نمسکار کیا۔

"ہاں تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی آؤ بیٹھو۔" اس نے اسے اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"پریشان نظر آ رہی ہو؟...... خیر تو ہے؟"

"کچھ نہیں مہاراج!...... بس سر درد کر رہا ہے۔"

"مجھے یہ سر درد پندرہ ماہ تک ٹھیک ہونے والا نہیں لگتا۔" مرزا طنزیہ انداز میں ہنسا، جواباً خاموش ہی رہی تھی۔

"جانِ من اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔" مرزا نے ایک نازیبا حرکت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسے چھیڑا مگر پاربتی کے انداز میں سرد مہری قائم رہی البتہ زبان سے اس نے کسی قسم کا اعتراض کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تمھارے اس رویے کو میں کیا سمجھوں؟" مرزا کے لہجے میں چھپی وحشت پاربتی کو دہلانے کے لیے کافی تھی۔

"مہاراج!...... بھارت ماتا کے لیے میرا شریر اور میری آتما دونوں حاضر ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو میرے بارے مکمل اختیار حاصل ہے۔ شاہ جی کی جدائی میں میرا من بیاکل ہے تو یہ ایک غیر اختیاری فعل ہے اس میں میرا کوئی دوش نہیں البتہ اس کے لیے اگر میں اپنے فرض سے غافل ہوئی ہوں تو آپ کو حق حاصل ہے کہ جو چاہیں سزا دیں میں ہر قسم کے شراپ کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تیرا کیا خیال ہے...... اسے یہاں سے دور بھیجنے میں میری ذاتی غرض شامل تھی، یا اس کے تیرے قریب ہونے میں مجھے کوئی اعتراض تھا؟" پاربتی کی وضاحت نے مرزا کے لہجے کو نرم کر دیا تھا۔

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی مہاراج۔"

"تو پھر یہ بے رخی کیسی؟"

"شما چاہتی ہوں مہاراج!...... میرے رویے سے آپ کو ٹھیس پہنچی۔ میرا مقصد ہرگز ہرگز آپ کی دل آزاری نہیں تھا، ایسا سوچنے سے پہلے ہی میں مر جانا پسند کروں گی۔ آپ میرے گرو مہاراج ہیں، آپ کی کرپا سے آج مجھے یہ مقام ملا ہے آپ کے چرنوں میں رہنا مجھے سورگ میں رہنے سے زیادہ محبوب ہے، لیکن کیا کروں؟...... شاہ جی کے متعلق مجھے اپنے دل پہ اختیار نہیں رہا، میں کوشش کروں گی کہ جلد سے جلد اسے من سے کھرچ دوں۔ مگر اس میں تھوڑا ٹائم لگے گا اس وقت تک اگر آپ ہمیشہ کی طرح بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری لغزشوں سے صرفِ نظر کر سکیں تو یہ احسان ہوگا، ورنہ آپ کی دی ہوئی ہر سزا ہر عتاب مجھے خوشی سے قبول ہوگا۔"

"پاربتی!...... تم اتنی دور نکل جاؤ گی؟...... مجھے پہلے اندازہ ہوتا تو کبھی یہ جوا نہ کھیلتا۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا...... تم فکر مت کرو اسماعیل شاہ کی اہمیت تمھارے مقابلے میں ذرا بھی نہیں ہے۔ بھگوان نے چاہا تو میں جلد ہی تمھیں کوئی خوش خبری سناؤں گا؟"

''کک کیسی خوشخبری مہاراج؟'' پاربتی کے لہجے میں ہزاروں اُمنگیں اور خواہشیں پنہاں تھیں۔

''شاید......اسماعیل شاہ کے پاس تجھے ٹریننگ سنٹر بھجوا دیا جائے۔''

''مہاراج۔'' پاربتی فرطِ مسرت سے زمین پر بیٹھتے ہوئے اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔''مم میں......'' مگر اس سے آگے اس سے کچھ بولا نہ گیا اور وہ خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔

''پاربتی میں بالا حکام سے بات کرتا ہوں کیونکہ تمھارا یہاں تقرر انہی کا فیصلہ ہے اور ان کی مرضی کے خلاف میں تجھے ٹریننگ سنٹر نہیں بھجوا سکتا۔ البتہ اتنا وچن دیتا ہوں کہ میں پوری کوشش کروں گا۔''

''آ آ......آپ کر سکتے ہیں مہاراج؟ آپ مہان ہیں، آپ کی بات کو ٹھکرانا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ کی پہلے بھی بہت زیادہ نوازشیں ہیں مجھ پر ایک احسان اور کر دیں بس آخری بار...... بالکل آخری۔''

''تو میں نے کہہ تو دیا ہے کہ بھگوان نے چاہا تو ہو جائے گا......اب ذرا تم بھی قریب ہو جاؤ کافی دن ہو گئے ہیں اتنا دور رہتے ہوئے۔'' اس نے پاربتی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا، اور اس مرتبہ پاربتی کے رویے میں پہلی سی سرد مہری مفقود تھی۔ اپنے شاہ جی تک جانے کی امید نے اس کے بدن میں بجلیاں بھر دی تھیں۔

☆......☆......☆

انسپکٹر دلشاد امین نے جیسے ہی گاڑی تھانے کی جانب موڑی اسے تھانے کی دیوار کے متصل تین آدمی گتھم گتھا نظر آئے۔ ان کے مابین جھگڑا شاید اسی وقت ہی شروع ہوا تھا کیونکہ ان کے ارد گرد عوام کا جم گھٹا نظر نہیں آ رہا تھا قریب پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ لڑائی کی بجائے ایک آدمی کی ٹھکائی ہو رہی تھی۔ مار کھانے والا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور حلیے سے مزدور نظر آ رہا تھا جبکہ اسے پیٹنے والے اچھے خاصے کھاتے پیتے لگ رہے تھے۔

''اوئے!......کیا بات ہے چھوڑو اسے۔'' وہ رعب داب سے بولا۔ ٹھکائی کرنے والوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہاتھوں کو روک لیا اور اس میں دلشاد کی پُررعب آواز سے زیادہ وردی کا عمل دخل تھا۔

''اسے......کیوں مار رہے ہو؟''

''تھانیدار صاحب! آپ اس بات کو چھوڑیں۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔'' ان میں نسبتاً زیادہ عمر والا بے پروائی سے بولا۔

''کیا؟'' دلشاد امین کے پٹھانی خون نے جوش مارا اور وہ چیل کی طرح اس آدمی پہ جھپٹا۔''اُلو کے پٹھے۔ قانون کو کہتا ہے کہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔'' اس نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا، کافی راہگیر یہ تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس کے دوسرے ساتھی نے بھی احتجاجاً آواز بلند کی۔''تھانیدار صاحب آپ اچھا نہیں کر رہے۔ کم از کم ہمارا قصور تو بتا دیں۔''

''بتادوں گا پُتر بتادوں گا...... تفصیلی گفتگو حوالات میں ہوگی۔''

''ایسے ہی، ہمارا جرم تو بتلاؤ آخر۔'' تھانیدار شاید اس کی بات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتا مگر اچانک راہگیروں کے ہجوم سے ایک آدمی باہر نکلا۔

''السلام علیکم...... تھانیدار صاحب۔ میں روزنامہ طلوع کا رپورٹر ہوں۔'' اس نے ایک کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''کیا میں آپ کے غصے کی وجہ جان سکتا ہوں، کہ آپ سرِعام ایک نہتے شہری کو کیوں زدوکوب کر رہے ہیں؟''

انسپکٹر دلشاد امین کو اچانک اپنی نازک پوزیشن کا احساس ہوا وہ جلدی سے بولا۔ ''یہ دونوں اس مزدور کی پٹائی کر رہے تھے۔ میں نے منع کیا تو کہنے لگے میں دخل اندازی نہ کروں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے اور اب میں حوالات کی سیر کراؤں گا تو انھیں پتا چلے گا کہ میں ان کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتا ہوں یا نہیں؟''

ان میں سے ایک بولا۔ ''خدا کا خوف کرو تھانیدار صاحب...... ہم نے کب اس مزدور پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں۔''

''جان جاؤ گے پتر، جان جاؤ گے۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا اور پھر صحافی کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم اپنی تسلی اس مزدور سے استفسار کر کے کر سکتے ہو۔''

''ہاں بھائی صاحب آپ کیا کہتے ہیں؟'' صحافی نے تھوڑی دیر پہلے پٹنے والے مزدور سے پوچھا۔

''م...... م...... میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب...... میں ادھر سے گزرا تو تھانیدار صاحب ان دونوں کی پٹائی کر رہا تھا۔ میں بھی تماشا دیکھنے رک گیا۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' تھانیدار جنونی انداز میں اس کی جانب لپکا۔

''م مجھے معاف کر دیں تھانیدار صاحب۔ آہ، ہائے۔ خدا کے لیے صاحب جی۔ اف۔''

وہ مزدور نما شخص ہاتھ جوڑ جوڑ کر دلشاد امین سے معافیاں مانگ رہا تھا۔ اسی وقت شور شرابہ سن کر تھانے سے چند سپاہی بھی حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے وہاں پہنچے اور پھر تھانیدار صاحب کو دیکھ کر بغیر کسی تحقیق حال کے وہ بھی مزدور پہ پل پڑے۔ اچانک فلش لائیٹ دو تین دفعہ چمکی اور تھانیدار کو ہوش آ گیا۔

''بس کرو اوئے...... انھیں تھانے لے چلو۔'' کہہ کر وہ صحافی کی طرف مڑا تاکہ اس سے کیمرہ چھین کر فلم ضائع کر سکے، کیونکہ اسے معلوم تھا ان مناظر کی تصاویر میڈیا کے ہاتھ آ جانے سے اس کی بہت زیادہ سبکی ہونے کا امکان تھا، مگر یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے کہ صحافی وہاں سے غائب تھا۔ اس کی تلاش میں اس نے دائیں بائیں نگاہیں دوڑائیں مگر لوگوں کے ہجوم میں وہ نظر نہ آیا۔ اسے سازش کی بو

محسوس ہوئی...... لیکن یہ سازش کس کی تھی اور اس میں کیا مقصد پنہاں تھا یہ بات اس کے ذہن میں واضح نہیں ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر دائیں بائیں نظر دوڑانے کے بعد اس نے سر جھٹکتے ہوئے رپورٹر پر لعنت بھیجی اور گاڑی میں بیٹھ کر تھانے کی طرف بڑھ گیا۔ سپاہی ان تینوں کو پہلے ہی تھانے کی سمت لے جا چکے تھے۔

☆......☆......☆

''عاطف!...... میں نے تمھیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ محرم کی آمد آمد ہے، اپنے آدمیوں کو الرٹ رکھو، دشمن اس موقع پر کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا، اب دیکھ لیا نا......؟'' صدیقی صاحب نے ٹیلی ویژن سکرین کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک امام بارگاہ میں ہونے والے زوردار دھماکے کے بعد کے مناظر دکھائے جا رہے تھے ہلاکتوں کی تعداد 20 افراد سے بڑھ کر تھی جبکہ زخمی ہونے والے اس سے بھی درجن بھر زیادہ تھے۔

''سر میرے آدمی الرٹ ہیں، مگر تعداد کی کمی آڑے آجاتی ہے۔''

''مجھے بہانہ بازی سے نفرت ہے عاطف...... اور آپ جیسے آفیسر سے مجھے اس طرح کے آرگومنٹ (دلیل بازی) کی توقع نہیں تھی۔''

''سوری سر...... ہم ان شاء اللہ جلد ہی کوئی اچھی خبر آپ کو سنائیں گے۔''

''دیکھو عاطف!...... تم ایک پڑھے لکھے اور ذہین آفیسر ہو، جاسوسی کی تاریخ کتنی پرانی ہے اس سے خوب واقف ہو، انسان نے اپنے ہم نسل انسانوں کو کس طرح وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا اس سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں تہذیب انسانی نے ارتقاء کی منازل طے کیں وہ انسانی وحشت جو کبھی میدانِ جنگ میں آمنے سامنے کی لڑائی میں ظاہر ہوا کرتی وہ غائب ہو گئی اور اس کی جگہ ایسی درندگی وجود میں آئی جو پہلے سے کئی گنا بڑھی ہوئی ہے، کیونکہ پہلے اس درندگی کا نشانہ گو عورتیں اور بچے بھی بنتے تھے مگر بہت کم جبکہ آج تو اس بربریت سے ہسپتال، عبادت گاہیں اور سکول و مدرسے بھی محفوظ نہیں رہے۔ ہمارا ملک بہت سے ممالک کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے بقول شاعر

کانٹے کی طرح ہوں میں رقیبوں کی نظر میں
رہتے ہیں میری گھات میں چھ سات مسلسل

اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہے کہ اس ملک میں انتشار، افراتفری، بدنظمی، لاقانونیت اور وحشت پھیلائی جائے، عوام کا اعتماد اپنے محافظوں سے ملک کے لیے جان قربان کرنے والوں پر سے اٹھا دیا جائے۔ انھیں لٹیروں اور ملک کی حفاظت کرنے والوں کے بیچ فرق محسوس نہ ہو سکے۔ لیکن ہم نے انشاء اللہ اس اعتماد کو بحال کرنا ہے۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمارا ہمسایہ ملک ہے جس میں آج بھی ایک ایسی قوم آباد ہے جس نے تقریباً 2400 سال اپنے سیاسی دیوتا چانکیہ!...... عرف کوٹلیہ سے مکر و فریب کاری وحشت و بربریت کا

جو سبق پڑھا تھا۔ وہ آج بھی اسے اپنا جزو ایمان بنائے ہوئے ہیں۔

1- مورخین اس کی پیدائش چوتھی صدی قبل مسیح نصف اول بتلاتے ہیں یہ پاکستان کے عظیم شہر ٹیکسلا میں پیدا ہوا تھا جو مختلف تہذیبوں اور بادشاہتوں کا مسکن رہا ہے۔ کوٹلیہ ذات کا برہمن تھا لیکن بہت زیادہ بد صورت تھا اور اپنی بد صورتی پر اس نے علم و دانش کا پردہ ڈالے رکھا۔ اس نے 150 ابواب پر مشتمل ''ارتھ شاستر'' نامی کتاب اس وقت کے راجہ کی رہنمائی کے لیے لکھی اس ضخیم تاریخی دستاویز میں اس نے اپنے ہمسائے کو برباد کرنے، دشمن کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں کرنے، ہمسایہ ریاست کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنے۔ دشمن ملک میں بیماریاں پھیلانے، زہر خورانی، دھوکہ دہی، افواہ سازی غرض تمام غیر انسانی اور غیر اخلاقی مجرمانہ افعال بالتفصیل درج کیے ہیں اور راجا کو بتلایا کہ ان غیر انسانی غیر اخلاقی، غیر مذہبی اور غیر قانونی طریقوں پر عمل کر کے ہی وہ اپنی بادشاہت برقرار رکھ سکتا ہے۔ اگرچہ جاسوس اور جاسوسی نظام اتنے ہی قدیم ہیں جتنی تاریخ انسانی اور نزاعی صورتِ حال میں اس کا اولین مندرج کردار چین کے عسکری مفکر ''سون زو'' (Sun Tzu) نے اپنی کتاب فن حرب Art of War 150 قبل مسیح میں لکھی گئی۔ اس مشہور زمانہ کتاب کے بعد نظام ریاست میں انٹیلی جنس اور جاسوسی کی ضرورت و اہمیت کے لیے جس کتاب نے شہرت دوام حاصل کی وہ وشنو گپتا کوٹلیہ عرف چانکیہ کی ''ارتھ شاستر'' ہے۔ کوٹلیہ عرف چانکیہ کے (لفظی معنی مکار ہیں) قدیم ہندو مت تہذیب کی کتاب ''کادمبر'' کا مصنف بانا ارتھ شاستر سے متعلق لکھتا ہے۔ ''کوٹلیہ کی کتاب ایسی سیاست کی تعلیم دیتی ہے جو بے رحمی اور ظلم کی علمبردار ہے اور جس میں حکومت کے وزراء کو دھوکہ دہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس کے مشیر دولت سمیٹنے میں مصروف ہیں اور جس کتاب میں محبت کے رشتے خونریزی میں بدل جاتے ہیں۔ (از طارق اسماعیل ساگر)

ان کے بعد یہود و نصاریٰ ہیں ان کی نگاہوں میں پاکستان کی حیثیت اسلام کے ایک قلعے کی سی ہے اور اسلام دشمنی کے سبب پاکستان انھیں برداشت نہیں ہو رہا اور پھر خوش قسمتی سے ہم دنیا کے ان آٹھ ممالک (امریکہ، چین، انڈیا، فرانس، انگلینڈ، پاکستان، روس، شمالی کوریا۔ یہ وہ آٹھ ایٹمی پاور ممالک ہیں جو ایٹمی تجربہ کر چکے ہیں) میں شامل ہیں جنھیں ایٹمی پاور ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔''

صدیقی صاحب ایک لمحے کے لیے سانس لینے کے لیے رکا اور دوبارہ گویا ہوا۔ ''بہر حال ان تمام ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کے مقابل ہم تنہا ہیں۔ اگر اسی طرح وسائل کا رونا روتے رہے، تعداد کی کمی کا گلہ کرتے رہے تو پھر تو گئے کام سے۔ یاد رکھو ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود ہم نے ہار نہیں مانی۔ انھیں من مانی نہیں کرنے دیں...... کوئی را[1]...... کوئی سی آئی اے[2]...... کوئی خفیہ فری میسن[3]...... کوئی موساد[4]...... کوئی ایف بی آئی[5]...... اور کوئی کے جی بی[6]...... ان شاء اللہ ہماری سی آئی بی[7]...... اور آئی ایس آئی[8]...... کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیا خیال ہے تمھارا؟ کیا تم اپنے جوانوں کو ان سے کم پاتے ہو؟''

RAW-1 انڈیا کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی (Research and ana liysis wing)

2-CIA امریکی انٹیلی جنس (Central investigation agency)

3- یہودیوں کی عالمی تنظیم (Secret free masson) جس کی سرگرمیاں عام طور پر سربستہ راز رہتی ہیں۔ یہ واحد تنظیم ہے جس کے ذریعے دنیا بھر کے یہودی آپس میں خفیہ روابط رکھتے ہیں اور یہ دنیا کی قدیم ترین تنظیم ہے۔

4- موساد Mossad دنیا کی سب سے زیادہ سفاک اور فعال خفیہ یہودی ایجنسی موساد ہے اس کا مکمل نام The instituite for Intellegence and special servi ces ہے۔ یہ امریکی روسی اور برطانوی خفیہ اداروں سے زیادہ فعال ہے۔

5- ایف بی آئی یہ امریکہ کی خفیہ انٹیلی جنس پولیس کا نام ہے اس کا قیام 1908ء میں عمل میں آیا اور ایف بی آئی (Federal bureau of Intelligence) کا مخفف ہے۔

6-KGB یہ روس کی خفیہ ایجنسی ہے۔

7-CI یہ پاکستان کی وہ تنظیم ہے جو وطن دشمنوں کے خلاف کاؤنٹر کارروائی کرتے ہے اور (Counter CI Intelligence) کا مخفف ہے۔

8- آئی ایس آئی (Inter services iafalligence) پاکستان کی خفیہ ایجنسی جو ملک کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

''نہیں سر۔''

''عاطف مجھے خالی خولی تسلی نہیں چاہیے، گفتار کے غازی نہیں کردار کے غازی چاہئیں۔''

''سر ان شاء اللہ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔''

''گڈ...... دوسری بات یہ کہ اب نمبر کسی سنی مسجد کا ہے کیونکہ محرم کی آمد تک دشمن!...... شیعہ، سنی فسادات کے لیے زمین ہموار کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے اپنے آدمیوں کا زیادہ دھیان سنیوں کی مساجد کی طرف ہونا چاہیے اور ان میں بھی خصوصاً ان مساجد پر زیادہ نظر رکھنی ہے کہ جن کی انتظامیہ کے شیعہ مسلک کے ساتھ کھلے اختلاف ہیں میری مراد عاشقانِ صحابہ گروپ سے ہے۔''

''میں سمجھ گیا سر ایسے ہی ہوگا۔''

''باقی بدرالدین صاحب نے تیری اور نگ زیب کلرک کو چھوڑنے کی تجویز کو بہت سراہا ہے۔ شاید چند دنوں تک وہ تم سے بالمشافہ ملاقات بھی کرلے۔''

''یہ میرے لیے فخر کی بات ہوگی سر۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اورنگ زیب کی طرف سے کوئی رپورٹ ملی؟''

''جی سر!.....فی الحال کسی نے بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ چوکنا ہے اور آہستہ آہستہ اس نے اپنا حلقۂ احباب بھی وسیع کرنا شروع کر دیا ہے۔ خصوصاً مشکوک افراد اس کا ٹارگٹ ہیں۔''

''ٹھیک ہے جیسے ہی اس کے جانب سے کوئی مثبت رپورٹ ملے مجھے فی الفور اطلاع کرنی ہے۔''

''اوکے سر!'' کہہ کر عاطف وہاں سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

''گڈ مارننگ ایوری باڈی۔'' کلاس روم نما کمرے میں تھری پیس سوٹ پہنے ایک پروفیسر نما آدمی داخل ہوا۔ اس نے آنکھوں پر سنہرے فریم کا چشمہ لگایا ہوا تھا اس کے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے جنھیں کنگھی کرنے سے پہلے تیل سے خوب چپڑا گیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی خوبصورت نقش و نگار سے مزین لکڑی کی اسٹک اس کے عمر رسیدہ ہونے کی نشانی تھی، جبکہ اس کے چلنے کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اس اسٹک کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ کمرے میں بیٹھے افراد کی تعداد بیس کے قریب تھی جن میں زیادہ تر نوجوان تھے البتہ دو، تین، پختہ عمر کے بھی نظر آ رہے تھے۔ نو وارد کو تعظیم دینے کے لیے تمام کھڑے ہو گئے۔

''پلیز بیٹھیں۔'' وہ نرم لہجے میں بولا، اور تمام خاموشی سے اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔

''کلاس میں آپ لوگوں کا پہلا دن ہے تو میرے خیال میں سب سے پہلے رسمی سا تعارف ہو جائے، میرا نام اے کے ہے، شاید یہ کچھ عجیب سا لگے مگر در حقیقت میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس نام کا انتخاب کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے نام سے میرے مذہب اخذ کرتا رہے، مذہب کی اپنی حیثیت ہے مگر میری سوچ کی پرواز ذرا بلند ہے، میں صرف انسانیت پر یقین رکھتا ہوں۔ کیونکہ میرے فلسفے کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ اچھے اعمال، اچھے اخلاق، ہمدردی، انسانیت کی خدمت کسی ایک مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ کوئی بھی عقیدہ کوئی بھی مسلک، کوئی بھی مذہب اپنا کر یہ دعوا کرنا کہ ایسا کرنے والا خدا کا پسندیدہ بندہ ہے۔ یہ بات محض جھوٹ و افترا تو ہو سکتی ہے سچ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، بہر حال یہ باتیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں گی ویسے بھی یہ میرا اپنا نقطہ نظر ہے، اور میں ہر آدمی کے نقطہ نظر کو قابلِ احترام سمجھتا ہوں۔ کسی پر اپنے خیالات مسلط کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اب آپ نمبر سے اپنا تعارف کراتے جائیں۔ جو ذاتی نام اقامتی شہر کے نام اور تعلیم پر مشتمل ہو۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی پہلی رو میں دائیں طرف بیٹھا ہوا پہلا لڑکا کھڑا ہوا۔ ''میرا نام عبداللہ ہے پشاور کا رہائشی ہوں تعلیمی درجہ ایم بی اے'' اس کے ساتھ والا کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''احمد نواز۔ راولپنڈی ایم ایس سی'' اگلا اٹھا۔ ''اکرم کوئٹہ.....'' سارے باری باری اپنا تعارف کراتے گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تعارف تو مکمل ہوا، آپ لوگوں کے متعلق مزید آہستہ آہستہ معلوم ہوتا رہے گا۔ ہمارے پاس پندرہ ماہ کا مختصر سا ٹائم ہے اور اس دوران آپ لوگوں کو بہت سے علوم وفنون سے واقفیت دلانا مقصود ہے۔ مگر یہ بیل تب ہی منڈھے چڑھے گی جب آپ لوگ مکمل شوق دلچسپی اور دلجمعی سے یہ کام سیکھنے کی کوشش کرو گے۔ اگر اب تک کسی کا ذہن اس ٹریننگ سے متفق نہ ہو سکا ہو اور وہ ہمیں جوائن نہ کرنا چاہتا ہو تو بتا سکتا ہے ہم بصد شکریہ واحترام اسے واپس پہنچا دیں گے۔ ہے کوئی.....؟" کہتے ہوئے اے کے نے حاضرین پر طائرانہ نگاہ دوڑائی مگر تمام خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔

"گڈ" ۔ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔"یوں بھی اس سکھلائی میں سراسر آپ لوگوں کا ذاتی فائدہ ہے۔ میں خود تنخواہ دار ملازم ہوں اصل انسانیت کے دوست تو وہ ہیں جن کی محنتوں اور سرمائے سے یہ عظیم کام شروع ہو سکا ہے۔ یاد رکھنا بگڑے معاشرے کو سدھارنے کے لیے ملک میں انقلاب لانے کے لیے، عدل وانصاف کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے وقت، دولت اور جان کی قربانی دینا ہی سب سے بڑی انسانیت کی خدمت، سب سے بڑا جہاد اور سب سے بڑی قربانی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں سر......" حاضرین میں سے چند آدمی زور سے بولے جبکہ باقی خاموش بیٹھے رہے۔

"کیا باقی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"اتفاق تو کرتے ہیں۔ مگر سر انسانیت بھی تو مذہب ہی سکھاتا ہے نا؟" جواب دینے والا عبداللہ تھا۔

"گڈ...... بہت خوب۔ عبداللہ نام بتایا تھا نا آپ نے؟" اے کا لہجہ تحسین آمیز تھا۔

"جی سر۔"

"تو عبداللہ کون سا مذہب انسانیت سکھلاتا ہے...... بلکہ سوری میں کچھ غلط بول گیا ہوں یوں کہنا مناسب ہوگا کہ کون سا مذہب انسانیت نہیں سکھلاتا؟"

عبداللہ جواباً بولا۔"اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا سر۔"

"اسی وجہ سے تو میں نے سوال بدلا تھا۔" اے کے نے ہنستے ہوئے کہا۔"ورنہ میرے پہلے سوال کا آپ نے سیدھا سادہ جواب دینا تھا کہ اسلام، اور یہی سوال اگر کسی ہندو، عیسائی، سکھ بدھ مت یا یہودی سے پوچھا جائے تو وہ اپنے مذہب کا نام لے گا...... تو اس سے ثابت کیا ہوا۔ یہی نا کہ ہر مذہب انسانیت کی، اچھائی کی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے، اس لحاظ سے تو کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب پر فوقیت حاصل نہ ہوئی نا...... ہم تو اسے اچھا سمجھیں گے جو انسانیت کی خدمت کرتا ہو۔ اب وہ مسلمان ہے، ہندو ہے سکھ ہے پارسی ہے یا کچھ بھی ہے اپنے لیے ہے، ہمارے لیے تو اس کی انسانیت، اس کا لوگوں کے ساتھ نیک سلوک ہی فائدہ مند ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے اپنے مذہبی احکامات کی بجا آوری فضول ٹھہری؟" عبداللہ کا لہجہ ہلکی سی تلخی لیے ہوئے تھا۔

''یہ میں نے کب کہا ہے؟'' اے کے کے لہجے کی نرمی میں فرق نہیں آیا تھا۔ ''میری نگاہ میں ہر مذہب قابل احترام ہے اور ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، لیکن اس ضمن میں کسی مذہب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود کو سچا سمجھتے ہوئے باقی تمام مذاہب کو یک قلم مسترد کر دے۔ بلکہ میں دلیل سے ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ کئی جگہوں پر اپنے مذہب کی طرف داری کی بجائے انسانیت کی طرف جھکاؤ محسوس کریں گے؟''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ آپ کے محلے میں دو دکاندار ہیں ایک ہندو، ایک مسلم...... مسلم کی دکان پر گھی 50 روپے کلو بکتا ہے اور ہندو کی دکان پر 45 روپے کلو آپ کہاں سے گھی خریدنا پسند کریں گے؟ ہندو سے نا، کیونکہ وہ زیادہ ایماندار اور لوگوں کا ہمدرد ہے حالانکہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے آپ کو مسلمان سے خریدنا چاہیے۔ اس طرح اگر قیمتیں اس کے برعکس ہوں یعنی مسلم کے ہاں 45 اور ہندو کے ہاں 50 تو ایک ہندو مسلم دکاندار سے خریداری کو پسند کرے گا۔ تو کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ چند ٹکوں کے لیے آدمی اپنے ہم مذہب کو چھوڑ دیتا ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ ہندو ہو یا مسلم ہر دو نے انسانیت کا خیر مقدم کیا میں ایک چھوٹی سی مثال اور دوں گا۔ کہ اگر آپ کے سامنے کوئی چیز، جیسے ٹیپ ریکارڈ، ٹی وی، یا گھڑی وغیرہ لائی جائے ایک ٹیپ ریکارڈ کی قیمت 1000 روپے ہو جو پاکستان کا بنا ہوا ہو دوسرے ٹیپ ریکارڈ کی قیمت 2000 روپے ہو جو میڈ ان جاپان ہو آپ کون سا ٹیپ ریکارڈ خریدیں گے۔ جاپان والا نا؟ کس لیے؟ کیونکہ پائیدار ہے جاپان کی چیزیں پاکستان کے مقابلے میں پائیدار ہوتی ہیں اور ہر آدمی چاہتا ہے کہ جو چیز خریدے ایک دفعہ ہی خریدے حالانکہ پاکستان مسلمان ملک ہے اور جاپان بقول آپ کے کافر، تو کیا وجہ ہے ایک مسلمان ملک کی چیز پر کافر ملک کی چیز کو ترجیح دینا۔ میں جس سے بھی پوچھوں وہ بلا تکلف کہہ دے گا پائیداری۔ ایک جاپانی کمپنی نے اپنی مصنوعات میں زیادہ ایمانداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچھا مال لگایا اور ہر خاص و عام کے لیے اس کا مال پسندیدہ ٹھہرا۔ کیا میں اپنی بات کی وضاحت صحیح طریقے سے کر سکا ہوں؟''

''جی جناب۔'' اس مرتبہ تمام بیک آواز بولے تھے۔

''گڈ...... باقی جہاں تک تعلق ہے اسلام کا تو، اسلام بہت اچھا اور بہت اعلیٰ دین ہے مگر افسوس کہ پاکستان میں اس کا رسمی سا نام ہی باقی ہے۔ عموعی طور پر اس کی تعلیمات کی دھجیاں اُڑا دی گئیں ہیں۔ اب آپ میں کافی لوگوں کا یہ خیال ہوگا کہ پاکستان میں بھی نمازیں پڑھی جاتی ہیں روزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، حج کے لیے بے دریغ لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، زکوٰۃ دینے والے کافی ہیں۔ تو کیا اچھے مسلمان ہونے کی یہی نشانی ہے؟ یہ تو ہر بندے کا ذاتی فعل ہے، ذاتی نفع ہے مزہ تو تب ہے کہ ایک حج پر جانے والا بجائے حج پر جانے کے، بجائے مکہ و مدینہ کے سیر سپاٹے کے وہ رقم ان غریبوں کو دے دے جن کے گھر کھانے کو کچھ نہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ اپنی ذات پر رقم خرچ کرنا آسان ہے دوسروں پر خرچ کرنا از حد مشکل۔ پھر عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ میں سے ہر آدمی کی مکمل داستان سنی

جائے تو شاید پندرہ ماہ انہی دکھ بیتیوں کو سننے میں گزر جائیں۔ کوئی پولیس کے ظلم وستم کا نشانہ بنا ہوا ہے کوئی چوہدری، ملک یا وڈیرے کا ڈسا ہوا ہے، کس پر ناظم، ایم پی اے، ایم این اے کی نظر کرم ہوئی ہوگی اور کوئی ہماری انصاف پسند عدالتوں کے ہاتھوں اس انجام کو پہنچا ہوگا ......تو کیا ان سب کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا جہاد نہیں ہے؟ انسانیت کی خدمت نہیں ہے۔ ہم کب تک ظلم سہتے رہیں گے کب تک کسی مسیحا کے انتظار میں اپنی جائز خواہشات کو قربان کرتے رہیں گے۔ کب تک اپنے دلوں کو اچھا مسلمان ہونے کی جھوٹی تسلی دیتے رہیں گے۔ کب تک آخر کب تک؟ ہمیں اس ناانصافی اس ظلم اس جبر کے خلاف آواز بلند کرنی پڑے گی۔ اس کے خلاف صف آرائی کرنی پڑے گی۔ اس کے خلاف ڈٹنا پڑے گا۔ بقول شاعر

ایسے دستور کو، صبح بے نور کو

میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

دیپ جس کا محلات میں ہی جلے

چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کے چلے

وہ جو سائے میں میں ہر مصلحت کے پلے

ایسے دستور کو..........................

پھول شاخوں پہ کھلنے لگے تم کہو

چاک سینوں کے سلنے لگے تم کہو

جام رندوں کو ملنے لگے تم کہو

اس کھلے جھوٹ کو، ذہن کی لوٹ کو

میں نہیں..............................

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے

میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے

کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے

جہل کی بات کو، ظلم کی رات کو

میں نہیں جانتا..........................

تم نے لوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب نہ ہم پہ چلے گا تمھارا فسوں

چارہ گر تم سے میں کس طرح یہ کہوں

تم نہیں چارہ گر کوئی مانے مگر

میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

ایسے دستور کو صبح بے نور کو

اور

ہمی نے گردشِ دوراں کا رخ بدلنا ہے

ہمارے ساتھ وہ آئے جو سر اُٹھا کے چلے

اے کے کی آواز میں بڑا ترنم اور سوز تھا تمام کے دل عجیب قسم کے جذبات سے بھر گئے تھے ایسے جذبات جن میں کچھ کر گزرنے کی خواہش، کچھ کھو دینے کا حوصلہ اور کچھ پا لینے کا عزم ہو۔

''کیا آپ لوگ اس نیک مقصد میں میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں؟''

''یس سر...... ہم تیار ہیں۔'' تمام کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''اوکے...... میرے پاس پانچ منٹ مزید ہیں اس کے بعد پیریڈ ختم ہو جائے گا اور ان پانچ منٹوں میں میں آپ کو ٹریننگ کے بارے میں تھوڑا سا بریف کر دوں۔ کل سے آپ کا پہلا پیریڈ صبح پانچ بجے شروع ہو جایا کرے گا جو کہ 5 سے 6 بجے تک جاری رہے گا، اس پیریڈ میں آپ سے پی ٹی (PhysiCal Trainig) کرائی جائے گی، اس کے بعد 6 سے 7 بجے تک ناشتے کی بریک ہو گی۔ 7 سے 8 بجے آپ لوگوں کو میرے ساتھ رہنا ہو گا اور یہ پیریڈ صرف گپ شپ کا ہو گا۔ 8 سے 10 بجے تک آپ لوگوں کو تمام قسم کے ہتھیاروں کے متعلق سکھلائی دی جائے گی تاکہ آپ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکیں 10 سے 11 بجے تک آپ کو چائے کی بریک دی جائے گی، اس مقصد کے لیے اس عمارت میں جسے ہم یونیورسٹی کہتے ہیں ایک کیفے ٹیریا بنا ہوا ہے۔ جہاں آپ لوگوں کو ہلکی پھلکی غذا فراہم کی جائے گی۔ آپ لوگ وہاں سے بغیر کسی ادائیگی کے ہر چیز لے سکتے ہو کیفے والے کو صرف ایک رسید آپ نے سائن کر کے دینی ہے اور یہ بات بھی شاید آپ لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو کہ اس یونیورسٹی میں باقاعدہ کلاسیں چلتی ہیں، البتہ خصوصی کلاس صرف آپ لوگوں کی ہے باقی سارے مقامی لوگ ہیں اور انھیں داخلہ اس وجہ سے دیا گیا ہے تاکہ ہمارے اصل کام پر پردہ پڑا رہے ورنہ شاید انڈین حکومت کو بھی ہمارا وجود برداشت نہ ہو۔ گیارہ سے ایک بجے تک آپ کو خالی ہاتھ لڑائی کے مختلف داؤ پیچ اور طریقے سکھلائے جائیں گے 1 سے 4 بجے تک دن کے کھانے اور آرام کے لیے بریک ہو گی۔ 4 سے 6 بجے تک گیمیں ہوں گی، 6 سے 8 بجے تک ریسٹ اور پھر رات 8 بجے سے 9 بجے

تک ایک گھنٹا سٹڈی پیریڈ ہوگا۔ رات کا کھانا 10 بجے کھایا جائے گا اور اس کے بعد صبح 5 بجے تک سونے کا ٹائم۔ ہفتے کی شام اور اتوار کا دن آپ کا مکمل آرام ہوگا، اس سارے ٹائم ٹیبل کے بارے کسی کا کوئی اعتراض یا مشورہ؟"

مگر تمام خاموش رہے۔

"اگر کوئی مشورہ نہیں تو پھر 8 بجنے میں ایک منٹ رہتا ہے۔ کلاس روم سے باہر ویپن انسٹرکٹر آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔"

☆......☆......☆

ویپن انسٹرکٹروں نے انھیں دو گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر گروپ میں دس، دس آدمی تھے دونوں گروپوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ لکڑی کی ایک بڑی سی ٹیبل کے پیچھے کھڑا کر دیا گیا۔

"آپ لوگوں میں کوئی ایسا بندہ ہے جو اس سے پہلے کسی ہتھیار سے واقفیت رکھتا ہو؟"

"جی سر" تین آدمیوں نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ وہ عبداللہ، رحیم اور فخر زمان تھے اور تینوں پٹھان تھے۔

"کون کون سے ہتھیار سے واقفیت رکھتے ہو؟"

"کلاشن کوف، بارہ بور، ایٹ ایم ایم اور تھری ناٹ تھری۔" عبداللہ نے جواب دیا۔

"گڈ......اور آپ دونوں؟" اس مرتبہ انسٹرکٹر کا روئے سخن رحیم اور فخر زمان کی طرف تھا۔

"کلاشن کوف......سر" دونوں بیک زبان بولے۔

"اوکے، تو آج ہم بھی اپنے سبق کی ابتدا کلاشن کوف سے ہی کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر انسٹرکٹر نے ٹیبل کے نیچے پڑا ہوا بڑا سا بکس کھولا اور اس میں سے چند گنیں نکال کر ٹیبل پر سجا دیں۔ "یہ ایک روسی سائنسدان میخائل کلاشن کوف کی ایجاد ہے اور اسی کے نام کی نسبت سے اسے کلاشن کوف کہا جاتا ہے۔ Ak-47 اور مشین گن بھی اسی ہتھیار کے نام ہیں۔ اسے پاکستان اور انڈین آرمی میں شارٹ مشین گن کہا جاتا ہے۔ اس کی بہت زیادہ قسمیں ہیں جن میں سے چند ایک آپ کے سامنے پڑی ہیں، یہ وہ ہتھیار ہے کہ پہلی دفعہ بننے کے بعد سے لے کر آج تک ہر دل عزیز چلا آ رہا ہے، اور بہت زیادہ ممالک اسے بنا رہے ہیں۔ اسے کھولنے کے لیے سب سے پہلے اس کی میگزین کو یہ کیچ دبا کر اس سے علیحدہ کریں۔"

ویپن انسٹرکٹر نے انھیں میگزین کیچ دکھا کر میگزین کو گن سے علیحدہ کر دیا۔

"گن کی طرح اس کے ساتھ میگزینیں بھی مختلف اقسام کی ملتی ہیں۔ جیسے آپ دیکھ سکتے ہیں یہ سب سے چھوٹی میگزین ہے۔" انسٹرکٹر نے ان کی آنکھوں کے سامنے ایک میگزین لہرائی۔

"اس میں 30 راؤنڈ آتے ہیں......جبکہ اس کے اندر 40 راؤنڈ آتے ہیں۔" وہ ایک دوسری میگزین اٹھاتے ہوئے بولا اور پھر

اسے بھی واپس رکھ کر اس نے ایک گول میگزین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اور اس میگزین میں 75 راؤنڈ آتے ہیں۔ میگزین میں راؤنڈ بھرنے کے لیے آپ راؤنڈ کو میگزین کے دونوں کناروں کے درمیان رکھیں جنھیں میگزین کے لپس (Lips) کہا جاتا ہے اور پھر نیچے کی طرف دبائیں لیکن یہ خیال رہے کہ بلٹ کا رخ اس سمت میں ہو۔'' انسٹرکٹر کا اشارہ میگزین کی کٹی ہوئی جانب تھا۔ ''اب راؤنڈ لوڈ ہو گیا اسی طرح باقی راؤنڈ بھی ایک ایک کر کے اس میں ڈالتے جائیں۔ یاد رکھیں کہ یہ ایک فل آٹومیٹک اور سیمی آٹومیٹک ہتھیار ہے یعنی اس سے آپ سنگل راؤنڈ بھی فائر کر سکتے ہو اور برسٹ بھی۔ ایسا کرنے کے لیے آپ کو اس کے سیفٹی لیور کو مناسب جگہ پر سیٹ کرنا پڑے گا۔''

انسٹرکٹر نے گن اٹھا کر انھیں سیفٹی لیور کی مختلف پوزیشن چیک کرائیں اور پھر پورے دو گھنٹے وہ انھیں کلاشن کوف کی مختلف اقسام دکھا کر ان کے متعلق معلومات منتقل کرتا رہا۔ درمیان میں اس نے صرف پانچ منٹ کی بریک دی تھی۔ 10 بجتے ہی وہ بولا۔ ''ابھی ٹی بریک کا ٹائم ہو گیا ہے۔ مسٹر کامران آپ کو آئی ڈی کارڈ ایشو کرے گا۔ ان کارڈز کی موجودگی میں کیفے ٹیریا اور کینٹین پر آپ کو مفت سروس کی سہولت میسر ہو گی۔''

''سر آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' اسماعیل شاہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''پوچھ لو؟'' وہ دلفریب انداز میں مسکرایا۔ اس کی بات سن کر تمام ہنس پڑے تھے۔

''تو پھر بتا دیں سر؟'' اسماعیل بھی اسی لہجے میں بولا۔

''سکندر اور اس کا کاشف ہے۔'' سکندر نے دوسرے گروپ کے انسٹرکٹر کی طرف اشارہ کیا۔

''اور میں کامران ہوں۔'' سکندر کی بات ختم ہوتے ہی ایک ادھیڑ عمر با وقار سا شخص بولا وہ جانے کب ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اگلے چند منٹ میں کامران ہر آدمی کو ایک سرخ رنگ کا کارڈ ایشو کر چکا تھا جس کے درمیان میں ایک مخصوص نمبر کھدا ہوا تھا جبکہ کارڈ کی پشت پر کسی نامانوس زبان کے چند لفظ لکھے ہوئے تھے اور پھر کامران ہی تمام کو کیفے میں لے گیا۔ وہ ایک بہت بڑا ہال تھا کیفے میں داخل ہوتے ہی تمام ششدر رہ گئے تھے کیونکہ ہال مختلف قسم کے لڑکوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ انھیں یوں لگا جیسے وہ کسی بارونق بازار میں پہنچ گئے ہوں۔

☆......☆......☆

پاشا کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے میں موجود چاروں آدمی تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

''پلیز تشریف رکھیں۔'' پاشا نرم صوفے میں دھنس گیا اور چاروں خاموشی سے بیٹھ گئے۔

''وکرم، تین دن بعد جمعہ ہے۔کیا تم نے مسجد کا انتخاب کرلیا ہے؟'' ان کے بیٹھتے ہی پاشا نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''مہاراج وربلی(Verbaly) طور پر تو کرلیا ہے البتہ حتمی طور پر آپ نے ہی Decide(تعین) کرنا ہے۔''

''کون سی مسجد منتخب کی ہے؟''

''صدر بازار میں جو جامع مسجد ہے۔''

''میرا خیال ہے......وہ تو کسی خاص مسلک کی مسجد نہیں ہے؟''

''جی مہاراج کسی خاص فرقے کی تو نہیں عام سنیوں کی ہے۔البتہ اس مسجد میں جمعہ کی نماز کے ٹائم رش دوسری مساجد کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔''

''وکرم میں تجھے اچھا خاصا عقلمند سمجھتا تھا۔''

''مم......مہاراج کوئی Mistake(غلطی) ہوگئی ہے کیا؟'' وکرم گڑبڑا گیا تھا۔

''وکرم ہمیشہ یاد رکھو کہ ایک تیر سے دو شکار کیا کرو۔دیکھو اس مسجد میں دھماکا ہونے کا نقصان وقتی ہوگا کہ جتنے زخمی یا ہلاک ہوں گے اسی وقت ہو جائیں گے،جبکہ ہم نے اس دھماکے سے دوررس نتائج حاصل کرنے ہیں۔شیعہ، سنی فساد شروع کرانا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب دھماکا اس مسجد کی بجائے عاشقانِ صحابہ گروپ کی کسی مسجد میں ہو؟''

''بب بالکل......مہاراج بجا ارشاد فرمایا آپ نے۔''

''تو یہ تجھے پہلے سوچنا چاہیے تھا؟''

''آئندہ دھیان رکھوں گا۔''

''بلونت!تم خادم حسین یعنی رام پرساد کی جگہ ترقی پا گئے ہو۔'' پاشا وکرم کے ساتھ بیٹھے گھنی مونچھوں اور لمبوترے چہرے والے آدمی سے مخاطب ہوا۔''تمھیں اپنے ٹاسک(Task) کا تو پتا ہوگا اب تک کیا کچھ کیا ہے اس سلسلے میں؟''

بلونت نے گلا کھنکھار کر کہا۔''مہاراج اورنگ زیب کلرک سے رابطہ کرنے سے تو آپ نے خود منع کر دیا تھا لے دے کے ایک مطلوب ہی وہاں رہ گیا ہے۔میں نے اس سے ملاقات کی تھی اس کا کہنا ہے کہ ہماری مطلوبہ فائل اورنگ زیب کی کسٹڈی میں ہی ہے اگر مطلوب کو درمیان میں رکھا تو وہ ٹھیک ٹھاک کمیشن لینے کی کوشش کرے گا جبکہ اس کے برعکس اورنگ زیب سے رابطہ کیا جائے تو ایک تو رقم کم خرچ ہوگی دوسرے خطرہ بھی اتنا زیادہ نہیں ہوگا۔''

''بات کو الجھا رہے ہو......اورنگ زیب سے رابطے پر خطرہ کس طرح کم ہو جائے گا،جبکہ ہمیں خطرہ ہی اسی سے ہے۔''

''مہاراج......چارج سنبھالتے ہی میں باقاعدگی سے اورنگ زیب کی نگرانی کروا رہا ہوں،اگر وہ خفیہ ایجنسیوں کی نظر میں آ گیا

ہوتا تو یا تو اس پر نظر رکھی جا رہی ہوتی یا پھر اسے گرفتار کر لیا جاتا جبکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ تیسری بات یہ بھی ممکن ہے کہ اورنگ زیب خود ہی ایجنسی کا بندہ ہو لیکن یہ بھی اس وجہ سے قابلِ قبول نہیں کہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ پہلی ہی ڈیل میں آنجہانی رام پرساد کو گرفتار کروا دیتا مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اب آخری بات یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے تو اورنگ زیب کا خفیہ ایجنسی سے کوئی تعلق نہ ہو اور آج کل اس نے ان کے لیے کام کرنا شروع کر دیا ہو تو یہ بھی اس وجہ سے صحیح نہیں کہ ایک دم بغیر کسی وجہ کے وہ ان کے لیے کام کیوں کرنے لگا؟ اگر ایجنسی نے اسے گرفتار کیا تھا اور جان کے خوف سے اس نے یہ حامی بھری ہے تو یہ بھی دو وجہ سے ناممکن ہے۔ پہلی وجہ کہ اورنگ زیب مطلوب کے بارے جانتا ہے اور اس سے اس بارے اگلوانا ایجنسی کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو جب ایجنسی کو ایک نئے بندے کے متعلق معلوم ہو گیا تو اسے زندہ رکھنے کا کیا مطلب؟ دوسرے اگر ایسا ہوا ہوتا تو اورنگ زیب اپنی غلط حرکات سے لازماً رک جاتا مگر پتا یہ چلا ہے کہ اس کے اندر اب تک ایسی کوئی تبدیلی نوٹ نہیں کی گئی...... اور اگر میرا یہ تجزیہ درست ہے تو پھر بغیر کسی واسطے کے ڈیل کرنے میں خطرہ اور خرچہ دونوں کم ہوتے ہیں۔"

"شاباش بلونت۔" مرزا تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "تمھارا تجزیہ کافی حد تک درست ہے لیکن اس میں ایک دو باتیں قابلِ توجہ ہیں۔ خفیہ ایجنسی کے آدمی رام پرساد کی نگرانی کرتے پائے گئے اور اسی دن جب اس نے اورنگ زیب سے ملاقات کی تھی۔ اس لیے ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور خفیہ ایجنسی کا طریقہ کار بھی کچھ عجیب سا ہے۔ وہ برسوں ایک بندے کی نگرانی کرتے رہتے ہیں اور جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ آپ کے بندوں کو کوئی بھی اس کی نگرانی کرتا نظر نہیں آیا تو بھائی وہ خفیہ ایجنسی کے بندے ہیں۔ ہر ایرا غیرا انھیں نہیں تاڑ سکتا اور سب سے بڑھ کر اگر واقعی اورنگ زیب کی نگرانی نہیں ہو رہی تب بھی میں اس سے ڈیل کرنے کا رسک نہیں لے سکتا۔ تم نہیں جانتے یہ سی آئی اور آئی ایس آئی کیا بلا ہیں یہ موذی جس کے پیچھے پڑ جائیں اسے پاتال کی گہرائیوں میں بھی نہیں چھوڑتے۔ باقی جہاں تک خرچ کا تعلق ہے اس کی فکر مت کرو۔ وہ ہم انھی سے نکالیں گے۔ کیوں مسٹر سدھیر؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" پاشا کا مخاطب تیسرا آدمی تھا۔

"نہیں مہاراج...... آپ بالکل صحیح ارشاد فرما رہے ہیں۔"

"تو پھر بلونت کو بتاؤ کہ خرچہ کیسے پورا ہو گا۔"

"دو تین اغوا برائے تاوان کی وارداتوں سے پورا ہو جائے گا مہاراج۔"

"ہا...... ہا...... ہا" پاشا نے قہقہہ لگاتے ہوئے زہر اگلا۔ "اسے کہتے ہیں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی کو بھی ٹھیس نہ پہنچے۔"

"چندرو، کچھ سمجھ میں آیا؟"

"جی مہاراج......" کافی دیر سے خاموش بیٹھا چندر پال مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

"بلونت تم مطلوب سے ہی سودا بازی کرو۔ کلارک ہوٹل پر اس سے ملاقات نہیں کرنی، اس کی بجائے کسی دوسرے مقام کا چناؤ کرو اور ٹائم بھی شام کا مقرر کرو۔ اس کے بعد جو وہ کہتا ہے اس سے مجھے آگاہ کر دینا۔"

"ٹھیک ہے مہاراج!" بلونت مؤہانہ لہجے میں بولا۔"میں کل ہی اس سے ملتا ہوں۔"

"چندر پال...... کوئی کھانے پینے کا بندوبست نہیں کیا؟"

"بھوجن تیار ہے مہاراج؟"

"تو چلو پھر باقی باتیں کھانے کی ٹیبل پر ہوں گی۔" اور وہ تمام ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

شام کا اخبار ہاکر ایک نئی خبر کے ساتھ تقسیم کرتے نظر آئے۔"اے پی ایم پارٹی سے تعلق رکھنے والے ایک انسپکٹر نے تین بے گناہ شہریوں کی سرِ عام پٹائی کی، ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ ان کا تعلق این او این سے تھا، انسپکٹر جس کا نام دلشاد امین بتا چلا ہے، اس سے پہلے بھی اسی قسم کی حرکتیں کر چکا ہے۔" خبر کافی طویل اور مرچ مصالحے سے لبریز تھی۔ گو سرکاری سطح پر اس کا کوئی نوٹس نہ لیا گیا مگر عوام میں اس خبر نے ہلچل مچادی تھی، این او این جیسی جوشیلی جماعت کے ہزاروں رکن اگلے دن اس تھانے کے باہر جمع تھے، جہاں انسپکٹر دلشاد امین نے ان تین ملزموں کو بند کر رکھا تھا، ہنگامی صورتِ حال کو مدِنظر رکھتے ہوئے انسپکٹر نے دوسرے تھانوں سے امدادی نفری بلالی تھی مگر سو ڈیڑھ سو پولیس والے ہزاروں کے اس ہجوم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، لے دے کے ان کے پاس فائر کرنے کی اضافی سہولت موجود تھی لیکن اتنے بڑے پیمانے پر گولی چلانے کی اجازت شاید وفاق بھی نہ دے پاتا۔ اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے سپرینٹنڈنٹ پولیس خود دلشاد امین کے پاس پہنچ گیا۔

"دلشاد۔ یہ سب کیا ہے؟" ایس پی نے فکرمندی سے جوش سے بھرے بیٹھے انسپکٹر سے پوچھا۔

"سر!...... میرے خلاف سازش تیار کی گئی ہے؟"

"سازش؟ میں سمجھا نہیں؟" جواباً دلشاد امین نے ایک روز پہلے ہونے والی ساری کہانی من وعن اسے سنادی۔

"عجیب بات ہے...... ویسے تمھارے خیال میں ایسا کون کر سکتا ہے۔"

"یہ میں ان سے اگلوا لوں گا؟"

"نہیں دلشاد!...... اب یہ ممکن نہیں رہا۔ تم نے جلوس کی تعداد دیکھی ہے۔ ان سب کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ ان تینوں آدمیوں کو رہا کیا جائے اور تمھارے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے؟"

"سر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟...... ان کی رہائی ناممکن ہے۔"

”دلشاد!...... ہوش سے کام لو۔“ ایس پی نرمی سے بولا کیونکہ وہ دلشاد کی ایمانداری، صداقت اور صاف گوئی سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دلشاد جیسے بندے ہی محکمہ پولیس کے لیے باعث افتخار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ مجبور بھی تھا۔ اسے جلدی میں کوئی صحیح فیصلہ کرنا تھا۔ دلشاد کی بھی ڈھارس بندھانی تھی اور ہجوم بھی منتشر کرنا تھا۔

”اب جذباتی ہونے سے کام نہیں چلے گا، ان بندوں نے کراچی میں ہی رہنا ہے۔ ان کے ایڈریس نوٹ کرلو بعد میں انھیں دکھا دیں گے کہ پولیس سے ٹکر لینے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔“

”سر!...... اس صرف میری ہی نہیں، پورے محکمے کی بے عزتی ہے؟“ دلشاد جذباتی ہو گیا۔

”کوئی بے عزتی نہیں ہے...... ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے، ابھی ہجوم میں اشتعال پھیلا ہوا ہے، اگر ہم نے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوشش کی تو بہت زیادہ جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ کسی مفاد کے حصول کے لیے عارضی پست قدمی کرنے کو شکست نہیں کہا جاتا۔ وہ کیا کہتے ہیں گہری کھائی عبور کرنے کے چند قدم پیچھے کی طرف لیے جاتے ہیں تاکہ کھائی کو آسانی سے عبور کیا جا سکے۔ اسے حکمت عملی کہتے ہیں اور فی الحال ان تینوں کی رہائی میں ہی ہمارا مفاد ہے۔“

”ٹھیک ہے سر جیسا آپ مناسب سمجھیں کریں۔“ دلشاد نے خلاف توقع رضامندی ظاہر کی۔

”مجھے آپ سے یہی امید تھی۔“ ایس پی نے اطمینان بھرا سانس لیا۔ ”ویسے ان کے ایڈریس تو نوٹ ہو چکے ہیں نا؟“

”جی سر۔“

”چلو، پھر انھیں ہجوم کے حوالے کریں تاکہ یہ شور شرابہ ختم ہو۔ اس کے علاوہ آپ بھی مہینے کی چھٹی لے لو تاکہ دوبارہ فریش ہو کر ڈیوٹی جوائن کرسکو۔“

”نہیں سر چھٹی تو میں نہیں لے سکتا۔“ دلشاد نے ایس پی کے ساتھ قدم بڑھائے۔

”او یار!...... پھر وہی ضد...... ایک تو خان کو اس کی مرضی کے خلاف کسی بات پر رضامند کرنا بھی دنیا کا مشکل ترین کام ہے؟“

”سر میرے چھٹی لے لینے کی صورت میں دشمن سمجھیں گے کہ میں جان کے خوف سے بھاگ گیا ہوں۔“

”تو ایک مہینہ انھیں اسی خوش فہمی میں مبتلا رکھو۔“

”مگر سر......“

”نو آرگومنٹ۔“ ایس پی نے اسے ٹوکا۔ اس وقت تک وہ حوالات کے سامنے پہنچ چکے تھے، دلشاد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر حوالات میں آڑے ترچھے پڑے قیدیوں پر نگاہ پڑتے ہی اس کے منہ سے بے معنی سے الفاظ نکل کر رہ گئے۔ ایس پی صاحب نے بھی کسی گڑبڑ کی بو سونگھ لی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ...... یہ کیا ہے؟" وہ ہکلا کر مستفسر ہوا۔ مگر دلشاد اسے کیا بتاتا، اس کا اپنا دماغ ماؤف سا ہو گیا تھا۔ قیدیوں کے لیٹنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں تھی اور یہ بات ایک بہت بڑے فساد کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

فاضل علی خان نے تھانے سے باہر نعرے لگاتے ہجوم کو پُر مسرت نظروں سے دیکھا اور پھر گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھے شیر خان سے مخاطب ہوا۔

"شیر خان! پتا کرو قیدیوں کا کیا ہوا؟"

"جی سیٹھ صاحب!" کہہ کر شیر خان موبائل پر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا اور رابطہ ہوتے ہی مستفسر ہوا۔ "شمشیر پارٹی کیسے ہیں؟"

"کیا؟" دوسرے جانب سے جانے کیا کہا گیا کہ اس کی حیرانی بھری آواز گونجی۔

"م...... مگر کیسے؟ ٹھہرو میں سیٹھ صاحب کو بتا دوں۔" کہتے ہوئے وہ فاضل علی سے مخاطب ہوا۔

"وسس...... سیٹھ صاحب مکرم خان کہہ رہا ہے کہ تینوں قیدی حوالات میں مر گئے ہیں۔"

"مگر کیسے؟" فاضل خان کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی، یوں جیسے وہ اس بات سے پہلے سے واقف ہو۔

"پتا نہیں؟...... یہ تو اس نے نہیں بتایا ہے؟"

"موبائل دو...... ہم خود معلوم کر لیتے ہیں۔" اور شیر خان نے جلدی سے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

"مکرم خان ہم بول رہے ہیں۔"

"سیٹھ صاحب آپ کی ہدایات کے مطابق تینوں کو زہر آلود مشروب پلا دیا تھا، تینوں ہلاک ہو چکے ہیں۔"

"ہوں۔" ایک گہرا سانس لے کر وہ مستفسر ہوا۔ "سنا ہے ایس پی خود دلشاد امین کے پاس پہنچا ہوا ہے۔"

"جی سیٹھ صاحب۔"

"کیا انھیں قیدیوں کی ہلاکت کا علم ہو چکا ہے؟"

"جی جناب۔"

"ان کا ردِ عمل کیا ہے؟"

"ایس پی صاحب تو بہت پریشان ہیں اور انھوں نے انسپکٹر صاحب کو اس غفلت پر سخت سُست کہتے ہوئے فوری طور پر اس قتل کا محرک ڈھونڈنے کا حکم دیا ہے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اچھا وقتاً فوقتاً صورتِ حال سے مطلع کرتے رہنا۔"

''جی سیٹھ صاحب۔'' مکرم خان ایک مرتبہ پھر مؤدبانہ لہجے میں بولا اور فاضل علی نے رابطہ منقطع کرتے ہوئے موبائل شیر خان کی طرف بڑھا دیا۔

تھانے کے سامنے موجود جلوس کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک جلوس کی کارروائی دیکھنے کے بعد فاضل علی اپنی جیب سے موبائل نکال کر کسی کا نمبر ملانے لگا۔

''السلام علیکم! فاضل صاحب کیسے ہو؟'' فون اٹینڈ کرنے والے کی بھاری آواز سنائی دی۔

''وعلیکم السلام...... گل زمان صاحب اپنی سنائیں کافی دنوں بلکہ ہفتوں سے غائب ہو۔''

''سیٹھ صاحب! کیا بتاؤں۔ آپ کو تو پتا ہے نا میری مصروفیات کا...... بہرحال حکم فرمائیں؟''

''حکم کیا فرمانا ہے گل زمان بھائی...... آپ کی یاد آئی اور ہم نے نمبر ڈائل کر دیا۔''

''بہت بہت مہربانی سیٹھ صاحب...... بس میں چند دنوں تک آپ کے پاس چکر لگاؤں گا پھر گپ شپ ہوگی۔''

''ضرور، ضرور کیوں نہیں۔'' فاضل علی نے اپنے لہجے میں خلوص سمویا ''ویسے گل زمان بھائی یہ انسپکٹر دلشاد امین کا کیا چکر ہے؟''

''انسپکٹر دلشاد امین؟'' گل زمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں...... ہاں دلشاد امین...... یہ آپ کی پارٹی کا بندہ نہیں ہے؟''

''واللہ اعلم...... ہو سکتا ہے بہرحال میں اس سے ناواقف ہوں۔''

''میرا خیال ہے آج کل حالاتِ حاضرہ سے بے خبر رہتے ہو؟''

''آپ کہہ سکتے ہیں...... ویسے بات کیا ہے؟''

''بات کا تو ہمیں بھی کوئی خاص علم نہیں ہے ابھی راستے میں ایک تھانے کے باہر این او این کا کافی بڑا ہجوم نظر آیا استفسار، پر پتا چلا کہ کسی انسپکٹر دلشاد امین کے خلاف ہے۔ جس کا تعلق اے پی ایم پارٹی سے ہے اس نے این او این پارٹی کے چند مجرموں کو حراست میں لیا ہے اور اس قانونی کارروائی کو این او این پارٹی نے اپنے اہلکاروں کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے تھانے کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ آپ کی پارٹی اور انسپکٹر غریب کی مذمت میں کافی نعرے بازی ہو رہی ہے۔ ہم نے تو تفصیل معلوم کرنے کے لیے آپ کو فون کیا تھا، مگر لگتا آپ خود اس سے لاعلم ہیں۔''

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔'' گل زمان نے اس کی تائید کی۔ ''میں ابھی پتا کراتا ہوں۔ یہ این او این والے یوں بھی ڈنڈے کی زبان سمجھتے ہیں۔''

''چلو، آپ معلوم کرائیں کیا معاملہ ہے...... اور اگر ہو سکے تو بعد میں ہمیں بھی صورتِ حال سے آگاہ کر دیجئے گا کہ ہماری

ہمدردیاں بھی تو اے پی ایم کے ساتھ ہیں۔"

"عزت افزائی کا شکریہ سیٹھ صاحب۔" گل زمان تشکر سے بولا اور فاضل خان نے "خدا حافظ" کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

"شیرو!" موبائل جیب میں رکھتے ہوئے وہ شیر خان سے مخاطب ہوا۔

"جی سیٹھ صاحب؟"

"تم یہیں پہ اتر جاؤ تازہ ترین صورت حال سے ہمیں آگاہ رکھنا اور اگر اے پی ایم پارٹی کا کوئی جلوس ادھر آ نکلے تو، پتا ہے نا!..... کیا کرنا ہے؟"

"جی!..... سیٹھ صاحب۔"

"او کے پھر اتر جاؤ۔"

شیر خان کے گاڑی سے نکلتے ہی فاضل علی نے ڈرائیور کو گھر کی طرف جانے کا حکم دیا اور سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں، اس کے چہرے پر سکون و طمانیت کے آثار واضح محسوس کیے جا سکتے تھے اس کا منصوبہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک لمحے کے لیے ہال میں خاموشی چھا گئی مگر یہ صرف ایک لمحے کے لیے ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ گہما گہمی، ہلچل اور شور و غل دوبارہ شروع ہو گیا۔ وہ تمام بھی چند منٹ بعد اس ماحول میں ضم ہو گئے۔

"یار یہ تو کسی ترقی یافتہ یونیورسٹی کی کینٹین نظر آ رہی ہے؟" اسماعیل شاہ اپنے ساتھ کھڑے عبداللہ سے مخاطب ہوا۔

عبداللہ نے کہا۔ "یونیورسٹی ہی تو ہے؟"

"پھر بھی یار کسی شہر سے قریب تو نہیں ہے نا۔"

"کیا پتا؟ ہم نے کون سا باہر گھوم پھر کر دیکھا ہے۔"

"آتے وقت کوئی قابل ذکر آبادی دکھائی تو نہیں دی تھی؟"

"آپ نے نہیں دیکھی ہو گی۔ ہم نے تو دیکھی تھی۔" عبداللہ نے منہ بنایا ان کی اسی گپ شپ میں بریک کا گھنٹا پورا ہو گیا اور وہ کیفے سے باہر نکل آئے۔

گراؤنڈ میں نئے انسٹرکٹر ٹریک سوٹوں میں ملبوس ان کے منتظر تھے۔ وہ تعداد میں تین تھے مگر اس مرتبہ انھیں گروپوں میں تقسیم نہیں کیا گیا اور اکٹھا کر کے ایک انسٹرکٹر نے ان سے بات چیت شروع کر دی، وہ غالباً باقی دونوں سے سینئر تھا یا پھر گفتگو سلیقے سے کرنا جانتا تھا کہ اصولی طور پر اسی قسم کے بندوں کو نمائندگی کا حق دیا جاتا ہے۔ اس کے لہجے میں نرمی کے ساتھ ایک عجیب قسم کی سختی جھلک

رہی تھی جسے کوئی حساس آدمی ہی محسوس کر سکتا تھا۔

’’آج آپ لوگوں کی سکھلائی کا پہلا دن ہے، تو سب سے پہلی بات جو میں آپ کو بتانا چاہوں گا وہ آپ لوگوں کے لباس سے متعلق ہے کہ اس لباس میں ٹریننگ کرتے ہوئے آپ لوگوں کو کافی مشکلات پیش آئیں گی اس لیے بہتر یہی ہے کہ کل سے اس پیریڈ کے دوران آپ تمام ٹریک سوٹ پہننے کی کوشش کریں اور اگر کوئی شلوار سوٹ یا پینٹ شرٹ میں ہی ٹریننگ کرنے پر بضد ہو تو ہماری طرف سے چھوٹ ہے۔اب سبق کی طرف آتے ہیں......خالی ہاتھ لڑنے کا فن بہت قدیم ہے اتنا قدیم جتنا کہ تاریخ انسانی، البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں جدت، تبدیلی اور بہتری آتی گئی۔ پہلے بغیر ہتھیار کی لڑائی میں طاقت کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا تھا، لیکن آج اس کے برعکس مختلف قسم کے داؤ پیچ کی اہمیت ہے اور ان داؤ پیچوں کے نام پر کئی قسم کے فنون ایجاد ہو گئے ہیں، جیسے جوڈو کراٹے، ججستو، باکسنگ، ریسلنگ، مارشل آرٹ، کنگ فو، تائی کمانڈو اور جانے کیا کیا۔ان سب علوم میں مکمل مہارت حاصل کرنے کے لیے عمر نوح درکار ہے۔اگر صرف کراٹے ہی کو لے لیں تو اس میں بلیک بیلٹ حاصل کرنے کے لیے 8 سے 10 سال لگ جاتے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ فن مکمل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بعد بھی اس کے درجات 1 ڈان سے لے کر 10 ڈان تک جاتے ہیں۔آپ نے کراٹے کے مشہور کھلاڑی بروس لی کا نام تو سنا ہو گا وہ 9 ڈان تھا۔‘‘ وہ ایک لمحہ سانس لینے کے لیے رکا اور پھر اس کی بات جاری رہی......

’’ہمارے پاس آپ لوگوں کو سکھانے کے لیے 15 ماہ کا مختصر وقت ہے اور یہ مختصر وقت کسی بھی علم میں مکمل مہارت کے لیے بالکل ناکافی ہے، لیکن اس ناکافی وقت کو ہم زیادہ محنت شوق اور سیکھنے کی لگن سے کارآمد کر سکتے ہیں۔ہم آپ کو ان تمام فنون سے متعارف کرانے کی کوشش کریں گے۔ مختصراً یوں سمجھ لیں کہ ہم جو کچھ سکھلائیں گے وہ ان تمام فنون کا مجموعہ ہو گا۔آپ لوگوں کو ان علوم و فنون میں استعمال ہونے والی اصطلاحات سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ نے فقط یہ سیکھنا ہے کہ ہتھیار کی غیر موجودگی میں مخالف کو کس طرح ناکارہ کر سکتے ہیں، کیسے مخالف کی جسمانی طاقت کو اس کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں اور اگر کسی ماہر لڑاکے سے ٹکراؤ ہو جائے تو کیسے اپنی جان بچا کر فرار ہو سکتے ہیں!سمجھ آ رہی ہے میری بات؟‘‘

’’جی جناب۔‘‘ تمام با آواز بلند بولے۔

’’اوکے...... باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے 20 منٹ وارم اپ کے ہوں گے کیونکہ جب تک آپ کا جسم مناسب گرم نہ ہو جائے کسی بھی قسم کی جسمانی ایکٹیوٹی سے رگ پٹھوں میں ورم آ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔آج تو میرا خیال ہے چند لڑکے ہی سپورٹس شوز میں ہیں کل سے تمام نے سپورٹس شوز لازماً پہننے ہیں فی الحال جو عام چپلوں میں ہیں وہ اپنے جوتے اتار دیں اور ننگے پاؤں ہو جائیں تاکہ آپ لوگوں کو بھاگ دوڑ میں کوئی دقت نہ ہو؟‘‘

ان تمام لڑکوں نے اپنے جوتے اتار دیے جو سپورٹس شوز کے علاوہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔20 منٹ تک ہلکی پھلکی بھاگ دوڑ

اور اچھل کود کرانے کے بعد انھیں ایک مرتبہ پھر اکٹھا کر کے لڑائی بھڑائی کے فن کی ابتدائی باتیں بتائی جانے لگیں اور وہ تمام بھی دلچسپی سے یہ سب سیکھنے سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

☆......☆......☆

"یس عاطف بول رہا ہوں۔" اس نے بے صبری سے اورنگ زیب کلرک کی کال اٹینڈ کی تھی۔

"عاطف بھائی!......میں اورنگ زیب کلرک بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے پہچان لیا ہے دوست!......حکم کرو؟۔"

"عاطف بھائی!......مطلوب نے آج پھر اسی فائل کا مطالبہ کیا ہے، میں نے رضا مندی ظاہر کر دی ہے۔مگر اس کے باوجود وہ مطلوبہ آدمی کا نام بتانے پہ راضی نہیں ہوا۔"

"کوئی بات نہیں......تم مطلوب کا موبائل نمبر اور گھر کا ایڈریس مجھے لکھوا دو۔باقی ہمارا کام ہے البتہ فائل اس کے حوالے کرتے وقت مجھے اطلاع ضرور دینی ہے۔"

"ٹھیک ہے عاطف بھائی۔" کہہ کر اس نے مطلوب کا ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کرا کے پوچھا۔"اور کچھ؟"

"نہیں!بس اپنا خیال رکھنا......اور کسی بھی قسم کا خطرہ محسوس کرنے پر مجھے فوراً اطلاع دینی ہے۔"

"تھینک یو عاطف بھائی۔" اورنگ زیب ممنونیت سے بولا۔

"نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں اب تم بھی ہم میں سے ہو اور اپنوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے عاطف بھائی کل فائل اس کے حوالے کر دوں گا اگر اس دوران کوئی نئی بات ہوئی تو ضرور آپ کو مطلع کروں گا؟"

"او کے،اللہ حافظ۔" کہہ کر عاطف رابطہ منقطع کر کے دوسرا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"یس سر؟" رابطہ ہوتے ہی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

"عرفان!یہ موبائل نمبر......اور ایڈریس نوٹ کرو......اور ابھی سے اس نمبر کی تمام کالیں ٹریس کرنی شروع کر دو۔"

"یس سر۔" کہہ کر عرفان نے موبائل نمبر اور ایڈریس نوٹ کر لیا۔اس سے رابطہ منقطع کر کے عاطف نے ایک اور نمبر ملایا اور "یس سر" کے جواب میں بولا۔

"حمید اس ایڈریس پر چلے جاؤ،مطلوب نام کا کلرک ہے اس کی نگرانی مکمل احتیاط سے کرنی ہے۔اپنے ساتھ ظفر کو بھی لے جانا، کسی بھی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے بہت حساس معاملہ ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں سر۔" اسے حمید کا بااعتماد لہجہ سنائی دیا۔

”اوکے۔“ کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کیا اور دفتر سے باہر نکل آیا اس کا ارادہ صدیقی صاحب کو یہ سب کچھ بتلانے کا تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ صدیقی صاحب کے آفس میں بیٹھا یہ ساری تفصیل اس کے گوش گذار کر چکا تھا۔

”عاطف! حمید بہت قابل ایجنٹ ہے مگر تمھیں بذات خود بھی مطلوب پر نظر رکھنی پڑے گی کیونکہ یہ بہت اہم کلیو(Clue) ہے۔ اگر یہ چانس ضائع ہو گیا تو شاید دوبارہ ہمیں ایسا موقع نہ ملے۔“

”ٹھیک ہے سر! اور کچھ؟“

”نہیں......بس تازہ صورت حال سے مجھے آگاہ رکھنا شاید چویشن کے لحاظ سے میں آپ کو کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ کہہ کر عاطف، صدیقی صاحب کو سلام کہتا ہوا اس کے آفس سے باہر آ گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ ایک بھکاری کے روپ میں مطلوب کے گھر کا رخ کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

بلونت کی بات ختم ہوتے ہی پاشا تحسین آمیز لہجے میں بولا ”گڈ......اس کا مطلب ہے پرسوں تک وہ قاتل مل جائے گی؟“

”جی مہاراج۔“

”ویسے مطلوب کو یہ تاکید تو کر دی تھی نا کہ اور نگ زیب کے سامنے تیرا یا کسی کا بھی تذکرہ نہ کرے۔“

”جی مہاراج میں نے خصوصی طور پر یہ تاکید کی تھی اور اگر میں نہ کہتا تب بھی مطلوب ایسا آدمی ہے کہ کسی تیسرے کو ایسی باتوں کی بھنک نہیں پڑنے دیتا۔“

”ہونہہ۔“ کہہ کر مرزا نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر اس کے کچھ کہنے سے پہلے اس کا موبائل بول اٹھا۔

”جی!“ اس نے کال اٹینڈ کی۔

”سر آپ کہاں ہیں؟“ اسے وکرم کی آواز میں گہری پریشانی جھلکتی نظر آئی۔

”کیوں؟ خیر تو ہے؟“

”آپ کے پاس آ کر بتاؤں گا۔“ وکرم فون پر نہیں بتلانا چاہ رہا تھا۔

”اوکے۔میں قمرالدین کے مکان میں ہوں یہیں آ جاؤ۔“ اس نے چندر پال کا کوڈ نام لیا۔

”ٹھیک ہے سر“ کہہ کر وکرم نے رابطہ منقطع کر لیا۔

وہ موبائل کو سامنے بڑی ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا ”وکرم تھا......کافی پریشان لگ رہا تھا۔“

”وہ پریشان ہونے والا بندہ تو نہیں ہے۔“ بلونت نے تشویش ظاہر کی۔

''آج اس نے مسجد میں دھما کا بھی کرانا تھا شاید اسی ضمن میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو؟'' چندر پال نے خیال ظاہر کیا۔

''میرا بھی یہی گمان ہے۔'' پاشا نے اس کی تائید کی، وہ تینوں وکرم کے آنے تک اسی کے بارے محوِ گفتگو رہے۔ وکرم آدھ پون گھنٹے کے بعد ان کے پاس پہنچ گیا اور آتے ہی پاشا کو نمسکار کر کے بغیر کسی تمہید کے بولا۔

''مہاراج! جو بندے عاشقانِ صحابہ گروپ کی مسجد میں بم رکھنے کے لیے بھیجے تھے وہ پکڑے گئے ہیں۔''

''مگر کیسے؟'' مرزا کا لہجہ حیرانی و پریشانی کے ملے جلے تاثرات لیے ہوئے تھا۔

''مہاراج میرا منصوبہ تھا کہ جمعہ کی اذان سے کچھ دیر پہلے ہی کسی مناسب جگہ پر ریموٹ کنٹرول بم رکھوا دیا جائے کیونکہ بعد میں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے یہ کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے مسجد کے خدمت گار پر نظر رکھی کہ جیسے ہی وہ مسجد کو جمعہ کی نماز کے لیے تیار کرے ایک بندہ اسے کسی بہانے سے مسجد سے بلا کر سائیڈ پر لے جائے اور دوسرا بندہ مسجد میں بم رکھ دے۔ میرے بندوں نے ایسے ہی کیا اور ایک آدمی مؤذن کو دھوکے سے مسجد سے سائیڈ پر لے گیا، یوں بھی ہم نے مسجد کے تالے کی پہلے سے تیار کی ہوئی ڈپلی کیٹ چابی اس کے حوالے کر دی تھی وہ اپنے مقصد میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا مگر حیرانی کی بات ہے کہ جیسے ہی وہ مسجد کا تالا کھول کر اندر گھسا دو آدمی موٹر سائیکل پر سوار آندھی و طوفان کی طرح گلی میں نمودار ہوئے اور مسجد میں گھس کر اسے گرفتار کرتے ہوئے چلتے بنے۔ جبکہ دوسرے بندے کو انھوں مؤذن کے ساتھ خطیب مسجد کے گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں گرفتار کر لیا تھا۔''

''تجھے یہ سب تفصیل کہاں سے معلوم ہوئی؟''

''میں دور دور سے ان کی نگرانی کر رہا تھا۔''

''بم ریموٹ کنٹرول تھا؟''

''جی مہاراج۔''

''تُو نے بلاسٹ کیوں نہیں کیا؟ جبکہ تُو دیکھ چکا تھا کہ تمھارا بندہ گرفتار ہو چکا ہے۔''

''مہاراج!...... پہلے تو مجھے سمجھ ہی نہ آئی اور جس وقت وہ ہمارے بندے کو کھینچ کر مسجد سے باہر لائے اس وقت میں نے بلاسٹ کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک وہ بم کو ناکارہ کر چکے تھے۔''

''دونوں پکے ممبر تھے؟''

''نہیں مہاراج عارضی تھے۔ دونوں بیروزگار تھے اور اس سے پہلے بھی ایک دفعہ ہمارے لیے کام کر چکے تھے۔''

''تنظیم کے کتنے افراد سے واقف تھے؟''

''صرف مہاویر کو جانتے تھے کیونکہ دونوں مرتبہ ان کو ہائر کرنے والا وہی تھا۔''

''مہاویر یہاں اکیلا ہے یا فیملی کے ساتھ ہے؟''

''اکیلا ہے مہاراج۔''

''اسے اگلے پانچ منٹ میں کراچی سے روانہ ہونے کا حکم دو کہ بغیر کسی تاخیر کے حیدرآباد کے راستے واپس پہنچے۔''

''جی مہاراج'' کہہ کر اس نے موبائل نکالا اور مطلوبہ آدمی کا نمبر ڈائل کر کے بولا۔''تمھارے لیے آرڈر ہے کہ بغیر کسی تاخیر کے پرانے روٹ سے وہیں لوٹ جاؤ جہاں سے دو سال پہلے آئے تھے۔''

اور پھر دوسری طرف کی بات سن کر بولا۔''ہاں یہ مہاراج پاشا کا ہی حکم ہے۔''

کال ختم ہوتے ہی بلونت بولا۔''مہاراج ہو سکتا ہے وکرم پر بھی ان کی نظر ہو کہ یہ بھی اپنے آدمیوں کی نگرانی کے لیے وہیں پہ موجود تھا۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ اس کو بھی گرفتار کر لیتے۔'' پاشا نے بلونت کی رائے سے اتفاق نہیں کیا تھا۔

''سر!......ایک تو میں محتاط تھا اور دوسرا وہ دونوں بھی مجھے نہیں جانتے تھے۔'' وکرم نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''یہاں کا رخ کرتے وقت تعاقب کا خیال رکھا تھا۔'' بلونت اس کی صفائی سے مطمئن نہیں ہوا۔

''یہ تو میرا معمول ہے سر۔''

''مہاراج ان کی نگرانی کے اندیشے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' بلونت پاشا سے مخاطب تھا۔

''تو پھر؟'' پاشا مستفسر ہوا۔

''تو پھر ہمیں فی الفور یہاں سے غائب ہو جانا چاہیے۔''

''بلونت!......تیری تشویش بجا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھے وکرم پر بہت زیادہ اعتماد ہے۔ اگر اس سے تھوڑی سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو یہ لازماً بتا دیتا۔ اس کے علاوہ اگر تم غور کرو تو آسانی سے سمجھ لو گے کہ ان دونوں جوانوں کے گرفتار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس مسجد کی سختی سے نگرانی ہو رہی تھی اس لیے جو بھی مشکوک شخص مسجد یا مسجد سے متعلق کسی بھی شخص کے قریب جاتا اس نے پکڑا جانا تھا۔ جبکہ وکرم سے اس قسم کی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی اس لیے یہ لامحالہ محفوظ ہے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج۔'' بلونت مطمئن ہو گیا۔''مجھے بھی وکرم پر بھروسہ ہے میں تو بس احتیاط کے طور پر یہ مشورہ دے رہا تھا۔''

''وکرم اب تم جاؤ اور چند دن کے لیے تمام کارروائیاں موخر کر دو۔''

''ٹھیک ہے مہاراج۔'' کہہ کر وکرم کھڑا ہوا اور پاشا کو نمسکار کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی پاشا بلونت سے مخاطب ہوا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''بلونت تُو نے بھی ہوشیار رہنا ہے۔ بہتر تو یہی تھا کہ تم مطلوب سے براہِ راست ملنے کی بجائے کسی دوسرے آدمی کو اس کے پاس بھیجتے اور خود اس کی نگرانی کرتے لیکن اب چونکہ تم براہِ راست اس سے مل چکے ہو اس لیے دوبارہ بھی خود ہی جانا۔''

''مہاراج اس کے بارے آپ سے مشورہ کیا تو تھا؟''

''ہاں اس وقت میرا دھیان نہیں گیا۔ خیر کوئی بات نہیں جہاں تک میرا اندازہ ہے تو مطلوب فی الحال ایجنسی کی نظر میں نہیں آیا۔''

''بہر حال اب تم جاؤ اور اس دوران جب تک کہ مطلوب سے تیری ملاقات نہیں ہو جاتی اس کی نگرانی کراتے رہنا۔'' اور پاشا کی یہ بات میٹنگ کے ختم ہونے کا اعلان تھا۔

☆......☆......☆

''دلشادا!...... بہت برا ہوا، بہت زیادہ۔ اتنی غفلت نہیں برتنا چاہیے تھی، جب شک تھا کہ تیرے خلاف سازش ہو رہی ہے تو تجھے بہت زیادہ محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔ اب یہ کوئی بات ہے کہ حوالات کے سامنے کوئی سنتری ہی مقرر نہیں کیا گیا۔ اتنی لاپروائی؟''

انسپکٹر دلشاد امین کے کیریئر کا پہلا موقع تھا کہ اسے اتنی سخت باتیں سننی پڑ رہی تھیں۔

''سر اصل میں جلوس کی وجہ سے......''

''نہیں نہیں دلشاد امین۔'' ایس پی صاحب قطع کلامی کی۔ ''یہ کوئی جواز نہیں ہے حوالات کو خالی چھوڑنے کا اور وہ بھی ایسے حالات میں...... اب بتاؤ میں کیا کروں؟ تمھاری معطلی سے بھی یہ ہنگامہ سرد ہونے والا نہیں لگتا۔''

''سر میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔''

''یہی تو رونا ہے کہ تمھاری سزا اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ البتہ قیدیوں کو زہریلا مشروب پلانے والا بندہ مل جائے تو شاید سازش کرنے والے عناصر تک ہم پہنچ جائیں؟''

''اس بارے میں کوشش کرتا ہوں مگر اتنی زیادہ نفری میں یہ کافی دشوار ہوگا؟'' دلشاد امین فکر مندی سے بولا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ ایس پی صاحب اس کے جواب میں کوئی بات کرتا ایک حوالدار اجازت طلب کر کے آفس میں داخل ہوا۔

''ہاں خورشید کیا بات ہے؟'' انسپکٹر دلشاد نے پوچھا۔

''سر این اوین کے جلوس کے مقابل اے پی ایم کا ایک چھوٹا سا جلوس بن گیا ہے جو آپ کے نام کے نعرے لگا رہے ہیں اور دکھائی یہ دے رہا ہے کہ تھوڑی دیر تک شاید جوانب کے شرکائے جلوس الجھ پڑیں۔''

''اوہ......'' ایس پی صاحب پریشانی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔ ''مجھے پہلے سے شک تھا کہ اس سازش کا ٹارگٹ ایک عام قسم کا انسپکٹر نہیں ہو سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ انسپکٹر دلشاد سے مخاطب ہوا۔

”دلشاد کسی بھی طریقے سے ان جلوسوں کو منتشر کرنا پڑے گا۔“

”ہمارے پاس نفری کم ہے سر......اس نفری کے ساتھ دو جلوسوں کو منتشر کرنا بہت مشکل کام ہے۔“

”مزید نفری منگوالو جلدی کرو یہ نہ ہو کہ......“ مگر فائر کی آواز سن کر ایس پی اپنی بات پوری نہ کر سکا۔

”چیک کرو پولیس والے تو یہ فائر نہیں کر رہے؟“ وہ گھبرا کر بولا اور حوالدار خورشید ”جی سر“ کہتے ہوئے بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔اسی اثنا میں مزید دو تین فائر ہوئے اور ایس پی کے تجربہ کار کانوں کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ وہ ہوائی فائر نہیں تھے۔

☆......☆......☆

”یس۔“ عاطف نے کان کھجانے کے بہانے وائرلیس ہینڈ فری کان میں لگا کر کال اٹینڈ کی۔وہ اس وقت بھکاری کے بھیس میں مطلوب کلرک کے گھر سے مناسب فاصلے پر موجود تھا اس کا موبائل Silent موڈ پر سیٹ تھا اس لیے اسے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا کہ اس کے پاس موجود موبائل سے کوئی واقف ہو پاتا۔

”سر عمران بات کر رہا ہوں۔“

”ہاں بولو۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

”سر ہم نے دو بندے عاشقانِ صحابہ گروپ کی مسجد میں بم رکھتے ہوئے گرفتار کیے ہیں اور وہ دونوں اس وقت گیسٹ ہاؤس میں موجود ہیں۔“

”ویری گڈ۔“ وہ بمشکل بے ساختہ امڈ پڑنے والی خوشی کے تاثرات کو چھپا سکا تھا۔”تم ان کا خیال رکھو میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے سر!......آپ کے آنے تک ہم انھیں خوش آمدید کہتے ہیں تاکہ وہ پریشان نہ ہو جائیں۔“

اور اس نے ”او کے“ کہہ کر رابطہ منقطع کر لیا۔بات کرنے کے دوران بھی اس نے گردوپیش پر گہری نگاہ رکھی ہوئی تھی رابطہ ختم کرنے کے بعد چند لمحے مزید ماحول کا جائزہ لے کر وہ وہاں سے کھسک گیا۔مطلوب کی نگرانی کے لیے اس نے یوں بھی دوسرے بندے متعین کیے ہوئے تھے۔اس کے وہاں سے چلے جانے پر کوئی خاص فرق نہ پڑتا۔اپنے حلیے کے بموجب وہ ٹہلتا ہوا وہاں سے نکلا اس کا رخ اپنے قریبی سنٹر کی طرف تھا جہاں وہ اپنا موجود حلیہ تبدیل کر کے اس جگہ تک جا سکتا تھا جس کا کوڈ نام عمران نے گیسٹ ہاؤس بتلایا تھا۔اس قریبی مرکز میں اپنا حلیہ ٹھیک کر کے اس نے موٹر سائیکل پکڑی اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ گیسٹ ہاؤس کے سامنے تھا۔گیسٹ ہاؤس کی ظاہری ساخت بالکل عام عمارت کی سی تھی لیکن اندر سے وہ ایک جدید قسم کا قید خانہ اور انویسٹی گیشن سنٹر تھا۔اس میں زیادہ تر کمرے ساؤنڈ پروف تھے جس کی وجہ سے دوران تفتیش مجرموں کی چیخ وپکار کسی کو بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔گیسٹ ہاؤس کے چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی

گیٹ کھول دیا، عام سادے لباس میں بیوقوف سا نظر آنے والا چوکیدار ایک مجھا ہوا ایجنٹ تھا۔ موٹر سائیکل پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ اندرون عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ مجرم کدھر رکھے گئے ہوں گے۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا جب وہ مطلوبہ کمرے کے نزدیک پہنچا، عمران اسے کمرے سے باہر آتا دکھائی دیا۔

"اسلام علیکم سر!" اسے دیکھتے ہی عمران نے سلام کہتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"وعلیکم السلام!......سناؤ بھی کیا رہا؟"

"سر دونوں نے بڑی آسانی سے منہ کھول دیا ہے، کسی ضمیر حیدر نامی شخص نے انھیں 1 لاکھ روپے دے کر اس کام پر آمادہ کیا ہے، اس سے پہلے بھی یہی ضمیر نامی شخص ان سے اسی طرح کا کام لے چکا ہے۔"

"اس کی رہائش گاہ سے یہ واقف ہیں؟"

"نہیں سر......اس بارے یہ لاعلم ہیں۔ دونوں مرتبہ ضمیر ان کی رہائش گاہ پر پہنچا تھا۔"

"چلو ان کی زیارت تو کر لیں۔" عاطف دروازے کی طرف بڑھا۔ عمران بھی سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔

وہ ایک بڑا درمیانی ساخت کا کمرہ تھا جس میں ایذا رسانی کے مختلف اوزار لٹکے نظر آ رہے تھے۔ کمرے کے وسط میں پیوست لوہے کی کرسیوں پر دو جوان جکڑے ہوئے تھے جبکہ دو ہی آدمی عاطف کو ان جکڑے ہوئے جوانوں کی مرمت کرتے نظر آئے دونوں کی چیخ دپکار سے کمرہ گونج رہا تھا۔ ساؤنڈ پروف ہونے کی وجہ سے ہلکی سی آواز بھی کمرے سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ عاطف کو دیکھتے ہی تفتیش کرنے والوں نے ہاتھ روک لیے۔

"ہاں بھئی کیا حال ہے؟" عاطف کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

ان میں سے ایک روتے ہوئے بولا۔ "سر جی!......اللہ دی قسم، نبی سوہنے دی قسم، قرآن دی قسم ہمیں جو کچھ معلوم تھا ہم نے بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا ہے؟" اور عاطف کے استفسار پر وہ جوان وہی تفصیل دہرانے لگا جو اسے عمران کی زبان سننے کو ملی تھی۔

"یہ تفصیل میں پہلے ہی سن چکا ہوں۔" عاطف اسے ٹوکا۔ "مجھے صرف ضمیر حیدر کا پتا چاہیے، وہ مجھے کہاں مل سکتا ہے؟"

"اس کے پتے سے تو ہم واقف نہیں ہیں۔" جوان لرزتے ہوئے بولا۔ "دونوں مرتبہ وہ ہمارے گھر آ کر ہی ملا تھا۔"

"کام ہونے کے بعد تم نے رقم کس طرح وصول کرنی تھی؟"

"رقم ہمیں کام شروع ہونے سے پہلے ہی مل جاتی تھی۔"

"آرٹسٹ کو بلا کر ضمیر علی کا اسکیچ بنوا لو۔" عاطف عمران سے مخاطب ہوا......اور عمران سر ہلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تمھاری سزا میں تخفیف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم ضمیر حیدر کو پکڑوا دو، اس لیے ایک تو اس کے بارے جتنی معلومات تمھیں

معلوم ہیں ہمیں بتلا دو، دوسرے ہمارا آرٹسٹ آنے والا ہے اس کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ضمیر کی تصویر بنوالو شاید اس طرح وہ پکڑا جائے۔"

"ہم ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہیں سر، خدا کے لیے ہمارے حال پر رحم کرو۔ ہم سے غلطی ہوگئی ہے ہمارے باپ دادے کی توبہ جو آئندہ ایسی حرکت کی......"

عاطف نے کہا۔"آئندہ موقع ملے گا تو کرو گے نا؟......فی الحال تم سے جو کہا گیا ہے وہ کرو۔ معافی شافی مانگنے کا بہت ٹائم پڑا ہے۔"

وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا۔"میں آفس میں جا رہا ہوں۔ تصویر بن جائے تو وہیں میرے پاس بھیج دینا۔" یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

اسماعیل شاہ کی تربیت کا پہلا ہفتہ مکمل ہوگیا تھا۔ دوسرے ہفتے کے آغاز میں تمام اپنی کلاس میں بیٹھے پروفیسر اے کے کا انتظار کررہے تھے۔ وہ ٹھیک 7 بجے نمودار ہوا، اس کے احترام میں تمام کرسیوں سے کھڑے ہوگئے۔

"پلیز تشریف رکھیں......کیسی گزری آپ کی پہلی چھٹی؟"

"بہت اچھی سر۔" تمام نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"گڈ......لیکن میرا خیال ہے کامران سے اچھی چھٹی کسی کی بھی نہیں گزری ہوگی۔ کیوں کامران! ٹھیک کہا نا؟"

اے کے کی بات سن کر کامران کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور وہ گڑبڑاتا ہوا بولا۔"ج......جج......جی......سر!"

"ارے آپ تو گھبرا گئے، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے سکون اور آرام کے بارے سوچے۔" مگر اے کے کی طرف سے تسلی کے الفاظ سننے کے باوجود کامران کی پیشانی عرق آلود ہوگئی، تمام لڑکے حیرانی سے اس کے جانب متوجہ ہوگئے مگر کامران کا پریشان چہرہ ان کی حیرانی دور نہیں کرسکتا تھا۔

"بھائی آپ تمام تو عجیب شش و پنج میں پڑ گئے ہو؟" اے کے ہنستے ہوئے بولا۔"چلو میں تمھاری حیرانی دور کیے دیتا ہوں، بات صرف اتنی ہے کہ مسٹر کامران نے اس یونیورسٹی کی ایک طالبہ مس رچنا سے تعلقات بڑھائے اور پچھلی رات اس نے تمام شب اس کے کمرے میں گزاری تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اس پر اتنی پشیمانی کا اظہار کیا جائے، یہ تو ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور اس حق کو ہر مذہب تسلیم کرتا ہے۔"

"سر آپ کی یہ بات تو خیر غلط ہے کہ عورت اور مرد کے اس آزادانہ اختلاط کو ہر مذہب تسلیم کرتا ہے؟" عبداللہ نے بڑے زور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

دشور سے اے کے کی تردید کی۔

اس نے پوچھا۔ ''کیا اسلام عورت اور مرد کے تعلقات کے خلاف ہے؟''

''بالکل۔'' عبداللہ جوش سے بولا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی...... اسلام تو اس کا سب سے بڑا حامی ہے اور ایک چھوڑ چار عورتوں سے بیک وقت تعلقات رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔''

''مگر وہ تو شادی ہوئی نا؟''

''آپ اسے جو نام بھی دیں۔ بات تو عورت اور مرد کے تعلق کی ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کی ضرورت ہیں بالکل اس طرح جیسے انسان کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جنسِ مخالف کی بھی حاجت ہوتی ہے۔''

''مگر شادی تو ایک ایسا رشتا ہے کہ عورت اور مرد باہم رضامندی سے ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں، ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے اپناتے ہیں جبکہ عام تعلقات تو عارضی ہوتے ہیں۔'' عبداللہ نے اپنے نظریات کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''تو کیا رات کامران اور رچنا بغیر رضامندی کے اکٹھے رہے ہیں؟'' اے کے نے ہنستے ہوئے اس کی دلیل کا رد کیا۔ ''بھئی یہ تعلقات بھی باہم رضامندی کی بنا پر قائم ہوتے ہیں اور جہاں تک تعلق ہے ہمیشہ کا وہ دونوں صورتوں میں قائم بھی ہو سکتا ہے اور ٹوٹ بھی سکتا ہے، خود آپ کی نظر میں کئی ایسے شادی شدہ جوڑے ہوں گے جن کے مابین سہاگ رات کو ہی طلاق واقع ہو گئی ہو گی۔ اسے آپ کیا کہیں گے؟''

''وہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔''

''غلط...... وہ کوئی دوسرا تیسرا مسئلہ نہیں یہ سب مذہب کے ٹھیکیداروں نے مذہب کی غلط تفسیر لوگوں کے سامنے پیش کی ہوئی ہے۔ جیسے عیسائی مذہب کے پادریوں نے بھی قانونِ فطرت کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تھی نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس لیے میرے عزیز و یہ بات ذہن نشین کر لو کہ عورت کوئی ایسی بلا نہیں ہے جس سے احتراز برتنے کی ضرورت پیش آئے، یہ تو بس ضرورت ہے اور ضرورت کا پورا کرنا ہر انسان کا فطری حق ہے البتہ ضرورت پوری کرنے کے طریقے اپنے اپنے ہیں۔ کوئی عربی کے چند الفاظ کے ذریعے یہ ضرورت پوری کرتا ہے تو کوئی آگ کے گرد سات چکر لگا کر اور جو جرأت مند ہوتے ہیں وہ ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتے بس اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں جیسے بھی بن پڑے اور جہاں تک تعلق ہے آخرت کا اگر دوسرے جہان کی کوئی حقیقت ہے بھی سہی تب بھی وہاں جا کے دیکھ لیا جائے گا فی الحال تو موجودہ جہان سے نمٹیں۔ اسی عذاب و ثواب کے چکر نے جانے کتنے لوگوں کو فطری تقاضے دبانے پر مجبور کیا ہوا ہے، عورت بھی حرام، کئی قسم کے مشروب بھی حرام، کمانے کے بیسیوں طریقوں پر بھی قدغن تو آخر بندہ کرے کیا......؟ میں کسی مخصوص مذہب کی

طرف اشارہ نہیں کر رہا، تمام مذاہب کا تقریباً یہی فلسفہ ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ عمل کے میدان میں مسلمان اپنے مذہب کی تعلیمات پر زیادہ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ باقی مذاہب کے پیروکار اس جھنجھٹ میں نہیں پڑتے۔"

"سر آپ کے کہنے کے مطابق تو مذہب پر عمل کرنے والے بیوقوف ہوئے؟" اس مرتبہ اسماعیل شاہ نے پوچھا۔

"نہیں بھئی میری بات کا یہ مطلب نہیں ہے، آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ مذہب پر عمل کرنا ہر شخص کا ذاتی فعل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو بھی اس پر مجبور کرے، دوسرے مذہب نام ہے عبادات کا، آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں یہ تو نہ ہو کہ ہر قسم کی تفریح ہی چھوڑ دیں۔ جیسے ایک مفکر لکھتا ہے کہ "عورت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے کا عزم ایک شدید جرم ہے اور فطرت اس کا انتقام ضرور لیتی ہے"۔ اگر آپ غور کریں تو وہ ہستیاں جو ہماری نگاہ میں نہایت مقدس اور پاک ہیں ان ہستیوں نے بھی عورت کی ضرورت کا انکار نہیں کیا ہے، یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ عورت مرد کے لیے اتنی اہم ہے کہ مقدس ترین ہستیاں بھی اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ باقی رہا نکاح وغیرہ کا چکر تو نکاح نام ہے ایک بندھن کا جو مذہب اسلام میں ایک لفظ صرف تین بار بولنے سے ٹوٹ جاتا ہے تو جو چیز اتنی ناپائیدار ہو اس پر اصرار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو عورت بغیر نکاح کے کسی مرد کی خواہشات کو پورا کر رہی ہوگی وہ ایک نکاح والی عورت سے زیادہ کسی مرد کے دل کے بھی قریب ہوگی کہ بغیر پسند کے تو کوئی کسی کو نہیں رکھتا نا؟ اور وہ اپنے تمام مطالبے بھی پورے کروالے گی البتہ منکوحہ عموی طور پر مرد پر مسلط کر دی جاتی ہے اور ایسے سینکڑوں واقعات آپ کے علم میں آئے ہوں گے جن میں کہیں تو بچوں والی عورت اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ جاتی ہے تو کہیں مرد اپنی بیوی سے جان چھڑانے کے لیے اسے دردناک موت کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ اسی پابندی کا نتیجہ ہے جو مذہب نے ہم پہ مسلط کی ہوئی ہے۔ آپ مجھے دیکھیں آج تک میں نے شادی نہیں کی اور جو عورت پسند آئی اس کے ساتھ کچھ خوشگوار لمحات بتالیے پھر اس کا اپنا راستہ اور میرا اپنا...... اس کے علاوہ آپ اس بات پہ بھی غور کریں کہ آپ میں اکثریت ان کی ہے جن کے قریبی رشتاداروں کے ساتھ ظلم وستم ہوا ہے جس کا بدلہ لینے کے لیے انھیں مجبور ہونا پڑا اور نہ رشتاداروں کی غیر موجودگی میں آپ بڑے آرام وسکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے ہم اپنے والدین کے قاتلوں کو بھول جائیں۔ اپنی بہن کی عصمت دری کرنے والوں کو معاف کر دیں، اور آرام وسکون سے اپنی زندگی گزار دیں؟" اسماعیل جذباتی لہجے میں بولا۔

"یہ میں نے کب کہا ہے؟...... اب تو بدلہ لینا آپ لوگوں کے لیے فرض عین ہے۔ میں نے تو صرف ایک امکانی بات کی ہے کہ اگر آپ کے والدین اور بہن بھائی نہ ہوتے تو شاید آپ اس مصیبت میں نہ پھنستے۔"

"سر آپ عجیب بات کر رہے ہیں، اگر والدین نہ ہوتے تو ہم پیدا کیسے ہوتے؟"

"بالکل ایسے پیدا ہوتے جس طرح آج کل یورپ میں ہزاروں بچے پیدا ہو رہے ہیں، جنھیں آپ کے ہاں تو حرامی کہا جاتا

ہے مگر انسانیت کی رُو سے وہ بھی عام بچوں کی طرح ہوتے ہیں رشتوں کی قید سے آزاد بے فکرے انسان.....اور یہی بے فکری ایسی قوت ہے جس کی بدولت آج یورپ ترقی کی وہ منازل طے کر رہا ہے جن کے بارے ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔ ہم تو ابھی تک اپنے خاندانی جھگڑوں سے خلاصی نہیں پا سکے۔''

''سر ہم آپ سے بحث میں نہیں جیت سکتے، مگر آپ کی کافی باتیں ہضم کرنا ہمارے لیے دشوار ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں ہمارے ضمیر گوارا نہیں کر سکتے۔ گو ایک خوبصورت لڑکی کا ساتھ ہمارے لیے مسرت اور خوشی کا باعث سہی لیکن ہے بہرحال غلط۔'' اس دفعہ خالد نے نئے انداز میں اپنے عقیدے کا دفاع کیا تھا۔

''گڈ خالد!.....آپ نے بالکل صحیح کہا ہے اور میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں.....لیکن پتا ہے یہ ضمیر ہے کیا؟ ضمیر کہتے ہیں اس لاشعوری خوف کو جو بچپن سے ہمارے والدین مختلف انداز میں ہمارے دماغوں میں گھسیڑ دیتے ہیں اور بعد میں نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ان باتوں پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، وہ خوف اور وہ ڈر ساری زندگی ہمیں اپنی لپیٹ میں لیے رکھتا ہے۔ مثلاً مسلمان کبوتر کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں مگر کوے کا گوشت نہیں کھاتے.....کیوں؟ کیونکہ بچپن ہی سے والدین انہیں بتلاتے ہیں یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ ورنہ دیکھا جائے تو ان میں کوئی فرق ہی نہیں۔ اگر میں دونوں کا علیحدہ علیحدہ سالن بنا کر آپ کے سامنے رکھوں تو مجال ہے جو کوئی پہچان جائے۔ حالانکہ یہی کوا دوسرے کئی ممالک میں بڑے شوق اور رغبت سے کھایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ممالک کے لوگوں نے اپنے اجداد کو یہ کھاتے دیکھا ہے تو ان کو اس کے گوشت سے کراہیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح یورپ میں ایک لڑکی بڑی دلیری سے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر چلی جاتی ہے اور اس بارے نہ تو اس کا والد اسے منع کرتا ہے نہ ہی بھائی اور نہ ہی لڑکی کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اس کے برعکس کیا ہمارے ہاں اس کا تصور کیا جا سکتا؟ بالکل نہیں۔ کیونکہ بچپن ہی سے جنس کو ہمارے ہاں اتنے گندے اور کراہت آمیز انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اس چھوٹی سی بات پر بھائی بہنوں کی گردنیں اتار دیتے ہیں، بیویاں شوہروں کے ہاتھوں ماری جاتی ہیں اور بیٹیاں باپ کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہیں اور یہ سب کچھ وہ کرتے ہیں جو دوسروں کی بہن بیٹی کے ساتھ بڑی رغبت اور شوق سے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تضاد بھی اسی جہالت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ جو کام مرد کے لیے باعثِ شرم و نقصان نہیں وہ عورت کے لیے کیسے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ البتہ زبردستی کسی عورت کو اس کام پر مجبور کرنا ایسے ہے جیسے آپ ڈاکہ ڈال رہے ہوں اس کی اجازت کوئی فلسفہ اور کوئی قانون نہیں دیتا اور اگر مرد و عورت باہم رضامند ہیں تو اسے دنیا کا کوئی قانون غلط نہیں کہہ سکتا۔''

''مگر سر.....''

''نہیں عبداللہ۔'' اے کے نے قطع کلامی کی۔ ''آٹھ بجنے میں فقط دو منٹ رہتے ہیں اور آٹھ بجے آپ لوگوں نے ہتھیاروں کی سکھلائی کے لیے گراؤنڈ میں پہنچنا ہے۔ باقی گپ شپ کل ہوگی'' اور اے کے کی بات سن کر تمام اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر کلاس روم

سے باہر کی طرف چل دیے۔ تمام کے دماغوں میں ایکے کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے مگر ان کی بدقسمتی کہ وہ دین کے بارے اتنا نہیں جانتے تھے، ان کی دنیاوی تعلیم نے انھیں اتنا شعور نہیں بخشا تھا کہ وہ اے کے جیسے مکار سے بحث کر سکتے۔

اس چالاک نے بھی ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا کہ اس عمر میں مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ کوئی ایسا موضوع چھیڑتا جس میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہ ہوتا تو کبھی بھی ان کے دماغوں کو متاثر نہ کر سکتا۔ سب سے بڑھ کر اس کا مشن ان جوانوں کو شراب و شباب کا ایسا رسیا بنا دینا تھا کہ وہ اخلاقی لحاظ سے گراوٹ کا شکار ہو جائیں۔ اسی وجہ سے روزانہ کھانے کے بعد پیش کیے جانے والے مشروب میں ہلکی مقدار میں شراب کی ملاوٹ بھی کی جاتی اور یہ مقدار چند ماہ میں بڑھ کر اتنی ہو جاتی تھی کہ تمام عادی شرابی ہو جاتے۔ شراب کے عادی اور شباب کے رسیا بن کر ہی وہ ان کے بندۂ بے دام بن سکتے تھے۔

☆......☆......☆

”بیٹھو شیرے۔“ فاضل علی خان شیر خان سے مخاطب ہوا۔ ”اور تفصیل سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟“

شیر خان مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ”سیٹھ صاحب آپ کے جانے کے کوئی گھنٹا ڈیڑھ بعد اے پی ایم پارٹی کا ایک چھوٹا سا جلوس نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا لیکن پھر بھی این او این پارٹی کی تعداد مجموعی طور پر ان سے زیادہ رہی شرکائے جلوس ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ موقع دیکھ کر میں نے پستول سے فائر کر کے اے پی ایم پارٹی کا ایک بندہ زخمی کر دیا۔ انھوں نے بھی ہتھیار چھپائے ہوئے تھے۔ جوابی فائرنگ سے این او این پارٹی کے دو بندے ڈھیر ہو گئے اور پھر ہاتھا پائی شروع ہو گئی کافی لوگ زخمی ہوئے یہ جھگڑا شاید دیر تک جاری رہتا مگر پولیس نے مداخلت کرتے ہوئے لاٹھی چارج شروع کر دیا، پہلے تو پولیس کی ناکافی نفری کے سامنے شرکائے جلوس ڈٹے رہے۔ بعد میں پولیس کو مزید کمک مل گئی آنسو گیس کے مسلسل استعمال اور لاٹھی چارج سے پولیس نے دونوں جلوس منتشر کر دیے، اور میں بھی واپس چلا آیا۔ پیچھے پولیس زخمیوں کو ہسپتال پہنچا رہی تھی۔“

”گڈ!“ فاضل تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ ”اس کا مطلب ہے ماحول گرم ہے۔“

”جی! سیٹھ صاحب۔“

”چلو ہمارا کام تو ختم ہوا، آگے اے پی ایم جانے اور این او این؟۔“

”مگر سیٹھ صاحب! ہمارے تین بندے جو حوالات میں ہلاک ہو گئے ہیں ان کا کیا ہوگا؟“

”ان کا تو جو کچھ ہوگا اگلے جہان ہی ہوگا البتہ ان کی ہلاکت میں دلشاد امین کا ہاتھ ہے، اور وہ اس حرکت کی پاداش میں وہ آسانی سے معطل ہو جائے گا۔ تم دو آدمی بھیج دو جو اس کی تاڑ میں رہیں اور موقع ملتے ہی اسے ٹھکانے لگا دیں۔ اب یوں بھی ہم پہ کوئی شک نہیں کرے گا، سب کا دھیان این او این پارٹی کی طرف جائے گا۔“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"انسپکٹر دلشاد کے مرنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا سیٹھ صاحب؟"

"گدھا ہے تو!..... بیوقوف انسپکٹر دلشاد نے چھاپہ مار کر ہمارے دو آدمی اور مال اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے؟"

"جج... جی۔" شیرا گڑبڑا کر بولا۔

"تو کیا ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟ بدلہ نہیں لیں گے؟"

"لیں گے سیٹھ صاحب بالکل لیں گے۔" شیرا گرم جوشی سے بولا۔

"اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دلشاد امین کے راستے سے ہٹتے ہی ہمیں اپنا مال بشمول دونوں آدمیوں کے واپس مل جائے گا اور نئے آنے والے انسپکٹر تک ہم یہ کہانی کسی ذریعے سے پہنچا دیں گے تاکہ وہ دلشاد امین کے انجام سے عبرت حاصل کر سکے۔"

"اور اس طرح آپ آہستہ آہستہ کراچی کے بے تاج بادشاہ بن جائیں گے؟"

"پورے پاکستان کی بات کرو شیرے، پورے پاکستان کی، کراچی کے بے تاج بادشاہ تو ہم آج بھی ہیں۔"

"وہ تو ہے سیٹھ صاحب۔" شیرے کے لہجے میں خوشامد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ "دراصل میرا مطلب تھا کہ کچھ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں ان کو بھی پتا چل جائے گا۔"

"اچھا ایک خاص بات سنو!" فاضل کا لہجہ سرگوشانہ سا ہو گیا تھا۔

"حکم کریں سیٹھ صاحب۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"شیرے یہ بات خوب ذہن نشین کر لو کہ ابھی جو کچھ ہم تمھیں بتانے لگے ہیں اس بات کی بھنک بھی کسی اور کے کانوں میں پڑ گئی تو سمجھو تمھاری زندگی ختم اور اگر تو نے اس راز کی حفاظت کی اور یہ کام بخیر و خوبی سرانجام دیا تو یقین مانو ہم تمھاری زندگی بدل دیں گے۔ اگر ہم پاکستان کے بے تاج بادشاہ ہوں گے تو ہمارا دستِ راست ہونے کا شرف تجھے حاصل رہے گا، تم دیکھنا تمھیں کتنی عزت کتنی دولت اور کتنا عروج ملتا ہے۔"

"آپ حکم کریں سیٹھ صاحب..... اس سے پہلے بھی شیرا آپ کا غلام تھا اور آئندہ بھی آپ کی غلامی میں فخر محسوس کرے گا اور جہاں تک آپ کے راز کا تعلق ہے شیرے کا سر تو کٹ سکتا ہے اس کے ہونٹوں سے کوئی ایسی بات نہیں نکل سکتی جو آپ کے مفاد کے خلاف ہو۔"

"گڈ..... " شیرے کا خوشامدی لہجہ فاضل علی خوش کر گیا تھا۔ "اچھا یہ بتاؤ کبھی پشاور گئے ہو؟"

"نہیں سیٹھ صاحب۔"

"کراچی میں کسی خفیہ ایجنسی کے بندے سے واقفیت ہے؟" اس نے پوچھا اور اس مرتبہ بھی شیرے کا جواب نفی میں تھا۔

"تو یوں کرو تجھے ہم ایک بندے کا ایڈریس بتاتے ہیں تو نے چند دنوں کے اندر اس سے دوستی گانٹھنی ہے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔"

"لیکن خیال رہے وہ بندہ خفیہ ایجنسی کا ہے..... تو نے یوں اس سے دوستی لگانی ہے کہ اسے بالکل شک نہ ہو کہ تم سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس کی جانب بڑھ رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب!..... لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے دوستی کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"کیوں نہیں..... ہم تمھیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیے دیتے ہیں تاکہ کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔" شیر خان اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم نے محنت سے حاصل کیا ہے؟"

"جی۔" شیرا مختصراً بولا اور فاضل علی کی بات جاری رہی۔

"ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے شاید ہم اتنی جلدی اس کے حصول میں کامیاب نہ ہوتے اگر ہمیں بلیک لیکوئڈ کا سہارا نہ ملتا..... جانتے ہو، بلیک لیکوئڈ کیا ہے؟"

"نہیں سیٹھ صاحب۔"

"یہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ ایک ایسی تنظیم، جس کا مقصد پوری دنیا پر ہولڈ قائم کرنا ہے۔ اس تنظیم کو امریکہ جیسی سپر پاور کی مدد حاصل ہے۔ مختلف ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں اس تنظیم نے مقامی افراد کو ہائر کیا ہوا ہے۔ کراچی میں ان کے نمائندے ہم ہیں اور جتنے بھی ہمارے آدمی ہیں وہ درپردہ بلیک لیکوئیڈ کے لیے ہی کام کرتے ہیں۔ تجھے یاد ہو گا کہ چند دن پہلے کچھ سفید فام مہمان ہمارے پاس آئے تھے۔ وہ بلیک لیکوئڈ کے ہی نمائندے تھے، اسی دن انھوں نے مجھے بتایا کہ اگلے چند ماہ میں تنظیم کے سرکردہ افراد کا اجلاس ہونے والا ہے۔ جس میں پاکستان کے تمام شہروں کے اندر کام کرنے والے نمائندوں کا مشترکہ سربراہ چنا جائے گا اور اس مقصد کے لیے تنظیم کی نگاہ میں دو بندے ہیں ایک کا تعلق پشاور سے ہے اور اس کا نام اکبر علی خان ہے۔ اکبر علی خان ایک بہت بڑا بزنس مین ہے۔ دوسرا نام ہمارا ہے۔ اب ان چند ماہ میں جن کی کارکردگی اچھی رہی وہ پاکستان میں کام کرنے والے بلیک لیکوئڈ کے تمام ارکان کا سربراہ بن جائے گا۔"

"آپ کی بات مجھے اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے سیٹھ صاحب۔" شیرا اعتماد سے بولا۔ "مگر یہ سوال ہنوز تشنہ ہے کہ خفیہ ایجنسی کے فرد سے دوستی گانٹھنے کا مقصد کیا ہے؟..... ایسے لوگوں سے تو ہمیں دور بھاگنا چاہیے۔"

"درست..... لیکن اس میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے۔"

"وہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تُو نے کسی ذریعے سے اس تک یہ بات پہنچائی ہے کہ اکبر علی خان بلیک لیکوئڈ کا رکن ہے اور بس...... باقی کام وہ خود سنبھال لیں گے۔"

فاضل علی خان کی بات سن کر شیرا سوچ میں پڑ گیا اور چند لمحوں بعد بولا۔

"سیٹھ صاحب!...... گستاخی معاف ایک بات پوچھوں؟"

"شیرے!...... تم بلا تردد ہر قسم کی بات کر سکتے ہو۔ اب تم پہلے والے شیرے نہیں رہے۔"

"مہربانی سیٹھ صاحب...... میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جیسے آپ اس بات سے واقف ہیں کہ اکبر علی خان پشاور میں بلیک لیکوئڈ کا نمائندہ ہے اسی طرح وہ بھی تو اس بات سے واقف ہوگا کہ آپ کراچی میں بلیک لیکوئڈ کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں؟"

"شاید۔" فاضل علی تیزی سے بولا اور پھر ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہنے لگا۔ "بلکہ یقیناً وہ بھی ہم سے واقف ہوگا۔ غالباً تمھارا مقصد ہے وہ بھی میری طرح خفیہ ایجنسی سے رابطہ کر سکتا ہے؟"

"اس بارے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر اسے خفیہ ایجنسی نے گرفتار کر لیا تو اس سے آپ کے بارے اگلوانے میں انھیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایجنسی کے لوگ جس طرح تفتیش کرتے ہیں اس سے آپ اچھی طرف واقف ہوں گے۔ یہ ظالم پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں اکبر علی خان تو پھر بھی ایک انسان ہے۔"

"شاباش شیرے!...... جی خوش کر دیا۔ اس کا مطلب ہے ہمارا انتخاب ٹھیک ہے۔ گڈ...... ویری گڈ، اس طرف تو ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ بہر حال اکبر علی خان کو ہم نے ہر صورت راستے سے ہٹانا ہے اس بارے میں کچھ سوچو۔ ایسے کہ کوئی ہم پہ شک بھی نہ کرے۔"

"سیٹھ صاحب!...... اکبر علی خان ایک بڑا بزنس مین ہے اور یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اتنے بڑے بزنس مین کے درجنوں مخالف ہوں گے۔ تو کیوں نہ اس کے کسی مخالف کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اکبر علی کو نشانہ بنایا جائے۔"

"شیرے...... آج تو تیرا دماغ بہت دور کی کوڑیاں لا رہا ہے۔ تیری اس بات سے تو مجھے وہ اسماعیل شاہ غازی یاد آ گیا ہے کہیں اس کے تھانے سے فرار ہونے میں میرے کسی ایسے ہی دشمن کا ہاتھ تو نہیں جو اسماعیل کو میرے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہو؟"

"ایسا ممکن تو ہے مگر یقینی نہیں۔ کیونکہ اس کو فرار ہوئے مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ اگر اس مقصد کے لیے اسے کسی نے فرار کرایا ہوتا تو اب تک خدانخواستہ آپ پہ قاتلانہ حملہ ہو چکا ہوتا، لیکن پھر بھی اس امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو اپنی سیکورٹی میں اضافہ کر دینا چاہیے۔"

"اب یہ سارا انتظام تیرے سپرد ہے شیرے! ہمیں تم پہ کلی اعتماد ہے۔"

"یہ آپ کی کرم نوازی اور بڑا پن ہے سیٹھ صاحب کہ اس نااہل کو اتنی اہمیت دے دی۔ بہر حال پھر بھی میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ جناب کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے۔"

"چلو یہ تو ہو جائے گا، لیکن اکبر علی خان کا کیا کریں؟"

"اس کی سرکوبی کے لیے مجھے خود پشاور جانا پڑے گا۔"

"چلے جاؤ...... اور اپنے ساتھ ایک دو پٹھان بھی لے جاؤ تاکہ تمھیں وہاں زبان کی پرابلم پیش نہ آئے۔"

"زبان کی پرابلم تو خیر نہیں ہوگی کیونکہ میں خود بھی پٹھان ہوں اور پشتو بولنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ البتہ عجب خان کو ضرور ساتھ لے جاؤں گا کہ وہ پشاور سے تعلق رکھتا ہے۔"

"تم پٹھان ہو؟" فاضل علی خان کے لہجے میں حیرت تھی۔ "ہم تو تجھے سندھی سمجھ رہے تھے۔"

"میرے اجداد کا تعلق اٹک سے تھا سیٹھ صاحب اور میں اصلاً ساغری پٹھان ہوں۔ البتہ میری پیدائش چونکہ کراچی کی ہے اس لیے سندھی بھی اچھی طرح بول لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شیرے! اب تم فی الفور پشاور جانے کی تیاری کرو۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر رزلٹ چاہیے اور بے فکر رہو انعام تیری توقع سے بھی بڑھ کر ملے گا۔"

"آپ کی خوشی ہی میرا انعام ہے سیٹھ صاحب۔" خوشامدی لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر مودبانہ انداز میں سیٹھ فاضل کو سلام کرتے ہوئے کمرے سے باہر کی جانب چل دیا۔ خوشی کے مارے اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ آج اسے سیٹھ نے جو اہمیت دی تھی اور جتنی اس کی تعریف کی تھی اس کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اور اب اس کا ذہن پشاور جا کر اکبر علی خان سے نمٹنے کی ترکیب سوچنے میں معروف تھا۔

☆......☆......☆

ہنگامہ فرو کرنے میں پولیس کو گھنٹا ڈیڑھ لگ گیا تھا۔ جلوسوں کے منتشر ہوتے ہی وہ اپنے اور سول زخمی ہونے والے افراد کو ہسپتال پہنچانے لگے۔ اس دوران ایس پی صاحب وہیں موجود رہے۔ اس کے چہرے پر چھائے پریشانی کے آثار واضح تھے۔ اس کی دور رس نگاہیں مستقبل قریب میں ہونے والے ہنگاموں کو بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ انسپکٹر دلشاد امین بھی کچھ کم پریشان نہیں تھا۔ یہ سارا ہنگامہ اسی کی لاپروائی کا نتیجہ تھا۔

"دلشاد!...... اب میں جا رہا ہوں، تم کوشش کرو کہ ملزمان کو زہریلا مشروب پلانے والا مجرم پکڑا جائے۔ اس طرح ایک تو سازش کا اصل مجرم بے نقاب ہو جائے گا، دوسرے تیری بھی بچت ہو جائے گی۔ اگر مجرم کا پتا چل جائے تو مجھے فوری اطلاع کرنا، اس کے برعکس ہونے کی صورت میں ساری رپورٹ بنا کر ڈی ایس پی کے حوالے کر دینا ہے، اسی کے ذریعے آپ کو مزید احکام مل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" دلشاد امین جواباً بولا اور ایس پی سر ہلاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ چند منٹ تو لائحہ عمل سوچتا رہا کہ تفتیش کا آغاز کہاں سے کرے پھر ایک نتیجے پر پہنچ کر اس نے حوالدار خورشید کو اپنے پاس بلا لیا۔

"یس سر؟" خورشید نے اس کے پاس آ کر سیلوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"خورشید!.....ایک تو آخر میں جو اضافی نفری آئی تھی اسے انتظامی کاموں پر لگا کر پہلے والے موجود تمام افراد کو تھانے میں اکٹھا کرلو۔ دوسرا اپنی نگرانی میں تمام کی ترتیب سے لسٹیں بنالو اور تیسرے فنگر پرنٹ کے ماہر کو بلوا کر ملزموں کی لاشوں کے ساتھ ملنے والے گلاسوں سے فنگر پرنٹ لے لو اور اگر گلاسوں پر لاشوں کے علاوہ کوئی فنگر پرنٹ ملتے ہیں پھر تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا دوسری صورت میں ہماری دشواری بڑھ جائے گی، لیکن کچھ بھی ہو ہم نے اپنے درمیان موجود کالی بھیڑ کو لازماً بے نقاب کرنا ہے۔"

"ان شاء اللہ سر۔" خورشید دعائیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن ایک چھوٹی سی پرابلم ہے۔"

"کون سی؟"

"سر پہلے موجود افراد میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو معمولی یا شدید زخمی ہونے کے بعد ہسپتال بھیجے جا چکے ہیں۔ ان کا کیا کریں؟"

"ان کو فی الحال وہیں رہنے دو باقیوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد ان کا معاملہ دیکھیں گے؟" اور خورشید سر ہلاتا ہوا آفس سے نکل گیا۔ خورشید کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور قیدیوں والے کمرے کے جانب بڑھ گیا، قیدیوں کو کسی نے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حوالات کے دروازے پر سنتری مستعد کھڑا تھا مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کہ چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک لاشوں کا گہری نظر سے جائزہ لیتا رہا مگر اسے ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی جو کوئی فائدہ دے سکتی۔ اسے وہاں رکے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ خورشید فنگر پرنٹ کے ماہر کے ساتھ وہاں آ پہنچا۔ ایک مخصوص پاوڈر گلاسوں پر چھڑک کر وہ فنگر پرنٹس لینے لگا، اسے اپنے کام میں مصروف چھوڑ کر وہ خورشید سے مخاطب ہوا۔ "تم جاؤ جو باقی کام بتائے ہیں وہ کرو میں یہاں موجود ہوں۔" خورشید سر ہلاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ ماہر خاموشی سے اپنے کام میں جتا رہا۔ کام ختم کر کے وہ دلشاد سے بولا۔

"سر میں نے اپنا کام ختم کر لیا ہے، تھوڑی دیر بعد آپ کے پاس رپورٹ بنا کر بھیج دیتا ہوں۔" اور دلشاد امین نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے پیچھے وہ بھی حوالات سے نکل کر اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بمشکل کرسی پر بیٹھ پایا تھا کہ خورشید نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"سر جی آپ کے حکم کے بموجب تمام کو اکٹھا کر لیا ہے۔ صرف پانچ بندے کم ہیں جو ہسپتال ایڈمٹ ہو گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے خورشید بیٹھو فنگر پرنٹ کی رپورٹ آجائے پھر کارروائی شروع کرتے ہیں۔" خورشید سر ہلاتے ہوئے ٹیبل کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان دونوں بندوں سے کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ان کے تعاون سے بننے والی تصویر کی کاپیاں کرا کے عاطف نے فیلڈ میں کام کرنے والے مختلف افراد تک پہنچا دی تھیں، لیکن یہ کوئی ایسی پیش رفت نہیں تھی جسے بہتر کہا جا سکتا۔اب لے دے کے مطلوب کلرک کا کلیورہ گیا تھا۔وہ بھی بغیر کسی نتیجے کے ہاتھ سے نکل جاتا تو وہ ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے۔وہ تھوڑی دیر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا پھر انٹر کام اٹھا کر آپریٹر سے بولا۔

''عمران، سہیل اور عامر کو میرے پاس بھیجو۔''

''جی سر۔''آپریٹر کے جواب پر اس نے ریسور رکھ دیا۔چند لمحوں بعد وہ تینوں اس کے سامنے بیٹھے تھے۔اس نے تینوں کو موجودہ صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ مانگا۔

''سر ایک تو مطلوب کی نگرانی کرنے والے افراد کی تعداد میں اضافہ کر دینا چاہیے تاکہ اس سے ڈیل کرنے والے کسی صورت میں بھاگ نہ سکیں۔''عمران نے تجویز پیش کی۔

عاطف نے پوچھا۔''کیا یہ طے ہو گیا ہے کہ مطلوب سے ملنے والوں کو ہم نے گرفتار کرنا ہے؟ان کی نگرانی نہیں کرنی؟''

وہ جواباً بولا۔''میرا تو یہی مشورہ ہے سر۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''عاطف نے دوبارہ اس سے پوچھا کیونکہ وہ ہر کسی کی بات کو قابلِ توجہ سمجھتا تھا۔

''سر ایک تو اورنگ زیب نے مطلوب کے حوالے اور یجنل ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپیاں کی ہیں اور ہماری ہلکی سی لاپروائی سے وہ دشمن کے پاس جا سکتی ہیں۔دوسرے اس سے پہلے جس بندے کی نگرانی ہم کر رہے تھے اسے انھوں نے دھماکے میں اڑا کر ہمارا راستہ بلاک کر دیا تھا۔اس کی بجائے ہم نے اسے گرفتار کر لیا ہوتا تو شاید فائدے میں رہتے۔''

سہیل عمران کی تائید کرتا ہوا بولا۔''ویسے بھی سر، یہ کوئی دہشت گردی کی کارروائی تو ہے نہیں کہ وہ عام بندہ بھیجیں گے۔یہ تو ایک حساس معاملہ ہے اور اس کام کے لیے وہ لازماً اہم بندہ مقرر کریں گے۔''

''تمھارا کیا خیال ہے عامر؟''عاطف تیسرے آدمی سے مخاطب ہوا۔

''سر ان دونوں کا تجزیہ تو ٹھیک ہے مگر ایک قباحت ہے۔''

''وہ کیا؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''وہ یہ کہ اگر مطلوب کے پاس آنے والا کوئی اہم بندہ نہ ہوا تو ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی اور یہ مطلوب اور اورنگ زیب والا ذریعہ بھی ہمیشہ کے لیے ٹھپ ہو جائے گا۔''

''صحیح کہا.....مگر رسک تو لینا پڑتا ہے۔''عمران جلدی سے بولا۔

''پھر یہ بھی ہے کہ اتنے اہم کاغذات کے لیے وہ کبھی بھی ٹوٹل کا بندہ نہیں بھیجیں گے۔'' سہیل بھی عمران کا ساتھ دیا۔

''اگر وہ کوئی اہم بندہ ہوا اور ہم نے اسے قابو کرلیا، تب بھی یہ خطرہ ہے کہ اس کی نگرانی کی جارہی ہوگی اور ہم جیسے ہی اس پہ ہاتھ ڈالیں گے مجرم چوکنے ہوجائیں گے اور ہمارے پوچھ گچھ کرنے تک اپنے ٹھکانے بدل لیں گے۔'' عامر نے ایک اور پوائنٹ اٹھایا۔

عمران بولا۔'' پچھلی بار بھی ہم نے ان کی نگرانی کی تھی مگر نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔''

''دیکھیں فائدے اور نقصان کا اندیشہ دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ مگر ہم نے مل کر کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈنا ہے جس میں دوسرے طریقے کی نسبت زیادہ بہتری ہو۔'' عاطف ان کے سامنے نئی بساط رکھی۔

''سر محاورہ ہے نا کہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی ..... تو اس طرح کم از کم ان کا کوئی بندہ تو ہاتھ آجائے گا۔ اس کے ساتھ یہ فائدہ بھی ہے کہ ہمارے ملک کے راز رسک میں نہیں پڑیں گے ورنہ ہماری ذرا سی لاپروائی سے یہ دشمن کے ہاتھ میں چلے گئے تو اچھا خاصا نقصان ہوگا اور سب سے بڑھ کر اگر کوئی اہم بندہ ہمارے ہاتھ آجاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنا سیٹ اپ تبدیل کر لیتے ہیں تو یہ بھی ہماری بہت بڑی فتح ہوگی۔ ان کے دوبارہ سیٹ ہونے میں کچھ عرصہ تو لگے گا نا؟ یوں بھی دشمن کو ہمیشہ کے لیے نابود کرنا ناممکن ہے۔ ان کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے موقع پر ہی گرفتار کرلیا جائے۔''

''ہاں بھئی، اب کسی کو عمران کی بات سے اختلاف ہے؟'' عاطف خود ذہنی طور پر عمران کے حق میں تھا اس لیے دوسروں سے استفسار کرنے لگا۔

''سر!..... اختلاف تو خیر پہلے بھی نہیں تھا۔ اب البتہ یہ ہے کہ میں اپنے موقف سے ہٹ جاتا ہوں کیونکہ مجھے نظر آرہا ہے کہ آپ کی رائے بھی عمران کی طرف ہے۔''

''نہیں میرے لیے کبھی بھی اپنے موقف سے نہ ہٹو، یہ میرا نہیں ہم سب کا کام ہے اور ہم سب نے مل کر مشورے سے طے کرنا ہے کہ کون سا لائحہ عمل بہتر رہے گا۔ آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مطلوب سے ملنے والے بندے پر براہ راست ہاتھ ڈالنا مناسب رہے گا، لیکن اس کے باوجود میں نے آپ لوگوں سے مشورہ لینا مناسب سمجھا کیونکہ ضروری نہیں کہ میں ہر پہلو کو مد نظر رکھ سکا ہوں، لیکن اب آپ سے بات چیت کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا ہے کہ میرا فیصلہ صحیح ہے۔ باقی کامیابی ناکامی یوں بھی رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ پوری کوشش اور سعی سے کام سرانجام دینا۔'' عاطف کی بات جاری تھی کہ اس کے فون کی گھنٹی بجی، سکرین پر اسے اورنگ زیب کلرک کا نام چمکتا نظر آیا۔ اس نے فی الفور فون کان سے لگالیا۔

''یس اورنگ زیب ..... کیا بات ہے؟''

''سر!..... میں نے کچھ دیر پہلے فائل مطلوب کے حوالے کردی ہے، میرا خیال ہے وہ اسے آج ہی آگے پہنچادے گا۔''

"گڈ.....بس تیرا کام یہیں تک تھا۔اب تم معمول کے مطابق ہی کام کرتے رہو۔باقی ہم کور کرلیں گے۔ان شاءاللہ۔"

"اللہ نے چاہا تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی سر۔" اورنگ زیب دعا دی۔"اور سر پیسوں کا کیا کرنا ہے۔میرے اکاؤنٹ میں دو لاکھ کی رقم جمع کرادی گئی ہے۔"

"وہ رقم تمھاری ہوئی۔" عاطف ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔"یوں بھی اب لمبے عرصے تک کوئی تیرے ساتھ رابطہ نہیں کرے گا، لیکن یہ خیال رہے کہ جب بھی کوئی تم سے رابطہ کرے تو نے مجھے اسی وقت مطلع کرنا ہے۔"

"وہ تو میں ضرور بالضرور کروں گا، لیکن سر اس رقم پر میرا کوئی حق نہیں بنتا۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

"اورنگ زیب! ہم تجھے تنخواہ تو نہیں دیتے نا؟ تو یہ ہماری طرف سے تمھارا معاوضہ ہو گیا اور یاد رکھو کہ تیری وجہ سے ہمارا کام کافی آسانی ہو گیا ہے۔"

"تھینک یو سر آپ کی بہت بہت مہربانی۔"

"او کے اللہ حافظ۔" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر لیا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگوں کو صورت حال کا پتا چل گیا ہوگا؟"

"کچھ کچھ سر۔" سہیل نے جواب دیا۔

"مطلوبہ فائل کلرک مطلوب کے حوالے ہو گئی ہے۔اس کی نگرانی پر حمید اور ظفر مامور ہیں تم تینوں بھی حلیہ بدل کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤ.....اور عمران جانے سے پہلے ذوالفقار اور راشد سے کہہ دو کہ کالے شیشوں والی ویگن کے ساتھ تیار رہیں۔"

"کہیں پہ سر؟" عمران نے وضاحت چاہی۔

"نہیں مطلوب کے گھر کے قرب و جوار میں رہیں۔"

"ٹھیک ہے سر۔" کہہ کر وہ باقی دونوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ان کے جاتے ہی عاطف نے فون کر کے صدیقی صاحب کو تازہ صورت حال سے آگاہ کیا۔اس نے بھی عاطف کو براہِ راست اس آدمی پہ ہاتھ ڈالنے کا مشورہ دیا۔صدیقی صاحب سے اجازت لے کر وہ دفتر سے نکلنے ہی لگا تھا کہ موبائل ایک مرتبہ پھر بول اٹھا۔

"جی عرفان؟" اس نے کال اٹنڈ کی۔

"سر مطلوب کلرک نے اس نمبر پر۔" عرفان موبائل نمبر دہرا کر بولا۔"کسی شیراز نامی آدمی سے بات کی ہے اور اسے کام ہو جانے کا مژدہ سنایا ہے۔شیراز نے اسے جواباً کہا ہے کہ اس کی چیز مطلوب اپنے پاس سنبھال کر رکھے وہ کسی بھی وقت آ کر وصول کر لے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کھیل کا آغاز ہو گیا ہے۔بہر حال تم تمام ساتھیوں کو الرٹ کر دو، میں بھی مطلوب کے گھر کی جانب جا رہا

ہوں۔" عاطف رابطہ منقطع کر کے دفتر سے نکلا اور تیز قدموں سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جلد از جلد حلیہ بدل کے موقع پر پہنچنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

بلونت نے مطلوب کی گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر سگریٹ سلگانے کے بہانے گہری نظر سے گلی کا جائزہ لیا، مگر اسے کوئی مشتبہ شخص نظر نہ آیا۔ ایک دروازے کے سامنے کھڑے سفید کپڑوں والے شخص پر اسے تھوڑا شک گزرا مگر جب دروازہ کھلنے پر وہ اندر چلا گیا تو اس کا شبہ دور ہو گیا۔ نکڑ کے ساتھ بنی ہوئی مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہوئے بھکاری پر اس نے اچٹتی ہوئی نظر ڈالی جو اس کی طرف امید بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ دو دن پہلے جب وہ مطلوب سے ملنے آیا تھا تو اس وقت بھی اس نے ایک بھکاری کو اس جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا، لیکن اس کا حلیہ بلونت کے دماغ سے محو ہو گیا تھا شاید وہ یہی تھا۔ اس نے سر جھٹک کر اس غلیظ بھکاری کو اپنے دماغ سے نکالا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ مطلوب کے گھر سے چند گھر پہلے ٹھیلے والا سبزی فروش ایک جوان عورت سے الجھا ہوا تھا۔ وہ دونوں کسی ایک ریٹ پر متفق نہیں ہو رہے تھے۔ مطلوب کو سب کچھ معمول کے مطابق نظر آیا۔ اس نے سارے اندیشے بالائے طاق رکھ کر مطلوب کے دروازے پر دستک دے دی۔ مطلوب تو شاید اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے میں دیر نہیں لگائی۔ بلونت کو پہچان کر اس نے ایک طرف ہو کر اسے اندر داخل ہونے کا راستہ دیا اور اس کے اندر گھستے ہی دروازے کی کنڈی لگا دی۔ اگر مطلوب کے گھر میں داخل ہونے کے بعد بلونت ایک مرتبہ بھی گلی میں جھانک لیتا تو اسے یہ دیکھ کر لازماً حیرت ہوتی کہ سبزی فروش نے اس عورت سے مباحثہ ترک کر دیا تھا اور مسجد کے سامنے بیٹھا ہوا بھکاری مسجد چھوڑ کر مطلوب کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جبکہ گلی کی ایک سائیڈ پر بنی گندے پانی کی نکاسی والی نالی کی صفائی کرنے والے سویپر نے بھی اپنا کام درمیان میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ ان تمام باتوں سے بے خبر مطلوب کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور مطلوب کے "تشریف رکھیے" کے جواب میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مطلوب صاحب میرے پاس ٹائم بالکل نہیں ہے آپ بس فائل میرے حوالے کریں اور اجازت دیں۔"

"شیراز صاحب! ایسی بھی کیا جلدی ہے کچھ گرم ٹھنڈا ہو جائے پھر چلے جانا۔"

"مطلوب صاحب اگر میرے پاس ٹائم ہوتا تو میں ضرور آپ کی میزبانی سے لطف اندوز ہوتا، مگر افسوس مجھے کہیں اور جانا ہے۔ اس لیے میری معذرت قبول فرمالیں۔"

"چلو جیسے آپ کی مرضی ......اور یہ لیں اپنی امانت۔" اس نے خاکی رنگ کا ایک پھولا ہوا لفافہ بلونت کی سمت بڑھایا۔ جسے بلونت نے جھپٹ کر پکڑا اور اسے کھول کر اس میں موجود کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔ کاغذات کی تصدیق ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں موجود چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ لفافہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"آپ نے اپنا اکاؤنٹ تو چیک کر لیا تھا نا؟ میں نے کل ہی مطلوبہ رقم آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی تھی۔"

"جی بالکل۔"

"تو پھر مجھے اجازت ہے؟" بلونت کھڑا ہو گیا۔

"مہاراج کہاں جائیں گے۔ ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔" دو دراز قد کے جوان ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"کک......کون لوگ ہو تم؟" مطلوب ہکلا کر بولا۔ جبکہ بلونت کو ایسا شاک لگا کہ وہ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"قدردان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔"

"مم......مم......مگر......تت......تم نے بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت کیسے کی؟ یہ ایک پردہ دار گھرانہ ہے اور تمھیں اس بات کا جواب دینا پڑے گا۔"

"چلو اب تو آ گئے ہیں آئندہ خیال رکھیں گے۔" کہہ کر وہ بلونت سے مخاطب ہوا "مسٹر شیراز یا جو بھی نام ہے تمھارا، کاغذات میرے حوالے کرو۔"

"کک کون سے کاغذات۔"

"دلبر! اسے بتاؤ کب کاغذات کی بات ہو رہی ہے؟" وہ اپنے ساتھی سے بولا اور اس کی بات ختم ہوتے ہی اس کے ساتھی کا ہاتھ پوری قوت سے گھوما "چٹاخ" کی آواز سے پورا ڈرائنگ روم گونج اٹھا تھا۔ بلونت اچھل کر صوفے پر جا گرا۔

"پتا چل گیا یا مزید بتاؤں۔" اور اس مرتبہ بلونت نے خاموشی سے جیب سے کاغذات نکال کر اس کی سمت بڑھا دیے۔ ایک تھپڑ نے ہی اسے سمجھا دیا تھا کہ ان سے حجت بازی کتنی مہنگی پڑ سکتی ہے۔

لفافہ کھول کر اس نے کاغذات کا سرسری جائزہ لیا اور پھر اطمینان سے انھیں جیب میں ڈال کر وہ ساتھی سے بولا۔

"اس کی تلاشی لو۔" اس کا ساتھی آگے بڑھ کر ماہرانہ انداز میں بلونت کی تلاشی لینے لگا۔ اس کی اندرونی جیب سے پستول نکال کر وہ مطلوب کی سمت بڑھا مگر اس کے لباس سے کوئی قابلِ ذکر چیز برآمد نہ ہوئی۔ تلاشی سے فارغ ہو کر اس نے اپنی جیب سے باریک سی ہتھکڑی نکالی اور بلونت کو لگا کر دوسری ہتھکڑی سے مطلوب کے ہاتھ جکڑ دیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ انھیں مطلوب کے گھر کے باہر کھڑی کالے شیشوں کی ویگن میں بٹھا کر ان کی آنکھوں پر کالی پٹیاں باندھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ان کی ٹریننگ کو چار چاند لگ گئے تھے۔ ان کی سوکھی، بے رنگ اور ویران زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ دن کی کٹھن تربیت سہانی رات کے انتظار میں گزرتی۔ وہ تمام جس طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس طبقے میں عورت کا وجود شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ وہاں کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی ٹریننگ کرنے والا محروم نہیں رہا تھا۔ نہ صرف کامران، اسماعیل، رحیم، اور عبداللہ جیسے ہینڈسم لڑکوں کو ان کی تحریک کا مثبت جواب ملا تھا بلکہ فخر زمان، جمشید اور ثاقب جیسے واجبی شکل وصورت کے لڑکے جنہیں آسانی سے بدصورت شمار کیا جاتا وہ بھی یونیورسٹی کی لڑکیوں کے التفات سے محروم نہیں رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر لڑکیاں وہیں یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہائش پذیر تھیں۔ اپنا تعارف انھوں نے امیر گھرانوں کی بگڑی ہوئی جدید فیشن کی دلدادہ لڑکیوں کے طور پر کرایا تھا۔

شہزادی (پاریتی) دو دن کے اندر اسماعیل کے دماغ سے محو ہوگئی۔ حالانکہ اس سے پہلے گزرنے والی راتوں کی تنہائی میں اس کا انگ انگ شہزادی کا طلب گار رہتا، اب یہ کمی سون نے پوری کردی تھی۔ لیکن وہ زیادہ دیر سون پر اکتفا نہ کرسکا، اس کے بعد جوہی اور جوہی کے بعد رخشندہ اس کی زندگی میں داخل ہوتی چلی گئیں۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان لڑکیوں میں عورت کے اندر پائے جانے والی فطرتی رقابت کا جذبہ بہت کم یا بالکل مفقود تھا، لیکن یہ ان کے سوچنے کا میدان نہیں تھا۔ فی الحال تو وہ آم کھا رہے تھے اور آم کھانے والے کو پیڑ گننے کا ہوش نہیں رہتا۔

اس وقت وہ دو گروپوں میں منقسم ہوئے چھوٹے ہتھیاروں سے شست لینے کا طریقہ سمجھ رہے تھے اسماعیل شاہ کی ساری توجہ اپنے ویپن انسٹرکٹر کاشف کی طرف مبذول تھی۔

"دیکھیں ہر ہتھیار کی مکینیکل سائیٹ دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نمبر 1 فرنٹ سائیٹ اور نمبر 2 ریئر سائیٹ۔ ریئر سائیٹ عموی طور پر رینج فکس کرنے کے کام آتی ہے۔ اس میں شست لینے کے لیے یا تو ہول بنا ہوتا ہے یا پھر انگلش کے لفظ وی (V) کی طرح کا کٹ بنا ہوتا ہے۔ جبکہ فرنٹ سائیٹ کی پتلی سی نوکدار ٹپ بنی ہوتی ہے۔ فائر کرتے وقت ضروری ہے کہ آپ ریئر سائیٹ کے ہول میں سے دیکھتے ہوئے فرنٹ سائیٹ کی ٹپ کو ٹارگٹ سے ملائیں۔ ہتھیار کی سائیڈوں کو سیدھا رکھیں۔ اپنی گرفت مضبوط رکھیں اور سب سے بڑھ کر اپنے سانس پر قابو پائیں۔ ہر ہتھیار کے ٹریگر میں تھوڑی سی آزادانہ حرکت ہوتی ہے جسے پل آف سرفس کہتے ہیں۔ تو یاد رکھیں کہ فائر کرنے سے پہلے جب آپ شست لیں تو اس آزادانہ حرکت کو پورا کریں۔ اس کے بعد سانس روکتے ہوئے فائر کردیں۔ اس ضمن میں یہ خیال رہے کہ آپ نے نہ تو سانس کو اندر کھینچ کر روکنا ہے اور نہ ہی باہر نکال کر بلکہ آپ سانس لے رہے ہوں یا سانس نکال رہے ہوں اس کو اپنی جگہ پر روک لیں۔ فائر کرتے وقت جھٹکا لگتا ہے۔ یہ جھٹکا ہتھیار کی طاقت پر منحصر ہوتا ہے یعنی پستول سے فائر کرتے وقت خفیف سا جھٹکا لگے گا تو ایٹ ایم ایم جیسی رائفل سے فائر کرتے وقت اچھا خاصہ جھٹکا لگے گا۔ مگر یہ جھٹکا اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ کسی نقصان کا باعث بن سکے۔ آپ لوگوں نے بس یہ دھیان رکھنا ہے کہ ٹریگر پریس کرتے وقت لاشعوری طور پر فائر سے ہونے والے جھٹکے کو سہارنے کے لیے کندھا آگے کی طرف نہیں بڑھانا۔" کاشف نے ایک لمحے کے لیے رک کر تمام کے چہرے پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ان تمام احتیاطوں کے باوجود بھی کبھی فائر درست نشانے پر نہیں لگتا تو آپ سمجھ جائیں کہ ہتھیار کی صفر کاری میں فرق

ہے۔ صفر کاری کہتے ہیں ہتھیار کی سائیٹوں کا معائنہ کرتے ہوئے ان میں مناسب تبدیلی کرنا کہ ہتھیار سے درست فائر کرنا ممکن ہو سکے۔ ہر ہتھیار کی صفر کاری کا طریقہ مختلف ہوتا ہے اور یہ طریقہ ہم ہر ہتھیار کے ساتھ ہی پڑھیں گے جیسے AK-47، ایٹ ایم ایم اور سیون ایم ایم کے بارے آپ پڑھ چکے ہیں۔"

"سر!...... آپ نے بارہ بور کی صفر کاری کے متعلق تو نہیں پڑھایا تھا؟" کاشف کی بات ختم ہونے سے پہلے کامران بول پڑا۔

"بارہ بور کی صفر کاری نہیں کی جاتی۔" کاشف نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مگر کیوں سر؟"

"کیونکہ اس کے کارتوس میں چھرے بھرے ہوتے ہیں جو بکھر کر ٹارگٹ کی سمت بڑھتے ہیں۔ اسی لیے اس ہتھیار کو زیادہ تر پرندوں کے شکار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔"

اسماعیل شاہ نے پوچھا "سر پستول سے بھی شست لینے کے میرا مطلب ہے فائر کرنے کے یہی اصول ہیں؟"

"پستول کے بارے ابھی تک آپ کو تفصیل سے پڑھانا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ آج کے دور میں بہت مفید ہتھیار ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ترقی یافتہ شہروں میں پچانوے فیصد جرائم میں پستول کا ہی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ اس کا بناوٹ میں مختصر ہونا ہے کہ یہ آسانی سے چھپایا جا سکتا ہے۔ باقی جہاں تک اس سے شست لینے کا تعلق ہے وہ میں اس کے اپنے پیریڈ میں تفصیل سے بتلاؤں گا البتہ ایک بات جو شاید آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہو کہ جدید آنے والے پستولوں میں ایسے پستول بھی شامل ہیں جن کے ساتھ ایک لیزر پوائنٹر لگا ہوتا ہے۔ آپ ٹارگٹ پر لیزر کو لے جائیں اور فائر کر دیں گولی نشانے پر لگے گی۔ اس کی مدد سے تو ایک عام بندہ بھی نشانے پر گولی مارنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ بہرحال یہ ایک ضمنی بات تھی اور آپ لوگوں نے اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ ہر قسم کے ہتھیار سے مطلوبہ ٹارگٹ کو نشانہ بنا سکو۔"

"سر کیا ہمیں بڑے ہتھیاروں کے بارے بھی پڑھایا جائے گا؟"

"اس کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ لوگوں نے کون سا سرحد پر جا کر دشمن فوج کا مقابلہ کرنا ہے البتہ راکٹ لانچر کے بارے میں آپ کو تفصیل سے پڑھاؤں گا کہ اس کا شمار بڑے ہتھیاروں میں ہونے کے باوجود یہ بناوٹ میں مختصر ہے۔ اس کے علاوہ کسی ہیوی ویپن کو سیکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ بلکہ اسے ٹائم کا ضیاع کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیا آپ لوگ میری اس بات سے متفق ہو؟"

"جی سر۔"

"باقی آپ لوگوں نے ایک دفعہ فائر کا تجربہ کر لیا ہے۔ جس میں بمشکل دو بندے ٹارگٹ کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو سکے تھے، لیکن اس مرتبہ فائر کرتے وقت آپ لوگوں نے ان اصولوں کو مدِ نظر رکھنا ہے جو میں نے ابھی لوگوں کے سامنے بیان کیے ہیں اس کے بعد

دیکھنا کہ گولیاں نشانے پر لگتی ہیں کہ نہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تمام لوگ فائرنگ کے طریقے پڑھنے کے بعد اچھے فائرر بن جاؤ گے کیونکہ اچھا فائرر بننے کے لیے ایک تو بہت زیادہ پریکٹس کی ضرورت ہے۔ جو یہاں آپ سے کرائی جائے گی اور دوسرا ہر انسان میں ایک قدرتی صلاحیت بھی ہوتی ہے نشانہ بازی کی البتہ یہ بات کنفرم ہے کہ ان اصولوں کو سیکھ کر اور فائر کرتے وقت مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے فائرنگ رزلٹ پر کافی اثر پڑے گا.....اور اب آپ لوگوں کی ٹی بریک کا ٹائم ہو گیا ہے اس لیے آپ جا سکتے ہیں۔"

دوسرے گروپ کو ان کے انسٹرکٹر نے پہلے ہی بریک دے دی تھی وہ تمام آپس میں گھل مل کر کینٹین کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

شیر خان کو پشاور آئے دوسرا دن تھا۔ یہاں آتے ہی بغیر آرام کیے وہ اکبر علی خان کی ٹوہ میں لگ گیا۔ گائیڈ کے طور پر وہ عجب خان کو ساتھ لایا تھا۔ ان دو دنوں میں اس نے اکبر علی کے متعلق کافی معلومات اکٹھی کر لی تھی۔ اکبر علی جس پائے کا بزنس مین تھا اس لحاظ سے اس کے بدخواہوں میں دو تین بزنس مین ہی نکلے، جو اس کے ہم پلہ یا تھوڑا بہت قریب سمجھے جا سکتے تھے۔ اس لیے شیر خان کا وہ منصوبہ جو وہ کراچی سے سوچ کر آیا تھا قابلِ عمل نہ رہا۔ مجبوراً اسے ترک کرتے ہوئے وہ کوئی قابلِ عمل ترکیب سوچنے لگا جلد ہی اس کے شیطانی دماغ میں ایک موزوں تجویز آ گئی۔

اس کا نام گل زیب خان تھا۔ اکبر علی کے ساتھ اس کی چپقلش عروج پر تھی۔ ان دونوں کے جھگڑے کا باعث ایک پلاٹ بنا بعد میں اور کئی وجوہات بھی شامل ہوتی گئیں اور آخر کار وہ دونوں کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر اکبر علی خان کا پلہ بھاری رہا تھا، لیکن گل زیب خان کسی بھی صورت ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اور اکبر علی کے خلاف میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ اتنی رقابت اور نفرت کے باوجود وہ ابھی تک ایک دوسرے کے جانی دشمن نہیں بنے تھے، ان کی اسی رقابت کو آڑ بنا کر شیر خان نے ایک انوکھی تجویز سوچی۔ وہ اس وقت دو پیشہ ور قاتلوں کے سامنے بیٹھا ان سے بات چیت میں مصروف تھا۔ جن میں ایک کا نام سردار خان اور دوسرے کا شمشیر تھا۔ سردار خان بولا۔

"ایک لاکھ پیشگی اور ایک لاکھ کام ہو جانے کے بعد لیں گے؟"

"ٹھیک ہے۔" شیر خان اس کا مطالبہ قبول کرتا ہوا بولا۔ "لیکن ایک چھوٹی سی شرط ہے بلکہ اسے درخواست سمجھو تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"جی حکم کرو؟" سردار نے پوچھا۔

"سیٹھ گل زیب خان کے نام سے تو آپ واقف ہوں گے؟"

"سیٹھ گل زیب؟" سردار نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولا۔ "آپ کا مطلب ہے وہ بزنس مین گل زیب جو ہے؟"

"جی بالکل وہی۔" شیرا مسکرا کر بولا۔ "ان کی خواہش ہے کہ اکبر علی خان کو مرتے وقت اگر یہ پتا چل جائے کہ اس کی موت کا

ذمہ دار کون ہے تو گل زیب صاحب کی خوشی دوبالا ہو جائے گی۔"

"نہیں بھائی یہ بہت مشکل ہے کیونکہ اکبر علی خان کوئی عام بندہ نہیں ہے بلکہ وہ تو آپ کے سیٹھ سے بھی بڑا بزنس مین ہے، ہم اسے دور مار رائفل سے ہی ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس کے قریب جانا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔"

"آپ کوشش تو کر سکتے ہیں نا؟ البتہ اگر موقع نہ ملے تو پھر جس طرح بھی ہو یہ کام کر گزرو۔"

"عجیب بات کرتے ہو کہ کوشش کریں۔" سردار بگڑ گیا۔ "ہم نے اکبر علی خان پر اندھا دھند ہلا نہیں بول دینا پہلے منصوبہ بنانا ہے، چھوٹی چھوٹی جزئیات کا جائزہ لینا ہے حملے کے لیے جگہ کا تعین کرنا ہے، یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل تو نہیں ہے یا کسی فلم کا سین تو نہیں ہے کہ جو ہیرو صاحب کی خواہش ہو ویسا ہی ہو۔"

"آپ تو خفا ہی ہو گئے۔" شیر خان نادم لہجے کے ساتھ بولا۔ "میں نے کوشش کرنے کی بات کی تھی۔"

"کوشش بھی نہیں ہو سکتی۔" سردار حتمی لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے سردار صاحب!...... آپ کو جس طرح آسانی ہو ویسے ہی کر لیں۔" شیر خان نرم پڑ گیا اور سردار کے چہرے پر اطمینان کے آثار ظاہر ہو گئے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سارا ڈراما شیر خان نے اس تک گل زیب خان کا نام پہنچانے کے لیے کیا تھا تاکہ اسے یہ یقین ہو جائے کہ اکبر علی کو ختم کرانے والا گل زیب خان ہے۔

☆......☆......☆

بلونت کی چیخوں سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔ اسے انویسٹی گیشن سنٹر میں لاتے ہی عاطف کے حکم سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی تھی۔ تفتیش کرنے والے دونوں بندوں کو اس نے حکم دیا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس سے اپنے بندوں کے ایڈریس اگلوائے جائیں تاکہ ان کے سنبھلنے سے پہلے انھیں گرفتار کرنے کی کارروائی کی جا سکے۔

بلونت ایک منجھا ہوا ایجنٹ ہونے کے باوجود زیادہ دیر اس غیر انسانی تشدد کا سامنا نہ کر سکا۔ دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے ناخنوں سے محرومی کے بعد اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ زبان کھول دے...... اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حقیقت اگلوائے بغیر وہ اسے چھوڑنے والے نہیں تھے۔

بلونت کی حالت دیکھ کر مطلوب کلرک پر اتنی دہشت چھائی ہوئی تھی کہ گویا اس کے جسم سے سانس ہی نکل گیا ہو مگر اس کی طرف فی الحال کوئی متوجہ نہیں تھا۔ تمام کی توجہ بلونت کی طرف مبذول تھی۔ وہ کراہتے ہوئے بولا۔

"ہمارے سربراہ کا نام رام پرتاپ چند ہے۔ یہاں پاکستان میں وہ مرزا طاہر حسین کے نام سے معروف ہے۔ اس کا کوڈ نام پاشا ہے۔ وہ تقریباً 15 سال سے مقیم ہے اور اب تھوڑے عرصے بعد ہی اس کا بھارت واپسی کا ارادہ ہے۔ اس کے قائم مقام کے لیے چندر پال

عرف چندرو کو بھیجا گیا ہے۔ یہاں اس کا نام قمرالدین ہے۔ پاشا چندر پال کو آہستہ آہستہ ساری ذمہ داریاں سمجھا رہا ہے۔ ان دونوں کے بعد میرا اور وکرم کا نمبر ہے۔ وکرم کا کام یہاں پر دہشت گردی پھیلانا ہے۔ خود کش دھماکے، ریموٹ کنٹرول بم دھماکے، ٹائم بم دھماکے یہ سارے اس کی عمل داری میں آتے ہیں۔ مجھے یہاں زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ مجھ سے پہلے خادم حسین تھا۔ آپ لوگوں کی نظروں میں آجانے کی وجہ سے اسے ہم نے خود دھماکے میں اڑا دیا تھا، اس کی جگہ پر میں پوسٹ ہوا ہوں میرا کام پاکستان کے خفیہ راز کسی بھی طریقے سے حاصل کر کے اپنے وطن بھیجنے ہوتے ہیں۔''

''یہ ساری تفصیل بعد میں بتلانا۔'' عاطف نے اسے ٹوکا۔''فی الحال پرتاپ چند عرف پاشا، وکرم اور اپنے گھر کے ایڈریس سے آگاہ کرو۔'' جواباً بلونت نے تینوں کے گھروں کے ایڈریس دہرا دیے۔

''اس کے علاوہ دوسری رہائش گاہیں بھی تو ہوں گی میرا مطلب ایسی رہائش گاہوں سے ہے جو تم لوگوں نے خراب حالات کے لیے بنائی ہوں گی۔''

''پاشا صاحب کی دو کوٹھیاں اور بھی ہیں۔'' بلونت ان کوٹھیوں کا ایڈریس دہراتے ہوئے بولا۔''ان کے علاوہ مجھے پاشا کی کسی اور رہائش کا علم نہیں ہے۔ جبکہ وکرم عموماً اپنی رہائش گاہ بدلتا رہتا ہے میں نے اس کی موجودہ رہائش گاہ کا پتا چلا دیا ہے۔ آئندہ وہ کدھر منتقل ہوگا۔ اس سے میں لاعلم ہوں۔''

''اس کے علاوہ تمھیں اپنے جتنے ایجنٹوں کے ایڈریس معلوم ہوں وہ بھی بتلا دو۔''

اس مرتبہ بلونت کا جواب نفی میں تھا۔''فیلڈ کے تمام ایجنٹوں کو وکرم ہینڈل کرتا ہے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس بھی معلوم نہیں ہے۔''

''تیرے اپنے ماتحت کوئی بندہ نہیں ہے۔''

''دو ہیں...... اور دونوں میرے ساتھ ہی رہائش پذیر ہیں۔''

بلونت کی بات ختم ہوتے ہی عاطف تفتیش کرنے والے دونوں افراد سے مخاطب ہوا۔''فی الحال اسے کچھ نہ کہو۔ میں ذرا اس کے بتلائے ہوئے ایڈریس چیک کرلوں، واپسی پر بات چیت ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ ٹارچر روم سے باہر کے جانب چل دیا۔ وہ جلد از جلد ان کی رہائش گاہوں پر ہلا بول دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ تاخیر کی صورت میں مجرم فرار ہو سکتے تھے۔

☆......☆......☆

''یس! وکرم کیا بات ہے؟'' پاشا سیل فون کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''مہاراج!...... بلونت پکڑا گیا ہے۔'' اسے وکرم کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ اسے پاشا نے ہی بلونت کی نگرانی پر مقرر کیا تھا

اوراس وقت وہ بلونت کے انتظار میں چندر پال کی رہائش گاہ پر آکر بیٹھا ہوا تھا۔اس یقین کے ساتھ کہ گھنٹے ڈیڑھ بعد بلونت نے اس کے پاس ہوتا تھا۔اس کی بجائے جب اسے بلونت کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو ایک لمحے کے لیے اس کا ذہن ماؤف سا ہو گیا۔اسے لگا سی آئی اس کے دروازے پہنچ گئی ہے مگر دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال کر وہ وکرم سے بولا۔

''وکرم جتنی تیزی سے ممکن ہو تمام ایجنٹوں کو بتادو کہ اپنے ٹھکانے بغیر کسی تاخیر کے بدل لیں۔سیل فون اور کنکشن نمبر تبدیل کرلیں اوراپنی پہلی رہائش گاہ میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑیں جو دشمن کو فائدہ دے سکے۔''

''میں سمجھ گیا سر۔''

''اوکے!اس کے بعد مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کرنا۔''پاشا نے اسے نیا نمبر بتا کر رابطہ منقطع کر دیا۔اس کے سامنے بیٹھا چندر پال بھی متوحش نظر آرہا تھا۔

''چندر پال تم پانچ منٹ میں اہم دستاویزات اور نقدی گاڑی میں رکھو ہمیں فی الفور یہ جگہ چھوڑنی پڑے گی۔خیال رہے عجلت میں کوئی ایسی چیز تم سے نہ رہ جائے جو بعد میں نقصان کا باعث بنے۔''

چندر پال۔''جی مہاراج۔''کہتا ہوا اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا،جبکہ مرزا پاربتی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''جی مہاراج؟''پاربتی کال ریسو کرتے ہوئے بولی۔

''پاربتی،بغیر کسی تاخیر کے یہ جگہ چھوڑ دو۔تمام نوکروں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی غائب ہو جائیں تم بھی ضروری اور اہم اشیاء گیراج میں کھڑی کالی ویگن میں رکھ کر اگلے دس سے پندرہ منٹ میں اس مکان سے رخصت ہو جاؤ۔بلونت گرفتار ہو گیا ہے اور کسی بھی لمحے سی آئی وہاں پہنچ سکتی ہے۔سمجھ گئی ہو؟''

''ج......جی مہاراج۔''وہ شاک کی کیفیت سے باہر آتے ہوئے بولی۔

''خیال رہے جلدی میں دشمن کے کام آنے والی کوئی چیز وہاں نہیں چھوڑ دینی۔''

''ٹھیک ہے مہاراج......بلکہ میں کوشش کروں گی کہ ضروری چیزیں نکال کر یہاں پٹرول چھڑک کر آگ لگا کر نکلوں۔''

''کچھ بھی کرو مگر بیس منٹ سے زیادہ ٹائم نہیں لگنا چاہیے۔''کہتے ہوئے اس نے رابطہ منقطع کیا اور چندر پال کا ہاتھ بٹانے کے لیے اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا چندر پال بہت تیزی سے ضروری اور اہم اشیاء ایک بڑے بیگ میں بھر رہا تھا۔وہ بھی اس کی مدد کرنے لگا 10 منٹ کے اندر وہ تمام کمروں کا جائزہ لے کر باہر نکل آئے تھے۔اس گھر میں بھی ایک ایسی کار موجود تھی جو انھوں نے اسی دن کے لیے سپیئر رکھی ہوئی تھی۔کار کی ڈگی میں بیگ رکھ کر چندر پال بولا۔

''مہاراج بسنتی اور موہن کو تو بتایا ہی نہیں وہ دونوں کچن میں مصروف ہیں۔''

"اوہ......" مرزا ماتھے پہ ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "انھیں بلاؤ! ساتھ ہی لے چلتے ہیں۔" چندر پال سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے نئے ٹھکانے کی طرف رواں تھے۔ جس کے متعلق صرف مرزا طاہر حسین عرف پاشا کو معلوم تھا۔

☆......☆......☆

عاطف نے اپنے بندوں کو چار گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پاشا، بلونت وکرم اور چندر پال کی رہائش گاہوں پر ایک ہی وقت میں چھاپہ مارا جائے تا کہ ٹائم کی بچت کے ساتھ دشمن کو ایک دوسرے کو آگاہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ خود اس پارٹی کے ساتھ ہو لیا جس نے پاشا کی رہائش گاہ پر ہلا بولنا تھا۔ دو ویگنوں میں سوار دس بندے پاشا کی رہائش گاہ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پاشا کی رہائش گاہ کا پتا کوئی اتنا پیچیدہ نہیں تھا کہ انھیں تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش آتی۔ وہ ابھی تک اس مکان سے 60,50 گز دور تھے کہ ایک کالی ویگن اس کوٹھی سے نکلی اور مخالف سمت میں روانہ ہو گئی۔ عاطف چیختے ہوئے ڈرائیور سے بولا۔

"اس کا تعاقب کرو۔" اور اس کے ساتھ وہ واکی ٹاکی پر دوسری ویگن والوں سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ مکان کی تلاش لو۔ ہم کالی ویگن کے پیچھے جا رہے ہیں احتیاط سے اندر داخل ہونا۔"

"ٹھیک ہے سر۔" اسے اشفاق کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

کالی ویگن کی رفتار کافی تیز تھی۔ انھیں بھی اس تک پہنچنے کے لیے رفتار بڑھانی پڑی اور جب کالی ویگن ایک سبزی فروش کے ٹھیلے کو ٹکر مار کر رکنے کی بجائے اسی رفتار میں بڑھتی گئی تو عاطف سمجھ گیا کہ وہ تعاقب سے باخبر ہو گئے ہیں۔ گلی کے خاتمے تک وہ فاصلہ گھٹنے کی بجائے بڑھ گیا تھا اور اس کی وجہ ڈرائیور کا محتاط پن تھا وہ تیزی میں کسی بے گناہ کو مارنے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس کالی ویگن کا ڈرائیور ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز تھا۔ روڈ پر چڑھتے ہی ڈرائیور نے سپیڈ بڑھاتے ہوئے پولیس کا مخصوص سائرن بھی آن کر دیا۔ چوک تک پہنچتے پہنچتے دونوں گاڑیوں کا درمیان فاصلہ کافی کم ہو گیا۔ ان کے چوک کے قریب پہنچتے ہی لال بتی روشن ہوئی مگر کالی ویگن اشارہ توڑتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ان کی ویگن کے سامنے دو کاریں پہلو بہ پہلو رک گئی تھیں جس کی وجہ سے ان کا راستہ بلاک ہو گیا۔ ڈرائیور نے تیز ہارن بجا کر کار کے ڈرائیور کو راستہ چھوڑنے کا اشارہ کیا مگر وہ شاید سگنل توڑنے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

"اسے پیچھے سے ٹکر مارو۔" دور جاتی ویگن کو دیکھ کر عاطف وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

ڈرائیور نے ہونٹ بھینچتے ہوئے ایکسلریٹر دبایا اور طاقت ور ویگن سوزکی کار کو دھکیلتے ہوئے آگے لے گئی۔ چوک میں کھڑا پولیس کا سپاہی اور کار کا ڈرائیور ہکا بکا رہ گئے تھے۔ مگر انھیں ان کی مطلق پروا نہیں تھی۔ تھوڑا سا راستہ بنتے ہی ڈرائیور نے مہارت سے ویگن کو آگے نکالا۔ سائیڈوں سے آنے والی ٹریفک سے ویگن بچاتے ہوئے وہ سیدھے روڈ پر چڑھا اور پھر خالی روڈ پر طاقتور ویگن فل سپیڈ سے بھاگنے لگی۔ ان چند لمحوں کا فائدہ اٹھا کر کالی ویگن کافی آگے نکل گئی تھی۔ چوک میں کھڑے پولیس کے سپاہی نے کالی ویگن کے سگنل توڑنے کا

نوٹس لیا ہوتا تو اتنی جلدی نہ نکل سکتی مگر بدقسمتی سے کراچی کی پولیس مجرم تنظیموں کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہے، یوں بھی ان غریبوں کے پاس اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس وجہ سے وہ کسی ایسی صورتِ حال میں پھنسنے سے حتی الوسع بچنے کی کوشش کرتے جس میں کسی طاقتور شخص کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ کالی ویگن کا تعاقب نہ کرنے میں بھی وہی سوچ کارفرما تھی کہ اس جیسی قیمتی گاڑی میں کوئی بااثر شخصیت ہی براجمان ہو سکتی تھی۔ دوسرے چوک کو بھی دونوں ویگنوں نے آندھی و طوفان کی طرح کراس کیا۔ اپنی تمام تر مہارت بروئے کار لانے کے باوجود کالی ویگن ان سے پچاس ساٹھ گز کی دوری پر تھی اور پھر ان کی خوش قسمتی کہ دائیں طرف کے بغلی روڈ سے ایک لوڈ ٹرک مین روڈ پر چڑھا، ٹرک ڈرائیور کالی ویگن کی سپیڈ کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور اس نے ویگن کے پہنچنے سے پہلے روڈ کراس کر کے اپنی لین میں جانا چاہا اور اس کی یہ غلطی عاطف پارٹی کے لیے غیبی امداد بن گئی۔ کالی ویگن کے ڈرائیور نے سٹیرنگ کاٹ کر ویگن کو ٹرک کے پیچھے سے نکالنا چاہا مگر اس کی بدقسمتی کہ تیز رفتار ویگن اس سے سنبھل نہ سکی اور پلٹیاں کھاتے روڈ سے نیچے جا گری اس طرح کہ اس پہیوں کا رخ آسمان کے جانب تھا۔

☆......☆......☆

وہ تمام بھاگتے ہوئے الٹی ہوئی ویگن کے قریب پہنچے یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ویگن ڈرائیو کرنے والی ایک نوجوان دوشیزہ تھی اس کے علاوہ گاڑی میں ادھیڑ عمر کے مرد و عورت بھی موجود تھے۔ تینوں بیہوش تھے۔

انھوں نے جلدی سے ویگن کے دروازے کھول کر انھیں باہر نکالا، اتنے خطرناک ایکسیڈنٹ کے باوجود وہ شدید زخمی ہونے سے بچ گئے تھے یا شاید انھیں تھوڑے زخم نظر آ رہے تھے بہرحال ظاہری طور پر وہ ٹھیک ہی لگ رہے تھے۔ خوبصورت دوشیزہ کے ماتھے پر زخم کا نشان تھا باقی بدن بظاہر ٹھیک نظر آ رہا تھا۔ یہی حالت ادھیڑ عمر جوڑے کی بھی تھی۔ انھیں زمین پر لٹا کر عاطف نے دو بندوں کو ویگن کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ وہ دونوں چند لمحے بعد چمڑے کے دو خوبصورت بیگوں کے ساتھ واپس ہوئے۔ ان میں سے ایک نے رپورٹ دی......

''سر!......اس کے علاوہ تو کوئی خاص چیز ویگن میں نظر نہیں آ رہی۔''

''اچھا ان تینوں کو اپنی ویگن میں منتقل کر دو۔'' عاطف نے کہا......مگر اس سے پہلے کہ اس کے حکم پر عمل ہوتا ایک خوشگوار رنگنگ ٹون ان کے کانوں میں گونجی......یہ آواز لڑکی کے موبائل کی تھی جو یقیناً اس نے گریبان میں رکھا ہوا تھا۔

''ذوالفقار موبائل نکال کر میرے حوالے کرو۔'' اور ذوالفقار نے بے جھجک اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک جدید ساخت کا خوبصورت سا سیل فون نکال کر عاطف کی طرف بڑھا دیا۔ موبائل کی روشن سکرین پر عاطف کو انگلش میں لکھا مہاراج چمکتا نظر آیا۔ فون اٹینڈ کرتے پر ایک جھنجلاتی آواز اس کے کانوں میں پڑی......!

''پارتی!......کہاں مر گئی ہو تمھیں کہا تھا کہ بیس منٹ میں وہاں سے نکلو اور اب دو گھنٹے ہونے کو ہیں تو نے ابھی تک کوئی رپورٹ

نہیں دی ہے، جلدی بتاؤ کہاں پہ ہو؟" ایک لمحہ سوچنے کے بعد وہ گلا کھنکار کے بولا.....

"مسٹر آپ کی ساتھی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے..... یہ اور اس کے ہمراہ موجود دو ادھیڑ عمر کے مرد وعورت اس حادثے میں شدید زخمی ہو گئے ہیں اور اب میں انھیں اپنی گاڑی میں ہسپتال لے جا رہا ہوں، ان کی گاڑی یہیں پہ الٹی پڑی ہے آپ اس کا بندوبست کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ پولیس خود اٹھوا کے لے جائے گی۔"

"کون ہو تم؟" مہاراج چونک گیا تھا۔

"میرا نام عبدالشکور ہے اور میں ایک بزنس مین ہوں..... دفتر سے گھر جاتے ہوئے اتفاقی طور پر یہ حادثہ میری آنکھوں کے سامنے پیش آیا ہے اور اب میں انھیں سول ہسپتال لے جانے لگا ہوں ان کی جان خطرے میں ہے میرے پاس آپ سے بات چیت کا ٹائم نہیں آپ بس جلدی سے ہسپتال پہنچیں کیونکہ ورثا کا ہونا اشد ضروری ہوگا۔"

"کیا بہت زیادہ زخمی ہیں؟" اس کے لہجے میں چھپی تشویش عاطف سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"بھئی ایک دفعہ بتا تو دیا ہے کہ کافی زخمی ہیں، باقی خود آ کر دیکھ لینا۔"

"ٹھیک ہے ہسپتال پہنچتے ہی مجھے اسی نمبر پر کال بیک کرنا میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہی اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"چلو انھیں گاڑی میں ڈالو..... اور ذوالفقار تم یہیں پہ رک کر اس ویگن کی نگرانی کرو پولیس والے لے جانا چاہیں تو انھیں روکنے کی ضرورت نہیں۔"

"جی سر۔" کہہ کر ذوالفقار سائیڈ پہ ہو گیا زخمی وہ ویگن میں منتقل کر چکے تھے عاطف ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"یہاں سے سیدھے گیسٹ ہاؤس چلو، وہاں لڑکی کو اتار کر باقی کو ہسپتال لے جائیں گے۔"

"سر زیادہ زخمی تو لڑکی ہے، یہ دونوں تو بظاہر ٹھیک ہیں" عقبی نشست پہ بیٹھا الیاس خاموش نہ رہ سکا۔

"الیاس صاحب!..... یہ دونوں چہرے، بشرے اور لباس سے واضح طور پر ملازم دکھائی دیتے ہیں جبکہ لڑکی کی ڈرائیونگ دیکھ کر بھی آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ایک منجھی ہوئی ایجنٹ ہے۔ دشمن کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ یہ ہمارے قبضے میں رہے، اور وہ پہلی فرصت میں اسے چھڑانے یا ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے رسک لینے سے بہتر ہے کہ ڈاکٹر کو گیسٹ ہاؤس بلا لیا جائے۔"

"مگر آپ نے تو فون پر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اب اگر ہم اسے ہسپتال لے کے نہ گئے تو وہ چوکنے ہو جائیں گے۔" اس کی وضاحت سے خرم کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"چوکنے تو وہ اسی وقت ہو گئے ہوں گے جب ان کی کال لڑکی کی بجائے میں نے اٹینڈ کی۔ اب بغیر تصدیق کے وہ کسی صورت ان بندوں کے قریب نہیں پھٹکیں گے۔"

''تو پھر انھیں ہسپتال لے جانے کا کیا فائدہ؟''

''فائدہ یہ ہے میرے بھائی کہ لگ گیا تو تیر ورنہ تکا سہی .....ان دونوں کو ہسپتال داخل کرا کے ایمرجنسی استقبالیہ پر تینوں کا اندراج کرادیں گے.....آگے ان کی یا ہماری قسمت۔''اس مرتبہ بات خرم کی سمجھ میں بات آگئی کہ اس نے مزید کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کی۔

☆......☆......☆

سردار اور شمشیر اس وقت تین منزلہ ہوٹل کی چھت پہ موجود تھے۔دونوں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد اس جگہ کا انتخاب کیا تھا ۔ہوٹل کے سامنے روڈ کے پار ایک وسیع پارکنگ بنی ہوئی تھی جہاں مختلف کمپنیوں سے تعلق رکھنے والے بزنس مین اپنی گاڑیاں کھڑی کرتے ۔اکبر علی کا آفس بھی وہیں تھا اور صبح کے ٹھیک آٹھ بجتے ہی وہ اپنے باڈی گارڈز کے ہمراہ وہاں پہنچ جاتا تھا۔گاڑی سے نکلتے وقت چند لمحوں کا ٹائم ایسا ہوتا جس دوران اسے نشانہ بنانا ممکن تھا ورنہ اس کے بعد درجن بھر محافظ اسے گھیرے میں لے لیتے۔ان سب باتوں کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے اس ہوٹل میں کمرہ لینے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

سردار خان نے دور مار رائفل کی ٹیلی سکوپ سائیٹ سے پارکنگ کا جائزہ لیا ٹیلی سکوپ کے طاقتور عدسوں کی بدولت کلومیٹر بھر کا فاصلہ سمٹ کر اتنا مختصر رہ گیا تھا کہ کسی بھی شخص کی پہچان آسانی سے ہو سکے۔اس کے ہاتھ میں آسٹریا کی بنی ہوئی سٹائر سنائپر رائفل تھی جسے پارٹس میں کھولنا بھی ممکن تھا۔اس کی کارگر رینج اتنی تھی کہ وہ آسانی سے ہوٹل کی چھت سے کار پارکنگ کے کسی بھی کونے میں موجود فرد کو نشانہ بنا سکتے تھے۔اس کی بڑی خامی یہ تھی کہ اس کے سامنے سائیلنسر فٹ نہیں ہو سکتا تھا۔لیکن اس خامی کا بندوبست وہ کر چکے تھے۔

آٹھ بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے کہ سردار نے رائفل کاک کر کے شمشیر کو تیار ہونے کا اشارہ کیا اور اکبر علی کے آنے کے راستے پہ نظریں گاڑ دیں ،جلد ہی اس کی نگاہیں اس مصروف شاہراہ پر اکبر علی کی مرسیڈیز اور اس کے پیچھے اس کے محافظوں کی ڈبل ڈور ٹویوٹا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔سردار خان کی ساری حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئی تھیں ۔طاقتور ٹیلی سکوپ سائیٹ میں اسے گاڑی میں بیٹھا ہوا اکبر علی صاف نظر آرہا تھا مگر گاڑی میں اسے نشانہ بنانا کافی مشکل تھا۔ویسے بھی وہ رسک نہیں لینا چاہتا تھا ورنہ اسے معلوم تھا کہ ایک مرتبہ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں اکبر علی چوکنا ہو جاتا اور پھر اس کے بعد اسے مارنا شاید ممکن نہ رہتا۔اور پھر وہ لمحہ آ گیا جس کا وہ کافی دیر سے منتظر تھا۔اس کی شہادت کی انگلی نے ٹریگر کی آزادانہ حرکت کو پورا کیا۔ٹیلی سکوپ سائیٹ میں بنے ریٹیکل پیٹرن کا کراس نما نشان اکبر علی کے ماتھے پہ فکس کرتے ہوئے اس نے ٹریگر مکمل پریس کر دیا اس کے ٹریگر پریس کرنے کے ساتھ ہی اس کی انگلی پہ نگاہیں جمائے بیٹھے شمشیر نے بھی اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا۔فائر کے ہلکے سے دھماکے کے ساتھ ہی ہوٹل کی پارکنگ میں ایک زوردار دھماکا ہوا جس سے فائر کے دھماکے کی آواز دب گئی اور گولی چلنے کی آواز کی طرف کسی کا دھیان نہ جا سکا۔اکبر علی کو بھی صرف اس کے محافظوں نے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔سردار نے جلدی سے پیچ کس نکال کر رائفل کو کھولا اور اپنے پاس موجود چمڑے کے بیگ میں رائفل

کے پارٹس منتقل کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔شمشیر اس کا منتظر تھا وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے سیڑھیوں تک پہنچے اور عجلت میں سیڑھیاں اترنے لگے......بم دھماکے سے ہوٹل میں کافی افراتفری پھیل گئی تھی ،اسی کا فائدہ اٹھا کر وہ فرار ہونا چاہتے تھے۔مگر بدقسمتی سے وہ بمشکل سیڑھیاں اتر پائے تھے کہ گیلری میں ایک اے ایس آئی چند سپاہیوں کے ہمراہ نمودار ہوا سپاہیوں کے ہاتھ میں پکڑی رائفلوں کا رخ ان دونوں کی طرف تھا۔ان کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

''خبردار......اپنے ہاتھ اوپر کرلو'' اے ایس آئی دھاڑا اور ان کے ہاتھ سروں سے بلند ہوتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

فون بند کر کے مرزا پریشانی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔پاربتی کے ایکسیڈنٹ کی خبر اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس کی خیر خبر لینے پر مجبور تھا۔وہ ایک اہم رکن تھی ہلکے سے شک کی بنا پر اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔اس کے شک کی سب سے بڑی وجہ پاربتی کا اتنا لیٹ ہونا تھا ورنہ جس وقت اسے مطلع کیا گیا،اس کی رو سے پاربتی کو کافی دیر پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے دوبارہ پاربتی کا نمبر ڈائل کیا۔اس مرتبہ بھی فون اٹینڈ کرنے والا وہی شخص تھا جس نے پچھلی مرتبہ اس کی کال ریسیو کی تھی۔

''جی جناب!؟......میں اب تک راستے میں ہوں ہسپتال پہنچتے ہی آپ کو فون کر دوں گا۔''

''سوری جناب!......آپ کو ڈسٹرب کیا میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ یہ حادثہ کس جگہ پیش آیا ہے تاکہ میں وہاں سے گاڑی اٹھوالوں۔'' جواباً اجنبی نے بغیر جھجکے اسے حادثے کی جگہ کے بارے بتا دیا۔

''تھینکس بس یہی پوچھنا تھا۔'' رابطہ منقطع کر کے اس نے وکرم کا نمبر ملایا اور اسے ایکسیڈنٹ کی جگہ کے بارے بتانے لگا......

''فوری طور پر چیک کر کے مجھے بتاؤ آیا اس جگہ کسی ویگن کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟'' اور وکرم کے ''جی مہاراج'' کہنے پر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

جب تک حادثے کی تصدیق نہ ہو جاتی وہ ہاسپٹل جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔وہ بے چینی کے عالم میں کمرے کے اندر چکر کاٹنے لگا۔اسے وکرم کے فون کا شدت سے انتظار تھا۔

فون کی گھنٹی بجی مگر پاربتی کا نمبر دیکھ کر اس نے منہ بناتے ہوئے کال اٹینڈ کر لی......

''بھائی جان !میں نے آپ کے رشتہ داروں کو سول ہسپتال کے شعبہ حادثات میں داخل کرا دیا ہے۔اور اپنا ایڈریس نوٹ کرا کے گھر جا رہا ہوں۔ زخمیوں کا سامان جو مجھے گاڑی سے ملا ہے اور یہ قیمتی موبائل میرے پاس ہی ہے آپ جس وقت چاہیں آکر لے جا سکتے ہیں۔''

''مہربانی بھائی جان میں بس تھوڑی دیر تک ہسپتال پہنچنے والا ہوں۔اور اپنا ایڈریس مجھے نوٹ کرا دیں میں آپ کے گھر سے آکر

سامان وصول کرلوں گا۔''

''جی نوٹ کریں۔'' کہتے ہوئے اجنبی نے اپنے گھر کا ایڈریس نوٹ کرا کے رابطہ منقطع کردیا۔

دس پندرہ منٹ بعد وکرم کی کال بھی آگئی......

''مہاراج کالے رنگ کی ایک ویگن یہاں الٹی پڑی ہے لگتا ہے تیز رفتاری کے باعث ڈرائیور اسے قابو نہ کرسکا کیونکہ سامنے اور پیچھے کی طرف کوئی ایسا نشان دکھائی نہیں دے رہا جس سے پتا چلے کہ یہ دوسری گاڑی سے ٹکرائی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ سچ کہہ رہا تھا؟'' پاشا نے خود کلامی کی۔

''کون مہاراج؟''

''کوئی نہیں......'' وہ اس کا سوال نظرانداز کرگیا۔ ''یہ بتاؤ گاڑی سے کتنی دور ہو؟''

''نزدیک ہی ہوں۔''

''اس کی تلاشی لے کر......آگ لگا دو۔''

''مہاراج!......یہ ویگن ہے کس کی؟''

''اپنی ہے......اس میں پاربتی اور دونوں ملازم سوار تھے۔''

''بچ تو گئے ہیں نا؟'' وکرم کے لہجے سے فکرمندی عیاں تھی۔

''سنا تو یہی ہے۔ مزید خبر گیری کے لیے تجھے سول ہسپتال جانا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج!......میں ویگن کو آگ لگا کر ہسپتال پہنچ رہا ہوں۔ آپ نے آنا ہے؟''

''نہیں چندر پال آئے گا۔ میں نے کہیں اور جانا ہے۔'' اس نے رابطہ منقطع کیا اور چندر پال کو آوازیں دینے لگا اس کا ارادہ چندر پال کو وکرم کے ساتھ ہسپتال بھیج کر خود اس اجنبی کے گھر جانے کا تھا جس کے پاس ان کا اہم سامان پڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

کلاشن کوف، ایٹ ایم ایم، سیون ایم ایم، بارہ بور رائفل اور تیس بور پسٹل کے متعلق آپ لوگ اچھی طرح پڑھ چکے ہو۔ یہ تمام ایسے ہتھیار ہیں جو عمومی طور پر سول لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور پاکستان میں عام دستیاب ہیں اس لیے ان پر عبور حاصل کرنا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ باقی پسٹل اور رائفل کے فائر میں جو بنیادی فرق ہے اس سے بھی آپ لوگوں کو آگاہی دی جا چکی ہے۔ ہر دو کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن آپ لوگوں کا واسطہ چونکہ زیادہ تر شہری علاقوں سے پڑنا ہے اس لیے آپ کو پسٹل کے استعمال میں مہارت ہونی چاہیے۔ پسٹل میں سب سے بڑی پرابلم نشانہ لینے کی ہوتی ہے اور رائفل کے برعکس اس میں شست لیتے وقت زیادہ تر اندازے سے

کام چلانا پڑتا ہے اس کا اندازہ آپ لوگوں کو فائر کے دوران ہوگیا ہوگا کہ کس طرح دو سو میٹر کے فاصلے سے رائفل کے ذریعے آسانی سے ٹارگٹ کو نشانہ بنانے والے کے لیے پچیس میٹر کی دوری پر لگے ٹارگٹ کو پسٹل سے نشانہ بنانے میں کتنی مشکل پیش آتی تھی۔

بہرحال یہ ساری باتیں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں آج ہم ایک نئی چیز کے متعلق پڑھیں گے۔کوئی ایسا دشمن جو حفاظتی گارڈ کے جتھے میں زندگی گزارتا ہو، جس کی پرسنل سیکورٹی اتنی سخت ہو کہ آپ کو اس کے قریب جانے کا موقع نہ ملے۔اس وقت کام کو آسان کرنے اور آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرنے والی چیز دور مار رائفل ہے۔اس کو سنائپر رائفل بھی کہتے ہیں۔اس وقت جو رائفل میرے ہاتھ میں ہے یہ سوویت یونین کی بنی ہوئی ڈریگنو (Dragunov) رائفل ہے اس کی کارگر رینج 1200 میٹر ہے یعنی ایک کلومیٹر سے بھی زیادہ۔دور مار رائفل اور عام رائفل کے اندر جو بنیادی فرق ہوتا ہے وہ اس چیز کا ہوتا ہے۔'' ان کے انسٹرکٹر کاشف نے ایک دوربین نما چیز ان کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔'' اسے ٹیلی سکوپ سائیٹ کہتے ہیں اگر یہ دستیاب نہ ہو تو ایک دور مار رائفل اور عام رائفل کے فائر میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا۔''

خالد نے پوچھا۔'' سر اس کا مطلب ہے کہ اگر کسی عام رائفل کے ساتھ ٹیلی سکوپ سائیٹ استعمال کر کے اس کی رینج میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے؟''

''نہیں یہ ایک الگ چیز ہے۔کیونکہ ایک رائفل کے ساتھ ملی ہوئی سائیٹ کسی دوسری رائفل کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتی۔یہ نہیں کہ آپ کلاشن کوف کے ساتھ دوربین باندھ دیں کہ اس سے دور تک نظر آتا ہے تو اس سے کلاشن کوف کی رینج بھی بڑھ جائے گی ......بالکل غلط کیونکہ کسی بھی رائفل کے ساتھ بنی ہوئی ٹیلی سکوپ اعلیٰ سائنسی پیمانے پر فکس کی جاتی ہے تاکہ جو رینج سیٹ کی جائے اتنے ہی فاصلے پر گولی ہٹ ہو......البتہ کچھ رائفلیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ دونوں رول پر استعمال ہوتی ہیں جیسے پاکستان یا انڈین آرمی میں استعمال ہونے والی جی تھری ہے کہ ان کے ساتھ ایک ایکسٹرا ٹیلی سکوپ سائیٹ ملتی ہے۔اسی طرح باقی ممالک کی تیار کردہ کچھ رائفلیں بھی ایسی ہیں کہ وہ دونوں رولز پر استعمال ہو سکتی ہیں، لیکن میں ان کی تفصیل میں چلا گیا تو آج کا سبق رہ جائے گا اس لیے اپنے سبق کی طرف آتے ہیں۔میں ڈریگنو رائفل کے متعلق آپ کو بتا رہا تھا......اس رائفل میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ عام دور مار رائفلوں کے برعکس اس کا شمار ان چند اچھی رائفلوں میں ہوتا ہے جو سیمی آٹومیٹک ہیں۔مطلب اسے فائر کرتے وقت ایک دفعہ ہی کاک کیا جاتا ہے جبکہ عام دور مار رائفلیں ہر فائر کے لیے نئے سرے سے کاک کی جاتی ہیں بالکل تھری ناٹ تھری کی طرح۔اس کی میگزین میں دس راؤنڈ آتے ہیں، وزن میں کافی ہلکی ہے 4، سے 5 کلوگرام تک وزن ہوگا۔ٹیلی سکوپ سائیٹ لگائے بغیر بھی اس سے فائر کیا جا سکتا ہے، مگر اس صورت میں اس کی رینج کم ہو جائے گی۔اب میں تفصیل سے اس کے چھوٹے حصوں پرزوں کے بارے آپ کو پڑھاتا ہوں تاکہ وقت پڑنے پر آپ اس میں ہونے والا چھوٹا موٹا فالٹ (Fault) یعنی نقص دور کر سکیں۔'' یہ کہہ کر ان کا انسٹرکٹر رائفل کو چھوٹے پارٹس میں کھولنے لگا۔ٹی بریک تک وہ ڈریگنو رائفل

کے بارے پڑھتے رہے۔اور پھر ٹی بریک کا وقفہ آتے ہی ان کے قدم بے تابی سے کیفے کے جانب اٹھنے لگے جہاں پر شباب دوشیزائیں شدت سے ان کی منتظر تھیں۔ان کی موجودگی نے ٹریننگ کے تحت اور بور ماحول میں دلکشی کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

ویگن کے گرد مشکوک انداز میں چکراتے ہوئے بندے کو دیکھتے ہی ذوالفقار چوکنا ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے بھی چند افراد ویگن کو دیکھنے کے لیے رکے تھے مگر ان کے اور اس اجنبی کے انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ویگن کا چاروں جانب سے جائزہ لے کے اس نے فون پر کسی سے بات کی۔ ذوالفقار کو لگا جیسے وہ کسی سے ہدایات لے رہا ہو۔اس نے بھی اس بندے کے متعلق عاطف صاحب کو اطلاع دینا مناسب سمجھا۔

موبائل نکال کر وہ عاطف کا نمبر ڈائل کرنے لگا اس دوران وہ شخص موبائل جیب میں ڈال کر ویگن کے جانب بڑھا اور ٹوٹی کھڑکی سے ویگن کے اندر گھس گیا۔

عاطف کا نمبر بزی جا رہا تھا۔اس نے دوبارہ کوشش کی مگر اس کا نمبر اسی طرح مصروف ملا۔موبائل جیب میں ڈال کر وہ ایک مرتبہ پھر اس مشکوک افراد کی حرکات کا جائزہ لینے لگا۔وہ خود اس وقت ایک چھوٹی سی پلی کے نیچے چھپا ہوا تھا۔مشکوک شخص اس سے ڈیڑھ دو سو گز کی دوری پر ہوگا۔اچانک اسے لگا کہ اس شخص کا ارادہ ویگن کو آگ لگانے کا ہے......اس نے شاید پٹرول کی ٹینکی کا ڈھکن کھول دیا تھا ۔گاڑی سے چند گز دور ہٹ کر اس نے جیب سے ماچس نکالی، تیلی جلا کر ویگن کے جانب اچھالی اور آگ کے بھڑکتے ہی پیچھے مڑ کر بھاگا ۔اسے بھاگتے دیکھ کر ذوالفقار اضطراری انداز میں کھڑا ہو گیا۔اس نے مشکوک فرد کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔مگر اس کی بدقسمتی کہ اجنبی نے بھی اسے پلی کے نیچے سے برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔پہلے تو وہ پٹرول کی ٹینکی کے پھٹنے کی وجہ سے ویگن سے دور بھاگ رہا تھا مگر ذوالفقار پر نظر پڑتے ہی اسے پٹرول کے ٹینک سے بھی بڑا خطرہ محسوس ہوا اور اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پلی کے نیچے چھپ کر اس کی حرکات کا جائزہ لینے والا کون ہو سکتا تھا۔

ذوالفقار بھی تمام احتیاط بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑا۔مگر موت کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر جو تیزی اس اجنبی کے قدموں میں آئی تھی وہ ذوالفقار کے قدموں میں مفقود تھی۔اس کے باوجود شاید وہ کسی نہ کسی طرح اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اسے ایک موٹر سائیکل کے قریب رکتے دیکھ کر ذوالفقار کو لگا کہ وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔اس نے بھاگتے ہوئے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی جانب سیدھا کرتے ہوئے للکارا ......

"رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

مگر اجنبی نے اس کی دھمکی کی مطلق پرواہ نہیں کی تھی۔موٹر سائیکل کو کک لگا کر اسٹارٹ کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔اس دوران

ذوالفقار اتنے قریب پہنچ گیا تھا کہ اسے ریوالور سے نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن دوڑتے ہوئے ریوالور سے کسی کو نشانہ بنانا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور تھا۔

اس نے رک کر موٹر سائیکل سوار کی پیٹھ کا نشانہ لے کر گولی داغ دی۔ سو ڈیڑھ سو گز کی ریس لگانے کے بعد اس کا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی بیکار گئی اس نے دوبارہ ٹریگر پریس کیا مگر پہلے فائر کی آواز سن کر اس چالاک شخص نے موٹر سائیکل کو زگ زیگ کے انداز میں دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ ذوالفقار جنونی انداز میں ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن چھ کی چھ گولیاں بیکار گئیں تھیں۔ اسی اثناء میں تیز رفتار گاڑیوں کا ریلا اس کے قریب سے گذرا، اس سے پہلے یقیناً چوک پر بتی سرخ ہونے کے باعث یہ گاڑیاں رکی ہوئی تھیں۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک دو گاڑیوں سے لفٹ مانگی لیکن بدقسمتی سے وہ مرد تھا اور اس جنس کو پاکستان میں لفٹ کم ہی ملا کرتی ہے۔ دوسرے بدحواسی میں ریوالور ابھی تک اس نے ہاتھ میں ہی پکڑا ہوا تھا۔ اور اس عالم میں تو کوئی تھانیدار بھی اسے لفٹ دینے کی جرات نہ کرتا۔ جب تک اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا موٹر سائیکل سوار اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور اس کے بعد لفٹ مل جانا بے فائدہ ہی تھا، اس نے سر جھٹک کر جیب سے موبائل نکالا اور ایک مرتبہ پھر عاطف کا نمبر ٹرائی کرنے لگا اس مرتبہ بغیر کسی دشواری کے رابطہ ہو گیا تھا۔

"جی ذوالفقار؟"

"سر جی!.....ایک بہت بڑی مسٹیک (Mistske) ہو گئی ہے۔ اس کے لہجے میں ندامت کا عنصر نمایاں تھا۔

"تمہید مت باندھا کرو۔" عاطف کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"سر جی !.....ایک آدمی حادثے کی جگہ کا جائزہ لینے آیا تھا میں کوشش کے باوجود اسے نہ پکڑ سکا۔"

"تجھے کس بیوقوف نے اسے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا؟"

"سر میں رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر آپ کا نمبر بزی مل رہا تھا، اس دوران وہ.........." ذوالفقار نے ساری بات بلا کم وکاست بیان کر دی۔

"تمھاری اس غلطی سے ملک کا کتنا نقصان ہوا.....اندازہ ہے تمھیں؟"

"سر میں نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا؟"

"ذوالفقار ایک سیکرٹ ایجنٹ کو ہر وقت ہر غیر متوقع کام کے لیے تیار رہنا چاہیے.....اگر تجھے ہلکا سا بھی شبہ تھا کہ وہ بندہ نکل بھاگے گا تو وہیں چھپے رہتے۔ چھیڑ خانی کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرا جب میں نے تجھے وہاں نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا تو تیرا کام بنتا تھا کہ کسی ساتھی کو فون کر کے گاڑی یا موٹر سائیکل منگوا لیتے۔ تم خود بھی تو ایک ایجنٹ ہو اور اچھی طرح جانتے ہو نگرانی کرنے کے لیے کس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"سر اگر اس کے چھکے سے نکل جانے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں تھا تو اب اس کے بھاگ جانے سے کیا نقصان ہوا؟"

"گدھا ہے تو...... بیوقوف اس طرح دشمن چوکنا ہو جائے گا۔ اور ہم نے سول ہسپتال میں جو جال ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اب وہ بیکار گیا۔ مطلب...... ہماری ساری محنت چوپٹ ہوگئی۔"

وہ ندامت سے بولا۔"سوری سر!...... مجھ سے کوتاہی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں اگر کوتاہی سے تو نے سبق حاصل کر لیا ہے تو آئندہ کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہو گے۔ یوں بھی ہوا وہی ہے جو رب کو منظور تھا...... بہر حال گیسٹ روم میں پہنچو باقی باتیں وہیں ہوں گی۔"

☆......☆......☆

فنگر پرنٹس رپورٹ پڑھتے ہی دلشاد امین خوشی سے اچھل پڑا۔ مشروب کے تینوں گلاسوں پہ مقتولین کے علاوہ ایک شخص کی فنگر پرنٹس موجود تھیں۔

"اس کا مطلب ہے اب کام آسان ہو جائے گا؟" اس نے خود کلامی کی۔

"سر!...... کسی اور کے فنگر پرنٹس کا بھی ذکر ہے رپورٹ میں۔؟" پوچھنے والا حوالدار خورشید تھا۔

"بالکل آئے ہیں اور تمام گلاسوں پر مقتول کے ساتھ ایک ہی بندے کی انگلیوں کے نشان ملے ہیں۔"

"تو......! اب کیا کیا جائے ؟"

"اب کام آسان ہو گیا ہے...... یوں کرو تمام کے فنگر پرنٹس، ماہر کے پاس بھجوا دو...... یہ احتیاط کرنی ہے کہ ہر بندے کے نام کے سامنے اس کی اپنی انگلیوں کے نشان ثبت ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر...... اس کے علاوہ کچھ؟"

"نہیں...... بس یہ کر کے مجھے انفارم کر دینا کہ میں گھر جا سکوں۔" دلشاد امین نے کرسی سے ٹیک لگا لی۔ مسئلے کا کوئی حل نظر آتے ہی اس پہ تھکن غالب آنے لگی تھی۔ تمام دن ہنگامے میں گذرا تھا اور اب رات بھی آدھے سے زیادہ گذر گئی تھی۔

خورشید کے جانے کے بعد اس نے میز پر پڑا فون اپنے جانب کھسکاتے ہوئے اس ریسیور اٹھایا اس کا ارادہ ایس پی صاحب کو یہ خوشخبری سنانے کا تھا، مگر گھڑی پر نظر پڑتے ہی اسے اپنا ارادہ موخر کرنا پڑا۔ گھنٹے کی سوئی دو کا ہندسہ کراس کر چکی تھی، اس ٹائم لامحالہ ایس پی صاحب نے نیند میں ہونا تھا۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ گہری سوچ میں کھو گیا...... حالات کافی الجھ گئے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے خلاف اتنی گہری و گھناؤنی سازش ترتیب دینے والا کون ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے آخری چند دنوں کے واقعات کو ذہن میں دہرانے لگا اچانک اسے وہ شخص یاد آیا جس نے اسے اس کی کمسن بیٹی کے متعلق دھمکی دی تھی۔

"پتا نہیں اس کا نام کیا تھا؟" وہ آہستہ سے بڑبڑایا مگر ذہن پر زور دینے کے باوجود وہ اس کا نام یاد نہ کر سکا البتہ اس کے دو بندے دلشاد کی گرفت میں تھے اور وہ دوران تفتیش آسانی سے ان کے مالک کا نام اگلوا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ پولیس میں موجود کالی بھیڑ کی انگلیوں کے نشان مل گئے تھے۔ اب اس سازش کا خالق وہی تھا یا کوئی اور تھا ہر دو صورت اس نے بے نقاب ہو جانا تھا۔

دلشاد امین کی سروس میں یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اپنے سینئر کی تنقید کا نشانہ بننا پڑا تھا ورنہ اس سے پہلے تو سینئر اس کی ایمانداری کی وجہ سے اس سے آنکھ نہیں ملا پاتے تھے۔ بہر حال اب بھی اس کا ضمیر مطمئین تھا کہ اس نے جان بوجھ کر کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں غرق تھا کہ حوالدار خورشید اجازت لے کر اندر داخل ہوا......

"سر کام مکمل ہو گیا ہے۔"

"گڈ.....تمام کو آرام کے لیے چھوڑ دو، سنتریوں کو تاکید کر دینا کہ آج رات الرٹ رہیں بلکہ یوں کرو سنتریوں کی تعداد دگنی کر دو اور کسی بھی ہنگامی صورت حال میں مجھے اطلاع کرنی ہے میں گھر پہ ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

دلشاد دفتر سے نکل آیا.....گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں سرکاری گاڑی میں گھر جانے کا خیال آیا اس بہانے اسے چند بندوں کی پروٹیکشن بھی مل جاتی مگر پھر سر جھٹکتے ہوئے اس نے بزدلانہ خیال کو ذہن سے نکالا اور ذاتی کار میں بیٹھ کر تھانے سے باہر آ گیا۔ اتنی رات گذر جانے کی باوجود سڑکیں کی رونق میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی گاڑیوں کی آمدورفت کی وجہ سے وہ اس موٹر سائیکل پر دھیان نہ دے سکا جو اس کے تھانے سے باہر آتے ہی اس کے تعاقب میں چل پڑی تھی۔ اس پہ دو افراد سوار تھے۔

درمیانی رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اپنے گھر کے جانب چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ محبت کرنے والی شریک حیات اس کے انتظار میں جاگ رہی ہوگی اور جب تک اسے سامنے بٹھا کر اپنے ہاتھوں سے کھانا نہ کھلا لیتی اسے آرام نہ آتا۔ ایک چوک کی سرخ بتی پہ اس نے گاڑی روکی، موٹر سائیکل اس کی کار کے متوازی لا کر کھڑا کیا گیا...... پیچھے بیٹھے بندے نے کار کی اندرونی لائیٹ کی روشنی میں اس کی شناخت کی اور اس کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ جب باہر آیا تو اس میں تیس بور پسٹل دبا ہوا تھا جس کا رخ دلشاد امین کی طرف تھا۔ اگلے ہی لمحے فضا پسٹل کے دھماکے سے گونج اٹھی۔ مسلسل تین گولیاں دلشاد امین پر فائر کرتے ہی وہ چلایا......

"چلو۔" اور موٹر سائیکل سرخ بتی کی پرواہ کیے بغیر سیدھی نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

"ہیلو تھانیدار صاحب! آپ کا خیر خواہ بات کر رہا ہوں۔" شیر خان اے ایس آئی کو انسپکٹر کے عہدے پہ ترقی دیتا ہوا بولا۔

"ارے بھائی جان آپ؟" اے ایس آئی کا لہجہ ممنونیت سے پر تھا" آپ کی بہت بہت مہربانی......آپ کی وجہ سے اکبر علی خان

کے قاتل گرفتار ہو گئے ہیں۔ اگر آپ چند لمحے پہلے یہ اطلاع دیتے تو شاید ہم اکبر علی کی جان بچا لیتے۔"

"اکبر علی کی جان...... کیا......؟"

"جی بالکل......" تھانیدار نے اس کی بات قطع کی۔ "یہ دہشت گردی کی کارروائی نہیں بلکہ اکبر علی کو ختم کرنے کا پروگرام تھا...... اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔"

"اوہ!......" شیر خان نے لہجے میں مصنوعی حیرت پیدا کی۔ "بہر حال میں اس بات سے ناواقف تھا اور اسے دہشت گردی کی عام کارروائی سمجھا تھا۔"

"کوئی بات نہیں......" اے ایس آئی نے اسے تسلی دی۔ "جتنا آپ نے بتا دیا وہ بھی کافی فائدہ مند رہا۔ کم از کم اکبر علی کے قاتل تو گرفتار ہو گئے...... جانے ان کے پیچھے کتنا خوار ہونا پڑتا۔ یوں بھی مملکتِ خداداد کی خوبی ہے کہ یہاں آج تک کوئی قاتل گرفتار نہ ہو سکا ......لیاقت علی خان سے لے کر بینظیر بھٹو تک کے قاتل ہنوز لاپتا ہیں۔"

"ٹھیک ہے تھانیدار صاحب!...... اب اجازت چاہوں گا...... بس یہی معلوم کرنے کے لیے آپ کو زحمت دی تھی۔"

"اگر آپ سے ملاقات ہو جاتی؟"

"نہیں تھانیدار صاحب یہ ممکن نہیں ہے...... آپ میری نازک پوزیشن سے واقف نہیں ہیں اگر گل زیب خان صاحب کو میری اس حرکت کے بارے معلوم ہو گیا تو نوکری تو جائے گی ہی شاید عالم بالا کی ٹکٹ بھی کٹ جائے۔"

"آپ گل زیب خان کے ملازم ہیں؟" اے ایس آئی کے لہجے میں حیرانی کے ساتھ ہلکا سا جوش بھی شامل تھا

"نن...... نہیں...... نہیں سر...... میرا مطلب ہے کہ......" کہتے ہوئے شیر خان نے رابطہ منقطع کر دیا، اس کا مقصد اے ایس آئی کو ایسا تاثر دینا تھا جیسے یہ سب کچھ وہ غلطی سے بیان کر گیا ہو۔ کال منقطع کرتے ہی اس نے موبائل سے عارضی کنکشن نکال لیا تھا۔"

اکبر علی کے قتل کے لیے اس نے بڑی لمبی پلاننگ کی تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے دونوں پیشہ ور قاتلوں کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ اکبر علی کو قتل کرانے والا گل زیب خان ہے۔ اس کے بعد اس نے قاتلوں کے حوالے جو رقم کی تھی وہ ایک خوبصورت سے بریف کیس میں ڈال کر ان کے حوالے کی تھی اور اس کے ساتھ بریف کیس کے اندر ایک ایسا حساس آلہ بھی فٹ کر دیا تھا جس کے رسیور کی مدد سے وہ ایک کلومیٹر کے دائرے کے اندر ان کے درمیان ہونے والی گفتگو آسانی سے سن جا سکتی تھی۔ رسیور عجب خان کے حوالے کر کے اسے ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

عجب خان نے اس رسیور کے ذریعے آسانی سے ان کا سارا منصوبہ سن لیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اسے مسلسل ان کے تعاقب میں رہنا پڑا تھا۔ وہ ان کی باتیں صرف اس وقت سن سکتا تھا جس وقت وہ اپنی رہائش گاہ میں ہوتے۔ مگر اس کے باوجود وہ ان کے سارے

پروگرام سے واقف ہو گیا تھا۔

شیر خان کو ان کے بارے پل پل کی رپورٹ مل رہی تھی، جس وقت وہ دونوں اپنے مشن کی تکمیل کے لیے چھت پر چڑھے اور ان کی کارروائی میں ایک ادھ گھنٹے کا ٹائم بقایا رہ گیا، تو اس وقت اس نے ہوٹل کے بالکل قریبی تھانے کے اے ایس آئی سے بات کی۔ اسے علم تھا کہ اس طرح کی گمنام کالوں پہ پولیس کوئی ایکشن لینے کے لیے تیار نہیں ہوتی اور ہوا بھی وہی اے ایس آئی ٹال مٹول سے کام لینے لگا ......لیکن جب شیر خان نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ ہوٹل میں خود اس سے ملاقات کرے گا تو طوہاً وکرہاً وہ چند سپاہیوں کے ساتھ ہوٹل پہنچ گیا ۔اس کے ہوٹل پہنچنے کے بعد شیر خان نے اسے بتایا کہ چھت پہ چند ایسے دشمن موجود ہیں جو ہوٹل میں دھماکا کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں ۔یہ اطلاع اس نے اے ایس آئی کو اس وقت دی جب آٹھ بجنے میں چند منٹ رہتے تھے۔شاید شیر خان کی وعدہ خلافی کے سبب اے ایس آئی کو اس کی بات کا یقین کرنے میں تردد ہوتا مگر آٹھ بجے ہونے والے دھماکے نے ہر قسم کا شک دور کر دیا۔ دھماکے سے ہونے والے ہنگامے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے سپاہیوں کے ہمراہ چھت کا رخ کیا، اس طرح دونوں قاتل گرفتار ہو گئے۔آخر میں شیر خان نے اے ایس آئی کو فون کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ گل زیب خان کا ملازم ہے اس نسبت سے بھی اے ایس آئی تک یہ بات پہنچ گئی کہ اس معاملے میں گل زیب خان کا ہاتھ ہے یوں بھی اگر وہ یہ بات اے ایس آئی تک نہ پہنچاتا تب بھی پولیس نے دونوں قاتلوں سے حقیقت اگلوا لینی تھی، اور ان کے نزدیک حقیقت وہی تھی جو شیر خان نے انھیں بتائی ہوئی تھی کہ اکبر علی کا قتل گل زیب کو مطلوب تھا۔اب یہ پولیس کا سر درد تھا کہ وہ گل زیب خان کو اس جرم میں گرفتار کرتی تھی یا نہیں۔یوں بھی گل زیب جیسے بڑے بزنس مین نے اتنی آسانی سے پولیس کے قابو میں نہیں آنا تھا اور نہ ہی اس کے خلاف اتنی قوی شہادتیں موجود تھیں کہ وہ پھنس سکتا۔البتہ پولیس والوں کا جیب خرچ نکل آنا تھا اس کے علاوہ سیٹھ فاضل پر بلیک لیکویڈ کو شک نہ ہوتا کہ یہ اس کا کام ہو سکتا ہے۔

شیر خان اپنے مشن میں کامیاب رہا تھا اور اب وہ فاضل خان کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے بے چین تھا گو وہ جانتا تھا کہ اس تیز ترین میڈیا کے دور میں یہ بات فاضل کو معلوم ہو گئی ہو گی مگر تفصیل جاننے کے لیے وہ بے چین ہوگا اور یہ تفصیل وہ سیٹھ کے روبرو بیٹھ کر ہی سنانا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

مرزا طاہر حسین چندر پال کو بلا کر اسے موجودہ صورت حال کے بارے آگاہ کر رہا تھا کہ وکرم کا فون آ گیا......اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ فون اٹینڈ کرنے لگا۔

''مہاراج غضب ہو گیا بڑی مشکل سے بچا ہوں؟''

''کیا ہو گیا؟'' کوئی بری خبر سننے کے لیے وہ ذہنی طور پہ تیار ہو گیا۔

"مہاراج ویگن کی نگرانی کی جارہی تھی، میں ویگن کو آگ لگا کر وہاں سے جانے لگا تو اتفاقاً خفیہ ایجنسی کے اہلکار پر میری نگاہ پڑ گئی وہ وہاں ایک چھوٹی سی پل کے نیچے چھپا ہوا تھا اور غالباً اس کا ارادہ میرے تعاقب کا تھا، اسے دیکھتے ہی میں نے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی۔"

"مجھے پہلے ہی دال میں کچھ کالا کالا دکھائی دے رہا تھا اور پاربتی کا ایکسیڈنٹ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا کہ بغیر کسی وجہ کے پاربتی کو اتنی سپیڈ سے گاڑی بھگانے کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال......تم حفاظتی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے کچھ عرصہ کے لیے زیرِ زمین چلے جاؤ۔ کسی بھی پرانے ٹھکانے کو استعمال کرنے سے گریز کرنا کیونکہ پاربتی بھی ان کے ہاتھ چڑھ گئی ہے اپنے باقی بندوں کو بھی محفوظ مقام پر منتقل ہونے کا حکم دے دو اور مجھ سے فون پر بھی رابطہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے مہاراج......پر آپ سے رابطہ رکھے بغیر کام کس طرح چلے گا؟"

"اتوار کی شام اس جگہ ملاقات ہو گی جہاں تم نے کراچی آنے کے بعد پہلی مرتبہ قیام کیا تھا ......یاد ہے نا وہ جگہ؟"

"جی مہاراج بہت اچھی طرح۔"

"او کے......باقی باتیں ملنے پہ ہوں گی۔" اس نے رابطہ منقطع کر لیا۔ چندر پال پریشان چہرہ لیے اس کا منتظر بیٹھا تھا۔

"چل بھئی چندرو!......یہ ٹھکانہ بھی اپنے ہاتھ سے گیا۔"

"مہارج! پاربتی کا کیا ہو گا؟"

"وہی جو بلونت کا ہوا۔"

"کیا وہ انھیں قتل کر دیں گے؟"

"ایسا ہو جائے تو وہ فائدے میں رہیں گے۔"

"کک......کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ! دشمن ملک کے جاسوس کے ساتھ جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے موت ہزار گنا بہتر ہے۔" یہ سن کر چندر پال تھوک نگل کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"سر جی لڑکی کو ہوش آ گیا ہے اور وہ پہلے سے کافی بہتر ہے۔" ظفر نے عاطف کے آفس میں آ کر رپورٹ دی۔

"چلو پھر اس سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔" عاطف کھڑا ہو گیا۔

"کیا فائدہ سر؟......بلونت سے حاصل شدہ معلومات سے کوئی گرفتار ہوا ہے کہ اس پوچھ گچھ فائدہ دے گی ؟"

عاطف مسکرایا۔ ''یہ ایک کم ہے کیا؟''

''اگر ہم دو تین منٹ لیٹ ہو جاتے تو یہ بھی نکل گئی تھی...... اور اب تو وہ اس کی گرفتاری سے آگاہ ہو گئے ہوں گے، نا ممکن ہے کہ کوئی پکڑا جائے ......اس لیے مجھے تو یہ تفتیش وقت کا زیاں لگتی ہے ؟''

''تو تمھارا کیا خیال ہے؟ اگر ہم تمام کو گرفتار کر لیں تو یہ جڑ سے ختم ہو جائیں گے؟......کبھی نہیں۔'' کیونکہ کہ اللہ تعالیٰ کی علیم وخبیر ذات نے آج سے 1400 سال پہلے اپنے محبوب نبی ﷺ کی مبارک زبان کے ذریعے یہ بات بتلا دی تھی کہ......

''وفیکم سمّٰعون لھم'' (سورۃ توبہ)

یعنی تمھارے درمیان ان کے سننے والے موجود ہیں۔ تو یاد رکھو کہ دشمن ہمیشہ ہم میں موجود رہے گا، بلکہ دشمن کی کیا تخصیص خود ہمارے جاسوس بھی دشمن ملک میں موجود ہیں ۔ البتہ ہم میں اور دشمن میں یہ بنیادی فرق موجود ہے کہ دشمن جاسوسی کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کی کارروائیوں میں بھی ملوث رہتا ہے۔ اس کے ناپاک ارادے پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ہیں......اس مقصد کے حصول کے لیے اخلاقیات کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں، عورتوں اور معصوم بچوں تک کا قتل جائز ہے، عبادت گاہوں میں دھماکے کار ثواب ہیں ۔ جبکہ اس کے برعکس ہماری جاسوسی اپنے بارے ان کے مذموم ارادے جاننے تک محدود ہے۔ باقی جہاں تک دشمنوں کے موجودہ سیٹ اپ کا تعلق ہے الحمد اللہ ہم نے انھیں کچھ عرصہ کے لیے بے دست وپا کر دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہ لینا کہ کچھ عرصہ کے لیے ہمیں آرام کا موقع مل جائے گا، یہ وہ جنگ ہے جو ساری زندگی بلکہ ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی...... بقول شاعر......

ع ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

باقی اس وقت وطن عزیز میں بیک وقت کئی ایجنسیاں مصروف عمل ہیں۔ یہود و ہنود و نصاریٰ کی آنکھوں میں ہم کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں اور تمام عالم کفر ہمیں مختلف انداز سے زک پہنچانے میں مصروف عمل ہے، خود ہماری صفوں میں ایسے میر جعفر، اور میر صادق موجود ہیں جو کچھ تو ان کے زر خرید ہیں اور کچھ ویسے ہی یورپ کی اندھی نقالی کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں کیونکہ کہ دشمن صرف دہشت گردی کی کارروائیوں میں ہی مصروف نہیں اس نے اور بھی کئی محاذ کھولے ہوئے ہیں، وہ ہم سے ہماری تہذیب وثقافت ہماری زبان ، ہماری اخلاقی قدریں یہاں تک کہ ہمارا ایمان بھی چھین لینا چاہتا ہے۔''

''سر!......ایک بات کی سمجھ مجھے آج تک نہیں آئی کہ دنیا کے نقشے پر پاکستان کی جسامت ایک نقطے کے برابر ہے اس کے باوجود اتنی بڑی بڑی طاقتیں اس کے خلاف نبرد آزما ہیں اور ان میں سرِ فہرست وہ ممالک ہیں جو دنیا کے نقشے کے ایک بڑے حصے پر چھائے ہوئے ہیں؟'' عاطف جو جانے کے ارادے سے کرسی چھوڑ چکا تھا دوبارہ بیٹھ گیا......

''ظفر پہلے تو یہ بات خوب ذہن نشین کر لو کہ غیر مسلم طاقتیں تیرے ملک کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں، گو ہم

اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں لیکن پھر بھی نام کے مسلمان تو ہیں اور کفر کے بارے نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ ...... "قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی متحد ہو کر تم پر حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں۔ محفل میں موجود کسی نے آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ اس لیے کہ ہماری تعداد کم ہو جائے گی۔ فرمایا نہیں تمھاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہو گی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھارا رعب دور کر دے گا اور تمھارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ کسی نے پوچھا وہ کمزوری کیا ہو گی اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔"...... اب دیکھو نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی کیسے آج کے حالات پر صادق آتی ہے۔ یہ تمام آپس میں کتنا ہی کینہ کیوں نہ رکھتے ہوں، مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں۔ باقی یہ بات کہ یہ خصوصیت سے پاکستان کے خلاف کیوں برسرِ پیکار ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اگر تم غور کرو تو تمھیں معلوم ہو گا کہ جس جگہ انھیں معلوم ہوتا ہے اسلام سر ابھار رہا ہے اور شریعت محمدی ﷺ کو زندہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہاں یہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان میں اتر آتے ہیں۔ جیسے افغانستان کی مثال تیرے سامنے ہے جب تک وہاں پہ خانہ جنگی اور فساد تھا کسی یورپی ملک کی رگِ ہمدردی نہ پھڑکی مگر جیسے ہی طالبان نے شریعت نافذ کر دی سارا کفران کے خلاف اکٹھا ہو گیا۔ ایک بڑا ڈراما سٹیج کیا گیا، اپنی ایک اہم عمارت ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو نشانہ بنا کر سارا الزام القاعدہ نام کی فرضی تنظیم کے سر منڈھ دیا گیا اور دکھ تو یہ ہے کہ ہمارے نام نہاد سکالر بھی اس مغربی پروپیگنڈے کے مشتہرین بن گئے ورنہ سوچنے کی بات ہے جو القاعدہ آج سے دس سال پہلے اتنی اہم عمارت کو نشانہ بنا سکتی ہے وہ اس کے بعد خاموش کیوں ہے؟ وہ امریکہ میں دہشت گردانہ کارروائیوں سے گریز کیوں کر رہی ہے کہتے ہیں نا......

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا وہ اپنے بیان کی خود تردید کرتا ہے۔ اب دیکھو ایک طرف تو پاکستان پر یہ الزام کہ اسامہ بن لادن کو پناہ دی ہوئی تھی۔ دوسری طرف القاعدہ نے اس کی شہادت کے بعد پاکستان کو دہشت گردی کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ہے کوئی عقل میں آنے والی بات۔ پاکستان پناہ بھی دے اور اسی پاکستان میں القاعدہ دہشت گردی بھی کرے۔" وہ ایک لمحے کے لیے سانس لینے کے لیے رکا پھر اس کی بات جاری رہی......

"بہر حال!...... بات کسی اور جانب چلی گئی میرا مطلب آپ کو یہ سمجھانا تھا کہ عالمِ کفر کی ہم سے دشمنی صرف اسلام کی وجہ ہے۔ اور پاکستان اسلامی دنیا کا وہ واحد ملک ہے جو ایٹمی پاور ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے ملک میں لیکن افسوس قائداعظم کے بعد کوئی ایسا مخلص حکمران ہمیں نہ ملا جو ملک کے بارے سوچتا عوام کے لیے کچھ کرتا، سب اپنے اقتدار کو دوام بخشنے اور اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے سیاست کر رہے ہیں، اسی لیے تو ہماری سیاست ایسی دلدل کی شکل اختیار کر گئی ہے، جس کا تعفن ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ لیکن ہم ملک

کے محافظ اور قوم کے خادم ہیں۔ اگر ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ گئے، آرام پسند ہو گئے، حقائق سے نظریں چرا لیں تو یاد رکھنا ہم معافی کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہم وہ ہیں جنھوں نے اپنا آج قوم کے مستقبل کے لیے وقف کیا ہوا ہے۔ تو نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے کارنامے کبھی منظر عام پر نہیں آتے لیکن ہماری کجیوں اور کمزوریوں کو خوب اچھالا جاتا ہے۔ ہماری مثال اس اینٹی باڈی (Antibody) کی سی ہے جو جسم میں بیماری کے خلاف مدافعت کرتا ہے مگر بہت کم لوگ اس کی افادیت سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے میری جان ہم نے ان رکاوٹوں اور پریشانیوں سے نہیں گھبرانا، اگر بلونت سے حاصل شدہ معلومات سے کوئی نمایاں فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا تو تھوڑے کو ہی غنیمت جانو، جیسے دشمنوں کو اپنی رہائش گاہیں چھوڑنی پڑیں ان کی ایک اہم رکن ہمارے قبضے میں آ گئی جس سے ہم ان کے سیٹ اپ کے بارے مزید معلومات حاصل کرتے رہیں گے ان طریقہ کار کے بارے کافی کچھ جاننے کا موقع ملے گا۔ وہ کالی بھیڑیں جو اپنے ملک کے خلاف مصروف عمل ہیں بے نقاب ہوں گی اور سب سے بڑھ کر ہم آئندہ بہتر طریقے سے ان کے خلاف میدان میں اتر سکیں گے۔'' عاطف سانس لینے کے لیے رکا اور تو ظفر نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا......

''سر!...... میرے مذاق کو آپ نے سنجیدگی سے لے لیا؟''

''نہیں ظفر!...... مذاق کے پسِ پردہ کوئی نہ کوئی جذبہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔''

''درست کہا سر!...... پر ابھی چلیں مہمان شدت سے ہماری منتظر ہوگی؟'' اور عاطف چہرے پہ مسکراہٹ سجائے اس کے ہمراہ ہو لیا۔

☆......☆......☆

''میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟'' پدمنی نے اسماعیل کے کان میں سرگوشی کی

''بہت ہی اچھی، بہت پیاری۔'' اسماعیل کو منافقت بھری زندگی گزارنا آ گئی تھی۔

''چل جھوٹے کہیں کے۔'' وہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ ''جانے کتنی لڑکیوں کو آپ یہ کہہ چکے ہوں گے؟''

''تم نے بھی جانے کتنے لڑکوں سے یہ بات پوچھی ہوگی؟''

''نہیں شاہ جی کبھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''ہا...... ہا...... ہا......'' اسمٰعیل کے ہونٹوں سے بے ساختہ قہقہہ ابلا۔

''تمھیں یقین نہیں آ رہا نا؟'' وہ چپ گئی۔

''نہیں...... یونہی ہنسی آ گئی تھی۔'' اس کی ہنسی جاری رہی۔

''شاہ جی!...... میں کوئی ستی ساوتری نہیں ہوں...... اور اس میں بھی شک نہیں کہ کئی لڑکوں کے ساتھ جسمانی سمبندھ رکھ چکی ہوں ...... جسمانی تقاضے ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے کوئی ساتھی تلاش کریں۔ مگر اس بات میں بھی کوئی

جھوٹ نہیں کہ میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی۔"

"اوراب مجھ پہ یہ عنایت ہوگئی ہے؟"

"ہاں...... کیونکہ یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے بقول شاعر......

عشق پہ زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالب

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

"اوکم آن یار......" اسماعیل نے اسے اپنے جانب کھینچا۔ "کیا فضول باتیں لے بیٹھی ہو اتنی خوبصورت رات گزرتی جارہی ہے اور تمہیں پیار و محبت کے مکالمے کی پڑی ہے۔ سنا نہیں اپنے اے کے صاحب کیا فرماتے ہیں کہ...... میسر لمحات سے جتنی لذت و مسرت کشید کرنی ہے کرلو کہ گیا وقت لوٹ کے نہیں آتا۔"

"اگر کسی کو لذت ہی پیار و محبت کی باتوں میں ملے پھر؟...... اس بارے آپ کے اے کے صاحب کیا کہتے ہیں؟"

اسماعیل نے اسے دور دھکیلا اور بیڈ کے سرہانے پڑا بڑا سا تولیہ اٹھا کر اپنے زیریں بدن کے گرد لپیٹ کر بیڈ کے ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھ گیا......

"ٹھیک ہے...... تم اپنی لذت پوری کرلو۔"

"آپ تو خفا ہوگئے؟" وہ گھبرا گئی۔

"نہیں...... خود ہی تو کہا ہے کہ گپ شپ میں مزہ آتا ہے...... تو یونہی سہی۔"

"پر یہ تو نہیں کہا کہ اتنی دور چلے جاؤ؟" وہ بستر کی چادر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے صوفے پہ اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

دیکھو محترمہ!...... میں بندہ ہوں بہت سیدھا سادھا، یہ جو عشق و محبت کا گھن چکر ہے نا؟...... یہ اپنی سمجھ سے باہر ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ عورت اور مرد کے درمیان جتنے رشتے ہیں سب کو مانتا ہوں کہ مسلمان ہوں مگر افسوس کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے سارے رشتے چھین لیے گئے ہیں، اب صرف ایک رشتا باقی رہا ہے...... یعنی عورت و مرد کا رشتا اور بس...... اپنے جسمانی تقاضے پورے کرو اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

"تو کیا کسی سے محبت کرنے کی صورت میں یہ حاجت پوری نہیں ہوگی؟ ایک محبت کرنے والی جو تسکین دے سکتی ہے وہ کسی اور کے بس کی بات کہاں؟"

"ضرورت ہی کیا ہے ان بکھیڑوں میں پڑنے کی......؟ میں کیوں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لوں۔" اس کی زبان اے کے کے الفاظ اگلنے لگی......

ع اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

اور یہ جو عشق و محبت ہے ناں.....؟ یہ عقل کا فتور ہے اور بس!

ع کہتے ہیں جسے عشق خلل ہے دماغ کا

پیار، محبت، چاہت یہ صرف دل بہلانے کی باتیں ہیں بقول فرائیڈ مرد اور عورت کی محبت فقط جنسی کشش کا کھیل ہے جب یہ خواہش پوری ہو جاتی ہے تو محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر غور کرو تو اس بات کی تائید میں تجھے کئی مثالیں اپنے اردگرد بکھری دکھائی دیں گی لڑکی جب تک محبوبہ ہو اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا عاشق صاحب کو، شادی ہوتے ہی پتا نہیں یہ محبت کہاں جا سوتی ہے کہ عاشق صاحب کی نظریں کسی دوسری محبوبہ کی تلاش میں بھٹکنے لگتی ہیں۔ اگر محبت نام کا کوئی پنچھی ہوتا تو ایسے تو نہ ہوتا، اصل میں وہ ہوس تھی کہ جیسے ہی پوری ہوئی محبت فنا ہو گئی، پیار کہیں دفن ہو گیا۔ یوں بھی انسان کی فطرت خدا نے ایسی بنائی ہے کہ یہ کسی حال میں خوش و راضی نہیں رہ سکتا۔ اگر اسے روزانہ چکن روسٹ بھی کھانے کو ملے تو تنگ پڑ جائے گا اور دال سبزی مانگنا شروع کر دے گا۔ جیسے ہماری مذہبی کتاب میں لکھا ہے کہ یہود قوم پر خداوند کریم آسمان سے من و سلویٰ نازل فرماتا تھا۔ وہ اسے کھا کھا کر بھی تنگ پڑ گئے اور وقت کے نبیؑ سے کہنے لگے ہمارے لیے خدا سے پیاز اور سبزیاں مانگو..... تو بھئی یہ تو انسان کی فطرت ہے۔ اسی طرح محبت کی حقیقت بھی بس اتنی ہے کہ جب مرد کسی عورت میں جنسی کشش محسوس کرتا ہے اور اس عورت کو بھی مرد میں وہی کشش محسوس ہوتی ہے تو دونوں سمجھتے ہیں محبت ہو گئی..... اتنی سی کہانی ہے۔"

"شاہ جی میں نے کب آپ سے یہ تقاضا کیا ہے کہ مجھے اپنا لو؟ یا مجھے ایک چھوٹا سا گھر لے دے دو، یا یہ کہ صرف میرے بن کر رہو؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں عورت کی ازلی خواہشات کا ذکر کرنے لگی بظاہر اس کا انداز ان خواہشات سے بیزاری کا اظہار لیے ہوئے تھا۔ مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ عورت جتنی بھی بولڈ اور جدت پسند ہو جائے اس کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ اور عورت کی فطرت یہی ہے کہ وہ ایک گھر اور محبت کرنے والا شوہر چاہتی ہے۔ جدید تہذیب عارضی طور پر تو عورت کو اس حقیقت سے بے خبر رکھتی ہے مگر جلد ہی یہ حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس وقت بھی بین سطور پدمنی انہی خواہشات کی حسرت لیے ہوئے تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔ "اگر آپ کو یہ برا لگا ہو تو سوری آئندہ ایسا موقع نہیں دوں گی۔"

اسماعیل شاہ سنجیدہ ہو گیا.....

"پدمنی میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ یہ تو اظہار حقیقت تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو دھوکے میں مبتلا رکھوں، باقی جہاں تک تعلق ہے پسندیدگی کا، تم مجھے پسند ہو تو میرے کمرے میں نظر آ رہی ہو نا؟ ورنہ یونیورسٹی میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہے۔" جواباً وہ خاموش رہی وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

☆.....☆.....☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باکسنگ گلاوز پہنے وہ مسلسل ایک دوسرے کو تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے، اور پھر عبداللہ کا ایک دائروی مکہ (Counter Punch) رحیم کی ٹھوڑی کے نیچے لگا اور وہ گر گیا۔

"سٹاپ!" ان کے انسٹرکٹر نے کہا۔ عبداللہ کا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا جبکہ رحیم لڑکھڑاتا ہوا اٹھنے لگا۔

"دونوں رنگ سے باہر چلے جاؤ، کامران اور ثاقب اندر آجاؤ" استاد کا حکم سنتے ہی وہ دونوں رنگ سے باہر نکل گئے ان کی جگہ کامران اور ثاقب نے لے لی۔

پہلے پانچ چھ ہفتے لڑنے کی تکنیکس اور طریقہ کار سمجھانے کے بعد انسٹرکٹرز نے جوڑیوں کی صورت میں ان کی سکھلائی شروع کردی تھی، باکسنگ رنگ کی طرز پر ایک اکھاڑہ بنایا گیا تھا اور لڑتے وقت سنگین قسم کی چوٹوں سے بچنے کے لیے انھیں باکسنگ گلاوز بھی پہننے پڑتے مگر لڑنے کے لیے کسی بھی کھیل کے قوانین کی رعایت نہیں رکھی جاتی تھی۔ جیسے باکسنگ گیم میں چہرے، چھاتی اور ناف سے اوپر کے پیٹ کو نشانہ بنایا جاتا ہے اس کے علاوہ جسم کے کسی بھی حصے پر چوٹ نہیں لگائی جاسکتی اور لڑتے وقت فائیٹر اپنے پاؤں سے بھی مخالف کو نشانہ نہیں بنا سکتا۔ جبکہ کراٹے میں ہاتھ پاؤں کی مدد سے پورے جسم کو نشانہ بنانے کی اجازت ہے لیکن دور دور سے...... روایتی لڑائی کی طرح لڑاکا مخالف کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصے کو گرفت میں نہیں لے سکتا اور ان دونوں کے برعکس جوڈو میں چوٹ لگانے کی بجائے مخالف کو پکڑ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں اس طرح کا کوئی اصول رائج نہیں تھا۔

انھیں کوئی مخصوص فن سکھلانا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے انھیں اپنے مخالف پر کسی بھی داؤ سے قابو پانے کی اجازت تھی۔ ثاقب آسانی سے کامران پر غالب آگیا، ان دونوں کے بعد اسماعیل اور جمشید کی باری آئی۔ اسماعیل کا نام سنتے ہی جمشید گھبرا گیا تھا اور اس کی وجہ اسماعیل کے ہاتھ پاؤں کی سختی تھی لوہے کا کام کر کر کے اس کے جسم میں عجیب قسم کی سخت آگئی تھی وہ اپنے مخالف کو آسانی سے ناک آؤٹ کر لیتا تھا، اس کے ساتھ اس میں یہ خوبی بھی تھی کہ بڑی سے بڑی چوٹ کو آسانی سے سہار لیتا، ان کے استاد اسماعیل کی کارکردگی سے بہت مطمئن تھے۔

اس وقت جمشید بھی اسماعیل کے دوسرے مکے پر ہی گر گیا۔ مجبوراً ان کے استاد کو اسماعیل کے مقابلے کے لیے فرمان علی کو بلانا پڑا۔ فرمان ایک جہاں دیدہ اور سخت جان شخص تھا ٹریننگ کرنے والے تمام لڑکوں میں اس کی عمر زیادہ تھی وہ چالیس سال کا ہونے والا تھا اور لڑائی بھڑائی کے متعلق پہلے سے ہی تھوڑا بہت جانتا تھا۔ اسماعیل اور اس کی لڑائی کافی دیر جاری رہی۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ اسماعیل کو ناک آؤٹ کردے، مگر یہ اس کی بھول تھی اسماعیل اس کے بس سے باہر تھا۔ اس مرتبہ بھی کامیابی نے اسماعیل کے قدم چومے اور پیٹ میں لگنے والا انڈر کٹ مکہ فرمان کے گرنے کا باعث بن گیا۔

انسٹرکٹر نے اگلی فائیٹ شروع کرنے سے پہلے انھیں اکٹھا کر لیا......

”پچھلے ہفتے سے آپ لوگوں کو ایک دوسرے سے لڑنے کا موقع مل رہا ہے۔اس لڑائی میں آپ لوگوں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ لڑائی کے بارے زبانی کلامی سیکھنے اور عملی طور پر لڑنے میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ چیز جو استاد کے پڑھانے اور سمجھانے سے دماغ میں نہیں بیٹھتی، اپنے ساتھی کی مار سے بچنے کے لیے جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔اس طرح یہ بات بھی یاد رہے کہ کوئی فن، کوئی بھی کام اس وقت تک آپ نہیں سیکھ سکتے جب تک اسے عمل میں نہ لے آئیں۔اور آپ لوگوں کو آپس میں لڑانے کا بھی یہی مقصد ہے۔اس لیے اس لڑائی کو بطور کھیل لینا ہے، یہ نہ ہو اس ہار جیت کو انا کا مسئلہ بنالو اور پتا چلے کہ روٹین میں بھی یہ لڑائی آپ لوگوں کے تعلقات پر اثر انداز ہو رہی ہے۔“

وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔”آپ لوگوں میں کافی لڑکے بہت اچھی فائیٹ کر رہے ہیں۔کچھ کو زیادہ پریکٹس کی ضرورت ہے۔مگر یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے مکمل طور پر عبور حاصل ہو گیا ہو۔اور نہ ہی ہو سکتا ہے ،چاہے وہ کتنا اچھا ہی کیوں نہ ہو جائے، اسے ہم یہی کہیں گے کہ پہلے سے بہتر ہو گیا ہے اور بس۔میری عمر اس کام میں بیت گئی ہے لیکن آج بھی میں یہ دعوا نہیں کر سکتا کہ میں مکمل ہوں۔

باقی لڑتے ہوئے آپ تمام ایک بنیادی غلطی کرتے ہو کہ مخالف کو چوٹ لگانے کے دوران اپنے دفاع سے غافل ہو جاتے ہو۔اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک مکا اگر مخالف کو لگے گا تو ایک ضرب آپ کو بھی پڑ جاتی ہے۔

”اسماعیل میرے پاس آؤ۔“اس نے اسماعیل کو اپنے پاس بلایا......

”مجھ پہ حملہ کرو۔“

اسماعیل نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اسے مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔جسے اپنے دائیں ہاتھ پر روکتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ سے ایک جوابی پنچ (punch) اسماعیل کے چہرے پر جڑ دیا۔وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا...... پیچھے ہٹنے کے دوران اس کے دونوں ہاتھ نیچے ہو گئے تھے۔شمشاد (انسٹرکٹر) نے ایک قدم آگے بڑھا کر اپنی دائیں کک اس کے چہرے پر جڑ دی۔اس مرتبہ اسماعیل چوٹ نہ سہار سکا اور الٹ کر پیچھے جا گرا۔

”سمجھ آئی کچھ؟“وہ کلاس کی طرف متوجہ ہوا۔

”جی سر۔“تمام بیک آواز بولے۔

”اسماعیل......تم سب میں اچھا لڑاکا ہے۔لیکن یہ غلطی اس میں بھی پائی جاتی ہے......حملہ کرتے ہوئے اس نے دائیں ہاتھ سے تو میرے چہرے کو نشانہ بنانے کی کوشش کی، مگر اپنے چہرے کو ضرب سے بچانے کا کوئی انتظام نہیں کیا......حالانکہ اسے چاہیے تھا کہ دائیں ہاتھ سے حملہ اور بائیں ہاتھ سے اپنا دفاع کرتا۔یہ اس کی پہلی غلطی تھی......دوسری غلطی...... چوٹ کھانے کے بعد یہ اپنے ان بیلنس قدموں کو سہارنے لگا جبکہ اس وقت اسے میری پیش قدمی پر نظر رکھتے ہوئے اس کا سد باب کرنے کی ضرورت تھی۔یاد رکھیں دفاع حملے

سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ بچو گے تو مار پاؤ گے ناں۔

اس کے ساتھ ایک اور بنیادی غلطی یہ ہے کہ اکثریت ایسے لڑکوں کی ہے جو مکہ مارتے یا کھاتے وقت اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں ۔اور اس غلطی کے ہوتے ہوئے آپ ایک اچھا لڑاکا نہیں بن سکتے۔اس غلطی کو دور کرنے کے لیے جوڑیوں کی صورت میں آمنے سامنے کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے چہرے پر ہلکی ہلکی ضربیں لگاؤ اور اس دوران اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ حملے یا دفاع کے وقت آپ کی آنکھیں بند نہیں ہوں گی دوسرا آپ کا چہرہ بھی سخت ہو جائے گا اور اس میں چوٹیں سہارنے کی قوت بڑھ جائے گی ۔ایک اچھا لڑاکا وہی ہوتا ہے جو مارنے سے زیادہ مار کھانا جانتا ہو۔باقی ہم آپ کو کوئی مخصوص فن نہیں سکھا رہے ہیں...... یہ لڑائی کا وہ طریقہ ہے جو آپ کو عام زندگی میں کام دے گا یہ سیکھ کر بے شک آپ باکسنگ رنگ میں کسی باکسر کا سامنا نہیں کر سکیں گے اور جلد ہی فاؤل کھیلنے کی وجہ سے ڈس کوالی ہو جائیں گے۔مگر اس میں بھی شک نہیں کہ رنگ کے باہر وہ باکسر زیادہ دیر آپ کا سامنا نہیں کر سکے گا۔کیوں کہ وہ صرف باکسنگ جانتا ہوگا۔جبکہ آپ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جانتے ہوں گے۔اب کل میں چیک کروں گا کہ تم میں کس کو ان باتوں کی سمجھ آئی ہے۔اور کون ہے جو انھیں عملی طور پر بھی اپنا سکا ہے۔فی الحال آپ لوگوں کی لنچ بریک کا ٹائم ہو گیا ہے اس لیے آرام کرو۔''

☆.....☆.....☆

''واہ کتنی پیاری سرخی دی ہے اخبار نے۔'' سیٹھ فاضل با آواز بلند اخبار پڑھنے لگا......

''دفتر سے گھر جاتے ہوئے پولیس انسپکٹر کی کار پر نامعلوم افراد کی فائرنگ جس کے نتیجے میں انسپکٹر موقع پر ہلاک۔تفصیلات کے مطابق مشہور پولیس انسپکٹر دلشاد امین رات گئے تھانے سے گھر جا رہا تھا، چوک پر جب وہ سرخ بتی پر رکا تو نامعلوم افراد کے جانب سے چلائی گئی گولیوں کی وجہ سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔عینی شاہدین کے مطابق مجرموں کی تعداد دو تھی اور وہ موٹر سائیکل پر سوار تھے۔انسپکٹر صاحب پر پستول سے تین گولیاں چلائی گئیں جن میں دو گولیاں انھیں کندھے پر لگیں اور تیسری سر میں۔پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق ان کی موت سر میں لگنے والی گولی سے ہوئی۔پولیس ذرائع نے ایک فرض شناس، ایماندار اور محب وطن انسپکٹر کے قتل پر گہرے غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ڈی آئی جی پولیس نے جلد از جلد اس کے قاتلوں کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا ہے۔''

''بڑی بات ہے بھئی......اب تو ہمیں ڈرنا چاہیے، ڈی آئی جی پولیس تو بہت بڑی بلا ہوتی ہے۔'' فاضل خان نے اخبار لپیٹ کر سامنے پڑی ٹیبل پر رکھ دیا اسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی......

''آ جاؤ۔'' دروازہ کھلا اور شیر خان ''اسلام علیکم! سیٹھ صاحب۔'' کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''وعلیکم السلام......آؤ بھئی شیر خان۔'' فاضل خان اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔شیر خان کی زندگی میں پہلی دفعہ یہ ہو رہا تھا کہ فاضل خان نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور اس کے استقبال کے لیے بھی کھڑا ہوا تھا۔

شیر خان مسرت سے لرزتے ہوئے بولا۔ "پ..... پلیز سیٹھ صاحب گناہ گار نہ کریں، میں تو آپ کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں۔"

"شیرے!..... بھول جا پرانی باتوں کو، تو نے صحیح معنوں میں ہمارے دست راست ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ اب ہم..... تجھے اس مقام پر پہنچائیں گے جس کا تو نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

"سیٹھ صاحب!..... پہلے بھی آپ کی نوازشیں غلام پہ کچھ کم نہیں تھیں؟" اس کے لہجے میں خوشامد کا عنصر نمایاں تھا۔

"اچھا بیٹھو اور ہمیں پوری بات تفصیل سے بتلاؤ۔" فاضل خان کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ جواباً شیر خان اسے تفصیل سے اپنے کارنامے کے متعلق بتلانے لگا، درمیان میں کئی جگہ فاضل خان کی آواز اسے داد دینے کے لیے بلند ہوئی اور جیسے ہی اس کی بات ختم ہوئی فاضل خان نے اٹھ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی.....

"شاباش شیر خان!..... ہم تمھاری کارکردگی سے بہت خوش ہیں اور اس خوشی میں نئی لینڈ کروزر تمھاری ہوئی۔"

"بب..... بہت شکریہ سیٹھ صاحب....." شیر خان خوشی سے لرزتا ہوا بولا

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے شیرو آگے دیکھو ہم تمھارے لیے کیا کرتے ہیں ؟"

"سیٹھ صاحب!..... سنا ہے کہ انسپکٹر دلشاد امین کا کام بھی تمام ہو گیا ہے؟"

"یہ تو ہونا تھا شیرے..... اس نے للکارا کسے تھا، دھمکی کسے دی تھی؟..... سیٹھ فاضل علی خان کو اور ایسے بندے زیادہ عرصہ زمین پر نہیں چل سکتے؟"

"کسی کو ہم پہ شک تو نہیں ہوا سیٹھ صاحب؟"

"ہم پہ کوئی کیسے شک کر سکتا ہے؟..... سب کا دھیان این او این کی طرف جائے گا..... گو پولیس واضح طور پر کسی کا نام نہیں لے رہی، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ انھیں سو فیصد این او این پر شک ہے۔"

"سیٹھ صاحب!..... کیوں نہ ہم کسی اخبار رپورٹر کو کہہ کر یہ کہانی بطور فیچر شائع کرا دیں۔ اور این او این اور اے ایم پی کی دشمنی کو ہوا دینے کی کوشش کریں؟"

"یہ ہو چکا ہے شیرے!..... شام کا اخبار دیکھنا کیسے مرچ مصالے سے بھرا ہوتا ہے؟"

"اب میرے لیے کیا حکم ہے سیٹھ صاحب؟"

"فی الحال آرام کرو اور عجب خان کو بھی دو دن آرام کرنے دو..... اسے پندرہ بیس ہزار انعام بھی دے دینا۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں سیٹھ کو سلام کہا اور باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنکھیں کھلنے پہ اس نے خود کو اکیلا پایا۔ سر ہلانے ہی اسے تکلیف کا احساس ہوا اور وہ سر کو چھونے لگی...... پٹی بندھی دیکھ کر اسے اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ اسے میڈیکل ٹریٹمنٹ دی جا چکی ہے۔ زخمی ہونے کی وجہ سے ہی اسے چارپائی کی سہولت ملی تھی ورنہ تو وہ جانتی تھی کہ جاسوس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس نے لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ لیا...... وہ چھوٹا سا کمرہ تھا، ساز و سامان سے عاری ۔ اپنے دونوں ملازم بھی اسے نظر نہیں آ رہے تھے۔

"جانے بچ بھی سکے ہیں کہ نہیں ...... اور مہاراج کو بھی نا معلوم میری گرفتاری کے بارے علم ہوا کہ نہیں؟" وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ آنے والے کے بدن پر سفید کوٹ دیکھ کر اسے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ ڈاکٹر ہے۔

ڈاکٹر نے اسے تفصیل سے چیک کیا اور چیک اپ سے فارغ ہو کر نرم لہجے میں پوچھا......

"سر میں زیادہ تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی؟"

نہیں ڈاکٹر صاحب!" وہ صاف گوئی سے بولی ...... آخر تکلیف کے بہانے وہ کب تک تفتیش سے بچتی ...... یہ اس کا اپنا کیا دھرا تھا اور وہ ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار تھی۔ اگر پاشا کی بات مانتے ہوئے جلد نکلنے کی کوشش کرتی تو اسے یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ قیمتی زیورات ،نقدی اور اہم دستاویزات کو سنبھالنے کے بعد بھی اگر وہ گھر سے نکل آتی تو ایجنسی کے ہاتھ آنے سے بچ سکتی تھی۔ مگر بدقسمتی سے وہ ہر قسم کے ثبوت و شواہد مٹانے پر تل گئی...... گاڑی سے پٹرول نکال کر تمام کمروں میں چھڑکانا، آگ لگانا۔ اس کام بہرحال اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ بروقت نہ نکل سکی۔ اس کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھا کہ ایجنسی والے اتنی تیزی دیکھائیں گے، بہرحال اب وہ دشمن کے رحم و کرم پر تھی اور اپنے انجام سے اچھی طرح واقف تھی۔

ڈاکٹر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی کرسی اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دو اور آدمی بھی تھے۔ درمیانی قامت اور وجیہہ چہرے والا جوان کرسی پر بیٹھ گیا، جب کہ دوسرا اس کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ پارتی کو اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ سینئر کون ہو سکتا تھا۔

کرسی لانے والا خاموشی سے باہر نکل گیا۔ خوبصورت جوان چند لمحوں تک اسے خاموشی سے گھورتا رہا اس دوران اس نے بھی اس سے نظریں نہیں چرائیں تھیں۔ وہ دلکش اور معصوم چہرے کی مالک تھی۔ اس نے اپنے چہرے پہ تاثرات بھی ایسے سجا لیے تھے کہ دیکھنے والا ہمدردی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ مگر چند لمحوں بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ خوبصورت جوان کسی اور کینڈے کا آدمی ہے۔

"تمہارا نام ؟" اس نے گفتگو کی ابتداء کی۔

"پارتی۔" اپنی مترنم آواز میں اس نے مزید نغمگی سمو لی تھی۔

"کب سے یہاں پر ہو؟"

"قریباً دو سال سے۔"

"تمھارا کام کیا تھا؟"

"باس کی منظورِ نظر تھی۔اور میرا کام اسی کو خوش رکھنا تھا۔"

"اس مرتبہ جواب جھوٹ تھا......تو!......لازماً اپنے باس کی منظورِ نظر ہو گی۔اور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے......اپنا اصل کام بتاؤ......یاد رہے اگر اس مرتبہ بھی جھوٹ کہا..........؟" اس کی بات ادھوری ہونے کے باوجود مکمل تھی۔

"مم......میں حساس اداروں کے آفیسرز کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال ہوتی رہی ہوں۔"

"اس کے علاوہ......؟"

"مختلف سیاستدانوں کو بلیک میل کرنے کے لیے بھی مجھے استعمال کیا جاتا رہا......اس مقصد کے لیے ان کے ساتھ میری نازیبا تصاویر اور وڈیوز تیار کی جاتی تھیں۔جس کے بل پر ہم ان سے رقم اور مختلف فوائد حاصل کرتے تھے۔"

"رقم......؟"

"جی......بے روزگار جوان جن سے ہم نے مطلب کا کام لینا ہوتا انھیں دینے کے لیے وہی رقم کام آتی۔اس کے علاوہ بھی کافی مصارف ہوتے ہیں، جیسے آپ لوگوں سے بچنے کے لیے ہمیں مختلف رہائش گاہوں کا بھی بندبست کرنا پڑتا ہے، اس کی مد میں بھی کافی رقم کی ضرورت پڑتی ہے۔"

"اب تک تمھیں کتنے آفیسرز کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے......ان سے کون کون سی اہم دستاویزات تو نے حاصل کیں ہیں، اور وہ دستاویزات اب کہاں ہیں؟"

"سب سے پہلے مجھے جمال احمد نام کے آفیسر سے متعارف کرایا گیا تھا جو محکمہ......کا ہیڈ تھا لیکن اس سے مالی فوائد کے علاوہ ہم کچھ حاصل نہ کر سکے۔بعد میں ہماری بلیک میلنگ سے تنگ آ کر اس نے خودکشی کر لی تھی جسے اس کے ورثا نے ہارٹ اٹیک کا نام دے دیا۔اس کے بعد بابر سلیم تھا جو اس کی جگہ محکمے کا ہیڈ بنا۔اس نے آسانی سے ہمارے مطالبات پورے کر دیے تھے۔اس سے حاصل ہونے والی دستاویزات ہم نے اپنے وطن بھجوا دیں ہیں۔البتہ اسے بلیک میل کرنے کا سامان اسی ویگن میں تھا جس میں میرا ایکسیڈنٹ ہوا۔"

"اب لگے ہاتھوں ان سیاست دانوں کے نام بھی بتا دو جو تم سے مستفید ہو چکے ہیں؟۔"

"مکرم یزدانی، اجمل علی شاہ اور منان آفندی۔"

"تمھارا باس کہاں ملے گا؟"

"یہ معلوم کرنا تو بہت مشکل ہے......البتہ حادثے سے پہلے میں جہاں جا رہی تھی، وہ ٹھکانہ بتا سکتی ہوں۔لیکن میری گرفتاری

کے بعد تو انھوں نے یقیناً ٹھکانا بدل لیا ہوگا؟''

''پہلے والا ہی بتا دو...... بلکہ جتنے ٹھکانوں کا معلوم ہے، تمام کے بارے بتا دو؟''

پاربتی مختلف ٹھکانوں کے نام بلا جھجک بتانے لگی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ پاشا جیسا زیرک آدمی پاربتی کی گرفتاری کے بعد کبھی ان ٹھکانوں کو استعمال میں نہ لاتا۔ اس کے بتلائے ہوئے تمام ایڈریس عمران نے عاطف کے اشارے پر بے دلی سے نوٹ کر لیے تھے۔

''اچھا...... یہ تو باس کے مختلف ٹھکانوں کے ایڈریس تھے۔ اس کے علاوہ بھی عام یا خاص کارکنوں کے ایڈریس تمھیں کو معلوم ہوں گے وہ بھی نوٹ کرا دو؟''

اس مرتبہ بھی اس نے چند لوگوں کے کے ایڈریس نوٹ کرا دیئے۔

''کراچی کے علاوہ کس کس جگہ پر آپ لوگوں کا نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے؟''

''ایسی باتیں صرف باس کے علم میں ہیں۔''

''تم ایک مرتبہ پھر ڈنڈی مارنے کی کوشش میں ہو؟'' عاطف کا لہجہ دھمکی کا رنگ لیے ہوئے تھا۔

''م...... م...... میں...... سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ گڑبڑا گئی۔ اتنی کم عمری میں اسے بہت سے مردوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ چہرہ دیکھ کر آسانی سے بتا سکتی تھی کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ اس خوش شکل مرد کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اسے جھوٹ بولنے سے روک رہی تھی اور جس کی دھمکی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی۔

''مان لیتا ہوں۔'' غیر متوقع طور پر وہ آسانی سے مان گیا۔

''تھینکس جی۔'' وہ دل لبھانے والے لہجے میں بولی، مگر عاطف پر اس کے لہجے کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ اپنے انداز میں مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ ایسی عورتوں کی نفسیات سے اسے اچھی واقفیت تھی اور انھیں ہینڈل کرنا وہ خوب جانتا تھا۔ سوالات مکمل کر کے وہ عمران سے مستفسر ہوا......

''تمھارا کوئی سوال ہے؟''

''نہیں سر۔'' اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''اوکے مس پاربتی!...... یا جو بھی تیرا نام ہے۔ فی الحال تیری باتوں کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر سچ ثابت ہوئیں تو شاید کوئی رعایت حاصل کر لو...... اس کے برعکس ہونے کی صورت میں......؟ میرا خیال ہے تم جانتی ہو......؟'' عاطف، عمران کو ساتھ لیے کمرے سے نکل گیا۔ جب کہ پاربتی اپنے بھگوان سے دعا مانگنے لگی کہ ان معلومات کی تصدیق ہو جائے۔ ورنہ...... اس ورنہ کے آگے ایک ایسا سوالیہ نشان تھا جس کے بارے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اسے سب سے زیادہ خوف اپنے چہرے کے بگڑنے کا تھا کہ عورت کی سب سے بڑی کمزوری اس کا حسین چہرہ ہوتا ہے۔ وہ تشدد تو برداشت کر سکتی ہے مگر بدصورتی اور بڑھاپا اس سے برداشت نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

"ویپن اور خالی ہاتھ لڑائی کے بارے آپ لوگ کافی کچھ پڑھ چکے ہیں اس کے ساتھ میں بھی آپ لوگوں کو کافی کچھ سکھا چکا ہوں جس میں بارود کی مختلف اقسام، ان کی پہچان اور انھیں پھٹانے کے عام طریقے شامل ہیں۔ آج کے جدید دور میں جہاں شارٹ و لانگ رینج ہتھیار بے فائدہ ہو جائیں، تیر تلوار کام نہ دیں مارشل آرٹ کے ماہرین کی مہارت دھری رہ جائے، وہاں ایک چھوٹی سی بارود کی تھیلی بہت بڑا کام دکھائے گی۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس بے جان مادہ سے آپ تبھی کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکیں گے، جب اس کے استعمال میں مہارت ہو اور آپ کو پتا ہو کہ دشمن کے خلاف جو بارودی پھندا تیار کر رہے ہیں، اسے کس طرح زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنایا جا سکتا ہے۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ آپ کا تیار کردہ پھندا بے فائدہ استعمال ہو جائے یا جس بندے کے خلاف وہ تیار کیا گیا تھا اس کی بجائے کوئی اور اس کا نشانہ بن جائے ۔۔۔ مثلاً آپ دروازہ کھلنے پر پھٹنے والا بارودی پھندہ استعمال کر رہے ہیں تو یہ صرف اس شخص کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے جو اس دروازے کو اکیلا استعمال کرتا ہو۔ آپ ٹائمنگ کے بھروسے پہ پھندہ استعمال نہیں کر سکتے کہ کسی شخص کے روزانہ کے معاملات کو مدِ نظر رکھ کر پھندہ استعمال کیا جائے، کیونکہ آپ کے دشمن کے پروگرام میں اتفاقی تبدیلی آ سکتی ہے۔ یا یوں ہی اس سے پہلے کوئی غیر متعلق شخص دروازہ کھول کر اس پھندے کا شکار ہو جائے۔ اب جہاں آپ کا مطلوبہ شخص مرنے سے بچ گیا وہیں آپ اسے چوکنا بھی کر دیں گے۔ اور اس کے بعد وہ محتاط ہو کر آپ کو مزید مشکل میں ڈال دے گا۔"

انھیں ٹیکنیکل تربیت دینے والا پروفیسر ایم ڈی شنکر ان تفصیلات کے ساتھ ایک چھوٹا سا بکس کھول کر اس سے مختلف آلات نکال کر ٹیبل پر سجاتا گیا۔

"یاد رکھیں!...... جہاں آپ کو مختلف قسم کے پھندوں کی تیاری کا طریقہ معلوم ہونا چاہیے، وہیں اس چیز کا بھی خیال رکھیں کہ حالات اور ماحول کے مطابق موزوں پھندہ استعمال ہو۔ بہر حال اس بارے وقتاً فوقتاً بات چیت ہوتی رہے گی اس پہلے ہم ان سوئچ کے بارے پڑھ لیں جو ان پھندوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے سوئچ نمبر 4 پل مارک ون ہے۔"

شنکر نے ایک چھوٹا سا آلہ میز سے اٹھا کر ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"یہ آلہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کھنچاؤ والا آلہ ہے اور 6 سے 8 پونڈ کھنچاؤ پڑنے پر چال کر جاتا ہے۔ یہ عموماً کھڑکیوں دروازوں یا ہٹائی جانے والی چیزوں کے ساتھ لگا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا بیرونی خول پیتل کا ہوتا ہے اس کے اندر ایک سٹرائیکر، سیفٹی پن اور انگریزی کے حرف یو (U) کی شکل کا ایک کلپ لگا ہوتا ہے اس کلپ......" شنکر انھیں اس آلے کے متعلق تفصیل سے بتلانے لگا۔

"اس کے بعد سوئچ نمبر 5 پریشر مارک ون ہے جیسا کے نام سے آپ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ دباؤ والا آلہ ہے۔ آلے کو چلانے کے لیے جتنا دباؤ ضروری ہوتا ہے اس کی مقدار بدلتی رہتی ہے، عموی طور پر 50 سے 60 پونڈ وزن پڑنے سے یہ اپنا کام کرتا ہے۔ اسے عموماً فرش کے تختوں، جب کہ فرش لکڑی کا بنا ہو، بیٹھنے کے کام آنے والے فرنیچر، سیڑھیوں اور راستوں یا روڈ وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کا ایکسٹینشن راڈ لگا دینے سے اسے ریلوے پٹری کے نیچے بھی لگایا جا سکتا ہے یہ آلہ......"

شنکر نے اس کے حصے پرزے ان کے سامنے ترتیب سے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی......"باڈی، سٹرائیکر راڈ، اپچر، اسمبلی..........." وہ ایک پرزے کا نام اور کام بتانے لگا۔

"بارودی پھندوں میں استعمال ہونے والا تیسرا سوئچ، سوئچ نمبر 6 ریلیز مارک ون ہے...... یہ وہ آلہ ہے جو دباؤ ہٹنے پر چال کر جاتا ہے اسے ایسی چیزوں کے نیچے لگایا جاتا ہے جن کے اٹھائے جانے کا امکان ہو۔ اور جیسا کہ یہ آپ کو شکل سے دکھائی دے رہا ہے کہ یہ نہایت تنگ جگہوں میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ یعنی دروازے کے نیچے یا پیچھے۔ اسی طرح اپنی بناوٹ کی بدولت یہ کافی وزنی چیزوں مثلاً سامان رکھنے کی پیٹی، بھاری صندوق وغیرہ کے نیچے بھی رکھا جا سکتا ہے۔ کم سے کم وزن جو اس کے اوپر رکھ کر کام کیا جا سکتا ہے، وہ 4 سے 5 پونڈ وزن ہے، لیکن آپ لوگوں نے اپنی سیفٹی کے لیے 7 پونڈ سے کم وزنی چیز کے نیچے استعمال نہیں کرنا۔ اس کے اہم پرزے یہ ہیں.........اس کے علاوہ سوئچ نمبر 9 ایل ڈیلے مارک ون ہے، اسے آپ ٹائم بم بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے آج کل ملنے والے جدید ساخت کے ٹائم بم ہیں یہ بھی ایک خود ساختہ ٹائم بم ہوتا ہے جو ایک مخصوص وقت پر پھٹنے کے لیے سیٹ کر دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف وقتوں کے لیے مختلف سوئچ استعمال ہوتے ہیں یعنی 6، 12، 24 گھنٹے یا 3، 7، 14 یا 28 دن بعد خود بخود پھٹنے والے آلے۔ البتہ جدید ساخت کے ٹائم بموں پر اپنی مرضی کا ٹائم فکس کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور قسم کا سوئچ بھی استعمال ہوتا ہے جسے اینٹی لفٹنگ ڈیوائس کہتے ہیں مگر وہ زیادہ تر فوجی کارروائیوں میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے آپ کے لیے اس کا پڑھنا اتنا ضروری نہیں۔ آپ لوگوں نے غور کیا ہو گا کہ تمام سوئچز کے نام ان کے کام کے مطابق رکھے گئے ہیں۔ اس وقت 9 بجنے والے ہیں اور آپ لوگوں کے پیریڈ کا ٹائم ختم ہونے والا ہے کل سے آپ لوگوں کو عملی طور پر ان سوئچز کا استعمال سکھلایا جائے گا، اب تمام ڈنر کرو اور اس کے بعد آرام کرو تا کہ کل صبح سویرے بھرپور توانائی کے ساتھ ایک نئے دن کا آغاز کر سکو۔"

☆.....☆.....☆

"اسلام علیکم سیٹھ صاحب!......بکرم حسین بات کر رہا ہوں؟"

"بولو......ہم سن رہے ہیں؟" حسب عادت فاضل خان کا لہجہ نخوت سے پر تھا۔

"سیٹھ صاحب!......ایک بہت بڑی پرابلم بن گئی ہے۔"

''ہمیں بجھارتوں سے نفرت ہے......'' فاضل خان نے اسے جھڑکا۔

مکرم جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کرنے لگا......

''سیٹھ صاحب!...... میں نے قیدیوں کو جن گلاسوں میں زہریلا مشروب پلایا تھا ان پر میری انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ دلشاد امین اتنی باریکی سے تفتیش کرے گا ورنہ احتیاط کر لیتا۔ اب وہ نشان فنگر پرنٹ کے ماہر نے محفوظ کر لیے ہیں، اس کے ساتھ اس دن تھانے میں موجود تمام پولیس والوں کے فنگر پرنٹس لے لیے گئے ہیں جو اس ماہر کے حوالے کیے جائیں گے یا شاید کر بھی دیے گئے ہوں اور مجھے خوف ہے کہ میں پکڑا جاؤں گا...... اب میں کیا کروں ؟''

''تم الو کے پٹھے ہو، تمھارے جیسے بیوقوف کو تو کہیں چپڑاسی ہونا چاہیے، پولیس کی نوکری کرتے ہوئے تمھیں اتنی اہم بات کا خیال نہیں رہا؟''

''س...... سس...... سیٹھ صاحب...... آ...... آ اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا...... اب میں کیا کروں...... کیونکہ اگر میں پکڑا گیا تو تفتیش کے دوران لازمی وہ اس بندے کا نام پوچھیں گے جس کے کہنے پر میں نے یہ کام کیا ہے۔''

''تیرا باپ دلشاد امین تو جہنم رسید ہو چکا ہے اس کے نائب کو خرید لو۔''

''وسس...... سیٹھ صاحب وہ زندہ ہے۔'' مکرم کا لہجہ رو دینے والا تھا

''کیا بکواس کر رہے ہو نشے میں تو نہیں ہو ؟'' وہ دھاڑا۔ ''اخبار میں اس کے مرنے کی خبر چھپ چکی ہے اور تمھیں وہ زندہ نظر آ رہا ہے۔''

''م...... مم...... میں سچ کہہ رہا سیٹھ صاحب...... اس کے زندہ رہنے کی خبر کو چھپایا گیا ہے تاکہ اس کی جان کے دشمن کہیں دوبارہ اس پر حملہ نہ کر دیں مگر ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں البتہ اسے علاج کے لیے کسی خفیہ مقام پر رکھا گیا ہے جس کے بارے ہمیں معلوم نہیں۔''

''اور اس کے جنازے کی خبر بھی تو لگی تھی اخبار میں؟''

''جی ہاں...... اس کی جگہ ایک لاوارث لاش کا جنازہ پڑھا گیا۔''

''اگر ایسے ہے تب بھی اسے ٹھیک ہونے کے لیے کچھ عرصہ تو لگ جائے گا اس دوران ہم ڈاکٹر اور اس کے دست راست کو خرید لیتے ہیں۔ اس کے ٹھیک ہونے تک ویسے ہی یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''مشکل ہے سیٹھ صاحب ایس پی صاحب بذات خود اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں...... دوسرے انسپکٹر دلشاد کا دست راست سب انسپکٹر مجید اور اس کے بعد حوالدار خورشید دونوں انسپکٹر صاحب کی کینگری کے بندے ہیں، ایماندار اور نہ بکنے والے۔''

''ہونہہ!'' گہری سانس لے کر سیٹھ فاضل ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر پوچھا۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''میں اس وقت اپنے سالے کے گھر چھپا ہوں۔''

''اچھا یوں کرو فی الحال وہیں چھپے رہو ہم کچھ سوچتے ہیں۔اور گھبرانا نہیں کچھ بھی نہیں ہوگا......ہم سالے ایس پی کو ہی خرید لیں گے۔''

''سیٹھ صاحب مجھے تو آپ ہی کا سہارا ہے۔اس دفعہ بچالو آئندہ میرے باپ کی توبہ جو بے احتیاطی کی۔''

''اوکے ہمارے اگلے حکم کے انتظار تک وہیں چھپے رہو۔'' یہ کہہ کر اس نے مکرم کا جواب سنے بغیر رابطہ منقطع کیا اور شیر خان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔دوسری ٹون پر ہی اس نے فون اٹینڈ کرلیا۔

''جی سیٹھ صاحب؟''

''شیرے فوراً ہمارے پاس پہنچو۔''

''آپ اس وقت کہاں تشریف فرما ہیں؟''

''ہم اپنے مکان میں ہیں۔''

''میں چند منٹ میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔'' اسے پتا تھا کہ مکان سے سیٹھ کی مراد اس کا پرائیویٹ مکان تھا۔اپنے گھر پر وہ ایسی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیتا تھا جس کا اثر اس کی جان سے پیاری بیٹی پر پڑتا۔تھوڑی دیر بعد شیر خان سیٹھ فاضل کے پاس تھا۔

''شیرو!......تمھیں ایک بندے کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگانا ہے۔''

''حکم کریں حضور کون بدبخت ہے؟''

''مکرم حسین......پولیس والا۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب!......میں جاتا ہوں اس کے پیچھے''۔

''پوچھو گے نہیں......اپنے بندے کو ہم کیوں ختم کرا رہے ہیں؟''

''میرے لیے سب سے مقدم آپ کا حکم ہے......آپ نے کچھ سوچ کر ہی اس کے خاتمے کا فیصلہ کیا ہوگا۔''

''صحیح سوچا ہے تو نے......اس نے ایک ایسی غلطی کی ہے جو ہمیں پھنسانے کا سبب بن سکتی ہے..........'' سیٹھ فاضل، شیر خان کو تمام بات تفصیل سے بتانے لگا......

''اب ہم کس کس کو خریدیں گے......اور اگر اسے یونہی چھوڑ دیں تو اس الو کے پٹھے نے پولیس کو تمام باتیں بتا دینی ہیں باقی پولیس کی حد تو پھر بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا ہمیں ڈر ہے کہیں ایس پی،این اواین اور اے پی ایم کے جھگڑے میں ہمارے دلچسپی دیکھ کر سی آئی کو انفارم نہ کر دے اور وہ جس قسم کی خطرناک بلائیں ہیں تم ان سے اچھی طرح واقف ہو گے،اس لیے مجبوراً ہمیں مکرم کی موت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا فیصلہ کرنا پڑا۔"

"درست فیصلہ کیا ہے آپ نے سیٹھ صاحب..... میں اس مکرم کا بندوبست کر لیتا ہوں۔"

"کوشش کرنا اس کی موت خودکشی لگے۔"

"ایسا ہی ہوگا سیٹھ صاحب آپ فکر ہی نہ کریں۔" شیرا اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولا، یوں بھی اسے شیرے کی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔

"ٹھیک ہے شیرے تم اسے ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرو، کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے..... خطرے کی تلوار ہمارے سروں پہ لٹکتی رہے گی۔" اور شیرا اسلام کہتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

"ٹھیک ہے عاطف مجھے ساری بات کی سمجھ آ گئی ہے مگر بابر سلیم ایسی شخصیت نہیں ہے کہ ہم آسانی سے اس پر ہاتھ ڈال سکیں۔" صدیقی صاحب نے عاطف کی ساری بات سن کر رائے دی۔

"سر اس کے خلاف ہمارے پاس ہمارے پاس مکمل ثبوت موجود ہیں۔"

"ہوں گے..... لیکن اس کا تعلق برسر اقتدار پارٹی سے ہے، جیسے ہی اسے گرفتار کیا گیا ایسی ایسی سفارشیں آئیں گی کہ ہم بے بس ہو جائیں گے۔ وہ ہمارے لیے سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن جائے گا کہ نہ رہا کیا جا سکے اور نہ ہی قید میں رکھا جا سکے ہمارا جینا دوبھر ہو جائے گا۔"

"سر!..... میرے خیال میں ہمیں کسی سفارش کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے وہ غدار ہے اور ایسے بندے کے لیے جو سفارش کرے گا وہ بھی غدار وطن ہی ہوگا۔"

"عاطف میاں!..... کس دنیا میں گم ہو، اگر ہم پاکستان کے ساتھ اتنے مخلص ہو جائیں تو ملک میں ایسے حالات پیدا ہوں گے جو ابھی ہیں؟..... یہاں سب کو اپنے مفادات عزیز ہیں۔ ملک تو بس اللہ کے سہارے پر چل رہا ہے۔"

"تو کیا اسے ایسے ہی چھوڑ دیں تاکہ کل کو کوئی اور راز دشمن کے حوالے کر دے۔" عاطف معترض ہوا۔

"نہیں اس معاملے میں بدرالدین صاحب سے مشورہ کر لیتے ہیں پھر جو، ان کا حکم ہوگا ویسے ہی کر لیں گے۔" صدیقی صاحب اپنی جگہ پہ کھڑا ہو گیا، عاطف بھی تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بدرالدین صاحب کے آفس میں بیٹھے اسے ساری بات تفصیل سے سنا رہے تھے۔

"تو..... اب آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔" بدر صاحب نے ان کی رائے جاننی چاہی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسے گرفتار کرلیا جائے تاکہ اسے کیے کی جزا ملے۔" عاطف جذباتی ہو گیا۔

"نہیں بچے!...... جذباتی ہونے سے کام نہیں چلے گا۔" بدرالدین صاحب متانت سے بولے۔ "تیری بڑی تعریفیں سنیں تھیں جب کہ تیرا رویہ اس کے برعکس نظر آرہا ہے۔"

"سر!...... غدار کے لیے مجھ میں نرمی نہیں ہے۔"

"تو نرمی برتنے کا کس نے کہا ہے؟" بدرالدین صاحب کے لہجے کی نرمی برقرار رہی۔ "دیکھو سیانے کہتے ہیں کہ سانپ کو بھی زندہ نہ چھوڑو اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے دو۔"

"مطلب! اسے غیر سرکاری طور پر اپنی حراست میں لیا جائے؟" عاطف کا لہجہ استفسار لیے ہوئے تھا۔

"گڈ...... جلدی سمجھ گئے ہو۔ ایسے کیسوں میں یہی کیا جاتا ہے۔"

"بس سر!...... ہمیں بھی آپ کی اجازت کی ضرورت تھی۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھا صدیقی صاحب بولا۔

"لیکن خیال رہے یہ خبر آؤٹ نہیں ہونی چاہیے اور اسے اس طرح قابو کرنا ہے کہ آپ لوگوں پر کوئی شک نہ کیا جاسکے۔"

"ایسا ہی ہوگا سر آپ بے فکر رہیں۔" عاطف خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"اور کچھ؟"

"ان تین سیاستدانوں کا کیا کرنا جنھیں وہ بلیک میل کرتے رہے ہیں؟" صدیقی صاحب مستفسر ہوا۔

"وہ غداری کا نہیں، غلط کاری کا کیس ہے اس طرح ہم کتنوں کو سدھاریں گے ہماری تو پوری اسمبلی ان لوگوں سے بھری پڑی ہے البتہ ملکی راز اگر کوئی غیر کے ہاتھوں حوالے کرتا ہے تو پھر نہ دیکھو کہ وہ کون ہے؟"

"ٹھیک ہے سر!...... اگر کوئی اور مسئلہ ہوا تو آپ کو زحمت دیں گے۔" صدیقی صاحب کا انداز اجازت لینے والا تھا۔

"اوکے۔" بدرالدین صاحب سر کے اشارے انھیں جانے کی اجازت دی اور وہ اسے سلام کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"پارس اور بلونت کے بارے کیا سوچا ہے؟" اپنے دفتر کی طرف واپسی کے دوران صدیقی صاحب نے عاطف سے پوچھا۔

"سر!...... ان کو تنہائی میں ملنے کا ایک موقع تو فراہم کیا تھا مگر ان کی باتیں سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا کچھ وہ جانتے تھے ہمیں بتا چکے ہیں۔ اس لیے فی الحال ان کے بارے کچھ نہیں سوچا جب کوئی پروگرام بنا تو آپ کو مطلع کردوں گا۔" جواباً صدیقی صاحب سر ہلا کر رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

اتنی رات بیت جانے کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے غائب تھی ٹائم کا اندازہ بھی وہ رات کے کھانے سے لگا رہی تھی ورنہ تو

اس قید خانے میں گھڑی وغیرہ میسر نہیں تھی۔ جانے ایجنسی والے اس کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے آیا اسے ہلاک کر دیا جاتا یا اس کے بدلے وہ اس کے ملک سے اپنا کوئی قیدی رہا کرانا پسند کرتے۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مجھے ساری زندگی اسی طرح قید میں گزارنی پڑ جائے۔" وہ جھرجھری لے کے رہ گئی۔ اتنی خوبصورت جوانی مٹی میں ملنے والی تھی۔ پہلے پہل اس کا خیال تھا کہ وہ کسی کو اپنے ناز وادا کے چکر میں ڈال کر وہاں سے آسانی سے فرار ہو جائے گی مگر ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود جب کوئی اس کی من موہنی صورت کی طرف متوجہ نہ ہوا تو اسے یقین آ گیا کہ یا تو وہ اپنی دلکشی کھو چکی ہے یا پھر خفیہ ایجنسی والے ہی مردانہ حس سے محروم ہیں۔

وہ انہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا اور پھر ہلکی آواز میں دروازہ کھلنے لگا، دروازہ کھولنے والے کا انداز چوروں کا سا تھا وہ چونک گئی اور اس کا دل انجانی امید میں خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا۔ پارسائی کو وہ بہت پہلے خیر باد کہہ چکی تھی اس لیے کسی قسم کا خوف اس کے پاس نہ پھٹکا۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اور خوبصورت جوان کے ہمراہ جس نے کہ اس سے پوچھ گچھ کی تھی اور جو تمام وقت سینئر کی کرسی کے ساتھ کھڑا رہا تھا اندر داخل ہوا۔ وہ لمبے قد اور عام سی شکل وصورت کا جوان تھا۔

پاربتی نے اسے دیکھ کر جان بوجھ کر چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لیے جیسے وہ خوفزدہ ہو۔ اس جوان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ پاربتی کا اندازہ صحیح نکلا تھا وہ اس کے پاس غیر قانونی طور پر آیا تھا۔

"طبیعت کیسی ہے؟" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے بے تکے انداز میں پوچھا۔ پاربتی کو اس کی شکل اور اڑی ہوئی رنگت دیکھ کر یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ ایسے معاملات میں انجان تھا اسے شاید پاربتی کی بھولی بھالی صورت وہاں کھینچ لائی تھی۔

وہ آہستہ سے بولی۔ "پہلے سے بہتر ہے۔"

"پتا ہے میں کیوں آیا ہوں؟" وہ اس کا ملائم ہاتھ اپنے کھردرے ہاتھ میں لیتے ہوئے مستفسر ہوا۔

"لازمی بات ہے تفتیش کے لیے آئے ہوں گے۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"نہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کے بازو کی طرف بڑھایا۔ "میں صرف تم سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔"

"لازمی بات ہے مرد ہو، کمزور اور تنہا عورت سے خراج تو وصول کرو گے نا؟"

"یہ بات نہیں ہے اصل میں تم مجھے بہت پیاری لگی ہو۔ میرا خیال ہے مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔" زبان سے محبت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ پاربتی کے بدن کے ان حصوں کی طرف بڑھ گئے تھے جہاں محبت کی انتہا ہوتی ہے۔

وہ آہستہ سے کسمسائی "کک...... کوئی آ جائے گا؟"

"کون آئے گا؟ میں نے سب کو چائے میں نیند کی گولیاں ڈال کر پلا دی ہیں۔" اس کی بات سنتے ہی پاربتی نے اپنا جسم ڈھیلا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھوڑ دیا مگر اس کے ساتھ اس کا ذہن تیزی سے اس بندے پہ قابو پانے کی تدبیر سوچنے لگا، گو وہ جسمانی لڑائی بھڑائی کی تربیت حاصل کر چکی تھی مگر نہ معلوم وہ کیسا لڑاکا تھا اور وہ جلد بازی میں کام خراب نہیں کرنا چاہتی تھی پھر اچانک ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ اس وقت تک اس جوان کو پاربتی کا لباس بوجھ محسوس ہونے لگ گیا تھا کہ وہ پاربتی کو اس بوجھ سے چھٹکارا دلانے کے لیے عملی قدم اٹھانے لگا۔

پاربتی جلدی سے بولی "پلیز ابھی نہیں۔"

"کک...... کیوں......؟" جذبات کی شدت سے اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"دیکھو میں رات کے کھانے کے بعد کافی پینے کی عادی ہوں یہاں پر ہفتہ ہونے کو ہے مجھے کافی نہیں ملی، اگر کافی مل جائے تو میں آپ کا ساتھ بھرپور طریقے پر دے سکوں گی ورنہ...... شاید میں آپ کو خوش نہ کر سکوں؟"

"بعد میں کافی پی لیں گے نا؟" وہ شاید جذبات کے ہاتھوں اتنا مغلوب ہو گیا تھا کہ اسے چھوڑ کر جانے کو اس کا دل نہیں کر رہا تھا، مگر پاربتی بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھی وہ جانتی تھی کہ ایک بار اس کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے تو اس کی عقل کام کرنا شروع کر دے گی اور پاربتی کی آزادی کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔

"پلیز!...... پہلے کافی کا ایک کپ لے آؤ نا؟" وہ اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اس کے ہونٹوں پہ ایک طویل بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

"ابھی لایا" وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا جیسے وہ خمار میں ہو۔ اور آخر کیوں نہ ہوتا پاربتی تو شراب کی بھری ہوئی وہ بوتل تھی جسے دیکھ کر ہی مردوں پہ نشہ چھانے لگتا اس غریب نے تو ایک دو گھونٹ بھی لے لیے تھے۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی پاربتی نے چھلانگ لگا کر بستر چھوڑا اور دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی وہ کافی لے کر اندر داخل ہوتا وہ جلدی سے باہر نکل کر دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دیتی وہ اس وقت بھی نکل کر جا سکتی تھی کہ اسے پتا تھا سب بے ہوش پڑے ہیں مگر اس کا عاشق تو موجود تھا اور وہ ہلکا سا رسک بھی نہیں لینا چاہتی تھی۔ اسے گئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی مگر پاربتی کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیاں بیت گئیں ہوں۔ اچانک اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس کا جسم تن گیا اور وہ باہر نکلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

وہ اپنے کندھے کے دباؤ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اسکی نظر سامنے پڑی چار پائی پر تھی۔

"ارے میری جان جلدی نکلو باتھ روم سے کافی آ گئی ہے۔" اس نے باتھ روم کی طرف منہ کر کے پاربتی کو آواز دی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ جھپاک سے باہر نکلی اور بجلی کی سی سرعت سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کا دل اس زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز نے اس نامراد عاشق کو چونکا دیا تھا وہ تیر کی طرح دروازے کے قریب آیا اور

چلاتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا مذاق ہے؟'' مگر وہ اس کی آواز سے دور جا چکی تھی تھوڑی سی تلاش کے بعد ہی اسے تہہ خانے سے باہر جانے کا راستہ مل گیا چند لمحوں بعد وہ اس کوٹھی کے صحن میں تھی۔ اس کی نظر گیراج میں کھڑی گاڑیوں پر پڑی مگر گاڑی لے جانے میں خطرہ بڑھ جاتا وہ گاڑیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گیٹ کے قریب پہنچی گیٹ کے بڑے دروازے کو تالا لگا ہوا تھا مگر ذیلی کھڑکی کو صرف کنڈی لگی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ رکھے ہوئے سٹول کے قریب چوکیدار اس انداز میں لیٹا تھا جیسے بیہوش ہو۔ وہ کھڑکی کھول کر گلی میں نکلی، آزاد فضا میں گہرے سانس لیتے ہوئے ایک سمت منتخب کر کے بھاگ پڑی وہ جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''اوئے مکرم!......تم کہاں ہو یار؟'' شیر خان کا لہجہ شیرینی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کچھ نہ پوچھیں شیر خان بھائی؟'' اسے مکرم کی پریشانی سے لبریز آواز سنائی دی۔ ''بس موت کے منہ میں پھنسا ہوں۔''

''اوئے کچھ نہیں ہوتا یار، مرد بن مرد......تو سیٹھ فاضل کا بندہ ہے کسی ایرے غیرے کا نہیں؟''

''وہ تو ٹھیک ہے......مگر معاملہ کافی الجھا ہوا ہے۔ ایس پی صاحب اس معاملے میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ سیٹھ صاحب کی بات مان جائیں گے؟''

''بیوقوف ہو تم جو ایسی بات کر رہے ہو......ایسے کئی ایس پی سیٹھ صاحب پاؤں کی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں......بہر حال تیرے لیے ایک خوشخبری ہے۔''

''وہ کیا شیر خان بھائی؟'' مکرم بے تابی سے مستفسر ہوا۔

''فون پر بتانے والی نہیں ہے......یہاں میرے پاس آجاؤ میں ڈیرے پر ہوں۔ اور ہاں یہ خیال رکھنا کہ کوئی تمھیں یہاں آتے وقت نہ دیکھے کیونکہ ہمارے آپس کے تعلقات کا کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔''

''پھر میں ایسا کرتا ہوں کہ رات کو آؤں گا۔''

''نہیں نا یار، سمجھا کرو رات کو ہمارے پاس کہاں ٹائم ہوگا، وہی کمرشل والی منگوائی ہوئی ہے پیسے تو زیادہ مانگتے ہیں سالی نے پر کوئی بات نہیں سیٹھ صاحب اپنے ورکروں پر بہت مہربان ہیں۔''

''س......سس......سچ شیر خان بھائی'' مکرم کی آواز گلے میں پھنسنے لگی ''وہ مان گئی ہے؟''

''یہ سالیاں پیسے کی ہوتی ہیں یار، چند ٹکے دکھاؤ تو ایسے بھاگ کر آتی ہیں جیسے نیک آدمی مکے مدینے کی طرف بھاگتا ہے، یوں بھی یہ کمرشل اور ڈراموں میں کام اپنا ریٹ بڑھانے کے لیے کرتی ہیں ہم انھیں ایک رات میں اتنا معاوضہ دیتے ہیں جو ان کے کئی

ڈراموں کے برابر ہوتا ہے۔"

"بس.....صرف ڈانس پارٹی ہوگی یا.....؟" اس کی دلی خواہش ہونٹوں پہ مچلی۔

"ہا.....ہا.....ہا....." شیر خان نے بلند بانگ قہقہہ لگایا۔

"ارے بیوقوف ان کے ڈانس کی موویز ہم نہیں دیکھ سکتے کیا؟ صرف ڈانس دیکھنے کے لیے اتنا خرچہ کون کرتا ہے.....البتہ تمام آدمیوں کو شاید وہ ٹائم نہ دے سکے کہ پارٹی رات گئے تک جاری رہے گی اس کے بعد اتنا ٹائم نہیں ہوگا زیادہ سے زیادہ تین چار آدمی .....اوران تین چار میں تم شامل ہو۔"

"کک.....کیا.....یہ........." فرط مسرت سے اس سے بولا نہ گیا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی جسے سکرین پر دیکھنے کے لیے وہ ترسا کرتا تھا اس کی آغوش میں آجائے گی۔

"ہاں.....یہ بالکل حقیقت ہے۔" شیر خان اس کا ادھورا فقرہ مکمل کیا اب تم جلدی سے پہنچو تا کہ تم سے کچھ ضروری بات کی جا سکے کیونکہ یہ بات فون پر کرنے والی نہیں ہے۔"

"مم.....میں بس ابھی پہنچا۔" اسے یقین تھا کہ یہ لڑکی اس کا منہ بند کرانے کے لیے سیٹھ فاضل بطور رشوت اسے پیش کر رہا ہوگا اور اس قیمت پر وہ بڑی آسانی سے اس کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھا۔

شیر خان نے اس کے شوق کو ہوا دے کر فون آف کر دیا، اسے پتا تھا کہ اب مکرم نے اس کے پاس بھاگ کر آ جانا تھا۔

☆.....☆.....☆

"سر!.....مجھے نظر آ گئی ہے۔ بھاگتی ہوئی آ رہی ہے اور گلی کی نکڑ تک پہنچنے والی ہے۔" عاطف کو عمران کے دبے لہجے میں بات کرنے کی وجہ سے بات سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ سامنے بیٹھے ظفر سے مخاطب ہوا۔

"ظفر ٹی وی کی آواز کم کرو۔" ظفر جو بڑے انہماک سے خبریں سن رہا تھا "یس سر" کہتے ہوئے ٹی وی آف کر دیا۔ عاطف عمران کو ہدایت دینے لگا.....

"جس سمت کا بھی رخ کرے اگلے بندے کو پاس کر دینا، اور جب تم سے دو تین سو میٹر آگے نکل جائے تو تو نے اس کے پیچھے چل پڑنا ہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"اور یاد رہے ایک کلومیٹر کے دائرے میں تم اسے اس وقت تلاش کر سکتے ہو جب تک وہ انہی پرانے کپڑوں میں ہے۔اس کے بعد تمھارا فاصلہ دو سو میٹر سے بڑھنا نہیں چاہیے۔"

''مجھے کنفرم ہے سر......'' عمران نے کہا۔''وہ بائیں سمت کو مڑ گئی ہے اور ادھر حمید موجود ہے۔''

''اوکے......اسے مطلع کر دو'' عاطف نے رابطہ منقطع کر دیا۔

ظفر نے پوچھا۔''سر!......کیا اس کے فرار کو دشمن ہماری چال نہیں سمجھیں گے؟''

''بظاہر تو ایسا نظر نہیں آتا کیونکہ ہمارے پلان میں کوئی خاص جھول نہیں ہے۔''

''ویسے جو کچھ اسے معلوم تھا ہم اگلوا چکے ہیں پھر اس چال کا فائدہ؟''

''مسٹر ظفر آپ کسی سے معلومات ضرور اگلوا سکتے ہیں لیکن اس کی ہمدردیاں نہیں خرید سکتے ،اب وہ اپنے سینئر تک پہنچنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے گی ،شاید ایمرجنسی صورت حال کے لیے کوئی ایسا طریقہ کار ان کی تنظیم میں موجود ہو جس کو بروئے کار لا کر وہ اپنے آدمیوں تک پہنچ جائے اس طرح ہم بھی اس کے ذریعے سے اپنا گوہر مقصود حاصل کر لیں گے۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ پاکستان سے فرار ہونے کی کوشش کرے؟''

''ممکن ہے مگر اس کے لیے بھی تو اسے کسی کی مدد چاہیے ہو گی ،علاوہ ازیں اس کے ایسا کرنے سے ہم آسانی سے ان کے اس طریقہ کار سے واقفیت حاصل کر لیں گے کہ جس کے ذریعے وہ پاکستان سے فرار ہوتے ہیں یا ادھر داخل ہوتے ہیں۔''

''وہ طریقہ اس اگلوایا بھی تو جا سکتا تھا۔اور پھر ضروری تو نہیں کہ وہ اپنے مجوزہ طریقہ کار کے مطابق فرار ہو۔پاکستان میں ایسے کئی مل جائیں گے جو اسے بڑی خوشی سے سرحد پار کرا دیں۔ایسی عورتوں سے ہمدردی کرنے والوں کی وطن عزیز میں کوئی کمی تو نہیں؟''

''اس جگہ!......اگر آپ میری طرح کئی مل جائیں گے ایڈ کر لیں تو فقرے میں جان پڑ جائے گی۔'' عاطف نے مسکراتے ہوئے اس پر لطیف چوٹ کی۔

''میں تو خیر قربانی کا بکرا تھا۔'' ظفر صفائی پیش کرنے لگا۔

''تیرے ہاتھوں کی گستاخیاں مجھے واضح نظر آ رہی تھیں ،یہ تو شکر ہے وہ غریب بھاگ گئی ورنہ تو شاید ہمارا لحاظ بھی نہ کرتا؟''

''آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ حقیقت لگنی چاہیے'' ظفر پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''یہ تو نہیں کہا تھا کہ حقیقت ہونی چاہیے تم تو اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے والے تھے؟''

''یہ تو خیر مبالغہ آرائی بلکہ بہتان ہے۔''

''اس کا فیصلہ تمام اکٹھے بیٹھ کر کریں گے......یوں بھی تمھاری وڈیو ہم نے تیار کر لی ہے اس لیے تم مکر بھی نہیں سکتے۔''

''یہ بعد کا مسئلہ ہے پہلے آپ میرے سوال کا تو جواب دیں نا؟''

''یار اس پہ پہلے تفصیلی بحث ہو چکی ہے اب گزری باتیں دہرانے کا فائدہ؟''

''میں اس وقت حاضر نہیں تھا۔'' ظفر اطمینان سے بولا ''اور میری غیر حاضری کی وجہ سے ہی آپ لوگوں نے میرا چناؤ کیا تھا۔''

''خیر تمہارے چناؤ کی وجہ غیر حاضری تو نہیں تھی، البتہ اسے تم اپنی خوبی کہہ سکتے ہو''۔

''سر آپ جو بھی کہیں مگر میں آپ کے پلان سے متفق نہیں ہوں۔''

''بڑا لیٹ خیال آیا۔'' عاطف کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی ''یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں کہی؟''

''جب تمام سینئر متفق ہو چکے تھے تو میرے کہنے نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا؟''

''ظفر! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے ہاں سینئر جونیئر والی کوئی بات نہیں، ہر آدمی کو دعوت عام ہوتی ہے کہ وہ دلائل دے جس بات پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے میں اسے قبول کر لیتا ہوں۔''

''اچھا اگر دشمن اسے ہلاک کر دیں تو؟''

''تو کر دیں ہلاک۔ ہم نے جو اگلوانا تھا اگلوا لیا، اب اگر اس کی وجہ سے ہم دشمن تک پہنچ جاتے ہیں تو سونے پہ سہاگہ ورنہ اس کام میں اونچ نیچ تو ہوتی رہتی ہے۔'' ابھی یہ بات عاطف کے منہ میں تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''یس حمید؟'' وہ موبائل سکرین پر حمید کا نمبر دیکھ کر مستفسر ہوا۔

''سر!......وہ مین روڈ تک پہنچنے والی ہے۔''

''ٹھیک ہے عرفان کے ساتھ رابطے میں رہو وہ کار لیے اس کے انتظار میں تیار بیٹھا ہے۔''

''اسے بتا دیا ہے سر۔''

''گڈ......تمہارے پاس کون سی سواری ہے؟''

''بائیک ہے سر۔''

او کے تم نے اور عمران نے اپنے اپنے طور پر اس کا تعاقب کرنا ہے اور آپس میں بھی رابطے میں رہنا، مجھے تازہ صورت حال سے آگاہ رکھنا۔'' عاطف نے اسے تفصیلی ہدایات دیں اور اس کی ''یس سر'' سنتے ہی رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

عرفان نے حمید کی طرف سے او کے کا سگنل ملتے ہی گاڑی سٹارٹ کی اور آہستہ روی سے آگے بڑھا دی، ابھی وہ مطلوبہ گلی سے کچھ دور تھا کہ اس نے پارمی کو گلی سے برآمد ہوتے دیکھا اس کے قدموں کی رفتار کافی تیز تھی مگر گلی سے نکلنے کے بعد اس نے بھاگنا ترک کر دیا عرفان جانتا تھا کہ اس نے روڈ پہ پہنچتے ہی کسی سے لفٹ مانگ کر وہاں سے جلد از جلد دور نکلنے کی کوشش کرنی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لفٹ دینے والا اس کے علاوہ کوئی ہے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی، تمام پلان ان کی مرضی کے مطابق ہوا تھا لیکن اس جگہ پر قسمت

نے ان کا ساتھ نہ دیا وہ ابھی پارتی سے پچاس میٹر دور تھا کہ اس نے روڈ پہ چڑھتے ہی لفٹ کے لیے ہاتھ لہرایا، وہ جوان لڑکی تھی اور جوان لڑکی کا لفٹ لینے کے لیے لہرانے والا ہاتھ کم ہی رائیگاں جاتا ہے، گو اس وقت رات تھی مگر پھر بھی الیکٹرک پول کی روشنی بہرحال اتنی تھی کہ کار والے کو ایک جوان لڑکی کی پہچان ہو جاتی اور یہی ہوا، نامعلوم کار ڈرائیور نے اس خدشے سے بڑی پھرتی کے ساتھ بریک لگائی کہ لفٹ دینے میں کوئی اور پہل نہ کر لے۔ عرفان کے سامنے پارتی بڑی بے تکلفی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ عرفان ہونٹ بھینچتے ہوئے یہ خبر عاطف کو پاس کرنے لگا اس دوران وہ اس کار کے تعاقب سے غافل نہیں ہوا تھا۔ گو اس وقت اتنا رش نہیں تھا مگر پھر بھی رات کا اندھیرے میں کسی کار کا تعاقب نہایت مشکل ہوتا ہے، اس کی یہ مشکل اس رسیور نے دور کر دی جو ایک سرخ نقطے کی صورت میں پارتی کے وجود کی نشان دہی کر رہا تھا۔

اس کی بات سن کر عاطف اطمینان سے بولا..... ''کوئی بات نہیں، ضروری تو نہیں کہ جو ہم نے سوچا ہے وہی ہو گا تم تعاقب جاری رکھو اور عمران پارٹی کو بھی اپنی لوکیشن اور گاڑی کا نمبر ماڈل پاس کر دو۔''

''سر نمبر تو اندھیرے کی وجہ سے صحیح پڑھا نہیں جا رہا البتہ کار کا ماڈل وغیرہ پاس کر دیتا ہوں''

عاطف نے ''اوکے۔'' کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ عرفان، عمران کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہاں عرفان بھائی؟'' رابطہ ہوتے ہی عمران مستفسر ہوا۔ اور عرفان ایک بار پھر وہی تفصیلات دہرانے لگا جو وہ عاطف کو بتا چکا تھا۔

''میں نے بھی اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ لیا تھا اور اب اسی گاڑی کے تعاقب میں ہوں اگر آپ بائیں سائیڈ پر دیکھنے کی زحمت کریں تو آپ آسانی سے ایک موٹر سائیکل سوار کو دیکھ سکتے ہیں جو بندۂ غریب ہے۔''

''حمید کو بھی بتا دیا تھا؟''

''ہاں...... میں اس سے رابطے میں ہوں اور وہ ہم سے تھوڑا ہی پیچھے ہے۔''

''اوکے۔'' کہہ کر اس نے کال منقطع کرتے ہوئے موبائل جیب میں ڈالا اور پوری توجہ اس کار کی عقبی لائیٹ پہ مرکوز کر دی جس میں پارتی بیٹھی تھی ایک جگہ سرخ بتی پر رکتے ہوئے اس نے کار کا نمبر بھی نوٹ کرتے ہوئے عاطف صاحب کو پاس کر دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ پارتی نے سب سے پہلے کپڑوں سے نجات حاصل کر لی تھی اور اس طرح وہ آلہ جس کی رینج ایک کلومیٹر تھی اس کے بدن سے علیحدہ ہو جانا تھا البتہ اس کے کانوں میں پڑے زیور میں چھپا آلہ پھر بھی اس کی نشاندہی کرتا رہتا، اس کے کانوں کے زیور میں وہ باریک سا آلہ چھپانے کا مشورہ عاطف نے دیا اور تمام نے اس سے اتفاق کیا تھا انھیں معلوم تھا کہ زیور ہی وہ واحد چیز ہے جو ایک عورت اپنے بدن سے علیحدہ کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔

☆.....☆.....☆

دلشاد امین کو ہوش آیا تو اس نے خود کو آرام دہ بستر پہ لیٹے پایا اسے اپنے دائیں کندھے اور سر میں سخت قسم کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی اور اس کے ہوش میں آنے کا سبب بھی وہی تکلیف بنی تھی، بائیں ہاتھ سے اس نے سر کو چھوا، سر کے گرد لپٹی پٹی اس بات کی مظہر تھی کہ اسے میڈیکل ٹریٹ منٹ دی جا چکی تھی، اس نے آنکھیں بند کر کے ان حملہ آوروں کی شکلیں یاد کرنے کی کوشش کی جن کے باعث وہ اس حال کو پہنچا تھا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی کہ اندھیرے کے باعث یوں بھی وہ ان کی شکلیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے ہوش میں آئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازہ کھول کر ایک ڈاکٹر اندر داخل ہوا اسے ہوش میں دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔

''کیسا محسوس کر رہے ہیں سر؟'' وہ اس کی نبض چیک کرتے ہوئے نرمی سے مستفسر ہوا۔

''سر اور دائیں کندھے میں شدید تکلیف ہو رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں نرس کو بھیجتا ہوں وہ آپ کو درد کش انجکشن لگا دے گی مگر اس پہلے ایس پی صاحب آپ سے ملنا چاہیں گے۔''

''کہاں ہیں وہ؟''

''آپ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''مجھے کتنی دیر بعد ہوش آیا ہے؟''

''تین دن بعد۔''

''تین دن......؟'' اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''جی سر!...... بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے آپ کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس کے علاوہ دائیں بازو اور کندھے میں لگی گولیاں نکالنے کے لیے بھی آپریشن کرنا پڑا، البتہ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ تیسری گولی صرف آپ کے سر کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی ورنہ دوسری صورت میں ہم آپ سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔''

''میری وائف کہاں ہے؟''

''اس بارے آپ کو ایس پی صاحب بتلائیں گے۔''

''کک......کیا مطلب......؟'' دلشاد امین گھبرا گیا تھا۔

''سر!...... گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ بالکل خیریت سے ہیں لیکن آپ کو دشمنوں کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے ان سے بھی یہ جگہ پوشیدہ رکھی گئی ہے''۔

''ایس پی صاحب کو بلائیں نا؟'' ڈاکٹر کے تسلی دینے کے باوجود دلشاد امین کے لہجے میں پریشانی کی جھلک تھی۔

''میں انھیں فون کرتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے جیب سے موبائل نکال لیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیا وہ یہاں پہ موجود نہیں ہیں؟''

''سر!.....بتایا تو ہے آپ کو تین دن بعد ہوش آیا ہے۔وہ روزانہ صبح شام چکر لگاتے ہیں،ابھی ڈیڑھ ایک گھنٹا ہوا ہے انھیں یہاں سے گئے ہوئے۔'' اسے جواب دینے کے دوران وہ ایس پی صاحب کا نمبر بھی ڈائل کرتا رہا،رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

''سر جی انسپکٹر صاحب کو ہوش آ گیا ہے.....'' جانے ایس پی صاحب نے کیا جواب دیا کہ وہ جواباً بولا۔''جی سر.....۔''اور پھر شاید ایس پی صاحب نے رابطہ منقطع کر دیا کہ وہ موبائل جیب میں ڈال کر دلشاد امین سے مخاطب ہوا۔

''ایس صاحب آ رہے ہیں۔''

جواباً دلشاد امین نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا مگر یہ سر ہلانا اس کے لیے کافی تکلیف دہ ثابت ہوا تھا جس کے آثار واضح طور پر اس کے چہرے پہ ظاہر ہوئے،جنھیں دیکھ کر ڈاکٹر صاحب جلدی سے بولا

''پلیز جناب!.....سر کو حرکت دینے سے گریز کریں۔''

''بے خیالی میں ایسا ہو گیا ہے ڈاکٹر صاحب۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں کسی قسم کی تکلیف محسوس کریں تو تپائی پہ الیکٹرک گھنٹی پڑی ہے اسے بجا دینا۔''ڈاکٹر اس کی توجہ بیڈ کے ساتھ پڑی تپائی کے اوپر رکھی بیل کی طرف مبذول کرائی۔''ایس پی صاحب کے جانے کے بعد یہاں مستقل طور پر ایک نرس تعینات کر دی جائے گی۔''

''پہلے کیوں نہیں کی.....؟ حالانکہ اس وقت اس کی ضرورت زیادہ تھی جب میں بیہوش تھا۔''

''آپ کی بیہوشی کے دوان یہاں مستقل طور پر ایک ڈاکٹر موجود رہا ہے۔آپ کے ہوش میں آنے سے پہلے سلیم صاحب یہاں موجود تھے آپ کے ہوش میں آنے سے چند منٹ پہلے ہی مجھے بلانے کے لیے نکلے تھے۔''ڈاکٹر نے اپنی غیر موجودگی کی وضاحت کی۔

''تھینک یو ڈاکٹر صاحب۔''

''اٹس او کے سر۔''ڈاکٹر خوش دلی سے مسکراتے اس سے رخصت ہو گیا۔

ڈاکٹر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ایس پی صاحب ''اسلام علیکم'' کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''وعلیکم اسلام سر'' دلشاد امین نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایس پی صاحب جلدی سے بولا.....

''لیٹے رہو.....لیٹے رہو''اور قریب آ کر اس کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔''طبیعت کیسی ہے اب.....زخموں میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہو رہی؟''

''تکلیف تو ہے سر مگر قابل برداشت ہے۔''اس نے رسمی انکار مناسب نہ سمجھا۔

"ہاں اتنی تو ہوگی آخر ...... بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی جان بچ گئی۔"

"سر میرے گھر والوں کا کیا حال ہے؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہیں، احتیاطاً تیرے گھر کے باہر میں نے سول کپڑوں میں چند پولیس والے بھی تعینات کر دیے ہیں۔ اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی کہ دشمنوں کی نظر میں تم یوں بھی ہلاک ہو چکے ہو۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اخبار میں تمہاری موت کی باقاعدہ خبر بھی شائع ہوئی ہے اور ایک لاوارث لاش بھی سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کر دی گئی ہے۔"

"میرے گھر والوں کو اس بات کا علم ہے؟"

"صرف تمہاری وائف کو حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے اور اسے بھی یہ راز اپنے تک رکھنے کی تاکید کی ہے۔"

"سر!...... کیا میں ابھی اس سے بات کر سکتا ہوں؟"

"کر لینا یار ......" ایس پی مسکرایا۔ "اتنی بے صبری اچھی نہیں ہے، ویسے بھی آپ کے ہوش میں آنے کی خبر اس تک پہنچ چکی ہوگی، وہ ہر آدھ گھنٹے بعد ڈاکٹر صاحب سے آپ کی خیریت دریافت کرتی رہتی ہے، وہ تو شاید آپ کو ہوش آنے پہ اپنے سرہانے ملتی مگر میں نے منع کر دیا تھا کہ آپ کی موت کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے اس کا گھر میں رہنا ضروری تھا کیونکہ تعزیت کے لیے آنے والوں کا کافی رش تھا۔"

"چلو اسے یہ تو پتا چل گیا ہوگا کہ کس کو میرے مرنے سے خوشی ہوئی اور کس کو دکھ پہنچا۔" دلشاد نے مسکراتے ہوئے کہا جواباً ایس پی بھی مسکرا دیا۔

"سر!...... وہ فنگر پرنٹس کے بارے پتا چلا تھا؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی رپورٹ موصول ہوئی ہے ......"

"کس کے ہیں سر؟" دلشاد نے بے صبری سے پوچھا۔

"سپاہی مکرم کے؟"

"سپاہی مکرم ...... اسے گرفتار کر لیا ہے سر؟"

"حوالدار خورشید اس کی تلاش میں ہے...... وہ اسی دن سے غائب ہے...... بہرحال کب تک چھپے گا۔"

"اسی سے ہی ساری بات معلوم ہوگی سر۔"

"تجھے حملہ آوروں کا کوئی اندازہ نہیں ہوا کہ کون ہو سکتے ہیں؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

”نہیں سر......ایک تو رات کا ٹائم تھا دوسرے گولی لگنے کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔“

” آرام کرو...... باتیں تو کافی ہیں لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے......“ ایس پی کھڑا ہو گیا۔”اور چند دن گھر والوں سے ملاقات کرنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ ہوسکتا کسی دشمن نے ان پر نظر رکھی ہو وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ سکتے ہیں، میں خود اس بارے بڑی احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔“

”سر!......جب میری موت کی خبر مشتہر کردی ہے تو پھر............؟“

”جب ہم میں کالی بھیڑیں موجود ہوں گی تو تیرا کیا خیال یہ راز، راز رہ سکے گا ؟“

”پھر اس ڈرامے کا تو کوئی فائدہ نہ ہوا سر؟“

”اپنی جانب سے تو میں نے کوشش کی تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو مگر جب سے مکرم کے بارے پتا چلا ہے محسوس ہو رہا ہے کہ واقعی اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ بہرحال یہ میرا گمان ہے ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو لیکن پھر بھی میں تجھے احتیاط کا مشورہ دوں گا......بس چند دن فون پر گزارا کرلو۔“

”ٹھیک ہے سر......جیسے آپ کی مرضی۔“ دلشاد نے اس سے اتفاق کیا، اور ایس پی اللہ حافظ کہتا ہوا اس سے رخصت ہو گیا۔

☆......☆......☆

عاطف ”اسلام علیکم“ کہتے ہوئے صدیقی صاحب کے آفس میں داخل ہوا۔

”وعلیکم السلام !......آؤ بیٹھو عاطف۔“

”شکریہ سر“ عاطف بیٹھ گیا۔”پارس کو رات دو بجے کے قریب ڈراما کرکے فرار کرادیا تھا اور اس وقت وہ ایک غیر متعلق شخص کے گھر میں ہے۔ گھر کے باہر ہمارے بندے موجود ہیں۔ اس کے لباس اور کانوں میں پہنے ٹاپس میں حساس آلات چھپادیے تھے گو کانوں کے آلے کی رینج بہت کم ہے مگر اس کے علاوہ آلہ چھپانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ لباس میں چھپے آلے کی رینج نسبتاً زیادہ ہے مگر لباس اس نے پہلی فرصت میں تبدیل کرنا ہے اس لیے اس پہ انحصار نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

”گڈ اچھی پیش رفت ہے......اور بلونت کا کیا حال ہے؟“

”اس کے اور پارس کے بیان میں کوئی خاص تضاد نہیں تھا اس لیے فی الحال تو اسے قید رکھنے پہ اکتفا کیا ہوا ہے۔“

”یاسر سلیم کے بارے کیا سوچا ہے؟“

”اس کی نگرانی پہ ایک بندہ متعین کردیا ہے پارس کا مسئلہ حل ہونے کے بعد ہی اس کے بارے کچھ سوچیں گے۔“

”بہرحال بہت سوچ سمجھ کے ہاتھ ڈالنا......اور یاد رہے اس کے بعد ہم اسے رہا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔“

''سر ایسے بندے کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جو پاکستان کے حق میں میر جعفر یا میر صادق کا کردار ادا کر رہا ہو۔''

''عاطف!.....تمھارا جذبہ قابل تعریف ہے مگر ہم جس فیلڈ میں ہیں یہاں جذباتیت سے کام نہیں چلتا۔ دنیا میں سب سے زیادہ نقصان وہی اٹھاتے ہیں جو جذبات میں آکر فیصلے کرتے ہیں۔ مثلاً یہی دیکھ لو کہ پاربتی ملک دشمن ہے لیکن اپنے مفاد کی خاطر اسے ہم نے خود فرار کرایا ہے۔ اس لیے جیسے تم نے پاربتی کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا سوچا ہے اسی طرح بابر سلیم کے بارے بھی سوچو.....''

''میں سمجھا نہیں سر؟''

''حالانکہ میری بات بہت واضح ہے.....کہ کسی بھی ملک دشمن شخص کو ہم اس وقت ہلاک کریں جب اس سے کوئی بھی فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو؟''

''بابر سلیم سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں سر؟'' عاطف کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''یہ تو جب وہ ہماری قید میں آئے گا تب سوچیں گے.....فی الحال تو میں تمھارے ذہن کو اس سمت متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ تم اسے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کے بارے سوچتے رہو۔''

''ٹھیک ہے سر!.....میں کوشش کروں گا کہ آپ کی توقعات پہ پورا اتروں۔'' عاطف کرسی سے اٹھتا ہوا بولا اس کا ارادہ پاربتی کی خیر خبر لینے کا تھا

''مجھے بھی تم سے یہی امید ہے.....'' صدیقی صاحب نے سر کے اشارے سے اسے جانے کی اجازت دی اور عاطف اسے الوداعی سلام کہتے ہوئے آفس سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

پاشا نے کراچی کی مضافاتی بستی میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پہ لے لیا تھا، چندر پال تو اس بات پہ مصر تھا کہ انھیں حالات سازگار ہونے تک پاکستان چھوڑ دینا چاہیے یا کم سے کم ان دنوں کراچی کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے شہر جا بسنا چاہیے۔ مگر مرزا اتنی جلدی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اسے امید تھی کہ جتنا نقصان ہونا تھا ہو چکا اب مزید نقصان کی امید نہیں تھی کہ ایجنسی کے پاس لے دے کے بلونت اور پاربتی سے حاصل کی ہوئی معلومات تھی جس سے وہ فائدہ اٹھا چکے تھے، اور مرزا بھی ایسے تمام ٹھکانوں کو خیر باد کہہ چکا تھا جو پاربتی اور بلونت کے علم میں تھے اس کے ساتھ اس نے حلیہ بھی تبدیل کر لیا تھا۔ گو اسے پاربتی اور بلونت پہ مکمل اعتماد تھا کہ وہ حتی الوسع اپنے راز چھپانے کی کوشش کریں گے مگر اس کے ساتھ وہ آئی ایس آئی کے تفتیشی طریقے سے بھی آگاہ تھا کہ وہ ایسے لوگ تھے جو پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

''سر آج آپ ورکرم سے ملنے جائیں گے؟'' چندر پال اسے اخبار بند کرتے دیکھ کر مستفسر ہوا۔

''لازمی بات ہے بھئی...... اس کے بغیر تو چارہ نہیں ہم اپنے بندوں سے قطع تعلق نہیں کر سکتے نا؟''

''سر ہو سکتا ہے وہ کسی کی نظروں میں آ گیا ہو اور اس کی وجہ سے ہم بھی دھر لیے جائیں؟''

''یہ بھی تو ہو سکتا کہ ہم کسی نظروں میں آ گئے ہوں اور ہماری وجہ سے وہ پکڑا جائے؟'' پاشا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سر ہم نے اتنی احتیاط کی ہے۔ اور پھر اگر یوں ہوتا تو اب تک ہم اندر ہوتے؟''

''تو کیا اس نے احتیاط نہیں کی ہوگی؟...... میاں چندرو!...... ہر سیکرٹ ایجنٹ کو اپنی آنکھیں چار رکھنی پڑتی ہیں...... اور اس کے ساتھ اسے رسک بھی لینا پڑتا ہے۔ باقی جہاں تک وکرم سے ملاقات کا تعلق ہے تو میں نے صرف آج اسے ملنے کے لیے جانا ہے تاکہ ملاپ کے ذرائع بحال کر سکیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے مکمل آرام کریں گے۔''

''یہاں آرام کرنے سے بہتر تھا کہ ہم عارضی طور پر کراچی کو خیر باد کہہ دیتے۔''

''تیرا کیا خیال ہے سی آئی اور آئی ایس آئی صرف کراچی میں سرگرم ہیں......؟''

پھر بھی کچھ فرق تو ہوگا ...... کم از کم دوسرے شہروں والے ہم سے واقف تو نہیں ہوں گے؟''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو چندرو...... کیا کراچی والوں کے ساتھ ہم سکول پڑھتے رہے ہیں؟''

''سر!...... میرا مطلب ہے انھوں نے اگر ہمیں دیکھا نہیں تو ہمارے حلئے کے بارے تو انھیں پارتی اور بلونت سے پتا چل گیا ہوگا نا؟''

''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو یار...... سی آئی اور آئی ایس آئی کا نیٹ ورک پورے ملک بلکہ بیرون ملک بھی پھیلا ہوا ہے، کیا تیری را صرف بمبئی یا دہلی تک محدود ہے تم خود را کے ایجنٹ ہو اور اپنی دھرتی سے اتنی دور پاکستان میں بیٹھے ہو ہم اگر اپنے لمحہ لمحہ کی رپورٹ اپنے بڑوں تک پہنچا سکتے ہیں تو ان کے لیے کیا مشکل ہے۔''

''چلو جیسے آپ کی مرضی سر۔''

''بات مرضی کی نہیں دلیل کی ہوتی ہے...... اور تیرے انداز سے مجھے لگ رہا ہے کہ تو کراچی کے خفیہ ایجنسی والوں سے ڈر گیا ہے۔ لیکن یہ بھی تو سوچ اتنے عرصے تک ہم اپنی من مانی کرتے رہے ہیں اب اگر ان کا داؤ چل گیا ہے تو کیا ہمیں ڈر کر بھاگ جانا چاہیے؟''

''نہیں سر۔'' چندر بمشکل تمام بولا۔

''گڈ!'' مرزا گھڑی دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''اب میں چلتا ہوں میری واپسی تک تم یہیں رہنا کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں میں تم سے رابطہ کروں گا۔''

''مہاراج اکٹھے چلتے ہیں یا آپ تکلیف نہ کریں میں چلا جاتا ہوں؟''

’’نہیں تم کراچی سے پورے طور پہ واقف نہیں ہو اور اکھٹے رہنے میں یہ نقصان ہے کہ کسی بھی خطرے کی صورت میں دونوں کے گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے تمھارا کہیں رہنا زیادہ سود مند ہوگا‘‘

’’جیسے آپ کی مرضی مہاراج .....‘‘ چندر پال نے کہا اور مرزا سر ہلاتا ہوا باہر چل دیا۔تھوڑی دیر بعد وہ پبلک ٹرانسپورٹ میں اپنے مقام کی طرف محوِ سفر تھا۔اس کی محتاط طبیعت نے اسے ٹیکسی ہائر نہیں کرنے دی تھی وہ اسی طرح پبلک ویگنوں میں سفر کرتا ہوا دو گھنٹے بعد اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے وکرم کو ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تھا ہوٹل میں داخل ہوتے ہی اس نے ڈائننگ ہال میں طائرانہ نگاہ دوڑائی مگر اسے وکرم نظر نہ آیا۔کونے میں پڑی ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ کر اس نے چائے کا آڈر دیا اور وکرم کا انتظار کرنے لگا اسے بیٹھے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر کے مرد نے قریب آ کر کہا ......

’’سر!.....کیا میں ادھر بیٹھ سکتا ہوں؟‘‘

’’جی بیٹھو‘‘ وہ چونک گیا۔

اجنبی ’’تھینکس‘‘ کہتا ہوا بیٹھ گیا

’’تم تو پہچانے ہی نہیں جا رہے بھئی ؟‘‘ پاشا نے وکرم کے تبدیل شدہ حلیے کو سراہا۔

’’مہاراج میں نے بھی اندازے سے آپ کے قریب آنے کی جرأت کی ہے۔‘‘

’’کوئی نئی تازی؟‘‘

’’کوئی خاص تو نہیں مہاراج.....اپنے تمام بندے محفوظ مقامات پہ منتقل ہو چکے ہیں اور فی الحال تمام سرگرمیاں موخر کر دی ہیں۔‘‘

’’پاربتی یا بلونت کے بارے کوئی سن گن ملی ہو؟‘‘

’’ان کے بارے کہاں سے پتا چلتا یوں بھی میں نے کہیں آنا جانا بالکل ترک کیا ہوا ہے؟‘‘

’’صحیح کہا.....اب ان کے بارے کچھ ہو نہیں سکتا۔‘‘

’’سر یہ تمام بندوں کے نئے سیل نمبر ہیں‘‘ وکرم نے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اس کی طرف بڑھایا اور مرزا نے وہ کاغذ اٹھا کر بے پڑھے جیب میں ڈال لیا۔اسی دوران ویٹر چائے لے آیا۔وہ خاموشی سے چائے پینے لگے۔پاشا کسی گہری سوچ میں گم تھا کپ خالی کر کے وہ وکرم سے بولا......

’’فی الحال تو میرے ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں ہے چند دن مزید انڈر گراؤنڈ رہو جیسے ہی ایجنسی کی کارروائیاں کچھ دھیمی پڑتی ہیں نئے سرے سے اپنے سیٹ اپ کو اسٹبلش کریں گے۔البتہ سدھیر سے کہنا کہ وہ اپنی کارروائیاں جاری رکھے کیونکہ ہمارا جانی نقصان کے ساتھ مالی نقصان بھی کافی ہو گیا ہے اس لیے اغوا برائے تاوان کی چند وارداتوں سے یہ نقصان پورا کرنے کی کوشش کرے۔‘‘

''مہاراج جن بندوں کو ہم بلیک میل کر رہے تھے اس ضمن میں وہ بھی تو ہمارے کام آسکتے ہیں؟''

''ایسا سوچنا بھی مت۔''

''کیوں مہاراج؟'' وکرم کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بلیک میلنگ کا تمام مواد سی آئی کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ پاربتی کے ساتھ وہ سامان بھی انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔''

''مہاراج اس بات کا بلیک میل ہونے والوں کو کیا معلوم؟ ہم کون سا ہر دفعہ یہ مواد انھیں چیک کراتے ہیں''

''بیوقوفوں کی سی باتیں نہ کرو۔'' مرزا نے اسے سرزنش کی۔''سی آئی کے ہاتھ مواد آنے کا مطلب ہے بندے بھی ان کی نظروں میں آگئے ہوں گے اور اب ان سے ملنے کا مطلب اوکھلی میں سر دینا ہے، ہوسکتا ہے چند دن تک ایجنسی انھیں بھی شامل تفشیش کرلے۔''

''سوری مہاراج میرا دھیان ہی اس جانب نہیں گیا۔''

''ہوش میں رہا کرو...... یہ نہ ہو تمھاری بے دھیانی سب کو لے ڈوبے۔''

''نہیں مہاراج آپ کو تو پتا ہے کہ میں آپ کے علم میں لائے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔''

''میں کسی کام سے تمھیں نہیں روکتا لیکن خیال رکھا کرو تمھاری چھوٹی سی غلطی کسی اور کے لیے بعد میں نقصان کا باعث بنے گی پہلے تجھے پھنسائے گی۔ پاربتی اور بلونت کی مثالیں تمھارے سامنے ہیں۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا مہاراج۔''

''ٹھیک ہے اب تم جاسکتے ہو۔ اور اگر سدھیر کو مدد کی ضرورت ہو تو اس کا ہاتھ بٹانا، ویسے تو وہ اپنے کام میں ماہر ہے لیکن پھر بھی حالات کی وجہ سے شاید وہ تھوڑا خوفزدہ ہو تو اسے حوصلہ دینا اور فون پر حتیٰ الوسع گفتگو سے پرہیز کرنا جب تک کوئی خاص بات نہ ہو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اور وکرم ٹھیک مہاراج کہتا ہوا رخصت ہوگیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ بھی اٹھ کر ہوٹل سے باہر آگیا۔ چائے کی پے منٹ یوں بھی وکرم نے کردی تھی

☆......☆......☆

''آئیں تھانیدار صاحب'' شیر خان نے اکرم کا پرتپاک طریقے سے استقبال کیا۔

''شرمندہ تو نہ کریں شیر خان بھائی میں کب سے تھانیدار ہوگیا۔''

''یار ہمارے لیے تو تھانیدار ہونا......؟ کیونکہ جس کام کی جرأت تھانیدار کو نہیں ہوتی وہ آپ بے خوفی سے کر گزرتے ہیں اس لحاظ سے تو آپ تھانیدار سے بہتر ہوئے۔''

''بس ذرہ نوازی ہے سیٹھ صاحب اور آپ کی...... ورنہ میں کس قابل ہوں''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اچھا بیٹھو اور یہ بتاؤ کیا چلے گا بیئر، وسکی، شیری یا کچھ اور؟"

"فی الحال تو صرف چائے...... یہ چیزیں رات کو ہی بھلی لگیں گی۔"

"ہا......ہا......ہا......" شیر خان نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ "رات تو بڑی دور ہے۔"

"شیر خان بھائی آپ کو تو پتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں کبھی کبھی ہی دستیاب ہوتی ہیں، یہ نہ ہو رات تک ہوش ہی نہ آئے۔"

"کچھ نہیں ہوتا یار......ایک دو پیگ سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق تو کوئی نہیں پڑتا مگر پھر بھی اس ٹائم بہتر نہیں ہے۔"

"چلو...... جیسے تمہاری مرضی۔" شیر خان نے خوشدلی سے کہتے ہوئے، ملازم کو آواز دی۔ "ٹھیکے!......چائے اور کچھ کھانے کو لے آ۔"

"شیر خان بھائی!......اب بتائیں کون سی خوش خبری ہے؟"

"ایک تو وہی کمرشل والی کی بات ہے جو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں اور میرے کہنے پہ یہ پروگرام صرف آپ کے لیے ہی ترتیب دیا گیا ہے ایک دو گھنٹے کی ڈانس پارٹی کے بعد وہ تمام رات کے لیے آپ کی ہو گی بلکہ سیٹھ صاحب تو کہہ رہے تھے اگر مکرم کا جی ایک رات میں نہ بھرے تو مزید ایک رات کے لیے اسے روک دیا جائے۔ دوسرا سیٹھ صاحب نے تمھیں پانچ لاکھ روپے دینے کا حکم بھی دیا ہے۔"

"سس...... سچ شیر خان بھائی؟" مکرم نے ندیدوں کی طرح ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ سچ۔" شیر خان کا لہجہ اعتماد سے پر تھا۔

"اس کے لیے مجھے کیا کرنا پڑے گا؟"

"کچھ نہیں ...... یہ تمھارا انعام ہے"۔

"بہت بہت مہربانی شیر خان بھائی......"

"نہیں یار یہ تیرا حق تھا......اب یہ بتاؤ کہ تھانے میں کسی سے بات ہوئی ہے؟"

"نہیں......میں نے موبائل سے وہ کنکشن ہی نکالا ہوا ہے جس کا نمبر ان کے پاس ہے۔"

"تو پھر تجھے پتا کیسے چلے گا کہ تھانے میں کیا ہو رہا ؟"

"اس میں پتا چلنے کی کیا بات ہے یہ تو دو اور دو چار کا معاملہ ہے، گلاسوں پر میری انگلیوں کے نشان ثبت تھے اور مجھے یقین ہے ابھی تک انھیں پتا چل گیا ہو گا کہ مجرم کون ہے۔"

"پھر بھی یار کسی سے تو رابطہ کر کے پتا کر لیتے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ابھی کر لیتے ہیں یہ کون سی بڑی بات ہے۔'' مکرم جیب سے سیل فون نکالتے ہوئے بولا کنکشن بدلی کر کے اس نے ایک نمبر ڈائل کیا......!

''شرافت کیا حال؟'' رابطہ ہوتے ہی وہ مستفسر ہوا

''حال ٹھیک نہیں ہے بھئی......تم کہاں غائب ہو؟ سارا پولیس سٹیشن تیری تلاش میں سرگرداں ہے۔''

''خیر تو ہے؟''

''خیر کہاں؟ ان گلاسوں پر تیرے فنگر پرنٹ ملے ہیں، اور ایس پی صاحب نے حکم جاری کر دیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ملو تجھے گرفتار کر لیا جائے، اس لیے جتنی جلدی ہو سکے واپس آ کر صفائی پیش کرو۔''

''شرافت ایہ کام میں نے نہیں کیا ہے یار......''

''میرے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے بھئی...... یہ بات کسی سینئر سے کہو۔''

''چلو ٹھیک ہے سوچتے ہیں اس بارے...... خدا حافظ'' کہتے ہوئے اس نے فون آف کر دیا۔

''اب لگے ہاتھوں اپنے تھانے کے سینئر کو بھی فون کر دو......اور اسے کہو کہ آپ اپنی اس غلطی پہ بہت پریشان ہیں۔''

''کیا مطلب......؟......خود سے اقرار جرم کر لوں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بیوقوف یہ عدالتی بیان نہیں ہے، یہ تو صرف انھیں دھوکا دینے کے لیے ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ تو اپنے کیے پہ پشیمان ہے اور تیری تلاش میں کی سرگرمی تھوڑی مدھم پڑ جائے۔''

''اس کا کیا فائدہ......؟''

''بھئی اس طرح اپنے سیٹھ صاحب کو تھوڑی مہلت مل جائے گی اور وہ تیرے ایس پی کو خرید لے گا ،اگر وہ نہ مانا تو کسی سینئر سے بات کرے گا۔''

مکرم سب انسپکٹر مجید کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی وہ ندامت سے بولا۔''سر میں مکرم بات کر رہا ہوں۔''

''مکرم تم کہاں ہو......؟ بغیر کسی تاخیر کے تھانے پہنچو......''

''سر میں کس منہ سے تھانے آؤں......؟ میرا قصور ایسا نہیں ہے کہ معاف کیا جا سکے۔''

''تیرا کوئی قصور ہے یا نہیں اس بارے رو برو بات ہوگی......فی الحال تم تھانے پہنچنے کی کرو۔''

''سر!......میں بہت شرمندہ ہوں اور آپ کا سامنا نہیں کر سکتا۔''

''بیوقوف اس طرح بھاگ جانے سے تم اپنے جرم کو مزید سنگین کر لو گے...... تیرے خلاف کسی نے مقدمہ درج نہیں کرایا......

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایس پی صاحب سے مل کرا سے ساری بات بتلادو انھیں تو اصل مجرم کی تلاش ہے، تیرا اس نے اچار ڈالنا ہے تھوڑی سی سرزنش کر کے چھوڑ دے گا زیادہ سے زیادہ چند ماہ کے لیے معطل ہی کرے گا نا تیرے جرم کے لحاظ سے یہ کوئی اتنی بڑی سزا نہیں؟"

"سر مجھے سوچنے کے لیے ایک دو دن کی مہلت دے دو اس کے بعد میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو مکرم......اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟"

"سر یہ میری عزت اور زندگی کا سوال ہے میں جو بھی قدم اٹھاؤں گا کچھ سوچ کے ہی اٹھاؤں گا۔" یہ کہتے ہی اس نے سب انسپکٹر مجید کی بات سنے بغیر رابطہ منقطع کر کے موبائل آف کر دیا۔

"گڈ!......اب کم سے کم وہ ایک دو دن تو تیرا انتظار کریں گے نا......اور ہاں اپنے گھر والوں کو مطلب اپنی وائف وغیرہ کو تو نے اس بارے اعتماد میں لیا تھا نہیں لیا تھا؟"

"نہیں یار یہ عورتوں سے شیئر کرنے کی بات تو نہیں نا۔"

"چائے پیو ٹھنڈی ہو رہی اس کے بعد سیٹھ صاحب سے ملنے کے لیے جائیں گے وہ پتا نہیں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے؟"

"سیٹھ صاحب نے بھی اسی کے متعلق بات کرنی ہوگی؟" چائے کا کپ اپنے جانب کھسکاتے ہوئے اس نے رائے ظاہر کی۔

"لگتا تو ایسے ہی ہے......" شیر خان نے بات کو گول مول کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں محو سفر تھے۔

"سیٹھ صاحب کا بنگلہ تو اس طرف نہیں ہے؟" مکرم پیچھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں! لیکن اس وقت وہ ساحل سمندر پر اپنے ہٹ میں موجود ہیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ تمہارے اور اس کے درمیان جو تعلق ہے اس کو کوئی واقف ہو۔"

مکرم نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ گھنٹے ڈیڑھ کے سفر کے بعد وہ ساحل پر پہنچ گئے تھے کار کے شیشے کالے رنگ کے تھے اس لیے مکرم بڑی بے فکری سے بیٹھا تھا کار میں ان دونوں کے علاوہ شیر خان کے دو باڈی گارڈ بھی موجود تھے۔ شیر خان گاڑی کو ساحل کے بارونق حصے میں روکنے کی بجائے ویران حصے کے جانب لے گیا، ایک جگہ کار روک کے وہ بولا......

"چلو نیچے اترو۔"

"مگر یہاں تو کوئی ہٹ نہیں ہے؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی

"ہٹ بھی نظر آ جائے گا میری جان نیچے تو اترو۔" شیر خان خود نیچے اتر گیا باقی تمام بھی نیچے آ گئے تھے۔

"مکرم!......مجھے بہت افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمھاری سانسیں پوری ہو چکی ہیں......گو تجھے قتل کرنے کو جی نہیں چاہ رہا مگر

کیا کریں کہ تمھاری زندگی ہماری موت ہے......اس لیے دوست ہمیں معاف کر دینا......البتہ کوئی آخری خواہش ہو تو بتلا سکتے ہو۔‘‘

’’ی......یہ......یہ......کک......کیا مذاق ہے؟‘‘ مکرم کی زبان لڑکھڑا گئی تھی خوف کی شدت سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

’’نہیں یہ حقیقت ہے بھائی......اسی کو جرم کہتے ہیں، ہمیں جان بچانے کے لیے تیری بلی دینی پڑے گی ......‘‘ شیر خان نے جیب سے تیس بور پسٹل نکال کر اس قریب پہنچ گیا۔

’’کک......کچھ خدا کا خوف کریں شش شیر خان بھائی۔‘‘ پسٹل کو دیکھ کر اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں تھیں۔

اس مرتبہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے شیر خان نے پسٹل کی نال مکرم کی کنپٹی سے لگائی جو دہشت سے کانپ رہا تھا اور پھر بغیر کسی تاخیر کے ٹریگر پریس کر دیا۔ زوردار دھماکے سے وہ اچھل کر نیچے گرا اور تھوڑا سا تڑپنے کے بعد ہر قسم کے تفکرات سے آزاد ہو گیا۔ شیر خان نے جیب سے رومال نکال کر پسٹل سے اپنی انگلیوں کے نشان صاف کیے اور پسٹل مکرم کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس تمام کارروائی میں چند منٹ سے زیادہ دیر نہیں لگے تھے۔

’’اس کی تلاشی لو۔‘‘ دونوں گارڈز میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لی بٹوا، موبائل اور ایک دو غیر اہم چیزوں کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ تلاشی لینے والے نے وہ چیزیں شیر خان کی طرف بڑھا دیں، وہ بٹوے کی تلاشی لے کر وہ چیزیں واپس تلاشی لینے والے کے حوالے کرتے ہوئے بولا......

’’یہ واپس اس کی جیب میں ڈال دو۔‘‘ باڈی گارڈ نے وہ سامان مکرم کی جیبوں میں ڈال دیا۔

’’اب چلو!‘‘ اس نے مکرم کی لاش پر الوداعی نگاہ ڈالی اور تمام کار میں بیٹھ کر اسی راستے پہ واپس مڑ گئے جس طرف سے آئے تھے۔

☆......☆......☆

روڈ کے قریب آتے ہی پاربتی بھاگنے کی بجائے پیدل چلنے لگی، پہلے تو اس کا ارادہ اسی طرح پیدل چلتے ہوئے اس علاقے سے دور نکلنے کا تھا مگر پھر روڈ پر رواں ٹریفک دیکھتے ہوئے اس کی نیت بدل گئی اور روڈ پہ چڑھتے ہی اس نے لفٹ کے لیے ہاتھ کھڑا کر دیا، گو رات کا وقت تھا مگر پھر بھی الیکٹرک پول نے ماحول کو اتنا روشن کیا ہوا تھا کہ کار ڈرائیور اس کی جنس پہچان لیتے کار کی ہیڈ لائیٹس بھی اس میں ممد ثابت ہوئیں اور پہلی کار ہی اس کے قریب آ کے رک گئی۔ وہ ڈرائیور سے پوچھے بغیر بڑے اعتماد سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی اسے علم تھا کہ اس کی صورت دیکھنے کے بعد ڈرائیور میں اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اسے لفٹ دینے سے انکار کرتا۔

’’آپ کو تھوڑی دور تک زحمت دوں گی۔‘‘ وہ اپنے جانب متوجہ ڈرائیور کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے لگاوٹ بھرے لہجے میں بولی۔ ’’اگر محسوس نہ کریں تو مجھے دوسرے چوک پہ اتار دینا۔‘‘

’’کیوں نہیں کیوں نہیں؟‘‘ وہ تھوک نگلتا ہوا بولا، پاربتی کو دیکھ کے اس چہرے پہ جو آثار ظاہر ہوئے تھے وہ اس مفلس جیسے تھے

جس نے قیمتی خزانہ دیکھ لیا ہو پارس کے لبوں پہ مسکراہٹ کھل گئی۔ کچھ دیر کار میں خاموشی چھائی رہی مگر وہ زیادہ دیر پارس سے لاتعلق نہ رہ سکا اور مستفسر ہوا۔

''آ.....آپ اس ٹائم اکیلی کیوں گھوم رہی ہیں، جانتی نہیں جوان لڑکی کا اس ٹائم گھومنا بہتر نہیں ہوتا۔''

وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی ''جب زندگی در بدر کردے اپنے دشمن بن جائیں تو پھر کسی سے کیا ڈرنا۔''

''بڑی دکھی لگ رہی ہیں؟''

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''اخلاق حسین......''

''تو اخلاق صاحب بات یہ ہے کہ جب والدین فوت ہو جائیں کوئی قریبی رشتا دار بھی نہ ہو اور ایک جوان لڑکی کسی پہ بوجھ بن جائے تو اس زیادہ دکھ کسے کہتے ہیں۔''

''اوہ......بہت افسوس ہوا یہ سن کر کہ آپ کا کوئی نہیں......ایسے حالات میں آپ کو شادی کر لینی چاہیے تھی۔''

''ہونہہ شادی......اخلاق صاحب مجھ جیسی لڑکی سے کون شادی پر تیار ہوگا......جھوٹی محبت جتلانے والے بہت ہیں مگر کوئی ایسا نہیں جو ہمیشہ کے لیے ہاتھ تھامنے پہ راضی ہو ساری زندگی کا سہارا بنے۔''

''آپ تو لاکھوں میں ایک ہیں آپ کو کئی چاہنے والے مل جائیں گے۔''

''کئی نہیں مجھے تو ایک ہی چاہیے۔ کئی تو موجود ہیں مگر صرف وقت گزارنے والے۔''

''آپ اس ٹائم کہاں جا رہی ہیں؟'' اس کے پاس شاید پارس کی بات کا جواب موجود نہیں تھا

''میں.....اپنا مقدر آزمانے جا رہی ہوں۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ پہلے دور پار کی خالہ کے ہاں تھی وہاں مجھے اپنی عزت خطرے میں نظر آئی کہ اس کا شوہر اور بڑا بیٹا دونوں مجھ پہ بری نگاہ رکھتے تھے، بات یہیں تک محدود رہتی تو غنیمت تھا آج بدقسمتی سے خالہ گھر میں حاضر نہیں تھی اپنے شوہر کے ساتھ کسی شادی میں گئی تھی اس کے بڑے بیٹے نے مجھ پہ مجرمانہ حملہ کیا یہ تو اوپر والے کا شکر ہے کہ میں جان بچا کے بھاگ آئی، اب ایک دوسری رشتادار کے ہاں جا رہی ہوں دعا کریں وہاں سر چھپانے کو جگہ مل جائے کوئی ایسا نہ ملے جو میری عزت کا خریدار بن جائے کیونکہ غریب عورت کے لیے تو اچھی صورت بھی باعث مصیبت ہوتی ہے کہ جو ڈالتا ہے بری نظر ہی ڈالتا ہے۔'' پارس کی بات سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر ہمت مجتمع کر کے بولا.....

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اگر چاہو تو میں تجھے پناہ دے سکتا ہوں۔''

''کس قیمت پر......'' پارمی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ چونکہ اس وقت گاڑی سرخ اشارے پر رکی ہوئی تھی اس لیے وہ اس کی جانب متوجہ تھا۔

''قیمت......کیا مطلب قیمت کا......؟''

''اخلاق صاحب جب آپ مجھے ٹھکانہ مہیا کریں گے تو یونہی تو نہیں کریں گے نا......اس کی کوئی قیمت تو چاہیں گے......تو پیسے وغیرہ تو میرے پاس ہیں نہیں اور عزت کا سودا میں کر نہیں سکتی......تیسری صورت کیا ہوگی؟'' پارمی کا انداز ایسا تھا جیسے وہ مردوں سے بہت زیادہ الرجک ہو۔

''گھر کا کام کاج کر دیا کرنا......اگر تعلیم یافتہ ہو تو میرے دفتر میں جاب کر لینا۔''

''تعلیم تو ہے تھوڑی بہت لیکن دفتر سے گھر کا کام کاج بہتر رہے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اس کے یوں آسانی سے مان جانے پہ خوشی سے چہکا۔ ''اس کا مطلب ہے اب آپ میرے ساتھ ہی جائیں گی؟''

''جی......'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تو سر چھپانے کو ٹھکانہ چاہیے......باقی جس کے پاس میں جا رہی تھی وہ کون سا میرا قریبی رشتہ دار ہے بس تھوڑی بہت جان پہچان تھی اسی کے آسرے وہاں جا رہی تھی۔''

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اس کے گھر پہنچ گئے، وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ پارمی کو ساتھ لیے اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پارمی کو چوکیدار کے علاوہ کوئی بندہ اس بنگلے میں نظر نہ آیا تھا وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''آپ کی بیگم صاحبہ اور بچے نظر نہیں آ رہے......؟''

''میں نے شادی ہی نہیں کی تو بچے کہاں سے آئیں گے؟''

''ابھی تک آپ نے شادی نہیں کی؟'' پارمی کے لہجے میں حقیقی حیرانی تھی۔ اور اس کی وجہ اخلاق کی عمر تھی کہ وہ کسی بھی طرح چالیس سال سے کم کا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''بس کوئی ایسی ملی ہی نہیں جو شادی کے قابل ہوتی۔''

''کیا مطلب؟''

''چھوڑو مس......یہ ایک لاینحل بحث ہے۔ تم یہ بتاؤ کھانا کھایا ہے یا باورچی کو اٹھاؤں؟''

''نہیں کھانا تو میں نے کھا لیا ہے ......بس آرام کرنے کے لیے کوئی جگہ بتا دیں۔''

''آ ئیں......'' وہ اسے لے کے ایک کمرے داخل ہوا۔''یہ میرا بیڈ روم ہے آپ یہاں آرام کریں میں آج ڈرائنگ روم میں سو جاؤں گا۔''

''کیوں اتنے بڑے کمرے میں دو آدمی نہیں سو سکتے؟'' وہ معصومیت سے بولی۔

''سو تو سکتے ہیں مگر آپ کے ساتھ ایک کمرے.........میرا مطلب ہے آپ ایک جوان لڑکی ہیں اور پہلے بھی مردوں کی ستائی ہوئی ہیں یہ نہ ہو آپ مجھے بھی ان میں شمار کرنے لگ جائیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں بھی مجھے اکیلے ڈر لگے گا۔''

''جیسے آپ کی مرضی......'' اخلاق خوش ہو گیا۔ پاربتی مردوں کو ہینڈل کرنے کے فن سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے کافی دن وہاں گزارنے تھے اور یہ دن وہ موج مستی میں گزارنا چاہتی تھی اس دوران اس نے مرزا کی تلاش جاری رکھنی تھی جیسے ہی اس ملاقات ہوتی وہ یہ جگہ چھوڑ دیتی۔

☆......☆......☆

عاطف نے خود جا کر اس بنگلے کا جائزہ لیا جس میں پاربتی نے پناہ لی ہوئی تھی، ایک وقت میں اس نے تین بندے نگرانی کے لیے مقرر کر دیے تا کہ وہ کسی بھی سمت سے بھاگ نہ سکے تمام بندے الرٹ تھے وہاں سے مطمئن ہو کر وہ آفس واپس آ گیا اور عرفان، عمران اور حمید کو سامنے بٹھا کر وہ ان سے موجودہ صورت حال پہ مشورہ لینے لگا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ پاربتی جلدی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گی جب تک کہ حالات اس کے موافق نہیں ہو جاتے وہ ہماری تلاش کی سرگرمیاں مدہم پڑنے کا انتظار کرے گی اور ہم اس کی نگرانی کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پاربتی کی نگرانی کے ساتھ بابر سلیم کا بھی کوئی بندوبست کر لیں؟''

''ٹھیک ہے سر۔'' عمران نے اس کی تائید کی باقی دونوں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر بتاؤ کیا کریں......لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس کے خلاف ہم سرکاری سطح پر کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔''

''کیوں سر......؟ وہ ایک مجرم ہے اور مجرم جس عہدے پہ ہو مجرم ہوتا ہے۔'' عمران کے لہجے میں حیرانی تھی

''کاش کہ ہم ہر مجرم کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر سکتے......بابر سلیم نہ صرف یہ کہ ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے بلکہ اس کے ساتھ حکمران جماعت میں بھی شامل ہے۔ اس پہ سرکاری طور پر ہاتھ ڈالنا انتہائی مشکل ہے، ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا......اور بدقسمتی سے آج کل ہماری ساری سیاست اسی بات پہ چل رہی ہے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تو پھر اس کا محاسبہ کیسے ہو گا؟'' حمید مستفسر ہوا۔

"یہی سوچنے کے لیے تو آپ کو اکٹھا کیا ہے کہ مشورے سے کوئی لائحہ عمل تیار کر لیں..... بدر صاحب نے غیر سرکاری طور پر اسے قابو کرنے کی اجازت دے دی ہے۔"

"تو پھر آسان طریقہ یہی ہے کہ اسے اغواء کر لیتے ہیں؟" عرفان نے مشورہ دیا۔

"بیوقوف!..... یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ کیسے اغواء کریں کہ ہمارے اوپر کوئی شک نہ کرے اور یہ واردات کسی دوسرے کے کھاتے میں چلی جائے۔"

عمران نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔"سر!..... پہلے تو یہ چیک کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا اس کی کسی سے دشمنی وغیرہ ہے کہ نہیں ،اور اگر ہے تو دشمن اس کا ہم پلا ہے یا کوئی عام بندہ ہے تاکہ ہم اس کے کاندھے پہ بندوق رکھ کر فائر کر سکیں۔"

"گڈ اچھی تجویز ہے......لیکن بالفرض اس کا کوئی دشمن نہ ہوا تو پھر؟"

حمید جھٹ بولا۔"پھر اغواء برائے تاوان۔"

"یہ بھی صحیح ہے.....مگر اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ایک مرتبہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہم اسے آزاد نہیں کر سکیں گے،اور اگر ہمارے تاوان کے مطالبے پہ اس کے ورثاء منہ مانگی رقم ادا کرنے پہ راضی ہو گئے تو پھر تو اسے ہلاک کرنے کا کوئی بہانہ نہیں رہے گا۔"

عمران بولا"سر ہم اتنی رقم کا مطالبہ کریں گے کہ وہ ادائی نہ کر سکیں۔"

"صحیح ہو گیا......اس سے بہتر مشورہ کسی نے نہ دیا تو اسی پہ عمل کریں گے۔"

"سر!..... کیوں نہ اسے دہشت گردوں کے ہاتھوں مروا دیں۔؟" عرفان بولا۔

"اس کا واسطہ ہی نہیں ہے دہشت گردوں سے بلکہ دیکھا جائے تو وہ انہی کے لیے کام کرتا ہے۔"

"دہشت گرد یہ تو نہیں دیکھتے کہ قتل ہونے والے کا ان سے کوئی واسطہ ہے یا نہیں۔" عرفان حجت بازی کرتے ہوئے بولا ۔"اور جہاں تک اس کا دہشت گردوں کے لیے کام کرنے کا تعلق ہے تو اس بات سے صرف ہم واقف ہیں۔"

"سر!..... کیوں نہ اسے اغواء کر کے اس کی گاڑی کو ایسے تباہ کرا دیں جیسے دہشت گردی کا شکار ہوئی ہو۔" حمید نے ایک نئی تجویز پیش کی۔"اس مقصد کے لیے کوئی لاوارث لاش بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔صرف یہ اہتمام کرنا پڑے گا کہ لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔"

"گڈ بلکہ ویری گڈ۔" عاطف تحسین آمیز لہجے میں بولا۔"یہ تجویز سب سے اچھی ہے،مگر ایک قباحت ہے؟"

حمید نے پوچھا۔"وہ کیا سر؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"وہ یہ کہ گاڑی میں اس کے ساتھ ڈرائیور بھی ہوتا ہے ......اس کا کیا کریں گے وہ غریب تو بے گناہ ہے نا؟"

عمران نے کہا"ملکی مفاد کے لیے ایک ڈرائیور کی جان کی کیا اہمیت ہے؟"

''نہیں ..... یہ نہیں ہو سکتا'' عاطف نے نفی میں سر ہلایا۔''میں کبھی ایک بے گناہ کی جان سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا ، کیونکہ ایک بے گناہ کی جان لینے کا مطلب ہے پوری انسانیت کی جان لینا.....اور جہاں تک تعلق ہے ملکی مفاد کا تو اس کے متبادل تجاویز موجود ہیں ان میں سے کسی پہ عمل کر لیں گے۔''

عمران نے پوچھا''اس کا مطلب ہے وہی تاوان والی تجویز صحیح رہے گی؟''

''ایک طریقہ اور بھی ہے سر۔'' حمید بولا۔

''وہ کیا ؟'' تمام اس کے جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

''وہ یہ کہ ہم اسے بلیک میلنگ کا سامان دکھا کر بلیک میل کریں اور پھر اسے اکیلے بلا کر وہی کارروائی کریں جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔''

''میرا خیال ہے آج کل حمید نے بادام کھانے شروع کر دیے ہیں ؟'' عاطف کی مسکراہٹ تحسین آمیز تھی۔

''نہیں سر یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے۔'' حمید جوابی مسکراہٹ سے بولا۔

''اس تجویز سے کسی کو اختلاف؟'' عاطف نے اس انداز میں استفسار کیا جیسے وہ خود اس تجویز سے متفق ہو۔

''کیوں نہ سر اس کے دشمن کے متعلق معلومات حاصل کر لیں کہ آیا اس کا کوئی دشمن ہے یا نہیں اگر ہوا تو پھر اس کے دشمن کا نام استعمال کر کے اس کے خلاف کارروائی کریں اس کے برعکس ہونے کی صورت میں حمید کی تجویز پر عمل کر لیں گے۔؟'' عمران اپنی پہلی تجویز کو دہرایا۔

''نہیں وہ لمبی کہانی ہے......یہی حمید والی تجویز بہتر رہے گی۔''

عرفان بولا''سر میں تو کہتا ہوں کہ سیدھے طریقے سے اسے ہلاک کر دیتے ہیں آخر وہ ہمارے کس کام کا ہے اور اس کے پاس ایسی کون سی معلومات ہے جو ہمیں درکار ہوں؟''

''نہیں یہ تو خیر بالکل غلط ہے.....اس سے معلومات تو کافی لینی ہے کہ وہ اس گروپ کو کون کون سی معلومات فراہم کر چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی کسی تنظیم سے اس کے روابط ہیں کہ نہیں، سب سے بڑھ کر اس کے علاوہ اور کوئی آفیسر جو اس کام میں ملوث ہو جس کے بارے وہ جانتا ہو..........وغیرہ وغیرہ۔''

عمران نے کہا۔''اس کا مطلب ہے حمید کی تجویز پر اتفاق ہو گیا ہے؟''

''فی الحال تو یہی ارادہ ہے کیونکہ جتنی تجاویز پیش ہوئی ہیں سب سے بہتر مجھے یہی لگی ہے۔''

''صدیقی صاحب سے بھی مشورہ کر لیتے.....ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں اس سے بہتر کوئی تجویز ہو؟'' عمران شاید ذہنی طور پر

اس تجویز سے متفق نہیں تھا۔

''اسے بتادوں گا کہ ہمارا اتفاق اس تجویز پہ ہو گیا ہے، اگر اس کے ذہن میں اس سے بہتر کوئی تجویز ہوگی تو وہ لازماً اس کا مشورہ دے گا۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر ڈن ہو گیا تو پھر اس طرح کرو کہ آپ اور حمید ابھی سے اس پہ کام شروع کر دو آپ کے پاس دو دن ہیں اس دوران اس کی مکمل نگرانی کرو اور اس معمولات کا جائزہ لو، اتوار کے دن سے انشاء اللہ اس گیم کا آغاز کریں گے۔''

اس مرتبہ عمران اور حمید نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

ساری تفصیل سن کر فاضل خان اسے شاباش دی۔ ''گڈ یہ کانٹا تو نکل گیا اب قیدیوں کی رہائی کا بندوبست کرو۔''

''کون سے قیدی، سیٹھ صاحب؟'' شیر خان مستفسر ہوا۔

''وہی جنہیں دلشاد امین نے ساحل سمندر کے اڈے سے پکڑا تھا۔''

''سیٹھ صاحب انھیں فرار کرانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ حوالدار خورشید اور سب انسپکٹر مجید دونوں دلشاد امین کی کیٹگری کے آدمی ہیں۔''

''ٹھیک ہے اسی طرح کرلو یا پھر انھیں حوالات میں ہی ختم کرادو کیونکہ مکرم کی موت کے بعد ایس پی اور دلشاد امین کا ٹارگٹ یہی دونوں بنیں گے، وہ لازمی طور پر دلشاد امین کے خلاف ہونے والی سازش کے اصل محرک کی تلاش میں ہوں گے؟''

''ویسے ایک بات ہے سیٹھ صاحب کیا ابھی تک ان سے پوچھ گچھ نہیں ہوئی ہوگی؟''

''اگر ہوئی بھی ہو، تو واجبی سی ہوئی ہوگی کیونکہ ان کے پکڑے جانے کے بعد اس تھانے کے حالات ایسے نہیں رہے کہ پولیس کو اپنا ہوش رہتا اور واجبی تفتیش میں وہ کبھی بھی ہمارا نام نہیں لیں گے۔ جبکہ اب ان سے خصوصی تفتیش ہوگی اور پولیس کے تشدد سے تو تم اچھی طرح واقف ہو۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب اور کچھ؟''

''شیرے کام تو بہت ہیں مگر پہلے یہ نبٹالو باقی کام بعد کا مسئلہ ہیں۔''

''تو پھر میں چلتا ہوں۔؟'' شیر خان کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے جاؤ، مگر جب کوئی پروگرام بن جائے تو ہمیں لازمی مطلع کرنا۔'' اور شیرا اثبات میں سر ہلاتا ہوا، اسے سلام کہہ کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رخصت ہو گیا۔

شیر خان کے جانے کے چند منٹ بعد اس کے فون کی گھنٹی بجی، موبائل کی سکرین پہ نظر ڈالتے ہی اس ہونٹوں پہ مسکراہٹ کھل گئی وہ فون اٹینڈ کرتا ہوا بولا......

''شہزادی کو کیسے میری یاد آ گئی ؟''

''پاپا! آپ ابھی ابھی میرے پاس پہنچیں۔'' اس کی بیٹی کافی غصے میں تھی۔

''خیر تو ہے ......؟ میری گڑیا کافی غصے میں دکھائی دے رہی ہے؟''

''پاپا میں کہہ رہی ہوں جلدی پہنچو۔''

''اچھا بے بی بس پانچ منٹ میں آیا۔'' وہ فون بند کر کے کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے بیوی اور بیٹی کو اپنے دھندوں سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے علیحدہ بنگلے میں رکھا ہوا تھا، البتہ ان کی حفاظت کے خیال سے وہاں ہر وقت محافظ موجود رہتے تھے۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد اس کی گاڑی گھر پہنچ گئی تھی، اس کی بیٹی حنا فاضل علی خان اس کے انتظار میں ڈرائینگ روم کے اندر ٹہل رہی تھی، اسے دیکھتے ہی وہ منہ پھلا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''ارے اتنا غصہ کہ پاپا کو سلام بھی نہیں کیا؟''

''پاپا میں آپ سے سخت خفا ہوں۔''

''کیوں بھئی ...... بغیر کسی وجہ کے ...... آخر قصور تو بتاؤنا؟'' وہ اپنی لاڈلی کی ناک پیار سے پکڑتا ہوا بولا۔

''پاپا آپ کو کہا تھا نہ کہ ان باڈی گارڈز کی کوئی ضرورت نہیں؟''

''کیا کر دیا گارڈز نے ...... ہم ان کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھر دیں گے۔''

''کیا فائدہ پاپا ...... میری جو بے عزتی ہونی تھی وہ ہو چکی۔''

''آخر کچھ پتا تو چلے؟''

''پاپا! ...... آج ایک نئے آنے والے سٹوڈنٹ نے مجھ سے لائبریری کا پتا پوچھا تو گل اور سانول نے اس غریب کی بے عزتی کی اور تھپڑ بھی مارے حالانکہ وہ غریب مجھے جانتا ہی نہیں تھا۔''

''ہا ...... ہا ...... ہا ......'' فاضل کا قہقہہ بلند ہوا۔'' بے بی یہ تو ہمارا آرڈر ہے کہ جو شخص بھی ہماری گڑیا کے قریب آنے کی کوشش کرے اس کی پٹائی کی جائے آخر حکمران اور رعایا میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے نا؟ ...... اگر ہم یہ سب نہ کریں تو ہمیں تو سب آنکھیں دکھانے لگ جائیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا کہ کل کو کوئی بھیک منگا ہماری شہزادی کا رشتا لے کے آ جائے۔''

''پاپا یہ ٹھیک تو نہیں ناں..... پتا ہے پیٹھ پیچھے لوگ ڈرامے کرتے ہیں۔ کوئی پرستان کی شہزادی کہتا ہے تو کوئی جنات کی ملکہ اور یہ سب انہی باڈی گارڈز کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔''

''پیٹھ پیچھے تو صدرِ مملکت کے بھی باتیں ہوتی ہیں کوئی سامنے کہے تو مانوں.....اور جہاں تک تعلق ہے شہزادی کہنے کا تو شہزادی تو ہماری بیٹی ہے یہ بات تو اگر وہ سامنے بھی کہیں ہم انھیں کچھ نہیں کہیں گے۔''

''پاپا وہ سچ تھوڑا کہتے ہیں وہ تو طنزیہ کہتے ہیں۔''

''میری جان..... یہ غریب لوگ صرف پیٹھ پیچھے باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں تو کرنے دیں، اس سے ہمارا کیا جاتا ہے۔''

''پاپا پلیز.....آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں، یہ نہ ہو میں یونیورسٹی جانا چھوڑ دوں۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے ٹیچر یہیں پر پڑھانے آجایا کریں گے ہماری گڑیا کو۔'' وہ اپنی بیٹی کی دھمکی کو خاطر میں نہ لایا۔

وہ بے بسی سے مسکراتے ہوئے بولی.....

''پاپا آپ بھی نہ بس..........؟''

''دیکھو بے بی!.....ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا ہم دشمن دار بندے ہیں اور کوئی خبیث بھی ہماری گڑیا کو کوئی نقصان پہنچا کر ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر سکتا ہے ..... گو اس کے بعد ہم اس کے پورے خاندان کو فنا کر دیں لیکن ہماری گڑیا کو پہنچے والے نقصان کا ازالہ تو نہیں ہو سکے گا نا؟ اس لیے ہم پہلے ہی سے الرٹ ہیں اور رسک نہیں لینا چاہتے۔''

''پاپا مجھے کون نقصان پہنچائے گا ؟''

''پاپا کی جان تجھے پتا نہیں یہ دنیا کتنی ظالم ہے تو نے صرف اس کا ایک رخ دیکھا ہے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''پاپا اب میں اتنی بھی بچی نہیں......''

''تم بڑی کب سے ہو گئی ہو۔''

''ہونہہ!..... بڑی کب سے ہو گئی ہو؟'' وہ چڑاتے ہوئے اس لپٹ گئی۔ ''آپ گھر آئیں تو آپ کو پتا چلے کہ میں کتنی بڑی ہو گئی ہوں۔''

''چھوڑو ان گلے شکووں کو چلو کیرم بورڈ کھیلتے ہیں کافی دنوں سے تجھے شکست نہیں دی۔'' عام حالات میں اتنا ظالم ہونے کی باوجود اپنی بیٹی کے لیے وہ ایک شفیق اور محبت کرنے والا باپ تھا۔ اس کی بیٹی اس کے اصل کردار سے ناواقف تھی۔ بیوی کو تھوڑا بہت اندازہ تھا مگر اس نے کبھی اس کے معاملات میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اسے ذاتی طور پر فاضل نے کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا

تھا۔ بلکہ اس کے نزدیک وہ ایک آئیڈیل شوہر تھا۔ جو اس تمام خواہشات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے جذبات کا بھی احترام کرتا تھا۔ حنا ان کی اکیلی اولاد تھی اور وہ اولاد نرینہ سے محروم تھا مگر استطاعت رکھنے کے باوجود اس نے دوسری شادی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈرائینگ روم دونوں باپ بیٹی کے قہقہوں سے گونج رہا تھا حنا کو اپنی شکایت بھول چکی تھی ویسے بھی وہ جانتی تھی کہ اس کا والد اسکی باڈی گارڈز کو اس کے ساتھ یونیورسٹی نہ بھیجنے والی شکایت پر کبھی بھی کان دھرنے والا نہیں تھا۔

☆......☆......☆

موٹر سائیکل کی رفتار کافی تیز تھی اور اس چلتی حالت میں ٹارگٹ کو نشانہ بنانا بہت مشکل تھا مگر سو میٹر کے فاصلے سے کلاشنکوف سے فائر کرتے ہوئے اسماعیل نے دوسری گولی سے ہی ٹارگٹ ہٹ کر دیا۔ موٹر سائیکل چلانے والا عبداللہ تھا۔ ان کے انسٹرکٹر کاشف کی تحسین آمیز آواز بلند ہوئی......

''گڈ شاہ صاحب......لیکن کوشش کرو کہ پہلی گولی ہٹ ہو۔''

عبداللہ نے موٹر سائیکل روکی اور ان دونوں نے اپنی جگہ تبدیل کر لی اس مرتبہ عبداللہ نے ٹارگٹ کو نشانہ بنانا تھا، پہلی مرتبہ ٹارگٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے عبداللہ نے دو فائر کیے مگر ٹارگٹ ہٹ نہ ہو سکا، موٹر سائیکل ٹارگٹ سے آگے نکل گئی تھی اسماعیل نے موٹر سائیکل موڑا اور دوبارہ ٹارگٹ کے سامنے گزرا اس مرتبہ عبداللہ کی چلائی ہوئی دوسری گولی ہٹ ہو گئی۔ ان دونوں کے بعد دوسری جوڑی یہی عمل دہرانے لگی اس دن تمام پیریڈ کے دوران وہ بار بار یہی عمل دہراتے رہے۔

پڑھائے جانے والے تمام ہتھیاروں کا فائر وہ عملی طور پر کر چکے تھے ان میں کلاشنکوف ایسا ہتھیار تھا جس کا استعمال باقی ہتھیاروں کی نسبت زیادہ تھا اور اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی کہ پاکستان میں یہ ہتھیار آسانی سے دستیاب تھا، اس علاوہ اس کی کارکردگی بھی مستحکم تھی۔ ان کی تمام ٹریننگ ایک پروگرام کے تحت جاری تھی انسٹرکٹرز کی کوشش تھی کہ ان کو تمام دستیاب ہتھیاروں کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات ضرور دے دیں یہ اور بات کہ تمام معلومات سمال ویپن کے متعلق تھی کیونکہ ان کا بڑے ہتھیاروں سے واسطہ پڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

ٹی بریک ہوتے ہی تمام کے قدم کیفے کی طرف بڑھ گئے۔ یہ ایک گھنٹے کا وقفہ پلک جھپکنے کی دیر میں گزر جاتا تھا۔ یوں بھی کسی مفکر کا قول ہے کہ

''کسی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ گزارا ہوا گھنٹا محبوب کے ساتھ گزرنے والے بیسیوں گھنٹوں سے طویل ہوتا ہے''

کیفے میں اپنی گرلز فرینڈز کے ساتھ ان کا ٹائم بڑی تیزی سے گزرتا تھا۔ بعض دفعہ تو باتوں کے شوق میں وہ ٹی بریک کرنا بھی بھول جاتے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹی بریک کے بعد ان کا جسمانی داؤ پیچ کا پیریڈ تھا آج کل وہ جوڈو کے داؤ پیچ سیکھ رہے تھے، وہ گراؤنڈ میں پہنچے تو ان کا استاد سلمان پہلے سے ان کا منتظر کھڑا تھا۔

''سارے جوڑیوں کی شکل میں ہو جاؤ۔'' یہ سنتے ہی وہ تمام دو دو کی جوڑیوں میں ہو گئے۔ ان کے سیکھنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے استاد نے ان کی جوڑیاں بنا دیں تھیں۔

''اس سے پہلے آپ لوگ جوڈو کے چند ابتدائی داؤ سیکھ چکے ہو۔ تو یاد رکھیں ایک ہوتا ہے داؤ کو سیکھنا اور سمجھنا جبکہ دوسرا ہوتا ہے اس داؤ کو کام میں لانا اور کام میں لانا ہر بندے کی اپنی ذاتی صلاحیت کی بنیاد پہ ہوتا ہے بالکل ایسے جیسے ریس میں گاڑی دوڑانے والے تمام ڈرائیور جانتے ہیں کہ گاڑی کس طرح چلائی جاتی ہے اس کے باوجود کوئی پہلا نمبر لے لیتا ہے تو کوئی آخری، اس کی وجہ گاڑی کا نقص یا ڈرائیور کی کم علمی نہیں ہوتا بلکہ مہارت کی کمی ہوتا ہے...... اب تک جو داؤ آپ لوگ سیکھ چکے ہو ان کو جاننے کے لحاظ سے میں اور آپ برابر ہیں، مجھے جو فوقیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں آپ لوگوں سے زیادہ بہتر طریقے سے ان داؤ پیچ کا استعمال کر سکتا ہوں، میری بات کا لب لباب یہ ہے کہ میں آپ کو یہ داؤ پیچ سکھلا سکتا ہوں ان کے اندر مہارت حاصل کرنا آپ لوگوں کی اپنی صوابدید پر ہے۔ جیسا کہ میں آپ کو پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ جوڈو کے معنی ہیں مخالف کی طاقت کو اسی کے خلاف استعمال کرنا، اس کو سادہ الفاظ میں یوں سمجھیں کہ اگر ایک شخص کے ساتھ آپ کی ہاتھا پائی ہو رہی ہو جسمانی لحاظ سے وہ آپ سے طاقتور ہو جب وہ آپ کے گریبان سے پکڑ کر اپنے جانب کھینچے اور آپ بھی اسے اپنی طرف کھینچیں تو اس کھینچا تانی میں کون کامیاب ہوگا......؟......'' وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور پھر بولا ''وہی ناں جو زیادہ طاقتور ہوگا؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''جی سر!'' تمام نے بیک زبان اس کی تائید کی۔

''اور اگر مخالف کے کھینچنے کے جواب میں آپ اسے دھکا دے دیں تو کیا ہوگا؟''

''وہ پیچھے گر جائے گا۔'' اسماعیل جلدی سے بولا۔

''گڈ!......اور اگر وہ آپ کو دھکیلے تو آپ اسے بیل کی طرح دھکیلنے کی بجائے الٹا اپنی جانب کھینچیں تو تب بھی وہ گر جائے گا...... بس اسے جوڈو کہتے ہیں، میں نے جو دونوں مثالیں دی ہیں یہی جوڈو کے فن کی بنیادی اکائی ہیں جوڈو کے بقیہ تمام داؤ پیچوں میں یہی کلیہ کار فرما ہے۔ اگر آپ کو مکمل جوڈو ماسٹر بنایا جائے تو اس میں پندرہ ماہ کا عرصہ بھی کم ہے۔ اس لیے میں آپ کو صرف وہ داؤ سکھلاؤں گا جو آپ کو عام روزمرہ کی زندگی میں کام آئیں اس کے علاوہ، داؤ پیچ سیکھتے وقت یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عام لوگوں کے خلاف لڑائی میں سب سے زیادہ یہی داؤ پیچ کامیاب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی عموی طور پر جن جگہوں پہ ہوتی ہے وہاں کھل کر حرکت نہیں کی جاسکتی، مثلاً پبلک ٹرانسپورٹ یعنی بس، ویگن وغیرہ، بازار کے اندر، رش کے دوران، آفس، کنٹین کیفے وغیرہ۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا اور پھر اس کی

بات جاری رہی۔ ''آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ کسی کا گریبان کیسے پکڑا جاتا ہے اور اگر کوئی آپ کے گریبان سے پکڑ لے تو آپ نے اپنا گریبان کیسے چھڑانا ہے۔ اس داؤ کا دارومدار...... '' وہ تفصیل سے انھیں سمجھانے لگا آدھے گھنٹے کے لیکچر کے بعد اس نے سکھائے ہوئے داؤ کی پریکٹس شروع کرادی، اس کے بعد وہ پیریڈ کے اختتام تک اسی کارروائی میں مصروف رہے۔

☆......☆......☆

پارمی گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی جبکہ اخلاق حسین پریشانی کے عالم میں کمرے میں گھوم رہا تھا جب اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ اس قریب آیا اور جھجکتے ہوئے بولا۔

''مس...... سوری...... شائنہ مم میں معافی چاہتا ہوں۔ بخدا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا نجانے کیا ہوا نیند میں پتا ہی نہ چلا...... پپ پلیز......'' پارمی نے اسے اپنا نام شائنہ بتایا تھا۔

''اخلاق صاحب!...... میں نے اعتبار کیا تھا مگر آپ نے مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا...... اگر مجھے پتا ہوتا تو میں یہاں آتی ہی نہ؟''

''شائنہ!...... دیکھو خفا مت ہو، مم...... میں آپ سے شادی کرلوں گا۔ میں غریب تو نہیں ہوں اچھا خاصا دولت مند ہوں کاروبار ہے، گاڑی ہے، بنگلہ ہے نوکر چاکر ہیں اور کیا چاہئے آپ کو؟''

''ہونہہ شادی...... مجھے پتا ہے یہ سب مجھے بہلانے کے لیے کہہ رہے ہیں آپ جیسے امیر آدمی کو ایک سے ایک خوبصورت لڑکی مل جائے گی پھر آپ مجھ کرموں جلی سے کیوں شادی کریں گے۔''

''میں چالیس سال کا ہونے والا ہوں، اگر کسی اور سے شادی کرنی ہوتی تو اب تک کر چکا ہوتا۔'' پارمی کا امید افزا لہجہ سن کر اس کی کچھ ڈھارس بندھی اور وہ اعتماد سے باتیں کرنے لگا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟'' پارمی نے اس کا ہاتھ اپنے گداز ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے محبوبانہ انداز پہ اخلاق کے دل کو کچھ ہونے لگا وہ اس کے نزدیک ہو گیا......

''تیری قسم سچ کہہ رہا ہوں...... جب تم کہو گی اسی دن مولوی صاحب کو نہ بلالاؤں تو کہنا۔''

''بس آپ کا کہہ دینا ہی کافی ہے۔'' وہ اس کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے بولی اور اخلاق حسین جو اس قریب بیٹھنے پہ بھی اپنے حواسوں سے باہر ہونے لگا تھا اس کے اس انداز پر بالکل ہی دیوانہ ہو گیا اس نے سمجھا کہ شاید وہ ذہنی طور پر اسے اپنا شوہر تسلیم کر چکی ہے۔

''میری جان آفس سے تو میں لیٹ ہو گیا ہوں کیا آؤٹنگ کے لیے چلیں؟...... آپ شاپنگ بھی کر لینا کپڑے، جیولری، جوتے وغیرہ لے لینا۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اخلاق صاحب!..... میں آپ کے ساتھ جاؤں گی پر ابھی نہیں۔''

''ابھی نہیں کا کیا مطلب؟'' وہ حیرانی سے مستفسر ہوا۔

''اصل میں، میں پردہ کرتی ہوں، گزشتہ رات تو عزت بچانے کے لیے اپنا سب کچھ خالہ کے گھر چھوڑ آئی تھی ورنہ نقاب کے بغیر میں گھر سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی، آپ اس طرح کریں کہ میرے لیے ایک نقاب کا بندوبست کریں پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

اس کی عزت بچا کر بھاگنے کی بات سن کر اخلاق ایک مرتبہ پھر نادم نظر آنے لگا، اس کے چہرے پہ ندامت کے آثار دیکھ وہ پیار سے بولی.....

''آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں آپ تو میرے سب کچھ بننے والے ہیں بلکہ بن گئے ہیں اور میں شکر کرتی ہوں اوپر والے کا کہ میرا ہونے والا سرتاج اتنا شریف ہے ورنہ آپ مجھے دھکے دے کر بھی گھر سے نکال سکتے تھے میں کہاں اپنی عزت کا مقدمہ لے کے جاتی۔''

''شمائلہ! اتنا زیر بار بھی مت کرو..... شکر تو مجھے کرنا چاہیے کہ آپ جیسی پاکیزہ اور باعصمت لڑکی مجھے چاہنے لگی ہے۔''

''آپ ہیں ہی اس قابل..... بہر حال اب فٹافٹ جا کے میرے لیے نقاب کا بندوبست کرو تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ آزادی سے گھوم سکوں مجھے بڑا شوق تھا اپنے جسم وجان کے مالک کے ساتھ گھومنے پھرنے کا اوپر والے نے میری دعائیں سن لیں۔''

''ٹھیک ہے تم چند منٹ انتظار کرو میں یوں گیا اور یوں آیا۔'' وہ کھڑا ہو گیا اور پاربتی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ مہاراج کی تلاش کے منصوبے بناتی رہی فی الحال تو اس نے یہی سوچا تھا کہ اخلاق کے ساتھ نقاب اوڑھ کر سارے شہر میں گھومے گی اور جدھر بھی کوئی جاننے والا نظر آیا اس کے ذریعے مہاراج تک پہنچ جائے گی، اس کے علاوہ کوئی مناسب تجویز اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ یوں بھی سی آئی کا خوف اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں ایجنسی والے اس کی فوٹو اخبار میں نہ دے دیں، وہ بے چینی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا مجھے اخلاق کو ہمراز بنا لینا چاہیے؟'' ایک سوچ اس کے دماغ میں گونجی جس کا جواب اس نے نفی کی صورت میں دیا اور پھر اسے یاد آیا کہ اس کی تو وہاں فوٹو بھی نہیں نکالی گئی تھی۔ اسے ذرا اطمینان ہوا مگر یہ خلش بہر حال اس کے دماغ میں موجود رہی کہ سی آئی والے مصور سے بھی اس کی فوٹو بنوا سکتے تھے گو وہ بالکل اس کے ہو بہو نہ ہوتی مگر پھر بھی اتنی مشابہت پائی جاتی کہ اخلاق اسے پہچان لیتا۔ کافی دیر کی مغز ماری کے بعد وہ اس نتیجے پہ پہنچی کہ وہ روزانہ کے اخبار باقاعدگی سے دیکھتی رہے گی اگر اس کی فوٹو آ گئی تو وہ وہاں سے چلی جائے گی یا اخلاق کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرے گی اور اس دوران وہ اخلاق کو بھی ایسا گرویدہ بنائے گی کہ وہ اس کے بنا جینے کا بھی تصور نہ کر سکے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆.....☆.....☆

''سر!......نام اخلاق احمد، پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے،اس سے کوئی اولاد نہیں معاشی لحاظ سے کافی بہتر ہے اپنا کاروبار ہے عزیز رشتاداروں میں ایک بہن ہے جو شوہر کے ساتھ برطانیہ میں سیٹل ہے،اس کے علاوہ کوئی قریبی رشتادار موجود نہیں اور دور پار کے رشتا داروں سے اس کے تعلقات بس واجبی سے ہیں۔''

ظفر کی بات سن کر عاطف چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر گویا ہوا۔''اس کا مطلب ہے پارتی کو اتفاق سے اچھا ٹھکانہ میسر آ گیا ہے......اور وہ یہاں پہ رہ کر آسانی سے اپنے بندوں کو تلاش کر سکے گی۔''

''بالکل سر، بلکہ اس نے یہ تلاش شروع کر دی ہے اور ہم سے چھپنے کے لیے نقاب کا استعمال شروع کر دیا۔''

''گڈ!......بس اب اس کی سرگرمیوں پہ نظر رکھو کیونکہ جیسے ہی اسے اپنے آدمی ملے اس نے اخلاق کو ٹھینگا دکھا جانا ہے۔''

وہ جواباً بولا۔''ہم نے گہری نظر رکھی ہوئی ہے سر۔''

''ٹھیک ہے پہلے میں نے ایک وقت میں تین بندے ڈیوٹی کے لیے مقرر کیے تھے اب دو کر دو کیونکہ پارتی پہلے جتنی چوکنی نہیں رہے گی دوسرا مشکل ہے کہ وہ یہ ٹھکانہ چھوڑنے کی کوشش کرے۔''

''ٹھیک ہے سر......اور کچھ؟''

''فی الحال تو کچھ نہیں......''

''پھر میں چلتا ہوں؟''ظفر کھڑا ہو گیا۔

عاطف اس سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔''او کے فی امان اللہ۔''ظفر کے جانے کے بعد اس نے فون پر صدیقی صاحب کو ساری رپورٹ دی اور پھر حلیہ بدل کے آفس سے باہر نکل آیا اس کا ارادہ عرفان پارٹی کے پاس جا کے بابر سلیم کے متعلق استفسار کے ساتھ خود اس کے دفتر اور گھر کا جائزہ لینے کا بھی تھا۔مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی وہ آفس سے فرلانگ بھر دور ہی آیا ہوگا کہ صدیقی صاحب کی کال آ گئی۔

''جی سر؟''

''عاطف فوری طور پہ بدرالدین صاحب کے آفس میں پہنچو، میں بھی وہیں جا رہا ہوں اس نے بغیر تاخیر کے حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔''

''میں پانچ منٹ میں پہنچ رہا ہوں سر۔''وہ واپس مڑ گیا۔اس طرح اچانک بلاوے پر مختلف قسم کے اندیشے اس کے دماغ میں سر اٹھانے لگے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صدیقی صاحب، عاطف سے پہلے بدرالدین صاحب کے آفس میں پہنچا ہوا تھا۔ عاطف اجازت لے کر اندر داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی بدرالدین صاحب ہاتھ میں موجود اخبار لپیٹ کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیسے ہیں آپ دونوں؟''

''فائن سر۔''وہ بیک آواز بولے۔

اس مختصر سے مکالمے کے بعد وہ براہ راست اپنے مطلب کی بات پہ آ گیا۔''ایس پی پولیس سکندر حیات کا فون آیا تھا......ایک معاملے میں اسے ہماری مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اسی لیے آپ دونوں کو زحمت دی ہے۔ اس سے مل کر صورت حال معلوم کرو کہ اسے کس معاملے میں ہماری مدد کی ضرورت ہے اور دیکھ لینا آیا وہ معاملہ ہماری عمل داری میں آتا ہے یا نہیں؟ کوئی عام کیس ہو تو سوری کہہ دینا کہ ہمارا کام صرف ملک دشمن عناصر کی سرکوبی ہے عام جرائم کے لیے اتنا بڑا محکمہ پولیس موجود ہے اور ہم اسی طرح ہر کام میں دخیل رہے تو اپنے کام سے بھی جائیں گے۔ البتہ انکار حکمت سے کرنا، کہ آخر وہ بھی پولیس کا ایس پی ہے کبھی ہمیں بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

''ٹھیک ہے سر۔''صدیقی صاحب مختصراً بولے جبکہ عاطف نے صرف سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

''باقی اس لڑکی کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟......روزانہ کارکردگی کی رپورٹ تو مجھے ملتی ہے مگر وہ مجمل ہوتی ہے میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔''

صدیقی صاحب نے عاطف کی طرف دیکھا اور وہ اس کا مدعا سمجھتے ہوئے بدرالدین صاحب کو تفصیل سے پارس کے متعلق بتانے لگا۔

''ہونہہ......بہتر ہے.........بابر سلیم کی بابت کوئی پیش رفت ہوئی؟''

عاطف بولا ''فی الحال تو اس کی نگرانی پہ اکتفا کیا ہوا ہے، شاید اتوار تک اسے اٹھوا لیں۔''

''یوں ہی......یا کوئی پلان بھی سوچا ہے؟''

''پلان تو سوچا ہے مگر حتمی فیصلہ نگرانی کے بعد کریں گے؟''

''اسے اٹھانے سے پہلے مجھے اپنے پلان سے ضرور مطلع کرنا۔''

''ٹھیک ہے سر۔''اس مرتبہ بھی عاطف نے جواب دیا تھا۔

''اوکے......میری طرف سے آپ لوگ فارغ ہیں۔'' کہتے ہوئے بدرالدین صاحب ایک مرتبہ پھر اخبار کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ اور وہ دونوں اسے سلام کہتے ہوئے آفس سے نکل آئے۔

☆......☆......☆

شیر خان نے تھانے کے سامنے کار روکی اور نیچے اتر کر گیٹ پر کھڑے سنتری کی طرف بڑھا۔اس وقت وہ کاٹن کے سفید شلوار سوٹ میں ملبوس تھا اس کے ساتھ میچ کرتی قیمتی واسکٹ پہن کر وہ خاصا معزز دکھائی دے رہا تھا۔

''مجید صاحب سے ملنا ہے۔'' اپنا تعارف کرائے بغیر وہ سنتری سے مخاطب ہوا۔

''وہ اپنے آفس میں ہیں سر۔'' سنتری اس کے ظاہری حلیے سے متاثر ہو گیا تھا۔شیر خان شکریے کے انداز میں سر ہلاتا ہوا تھانے کی اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔چند لمحوں بعد وہ ایس آئی مجید کے سامنے بیٹھا تھا۔

''جی میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' تعارفی کلمات کے بعد مجید مستفسر ہوا۔

''خدمت تو آپ نے کیا کرنی ہے تھانیدار صاحب بس ایک چھوٹے سے مسئلے کے سلسلے میں حاضری ہوئی تھی۔''

''جی فرمائیں۔'' اسے شیر خان کی تمہید ناگوار گزری،اس کے لہجے میں ہلکی سی اکتاہٹ تھی۔

مگر شیر خان اس کی ناگواری کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے بولا''میں کاروباری دورے پہ ملک سے باہر تھا وہیں پہ مجھے پتا چلا کہ انسپکٹر دلشاد امین مرحوم نے میرے دو آدمی گرفتار کر لیے ہیں......جرم کی نوعیت سے میں لاعلم ہوں لیکن اتنا اندازہ بہر حال مجھے ہے کہ دلشاد امین مرحوم جیسا ایماندار آفیسر کبھی بھی غلط جگہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔لیکن ممکن ہے کہ اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو،اب آپ کو زحمت دینے کا مقصد یہ ہے کہ ایک تو مجھے ان آدمیوں کا جرم بتایا جائے اور دوسرے کیا دوران تفتیش انھوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے؟''

''حاجی صاحب!آپ کے کون سے آدمی دلشاد امین نے گرفتار کیے تھے پہلے ان کا تعارف تو کرا دیں؟''

''دلدار اور شمشیر نامی دو آدمی ہیں جنھیں انسپکٹر صاحب نے غالباً ساحل سمندر پہ بنے ہٹ سے گرفتار کیا تھا۔''

''اوہ......'' مجید معنی خیز لہجے میں بولا۔''تو انسپکٹر صاحب کو دھمکی دینے والے آپ ہیں؟''

''انسپکٹر صاحب کو دھمکی......؟''اس نے لہجے میں دنیا جہاں کی حیرانی سمو لی۔''کیسی بات کر رہے ہیں آپ میں یہ گستاخی کر سکتا ہوں،شاید میرے کسی ملازم سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو مگر بخدا ایسی جرأت میں نہیں کر سکتا۔''

''بہر حال اس بارے بعد میں بات ہو گی فی الحال تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ چند مجبوریوں کی بنا پہ ہم ان سے پوچھ گچھ نہ کر سکے البتہ یہ کنفرم ہے کہ انسپکٹر صاحب نے انھیں جس وقت گرفتار کیا تھا اس وقت ان کے پاس منشیات کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔''

''کیا میں ان سے ملاقات کر سکتا ہوں؟''

''ہوں.........کر لیں......تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے'' ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے ملاقات کی اجازت دے دی۔

''اگر لاک اپ تک رہنمائی کر دیتے......؟''

''صادق!......حاجی صاحب کی ملاقات ساحل سمندر سے پکڑے جانے والے سمگلروں سے کرا دو'' مجید دروازے پہ کھڑے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

سپاہی سے مخاطب ہوا۔

"جی سر" کہہ کے وہ شیر خان سے مخاطب ہوا "آئیں حاجی صاحب۔" اور شیر خان سر ہلاتا ہوا اس کے ہمراہ ہو لیا۔

چند لمحوں بعد وہ حوالات کے سامنے کھڑا تھا صادق اسے وہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

"دلدار!" اس نے حوالات کے کونے میں لیٹے اپنے آدمی کو آواز دی۔

"جی.....؟" دلدار اپنا نام سن کر چونکتا ہوا بولا۔ اس حلیے میں وہ اسے پہچان نہیں سکا تھا۔

شیر خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے جانب بلایا اور وہ حیرانی سے اس قریب آ گیا۔

"میں شیر خان ہوں۔" اس کے قریب آتے ہی وہ آہستگی سے بولا۔

"شیر خان بھائی آپ؟" اس کی آواز مسرت سے کپکپا گئی۔ اس دوران اس کا دوسرا ساتھی شمشیر بھی اٹھ کر ان کے قریب آ گیا تھا۔

وہ ان سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

"تو تمھارا کیا خیال تھا کہ ہم تمھیں بھول چکے ہیں؟"

"محسوس تو کچھ ایسے ہی ہو رہا تھا؟" دلدار نامی آدمی صاف گوئی سے بولا۔

"بھول ہے تمھاری.....سیٹھ صاحب اپنے آدمیوں کو کبھی لاوارث نہیں چھوڑتے۔ تمھارے قید ہونے کے بعد سے لے کر اب تک وہ تمھاری رہائی کے لیے کوشاں رہے۔ بات کافی اوپر تک چلی گئی تھی اس لیے اتنی دیر ہو گئی۔ بہر حال اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں بس دو تین دن مزید، اس کے بعد آپ لوگ آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہوں گے۔"

شمشیر بولا۔ "دو تین دن کیا ہم دو تین ماہ بھی صبر کر لیں گے، بس سگریٹ چائے کا کوئی بندوبست ہو جائے تو.......... کیونکہ یہاں کی خوراک کم از کم انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔"

"اسی لیے تو آیا ہوں۔" شیر خان نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ان کی سمت بڑھایا۔ "اس میں سارے سگریٹ بھرے ہوئے ہیں شام تک انھی پہ گزارا کرو شام کو مزید بھجوا دوں گا اور شام سے آپ لوگوں کے لیے کھانا بھی آ جایا کرے گا۔ اور کچھ چاہیے ہو تو......؟"

دلدار علی نے بے صبری سے وہ پیکٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر اپنے لباس میں چھپا لیا۔ "نہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"چلو پھر شام کو ملاقات ہو گی.....لیکن شام تک یہ پیکٹ خالی ہونا چاہیے؟" آخری الفاظ شیر خان نے مزاحیہ انداز میں کہے تھے۔

"یہ تو دو تین گھنٹے ہی نکالے گا۔" شمشیر بدیدے پن سے بولا۔ "ایک ماہ ہونے والا ہے خالی سگریٹ بھی نہیں ملی یہ تو ویسے ہی شجر ممنوعہ تھا۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اور ہاں'' شیر خان ان سے الوداعی مصافحہ کرتا ہوا بولا ''باقی قیدیوں یا پولیس سے میرا یا سیٹھ صاحب کا تذکرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

جواباً دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان سے رخصت ہو کر شیر خان ایک مرتبہ پھر مجید کے پاس آیا اور شکریے کی رسم پوری کرتا ہوا تھانے سے باہر نکل آیا۔ کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے ان دونوں کی موت کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ ان کو فرار کرانے کے بعد بھی وہ درد سر بنے رہتے۔ اس وقت شیر خان نے ان کے حوالے جو سگریٹس کی تھیں ان میں چرس کے علاوہ ایک ایسی مہلک دوا کی بھی ملاوٹ تھی جو دھویں کی شکل میں ان کے پھیپھڑوں میں اترنے کے تھوڑی دیر بعد ان کو موت کی نیند سلا دیتی۔

☆......☆......☆

''خوش آمدید ڈیوی صاحب! بڑی جلدی تشریف آوری ہوئی؟'' فاضل خان شراب سے شغل کرتے ڈیوی کی طرف والہانہ انداز میں بڑھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ پہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''سیٹھ صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ ہم اسی آنے جانے کی ہی تنخواہ لیتے ہیں۔'' ڈیوی نے اس کا معانقے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

''تشریف رکھیں......اور فرمائیں کیسے آنا ہوا؟''

''سیٹھ صاحب آپ کو ہمارے پشاور کے نمائندے اکبر خان کے قتل کے بارے تو معلوم ہو گیا ہوگا؟''

''ہاں سنا تو تھا......غالباً کوئی کاروباری رقابت کا معاملہ تھا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں تھی سیٹھ صاحب......اصل میں ہمارے کارکنوں نے ہمیں دھوکے دینے شروع کر دیے ہیں وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ بلیک لیکوئیڈ کا منصوبہ پوری دنیا پہ قبضہ کرنے کا ہے اگر وہ اپنے کارکنوں پہ ہی نظر نہیں رکھ سکتی تو میرے خیال میں انھیں ایسے خواب دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''مم میں......ہم سمجھے نہیں؟''

''میری بات بڑی واضح ہے سیٹھ صاحب۔ آپ کی اس حرکت نے میری جان بھی خطرے میں ڈال دی تھی کیونکہ تنظیم کی حکمت عملی کی خبر قبل از وقت مجھ سے ہی لیک ہوئی ہے۔''

''یہ سراسر الزام ہے......اگر اکبر علی کی موت سے ہمیں فائدہ پہنچ رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے ہی اسے قتل کرایا ہے۔ پولیس تفتیش کر چکی ہے اور اس کے قاتل تک پہنچ گئی ہے۔'' فاضل خان کا لہجہ احتجاجی تھا۔

''سیٹھ صاحب بلیک لیکوئیڈ پاکستانی پولیس نہیں ہے۔ آپ کے دست راست شیر خان کا منصوبہ کتنا ہی جامع کیوں نا ہو ہمارے

نزدیک ایک ننھے بچے کی شرارت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اکبر علی کے قاتلوں کو اس نے بڑے اچھے انداز میں استعمال کیا ہے اسی طرح وہ پولیس ایس آئی کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب رہا مگر معاف کرنا ہماری تفتیش کا انداز ذرا مختلف ہے۔ اکبر علی کے جس حریف کے کندھے پر بندوق رکھ کر شیر خان نے فائر کیا ہے اس کے فرشتوں کو بھی اس واردات کی خبر نہیں ہے...... بہر حال تمھاری پہلی غلطی تھی سابقہ کارکرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے سینئر کمانڈ نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔ لیکن اس پہلی کو آخری غلطی سمجھنا۔"

"ڈیوی صاحب ہم سے اپنے کسی ہم وطن کی حکمرانی برداشت نہیں ہوسکتی۔"

"خیر وہ منصوبہ ہے تو اب ترک کر دیا گیا ہے، کیونکہ اس عہدے کے حصول کے لیے کوئی بھی آپ والی غلطی دہرا سکتا ہے۔"

"اچھا اب سرزنش ہی کرتے رہو گے یا کوئی اچھی خبر بھی سناؤ گے؟"

"میری یہ جرأت کہاں کہ سیٹھ فاضل علی خان صاحب کو کچھ کہہ سکوں یہ تو سینئرز کے آرڈر تھے جو بامر مجبوری مجھے ہی سنانے پڑتے ہیں ورنہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کا کتنا خیر خواہ ہوں۔"

"ڈیوی صاحب! آپ کچھ کہہ بھی دیں تو ہمیں محسوس نہیں ہوگا۔"

"محبت ہے آپ کی۔"

"تو پھر اس نسبت سے ہمارا یہ حق بنتا ہے نا کہ آپ ہمیں چند دن خدمت کا موقع دیں۔"

ڈیوی ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ "چلو کل تک میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" فاضل خان کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ شیر خان کو فون پہ ڈیوی کی مہمان نوازی کے متعلق ہدایات دینے لگا۔

☆......☆......☆

"ویلکم سر۔" ایس پی پولیس نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے عاطف اور صدیقی صاحب کا استقبال کیا۔ "آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے میرے پاس آنے کی زحمت کرتے ہوئے میری ہمت افزائی کی ہے۔"

"نہیں سر!...... یہ تو ہمارا فرض ہے...... گو ہمارے محکمے الگ الگ ہیں لیکن مقصد اور کام تو ایک ہی ہے یعنی ملک کا دفاع اور حفاظت۔" صدیقی صاحب نے ایسے موقعوں پر کہا جانے والا رسمی فقرہ ادا کیا۔

"پلیز تشریف رکھیں۔"

دونوں "شکریہ۔" کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چائے یا ٹھنڈا؟"

"کافی ٹھیک رہے گی۔" صدیقی صاحب بے تکلفی سے بولا۔ ایس پی انٹرکام پر کافی کا بتا کر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"اگر تعارف ہو جائے تو؟"

"عاطف، فیصل صدیقی۔" وہ دونوں مختصراً بولے۔

"بدرالدین صاحب خود تشریف نہیں لائے؟"

عاطف نے کہا۔ "چونکہ فیلڈ میں ہم کام کرتے ہیں تو انھوں نے ہمیں بھیجنا مناسب سمجھا۔"

"بہر حال رسمی باتیں کافی ہو گئیں میں اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ آپ لوگوں کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو۔ پچھلے دنوں میرے محکمے کے ایک ایماندار انسپکٹر دلشاد امین کے ساتھ ایک عجیب ڈراما ہوا، گھر سے تھانے کی طرف آتے ہوئے اسے دو آدمی ایک اکیلے آدمی کی پٹائی کرتے نظر آئے، اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے گاڑی روک کر وہ ان کے قریب گیا تو پٹائی کرنے والے دونوں میں سے ایک بولا کہ تھانیدار صاحب آپ جائیں ہمارے معاملات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ بات ایک تھانیدار اور تھانیدار بھی وہ جو پٹھان ہو، کے لیے کسی گالی سے کم نہیں تھی۔ ان کی اس بدتمیزی کا جواب جب انسپکٹر انھیں پولیس کے روایتی طریقے سے دینے لگا تو اسی اثناء میں وہاں کافی لوگ اکٹھے ہو گئے جن میں ایک اخباری رپورٹر بھی شامل تھا۔ اس اخباری رپورٹر نے جب انسپکٹر دلشاد امین سے اس معاملے کی بابت پوچھا تو اس نے رپورٹر کو ساری بات بتائی مگر جب رپورٹر نے پٹنے والے آدمی سے اس کی تصدیق چاہی تو وہ اس بات سے منکر ہو گیا کہ اسے ان دونوں نے کچھ کہا ہے۔ یہ بات دلشاد امین کا پارہ بلند کرنے کے لیے کافی تھی اور خوش قسمتی یا بدقسمتی سے وہاں پولیس کے چند سپاہی بھی آ گئے جنھوں نے معاملہ جانے بغیر انسپکٹر کی تقلید میں ان بندوں کی پٹائی شروع کر دی۔ ان مناظر کو اخباری رپورٹر نے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔ دلشاد ان ملزموں کو تھانے لے آیا جبکہ اخبار میں اس معاملے کو کافی اچھالا گیا اس واقعے کی خبریں آپ کی نظر سے بھی گزری ہوں گی۔ اس رپورٹر نے دلشاد امین کے پٹھان ہونے کی وجہ سے اس کا تعلق اے پی ایم پارٹی سے ثابت کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ اس نے جان بوجھ کر اپنی اوا پارٹی کے بندوں کو زدوکوب کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو ہنگامہ ہوا اس سے آپ لوگ بخوبی واقف ہوں گے۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ ان تینوں قیدیوں کو بھی حوالات میں زہر دے کر قتل کر دیا گیا اور آخر میں دلشاد امین پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے اس کی جان بچ گئی اور اس کی حفاظت کی غرض سے مجھے اس کے قتل کی جھوٹی خبر پھیلانی پڑی۔ پھر ان قیدیوں کو جس بندے نے زہریلا مشروب پلایا تھا اس کی انگلیوں کے نشان ہمیں مل گئے وہ پولیس کا اپنا آدمی تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم اس سے پوچھ گچھ کرتے اسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کی لاش ہمیں ساحل سمندر پہ پڑی ملی۔ قاتل نے اس کے قتل کو بھی خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی اور آخر میں میں اپنے محکمہ کی ایک اور بیوقوفی آپ کے گوش گزار کرتا جاؤں کہ اس سارے ہنگامے سے پہلے انسپکٹر دلشاد امین نے ساحل سمندر کی ایک عمارت سے چند سمگلر گرفتار کیے تھے جن کی گرفتاری پر ان کے باس کی طرف سے دلشاد امین کو دھمکیاں بھی دی گئی تھیں۔ کچھ دن تھانے میں افراتفری رہی جس کی وجہ سے ان سے پوچھ گچھ نہ ہو سکی ابھی آپ لوگوں کے آنے سے چند لمحے پہلے مجھے رپورٹ ملی ہے کہ

انھیں بھی حوالات میں قتل کر دیا گیا ہے۔ یوں اس سازش کا سراغ لگانے کے لیے کوئی کلیو باقی نہیں بچا۔ مجھے اس ساری کارروائی میں کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ نظر آ رہا ہے جو این او این اور اے پی ایم دونوں پارٹیوں کو آپس میں لڑا کر شہر میں فسادات کرانا چاہتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ یہ سازش دلشاد امین کے خلاف تیار کی گئی ہے مگر حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھوڑا سا غور کرنے پہ ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ انسپکٹر نہیں بلکہ ملک کے خلاف سازش ہے اسی لیے میں آپ لوگوں کو زحمت دینے پہ مجبور ہوا کہ ایسی سازش کو ناکام کرنا پولیس کے بس سے باہر تھا۔"

"انسپکٹر دلشاد امین اس بارے کیا کہتا ہے؟" صدیقی صاحب مستفسر ہوا۔

"وہ کسی ایسے دشمن سے ناواقف ہے جو اس کے لیے اتنی گہری سازش تیار کر سکے۔ البتہ اسمگلروں کے سرغنہ سے ہونے والی اپنی آخری گفتگو سے وہ یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہے کہ یہ سارا کام اسی سرغنہ کا ہے مگر وہ اس کے نام سے ناواقف ہے۔"

"ساحل سمندر کی جس عمارت سے انھیں گرفتار کیا گیا تھا وہ کس کی ملکیت ہے؟" عاطف کے پوچھنے پر ایس پی نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

عاطف بولا۔ "میرا اندازہ ہے کہ وہ عمارت بھی کسی نامعلوم آدمی کی ملکیت ہوگی ...... بہر حال آپ یہ معلوم کرائیں ...... تاکہ ہم اپنی تسلی کر لیں۔" اور ایس پی فون اٹھا یہ حکم پاس کرنے لگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

فون بند کر کے اس نے پوچھا۔ "اور کچھ سر؟"

ہم انسپکٹر دلشاد سے ملنا چاہیں گے۔"

"ابھی چلیں۔" ایس پی اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور وہ دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ آدھ پون گھنٹے بعد وہ دلشاد امین کے پاس تھے رسمی گفتگو کے بعد عاطف نے از سر نو ساری تفصیل انسپکٹر کی زبانی سنی۔

"انسپکٹر صاحب! ...... کیا آپ کو بھی یہ کسی بیرونی طاقت کی کارروائی لگتی ہے؟" اس کی بات ختم ہوتے ہی عاطف نے پوچھا۔

"جی ...... لگتا تو ایسے ہی ہے۔"

"جس بندے نے تجھے فون پہ دھمکی دی تھی اس نے پہلے اپنا تعارف تو کرایا ہی ہوگا؟"

"کچھ ایسا ہی ہے ...... مگر اس کا نام یاد نہیں آ رہا کیونکہ اس وقت اس نے اتنی گھٹیا دھمکی دی تھی کہ غصے کی شدت میں مجھے سب کچھ بھول گیا۔"

"سپاہی وکرم کی سرگرمیوں کے بارے تجھے کوئی سن گن ہو کہ اس کا بیٹھنا کن لوگوں کے ساتھ تھا؟"

"یہ تو اس کے ساتھ کے سپاہیوں سے ہی پتا چل سکتا ہے۔"

"ایس پی صاحب یہ بات بھی نوٹ کر لیں شاید کوئی سرا ہاتھ آ جائے۔" عاطف نے کہا "یوں بھی آپ نے ہمیں اس وقت بلایا

ہے جب مجرم سارے سراغ مٹانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"

کافی دیر سے خاموش بیٹھا صدیقی صاحب بولا "ایس پی صاحب!......اب ہم اجازت چاہیں گے یہ بات ہمارے علم میں آ گئی ہے اور ہم اس ضمن میں کام شروع کر دیتے ہیں آپ سے بس اتنی گذارش ہے کہ کوئی چھوٹی سی بات بھی معلوم ہو جائے تو ہمیں ٹائم سے مطلع کر دینا۔"

"اگر آج لنچ ہمارے ساتھ ہو جائے تو......؟"

"سر یہ ہماری سعادت ہوتی مگر ٹائم کی کمی آڑے آ رہی ہے، پھر کبھی سہی اب تو انشاء اللہ آنا جانا لگا رہے گا۔" صدیقی صاحب کھڑا ہو گیا عاطف اور ایس پی صاحب بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑے ہوئے دلشاد امین سے الوداعی مصافحہ کر کے وہ وہاں سے نکل آئے۔

☆......☆......☆

پارمی اس وقت اخلاق احمد کے ساتھ ایک مشہور شاپنگ پلازہ میں تھی، اچانک اس کی نظر شاپ پر خریداری کرتے وکرم پہ پڑی گو اس نے اپنا حلیہ بدلا ہوا تھا مگر یہ تبدیلی اتنی واجبی تھی کہ پارمی اسے آسانی سے پہچان گئی۔ اور تیر کی طرح اس کی سمت بڑھی۔

"ارے وکی بھائی آپ؟" وہ اس کا بازو پکڑ کر والہانہ انداز میں بولی۔

اخلاق بھی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کے پیچھے ہو لیا تھا۔

وکرم اس کی اس حرکت پہ گھبرا گیا تھا۔ "مم میڈم آپ کون؟"

"وکی بھائی میں شائلہ ہوں...... تیری بہن جسے تو پیار سے پارو کہتا تھا اتنی جلدی بھول گئے؟"

"نن نہیں مگر آپ تو......؟"

"بس وکی بھائی بڑی مشکل سے اس جہنم سے جان چھڑائی ہے آپ تو جانتے ہی ہیں...... اب تو میں نے شادی کر لی ہے، یہ ہیں میرے شوہر اخلاق صاحب۔" اس کی اشارے کنائے میں کی گئی گفتگو بڑی آسانی سے وکرم کے پلے پڑ گئی تھی۔

"آداب بھائی جان۔" اس نے اخلاق کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جو اس نے بے دلی سے تھام لیا۔

"اچھا پارو میں بعد میں آپ سے ملنے کے لیے آؤں گا فی الحال میں کچھ مصروف ہوں۔"

"بعد کا کیا مطلب؟" وہ خفگی سے بولی۔ "شام کا کھانا آپ نے ہمارے ساتھ کھانا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ اپنا فون نمبر دے دیں میں خود ہی رابطہ کر لوں گا۔" وکرم احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

پارمی اپنا فون نمبر بتاتے ہوئے بولی۔ "اگر مرزا انکل فارغ ہوں تو انھیں بھی ساتھ لیتے آنا۔"

"میں انھیں بتا دوں گا...... باقی ان کی مرضی۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’چلو ٹھیک ہے۔لیکن آج شام کا کھانا......بھولنا مت۔‘‘

’’ٹھیک ہے گڑیا۔‘‘اس کے سر پہ محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اخلاق سے الوداعی مصافحہ کیا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

’’چلو جی!......گھر چلتے ہیں۔‘‘وکرم کے رخصت ہوتے ہی وہ اخلاق سے بولی اس کا اندازہ تھا کہ پاشا سے مشورہ لیتے ہی وکرم کا فون آجانا تھا۔

’’اتنی جلدی......ابھی تو آئے ہیں اور پھر میں نے چند ضروری کام بھی نبٹانے ہیں۔‘‘

’’پہلے مجھے گھر ڈراپ کر دو پھر جو مرضی آئے کرتے رہو۔‘‘وہ جھگڑالو بیویوں کے سے انداز میں بولی۔

’’چلیں سرکار۔‘‘وہ مسکراتا ہوا بولا۔چند دنوں میں ہی اس نے اخلاق کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

’’ویسے اس سے پہلے تو نے اپنے سوتیلے بھائی کا ذکر کبھی نہیں کیا؟‘‘

’’سوتیلا جو ٹھہرا......یوں بھی یہ چھ سات سال سے ملک سے باہر تھا۔‘‘

’’تو کیا وہاں اس سے رابطہ نہیں تھا۔‘‘

’’جب بھائیوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں نا؟ تو وہ اپنی سگی بہنوں کے نہیں رہتے یہ تو پھر سوتیلا ہے۔‘‘ابھی یہ الفاظ اس کے ہونٹوں پہ تھے کہ اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی یہ قیمتی سیٹ اسے اخلاق نے تحفے میں دیا تھا۔سکرین پر اسے ایک نیا نمبر چمکتا نظر آیا اندرونی مسرت پہ قابو پاتے ہوئے اس نے کال رسیو کی۔

’’پارو میں وکی بول رہا ہوں......‘‘اسے وکرم کی محتاط آواز سنائی دی۔

’’ہاں وکی بھائی خیریت؟‘‘

’’میں نے سوچا آپ کا نمبر چیک کر لوں اس بہانے میرا نمبر بھی آپ کے پاس آجائے گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے......شام کو آنا نہ بھولنا۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔‘‘کہہ کر وکرم نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اسے گیٹ پر اتارتے ہوئے اخلاق تو واپس مڑ گیا اور وہ گیٹ کو اندر سے بند کرتے ہوئے موبائل نکال کر بے صبری سے وکرم کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔اس کے ہیلو کرتے ہی وہ بولی۔

’’وکرم اب میں اکیلی ہوں۔‘‘

’’پارو جی یہ کیا چکر ہے میں تو سخت حیران ہوں؟‘‘

’’وکرم بھائی بھگوان کا شکر ہے کہ میں اس نرگ سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔‘‘

''مگر کیسے ......؟ یہی جاننے کے لیے تو میں بے چین ہوں بلکہ میں کیا مہاراج بھی سخت حیران ہیں۔'' جواباً وہ مختصر الفاظ میں اسے اپنی کہانی سنانے لگی۔

''ویری گڈ......'' اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ خوش کن لہجے میں بولا۔''اب کیا ارادہ ہے ؟''

''اب تو جو مہاراج کا حکم ہو گا آپ اس سے میری بابت پوچھ لیں یا پھر میں خود انھیں فون کر لیتی ہوں اس کا نمبر مجھے نوٹ کرادیں۔''

''ویسے آپ کی موجودہ جگہ کیسی ہے؟''

''چھپنے کے لیے بہت اعلیٰ جگہ ہے۔''

''تو فی الحال یہیں رہو مزید میں مہاراج سے پوچھ کر آپ کو بتلا دوں گا بلکہ خود ہی پوچھ لو میں آپ کو نمبر نوٹ کرا دیتا ہوں۔'' وہ اسے پاشا کا نمبر نوٹ کرانے لگا نمبر نوٹ کر کے وہ بولی۔

''مہاراج سے ملنے کو بہت من کر رہا ہے اس کا ایڈریس بھی نوٹ کرا دو تاکہ میں ابھی ان سے مل آؤں یا پھر یوں کرو شام کو انھیں بھی ساتھ لیتے آؤ۔''

''میرے پاس صرف فون نمبر ہے جو میں آپ کو لکھوا چکا ہوں باقی آپ خود ان سے معلوم کر لیں کہ اس بارے ان کی کیا رائے ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے ان سے میں خود بات کر لیتی ہوں۔'' وہ کال منقطع کرتی ہوئی پاشا کا نمبر ڈائل کرنے لگی......

☆......☆......☆

''ٹھیک ہے تم احتیاط سے اس آدمی کی نگرانی جاری رکھو، میرا خیال ہے ہم منزل کے قریب پہنچنے والے ہیں۔'' عاطف، الیاس کی ساری بات سنتے ہی جوش سے بولا۔

''شوکت اس کے تعاقب میں ہے سر۔''

پارعق کا نمبر تو نوٹ کر لیا تھا نا؟''

''جی سر! رش کی وجہ سے اس وقت میں ان کے قریب ہی تھا۔''

''او کے مجھے بھی یہ نمبر نوٹ کرادو۔'' اور نمبر نوٹ کرتے ہی عاطف اس سے رابطہ منقطع کر کے عرفان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''جی سر؟'' اسے عرفان کی آواز سنائی دی

''عرفان!...... یہ نمبر نوٹ کرو اور اس پہ آنے والی ساری کالیں ریکارڈ کرو۔''

''جی سر اور کچھ؟'' عرفان نمبر نوٹ کر کے مستفسر ہوا۔

''فی الحال نہیں لیکن ذہنی طور پہ تیار رہو کیونکہ پارعق نے آج اپنے ایک آدمی کو ڈھونڈ لیا ہے شاید جلد ہی کوئی ہلچل ہو؟''

"یہ نمبر اسی بندے کا ہے؟"

"نہیں......یہ پارتی کا نمبر ہے لیکن اس نمبر پہ لازماً اس آدمی کی کال آئے گی۔"

"ٹھیک ہے سر میں سمجھ گیا۔"

"اوکے! کوئی بھی اہم بات فی الفور مجھ تک پہنچانی ہے، اس دفعہ کوئی Mistake نہیں ہونی چاہیے۔"

"انشاءاللہ سر۔"

اس سے رابطہ منقطع کر کے وہ صدیقی صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"جی عاطف میاں ؟" صدیقی صاحب نے کال اٹینڈ کی۔ جواباً اس نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔

"گڈ اس کا مطلب ہے تمھاری تدبیر کامیاب رہی ؟"

"الحمدللہ سر۔"

"اور پولیس کے کیس کا کیا بنا؟"

"فی الحال تو حمید کے ذمہ لگا دیا ہے کہ وہ اس سارے معاملے کی چھان بین کر دے مگر میرا اندازہ یہی ہے کہ ہم" لکیر پیٹ رہے ہیں' سانپ کب کا نکل چکا ہے" وہ عمارت بھی کسی فرضی آدمی کی ملکیت نکلی۔"

"چلو اچھا کیا......اور حمید کو یہ بھی بتا دو کہ چند دن میں اگر کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے تو ٹھیک ہے ورنہ وہاں ٹائم ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ دشمن نے پولیس کو استعمال کرنا تھا سو کر لیا اب شاید وہ ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔ البتہ موجودہ معاملے کو تم خود ہینڈل کرو کیونکہ اس دفعہ اگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ان کا ہاتھ آنا شاید ممکن نہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے سر......اور کچھ؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں......بس مجھے اپ ڈیٹ رکھنا۔"

"اوکے سر۔"

اس نے رابطہ منقطع کیا اور حلیہ بدل کر اخلاق کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ اس ساری کارروائی کو ہینڈل کر سکے۔ اگر صدیقی صاحب اسے یہ نہ کہتا تب بھی اس نے یہی کرنا تھا کہ اس مرتبہ وہ ہلکا سا رسک بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

"اچھا ہو گیا، حقیقت میں شاید تجھے شادی کا موقع نہ ملتا چلو یوں ہی سہی۔" پارتی کی ساری کہانی سن کر پاشا ہنستا ہوا بولا۔ "ویسے بلونت کے بارے کوئی خیر خبر؟"

''دوران قید میری اس سے ملاقات ہوئی تھی، دوڑتے وقت میں اسے تلاش نہ کر سکی کہ میرے پاس نہ تو اتنا ٹائم تھا اور نہ ہی اتنی جرأت کہ میں وہاں دندناتی پھرتی۔''

''صحیح کہا۔''

''میری یہ حرکت آپ کو بری تو نہیں لگی؟''

''اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔تم اپنی جان بچا کر آ گئی ہو یہ ہی کافی ہے۔''

''مہاراج آپ سے ملنے کو بڑا من کر رہا ہے۔''

''تو آ جاؤ نا ......لیکن یہ خیال رہے کہ تمہارے پتی دیو کو نا گوار نہ ہو؟''

''مہاراج آپ بھی نا بس.........'' وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کے بولی۔''ویسے ابھی تک شادی کا صرف وعدہ ہی ہوا ہے اس لیے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''اچھا مذاق کے علاوہ ،حالات جب تک بہتر نہیں ہوتے تجھے وہیں رہنا پڑے گا۔''

''جیسے آپ کی اچھا مہاراج.....ویسے میری نظر میں تو آپ کے چرنوں سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''بس چند دن کی بات ہے پاروتی، بھگوان نے چاہا تو جلد ہی ہم اکٹھے ہوں گے۔''

''آپ سے ملنے کے لیے کب آ جاؤں؟''

''میں تو کہتا ہوں ابھی آ جاؤ ورنہ جب ٹائم ملے آ جانا۔''

''ٹھیک ہے میں کل آؤں گی ،ایڈریس کیا ہے؟'' اور پاشا اسے اپنا ایڈریس بتانے لگا

''مہاراج.....بہت دور ٹھکانہ بنایا ہے۔''

''کیا کریں پاروتی حالات ہی کچھ ایسے بن گئے کہ ہمیں چھپنے پہ مجبور ہونا پڑا.....بہر حال اس بات کا میں وہ بدلا لوں گا کہ ان کی نسلیں یاد کریں گی۔'' پاروتی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے لگی تھی کہ اسے گیٹ پہ گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ جلدی سے بولی......

''مہاراج!.....اخلاق واپس آ گیا ہے میں آپ سے بعد میں بات کروں گی۔''

''ہاں بھئی آخر تیرا مجازی خدا بننے والا ہے۔'' پاشا نے اس پہ چوٹ کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔وہ بھی چلتے ہوئے گیٹ کی سمت بڑھ گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

''سر!.....پاروتی سے ایک آدمی نے ابھی بات کی ہے، جسے وہ مہاراج کہہ کر مخاطب کر رہی تھی اس نے اپنا ایڈریس بھی پاروتی کو

نوٹ کرادیا ہے۔پاربتی کل اس سے ملنے جائے گی۔“

”ویری گڈ عرفان……یہی تو ان کا سرغنہ ہے،تم ایڈریس بتاؤ۔“عاطف کا لہجہ مسرت سے پر تھا۔

عرفان نے ایڈریس بتاتے ہوئے کہا۔”اس کا مطلب ہے کل پاربتی اور مہاراج کور رنگے ہاتھوں گرفتار کیا جائے گا؟“

”دماغ خراب ہے تمہارا“عاطف نے اسے جھڑکا۔”بیوقوف ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔میں آفس واپس آرہا ہوں تم تمام کو اکٹھا کرو اسی وقت اس کی سرکوبی کے لیے جانا ہے۔“

”اور اس وکرم نامی آدمی کا کیا کرنا ہے؟“

”شوکت اس کی نگرانی کررہا ہے راشد کو بھی اس کے پاس بھیج دو،ان سے کہنا ہم سے رابطے میں رہیں جیسے ہی ہم اپنی کارروائی شروع کریں ان کا بھی کام ہے کہ اسے گرفتار کرلیں۔“

”ٹھیک ہے سر میں ابھی انھیں پاس کردیتا ہوں۔“

”اوکے……میرے آنے تک تم سب تیار ہو جاؤ میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔“رابطہ منقطع کرکے اس نے پاربتی کے گھر کی نگرانی پہ متعین دونوں آدمیوں کو بھی آفس چلنے کا حکم دیا کہ پاربتی کا وہاں سے چلے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا اور خود بھی آفس روانہ ہوگیا۔

ایک گھنٹے میں تمام آفس میں اکٹھے ہوگئے تھے۔پندرہ منٹ کی مختصر بریفنگ کے بعد وہ پاشا کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگئے مطلوبہ جگہ پہ پہنچتے ہی عاطف انھیں ہدایات دینے لگا۔

”عرفان!……عمران اور سہیل کو ساتھ لے کر تم اس مکان کی عقبی سمت چلے جاؤ……حمید!……تم نے اور ذوالفقار نے مطلوبہ مکان کے دائیں طرف کے گھر میں گھسنا ہے اور ظفر!تم نے الیاس کے ساتھ بائیں طرف کے گھر میں گھسنا ہے اختر اور اشفاق میرے ساتھ سامنے سے جائیں گے۔کسی کا کوئی ڈاؤٹ۔“

”نو سر“تمام فرداً فرداً وائرلیس پہ بولے۔

”عرفان راشد اور شوکت کو بھی بتادو کہ ہم کارروائی شروع کررہے ہیں۔“

”اوکے سر۔“

”ٹھیک ہے تم اپنی گاڑی عقبی سمت میں لے جاؤ باقی تمام نے تو سامنے کی طرف سے ہی جانا ہے۔“

”آن لوکیشن سر۔“چند منٹ بعد ہی وائرلیس سیٹ پر عرفان کی آواز گونجی۔عاطف کا اشارہ ملتے ہی حمید اور ذوالفقار پاشا کے مکان کے دائیں گھر کی دیوار پھلانگ گئے جبکہ ظفر اور الیاس بائیں طرف کے مکان کی دیوار پھلانگ گئے وہ دروازے پہ دستک دے کر وقت ضائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے عاطف نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکان کے سامنے کی دیوار عبور کی،اگلے ہی لمحے وہ گھر کے

اندر تھے۔ وہ مکان دو کمروں اور ایک برآمدے پہ مشتمل تھا مکان کا چھوٹا سا صحن خالی پڑا تھا ان کے دیوار سے نیچے کودنے کی ہلکی سی دھپ سنائی دی جسے سن کر ایک آدمی نے باہر جھانکا اور انھیں دیکھتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی گئیں مگر یہ صرف ایک لمحے کے لیے تھا اگلے ہی لمحے اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

''اندر جو کوئی بھی ہے چپ چاپ ہاتھ سر پہ رکھ کے باہر آجائے۔'' دروازے سے سائیڈ پہ ہو کے عاطف با آواز بلند بولا۔ مگر کوئی سرگرمی نظر نہ آتی دیکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر زوردار لہجے میں بولا۔

''میں دس تک گنوں گا اگر کوئی باہر نہ آیا تو میں دروازے کو ہینڈ گرنیڈ سے اڑا دوں گا...... ایک...... دو......... '' وہ بلند آواز سے گننے لگا۔ وہ بمشکل پانچ تک ہی گن پایا تھا کہ اسے ایک آدمی کی غم و غصے میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''پاربتی!...... مجھے یہ امید نہیں تھی کہ تم غداری کرو گی...... تم...... تم نے اچھا نہیں کیا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گرو کی جان بیچ دی، اپنے وطن کی آن کو تو نے خاک میں ملا دیا، میں تجھے شراپ کرتا ہوں، میری آتما ضرور تم سے انتقام لے گی۔'' وہ فون پر پاربتی سے مخاطب تھا۔ اس کی باتیں سنتے ہی عاطف کو اپنی بیوقوفی کا احساس ہوا پاربتی کی نگرانی ختم کر کے اس نے نادانی کا ثبوت دیا تھا۔

''اتنی بھولی نہ بنو...... سی آئی میرے دروازے پہ دستک دے رہی ہے۔'' عاطف کے کانوں میں وہی آواز ایک مرتبہ پھر گونجی۔ دوسری جانب سے جانے کیا کہا گیا کہ عاطف کو اس کی دھاڑ سنائی دی......

''جھوٹ مت بولو''

عاطف نے اختر اور عامر کو دروازہ توڑنے کا اشارہ کیا اس کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ ان کی جذباتی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا۔

اختر اور عامر دروازے سے چند قدم پیچھے ہٹے اور پھر ایک ساتھ دوڑتے ہوئے انھوں نے اپنے کندھوں کی زوردار ضرب دروازے پہ لگائی اور دروازے کی کنڈی ایک ہی ضرب سے ٹوٹ گئی تھی وہ لڑکھڑاتے ہوئے اندر جا گرے۔ گولی چلنے کا زوردار دھماکا ہوا مگر زمین پر گرنے کی وجہ سے وہ دونوں کسی بھی نقصان سے محفوظ رہے تھے اس سے پہلے کہ ان پہ دوبارہ گولی چلائی جاتی ان کے ہاتھوں میں موجود پسٹل گرجے انھوں نے جان بوجھ کر دشمنوں کی ٹانگوں کو نشانہ بنایا۔ عاطف کے کانوں میں ایک آدمی کے چیخنے کی آواز آئی اور وہ جست لگا کر اندر داخل ہو گیا۔

''خبردار اگر کسی نے حرکت کی کوشش کی۔'' وہ دھاڑا۔ عامر اور اختر بھی اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ عاطف نے ایک سیکنڈ میں صورت حال کا جائزہ لے لیا، ایک بندے کو سر میں گولی لگی تھی وہ شاید اپنی جان بچانے کے لیے نیچے جھکا تھا۔ لیکن اس بدقسمتی اڑے آ گئی تھی کہ عامر یا اختر ان کو زندہ پکڑنے کے خیال سے ان کی ٹانگوں پر فائر کر چکے تھے اگر وہ کھڑا رہتا تو صرف زخمی ہوتا۔ دوسرا آدمی البتہ محفوظ رہا تھا، ہاتھ میں ریوالور تھامے وہ عجیب مخمصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

"تم ریوالور پھینک کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔" عاطف اس کے جانب پسٹل تانتے ہوئے بولا

اس نے خالی خالی نظروں سے اپنے ساتھی کی لاش کو دیکھا پھر عاطف اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا......

"اس ہار سے موت بہتر ہے ...... پاربتی الوداع۔"

اس کا ارادہ سمجھتے ہوئے عاطف نے بے اختیار طاق رکھتے ہوئے اس کے جانب چھلانگ لگائی مگر اسے دیر ہو گئی تھی وہ کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا کر فائر کر چکا تھا۔ اسی وقت اسے کمرے کے باہر سے عرفان کی آواز سنائی دی۔

"سب خیریت ہے نا سر؟"

"ہاں خیریت ہے اندر آ جاؤ۔" عاطف کی بجائے عامر بولا عمران اور عرفان اندر داخل ہوئے۔

"کیا رہا؟" عمران مستفسر ہوا۔

"یہی دونوں تھے...... اپنے بھگوان کے پاس پہنچ گئے ہیں...... اب شاید اگلے جنم میں ہی ہمارے ہاتھ آئیں۔" عامر مزاحیہ لہجے میں بولا۔ اس کی بات سن کر عاطف کے علاوہ تمام ہنس پڑے تھے۔

عاطف بولا "عرفان! شوکت سے پتا کرو ان کے مشن کا کیا ہوا؟"

"جی سر" کہتے ہوئے عرفان شوکت سے رابطہ کرنے لگا۔

"شوکت کیا رہا؟"

اسے شوکت کی پر جوش آواز سنائی دی۔ "ہم کامیاب رہے عرفان بھائی۔

"گڈ ہو گیا...... اسے لے کر گیسٹ روم پہنچو ہم آ رہے ہیں۔"

"اسے کہو ایک آدمی پاربتی کی نگرانی کے لیے بھی چلا جائے" عاطف کا یہ حکم عرفان شوکت کو بتانے لگا۔

عمران نے پوچھا "ان لاشوں کا کیا کرنا ہے؟"

"پولیس خود اٹھا لے گی...... تم دونوں کمروں کی تلاشی لو اور عامر تم باقی تمام کو پاس کر دو کہ آفس پہنچ جائیں۔" یہ کہہ کر وہ خود بھی باہر کی طرف چل پڑا اس رعنا کی خودکشی اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اختر اس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے بولا۔

"سر پاربتی کے کانوں کے زیور میں تو انڈیکیٹر فٹ ہے نا؟ وہ کہاں چھپ سکتی ہے۔"

"برخوردار! پہلی بات تو یہ ہے کہ تیرے ایک ہم جنس اخلاق صاحب کی مہربانی سے پاربتی کی جان اس انڈیکیٹر سے چھوٹ چکی ہے کیونکہ اس کے کانوں میں آجکل اخلاق صاحب کے دیئے ہوئے جھمکے ہیں اور دوسری بات یہ کہ مجھے پاربتی کی نہیں بلکہ اس کے مہاراج

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی موت کی پریشانی ہے اگر یہ زندہ ہاتھ آ جاتا تو کم از کم ان کے باقی ماندہ کارندے تو گرفتار ہو جاتے۔"

عرفان نے کہا" سر! ہو سکتا ہے جس بندے کو شوکت پارٹی نے گرفتار کیا ہے اس سے ہمیں اس بارے کچھ معلومات حاصل ہو جائیں؟"

"شاید......؟" عاطف کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا......اتنی زیادہ محنت کے بعد یہ ناکامی اسے برداشت نہیں ہو رہی تھی اسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ خودکشی کرلے گا تو وہ پہلے سے اس کا کچھ نا کچھ بندوبست ضرور کرتا، اور اب اس کی آخری امید وکرم نامی آدمی تھا۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ عرفان سے بولا" ان دونوں کی لاشیں بھی اٹھوالو......بلونت سے ان کے سرغنہ کی موت کی تصدیق ہی کرلیں گے کہیں اصل سرغنہ کوئی اور نہ ہو؟۔" عرفان جو اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔" جی سر" کہتے ہوئے نیچے اتر گیا اور اس نے بے دلی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

موبائل کی گھنٹی بجتے ہی پاربتی نے موبائل سکرین پہ نظر ڈالی اسے سکرین پہ "P" چمکتا نظر آیا اس کا مطلب تھا کہ وہ کال پاشا کی جانب سے تھی وہ اس وقت خلاق کے ساتھ ایک ہی صوفے پہ بیٹھی ٹی وی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس کا ارادہ کال منقطع کرنے کا ہوا مگر پھر یہ سوچ کر کہ یہ بات اخلاق کو شک میں ڈال دیتی اس نے موبائل کان کے ساتھ لگا لیا دوسرے جانب سے پاشا کے الفاظ سنتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔

"ک......کک......کیا ہو گیا مہاراج ؟"

"اتنی بھولی نہ بنو......سی آئی میرے دروازے پہ دستک دے رہی ہے۔" اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پاشا ایجنسی کے قابو میں آ سکتا ہے۔ وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"مم مہاراج بھگوان کی سوگندھ کہ مجھے کچھ بھی خبر ہو......اگر یہ سب کچھ ہوا بھی ہے تو میری بے خبری میں ہوا ہے۔ مم میں بے قصور ہوں مہاراج میں مر تو سکتی ہوں آپ کو دھوکہ دینے کا خیال ذہن میں نہیں لا سکتی۔ رام قسم مہاراج میں نے مخبری نہیں کی آپ میرا یقین کریں میں غدار نہیں ہوں۔"

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔"

"مہاراج میرا یقین کریں۔" وہ زور زور سے رونے لگی پھر اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے دروازے کو ٹکر ماری ہو اس کے ساتھ گولی کا دھماکا ہوا، اس سے متصل دو اور دھماکے ہوئے اور اس کے کانوں میں ایک زوردار چیخ کی آواز آئی جو اس کے اندازے کے مطابق چندر پال کی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''مہاراج..... مہاراج..... کیا ہو رہا ہے.....؟ ہائے رام بھلی کر.....''

''تم ریوالور پھینک کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔'' یہ آواز وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی یہ اسی خوبرو جوان کی آواز تھی جس نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی۔

''اس ہار سے موت بہتر ہے ..... پاربتی الوداع۔'' اس کے کانوں میں پاشا کی مایوسی بھری آواز آئی۔

''نہیں مہاراج ..... بھگوان کے لیے ایسا مت کرو۔'' مگر اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے اسے ایک زوردار دھما کا سنائی دیا۔ پاربتی کا ذہن ماؤف سا ہو گیا تھا۔ موبائل سے اب بھی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی دور سے بولا تھا۔

'سب خیریت ہے نا سر؟''

''ہاں خیریت ہے اندر آ جاؤ۔'' ایک دوسری آواز سنائی دی

''کیا رہا؟''

''یہی دونوں تھے..... اپنے بھگوان کے پاس پہنچ گئے ہیں..... اب شاید اگلے جنم میں ہی ہمارے ہاتھ آئیں۔''

''عرفان!..... شوکت سے پتا کرو ان کے مشن کا کیا ہوا؟''

''جی سر۔'' کہہ کر وہی آدمی کسی سے فون پہ مستفسر ہوا ''شوکت کیا رہا؟'' اور دوسرے جانب کا جواب سن کر بولا۔

''گڈ ہو گیا..... اسے لے کر گیسٹ روم پہنچو ہم آ رہے ہیں۔''

''اسے کہو ایک آدمی پاربتی کی نگرانی کے لیے بھی چلا جائے۔'' یہ آواز اسے ہوش کی دنیا میں لے آئی موبائل آف کرتے ہوئے اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ اخلاق اس کی طرف متوجہ تھا اس کے چہرے پہ دنیا جہان کی حیرانی چھائی ہوئی تھی۔ اسے کال منقطع کرتے دیکھ کر وہ مستفسر ہوا۔

''شائلہ کیا بات..... کس سے بات کر رہی ہو..... خیر تو ہے؟''

''آں..... ہاں..... ہاں۔'' وہ چونک گئی تھی۔

''شائلہ..... کون ہے یہ مہاراج..... تمھاری گفتگو مجھے بڑی عجیب لگ رہی تھی۔''

''مسٹر اخلاق!..... آپ کا بڑا شکریہ کہ آپ نے مجھے اتنے دن ٹھکانہ مہیا کیا..... اب آپ سے بچھڑنے کا ٹائم آ گیا ہے میرے بارے تمھیں تمھارے ہم وطن آ کر بتا دیں گے۔'' یہ کہتے ہی اس نے پاؤں میں چپل پہنتے ہوئے باہر کا رخ کیا اس کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ وہ اخلاق کی غلط فہمی دور کرتی رہتی۔

''شائلہ..... شائلہ۔'' اخلاق نے وحشت بھرے لہجے میں پکارا مگر وہ سنی ان سنی کر کے دوڑتی چلی گئی زندگی بچانے کی جلت اس

کے اندر پوری شدت سے ابھر آئی تھی۔ پاشا کی موت کا صدمہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ وہ اپنے دفاع سے غافل ہو جاتی۔ یہ خبر تو اس کے لیے خوشی کا باعث بنی تھی کہ اس وقت کوئی بھی اس کی نگرانی پہ متعین نہیں تھا اور وہ اس کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس کا تیز طرار دماغ سرعت سے اس نتیجے پہ پہنچ چکا تھا کہ وہ غفلت اور نادانی میں سی آئی کے ہاتھوں استعمال ہوتی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے چنگل سے نکل پائی تھی۔

وہ دوڑتے ہوئے بیرونی گیٹ تک آئی اور گیٹ سے باہر آتے ہی تیز تیز قدموں سے چلنے لگی وہ جلد از جلد وہاں سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ اخلاق اسے آوازیں دیتا ہوا صحن تک اس کے پیچھے آیا اس کے گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس کے ذہن میں جانے کیا آیا کہ وہ بھی گاڑی میں بیٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا وہ اسے ایک جانب تیز تیز قدموں سے جاتی دکھائی دی۔ گاڑی اس کے قریب لے جا کے وہ بولا۔

"شائلہ...... بیٹھو کہاں جانا ہے میں چھوڑ آتا ہوں۔" اس کا التجائیہ لہجہ سن کر وہ کار کے قریب ہو کر بولی۔

"پلیز اخلاق تم چلے جاؤ تمھاری بہتری اسی میں ہے...... مجھے ایک سپنا سمجھ کے بھلا دینا۔"

"شائلہ!...... گاڑی میں تم یہاں سے جلد نکل سکتی ہو...... اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں کہو گی وہاں تمھیں چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا مجھے پتا ہے کہ تمھارا تعلق کسی مجرم تنظیم سے ہے، تمھارا نام بھی شائلہ نہیں ہے مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آخری دفعہ تمھارے کام آنا چاہتا ہوں، پلیز بیٹھ جاؤ دیر ہو رہی ہے یہ نہ ہو تمھارے دشمن یہاں پہنچ جائیں۔"

پارمتی ایک لمحے کے لیے جھجکی اور پھر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"شکریہ...... کہاں جانا ہے؟" وہ ممنون لہجے میں مستفسر ہوا۔

"بس یہاں سے نکلو۔" وہ مختصراً بولی اور اخلاق نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی کار میں خاموشی چھائی رہی دونوں سوچوں میں گم تھے کچھ دور آنے کے بعد وہ خاموشی توڑتے ہوئے بولی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بس یہیں اتار دو۔"

گاڑی روک کر اخلاق نے اپنی جیب سے پرس نکالا اور اس میں موجود ساری رقم نکال کر پارمتی کی طرف بڑھا دی۔

"یہ رکھ لو کام آئیں گے اگر مزید پیسوں کی ضرورت پڑے تو میرا فون نمبر آپ کے پاس ہے کال کر لینا جہاں کہو گی رقم پہنچا دوں گا۔ اس کے علاوہ بھی میری کسی قسم کی مدد درکار ہو مجھے ہر دم تیار پاؤ گی، باقی یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تیرا میرا ملاپ ناممکن ہے مگر پھر بھی ہمیشہ مجھے منتظر پاؤ گی ہمیشہ......" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

پارمتی کے پاس ان جذباتی باتوں کا وقت نہیں تھا وہ جلد از جلد اس سے اور ہر اس چیز سے جس کی مدد سے سی آئی اسے تلاش کر سکتی تھی، دور جانا چاہتی تھی مگر اخلاق کی محبت دیکھتے ہوئے اس نے تسلی کے دو الفاظ بولنے ضروری سمجھے۔

"اخلاق صاحب! کاش میں تیری تمام خواہشات کو پورا کر سکتی ...... مجھے مجبور سمجھتے ہوئے معاف کر دینا۔ اپنا خیال رکھنا ...... زندگی نے مہلت دی تو میں ایک دفعہ ضرور تمھاری مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے آؤں گی ...... اور ہاں اگر کوئی سرکاری آدمی میرے بارے تفتیش کرتا ہوا آئے تو جو تمھیں میرے بارے معلوم ہے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دینا کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں اسی میں تمھاری بہتری ہے ...... گڈ بائی۔" اس کے ہاتھ سے رقم لے کر اس نے اس کی ہتھیلی پر ایک بوسہ دیا اور گاڑی سے نیچے اتر گئی۔ جلد ہی وہ بازار کی بھیڑ میں گم ہو گئی تھی۔ جب تک وہ نظر آتی رہی اخلاق وہیں گاڑی روکے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی زندگی میں ایک خواب کی صورت داخل ہوئی تھی اور خواب تو ہوتا ہی ٹوٹنے کے لیے ہے۔

☆......☆......☆

وکرم کے سے حاصل کی گئی معلومات کی روشنی میں عاطف نے مختلف مقامات پر چھاپے مار کر درجن بھر آدمی گرفتار کر لیے تھے۔ یہ بات اس کے لیے حد درجہ خوشی کا باعث بنی کہ پاشا کے تمام احکام وکرم کے واسطے سے ہی ان کے ماتحتوں تک پہنچتے تھے اس لیے وکرم کے پاس تمام آدمیوں کے ایڈریس موجود تھے۔ پاشا کی لاش کو بھی وکرم اور بلونت نے شناخت کر لیا تھا۔ پاربتی البتہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور اس میں سراسر اس کا اپنا قصور تھا اگر وہ ایک آدمی بھی اس کی نگرانی پہ مامور رکھتا تو وہ کبھی بھی بھاگ نہ سکتی۔

اس وقت وہ صدیقی صاحب کے آفس میں بیٹھا اسے تمام تفصیل بتا رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں عاطف میاں ...... وہ زیادہ دن چھپی نہیں رہ سکتی۔ اتنی بڑی کامیابی کے بعد چھوٹی موٹی ناکامیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے ...... اس لیے اسے نظر انداز کرتے ہوئے تم بابر سلیم کے بارے کچھ سوچو کہ اس کا کیا کریں؟"

"دو بندے اس کی نگرانی کر رہے ہیں کل تک اسے اغواء کر لیں گے۔"

"یہ فیصلہ تو آپ لوگ بہت پہلے کر چکے ہو کہ اسے اغوا کرنا ہے ...... بلکہ مجھے تو آپ نے بتایا تھا کہ اسے بلیک میل کرتے ہوئے اپنے پاس بلانا ہے۔"

"جی سر! ...... ارادہ تو کچھ ایسا ہی تھا مگر بیچ کے چند دن پاشا گروپ کی سرگرمیوں کی نظر ہو گئے ہیں اب دوبارہ سے اس کی نگرانی شروع کرائی ہے، بس آج کا دن ہے اس کے پاس کل انشاءاللہ وہ گیسٹ روم میں ہوگا۔"

"اوکے ...... وش یو گڈ لک، بدرالدین صاحب کو میں تمام کارگزاری سنا دیتا ہوں آپ اپنا کام جاری رکھیں۔"

وہ "جی سر" کہتا ہوا صدیقی صاحب کے آفس سے نکل آیا۔ اس کے آفس میں عرفان اور عمران اس کے منتظر بیٹھے تھے صدیقی صاحب کے پاس جانے سے پہلے اس نے انھیں مشورے کے لیے بلایا تھا۔

"اسلام علیکم۔" وہ اپنے آفس میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

''وعلیکم السلام سر'' وہ دونوں اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''سوری یار...... مجھے کچھ دیر ہو گئی۔''

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کوئی بات نہیں سر۔''

''اچھا آپ لوگوں کو بلایا اس مقصد سے ہے کہ بابر سلیم کے بارے کچھ سوچا جائے ...... اس کا مسئلہ کافی دنوں سے لٹک رہا ہے میرا خیال ہے کل اس سے بھی نپٹ لیا جائے؟ شوکت اور حمید کو میں نے اس کی نگرانی کے لیے بھجوا دیا ہے ویسے اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی کہ یہ نگرانی تو ہم پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔ پھر بھی اس پہ ہاتھ ڈالنے سے پہلے میں نے مناسب سمجھا کہ ایک مرتبہ پھر اس کے معمولات کا جائزہ لے لیا جائے۔''

''ہم دونوں بھی اسی موضوع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔''

''تو پھر کیا فیصلہ کیا؟''

''سر!...... ہمارا تو خیال ہے کہ لمبے بکھیڑے میں پڑنے کی بجائے اسے فون کر کے یہ دھمکی دے دیتے ہیں کہ وہ اتنی رقم لے کر اکیلا فلاں مقام پہ آ جائے اور ہم بلیک میل کرنے والا سارا مواد اس کے حوالے کر دیں گے۔''

''اس سلسلے میں پاشا گروپ کا طریقہ ذرا مختلف تھا...... اغوا برائے تاوان میں تو وہ مغوی کے اقرباء سے فون پر بات کر لیتے تھے ، ایسے کیسز میں وہ فون کی بجائے اپنا آدمی یا کوئی رقعہ چٹھی بھیج کر اپنا مطالبہ مطلوبہ فرد تک پہنچاتے تھے۔ اور ادائیگی کے طریقہ میں بھی مطلوبہ فرد کی مرضی ہوتی تھی کہ وہ جس طرح چاہے ان کا مطالبہ پورا کرے۔ یہ نیا طریقہ اسے شک میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔ اگر اس نے اس ضمن میں کسی کو اپنا راز دار بنا لیا تو اس ساری جدوجہد کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔''

عرفان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا'' کیوں نہ ہم نئے گاہک بن کر اس سے معاملہ طے کریں اس بہانے ہم اسے کسی بھی جگہ بلانے سے اس کی نظر میں مشکوک بھی نہیں ٹھہریں گے۔''

''نہیں ...... دولت کے لیے وہ کبھی بھی یہ کام نہیں کرے گا ...... اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تب بھی وہ ہم پہ اعتبار کیوں کرنے لگا؟''

''ہم پاشا گروپ کے واسطے سے بات کر لیں گے۔'' عرفان اپنی بات پہ بضد تھا۔

''نہیں اس طرح معاملہ اور بھی الجھ جائے گا۔ وہ سمجھے گا کہ اب اس کا راز فاش ہو گیا ہے ہو سکتا ہے انتہائی اقدام کے طور پر ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرے یا اپنے تعلقات کے بل پر اکڑ جائے۔ اور یہ تو آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ پاکستان میں برسر اقتدار طبقہ قانون کو کیسے پامال کر رہا ہے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اگر ایسی بات تھی تو پاشا گروپ نے اسے کیسے استعمال کیا؟''

''پاشا گروپ نے دولت نہیں بلکہ پاربتی جیسی حسین لڑکی کو استعمال کیا تھا۔ بابر سلیم ...... قانون سے زیادہ اپنی حیا سوز وڈیوز اور تصاویر سے گھبرا گیا تھا؟''

''چلو ہم بھی اسی پرانے مواد کو استعمال کر لیتے ہیں۔'' عرفان اس سے متفق ہو گیا۔

''یہی تو میں تمھیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ اس جگہ نئی پارٹی کا طریقہ کام نہیں آئے گا۔''

''سر!...... کیوں نہ جو بندے گرفتار کیے ہیں ان میں سے، اس بندے کو استعمال کریں جو حقیقت میں بلیک میلنگ وغیرہ کرتا رہا ہو۔'' کافی دیر سے خاموش بیٹھے عمران نے گفتگو میں شرکت کی۔

ایک لمحہ سوچ کر عاطف اس کے مشورے کو مسترد کر دیا۔ ''نہیں یہ ٹھیک نہیں اس طرح اسے آزاد کرنے کا رسک لینا پڑے گا اور ایسی صورت میں وہ لازماً فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ خواہ مخواہ کی ٹینشن ...... البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ پھر ان سے طریقہ کار سمجھ لو تا کہ بابر سلیم کو طریقہ کار بدلنے سے شک نہ ہو جائے اور اس کام کے لیے آدمی اپنا جائے گا بلکہ تم دونوں ہی جاؤ گے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' عمران بولا اور وہ عاطف سے اجازت لے کے جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

☆......☆......☆

اخلاق کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی پاربتی نے ٹیکسی پکڑی اور وہاں سے دور نکل آئی۔ سب سے پہلے تو اس نے مارکیٹ جا کر اپنے لیے نقاب خریدا۔ سابقہ تجربے کی بدولت اسے پتا تھا کہ سی آئی کے آدمی نقاب پوش خواتین کی حرکات پر زیادہ غور کریں گے خصوصاً اکیلی نقاب پوش خواتین پر تو وہ خصوصی توجہ دیتے، مگر اس کے علاوہ جلدی میں وہ اور کچھ نہ سوچ سکی۔ اس کا ارادہ مستقلاً حلیہ بدلنے کا تھا لیکن یہ کام وہ کوئی ٹھکانہ ڈھونڈنے کے بعد ہی کر سکتی تھی۔ پہلے تو اس نے کسی ہوٹل میں کمرہ لینے کا سوچا مگر اس کے لیے اسے نقاب اتارنی پڑتی ورنہ اس حالت میں وہ سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی جو وہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں کراچی کو عارضی طور پہ چھوڑنے کا خیال آیا کہ یہی ایک ایسی صورت تھی جس میں وہ سی آئی کی نظروں سے اوجھل رہ سکتی تھی گو وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ سی آئی کے آدمی ہر بڑے شہر میں موجود ہیں اور اسے اس کا بھی اندازہ تھا کہ ان کے پاس پاربتی کی تصویر اور ضروری کوائف بھی بھیج دیے گئے ہوں گے لیکن ضروری نہیں کہ وہ بڑے شہر میں ہی جاتی۔ وہ کسی گاؤں دیہات میں چھپ کر بھی وقت گزار سکتی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس نے انڈیا واپس جانے کا سوچا مگر اس طرح اسے دوبارہ ''را'' کے لیے کام کرنا پڑتا اور اپنی ڈیوٹی اسے معلوم تھی۔ عیاش پرست جنسی مریض، حرص و شہوت کے پتلے ان پاپیوں کو لبھاتے لبھاتے وہ تھک پڑ گئی تھی اور اب کسی ایک کا ہو جانا چاہتی تھی اس کے لیے اسماعیل شاہ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا وہ پہلا مرد تھا جس کے لیے اس کے دل میں لطیف جذبات جاگے تھے وہ اس کے خوابوں کا مرکز تھا۔ وہ کوئی باعصمت دوشیزہ نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی لیکن اب وہ اپنے شاہ جی کے لیے سب کاموں ترک کرنے کا عہد کر چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دوران ٹریننگ کس طرح اس کی معصومیت کو قتل کر دیا جانا تھا مگر اس کے باوجود وہ اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے جانے کی تاریخ پاربتی کے دل پہ لکھی ہوئی تھی پندرہ ماہ کا وقت کافی طویل تھا لیکن جس طرح چند ماہ گزرنے کا پتا نہیں چلا تھا اسی طرح باقی وقت نے بھی گزر جانا تھا۔ اس کی واپسی کے وقت وہ کراچی واپس آجاتی اسے ڈھونڈنا اس صورت میں اتنا آسان کام نہیں تھا کہ اسے سی آئی کے ساتھ اپنے آدمیوں سے بھی بچنا پڑتا۔ البتہ یہ امید تھی کہ اتنے عرصے بعد سی آئی والے اسے بھلا چکے ہوں گے یا کم از کم اس کی تلاش ترک کر چکے ہوں گے۔ اور اسماعیل کو وہ اس کے دشمن فاضل خان کے قرب وجوار میں ڈھونڈ سکتی تھی کہ اس نے لازماً سب سے پہلے فاضل خان کو ہی ٹھکانے لگانا تھا۔

وہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ ریلوے اسٹیشن پہنچی، کیونکہ جتنی دیر ہوتی جاتی اس کے لیے خطرہ بڑھتا جاتا۔ اس کی خوش قسمتی کہ جب وہ اسٹیشن پہنچی کراچی سے راولپنڈی جانے والی گاڑی کی آمد میں چند منٹ رہ گئے تھے اکانومی کلاس کا ٹکٹ لے کے وہ گاڑی کا انتظار کرنے والی چند خواتین کے ہمراہ بنچ پر بیٹھ گئی۔ ایسے کہ کوئی بھی دیکھنے والا اسے ان خواتین کی ساتھی سمجھتا۔ اس نے راولپنڈی کا ٹکٹ لیا تھا مگر اس کا ارادہ راستے میں آنے والے کسی بھی مناسب مقام پہ اتر جانے کا تھا۔ گاڑی کے اسٹیشن پر آتے ہی کافی ہلچل مچ گئی تھی۔ نقاب پوش خواتین کی بھی کافی بڑی تعداد نظر آرہی تھی جو اس کے لیے تسلی کا باعث بنی۔ مطلوبہ ڈبے میں سوار ہوتے وقت بھی اس نے اس بات کا خیال رکھا کہ وہ کسی بھی نگرانی کرنے والے کو اکیلی نہ لگے۔ اپنی نشست پہ بیٹھ کے وہ گاڑی چلنے کا انتظار کرنے لگی۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ رہائش اور رقم کا حصول تھا۔ اخلاق نے جو رقم اس کے حوالے کی تھی وہ اتنی نہیں تھی کہ زیادہ عرصہ تک اس کا ساتھ دے سکتی۔ اس رقم کے علاوہ اس کے پاس موبائل اور کانوں میں پڑے ہوئے سونے کے جھمکے ایسی چیز تھے جنھیں بیچ کر رقم حاصل کی جا سکتی تھی۔ مگر اس نے اس مسئلے پہ زیادہ دیر سر کھپانا بہتر نہ جانا کہ پہلے تو سی آئی سے جان بچانے کا مرحلہ تھا بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا۔

ایک لمبی سیٹی لگنے کے بعد گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی اور تھوڑی دیر میں ہی گاڑی نے سپیڈ پکڑ لی۔ اس ڈبے میں مردوں سے زیادہ خواتین نظر آرہی تھیں، اس کے ساتھ بھی دو عمر رسیدہ خواتین اور ایک نوجوان لڑکی براجمان تھی۔ جبکہ سامنے کی نشست پہ ان کے خاندان کے مرد بیٹھے تھے۔ پاربتی نے خاموشی سے آنکھیں بند کر کے اپنی نشست سے ٹیک لگا لی کہ وہ ان سے از خود بات چیت کی ابتدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''یس بابر سلیم سپیکنگ۔'' عرفان کے کانوں میں ایک کرخت آواز گونجی۔

''مسٹر بابر سلیم!...... میں بات کر رہا ہوں۔'' وہ نارمل لہجے میں بولا۔

''میں کون...... نام بتاؤ؟''

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نام کو چھوڑو...... کام کی بات سنو۔ آج تو نے آفس سے ایک گھنٹا پہلے چھٹی کرنی ہے اور گاڑی خود ڈرائیو کرتے ہوئے ساحل سمندر کی طرف آنا ہے۔ راستے میں ہمارے دو ساتھی ملیں گے جن میں ایک کے ہاتھ میں کالے رنگ کا بریف کیس ہوگا۔ اس بریف کیس میں وہ سارا مواد موجود ہے جس کی تجھے اشد ضرورت ہے۔ تو نے انھیں 15 لاکھ کا ایک چیک لکھ کر دینا ہے جسے لے کر ایک آدمی نیچے اتر جائے گا اور چیک کیش کرا کے اپنے ساتھی کو فون پہ مطلع کر دے گا اور دوسرا بندہ بریف کیس گاڑی میں چھوڑتے ہوئے نیچے اتر جائے گا...... تمھارے کے لیے اچھی خبر یہ ہے کہ یہ آخری قسط ہے اس کے بعد ہم ہمیشہ کے لیے تجھے بھول جائیں گے۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی آواز آئی۔"میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ آخری مرتبہ ہے۔"

"تمھیں کیسے یقین آئے گا ؟"

"پچھلی مرتبہ بھی تم نے یہی کہا تھا کہ یہ آخری مرتبہ ہے۔"

"غلط...... پچھلی مرتبہ فون پہ بات نہیں ہوئی تھی اور ہم نے جو رقعہ تمھیں بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ ہم کوشش کریں گے کہ یہ آخری مرتبہ ہو۔ جبکہ اب ہم حتمی طور پر وعدہ کر رہے ہیں کہ یہ آخری مرتبہ ہے...... ویسے تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے کراچی سے شفٹ ہو رہے ہیں اور ہمیں رقم کی اشد ضرورت ہے اس لیے تجھے زحمت دی ہے۔"

"مگر پندرہ لاکھ کی رقم زیادہ ہے، میں پہلے بھی کافی رقم ادا کر چکا ہوں اور اس کے ساتھ.........." اس کی بات نامکمل ہونے کے باوجود مکمل تھی۔

"ہمیں اس کا اقرار ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کبھی تمھارے کسی مخالف سے ڈیل نہیں کی ورنہ...... تمھیں پتا ہے اس کے لیے یہ مواد کس قدر اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔ باقی جہاں تک رقم کا تعلق ہے تو میرے خیال میں تمھارے نزدیک پندرہ لاکھ کی کوئی حیثیت نہیں جبکہ میں یہ وعدہ بھی کر رہا ہوں کہ یہ آخری مرتبہ ہے۔"

"مجھے تمھارے وعدے پہ اعتبار نہیں کوئی ایسی ضمانت دو جو میرے لیے قابل قبول ہو۔"

"چلو ٹھیک ہے ملاقات ہونے پہ اگر ہمارا آدمی آپ کو قائل نہ کر سکا تو آپ رقم کی ادائیگی نہ کرنا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب واضح ہے...... تم انکار کر دینا۔"

"وہ پھر وہی پرانی دھمکی دہرائے گا۔"

"نہیں اب دھمکی نہیں دے گا تمھارے پچھلے تعاون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا البتہ وہ مواد تمھارے حوالے نہیں کیا جائے گا۔"

"چلو! ایک بار پھر آزما لیتے ہیں...... آپ اپنا آدمی یہیں میرے آفس بھیج دیں میں اسے چیک دے دیتا ہوں اس لیے

بکھیڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے؟‘‘

’’ضرورت ہے تو آپ کو بلایا ہے نا؟‘‘ عرفان نے پلان فیل ہوتا دیکھ کر بات بدل لی۔’’ورنہ پہلے کبھی زحمت دی ہے آپ کو؟‘‘

’’کھل کر بات کرو مسٹر کیا ضرورت ہے؟‘‘

’’یہ ڈیل ختم کر کے ایک نئی آفر تمھاری منتظر ہے اور اس مرتبہ بلیک میلنگ کا کھاتا نہیں ہے تمھاری مرضی کا سودا ہوگا اور یاد رکھنا اگر ڈیل ہو گئی تو تمھاری پانچوں گھی اور سر کڑاہی میں ہوگا۔‘‘

’’مثلاً؟‘‘ وہ اشتیاق سے مستفسر ہوا۔

’’یہ فون پہ بتانے والی بات نہیں ہے۔‘‘

’’یہ علم تو آپ کو ہوگا ہی کہ مجھے دولت کی کوئی لالچ نہیں ہے؟‘‘

’’ہاں.....مگر یہ آفر ایسی نہیں جسے ٹھکرایا جا سکے؟‘‘ اس نے سسپنس پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

’’کچھ اشارہ ہی دے دو؟‘‘

’’مثلاً مس یونیورس بھی تمھاری خدمت کے لیے بھیجی جا سکتی ہے۔بولی وڈ کی سپر سٹارز بھی تمھارے بیڈروم کی زیارت کو قابل فخر جانیں گی۔اور.........اور باقی ملاقات کے لیے بھی کچھ تفصیل رہنے دو۔‘‘

’’آپ کے بندے مجھے کہاں ملیں گے؟‘‘

’’آفس سے نکل کر اپنے گھر کے جانب آنے والی سڑک پہ سیدھے چلتے آؤ راستے میں ہمارے آدمی مل جائیں گے وہ تمھاری گاڑی کا ماڈل،نمبر وغیرہ جانتے ہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں ایک بجے اپنے آفس سے نکلوں گا اس وقت تک کے لیے گڈ بائی۔‘‘

’’اوکے.....گڈ بائی۔‘‘ کہتے ہوئے عرفان نے بھی فون بند کر دیا۔

’’سر کیسا رہا؟‘‘ اس وقت وہ عاطف کے آفس میں اکٹھے تھے پاشا گروپ سے بابر سلیم سے ڈیلنگ کے تمام طریقہ کار کے بارے وہ تفصیل سے پوچھ گچھ کر چکے تھے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے عاطف نے عرفان کو بابر سلیم سے بات چیت کی ذمہ داری سونپی تھی۔

’’گڈ.....بہت اچھا.....اب گیارہ بجنے والے ہیں ہمارے پاس ایک گھنٹا ہے اس دوران اپنی تیاریوں پہ نظر ثانی کرلو کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔‘‘

’’انشاء اللہ نہیں ہوگی سر۔‘‘ کہہ کر اس کے سامنے بیٹھے تمام افراد دفتر سے نکلتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاربتی کبھی کراچی سے باہر نہیں نکلی تھی اسے علم نہیں تھا کہ ٹرین کن راستوں سے جائے گی۔اس نے راولپنڈی کا ٹکٹ لیا تھا اب راستے میں وہ کسی بھی جگہ اتر سکتی تھی۔ گھنٹے ڈیڑھ کے سفر کے بعد اسے اطمینان ہو گیا کہ اب وہ محفوظ ہے۔اس اطمینان کے ساتھ بہت سے مسائل بھی منہ کھولے اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے سب سے پہلے تو اسے یہ تعین کرنا تھا کہ وہ کہاں اترے جبکہ کراچی کے علاوہ وہ پاکستان کے کسی شہر سے بھی واقف نہیں تھی چند بڑے شہروں کے نام تو اسے یاد تھے مگر انھیں دیکھنے کا اتفاق اسے نقشے پہ بھی نہیں ہوا تھا۔اس کا ارادہ کسی غیر اہم مقام پہ اترنے کا تھا جہاں خفیہ ایجنسی کا کوئی نیٹ ورک کام نہ کر رہا ہوتا۔اس احتیاط سے اس کے پکڑے جانے کا خدشہ تو کم ہو جاتا البتہ غیر اہم مقامات پہ سر چھپانے کے لیے کسی جگہ کا ڈھونڈنا کافی دشوار اور مشکل تھا اس نے تقریباً سال بھر کا عرصہ چھپ کر گزارنا تھا اور اس کے لیے اسے رقم درکار تھی۔ یوں تو رقم کا حصول اس کے لیے نہایت آسان تھا لیکن اس نے عہد کر لیا تھا کہ اسماعیل شاہ کے علاوہ اب کوئی اس کی تنہائی کا ساتھی نہیں بنے گا۔

ٹرین کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ بھانت بھانت کی بولیاں اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں زبان کے معاملے میں وہ صرف اردو سے واقف تھی، کبھی کبھار اس کے منہ سے ہندی کا کوئی لفظ نکل جاتا لیکن یہ کوئی اتنی پریشانی کی بات نہیں تھی پاکستان کے اندر انڈین فلمیں دیکھنے والوں کی اکثریت تھی اور نوجوان نسل ناصرف کافی حد تک ہندی سے واقف تھی بلکہ روزمرہ کی بول چال میں بھی ہندی کے کافی الفاظ سننے کو مل جاتے۔

"بیٹی تم بھی لو نا ......؟" اچانک اس کے کانوں میں ایک شفقت بھری آواز آئی۔اس نے بولنے والی کی طرف دیکھا وہ اس سیٹ پر بیٹھی عمر رسیدہ عورتوں میں سے ایک تھی اور اسے کھانے کی دعوت دے رہی تھی رات کا اندھیرا چھا چکا تھا ٹرین کسی سٹیشن پہ کھڑی ہوئی تھی۔ڈبے کے اندر پھیری والوں کی آوازوں کا شور مچا ہوا تھا۔ایک اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ اس خاندان کے مردوں نے آمنے سامنے کی دونوں سیٹوں کے ساتھ ایک بڑی سی چادر باندھ کر ان سیٹوں کو ایک علیحدہ کیبن کی شکل دے دی تھی۔

"آپ کھائیں ناما......ماں جی۔" وہ ماتا کہنے لگی تھی کہ آخری لمحوں میں اس نے اپنی زبان پہ کنٹرول کر لیا۔

"ہم تو کھا ہی رہے ہیں بیٹی......تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔"

موقع غنیمت سمجھتے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی۔اس مقصد کے لیے اسے نقاب اتارنا پڑا تھا۔اس کی دلکش شکل ایسی نہیں تھی کہ مرد آسانی سے نظریں چرا سکتے۔بڑے میاں کو چھوڑ کر تینوں جوان آدمی بزرگوں کی نظر بچا کر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھنے لگے۔ایک نوجوان لڑکی بھی وہاں موجود تھی وہ بھی بڑی دلچسپ نظروں سے اسے گھورنے لگی وہ ان سے انجان بنی خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔اگر وہ چاہتی تو ان میں سے کسی کو بھی اپنا گرویدہ بنا کر آسانی سے اس خاندان میں جگہ بنا سکتی تھی مگر ایک تو اس نے مردوں سے ہر قسم کے تعلقات نہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور سفر کے پہلے ہی قدم پہ وہ اپنے ارادے کے خلاف نہیں کر سکتی تھی دوسرا خواہ مخواہ کسی کے جذبات سے

کھیلنا بھی وہ مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ اس سے پہلے اس کی زندگی کا مقصد ہی مردوں کے جذبات سے کھیلنا اور انھیں اپنا گرویدہ بنانا تھا پر اب وہ اس زندگی کو خیر باد کہہ چکی تھی۔

''بیٹی کہاں جا رہی ہو اکیلی ہو کیا؟..... کوئی مرد ساتھ نہیں ہے؟'' اسے کھانے کی دعوت دینے والی عمر رسیدہ خاتون ایک ہی سانس میں دو تین سوال پوچھ گئی۔

نوالا چبانے کے بہانے وہ کوئی مناسب جواب سوچنے لگی۔ بڑوں کے ساتھ تینوں نوجوان لڑکے بھی شدت سے اس کے جواب کے منتظر دکھائی دے رہے تھے وہ ان کی امنگوں پہ اوس ڈالتے ہوئے بولی۔

''ماں جی میرا خاوند اسٹیشن پہ مجھے لینے آئے گا..... یہاں ابو جان مجھے اسٹیشن پہ چھوڑنے آئے تھے۔ اب اوپر والے کے کرم سے اتنا اچھا ساتھ مل گیا تو میں اکیلی کہاں رہی؟'' وہ جان بوجھ کر جانے کے مقام کے بارے جواب گول کر گئی تھی۔ مگر خاتون نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''جانا کہاں ہے بیٹی؟''

''مم..... ملتان.....'' اس کے منہ سے غیر ارادی نکلا۔

''اچھا..... ملتان میں کس جگہ تمھارا گھر ہے خوش قسمتی سے ہم نے بھی ملتان جانا ہے۔''

''یہ تو مجھے پتا نہیں.....'' کوئی الٹا سیدھا پتا بتا کر وہ خود کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''ماں جی پہلی مرتبہ وہاں جا رہی ہوں نا۔ میرا خاوند اسٹیشن پہ مجھے لینے آئے گا۔ اور آپ کس سلسلے میں کراچی آئے تھے۔؟'' وہ اس کے سوالوں سے جان چھڑانے کی غرض سے مستفسر ہوئی۔

''ایک شادی میں شرکت کی غرض سے آنا ہوا تھا بیٹی۔''

''اچھا ماں جی!..... ذرا تعارف تو کرا دیں اپنے خاندان کا؟'' پارتی نے سوالات کے سلسلے کو طول دیا۔

''یہ ہے میری بیٹی ثانیہ۔'' اس نے نوجوان لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور یہ میرے بیٹے عمیر، حیدر اور زبیر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے والد صاحب تشریف فرما ہیں۔ اور یہ ہیں میری نند۔'' اس نے اپنے ساتھ بیٹھی دوسری بوڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کے خاوند اللہ بخشے پچھلے سال فوت ہو گئے ہیں اولاد کوئی ہے نہیں آج کل ہمارے ساتھ ہی رہتی ہیں۔''

''تو بچوں کی شادی وادی کا کچھ نہیں سوچا؟'' اس نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''بس بیٹی مناسب رشتوں کا انتظار ہے آپ کو تو پتا ہے کہ آج کل اچھے رشتے کتنی مشکل سے ملتے ہیں؟''

''آپ کی بات سو فیصد درست ہے ماں جی.....'' وہ اس کی تائید میں بولی اسی اثناء میں ریل گاڑی چل پڑی۔ کچھ دیر مزید اس کا انٹرویو لے کر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ماں جی اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی نیند لے لوں؟''

''ہاں، ہاں بیٹی کیوں نہیں.....'' پاربتی کی سعادت مندی اسے اچھی لگی تھی۔اس کے علاوہ کسی نے پاربتی سے بات چیت کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ برتھ پہ چڑھ کر لیٹ گئی۔اس کے سوالات سے جان چھڑانے کا اس سے اچھا بہانہ اسے نہیں سوجھا تھا یوں بھی وہ مستقبل کے بارے کوئی لائحہ عمل سوچنا چاہتی تھی اور ایسا اسی وقت ممکن تھا جب اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرتا۔

☆......☆......☆

''سر یہاں سے نکل پڑا ہے۔'' عاطف کو عمران کی آواز سنائی دی۔

''اوکے ہم منتظر ہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے رابطہ منقطع کیا اور عرفان سے بولا ''شکار اس طرف روانہ ہو گیا ہے۔'' جواباً اس نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمران کی کال دوبارہ آئی۔''سر آپ کی لوکیشن سے پچاس گز کی دوری پہ ہے۔'' عمران چونکہ اس کے تعاقب میں تھا اور اسے عاطف پارٹی کی لوکیشن معلوم تھی اس لیے وہ انھیں پل پل کی خبریں دے رہا تھا۔

''عرفان دیکھو شکار نزدیک پہنچ گیا ہے۔''

''سر مجھے اس کی کار نظر آ گئی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر بابر سلیم کی کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔بابر نے بھی ان دونوں کو دیکھ کر کار سائیڈ پر کرتے ہوئے روک لی۔عاطف فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بے تکلفی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا جبکہ عرفان پیچھے بیٹھ گیا تھا۔ان کے بیٹھتے ہی بابر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''یہ لیں چیک'' اس نے جیب سے سائن شدہ چیک نکال کر عاطف کی طرف بڑھایا۔جسے لے کر عاطف نے عرفان کے حوالے کر دیا۔

''بینک کے پاس اترنا ہے؟'' وہ مستفسر ہوا۔

''نہیں سیدھے چلتے رہو.....آپ کو کسی سے ملانا ہے۔اگر ڈیل ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ آپ وہاں سے واپس چلے جانا اور جتنی دیر آپ اس سے بات کریں گے اتنی دیر میں ہم چیک کیش کرا لیں گے۔''

''کون ہے وہ......اور کہاں ملے گا؟''

''ہمارا ایک دوست ہے اور..........'' عاطف نے اسے گیسٹ ہاؤس کا پتا بتلاتے ہوئے کہا ''وہاں آپ کا منتظر ہے۔''

''میری مطلوبہ چیزیں لے آئے ہو؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"آف کورس......" عاطف نے گھٹنوں پر رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہونہہ" کہہ کر بابر خاموش ہو رہا۔ آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ گیسٹ روم پہنچ چکے تھے۔ گاڑی روک کر تینوں نیچے اترے۔

عاطف بولا" گاڑی کی چابی ادھر دو"

"کیوں ؟" بابر سلیم کے منہ سے نکلا جواباً عاطف کا ہاتھ گھوما اور ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پہ پڑا۔

"تت......تم......یہ......کیا......مطلب ہے اس کا" بابر سلیم کے ہونٹوں سے بے ربط الفاظ نکلے۔

"وہ بھی بتا دیتے ہیں پہلے چابی ادھر کرو" عاطف زہر خند لہجے میں بولا۔ اسے اس قسم کی گندی مچھلیوں سے سخت نفرت تھی گاڑی میں بھی وہ مشکل سے خود پہ ضبط کیے بیٹھا تھا ورنہ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہیں پہ اس کی پٹائی شروع کر دے۔

"دیکھو تم معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہو، میں نے تمھارے تمام مطالبات پورے کیے ہیں۔" بابر سلیم سنبھلتے ہوئے بولا۔

عاطف زہر خند لہجے میں بولا" بیٹا جن کے مطالبات پورے کیے ہیں وہ بھی تجھے یہیں ملیں گے"

"کک......کیا مطلب ؟" پہلی مرتبہ بابر سلیم کے چہرے پہ خوف کا تاثر ابھرا۔

"بتا دیتے ہیں......ذرا کپڑے اتارنے کی زحمت کرو"

"آ......آپ کیا کرنا......"

"سوال نہیں......" اس مرتبہ اس کے چہرے پہ عرفان کا زوردار تھپڑ لگا۔

"یہ......یہ......تم اچھا نہیں کر رہے......میں تم پہ کیس کر دوں گا......ہم......میں......"

مگر عرفان کے دوسرے تھپڑ نے اس کی بولتی بند کر دی۔ اسے پتا چل گیا کہ جو کہا جا رہا تھا اس پہ بے چوں وچرا عمل کرنے میں عافیت ہے۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنا لباس اتارنے لگا تھوڑی دیر بعد وہ صرف انڈر ویئر میں تھا۔

"عرفان تم یہ لباس اور گاڑی لے جاؤ اور کارروائی مکمل کرو" اور عمران اور حمید جو اس اثناء میں وہاں پہنچ گئے تھے ان سے بولا "اسے مہمان خانے میں لے جا کر ذرا اچھی خاطر تواضع کرو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔"

"جی سر" کہہ کر عمران بابر سلیم سے بولا" چل بھئی" اور بابر سلیم خاموشی سے اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

آفس پہنچ کر عاطف نے صدیقی صاحب کو تمام رپورٹ پیش کی اور پھر عرفان کا انتظار کرنے لگا اس دوران اسے پتا تھا کہ بابر سلیم کی ٹھکائی ہوتی رہنی تھی خود اس کی بھی یہ خواہش تھی کہ اس کی اچھی خاطر مدارت ہونی چاہیے۔ گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا انتظار کے بعد عرفان دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوا۔

''اسلام علیکم سر! کام مکمل ہو گیا ہے۔''

''وعلیکم اسلام ......گڈ کسی کو شک تو نہیں ہوا یا کوئی اور نقصان؟''

''نہیں سر۔میں نے گاڑی ایسی جگہ کھڑی کی تھی کہ باقی گاڑیاں ذرا فاصلے پہ تھیں ...... بارود بھی اتنا لگایا تھا کہ صرف اس کی گاڑی کو نقصان پہنچے، جو لاش اس میں رکھی ہے وہ ناقابل شناخت ہو جائے اور اسے لباس سے ہی پہچاننا ممکن ہو سکے۔''

''دھماکے کے بعد جائزہ لیا تھا اس کی گاڑی کا؟''

''جی سر، لاش نہیں پہچانی جا رہی تھی......البتہ گاڑی کی نمبر پلیٹ اور اس کے لباس میں موجود شناختی کارڈ وغیرہ سے ہی اس کی پہچان آسانی سے ہو جائے گی۔''

''گڈ......چلو پھر اس کی خبر لیتے ہیں ......ویسے عمران پارٹی نے اس کی اچھی خاطر مدارت کر لی ہو گی۔''

''چلیں سر'' عرفان مستعدی سے بولا اور وہ دونوں آگے پیچھے چلتے آفس سے باہر نکل آئے۔تہ خانے میں گھستے ہی ان کے کانوں میں بابر سلیم کی چیخیں گونجیں۔تہ خانہ ساؤنڈ پروف تھا۔بلکہ اس کا ہر کمرہ ساؤنڈ پروف بنایا گیا تھا۔ابھی یقیناً عمران پارٹی نے کمرہ بند کرنے کی زحمت نہیں کی تھی جس کی وجہ سے انھیں تہ خانے میں گھستے ہی ان کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں تھیں۔

بابر سلیم کی حالت کافی ناگفتہ بہ تھی عمران اور حمید نے اس کی تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔عاطف کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ رک گئے تھے۔

''سر خدا کے لیے میری ان سے جان چھڑاؤ'' وہ عاطف کو دیکھ کر گھگیا کر بولا۔''میں ہر قسم کی خدمت کے لیے تیار ہوں۔آ ......آپ حکم کر کے دیکھیں۔''

''فیل ایک دم فیل......تمھاری کارکردگی بالکل زیرو پائی گئی۔'' عاطف اس کی بجائے عمران پارٹی سے مخاطب ہوا۔

''ابھی تک کی اس کی زبان چل رہی ہے اور ابھی تک یہ اس قابل ہے کہ ہمیں کسی قسم کی آفر کر سکے۔میرا خیال ہے مجھے پرانے جلاد کو بلانا پڑے گا۔'' عاطف کی بات ایسی نہیں تھی کہ بابر سلیم چپکا بیٹھا رہتا۔وہ موجودہ بندوں کی مار برداشت نہیں کر سکا تھا اس سے زیادہ ظلم کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کجا یہ کہ عاطف کی نظر میں وہ سب تشدد زیرو تھا۔

''خ......خدا کے لیے...... بھائی صاحب۔کیوں اتنا ظلم کر رہے ہو میرا قصور کیا ہے...... جب میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں؟''

''چلو پتا چل جاتا ہے تم کتنا تعاون کرتے ہو......'' عاطف اطمینان سے اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا ''سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نے کون کون سے راز ملک دشمن عناصر کے حوالے کیے ہیں؟''

''مم......میں......نے......''

''خیال رہے کوئی سوال دہراؤں گا نہیں غلط جواب کی صورت میں یہاں سے چلا جاؤں گا پھر تم جانو اور تمھارے یہ دوست۔''

''میں نے صرف دو فائلیں پاشا گروپ کے حوالے کی تھیں جو......سے متعلق تھیں اس کے علاوہ میں انھیں پیسے وغیرہ تو دیتا رہا ہوں لیکن کوئی ملکی راز ان کے حوالے نہیں کیا۔''

''تو یہ فائلیں کیوں ان کے حوالے کی تھیں ؟''

''ان کے ہاتھ میں میری کمزوری آ گئی تھی اور وہ مجھے بلیک میل کر رہے تھے۔''

''کون سی کمزوری ؟''

''وہ......وہ......میں......''

''ہاں ہاں بولو کہ میں نے منہ کالا کیا تھا اور اس کی باقاعدہ وڈیو اور تصاویر بنائی گئیں اور اسی وجہ سے تم ان کے ہاتھ چڑھ گئے۔'' بابر سلیم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''اچھا پاشا گروپ کے علاوہ تمھارے کسی اور پارٹی یا گروپ سے تعلقات رہے ہوں؟''

''نن......نہیں......''

''میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔'' عاطف نے اٹھنے کے لیے پر تولے۔

''بس......صرف......ایک پارٹی سے چھوٹی سی ڈیل ہوئی تھی۔''

''گڈ...... پارٹی کا کوئی اتہ پتا ......اور ان سے ڈیل کرنے کی وجہ۔''

''ان کا ایک آدمی مجھے ملنے آیا تھا اور ان سے رر......رے......رقم لے کر......'' مگر عاطف کے بھرپور تھپڑ سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''حقیقت بتلاؤ۔'' وہ غرایا۔

''ایک لڑکی پسند آ گئی تھی......''

''وہ لڑکی دوبارہ کبھی نظر آئی ؟''

''نہیں۔''

''او کے عمران!......میں چلتا ہوں......تمھارے پاس کل تک کا وقت ہے۔کل اس کی زبان رکنی نہیں چاہیے۔اور یہ تیرے لیے آخری موقع ہے۔ناکامی کی صورت میں تجھے اپنے پرانے کام پہ لوٹنا پڑے گا۔'' عاطف کھڑا ہو گیا۔

"پپ...... پلیز...... بھائی صاحب......" وہ گڑگڑایا "میں نے سب کچھ صحیح بتلایا ہے۔" مگر عاطف اس کی بات ان سنی کر کے عقوبت خانے سے باہر آ گیا عرفان بھی اس کے ساتھ تھا۔

☆......☆......☆

سورج نکلنے تک وہ برتھ پہ لیٹی رہی، ایک سٹیشن پہ گاڑی رکی لوگوں کی بات چیت سے اسے پتا چلا کہ گاڑی اس سٹیشن پہ آدھا گھنٹا رکے گی۔ گاڑی چلنے سے پانچ منٹ پہلے وہ ٹہلنے کے بہانے نیچے اتر گئی۔

"بیٹی دور نہ جانا گاڑی چلنے ہی والی ہے۔" عمر رسیدہ عورت فکر مندی سے بولی۔

"ٹھیک ہے ماں جی۔" وہ سعادت مندی سے بولی لیکن نیچے اترنے کے بعد اس نے تیز قدموں سے سٹیشن سے باہر کا رخ کیا۔ اس نے وہیں پہ سفر ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا ٹرین کے سفر سے وہ اکتا گئی تھی۔ گاڑی کے روانہ ہونے سے پہلے ہی وہ اسٹیشن سے باہر آ گئی۔ اسٹیشن سے باہر ایک رکشے میں بیٹھ کر اس نے اسے بس اڈے جانے کو کہا۔ اسے علم تھا کہ بس اڈہ ہر شہر میں ہوتا ہے۔ رکشے والے نے بھی خاموشی سے سرہلاتے ہوئے رکشہ سٹارٹ کیا اور چل پڑا۔ اڈے سے باہر ہی ایک لوکل نظر آنے والی بس کے قریب اس نے رکشہ رکوا کر، کرایہ ادا کیا اور بس میں گھس گئی۔ بس تقریباً بھرنے کو تھی ایک بوڑھی عورت کے ساتھ خالی جگہ دیکھ کر وہ بیٹھ گئی۔ کنڈیکٹر ایک لے میں کوٹ، کوٹ کی آوازیں لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی بس میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ بس کے چلتے ہی کنڈیکٹر کرایہ اکٹھا کرنے لگا۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی اس نے بھی کوٹ کا نام لے کر سو کا نوٹ کنڈیکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ مطلوبہ رقم کاٹ کر کنڈیکٹر نے بقایا اس کے جانب بڑھایا جو اس نے پرس میں ڈال لیا۔ کوٹ کے آنے تک بس نے کئی سٹاپ کیے۔ کوٹ آخری سٹاپ تھا۔ بس کے رکتے ہی تمام سواریاں نیچے اترنے لگیں۔ وہ بھی بس سے باہر آ گئی۔ کوٹ ایک درمیانہ قصبہ دکھائی دے رہا تھا پر بچی وہاں تک آ تو گئی تھی مگر اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا لائحہ عمل اختیار کرے کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ ایک سمت کو چل پڑی۔ اسے سر چھپانے کے لیے کسی ٹھکانے کی تلاش تھی مگر وہ ٹھکانہ اسے کہاں ملے گا یہ لاینحل مسئلہ تھا۔ کوئی مرد ساتھ ہوتا تو وہ اس قصبے میں بھی کرائے کا کوئی مکان ڈھونڈ سکتی تھی۔ اب اکیلی عورت کیا بہانہ کرتی۔ اگر ترقی یافتہ شہر ہوتا تو وہ ہوٹل میں بھی کمرہ لے کے رہ سکتی تھی۔ آخر اس نے سوچا کہ کسی کو اپنی مظلومیت کی جھوٹی کہانی سنا کر اس کے گھر میں رہنے کی کوشش کرے۔ اس ضمن میں کسی متمول شخص کا مکان تلاش کرنے کی ضرورت تھی ورنہ تو غریب بچارے اپنے بچے نہیں پال سکتے اس کی مہمان نوازی کیا کرتے۔

مکانات کا سلسلہ شروع ہوتے ہی اس کی نگاہ ایک پختہ حویلی پر پڑی اور اس نے وہیں قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے تو اس کا ارادہ بغیر دستک دیئے اندر گھسنے کا تھا مگر پھر کتے کے ڈر سے اس نے دروازہ کھٹکھٹانا مناسب سمجھا۔ ایک بوڑھے سے شخص نے دروازہ کھول کر سندھی زبان میں غالباً اس کی آمد کا مقصد پوچھا تھا۔ وہ سندھی زبان سے بالکل نابلد تھی لیکن اسے کراچی میں کئی دفعہ وہ یہ بولی سننے کا

اتفاق ہو چکا تھا اس لیے اسے یہ پتا چل گیا کہ وہ بوڑھا سندھی زبان بول رہا ہے مگر کیا کہہ رہا ہے یہ وہ اندازہ ہی لگا سکتی تھی کہ اس سے اس کی آمد کا مقصد پوچھ رہا ہوگا۔

''گھر کے مالک سے ملنا ہے بابا جی۔''

''وڈیرے سائیں نال ملنا ہے۔''

''جی...... جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آؤ۔'' بوڑھے نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ اور اس کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے اسے اپنی رہنمائی میں حویلی کی اندرونی عمارت کی طرف لے جانے لگا۔ حویلی کا صحن کافی وسیع تھا اسے چند عورتیں مختلف کام کرتی نظر آئیں لباس سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ ملازمائیں تھیں۔ بوڑھا اسے لے کر ایک خوبصورت سی خواب گاہ میں داخل ہوا جس میں ایک شخص سینے تک کمبل اوڑھے بڑے سے تکیے کے سہارے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے ہی واضح تھا کہ وہ بیمار ہے۔ بوڑھے ملازم کے ساتھ ایک برقع پوش خاتون کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ حیرانی یا تردد کے آثار ظاہر نہ ہوتے دیکھ کر پاربتی نے اندازہ لگایا کہ وہ اسے اپنی تیماردار سمجھ رہا تھا اسے کمرے میں چھوڑ کر بوڑھا باہر نکل گیا۔

وڈیرے نے چارپائی کے سامنے پڑے موڑھے کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔ پاربتی کو اس کے کہنے سے زیادہ اس کے اشارے سے پتا چلا کہ وہ اسے بیٹھنے کا کہہ رہا ہے۔

وہ ''شکریہ'' کہتے ہوئے موڑھے پہ بیٹھ گئی۔ وڈیرا اسے پہچان نہیں سکا تھا اس لیے اس کے جانب سوالیہ نظروں سے گھورنے لگا۔

''وڈیرا سائیں میں ایک مظلوم عورت ہوں اور آپ کے پاس پناہ لینے آئی ہوں۔'' پاربتی نے بوڑھے کے منہ سے سنا ہوا وڈیرا سائیں دہرا کر تمہید باندھی ''میں سندھی زبان نہیں بول سکتی اگر آپ کو اردو کی سمجھ آتی ہے تو میں آپ کو اپنی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے دلکش چہرے سے نقاب بھی ہٹا دی تھی۔

''اگر مظلوم ہو تو بغیر اپنی کہانی سنائے تیرے لیے اس حویلی کے دروازے کھلے ہیں بیٹی۔'' وڈیرا شستہ لہجے میں بولا۔ ''تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔''

اس کا ہمدردانہ لہجہ سن کر پاربتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی وہ اتنے اعتماد کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''مظلوم تو ہوں وڈیرا سائیں۔'' پاربتی کے لہجے میں حقیقت کی جھلک تھی اس وجہ سے کہ وہ دل سے خود کو مظلوم سمجھ رہی تھی۔ دوسرا اس کا ارادہ چونکہ کسی قسم کی دھوکا دہی کا نہیں تھا اس لیے اس کا انداز سادگی اور سچائی لیے ہوئے تھا۔

اس مرتبہ وڈیرے نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر چارپائی کے ساتھ لگا ہوا بٹن دبایا۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی وہی بوڑھا اندر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

داخل ہوا۔

''وڈیرے نے سندھی میں کوئی ہدایات دیں جس میں پاربتی کے لیے صرف ایک نام فاطمہ پڑا تھا۔ وہ بوڑھا ''جی سائیں'' کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

''فاطمہ میری بیٹی ہے، تیری ہم عمر ہوگی۔ پانچ جماعتیں بھی پڑھ رکھی ہیں۔ تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔''

''وڈیرا سائیں میں نے چودہ جماعتیں پڑھ رکھی ہیں میں اسے آگے پڑھاؤں گی۔

''بیٹی!.....آج کے بعد مجھے وڈیرا سائیں نہیں بلکہ چچا کہنا اور سمجھنا ہے۔ دوسرا اگر پڑھانا ہی ہے تو فاطمہ کے چھوٹے بھائی تنویر کو پڑھا دیا کرنا۔ کمبخت پچھلے سال بھی دسویں میں فیل ہو گیا تھا۔''

''اسے بھی پڑھا دیا کروں گی چچا جان۔''

''جیتی رہو بیٹی.....اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا میں نے ملازم کو بھی یہی بتایا ہے کہ تم میرے عزیز دوست کی بیٹی ہو پڑھتی ہو اور یہاں چھٹیاں گزارنے آئی ہو۔ اب تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہے گا جب تم تنویر کو پڑھاؤ گی۔ بلکہ گھر والی عورتوں کو میں نے یہی بتانا ہے کہ تمھیں میں نے تنویر کی پڑھائی کے لیے خود بلایا ہے۔''

وڈیرے کی باتیں سن کر پاربتی کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے چھپنے کے لیے اتنی اچھی جگہ مل جائے گی۔ اچانک اس کے دل میں یہ اندیشہ جاگا کہ کہیں سی آئی والے اس کی فوٹو اخبار میں شائع نہ کر دیں۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ اتنے دور دراز قصبے میں اخبار نہیں آتا ہوگا اور اگر آتا بھی ہوا تو کوئی مقامی اخبار ہی ہوگا۔

''آپ کی بڑی مہربانی چچا جان آپ نے میرے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا۔ شاید میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ اتار سکوں۔''

''پگلی چچا بھی کہتی ہے اور احسان بھی سمجھتی ہے، آئندہ میرے سامنے ایسی باتیں نہ کرنا.....'' اسی وقت بوڑھے ملازم نے اندر داخل ہو کر وڈیرے کو سندھی میں کچھ کہا

''ٹھیک ہے نورل تم جاؤ۔'' اور وہ سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''اپنی بیٹی کا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں ہے؟''

''میرا نام شہزادی ہے چچا جان۔'' وہ جلدی سے بولی اور اس نام کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں اسماعیل شاہ کی یاد تازہ ہو گئی جس نے اس کی آنکھوں میں نمی سی بھر دی۔

''جس نے بھی رکھا ہے چن کر نام رکھا ہے۔ تم ہو بھی شہزادیوں کی طرح بیٹی.....'' وڈیرا تعریفی لہجے میں بولا۔

''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے چچا جان۔'' پاربتی پاشا کو یاد کر کے دکھی ہو گئی تھی۔ اس کی کیفیات کو محسوس کرتے ہوئے وڈیرا اس

کا ذہن بٹانے کی غرض سے بولا۔

''بیٹی!......کوئی سامان بھی ہے ساتھ یا خالی ہاتھ ہو۔''

''پاس، کچھ بھی نہیں ہے چچا جان۔''

''چلو سب کچھ مل جائے گا اللہ کا دیا سب کچھ ہے اس گھر میں۔'' کہتے ہوئے وڈیرے نے ملازم کو بلانے کے لیے ایک مرتبہ پھر گھنٹی بجائی اور نور ل کے آنے پا سے کہا۔

''فاطمہ کو یہاں بھیجو۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ چند لمحوں بعد ایک خوبصورت سی نوجوان لڑکی اندر داخل ہوئی۔

''سلام اداسائیں۔''

''جیتی رہو بیٹی۔'' وڈیرا اسے دعا دیتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ سمجھانے لگا۔ اس دوران وہ دلچسپ نظروں سے پاربتی کے جانب دیکھتی رہی۔ پاربتی کو اس کی آنکھوں میں سوائے خلوص و محبت کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ باپ کی بات ختم ہوتے ہی وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولی۔

''آئیں دیدی میں آپ کو کمرہ دکھادوں۔''

''جاؤ بیٹی فاطمہ تجھے سارے گھر والوں سے ملادے گی۔'' اور پاربتی وڈیرے کو سلام کہتے ہوئے فاطمہ کی تقلید میں چل پڑی۔

☆......☆......☆

''سر! بابر سلیم سے کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی......اب بتائیں اس کا کیا کریں؟'' عاطف اس وقت صدیقی صاحب کے آفس میں تھا۔

''اچھی طرح کھنگال تو لیا ہے نا؟''

''جی سر! پاشا گروپ کے علاوہ ایک دوسری پارٹی سے بھی اس کی ڈیل ہوئی تھی لیکن اس پارٹی کے کسی بندے سے وہ واقف نہیں۔ یہ ڈیل بھی خبیث نے ایک لڑکی کی وجہ سے کی تھی اور اب اسے لڑکی کا بھی اتہ پتا معلوم نہیں۔''

''پارٹی کے جس جس فرد سے اس کی ملاقات ہوئی ہے اور جس کی شکل سے یہ واقف ہے اس کی تصاویر تو مصور سے بنوالیتی تھیں شاید کسی اپنے آدمی کے سامنے چڑھ جائیں۔ اور نہیں تو لڑکی کے خدوخال تو اس کے بیمار ذہن میں لازمی ہوں گے۔''

''بجا فرمایا۔'' عاطف ہنستے ہوئے بولا۔ ''اسے صرف لڑکی کی شکل ہی یاد تھی اور اس کی تصویر میں بنوا چکا ہوں۔ اب اس کا کیا کریں۔''

''تو نے خود بھی کچھ سوچا ہوگا؟'' صدیقی صاحب نے گیند اس کے کورٹ میں پھینکی۔

''میرے پاس تو معافی کی گنجائش نہیں ہے سر......اور ویسے بھی گھر والوں اور عزیز واقارب کے لیے وہ مر چکا ہے اخبار میں اس

کی موت کی خبر شائع ہو چکی ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے بدرالدین صاحب سے پوچھ لیتے ہیں۔"

"میری چھٹی کا بھی پوچھ لینا سر۔"

"یار تم گھر والوں کو ادھر ہی لے آؤ نا؟" صدیقی صاحب مسکرایا۔

"سر!......میں نے کراچی میں مستقل نہیں رہنا تین چار سال کے بعد میری پوسٹنگ آجائے گی دوسرا آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ امی جان یہاں آنے پر راضی نہیں وہ اپنا آبائی گاؤں نہیں چھوڑنا چاہتی۔"

"جب شادی کر لو گے پھر کیا کرو گے؟"

"جواب کر رہا ہوں سر۔" عاطف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پتا نہیں کیا دیکھا ہے آنٹی نے مری میں، کراچی، لاہور، اسلام آباد جیسے ترقی یافتہ شہروں کو چھوڑ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں خوش ہے جہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں۔"

"اس کے باوجود پورے پاکستان کے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے کھنچے جاتے ہیں"۔ عاطف نے مری کی وکالت کی۔

"جیسے آپ کی مرضی ......بائے داوے کتنی چھٹی جانا ہے؟"

"مہینہ تو جاؤں گا نا سر؟......فی الحال کوئی ضروری کیس بھی نہیں ہے اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو گیا تو بلا لینا۔"

"پاشا گروپ کے آدمیوں سے کوئی مزید معلومات ملی؟"

"نہیں سر ان کا سرغنہ اگر ہاتھ آجاتا تو شاید دوسرے شہروں میں موجود ان کے بندے بھی پکڑے جاتے مگر اب مشکل ہے۔"

"پارمی کا بھی کوئی سراغ نہیں ملا؟"

"جی سر...... میرا خیال ہے وہ سرحد پار جا چکی ہے۔"

"وکرم سے عمر کوٹ میں موجود سرحد پار کرانے والے گائیڈ کے بارے جو معلومات ملی تھیں......؟"

"وہ گرفتار کر لیا گیا ہے سر۔"

"پھر پارمی کیسے سرحد پار جا سکتی ہے؟"

"ویسے ہی میرا اندازہ تھا۔"

"اس کی تصویر اخبار میں دے دینی تھی۔"

"اس کا کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آرہا...... عورت ذات ہے برقع لے کر آسانی سے گھوم پھر سکتی ہے۔ البتہ اس کی تصاویر اور بائیو

ڈیٹا تمام یونٹوں کو بھجوا دیا ہے پاکستان میں ہوئی تو کبھی نہ کبھی ہاتھ آ ہی جائے گی۔"

"بہر حال دیکھ لیتے ہیں...... جاتے ہوئے راجہ ذیشان کو اپنی ڈیوٹیاں سمجھا دینا تمھارے بعد یہ سب کچھ اسی کو سنبھالنا پڑے گا اور میں جا کر بدرالدین صاحب کو ساری صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر" عاطف جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

پارچی تھوڑی دیر میں ہی فاطمہ سے گھل مل گئی تھی۔ وڈیرے کے دو ہی بچے تھے فاطمہ اور اس سے چھوٹا بھائی تنویر۔ فاطمہ نہایت سادہ۔ ہمدرد اور دردمند دل رکھنے والی لڑکی تھی اس کے دل میں گاؤں کے وڈیرے کی بیٹی ہونے کا کوئی احساس نہیں تھا پارچی کو اس نے سارے خویلی کی سیر کرانے کے ساتھ تمام ملازموں اور اپنی ماں سے بھی ملا دیا تھا۔ اس کا بھائی تنویر گھر میں حاضر نہیں تھا وہ شاید سکول گیا تھا۔ اپنا کمرہ بھی پارچی کو کافی پسند آیا۔ وڈیرے نے گھر والوں کے سامنے اس کا تعارف اپنے دوست کی بیٹی کے طور پر کرایا تھا اس لیے اسے کسی قسم کی بہانہ بازی کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

اس وقت وہ فاطمہ کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھی تھی کہ دروازہ کھولتے ہوئے ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔ پارچی اسے دیکھتے ہی پہچان گئی کہ وہ فاطمہ کا بھائی ہوگا۔ قد کاٹھ میں وہ سکول کی بجائے کالج کا سٹوڈنٹ دکھائی دے رہا تھا۔

"باجی میں......" وہ فاطمہ کو کچھ کہنے لگا تھا کہ اس کی نظر بہن کے ساتھ بیٹھی پارچی پہ پڑی اور وہ جھجک کر خاموش ہو گیا۔

"آؤ تنویر!" اسے دیکھتے ہی فاطمہ چہکی۔ "ان سے ملو یہ تمھاری استانی ہیں شہر سے تمھیں امتحان کی تیاری کرانے آئی ہیں۔"

"سلام میڈم۔" وہ آہستگی سے بولا۔ پارچی نے سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔ وہ اپنی بہن سے سندھی میں میں بات چیت کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں ابو سے کہہ دیتی ہوں مگر آٹھ بجے تک واپس آ جانا۔" فاطمہ نے شاید پارچی کی وجہ سے اردو میں جواب دیا تھا ۔اور تنویر سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ویدی میں ایک منٹ میں آئی۔" فاطمہ کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولی۔

"تنویر نے ساتھ والے گوٹھ میں کرکٹ کا میچ کھیلنے جانا تھا چونکہ ابو سے بات کرتے ہوئے گھبراتا ہے اس لیے مجھ سے پوچھنے آ گیا۔"

"کیا...... انکل اتنے سخت طبیعت ہیں؟ اور اس نے ماں کو کیوں نہیں بتایا؟" پارچی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں...... اصل میں میٹرک کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد ابو نے اس کے کھیلنے پہ پابندی لگا دی تھی تا اس

لیے۔ ورنہ تو ابو جیسا نرم طبیعت اور ٹھنڈے مزاج کا آدمی پورے گوٹھ میں نہیں ہے۔ باقی ابو جان مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میری کوئی بات بھی نہیں ٹالتے اس لیے یہ عموماً میرے پاس ہی آتا ہے۔''

''ایک بات پوچھوں ناراض تو نہیں ہوں گی آپ؟''

''بے دھڑک ہو کے پوچھو دیدی۔''

''میرے اندازے کے مطابق آپ کی عمر تیئس چوبیس سال ہو گی۔ اس ناتے آپ کو اب تک شادی کر لینی چاہیے تھی...... یوں بھی سندھ میں کم عمری کی شادی کا رواج ہے۔''

''میری منگنی تایا کے لڑکے کے ساتھ ہو چکی ہے۔ وہ ایم بی بی ایس کر رہا ہے اس کا کہنا ہے کہ جب تک اس کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی وہ شادی نہیں کرے گا۔''

پاربتی مسکرا کر بولی''خیال رکھنا میڈیکل کے شعبے میں عورتوں سے ملنے جلنے کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں کہیں وہ کسی اور سے دل نہ لگا بیٹھے۔''

''وہ ایسا نہیں ہے دیدی۔'' فاطمہ شرما گئی تھی۔''مجھ سے بہت محبت کرتا ہے روزانہ صبح کو اٹھتے اور رات کو سوتے وقت مجھے فون ضرور کرتا ہے۔''

''تنویر کی منگنی وغیرہ کی ہے کہ نہیں۔''

''نہیں دیدی!...... شاید میٹرک کے بعد ہو جائے۔'' اور پاربتی سر ہلا کر رہ گئی۔ عام گھریلو معاملات کے متعلق باتیں کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ جس شعبے سے تعلق رکھتی تھی اس میں شادی کرنے اور گھر بسانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لڑکی جب تک پر شباب رہتی اسے چارے کے طور پر استعمال ہونا پڑتا اور جب اس کی جوانی ڈھل جاتی تو اسے قبول کرنے کے لیے کوئی تیار نہ ہوتا۔ ملک و قوم کی خاطر بھارت کی بیٹیاں یہ کام کر گزرتی تھیں اور پاربتی بھی ان میں سے ایک تھی مگر اسماعیل شاہ کی محبت نے اس کی دل کی دنیا بدل دی تھی۔ اسی وجہ سے پاشا کی موت کے بعد اس نے وطن واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا اسے امید تھی کہ اسماعیل شاہ اسے اپنا لے گا وہ اسے اپنانے پر راضی نہ ہوتا تو بھی وہ اس کے ساتھ بغیر شادی کیے رہنے پر تیار تھی۔ اس طرح کم از کم مختلف قسم کے ناپسندیدہ افراد سے تو اس کی جان چھوٹ جاتی۔ ان بوڑھے ہوس پرست گدھوں سے وہ تنگ آ چکی تھی۔

''دیدی آپ نے بھی اب تک شادی نہیں کی؟'' فاطمہ کا استفسار اسے سوچ کی دنیا سے باہر لے آیا۔

''میں بیوہ ہوں...... شادی کے چند دن بعد ہی میرا شوہر ایک ایکسیڈنٹ میں جان بحق ہو گیا تھا۔''

''اوہ......'' فاطمہ نے افسوس سے سر ہلایا۔

''اچھا فاطمہ میں اب تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے دیدی آپ آرام کریں رات کو گپ شپ کریں گے۔''اور پاربتی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔فی الحال اسے کسی قسم کا غم نہیں تھا۔چھپنے کے لیے اتنی اچھی جگہ کا ملنا اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا سب سے بڑھ کر گھر میں کوئی ایسا مرد نہیں تھا جو اس کے حسن وشباب پہ بری نظر ڈالتا۔وڈیرا بوڑھا اور بیمار تھا جب کہ اس کا بیٹا گو نوجوان تھا مگر پاربتی سے کافی کم عمر تھا اس لحاظ سے اس نے مردوں کی قربت سے احتراز برتنے کا جو عہد کیا تھا اس پیمان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔بستر پہ لیٹنے کے چند لمحے بعد ہی وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

اس کی آنکھ فاطمہ کے جگانے پہ کھلی۔

''دیدی اٹھ بھی جائیں،شام ہو گئی ہے امی جان کھانے پہ آپ کا انتظار کر رہی ہے۔''وہ کسمساتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

''ٹھیک ہے آپ جائیں میں فریش ہو کے آتی ہوں۔''

''فریش؟''فاطمہ کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''مطلب منہ ہاتھ دھو کے آتی ہوں۔''پاربتی نے وضاحت کی۔

''اچھا اچھا سمجھ گئی۔''فاطمہ ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

پاربتی کھانے کے کمرے میں پہنچی تو فاطمہ اور اس کی ماں کو منتظر پایا۔

''انکل کہاں ہیں؟''

فاطمہ بولی''وہ اپنے کمرے میں ہی کھانا کھاتے ہیں اور تنویر ابھی تک واپس نہیں لوٹا۔''

فاطمہ کی ماں بڑی مشفق عورت تھی کھانے کے دوران وہ پاربتی سے اس کے گھر والوں کی خیر خیریت کے متعلق پوچھتی رہی۔وڈیرے کے نے چونکہ اسے اپنے دوست کی بیٹی بتلایا تھا اس لیے وہ الٹے سیدھے جواب دے کر اسے مطمئین کرتی رہی۔کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا۔قہوہ پی کر پاربتی فاطمہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی فاطمہ کو پڑھنے کا بڑا شوق تھا اپنے بھائی کی پچھلی کلاسوں کی ساری کتابیں اس نے سنبھال کے رکھی ہوئی تھیں۔اس کی خواہش پہ پاربتی نے اسے پانچویں کلاس سے آگے پڑھانا شروع کر دیا اسی دوران تنویر بھی واپس آگیا۔واپسی کی اطلاع دینے جب وہ بہن کے پاس آیا تو پاربتی نے اس سے کہا۔

''کھانا کھا کر اپنی کتابیں لے کر میرے پاس آجاؤ تاکہ آج سے ہی پڑھائی شروع کی جائے۔'' اور وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اپنی کتابیں لے کر وہاں پہنچ گیا۔پاربتی کو وقت گزاری کا ایک بہترین مشغل ہاتھ آگیا تھا پہلے چند دن تو تنویر نے بہت بیزاری کے ساتھ پڑھائی کی مگر اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی دلچسپی پڑھائی میں بڑھتی گئی۔اسی دوران پاربتی کو محسوس ہوا کہ وہ بڑے

انہماک سے اس کی باتیں سنتا ہے اور مسلسل اس کے چہرے کو گھورتا رہتا ہے۔ پاربتی جلد ہی اس کے احساسات سے واقف ہو گئی وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔ تنویر انجانے میں جو راہ اختیار کرنے جا رہا تھا وہ اس کے لیے بہتر نہیں تھی۔ لیکن پاربتی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے روکے۔ وہ اس کے محسن کا بیٹا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے دل میں کوئی الٹا سیدھا جذبہ پیدا ہو جائے۔

چند دن سوچنے کے بعد ایک دن اس نے فاطمہ کی موجودگی میں اسے کہا۔

''تنویر تم مجھے میڈم میڈم نہ کہا کرو مجھے بھی فاطمہ کی طرح باجی کہا کرو۔''

''نہیں آپ میری بہن نہیں ہو سکتیں۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب..... کیا میں اتنی بری ہوں کہ تمہاری بہن کہلانے کی بھی حق دار نہیں۔''

''نہیں میڈم یہ بات نہیں..... دراصل آپ کو پہلے دن سے میں میڈم کہہ رہا ہوں تو اب باجی کہتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ یوں بھی کہنے سے آپ بہن تھوڑی ہو جائیں گی۔''

''بہن کہہ کر پکارو گے تو خود بخود تمہارے دل میں میرے لیے وہی جذبات پیدا ہوں گے جو فاطمہ کے لیے ہوتے ہیں۔''

''آپ کی یہ دلیل بھی غلط ہے میڈم..... میرا دوست سانول اپنی چچازاد بہن سکینہ کو ہمیشہ باجی کہہ کر بلاتا تھا کیونکہ وہ بچپن سے ان کے ہاں پلی بڑھی ہے۔ بعد میں اپنے والد کی خواہش پر سانول نے سکینہ سے شادی کر لی آج کل دونوں میاں بیوی ہیں۔'' اس کی دلیل سن کر پاربتی ہکا بکا رہ گئی اور خاموشی سے اسے پڑھانے لگی اس کی یہ تدبیر ناکام گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

پاربتی کے دن وہاں پہ بہت اچھے گزرنے لگے۔ کبھی کبھی تو اسے وہ گھر چھوڑ دینے کے خیال سے وحشت ہونے لگتی اور وہ عجیب قسم کے خواب دیکھتی۔ لیکن یہ سارے اس کے پراگندہ خیالات تھے۔

تنویر کی پڑھائی بھرپور طریقے سے جاری تھی۔ پاربتی کا خیال تھا کہ وہ اس دفعہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے گا وہ انگلش میں کافی کمزور تھا باقی مضامین میں وہ انگلش کی نسبت بہتر تھا۔ پاربتی کے لیے سب سے مشکل مضامین سندھی اور اسلامیات تھے جن میں تنویر یوں بھی خاصا بہتر تھا اس طرح پاربتی یہ دونوں مضامین پڑھانے سے بچ گئی تھی۔

تنویر پاربتی کی حد سے زیادہ عزت کرتا لیکن اس کی موجودگی میں پاربتی کافی بے چینی محسوس کرتی اور اس کی وجہ اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی وہ بے پایاں چاہت تھی جو پاربتی کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں امڈ آتی۔ یہی وجہ تھی کہ پاربتی پڑھائی کے علاوہ اس سے کوئی فالتو بات نہ کرتی اس کی کوشش ہوتی کہ اسے پڑھاتے وقت فاطمہ وہاں موجود رہے۔ لیکن تنویر نے کبھی اکیلے میں بھی کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ پاربتی خود بھی مردوں کی بہت زیادہ مزاج آشنا تھی وہ ہوس زدہ اور محبت بھری کی نظروں کا فرق سمجھتی

تھی۔ تنویر کی آنکھوں میں اسے کبھی غلاظت یا بے ہودگی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اچھا خاصا خوش شکل اور وجیہہ لڑکا تھا مگر پارتی کے اس سے گریز کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود کو کسی بھی طرح اس کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا ماضی جتنا گھناؤنا اور پر غلاظت تھا اس سے وہ یا اس کا بھگوان ہی واقف تھا۔ جہاں تک گناہ ثواب کا تعلق تھا، وہ اس سے مبرا سہی۔ مگر عورت اور مرد کے تعلق اور عورت کی خوئے وفاداری سے آشنا تھی۔ ہندو تہذیب میں ایک خاوند سے وفاداری عورت کا دھرم، دین اور سب کچھ ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس معاملے میں ہندو مذہب افراط کا شکار ہے۔ اور عورت کے لیے کچھ ایسی بندشیں تجویز کرتا ہے جو سراسر حقوق انسانی کے خلاف ہیں۔ اور ہندو ہونے کے ناطے یہ تہذیب اس کے خون میں رچی بسی تھی۔ ایک معصوم لڑکے کو دھوکا دینا جو کہ اس کے محسن کا بیٹا تھا اسے کسی بھی طرح گوارہ نہیں تھا۔

امتحان آئے اور گزر گئے نتائج حسب توقع آئے تھے تنویر اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا تھا۔ میٹرک میں کامیابی کے بعد اس نے فرسٹ ائیر میں داخلہ لے لیا۔ حسب معمول اس کی ٹیوشن جاری تھی۔ پارتی کے گھر چھوڑ دینے کے دن قریب آ گئے تھے ایک دن اس نے اس بات کا ذکر فاطمہ سے کیا جب کہ تنویر ساتھ ہی بیٹھا پڑھ رہا تھا یہ جان کاری اسے راس نہ آئی، وہ بیمار پڑ گیا اور دو دن مسلسل پڑھنے کے لیے نہ آ سکا مگر پارتی جان بوجھ کر اس کی عیادت کے لیے جانے سے گریز کرتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ تنویر کے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا ہو جائے یا کم از کم وہ محبت ہی ختم ہو جائے جسے پارتی کی جہاندیدہ نظروں نے بھانپ لیا تھا۔ تیسرے دن جب فاطمہ کی زبانی اسے پتا چلا کہ تنویر کی حالت کافی تشویشناک ہے اور وہ اپنی میڈم کو بہت زیادہ یاد کر رہا ہے تو با دل نخواستہ اس کے قدم تنویر کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ فاطمہ بھائی کے سرہانے بیٹھی تھی اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

”آئیں دیدی۔“

”طبیعت کیسی ہے تنویر کی؟“

”بخار نہیں اتر رہا دیدی۔“ فاطمہ کے لہجے میں چھپی تشویش اسے لرزا گئی۔ کرسی لے کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پارتی نے اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا بخار کی شدت سے ماتھا جل رہا تھا۔

”مم......میڈم......آپ مجھ سے خفا ہیں۔“ تنویر کے ہونٹوں سے ہلکی سی آواز برآمد ہوئی۔

”دیدی آپ بیٹھیں میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔“ اس سے پہلے کہ وہ تنویر کو جواب دیتی فاطمہ جلدی سے بولی۔ جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ تنویر سے مخاطب ہوئی۔

”میں آپ سے خفا ہو سکتی ہوں بھلا؟“

”تو پھر آپ میری بیمار پرسی کے لیے کیوں نہیں آئیں؟“

”مجھے کیا پتا تھا آپ کو اتنا بخار ہے؟ اب جیسے ہی پتا چلا آ گئی ہوں۔ کیونکہ بہنیں ہوتی ہی بھائیوں کی خدمت کے لیے ہیں۔“

''میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔'' وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے اس کے جانب دیکھتے ہوئے عجیب سے جذبے سے بولا۔

''تو پھر کیا ہو؟'' وہ ہنسنے لگی۔

''پتا نہیں۔'' وہ اپنے دل کی بات زبان پہ نہیں لا سکا تھا۔ اچانک پاربتی نے فیصلہ کیا کہ اسے تنویر کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لیے کھل کر گفتگو کرنی پڑے گی انجانے میں وہ اتنی دور نکل جاتا جہاں سے شاید واپسی ناممکن ہوتی۔ اور وہ عمر کی جس سٹیج پہ تھا اس سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

''تنویر میں بچی نہیں ہوں تیرے احساسات سے واقف ہوں لیکن تم نے جوانی کے جوش میں اپنی اور میری عمر کے فرق کو فراموش کر دیا ہے۔''

''یہ کوئی فرق نہیں ہے امی جان ابو سے دس سال بڑی ہیں میری اور آپ کی عمر کا فرق اس سے کم ہی ہوگا؟'' اس کے پاس جیسے پہلے سے جواب تیار تھا۔

''بیوقوف میں بیوہ ہوں۔''

''تو کیا ہوا؟ کیا بیوہ ہونا گناہ ہے؟ آپ جیسی بھی ہیں مجھے قبول ہیں۔'' پاربتی کی بات چیت نے اسے وہ بات کہنے کا حوصلہ دے دیا تھا جو جانے کب سے اس کے دل میں چھپی تھی۔

''یہ تو تم کہہ رہے ہونا؟ والدین سے بھی پتا کیا ہے انھوں نے جانے کیا کیا خواب تیرے لیے دیکھے ہوں گے؟''

''انھیں پتا ہے بلکہ ان کی بھی یہی خواہش ہے کہ آپ ان کی بہو بنیں۔ میں نے خود بابا سائیں کو امی جان کے سامنے آپ کو بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کرتے سنا ہے۔''

''تنویر تجھے اور انھیں میرے ماضی کا پتا نہیں ہے ورنہ کبھی بھی اس قسم کی خواہش کا اظہار نہ کرتے۔''

''گستاخی معاف کرنا...... میں فرض کرتا ہوں کہ آپ بالغ ہونے کے بعد کسی کوٹھے پہ بیٹھ کے پیشہ کرتی رہی ہیں اور ابھی وہاں سے بھاگ کے ہمارے گھر میں پناہ لی ہوئی ہے...... اگر ایسا ہو تو بھی میرے دل میں آپ کی چاہت کم نہیں ہو سکتی۔''

پاربتی نے یہ موضوع چھیڑتے وقت یہ سوچا بھی نہ تھا کہ تنویر اسے اس شدت سے چاہتا ہے اس نے اس کی ہر دلیل کو رد کر دیا تھا ۔ آخر کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے اس نے زچ ہو کر کہا۔

''تنویر میں تجھے کیسے سمجھاؤں؟ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، میں نے جلد ہی یہاں سے چلے جانا ہے۔''

''آپ کے بغیر میرا جینا بھی ممکن نہیں ہے۔''

''یہ ڈائیلاگ فلموں میں اچھا لگتا ہے؟''

تنویر آہستہ سے گنگنایا۔

وہ کر نہیں رہا تھا میری بات کا یقیں

پھر یوں ہوا کہ مر کے دکھانا پڑا مجھے

"شٹ اپ۔" پاربتی غصے سے کھولتے ہوئے بولی

"معافی چاہتا ہوں میڈم۔" وہ گھبرا گیا تھا۔

"میں جا رہی ہوں اور خبردار آئندہ یہ موضوع چھیڑا تو...... میرے دو تین ہفتے رہ گئے ہیں اتنی دیر مجھے برداشت کرلو پھر جو مرضی آئے کرنا۔ ویسے بھی تمھیں ایک سے ایک خوب صورت اور اپنی ہم عمر لڑکی مل جائے گی۔"

"میڈم!...... صرف ایک بات...... بلکہ آخری بات؟"

"بولو" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"آپ کے پاس آج کی رات ہے صبح آٹھ بجے تک مجھے آپ کا حتمی فیصلہ درکار ہے ابھی کچھ نہ کہنا پہلے اچھی طرح سوچ لینا ۔میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کی ہے اور ایک بار پھر بتا رہا ہوں، میں نے آپ کے بغیر نہیں جینا...... نہیں جینا...... اور نہیں جینا۔ بس اب آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔"

"بیوقوف میں مسلمان نہیں ہوں۔" وہ جیسے غصے سے پھٹ پڑی۔

"تت...... تو...... تو مسلمان ہونا کون سا مشکل ہے۔" وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

"جب کوئی اسلام قبول نہ کرنا چاہے تو مشکل ہے۔"

"تو آپ اپنا مذہب نہ بدلیں...... مجھے آپ کے مذہب سے کیا لینا؟"

"کیا تم میرا مذہب قبول کر سکتے ہو؟"

تنویر جو اس کے جانب چاہت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا آنکھیں بند کرتا ہوا خاموش ہو گیا۔ واپس مڑتے ہوئے پاربتی کو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے نکلتی نمی نظر آ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر کی طرف چل دی۔

☆......☆......☆

وہ رات اس کی زندگی کی عجیب رات تھی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی تنویر کی باتیں اور الفاظ مختلف روپ دھار کر اس کے چاروں جانب ناچ رہے تھے کیا وہ کسی کے لیے اتنی اہم بھی ہوسکتی ہے یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ چاہنے والوں کی اس کی زندگی میں کبھی کمی نہیں رہی تھی لیکن اسے وہ چاہت نہیں ہوس کا نام دیتی تھی آج تک کسی نے اس کی جدائی میں مرنے کا دعوا نہیں کیا تھا۔ اس کی زندگی میں

جتنے مرد آئے تھے سب کے نزدیک اس کی حیثیت ایک پسندیدہ کھلونے جتنی رہی تھی۔

اسماعیل شاہ سے اس کے عہد و پیمان ہوئے تھے اور وہ اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی مگر آج اسماعیل شاہ جانے کون سا روپ دھار چکا ہوگا۔ وہ جانتی تھی کہ ٹریننگ سنٹر میں اسے کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی گئی ہوگی اور اب عورت کی حیثیت اس کے نزدیک ایک کھلونے سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔

''اب تک تو شاید میں اس کے دل سے بھی اتر چکی ہوں؟'' اس نے سوچا۔ ''تجدیدِ وفا کے طور پر اس نے زیادہ سے زیادہ چند راتوں کی بھیک ہی میری جھولی میں ڈالنی ہے۔''

یہ بھی ممکن تھا وہ اسے اپنانے پر راضی ہو جاتا مگر یہ یقینی نہیں تھا اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تب بھی اس کی زندگی تو خطرات سے بھری ہوئی تھی پہلے وہ اپنے والدین کا انتقام لیتا اور پھر اسے اپنے محسنوں کے لیے کام کرنا پڑتا گویا ہر لمحہ موت کا خوف اور ہر لحظہ پکڑے جانے کا ڈر۔ یہ ایسی باتیں تھیں جن پہ وہ اس پہلے غور نہیں کر سکی تھی۔ اسی کے ساتھ ایک اور خیال اس کی سوچ میں در آیا۔ کہ اسماعیل شاہ کے قریب جانے کا مطلب تھا انڈین ایجنٹوں کے قریب جانا۔ اور انھوں نے لازماً پارتی کو پہچان لیتا تھا اس کے ساتھ جب اس سے اتنا عرصہ غائب رہنے کا سبب پوچھا جاتا تو اس کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا بالفرض وہ کوئی کامیاب بہانہ کر لیتی تب بھی اسے پرانے کام پہ لوٹنا پڑتا۔ جو اس کے لیے موت کے مترادف تھا۔

جبکہ تنویر کو اپنا لینے کا مطلب ایک اچھا مستقبل، بے خوف حال اور آرام و آسائش بھری زندگی تھی۔

''لیکن میرا راز فاش ہو گیا تو؟'' ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا۔ ''اس وقت شاید اس زندگی سے دست برداری ممکن نہ ہو سکے؟''

اور پھر دھرم کا مسئلہ بھی تو تھا۔ مگر چند لمحے سوچنے کے بعد مؤخر الذکر مسئلہ اسے اتنا بڑا ایشو نہ لگا۔ وہ صرف نام کی ہندو تھی۔ بھارت ماتا کے لیے اتنی قربانیاں دینے کے بعد بھی اسے کوئی صلہ نہیں ملا تھا تو وہ کیوں اپنی بقیہ زندگی اس نام نہاد خدمت گزاری میں بسر کرتی۔ اتنا عرصہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے ایک چیز کا اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان ہر قسم کا گناہ کر سکتے ہیں لیکن دھرم تبدیل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس کے برعکس ہندوؤں میں اسے یہ خوبی نظر نہیں آتی تھی۔ خود اس نے بھی اسماعیل شاہ کے لیے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا ہوا تھا کہ اگر وہ اس کے مذہب پہ اعتراض کرتا تو وہ اپنا دھرم چھوڑ دیتی مگر اسماعیل سے پہلے ہی یہ مرحلہ آ گیا تھا۔

''ہے..... بھگوان کیا کروں..... اے مسلمانوں کے اللہ کیا کروں؟'' دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی اچانک ایک خیال آنے پہ وہ اچھل پڑی۔ وہ تنویر سے جس حالت میں رخصت ہو کے آئی تھی اس کے بعد تنویر کے لیے اس کے جواب کا انتظار کرنا فضول تھا۔

''کہیں وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے؟'' وہ گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی لیے اس کے دل میں اس معصوم نوجوان کی محبت

ابھری اور وہ اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے کے جانب چل دی۔

اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا اس نے تشویش زدہ انداز میں دروازہ دھکیلا۔

''تنویر..... تنویر'' اس کی آواز میں شامل گھبراہٹ خود اس کے لیے بھی حیرانی کا باعث تھی۔ وہ ملازموں کو بلانے کے لیے پر تولنے لگی تھی کہ کمرے کے اندرونی جانب قدموں کی چاپ ابھری اور دروازہ کھول کر فاطمہ نے باہر جھانکا۔

''دیدی آپ ؟..... خیریت تو ہے ؟''

''مم..... میں نے سوچا آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں۔'' وہ خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

''دیدی میں ابھی آئی ہوں..... اس پہلے امی جان یہاں موجود تھیں۔''

''کوئی بات نہیں..... تم جاؤ آرام کرو، میں تنویر کی دیکھ بھال کروں گی۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' خلاف توقع فاطمہ راضی ہو گئی۔

''اور ہاں دیدی ایک بات؟'' اسے جاتے ہوئے کوئی خیال آیا تو اس نے دروازہ بند کرتی پارمتی کو پکارا۔

''جی ؟'' وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''دیدی وہ آپ کے بغیر نہیں جی سکے گا۔'' فاطمہ اسے ہکا بکا چھوڑ کر چلی گئی۔

دروازہ بند کر کے وہ تنویر کی چارپائی کے قریب پہنچی۔

''میڈم آپ اس ٹائم؟'' وہ دروازے کی کھٹ پھٹ سے جاگ گیا تھا یا شاید وہ سویا ہی نہیں تھا۔

''ہاں میں..... کیا میرا آنا منع ہے ؟'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''نہیں..... حیران کن ہے۔ خواب دیکھ رہا تھا کہ آپ آئی ہیں۔ حقیقت کیسے ہو گئی، خواب تو جھوٹے ہوتے ہیں۔''

''پگلا۔'' وہ اس کے ساتھ چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے اس کا سر دبانے لگی۔

''میڈم آپ اس خوف سے آئی ہیں نا کہ کہیں میں خودکشی نہ کر لوں؟''

''اگر میں کہوں کہ ہاں تو پھر؟''

''نہیں میں خودکشی نہیں کروں گا..... اس کی ضرورت بھی نہیں ہے..... آپ کے بغیر میں نے یوں بھی زیادہ سے زیادہ چند دن ہی زندہ رہنا ہے..... آپ میرا بخار دیکھ رہی ہیں نا؟ یہ اتنی آسانی سے ٹھیک ہونے والا نہیں۔ کیونکہ بخار دوائی سے ٹھیک ہوگا جبکہ میں نے ابھی تک کوئی دوائی نہیں لی۔ گولی میرے منہ میں تو دی جا سکتی ہے نگلنا تو میرا کام ہے۔''

''تنویر.....'' پارمتی نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے وارفتگی سے پکارا۔

''تم نہیں جانتے......تم میری مجبوریوں سے ناواقف ہو۔''

''تم بھی تو میری حالت سے انجان ہو؟'' اس نے پہلی مرتبہ اسے تم کہنے کی جرأت کی تھی۔

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔لیکن ڈرتی ہوں۔''

''کس چیز سے؟'' وہ وحشت زدہ ہو گیا۔

''اپنے ماضی سے......اپنی قسمت سے۔''

''مجھے تمہارے ماضی سے کچھ نہیں لینا۔''

''شاید کسی غیر کا حوالہ تم سے برداشت نہ ہو سکے۔''

''اس بارے میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں......اب تو بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کے جس موڑ پر کوئی شکایت محسوس ہو مجھے چھوڑ دینا۔میں اپنی ساری زمین جائیداد تمہارے نام لکھنے کو تیار ہوں۔میں......میں'' اس سے کوئی بات نہ بن پائی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''تنویر'' کہتے ہوئے پاربتی نے اپنا سر اس کی چوڑی چھاتی پر رکھ دیا۔تنویر کے بازو خود بخود اس کے جسم کے گرد لپٹ گئے۔نا معلوم وہ کتنی دیر اسی حالت میں رہے۔پاربتی کو ایسا سکون کبھی کسی کی آغوش میں نہ آیا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ساری زندگی اسی طرح بیت جائے۔کوئی اندیشہ،کوئی خوف۔کوئی غم ان کے قریب نہ آئے اپنے خیالات کی ترجمانی اسے تنویر کی سرگوشی میں سنائی دی۔

''میڈم کاش یہ وقت یہیں ٹھہر جائے۔''

''میڈم نہیں شہزادی کہو۔'' اس کی آواز کسی الہڑ لڑکی کی طرح لرزی۔

''''وہ تو تم ہو اس میں کیا شک ہے؟۔''

وہ کافی دیر اسی حالت میں پیار بھری گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے کانوں میں صبح کی آذانیں گونجیں۔

''کتنی جلدی صبح ہو گئی ہے۔ہے نا وہ کیا کہتے ہیں کہ......

دی مؤذن نے شبِ وصل اذاں پچھلے پہر
ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

وہ مستفسر ہوئی۔''اچھا مجھے مسلمان کب کرو گے؟''

''سس......سچ میڈم۔'' وہ مسرت سے ہکلایا۔

''ہاں سچ......مگر یہ بات ہمارے درمیان راز رہے گی۔''

''ٹھیک ہے..... میں صبح ہی اپنے اسلامیات کے ٹیچر سے کسی غیر مسلم کے اسلام لانے کا طریقہ پوچھنے جاؤں گا۔''

''اپنی حالت دیکھی ہے۔'' وہ اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر فکرمندی سے بولی۔

وہ مسکرایا۔''یہ بیماری تو اب چند لمحوں کی مہمان ہے۔'' اسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی۔

''باجی ہوں گی۔'' تنویر بولا اور پاربتی دروازے کی کنڈی کھولنے چل دی۔

''دیدی اب آپ آرام کے لیے جا سکتی ہیں۔'' وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''چلی جائیں گی باجی!..... فی الحال تو ہمیں اچھا سا ناشتا کرا دو۔''

''ارے تیری طبیعت تو کافی بہتر نظر آ رہی ہے؟'' فاطمہ اپنے بھائی کے چہرے پہ چھائی رونق دیکھ کے مسرت بھری حیرانی سے بولی۔ ماتھا چھونے پہ اسے بخار کی شدت میں بھی کمی نظر آئی۔ ''یہ کیا بھئی.....کون سی دوا کھلا دی ہے تجھے تیری میڈم نے؟''

''تیرا بھائی بہت خوش قسمت ہے باجی۔'' تنویر مسرت سے چہکا۔

''سچ دیدی؟'' فاطمہ پاربتی سے لپٹ گئی۔ جبکہ اس کی آنکھیں حیا سے جھک گئیں تھیں۔

''دیدی میں آپ کو بھابی کہہ سکتی ہوں؟'' وہ بچوں کی سی معصومیت سے مستفسر ہوئی۔

''تنویر سے پوچھ لو۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اس کا مطلب کہہ سکتی ہوں.....میری اچھی بھابی..... میری پیاری بھابی۔'' فاطمہ جیسے مسرت سے بے قابو ہو گئی تھی۔

''باجی ناشتا تو لے آؤ نا بھوک لگی ہے۔'' تنویر پیٹ پہ ہاتھ پھیرتا ہوا بلبلایا۔

''ابھی لائی..... بھابی آپ بھی یہیں ناشتا کر لینا۔''

فاطمہ کے باہر جانے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر تنویر کے نزدیک آ کے بیٹھ گئی۔ لیکن اس مرتبہ اس کے ساتھ چارپائی پہ بیٹھنے کی بجائے اس نے کرسی کو ترجیح دی تھی۔

''تنویر!''

''جی میڈم۔'' وہ چاہت بھرے لہجے میں بولا۔

''پھر میڈم.....؟'' اس نے مصنوعی غصے سے آنکھیں نکالیں۔

''ہاں.....شادی کے بعد بھی آپ میرے لیے میڈم ہی رہیں گی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''اکیلے میں تو شہزادی کہہ لیا کرو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلاتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے.....مم.....میری شہزادی۔'' اور وہ دونوں کھلکھلا کے ہنس پڑے۔

"اچھا تو پھر ایک وعدہ کرو۔"

"تمھیں چھوڑنے کے علاوہ مجھے تمھاری ہر بات قبول ہے۔"

"سن تو لو۔"

"کوئی خاص ضرورت تو نہیں......آپ بتانا چاہتی ہیں تو فرمائیں۔"

"ٹھیک ہونے کے بعد میرے ساتھ کراچی چلنا، میں چاہتی ہوں کہ نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ہر قسم کے تفکرات سے آزاد ہو جاؤں۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے جس کے حل ہونے کے بعد میں ہمیشہ کے لیے تمھاری بن جاؤں گی۔ اور وعدہ کرو کوئی بھی ایسی صورت حال بن گئی جس میں مجھے تم سے جدا کیا گیا تو تم خندہ پیشانی سے اس کا سامنا کرو گے۔"

"یہ بھلا کیا بات ہوئی، میں کہہ رہا ہوں کہ جدائی کے علاوہ سب کچھ قبول ہے اور آپ گھما پھرا کر جدائی پہ بات لے آتی ہیں۔"

"تو کیا کروں میری جان۔" اس کی آواز گلوگیر ہونے لگی۔ "تجھے کیا پتا میں کن آزمائشوں سے دوچار ہوں۔"

"اپنے سارے غم مجھے کیوں نہیں سونپ دیتیں۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ اسی وقت فاطمہ ناشتے کے برتن لیے اندر داخل ہوئی اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

☆......☆......☆

اس کے بعد ان کی اس موضوع پہ کوئی بات نہ ہوئی۔ دو تین دن کے اندر تنویر بھلا چنگا ہو گیا۔ اس دوران پارتی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور تنویر اسے نماز سکھانے میں مشغول ہو گیا۔ یہ کام وہ باقی گھر والوں سے چھپ کر کرتے تھے پارتی کو ٹوٹی پھوٹی عبادت کرنے میں جو لذت اور سکون محسوس ہوتا تھا ایسا اطمینان اسے زندگی بھر نہیں ملا تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کاش وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتی تو اس کی اتنی عمر رائیگاں نہ جاتی۔ تنویر اپنے استاد کے مشورے سے اس کے لیے اسلام کے متعلق اردو اور انگلش کا کافی لٹریچر لے آیا تھا۔ پارتی نے ٹریننگ کے دوران بھی اسلام کا کافی مطالعہ کیا تھا مگر وہ نفرت و حقارت کی عینک پہن کر کیا تھا۔ اب کھلے ذہن سے اسلام کے بارے پڑھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ وہ کتنی بڑی گمراہی کا شکار تھی۔

تنویر کے مکمل صحت یاب ہوتے ہی اس نے خفیہ ایجنسی کے اس آفیسر سے ملنے کا ارادہ کر لیا جس نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی۔ اسے امید تھی کہ وہ اسے معاف کرنے پر راضی ہو جائے گا۔ اس سے ملے بغیر بھی وہ نئی زندگی کی شروعات کر سکتی تھی مگر اس طرح وہ ساری عمر ایک انجانے خوف کا شکار رہتی۔ اسماعیل شاہ کی ٹریننگ ختم ہونے میں دو ہفتے کا وقت رہ گیا تھا پہلے اس نے یہ وقت وڈیرے کا گھر چھوڑنے کے لیے منتخب کیا تھا تا کہ اسماعیل شاہ کو خوش آمدید کہنے کراچی جا سکے لیکن اب وہ ان کی مخبری کے لیے جا رہی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس آفیسر کو اسماعیل شاہ کی بے گناہی کے بارے بھی بریف کر دے گی تا کہ اسے کم سے کم سزا مل سکے۔

"تنویر!......کل کراچی چلیں گے۔" وہ اس وقت اپنی سمجھ کے مطابق پارس کو نماز کے بنیادی مسائل بتا رہا تھا کہ پارس نے دعا کا کیا۔

"جانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں ...... تجھے کہا تھا نا ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے جو حل طلب ہے؟ اسے حل کرنے کا وقت آ گیا ہے اب تخت ہوگا یا تختہ ...... یا تو شہزادی ہمیشہ کے لیے تیری ہو جائے گی یا............"

"آگے کچھ نہ کہنا۔" اس نے گھبرا کے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"میرے کہنے نہ کہنے سے یہ حقیقت نہیں بدلے گی۔"

"مجھے اپنے دکھ میں شامل نہیں کرو گی؟"

"کراچی سے واپسی پہ تجھے ساری صورت حال سے آگاہ کروں گی"۔ جواباً وہ خاموش رہا۔ پارس کو اس کے چہرے پہ گہری پریشانی دکھائی دے رہی تھی لیکن اس نے تفصیل پوچھنے پہ اصرار نہیں کیا تھا۔

"یا اللہ بہت سی خوشیاں میرے تنویر کا مقدر کر دے۔" اس دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ دونوں صبح سویرے اپنی گاڑی میں کوٹ سے نکلے شام تک وہ کراچی پہنچ گئے تھے۔ رات ایک ہوٹل میں گزار کر دوسری صبح پارس نے تنویر کو ساتھ لے کر اس عمارت کا رخ کیا جہاں سے وہ بھاگی تھی۔ اس مقصد کے لیے اسے کافی دیر گلیوں میں پھرنا پڑا مگر آخر اس نے وہ عمارت ڈھونڈ لی۔

اس عمارت ے سامنے گاڑی رکوا کر وہ نیچے اتری۔ اس وقت بھی وہ نقاب میں تھی۔ ابھی وہ گیٹ سے چند قدم دور ہی تھی کہ چوکیدار اندر سے برآمد ہوا۔

"جی بی بی جی!......کس سے ملنا ہے؟" وہ مستفسر ہوا۔

"بھائی میں عرفان کی بہن ہوں۔" پاشا کے موبائل سے آنے والی آوازوں میں اس نے عرفان کا نام سنا تھا اور وہی نام چوکیدار کے سامنے دہراتے ہوئے بولی۔" اور اس کے آفیسر سے ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن بھائی صاحب اس بات کا علم عرفان کو نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہن جی عرفان......؟" چوکیدار کے لہجے میں پائی جانے والی جھجک اس چیز کی مظہر تھی کہ اس کا تیر نشانے پہ لگا تھا۔

"ہاں بھائی!...... عرفان۔"

"مگر اس ٹائم تو اس کا افسر یہاں موجود نہیں ہے۔"

''آپ مجھے اس کے گھر کا ایڈریس دے دیں میں وہیں چلی جاتی ہوں۔''

''مگر آپ کو اس جگہ کا ایڈریس کہاں سے ملا ؟''

''ایک دفعہ عرفان کو ادھر ڈراپ کیا تھا۔اس وجہ سے یاد ہے۔''

''تو اب عرفان سے ہی اس کے آفیسر کے گھر کا ایڈریس مانگ لیتیں؟'' وہ آخری آئی کا آدمی تھا اتنی آسانی سے اس کے شکوک رفع نہیں ہو سکتے تھے۔مگر اس کے مدمقابل بھی پاربتی تھی جلدی سے بولی

''سمجھا جاتا تو ہے عرفان کی لاعلمی میں آئی ہوں اگر اسے پتا چل گیا تو وہ طوفان کھڑا کر دے گا۔''

''اچھا ٹھہرو میں صاحب سے فون پہ پوچھ لوں۔'' وہ اسے وہیں کھڑا رہنے کا اشارہ کر کے اندر گھس گیا۔چند لمحوں بعد باہر آ کر اس نے موبائل فون اس کے جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لو صاحب فون پہ موجود ہیں بات کرلو۔''

''اسلام علیکم بھائی جان میں عرفان کی بہن بات کر رہی ہوں۔''

''جی بہن ؟'' اسے اسی خوبرو نوجوان کی آواز سنائی دی جس نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی اتنا عرصہ گذرنے کے بعد بھی وہ آواز اس کی سماعتوں سے محو نہیں ہوئی تھی۔

''بھائی میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا فون چوکیدار کو دو۔''

''یہ لیں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' پاربتی نے فون چوکیدار کی طرف بڑھایا اس نے فون لے کر بات سنی اور پاربتی سے بولا۔

''آؤ بہن جی صاحب یہیں پہ آرہے ہیں آپ ان کے دفتر میں بیٹھ کر انتظار کریں۔''

''میرے شوہر بھی ساتھ ہیں۔'' پاربتی نے گاڑی میں بیٹھے تنویر کے جانب اشارہ کیا۔

''اسے کہو گاڑی اندر لے آئے۔''

چند لمحوں بعد وہ عمارت کے اندر تھے، پاربتی کا دل آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا نا معلوم اس کا فیصلہ درست تھا یا غلط اسے ایک غیر آدمی پہ اتنا اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اچھے مستقبل اور بے خوف زندگی کے لالچ میں وہ یہ جوا کھیلنے پہ آمادہ ہو گئی تھی۔

''آپ لوگ اپنے موبائل اور دوسرا سامان گاڑی میں چھوڑ دیں۔'' چوکیدار نے مودبانہ لہجے میں کہا مگر پاربتی جانتی تھی کہ اس مودبانہ لہجے کے پیچھے کون سے طوفان پوشیدہ ہیں۔اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنا پرس اور سیل فون گاڑی میں رکھ دیا تنویر نے بھی اس کی دیکھا دیکھی جیب سے تمام چیزیں گاڑی میں منتقل کر دیں تھیں۔چوکیدار انھیں ''واک تھرو گیٹ'' سے گذار کر ایک سادہ سے دفتر میں

لے آیا۔ ایسے گیٹ تنویر نے ایک مرتبہ ایئر پورٹ پہ دیکھے تھے جب جہاز پہ سوار ہونے سے پہلے اسے ان میں سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس گیٹ سے گزرتے وقت کسی بھی قسم کی دھات کی چیز جیب میں ہونے پہ ایک تیز گھنٹی بجتی ہے۔ مگر اس بات کی اسے سمجھ نہ آسکی کہ اس عمارت میں یہ اہتمام کیا معنی رکھتے تھے۔ اس نے دل میں ارادہ کر لیا کہ یہ بات بعد میں شہزادی سے ضرور پوچھے گا۔

☆......☆......☆

اتنے عرصے بعد بھی اسے پاربتی کی آواز پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ یہ آواز سن کر وہ حیرت سے اچھل پڑا تھا۔ اس نے فون عرفان کی بہن سمجھ کر اٹینڈ کیا تھا مگر اس کی آواز پہچانتے ہی اس نے چوکیدار کو حکم دیا کہ اسے مکمل چیک کر کے اس کے آفس میں بٹھا دے اور اس کی کڑی نگرانی رکھے یوں بھی اس کے آفس میں خفیہ کیمرہ نصب تھا چوکیدار بڑی آسانی سے اس کی نگرانی کر سکتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ اس بات سے تو وہ اچھی طرح واقف تھا کہ پاربتی کی آمد میں کوئی گہری سازش پوشیدہ تھی مگر اس سازش کا اندازہ وہ نہیں کر سکا تھا۔ بہر حال جو بات بھی تھی جلد ہی سامنے آنے والی تھی یوں بھی اس نے کبھی موت سے خوف نہیں کھایا تھا۔ چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی او کے کا سگنل دیا۔ اس کا اشارہ پا کر عاطف اپنے آفس کے جانب بڑھ گیا۔

''اسلام علیکم۔'' کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا۔

''وعلیکم اسلام۔'' اسے دیکھتے ہی دونوں کھڑے ہو گئے تھے۔ پاربتی نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔

''کیا اس کا یہ گمان ہے کہ میں اسے پہچان نہیں پاؤں گا؟'' عاطف کے ذہن میں سوچ ابھری۔

تنویر تم باہر جا کے بیٹھو۔'' عاطف کے اندر آتے ہی پاربتی تنویر سے بولی۔ اور وہ سر ہلاتا ہوا باہر چل دیا۔

''پلیز بیٹھو۔'' عاطف نے صوفے کے جانب اشارہ کیا۔

''شکریہ۔'' کہ کر وہ بیٹھ گئی۔ ''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں؟''

''میں نے تجھے فون پہ ہی پہچان لیا تھا ...... مس پاربتی، لیکن میرا خیال تھا کہ تم مجھے کوئی چکر دینے کا منصوبہ سوچ کے آئی ہو، اس لیے تیری بات چیت کا منتظر تھا۔''

''آپ کا نام پوچھنے کی جسارت کر سکتی ہوں؟''

''عاطف۔''

''کیا میں آپ کو عاطف بھائی کہہ سکتی ہوں۔'' اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کے وہ جلدی سے بولی۔

''الحمد للہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔''

''نبی پاک ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اس نسبت سے آپ کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

''شکریہ عاطف بھائی..... میری آمد لازماً آپ کے لیے اچنبھے کا باعث ہوگی لیکن اس آمد کا مقصد آپ پہ تب ہی واضح ہوگا جب آپ میری پوری کہانی سنیں گے۔''

''سنائیں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے اپنی روداد وہاں سے شروع کی جب اس نے آخری مرتبہ پاشا سے بات چیت کی تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد کراچی واپسی تک سب کچھ من وعن عاطف کے سامنے دہرا دیا۔

عاطف نے پوچھا۔ ''سال ہونے والا ہے کہ تم لاپتا ہو اور تجھے ڈھونڈنے کی سرگرمیاں کب کی ماند پڑ چکی ہیں پھر تو نے یہاں آ کر مصیبت مول لینے کی کوشش کیوں کی ہے؟''

''میرا ضمیر مطمئن نہیں تھا اور میں نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے ماضی کے سارے گناہوں کا قانونی کفارہ چاہتی تھی ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ کبھی میرا بھانڈا پھوٹ جاتا اور میں کہیں کی نہ رہتی۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے انڈیا واپس جانے کی کوشش کیوں نہیں کی.....؟ یہ تو یہ سے محبت اور اسلام لانا یہ تو ابھی دو اڑھائی ہفتوں میں وقوع پذیر ہوا ہے؟''

''انڈیا جانے کا مطلب تھا اسی پرانے دھندے کی طرف دوبارہ لوٹنا جبکہ میں اس کام سے توبہ کر چکی تھی کہ جس میں عورت کی زندگی کا صرف ایک ہی مصرف ہے کہ وہ مرد کا دل لبھاتی رہے..... دوسرے میرا ایک محبوب تھا اور اس نے سال کے بعد اپنی ٹریننگ سے فارغ ہونا تھا میں اس کے انتظار میں وڈیرے کے گھر میں چھپی ہوئی تھی۔''

''گڈ'' عاطف کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ ''تو اب اسے چھوڑنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟''

پاربتی اس کے طنز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولی۔ ''عاطف بھائی!..... آپ میری گذشتہ زندگی سے واقف ہیں، اپنے جس محبوب کا میں ذکر کر رہی ہوں پوری دنیا میں مجھے صرف اسی پہ بھروسا تھا کہ وہ مجھے اپنا لے گا..... یا کم سے کم مجھے صرف اسی کے مطالبات پورے کرنے ہوں گے۔ اس لیے میں نے اسے اپنا محبوب کہا اس کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب آپ یہ کہیں گے کہ میں خوب صورت ہوں اور مجھے چاہنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ بات بظاہر صحیح لگتی ہے مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ کوئی بھی مرد جو میری گذشتہ زندگی سے واقف ہو جائے کبھی مجھے اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اور کسی کو دھوکا دینے میں یہ خطرہ ہے کہ جب بھی میرا ماضی اس کے سامنے آئے گا میں نہ صرف اس کی نظروں سے گر جاؤں گی بلکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔''

''حالیہ محبوب پہ بھی تو یہ کلیہ لاگو ہوتا ہے۔''

''اس نے جانے مجھ میں کیا دیکھا ہے کہ مجھے اپنانے پہ تیار ہو گیا، حالانکہ میں نے اسے واضح طور پہ بتا دیا ہے کہ میں بیوہ ہوں

اور میرا ماضی بھی کچھ بہتر نہیں گزرا مگر یہ نہ مانا اور جب نوبت خودکشی تک پہنچی تو مجبوراً مجھے شادی کی حامی بھرنی پڑی لیکن اس سے پہلے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے ماضی کے اس باب کو بھی بند کر دوں۔ابھی تک میں نے اسے اپنے جاسوس ہونے کے متعلق نہیں بتایا.....اب گر آپ نے میری بات کا یقین کرتے ہوئے میری جان بخشی کر دی تو ایک مرتبہ پھر اسے ساری تفصیل سے آگاہ کروں گی اس کے باوجود یہ شادی کے لیے بضد رہا تو میری خوش قسمتی ورنہ میرے اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔"

"اللہ کی زمین تو پہلے بھی بہت وسیع تھی۔"

"ہاں لیکن اس وقت میں نے اپنے اللہ کو پہچانا نہیں تھا۔"

"پارس مجھے تیری بات پہ یقین آ گیا ہے اور میری طرف سے تم آزاد ہو۔"

"سس.....سچ عاطف بھائی خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔"

"بالکل سچ .....اور یاد رکھو میں سب سے زیادہ تمھارے نقاب سے متاثر ہوا ہوں کہ تم نے ابھی تک مجھے بھی اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔اگر تم مجھے دھوکا دینے آئی ہوتیں تو لازماً مجھے لبھانے کی کوشش کرتیں،باقی اپنا راز ہر کسی کے سامنے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں اگر میں نے تیرے کیس کو ہائی لیول پہ اجاگر کرنے کی کوشش کی تو شاید تیری جان اتنی آسانی سے نہ چھوٹے۔تیرا معاملہ مجھ تک محدود ہے بس اپنے سینئر کے کانوں سے میں ورلی طور پہ یہ بات گذار دوں گا۔اس کے علاوہ میں اس کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"عاطف بھائی آپ نے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے اللہ آپ کو عزت دے اور آپ کی مصیبتوں کو ٹالے اور دلی خواہشات کو پورا کرے۔"

"ماشاءاللہ پارس بہن بڑی مولوی بن گئی ہو۔"

"اب میرا نام شہزادی ہے بھیا۔"

"اچھا نام ہے.....تمھارے ساتھ بھلا لگتا ہے۔"

"شکریہ بھیا باقی یہ درخواست بھی کروں گی کہ میری چند وڈیوز اور تصاویر وغیرہ آپ کے ہاتھ لگی تھیں اگر انھیں تلف کر لیتے تو بڑا احسان ہوتا۔یوں بھی اب وہ آپ کے کسی کام کی نہیں ہوں گی۔"

"ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ فلمیں اور تصاویر ضائع کر دی جائیں گی۔"

"اللہ آپ کو عزت دے بھیا۔" شہزادی کی دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی جسے عاطف محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"آخر میں میں بطور مسلمان یہ ضروری سمجھتی ہوں کہ ایک اہم اطلاع آپ تک پہنچا دوں" یہ کہہ کر اس نے اسماعیل شاہ کی ساری کہانی عاطف کو سنا دی۔عاطف خاموشی سے ساری تفصیل سنتا رہا۔وہ بات سمیٹتے ہوئے بولی۔

''بھیا میری استدعا بھی ہے کہ انھیں جب گرفتار کر لینا تو اسماعیل شاہ کے بارے سنجیدگی سے غور کرنا وہ بہت مظلوم ہے۔اور یہ بھی بتاتی جاؤں کہ یہی وہ میرا محبوب ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔''

''آپ کو تاریخ کنفرم ہے نا؟ کہ اگلے ہفتے ہی ان کی ٹریننگ کا اختتام ہونے والا ہے؟''

''سو فیصد کنفرم ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے یہ سارے اکٹھے ہی سمگلروں کے روپ میں پاکستان بھیجے جائیں گے اطراف کے سرحدی محافظوں سے پہلے سے ڈیل ہو جاتی ہے۔اور جو سرحد استعمال کی جاتی ہے اس بارے میں پہلے وضاحت کر چکی ہوں۔'' عاطف نے اس سے چند مزید سوال پوچھے جن کے اس نے تسلی بخش جواب دیے۔

''آپ کا بہت شکریہ شہزادی بہن اب میرا خیال ہے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے چائے پی جائے؟''

''ہاں بھیا چائے تو میں آپ سے ضرور پیوں گی۔''

''عاطف نے بیل بجائی تو وہی چوکیدار اندر داخل ہوا۔

''جی سر؟''

''چائے لے آؤ اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی لیتے آنا۔''

چوکیدار ایک مرتبہ پھر''جی سر'' کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔چائے آنے تک وہ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے جیسے ہی چوکیدار چائے کے لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوا شہزادی کو تنویر کا خیال آیا اپنی آزادی کی خوشی میں وہ اسے بھولی ہوئی تھی۔وہ چوکیدار سے بولی......

''بھائی!......ویٹنگ روم میں میرا شوہر بیٹھا ہے اسے بھی اندر بھیج دینا۔''چوکیدار سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا اور چند لمحوں بعد اندر آ کر بولا۔''وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے چائے نہیں پینی اور وہ گاڑی میں آپ کا منتظر ہے۔''

یہ کہہ کر چوکیدار تو باہر نکل گیا مگر شہزادی کے دماغ کو سوچوں کی آماجگاہ بنا گیا۔

''ابھی سے تنویر......ابھی تو نئی زندگی کی شروعات ہی نہیں ہوئی اور تو نے اپنا آپ ظاہر کر دیا ہے تم تو جانے کیا کیا دعوے کرتے رہے ہو......بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ تم پہلے ہی کھل کر سامنے آ گئے شادی کے بعد شاید میں پھنس جاتی۔'' اسے تنویر کا انکار بہت زیادہ کھل رہا تھا۔

''خیر تو ہے شہزادی بہن؟'' اسے سوچوں میں گم دیکھ کر عاطف مستفسر ہوا۔

''آں......ہاں کچھ نہیں عاطف بھیا۔'' وہ چونک گئی۔

''اس معاملے میں مرد کا دل بہت حاسد ہوتا ہے بہن۔'' عاطف نے اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔

''میں اب اجازت چاہوں گی بھیا۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔تنویر کے رویے سے اسے تکلیف پہنچی تھی۔

عاطف ایک کاغذ پہ اپنا فون نمبر لکھ کر اس کی سمت بڑھایا۔''بہن میرے لائق کوئی خدمت ہو تو اس نمبر پہ مجھ سے بات کر لینا

تمہارے کام آ کے مجھے خوشی ہوگی۔ یوں بھی مسلم برادری کا حق بنتا ہے کہ اپنے نو مسلم بھائی بہنوں کا خاص خیال کریں۔"

"مہربانی بھیا" کہہ کر اس نے عاطف کے ہاتھ سے کاغذ کا پرزہ لیا اور اسے سلام کہتی ہوئی آفس سے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

عاطف جیسے خوبرو جوان کو دیکھتے ہی تنویر کو شہزادی کے مسئلے کی بابت اندازہ ہو گیا تھا۔"شاید یہ تجدید وفا کے لیے آئی ہے اگر اس کے محبوب نے اسے قبول کر لیا تو یہ ہمیشہ کے لیے میرا گھر چھوڑ دے گی، یا اللہ ان کی صلح نہ ہو پائے۔" اس نے دل گرفتگی سے دعا مانگی۔ جتنی دیر پارتی اندر رہی اس کا دل ہولتا رہا اور پھر اس نے بیل بجنے کی آواز سنی۔ چوکیدار دفتر میں جا کر باہر نکلا تھوڑی دیر بعد جب اس نے اسے چائے کے لوازمات کے ساتھ دوبارہ اندر جاتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ شہزادی کی اپنے محبوب سے صلح ہو گئی ہے۔ اسی وقت اسے چوکیدار اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

"سر آپ کو اندر چائے کے لیے بلا رہے ہیں۔"

اس نے سوچا "اب شاید مجھے اپنا فیصلہ سنانے کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ لیکن مجھ سے تو برداشت نہیں گا، میں تو وہیں رو پڑوں گا بہتر یہی ہے کہ میں اندر نہ جاؤں۔" وہ چوکیدار سے بولا۔

"میں نے چائے نہیں پینی، بتا دو کہ میں گاڑی میں منتظر ہوں۔" وہ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے مقدر پہ رونا آ رہا تھا "ہونہہ!...... یہ اس کی مجبوریاں تھیں۔"

جلد ہی اسے شہزادی دفتر سے باہر نکلتی دکھائی دی۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور سلف لگا کر گاڑی سٹارٹ کر لی۔

"اب کہاں جانا ہے۔" اس کی آواز میں لاکھوں اندیشے پنہاں تھے کہ جانے وہ کیا کہتی ہے شاید یہیں سے رخصت لے لے، شاید ایک دفعہ امی ابو سے ملنے کے لیے چلی جائے۔" یوں بھی اس کے چہرے کے تاثرات نقاب کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا کہ اس کے اندیشے حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔

"جہاں رات گزاری ہے اسی ہوٹل میں چلو۔" اس کے لہجے میں پنہاں سنجیدگی تنویر کو واضح محسوس ہوئی اور اس کا دل ہولنے لگا۔ گاڑی عمارت سے باہر لا کر اس نے ہوٹل کے جانب موڑ دی۔ راستے میں وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے تنویر کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی اور فکر مندی شہزادی کے اندازوں کی تصدیق کر رہی تھی کہ وہ اس کے کردار پہ شک کر رہا ہے۔ اس نے کبھی بھی پاک دامنی کا دعوا نہیں کیا تھا مگر یہ بات وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھی کہ توبہ کرنے کے بعد اس نے کبھی اس کام کے متعلق سوچا بھی نہیں تھا اور ماضی کے سارے کام بھلانے کے وعدے تو تنویر نے بڑی شدت سے کیے تھے۔ ہوٹل کے سامنے گاڑی رکوا کے وہ نیچے اتری اور اس کی جانب دیکھے بغیر بولی۔

"آنٹی، انکل اور فاطمہ کو میرے ڈھیروں سلام کہنا۔ اور میری طرف سے بہت بہت معذرت کر دینا کہ میں ان سے آخری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملاقات کے لیے نہ آسکی۔ اگر وہ مجھ سے ملنا چاہیں تو میں اگلے چند دن اسی ہوٹل میں رہوں گی..... خدا حافظ۔'' وہ ایک لمحہ رکی رہی کہ شاید تنویر اس سے وضاحت طلب کرے اور وہ اس کے رویے پہ اسے شرمندہ کرے مگر اتنے بڑے دعوے کرنے والا خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہا۔

''شاید کہنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں، اگر میں خود اس موضوع کو چھیڑ دوں تو؟'' ایک جذبہ اس کے اندر جاگا مگر پھر اس کی انا آڑے آگئی۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنا اسے اچھا نہ لگا اور وہ ہوٹل کے اندر چل دی وہ ایک مرتبہ پھر ہار گئی تھی۔ اس کے ذہن میں کسی شاعر کا شعر گونجا:

میں تو مقتل میں بھی قسمت کا سکندر نکلا

قرعہ فال میرے نام کا اکثر نکلا

☆.....☆.....☆

''تمہیں یقین ہے کہ اس نے سچ کہا ہے؟'' صدیقی صاحب مستفسر ہوا

''سو فیصد سر..... ان بیس بندوں کے بارے وکرم سے بھی معلومات ملیں تھیں مگر اسے یہ کنفرم نہیں تھا کہ ان کی ٹریننگ کب ختم ہو گی دوسرے اس نے یہ بات بہت مجمل بتلائی تھی..... ویسے بھی یہ بات ریکارڈ پہ ہے کہ کچھ دشمن ملک تنظیموں کے آدمی پڑوسی ملک میں دہشت گردی کی تربیت کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ وکرم نے بھی اسی تناظر میں بات کی تھی۔ لیکن جس طرح پارتی..... میرا مطلب ہے شہزادی نے بات کی ہے تو صورت حال کافی گھمبیر دکھائی دے رہی ہے..... بیس ایسے جوان جو کہ ماسٹرز ہوں۔ اور پھر انھیں پندرہ ماہ کی ٹریننگ دی جائے، جس میں لازماً جسمانی تربیت کے ساتھ ان کی برین واشنگ بھی کی گئی ہو گی..... وہ کتنی مصیبت کا سبب بنیں گے اور دشمن ان سے کتنے فائدے اٹھائے گا اس کے لیے کسی حساب کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان میں سے ہر آدمی کسی نہ کسی وڈیرے، سردار، چوہدری اور ملک کا ڈسا ہوا ہو گا اور اس نے اپنا بدلا قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے لینا ہوتا تو اسے دشمن ملک جا کر ٹریننگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے یہ بات بھی بڑے فساد کا سبب بنے گی۔''

''عاطف میاں!..... یہ تو بعد کی بات ہے پہلے یہ بتاؤ..... تو نے شہزادی پہ اتنا اعتبار کیسے کر لیا۔ کہیں وہ صرف بلیک میلنگ کا مواد تلف کرانے نہ آئی ہو؟''

''سر!..... کسی پہ یقین کرنا نہ کرنا یہ انسان کے ایسے احساسات سے تعلق رکھتا ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، البتہ میرا تعلق جس شعبے سے ہے اس کی یہ مجبوری ہے کہ میں ہر کسی کو شک کی آنکھ سے دیکھوں اور اسی نسبت سے شہزادی اب بھی میرے آدمیوں کی نگرانی میں ہے۔ یہ اور بات کہ یہ نگرانی صرف اپنے اعتماد کو تقویت دینے کے لیے کرائی جا رہی ہے..... باقی وہ مواد یوں بھی ہمارے کام کا نہیں تھا اسے تلف کرنے میں ہی بہتری تھی۔''

”گڈ مجھے بھی تم سے یہی امید تھی ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس کی کہانی میں نہ تو کوئی جھول ہے اور نہ کسی سازش کی بو محسوس ہو رہی ہے۔“

”پھر اس کی اطلاع پہ کیا ردِعمل ہونا چاہیے؟“

”اگر ہم ان افراد کو گرفتار کرنے کی کوشش کریں تو تمام کا گرفتار ہونا تھوڑا مشکل لگتا ہے اور بالفرض انھیں گرفتار کر لیں تب بھی ان کی دوبارہ برین واشنگ کے لیے بڑا طویل عرصہ درکار ہو گا؟“

”میرے ذہن میں بھی یہی بات ہے..... ٹریننگ سنٹر کی تربیت اور سکھلائی اتنی آسانی سے ان کے دماغ سے محو نہیں کی جا سکتی دوسرے وہ دہشت گرد کے ساتھ ”دہشت گر“ بن کر آ رہے ہیں، جانے کتنے معصوم نوجوانوں کو اپنا ہمنوا بنا لیں، اس لیے ان کے ہونے سے ان کا نہ ہونا بہتر ہے۔“

”بہت بڑا فیصلہ کر رہے ہو؟“

”کرنا پڑتا ہے سر!..... ملک کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کیا جا سکتا ہے..... یہ تو دنیا کا اصول ہے کہ کُل کے لیے جز کی قربانی دے دو۔ ہاتھ کے ناسور کو پورے جسم میں پھیلنے سے روکنے کے لیے ہاتھ کاٹ دو اور باقی جسم بچا لو۔“

”اتنے بڑے اقدام کی اجازت دینا میرے بس سے باہر ہے۔“

”بدر صاحب سے اجازت لے لو۔“ عاطف نے مشورہ دیا۔

”ایک پرابلم پھر بھی رہے گی۔“

”وہ کیا؟“

”اگر بدر صاحب اجازت دے دیں تب بھی اتنی بڑی سرحد ہم سے کیسے کور ہو گی؟“

”اس کا حل میں نے سوچا ہوا ہے۔“

”ذرا میں بھی سنوں؟“ صدیقی صاحب کا لہجہ اشتیاق سے پر تھا۔

”سر!..... ہمیں صرف صحرائی سرحد کی نگرانی کرنی پڑے گی اور اس میں بھی چند مقام ایسے ہیں جہاں سے ان کی آمد متوقع ہے ۔اب یہ بات تو کنفرم ہے کہ جوانب کے سرحدی محافظوں کی ملی بھگت سے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس میں نیچے سے لے چوکی کمانڈر تک کی شمولیت متوقع ہے اگر ہم ان چوکیوں کے سینٹرز کی جگہ اپنے آدمی ہفتے ڈیڑھ کے لیے بھیج دیں اور جیسے ہی ان کے آنے کی سمت کا تعین ہو ہم وہ سائیڈ کور کر لیں۔“

”ضروری نہیں کہ وہ اکٹھے آئیں..... وہ تھوڑے تھوڑے آدمی بھی بھیج سکتے ہیں۔ اور پھر اکا دکا آدمیوں کے آنے سے ہمیں یہ

کیسے پتا چلے گا کہ وہ ہمارے مطلوبہ افراد ہیں کیونکہ سمگلروں کی آمدورفت تو معمول کا حصہ ہے؟"

"ایسی صورت میں ہم آنے والوں کی نگرانی پہ اکتفا کریں گے...... وہ بھی اس لیے کہ تمام کی آمد کے بعد ان کے خلاف کاروائی کی جائے ...... باقی جہاں تک حقیقی سمگلروں کا تعلق ہے ان سے سرحدی محافظ یوں بھی واقف ہوتے ہیں کہ ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔"

"آدمیوں کی کمی کا سوال ہنوز حل طلب ہے؟"

"سر!...... ہم بدر صاحب کی وساطت سے کسی آرمی کی یونٹ سے عارضی طور پر مدد طلب کر سکتے ہیں۔"

"انھیں قتل کرنے کی تجویز کے علاوہ بقیہ تمام تجاویز مجھے قبول ہیں۔"

"ٹھیک ہے سر انھیں گرفتار کر لیں گے...... لیکن یہ فقط سر دردی ہی ہے......۔"

"دیکھتے ہیں بدر صاحب اس بارے کیا کہتے ہیں ؟"

"ٹھیک ہے سر!...... آپ بدر صاحب سے بات کر لیں پھر جو طے ہو جائے بتا دینا۔"

"دونوں چلتے ہیں تا کہ جو بات ہو سامنے آجائے یوں بھی میں آپ کے نقطہ نظر کی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔"

"سر کائنڈلی (Kindly) بدر صاحب سے شہزادی کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"جانتا ہوں۔" کہہ کر صدیقی صاحب نے کرسی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بدر صاحب کے آفس کی طرف روانہ تھے۔

☆......☆......☆

تین دن کی بھاگ دوڑ کے بعد عاطف نے سارا سیٹ اپ ترتیب دے دیا تھا۔ بدرالدین صاحب کی وساطت سے انھیں فرنٹیر فورس کی ایک یونٹ کی مدد حاصل ہو گئی تھی۔ سب سے بڑی رکاوٹ رینجرز یونٹ کے کمانڈر کی طرف سے ہوئی تھی جو یہ باور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس کے چوکی کمانڈرز کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں۔ عاطف سے مخاطب ہو کر اس نے کہا تھا۔

"میں اگر اپنے ماتحتوں پہ اعتبار کرنا چھوڑ دوں تو مجھے ان پہ کمانڈ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

"سر کوئی ایک تو ایسا ہو سکتا ہے نا جو اس کام میں ملوث ہو؟" عاطف نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"تو اس ایک کے لیے میں تمام کو کیسے بدلی کر دوں؟"

"سر!...... ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ وہ ایک کون ہے کہ اسے ہفتہ ڈیڑھ کے لیے ہٹا دیں...... اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر اگر ہم ہفتہ ڈیڑھ کے لیے تمام کو ہٹا دیں تو میرا نہیں خیال کہ ملکی مفاد کے اس کام میں ہمیں کسی قسم کی سبکی محسوس ہو گی۔ باقی یہ بدلی عارضی ہے مستقل نہیں ہے۔"

''مسٹر عاطف!...... کیا گارنٹی ہے کہ آپ کے ساتھ آنے والے تمام افراد ملک کے خیر خواہ اور وفادار ہیں؟''

''سر پلیز!......آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں......میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ رینجرز قابل اعتماد نہیں اگر ایسی بات ہوتی تو ہماری سرحدوں کی نگرانی پہ انھیں کیوں مامور کیا جاتا......؟ دراصل پچھلے دنوں دہشت گردی کی تربیت کے لیے جو افراد سرحد پار گئے ہیں وہ اسی سائیڈ سے ہی پار ہوئے ہیں اب نامعلوم وہ کس چوکی طرف سے آؤٹ ہوئے ہیں اور اس وقت چوکی سینئر کون تھا؟......اور یہ بھی کہ وہ عہدہ دار اب بدلی ہو گیا ہے یا اپنی جگہ پہ موجود ہے۔اور جہاں تک تعلق ہے میرے آدمیوں کا تو وہ تو صرف ہفتے ڈیڑھ کے لیے آ رہے ہیں۔اس مختصر وقت میں انھیں ایسا موقع کہاں ملے گا کہ کسی ایسی کارروائی میں ملوث ہو سکیں؟'' عاطف کی ان باتوں پہ کمانڈر مسکرایا اور بولا۔

''جوان باتیں کرنے کے فن سے واقف ہو۔''

''سر!...... مجھے صرف یہ فکر تھی کہ آیا میں اپنی بات کی وضاحت کر لوں گا یا نہیں؟ باقی جہاں تک ملکی سلامتی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کو اس کا خیال مجھ سے کئی گنا زیادہ ہی ہوگا۔''

''تھینکس......اور آپ لوگ کب آ رہے ہو؟ تاکہ میں آرڈر پاس کر دوں۔''

''کل......لیکن آپ کا یہ حکم ہم تحریری صورت میں لے کر جائیں گے......اپنے آدمیوں کو پہلے سے مطلع کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''او کے مسٹر عاطف اور کچھ؟''

''بہت مہربانی سر......آپ کا تعاون ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا۔'' عاطف اس سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔ایک مشکل مرحلہ طے ہو گیا تھا۔باقی تیاریاں اس نے پہلے ہی مکمل کر لیں تھیں۔

☆......☆......☆

''سر آگاہی مل گئی ہے،وہ پانچ پانچ کی ٹولیوں میں بیک وقت سرحد عبور کریں گے۔چار مختلف چوکیوں سے انھوں نے رابطہ کیا ہے۔ان چوکیوں کا درمیانی فاصلہ پچیس سے لے کر پچاس کلو میٹر تک ہے،میں نے اپنے آدمیوں کو انھی چار چوکیوں پر بانٹ دیا ہے۔'' عاطف کی پرجوش آواز صدیقی صاحب کے کانوں میں پڑی۔

''گڈ......ان کی آمد کب متوقع ہے؟''

''کل سر......''

''کیا وہاں میری ضرورت پڑے گی؟''

''سر!......انشاءاللہ ہم سنبھال لیں گے......'' عاطف اعتماد سے بولا۔

''او کے پھر رابطے میں رہنا۔''

''سر!.....میں اب آگے جا رہا ہوں اور درمیانی چوکی پہ خود رہوں گا باقی تین چوکیوں میں ایک پر ذیشان دوسری پر عرفان اور تیسری پہ الیاس رہے گا.....ان کے ساتھ باقی آرمی اور رینجر کے جوان ہوں گے جوان کے ماتحت رہیں گے۔''

''اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔''

''آمین۔'' کہہ کر عاطف نے رابطہ منقطع کر لیا۔وہ اس وقت رینجرز کی ایک یونٹ میں موجود تھا۔صدیقی صاحب سے بات کرنے کے تھوڑی دیر بعد وہ ایک فوجی جیپ میں بیٹھا سرحد کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''کیسے ہیں آپ سب لوگ؟'' ایکے اپنے متاثر کن لہجے میں ان سے مستفسر ہوا۔وہ سب اس وقت ایک کافی بڑے ہال میں بیٹھے تھے۔ان کے سارے انسٹرکٹر بھی وہاں موجود تھے۔

''فائن سر.....'' وہ بیک آواز بولے

''آج آپ کا ہمارے پاس آخری دن ہے کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں آپ لوگوں نے واپس چلے جانا ہے۔تمام انسٹرکٹر نے آپ کی سکھلائی میں کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ہر ایک نے اپنا فن نہایت محنت اور لگن سے آپ کو منتقل کیا ہے۔یہ کسی دنیاوی لالچ کے تحت نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس میں ہمارا کوئی فائدہ پوشیدہ ہے بلکہ یہ سب ایک فرض سمجھ کے پورا کیا گیا ہے۔آپ لوگوں نے اپنے اور ہمارے پیارے وطن پاکستان میں ایک مرتبہ پھر وہی نظام لانا ہے جس کا خواب جناب قائداعظم محمد علی جناح نے دیکھا تھا۔یہ وڈیرا شاہی ،چودھراہٹ وغیرہ جب تک ختم نہیں ہو جاتی وہ نظام واپس نہیں آ سکتا اور اسے ختم کرنے کے لیے چاہے ہمیں آرمی سے ٹکرانا پڑے،کسی ملک ،چودھری،خان یا وڈیرے سے ٹکرانا پڑے،حکومت وقت سے ٹکر لینی پڑے یا کسی اور ادارے کے بالمقابل آنا پڑے ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔اس کے لیے اگر ہماری جان جاتی ہے تو چلی جائے۔ہمارا خون بہتا ہے تو پرواہ نہیں۔کوئی ملک دشمن اور دہشت گرد سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔یہ قدم اب اس وقت رکیں گے جب پاکستان میں انقلاب آ جائے گا۔ہم ان مفتیوں اور علما کو بھی نہیں مانتے جو ان حالات میں بھی اسی چودہ سال پرانے نظام کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں۔سب سے پہلے ہمارے نزدیک انسانیت ہے اس کے بعد ہر بندے کا اپنا عقیدہ ہے۔بہر حال گذشتہ پندرہ ماہ کے دوران میں اس پہ بہت تفصیل سے بات کر چکا ہوں اور اب وہ ساری باتیں میں دوہرانا نہیں چاہتا ۔اسلام کی کتنی غلط تفسیر ہمارے ذہنوں میں ڈالی گئی ہے میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔اب آپ لوگ عملی میدان میں قدم رکھنے والے ہیں سب نے اپنے علاقے میں جاتے ہی پہلے تو بدلا لینا ہے جو آپ کے یہاں آنے کا محرک بنا،ہمارا مذہب بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ کان کے بدلے کان آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان ہے۔اس کے بعد تین سال کے لیے آپ نے انقلاب لانے کے لیے اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ آزادی کی جنگ لڑنی ہے۔آپ کے وہ بھائی جو وہاں آپ کی بہترین رہنمائی کے لیے آگے موجود ہیں آپ کو کسی چیز

کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔" ایک سانس لینے کے لیے رکا اور پھر اس کی بات جاری رہی......

"یاد رکھنا خدا کبھی بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جس کو خود اپنی حالت کے بدلنے کا احساس نہ ہو۔آپ سب پڑھے لکھے حضرات ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاکستانی قوم کی یہ حالت کیسے بنی۔امیر کیوں امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب کیوں زندگی کی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔بس ایک لفظ قناعت اور دوسرا لفظ آخرت ایجاد کر کے آپ لوگوں کی ساری محرومیوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔کیا اسلام یہ کہتا ہے کہ اپنا حق چھوڑ دو۔دیکھو ملک کے سارے وسائل امراء کے لیے ہی نہیں ہیں غریبوں کا بھی ان پر اتنا ہی حق ہے۔غریب کا تو خون بھی اتنا سستا کر دیا گیا کہ بقول شاعر......

چھوڑ اصرار یار جانے دے
اتنی مہنگی شراب کون پیئے
سو سوا سو کی بات خواب ہوئی
اب تو اسکاچ ڈھائی سو میں ملے
اور گر ہائی لینڈ پر ہو گزر
وہ بھی نوے سے کم نہیں ملتی
پر آج کل تو ہسپتالوں میں
اپنی مجبوریوں کے سوداگر
اپنے گل رنگ خون کی بوتل
اس سے کچھ کم میں بیچ دیتے ہیں
اس قدر خوں کی جب ہو ارزانی
اتنی مہنگی شراب کون پیئے

"اسے فقط شاعری نہ سمجھنا یہ حقیقت ہے۔غریب کا خون کیوں اتنا سستا ہے کیوں اس کی قیمت نہیں ہے۔وجہ معلوم ہے ......نہیں نا......؟......بہت عام سی وجہ ہے کہ جب غریب کی اپنی نگاہ میں اس کے خون کی وقعت نہیں تو سیٹھ صاحب اس کو کیا اہمیت دے گا۔ہم قانون اور کچہری کے جھنجٹ میں پڑے رہتے ہیں اور وڈیرا قانون کو بشمول جج اور وکیل کے خرید لیتا ہے۔نام سرکار کا ہوتا ہے اور بات وڈیرے،ملک یا چودھری کی ہوتی ہے۔قانون کے رکھوالوں کا تو گویا یہ حال ہوتا ہے کہ......

ع   انھی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی۔

اس عالم میں جب ہم اپنے حقوق کی جنگ خود نہیں لڑیں گے تو کون ہمارے لیے یہ لڑائی مول لے گا۔ یاد رکھنا امراء کبھی انقلاب نہیں لائیں گے۔ ان کو انقلاب لانے کی ضرورت ہی کیا ہے انقلاب تو ان کے لیے موت ہے۔ انقلاب آنے سے تو ان کی ساری عیاشیاں ، سارے مزے ساری سربراہی ختم ہو جائے گی۔ وہ کب چاہیں گے کہ امیر غریب کو عدالت سے ایک جیسا انصاف ملے ، غریب کے بچے بھی اسی سکول میں پڑھیں جہاں ان کے بچے زیر تعلیم ہوں۔ ایک عام آدمی اور ان کے حقوق برابر ہوں۔ یہ سوچنا تو ہمارا کام ہے کہ ہم بھی انہی جیسے انسان ہیں پھر وہ ہم سے اعلیٰ کیوں بن گئے برتر کیسے ہوئے۔ یاد رہے یہی سب سے بڑا جہاد ہے اور یہی سب سے بڑی عبادت ...... باقی یہ بات آپ لوگوں کو واضح رہے کہ انقلاب کے لیے کی گئی آپ کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمیں اوپر والے کے فضل سے چند ایسے بندوں کی پشت پناہی حاصل ہے جو باوجود دولت مند ہونے کے ہمارا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں اخراجات کی کوئی فکر نہیں اور نہ ہی آپ لوگوں کی کوئی ضرورت ہم تشنہ رہنے دیں گے یقین رکھو تین سال بعد جب آپ ہم سے رخصت ہونے لگیں گے تو آپ اس قابل بن گئے ہوں گے کہ صحیح طور پہ اپنے قدموں پہ کھڑے ہوں معاشرے میں آپ کا ایک مقام ہوگا۔ اب شاید آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ معاشرے میں مقام کیسے بنے گا تو ؟ یاد رکھیں آج کے معاشرے میں اسی کا مقام ہے جو دولت مند ہے ، اور یہ ایکے کا وعدہ ہے کہ تین سال بعد آپ کا شمار امراء میں ہوگا مگر خیال رکھنا دولت مند ہونے کے بعد اس انقلاب کے راستے میں روکاٹیں نہیں کھڑی کرنی بلکہ ہم سے دور رہتے ہوئے بھی ہماری تحریک کا حصہ بنے رہنا ہے۔ آخر میں میں آپ کے تمام انسٹرکٹر صاحبان کی طرف سے یہ پیغام دیتا ہوں کہ ہمارا آپ سے جو رشتا بنا ہے اسے ہمیشہ قائم رکھنا اور ہمارے لائق کسی قسم کی خدمت ہو تو بے جھجک ہمیں آواز دینا ہماری طرف سے آپ کو کبھی مایوسی نہیں ہوگی...... اب چلتے ہیں باقی کی گپ شپ کھانے کی ٹیبل پہ ہوگی ''۔ ایکے کی بات ختم ہوتے ہی تمام مسکراتے چہرے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شروع میں انہیں ایکے کی باتوں سے جو الجھن ہوتی تھی بعد میں وہ ایک قسم کی عقیدت اور تاثیر میں بدل گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گئی یہ وہی کمرہ تھا جس میں چند گھنٹے پہلے اس کی پوری دنیا موجود تھی مگر اس وقت وہ اکیلی بیٹھی تھی۔ تنویر کا بچھڑنا اسے اسماعیل شاہ سے بھی زیادہ کھل رہا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسماعیل شاہ پہ اسے مکمل اختیار حاصل نہیں ہوا تھا جبکہ تنویر تو سرتاپا اس کا بن گیا تھا۔

گذشتہ رات وہ اسی بیڈ پر اکٹھے سوئے تھے۔ لیکن ساری رات تنویر نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے اسے تنویر کی باتوں اور عمل میں تضاد محسوس ہوتا۔ وہ ساری رات ایک بیڈ پہ اکٹھے گزار کر بھی اپنے ضمیر پہ کوئی ایسا بوجھ نہیں رکھتے تھے جس کا بعد میں انہیں پچھتاوا محسوس ہوتا۔ اسے تنویر پہ فخر ہونے لگا تھا ، جس کے دل میں اس کی اس قدر چاہت موجود تھی۔

”کاش میں تنویر کو ساتھ نہ لاتی۔“ اسے اپنے فیصلے پہ پچھتاوا سا ہوا مگر پھر اس نے سوچا کہ

”آخر کبھی تو میرے بدصورت ماضی کی کوئی جھلک اس کے سامنے آسکتی تھی پھر میں اس کی نفرت کا سامنا کیسے کرتی؟“ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کراچی جانا اس کے لیے اتنے بڑے خسارے کا باعث بنے گا، عاطف کی طرف سے ملنے والی ساری خوشی جانے کہاں کھو گئی تھی۔ ”اس سے تو بہتر تھا میں گرفتار ہو جاتی کم از کم تنویر کے دل میں میری محبت تو باقی رہتی ؟“

”اگر اب جا کر اس کو منا لوں اور ساری بات اسے بتا کر اس کی ملاقات عاطف سے بھی کرا دوں؟ ......لیکن ضروری تو نہیں کہ اسے میری بات پہ یقین آئے...... مجھے وہیں پہ اسے ساری بات بتا دینی چاہیے تھی۔ پر کیا کروں اس کی بے رخی ہی نہیں سہی گئی دو ہفتے پہلے تک اس کی منت زاری کرنے والا اس کے مقابل آ جائے گا یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا...... مگر مجھے اسے دو ہفتے پہلے والا اپنا سٹوڈنٹ نہیں سمجھنا چاہیے تھا اب تو وہ میرا شوہر بننے جا رہا تھا مجازی خدا...... پر کیا کرتی انا آڑے آ گئی تھی......اس کے دل و دماغ کی کشمکش جاری رہی ......اس کے ذہن میں کسی شاعر کا شعر گونجا

وفا کی لاج میں ان کو منا لیتے تو اچھا تھا

انا کی جنگ میں اکثر جدائی جیت جاتی ہے

اور اب ہمیشہ کی جدائی اس کا مقدر بننے والی تھی۔ اسماعیل شاہ کی جدائی تو وہ سہہ گئی تھی پر اس مرتبہ زخم کاری تھا، شاید وہ برداشت نہ کر پاتی۔

”اے اللہ میں عزت کی زندگی مانگتی ہوں، تنویر کا ساتھ مانگتی ہوں اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔“ زیر لب دعا مانگتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

وہ جانے کتنی دیر انہی بے ربط سوچوں میں کھوئی رہی اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ تنویر کو کھو چکی ہے لیکن مستقبل کے بارے تو کچھ سوچنا تھا......اگر میں وڈیرے انکل کے پاس چلی جاؤں......؟“ ایک امید افزا سوچ اس کے ذہن میں ابھری۔

اس کے ساتھ دوسری سوچ نے کہا ”مگر اس طرح تنویر سوچے گا میں دوبارہ اس کی محبت کو پانے کے لیے آئی ہوں۔“

”تو اس میں غلط کیا ہے؟“ تنویر کی محبت سے بھرا دل ہولے سے پکارا۔

”نہیں یہ فعل مجھے اس کی نظروں سے گرا دے گا؟“

”میں وڈیرے انکل سے یہ تو کہہ سکتی ہوں کہ مجھے کوٹ میں کوئی اور چھوٹا سا مکان لے کے دے دے۔“

”مگر تنویر کے اتنا قریب رہ کر اس سے انجان رہنا کیا ممکن ہو سکے گا ؟“

اچانک دروازے پہ ہونے والی دستک اسے خیالوں کی دنیا سے واپس لے آئی وہ صوفے سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیز ہارن اسے سوچ کی دنیا سے واپس لے آیا۔شہزادی جا چکی تھی بڑی مشکل سے وہ کار کو سٹارٹ کر کے پارکنگ تک لے آیا مگر اس سے آگے اسے امید نہیں تھی کہ وہ سلامتی کے ساتھ چلا جائے گا اس کے جسم سے گویا جان نکل گئی تھی۔سر سٹیرنگ کے ساتھ ٹیک کے اس نے آنکھیں بند کر لیں......شہزادی اس کے ساتھ یہ کرے گی یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا......اس کے محبوب کی شکل تنویر کی آنکھوں میں لہرائی اور اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں وہ واقعی لاکھوں میں ایک تھا تنویر کا اس سے کوئی جوڑ نہیں تھا۔مگر شہزادی نے تو کبھی بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا کراچی میں یہ کام ہوگا۔وہ اس لیے کراچی آئے گی کہ ہمیشہ اس سے بچھڑ جائے۔

میری قسمت میں نہیں پیار کی خوشبو شاید

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں تو شاید

اپنی تقدیر بنا...... میرا مقدر نہ بدل

لوگ طوفان اٹھا دیں گے میرے ساتھ نہ چل

پھر جانے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے کتنی دیر ہو گئی رات کا اندھیرا چھانے لگا۔اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ شہزادی کی منت کر کے اسے اس بات پہ راضی کرنا چاہیے کہ کم از کم مجھے گھر تک چھوڑ آئے کہ میری طبیعت پھر خراب ہو گئی ہے......"اسے شہزادی کے ڈرائیونگ جاننے کے متعلق معلوم تھا۔کوٹ سے کراچی تک وہی کار چلاتی آئی تھی۔

کار سے نکل کر وہ دھیمی رفتار سے ہوٹل کے اندرونی جانب بڑھ گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ اس کمرے کے دروازے پہ دستک دے رہا تھا جہاں اس نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی رات گزاری تھی۔شہزادی کے قرب میں کٹنے والی وہ رات شاید اس کی زندگی کا حاصل تھی۔دستک کے جواب میں قدموں کی چاپ ابھری اور پھر دروازہ کھلتے ہی اسے اپنے قدموں پہ کھڑا رہنا دوبھر ہو گیا۔

"تت......"الفاظ شہزادی کے حلق میں اٹک گئے تھے۔

تنویر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا معصوم چہرہ دیکھ رہا تھا......"اس کو جانے کیا غم ہے؟"اس نے دل میں سوچا مگر بولتے ہوئے......

"مم میں......"کہہ کر وہ صرف بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔شہزادی نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے بیڈ کی سمت بڑھ گیا۔دروازہ بند کر کے وہ پیچھے مڑی تو وہ بیڈ پہ گرتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

وہ مضطرب انداز میں ہاتھوں کو مروڑتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

"آ......آپ کی صحت تو ٹھیک ہے؟"

جواباً تنویر کہنا چاہتا تھا کہ"نہیں......اسی لیے تیرے پاس آیا ہوں تا کہ مجھے گھر تک چھوڑ آؤ۔"مگر اس بولا نہ گیا اور وہ رو پڑا۔

"تنویر......کیا ہوا؟"اس نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اس کا سر تھاما اور تنویر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے اس سے لپٹ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا۔اس کا خیال تھا کہ اسے ڈانٹ پڑے گی لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی تھی کہ شہزادی اس سے بھی زیادہ شدت سے اس کے ساتھ چمٹ گئی تھی۔

''کیا ہو گیا، میری جان کیوں رو رہے؟'' شہزادی بھی اپنے آنسو نہیں روک پائی تھی۔

''تجھے پتا تو ہے، کہ تجھ سے بچھڑنا مجھ سے نہیں سہا جائے گا پھر اس سوال کا فائدہ؟''

''میں کب تم سے بچھڑی ہوں..... تو نے خود ہی تو دھتکارا ہے؟''

''کیا؟'' وہ جیسے حیرت کی شدت سے چیخ پڑا تھا۔ ''میں نے اور تجھے دھتکارا ہے؟''

''تو وہ سب کیا تھا؟ میں نے آپ کو عاطف بھائی کے آفس میں چائے کے لیے بلایا اور آپ نے چائے پینے سے ہی انکار کر دیا ......آپ تو کہتے تھے کہ کبھی بھی میرے ماضی کا تذکرہ بیچ میں نہیں لائیں گے اور پہلے ہی قدم پہ مجھ پہ شک کرنے لگے۔ اتنا یقین نہیں تھا اپنی شہزادی پر؟''

''مم...... میں...... نے کب شک کیا...... یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اسے تیرا کا محبوب سمجھا مگر رب سوہنے دی قسم میں نے تیرے کردار پہ شک نہیں کیا، بے شک میں نے یہ سوچا تھا کہ شاید تم تجدید محبت کے لیے آئی ہو لیکن بخدا میں باہر بیٹھا یہ دعائیں مانگتا رہا کہ اللہ کرے تمھاری صلح نہ ہو...... مگر جب تم نے چائے کے لیے بلایا تو میں نے سوچا ابھی آپ لوگوں کی صلح ہو گئی ہے اور مجھے فیصلہ سنانے کے لیے بلایا جا رہا ہے، مجھے اپنے اوپر اختیار نہیں تھا...... میں نے سوچا مجھے رونا آجائے گا ایک اجنبی مرد کے سامنے رونا میری مردانگی کے خلاف تھا اس لیے میں نے آنے سے انکار کیا تھا۔''

''تنویر......'' کہہ کر وہ رونے لگی ''مجھے معاف کر دو تنویر! میں نے تجھے سمجھنے میں غلطی کی مم...... میں کب تیرے بغیر رہ سکتی ہوں پگلے......وہ تو میرا منہ بولا بھائی ہے...... تمھیں باہر بھیجنے کی اصل وجہ کچھ اور تھی'' وہ دھیمے لفظوں سے اسے اصل وجہ سے آگاہ کرنے لگی......

''تو کیا اب تم آزاد ہو؟'' تنویر کے لہجے میں مسرت کا سمندر موجزن تھا۔

''ہاں......'' وہ اس کی گود میں سر رکھ کر بولی۔ ''اب میں آزاد ہوں...... اب صرف تمھاری ہوں...... آج میں خود کہتی ہوں کہ تنویر مجھے اپنا لو...... ہمیشہ کے لیے...... میں نے بہت تکلیفیں دیکھی ہیں...... بہت محرومیاں سہی ہیں، بہت سختیاں جھیلی ہیں...... ان سب کا ازالہ کر دو...... مجھے میرے بدنما ماضی سے دور لے جاؤ...... میں ساری زندگی تمھاری سیوا کروں گی...... تمھاری باندی بن کر رہوں گی......''

مگر اس سے آگے کچھ کہنے سے پہلے تنویر نے اس کے لبوں پہ مہر لگا دی تھی......

''اب کچھ کھانے کو بھی منگوا لو صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' جب جذبات کا طوفان تھما تو وہ شوخی سے بولی۔

''تم نے تو پھر بھی عاطف بھائی کے پاس چائے وغیرہ پی لی تھی میں تو وہ بھی نہیں پی سکا تھا۔''

"چائے!......اس وقت چائے کہاں پی جا رہی تھی......"

"کیوں......؟"

"تمھیں اچھی طرح پتا تو ہے؟"

"کیا میری وجہ سے نہیں پی تھی؟"

"تمھیں یقین نہیں ہے......؟" وہ خفگی سے مستفسر ہوئی۔

"ہے......مگر تمھارے منہ سے سننے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔"

"ہاں......ہاں......ہاں......اور آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ کچھ کھا کے جان دے دوں گی۔"

"میری توبہ جی......" کہہ کے وہ روم سروس کو فون اٹھا کے کھانے کا بتانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کو کھانا کھلا رہے تھے۔

☆......☆......☆

"آئیں کرنل امیت کپور صاحب۔" بریگیڈیر ونود کمار ایکے کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"گڈ ایوننگ سر......" ایکے شستہ انگلش میں بولا۔

"Please be seated" (پلیز بیٹھیں) بریگیڈیر نے قیمتی صوفہ سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"Thanks" کہہ کر ایکے بیٹھ گیا۔

"کیا چلے گا؟"

"کچھ نہیں سر!......ابھی جا کر Dinner کرنا ہے۔"

بریگیڈیر اصرار نہ کرتا ہوا بولا "سناؤ کیسی رہی اپنے سٹوڈنٹس سے آخری ملاقات؟"

"Fine sir"

"واپسی کا کیا بندوبست ہے؟"

"واپسی کل رات کو طے ہے سر!......پانچ پانچ بندوں کے چار گروپ علاقے کی مناسبت سے بنائے ہیں اور تمام ایک ہی ٹائم مختلف مقامات سے سرحد عبور کریں گے......طرفین کے سرحدی محافظوں سے ڈیل ہو چکی ہے۔"

"پاکستان میں موجود نیٹ ورک سے ارتباط کر لیتا تھا؟"

"سر رام پرتاپ چند عرف پاشا کے بعد کراچی میں اپنا کوئی سرگرم رکن نہیں رہا ابھی وہاں تین چار نئے ایجنٹ بھیجے ہوئے ہیں مگر

ان کا سیٹ اپ پہلے کی نسبت بہت کمزور ہے۔کوئٹہ، پشاور، راولپنڈی، اسلام آباد اور لاہور میں موجود ایجنٹ البتہ کافی فعال ہیں اور جہاں تک کوارڈی نیشن (Co,ordination) کا تعلق ہے تو پہلے گروپ میں سے دو آدمیوں نے کراچی، تین نے کوئٹہ جانا ہے، ان کو ریسیو (Receive) کرنے کے لیے کوئٹہ سے پارٹی آئے گی۔دوسرے گروپ کے پانچ آدمیوں میں سے دو نے پشاور دو نے کوہاٹ اور ایک نے مردان جانا ہے، ان کے لیے پشاور کا نمائندہ وہاں آئے گا۔تیسرے گروپ میں سے ایک نے فیصل آباد، ایک نے گوجرانوالہ اور تین نے لاہور جانا ہے انھیں لاہور کے ایجنٹ ریسیو کریں گے اور آخری گروپ کے دو بندوں نے پنڈی ایک نے اسلام آباد ایک نے جہلم ایک نے سیالکوٹ جانا ہے۔انھیں راولپنڈی کے ایجنٹ وصول کریں گے۔یہ سارے گروپ صحرائے تھر کے جانب سے پاکستان میں داخل ہوں گے اور عمر کوٹ میں ان کے استقبال کے لیے ہمارے نمائندے موجود ہوں گے۔''

''کیا بی ایس ایف (بارڈر سیکورٹی فورس) کو حقائق کا علم ہے ؟''

''نہیں سر!...... یہ عام معمول کی کارروائی ہے...... انھیں باخبر رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''ویسے اگر سارے بندے اپنے اپنے علاقے میں جا کر ان ایجنٹوں سے رابطہ کر لیتے تو میرا خیال ہے زیادہ بہتر ہوتا؟''

''نہیں سر!...... میں چاہتا ہوں کہ سرحد پار کرنے کے بعد بھی یہ ہماری نگرانی میں رہیں اور دوسرا یہ بھی خطرہ ہے کہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے یہ من مانی نہ شروع کر دیں...... جب سنبھالنے والے ان کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے تو اس قسم کی کوئی بد مزگی پیدا نہیں ہوگی۔''

''اپنے دشمنوں سے بدلہ تو انھوں نے لازماً لینا ہوگا؟''

''بالکل لینا ہوگا، لیکن ہمارے بندوں کی نگرانی میں۔اس کے ساتھ ہمیں ان کو بلیک میل کرنے کا کچھ اور مواد بھی مل جائے گا؟''

''بہرحال یہ تمھارا کام ہے کرنل کہ تم یہ سب کیسے منیج (Manage) کرتے ہو ؟''

''سر آپ فکر نہ کریں۔'' اکیلے اعتماد سے پر لہجے میں بولا۔

''تم ان کی ٹریننگ سے تو مطمئن ہونا ؟''

''سو فیصد سر!...... اس دفعہ ہم پاکستان میں بیس آدمی نہیں، بیس سکول بھیج رہے ہیں۔سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ سارے پاکستان کے شہری ہیں، گو ان کی ہمدردیاں انڈیا کے ساتھ نہیں ہیں مگر ان کے نظریات اب پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے ہیں جو ہمارا مطمع نظر ہے۔''

''تمھاری سپیکنگ پاور (Speaking power) کے تو ہم بھی معترف ہیں کرنل صاحب۔'' بریگیڈیر وشنو شرما مسکراتے ہوئے بولا۔

''سر میں......اور میری ساری طاقتیں بھارت ماتا کے لیے ہی وقف ہیں۔''

''بھارت ماتا کو بھی اپنے ایسے سپوتوں پہ ناز ہے اور رہے گا۔''

''حوصلہ افزائی کا شکریہ سر۔''

''باقی کل جب سارے خیریت سے عمر کوٹ تک پہنچ جائیں تو مجھے مطلع کر دینا۔''

''ٹھیک ہے سر......اب میں چلوں گا کیونکہ Dinner پہ میرا انتظار ہو رہا ہو گا۔''

''وش یو گڈ لک......'' کہہ کر بریگیڈیر اسے الوداع کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

رات کا کھانا کھا کر وہ تمام جانے کے لیے تیار ہو گئے۔انھیں لے جانے کے لیے چار جیپیں پہنچ گئی تھیں۔وہ چار گروپوں میں منقسم کر دیے گئے۔ہر گروپ کا ایک لیڈر بنایا گیا تھا۔انھوں نے چونکہ چار مختلف مقامات سے سرحد عبور کرنی تھی اس لیے ہر گروپ کے ساتھ ایک گائیڈ بھی موجود تھا۔اسماعیل شاہ اپنے گروپ کا لیڈر تھا اس کے گروپ میں جمشید،کامران،فرمان اور ثاقب شامل تھے۔تمام انسٹرکٹرز بشمول اسکے انھیں رخصت کرنے آئے ہوئے تھے۔ان سے الوداعی معانقہ کر کے تمام جیپوں میں سوار ہو گئے۔ہر ایک کے سفری بیگ میں ہلکے پھلکے سامان کے علاوہ اعلیٰ کوالٹی کا ایک پسٹل بھی موجود تھا۔

سفر شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی ان کے راستے جدا ہو گئے البتہ سفر کی سمت ایک رہی۔وہ تمام سوا سال کا طویل عرصہ ٹریننگ سنٹر میں گزار کر جا رہے تھے۔یہاں آتے وقت وہ جتنے معصوم اور دنیاوی معاملات سے انجان تھے اب اتنے ہی خطرناک،چالاک اور خونخوار بن کر واپس جا رہے تھے۔تمام اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔اسماعیل شاہ کو اپنے والدین اور معصوم بہن شدت سے یاد آ رہی تھی۔

''سیٹھ فاضل خان تیرا انجام بہت بھیانک ہو گا۔''

''مجھے کچھ کہا شاہ جی ؟'' اس کے ساتھ بیٹھا ثاقب مستفسر ہوا۔

''نہیں یار اپنے دشمن کو یاد کر رہا ہوں۔''

''شاہ جی دشمن بھی کوئی یاد کرنے کی چیز ہے......لوگ محبوباؤں کو یاد کرتے ہیں اور آپ اس کمبخت دشمن کو یاد کر رہے ہیں جس کا انجام یوں بھی بہت برا ہونا ہے۔''

''تمھیں کیسے پتا چلا کہ اس کا انجام برا ہو گا ؟''

''آپ کا دشمن جو ہوا'' کامران نے لقمہ دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تو آپ لوگوں نے دشمن کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے ہیں؟''

''نہیں چھوڑا تو خیر ہم نے بھی نہیں ہے..... مگر آپ والی بات ہم میں تو نہیں ہے نا؟''

''بس کرو یار..... میں اگر اتنا تگڑا ہوتا تو یوں میری آنکھوں کے سامنے بہن کی عزت کا جنازہ نہ اٹھتا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اسماعیل شاہ کی بہن تھی جس نے اس کمینے کا ناجائز مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔''

ثاقب آہستہ سے بولا۔''شاہ جی!..... ماضی کے اسماعیل اور آج کے شاہ جی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''بہر حال..... آپ کا اندازہ درست ہے دوست میرا اندازہ بھی یہی ہے کہ میں اس نقلی سیٹھ فاضل خان کو جتنا ذلیل کر سکا کروں گا..... لیکن تم نے اپنی محبوبہ کے قاتل کے بارے کیا سوچا ہے؟''

''میں بھی اسی کے لیے ہی اس انقلابی گروپ میں شریک ہوا تھا..... اور اب تو مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ بہتر ہوا ہے۔''

''کیا.....؟ تیری محبوبہ کا قتل یا..........''

''نہیں یار اس انقلابی تنظیم کی بات کر رہا ہوں۔''

''صحیح کہہ رہے ہو یار..... آج اس خود غرضی کے دور میں کون کسی کے لیے بہتری سوچتا ہے۔''

''شاہ صاحب یہاں سے پیدل جانا پڑے گا۔'' جیپ ڈرائیور نے بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اسماعیل کو شاہ صاحب کہ کر مخاطب کیا۔ اس نے جیپ ایک ٹیلے کی آڑ میں روک دی تھی۔

''چلو اترو پھر انتظار کس بات کا۔'' اسماعیل بولا اور تمام اپنے سفری بیگ کندھوں سے لٹکائے نیچے اتر گئے۔ ان کا سفر گائیڈ کی رہنمائی میں جاری رہا یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر گائیڈ نے کہا.....

''شاہ جی..... یہاں کچھ دیر رکنا پڑے گا، یہاں سے ڈیڑھ بجے سرحد عبور کرنی ہے۔''

اسماعیل نے پوچھا۔''کیا تمام پارٹیاں ایک ہی ٹائم میں سرحد عبور کریں گی؟''

وہ مختصراً بولا۔''جی۔''

اور اسماعیل سر ہلا کر رہ گیا۔ ڈیڑھ بجنے میں دو منٹ رہتے تھے کہ گائیڈ کہنے لگا۔

''یہاں سے جوڑی جوڑی کی شکل میں جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے سب سے پہلے تم اور کامران چلو..... تمھارے بعد فرمان اور جمشید ہوں گے ثاقب میرے ساتھ آجائے گا۔'' اس کی بات ختم ہوتے ہی گائیڈ اور کامران کانٹا دار باڑ کی طرف بڑھ گئے۔ باڑ کے قریب پہنچ کے گائیڈ نے رستہ بنایا اور وہ دونوں باڑ عبور کر گئے۔ چاند کی اٹھارہ انیس تاریخ تھی اسماعیل کو ان کے ہیولے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے باڑ عبور کرتے ہی اس نے فرمان اور جمشید کو

جانے کا اشارہ کیا اوران کے باڑ عبور کرنے کے بعد ثاقب کے ساتھ خود بھی باڑ کے جانب بڑھ گیا۔اس باڑ کے بعد انھیں ایک اور باڑ بھی عبور کرنی پڑی۔وہاں بھی وہ اسی ترتیب سے گذرے۔اس کے بعد وہ جوڑیوں کی صورت میں ہی آگے چل پڑے سب سے آگے گائیڈ اور سب سے آخر میں اسماعیل شاہ تھا۔دواڑھائی کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انھوں نے ایک مرتبہ پھر کانٹادار تار کی باڑ عبور کی۔

''ہم پاکستانی سرحد میں داخل ہوگئے ہیں۔'' گائیڈ نے اعلان کیا۔

ثاقب نے پوچھا۔''پہلی کانٹادار تار انڈین سرحد کی نشاندہی کر رہی تھی نا؟''

گائیڈ نے جواب دیا''بالکل۔''

''تو یہ دونوں سرحدوں کے درمیان خالی جگہ پہ کس کا قبضہ ہے ؟''

''کسی کا بھی نہیں ......اسے غیر مدفوصہ علاقہ کہتے ہیں اور یاد رکھنا سب سے خطرناک علاقہ یہی ہوتا ہے کہ اس جگہ بندہ دونوں افواج کے فائر کی زد میں ہوتا ہے اس کے علاوہ ایسے علاقے میں بارودی سرنگوں کی بھی بہتات ہوتی ہے اس لیے ایسے علاقے میں بغیر گائیڈ کے سفر کرنا اپنی جان داؤ پہ لگانے کے مترادف ہے۔'' گائیڈ نے جو سرحدی علاقوں کا رازدان تھا، انھیں سمجھایا۔وہ خاموشی سے سنتے رہے۔

''وہ دائیں اونچا ٹاور نظر آرہا ہے نا ؟'' گائیڈ نے کچھ فاصلے پہ موجود ٹاور کی طرف اشارہ کیا جس کا دھندلا سا ہیولا نظر آرہا تھا۔اوران کے سر ہلانے پہ بولا۔''اسی طرح کا ایک ٹاور بائیں طرف بھی ہے جو ابھی تو نظر نہیں آرہا مگر دن کو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔پاکستان کی اس صحرائی سرحد پہ اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ دیدبانی کے لیے ٹاور بنے ہوئے ہیں۔''

''کیا اس طرف کے محافظوں سے بھی ڈیل ہوچکی ہے؟'' یہ اسماعیل تھا۔

''ہاں اس کے بغیر یہاں سے گذرنا ممکن نہیں ہے۔'' وہ اس وقت ایک اونچے سے ٹیلے کے پاس سے گزر رہے تھے کہ اچانک فضا میں ایک کرخت آواز گونجی۔

''ہینڈز اپ۔''

''کوئی گڑبڑ ہے ؟'' گائیڈ کا لہجہ پریشانی سے پر تھا۔

''نیچے لیٹ جاؤ۔'' اسماعیل چیخا۔اگلے لمحے تمام نرم اور ٹھنڈی ریت پہ اوندھے منہ لیٹ چکے تھے۔

☆......☆......☆

رات کے دو بجنے کو تھے نیند عاطف کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، دہشت گردوں نے رات کے اڑھائی سے ساڑھے تین بجے کے درمیان پاکستانی سرحد سے پار ہونا تھا لیکن وہ آٹھ بجے سے ان کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔پاک آرمی کا ایک حوالدار اور دو جوان جبکہ رینجرز کے دو این سی او اور تین سپاہی اس کے ساتھ موجود تھے۔اسی کے بقدر نفری ذیشان، عرفان اور الیاس کے ساتھ بھی موجود تھی۔ان

کے علاوہ انھیں ضرورت پڑنے پہ رینجرز کے ٹاورز پر موجود نفری کی مدد بھی مل سکتی تھی۔اٹھارہ انیس تاریخ کے چاند نے ماحول کو اچھا خاصا روشن کیا ہوا تھا۔وہ اس وقت ایک ٹیلے کی آڑ میں بیٹھے تھے۔عاطف نے ٹیلے کے اوپر دو سنتری راستے پہ نظر رکھنے کے لیے مقرر کیے تھے۔کوئی پونے تین کا ٹائم تھا جب ایک سنتری کی پرجوش آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"سر کچھ ہیولے اس سمت پیش قدمی کرتے نظر آرہے ہیں۔" عاطف پر جوش انداز میں ٹیلے پہ چڑھا اور آنکھوں سے این وی جی (Night Vision Goggles) لگا کے آنے والوں کو دیکھنے لگا۔وہ تعداد میں چھ تھے اور جوڑیوں کی صورت، بڑی بے فکری سے اس سمت آرہے تھے۔سمگلر چونکہ ایک مخصوص راستہ استعمال کرتے تھے اس لیے عاطف نے پہلے سے اس راستے کے ساتھ موجود ریت کے بڑے ٹیلے پر ڈیرا جمایا ہوا تھا۔ان کے قریب پہنچنے پر عاطف نے حوالدار کو اشارہ کیا اور وہ زوردار آواز میں دھاڑا......

"ہینڈز اپ"۔

"نیچے لیٹ جاؤ۔" عاطف کو ایک بندے کی چیختی آواز سنائی دی۔اور وہ تمام نیچے لیٹ گئے۔

"ساتھی......آپ کے چوکی کمانڈر سے ڈیل ہو چکی ہے۔" ایک دوسری آواز عاطف کے کانوں میں پڑی۔

"وہ بھی آپ کے ساتھ ہی بند ہوگا......وہاں اس سے شکایت کر لینا؟" پاک آرمی کے حوالدار نے عاطف سے پوچھے بغیر جواب دیا۔اسی دوران عاطف نے دیکھا کہ سب سے آگے والا اپنے بیگ کو کھول رہا ہے۔وہ زور سے بولا۔

"اگر کسی نے غلط حرکت کی تو تمام بھون دیے جاؤ گے......" یہ الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ اس شخص نے اپنے بیگ سے کوئی چیز نکال کر ٹیلے کی سمت میں اچھالی وہ لازمی ہینڈ گرنیڈ تھا مگر یہ اس کی بیوقوفی تھی کیونکہ ہینڈ گرنیڈ کا ٹیلے تک پہنچنا مشکل تھا اس کے باوجود عاطف جلدی سے نیچے لیٹ گیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گرنیڈ کے پھٹنے سے نکلنے والے چھرے پندرہ میٹر تک ہی کسی کو ہلاک یا شدید زخمی کر سکتے ہیں۔ایک زوردار دھماکا ہوا اور گاڑھے قسم کے دھویں سے وہ تمام ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے عاطف کا ماتھا ٹھنکا یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ دشمن اس طرح کی چال چل سکتا ہے،اسی وقت ایک اور دھماکا ہوا یہ بھی سموک گرنیڈ کا ہی تھا۔دھواں مزید گاڑھا ہو گیا۔

"بھاگنے نہ پائیں فائر کرو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود شارٹ مشین گن کا رخ اندازے سے دہشت گردوں کی سمت کر کے ٹریگر پریس کر دیا۔اسے پتا تھا ایک بار وہ انڈیا کی سرحد تک پہنچ گئے تو ان کا ملنا ناممکن ہو جائے گا۔اس کے ساتھ ہی اسے ایل ایم جی (Light Machine Gun) کا ایک لمبا برسٹ سنائی دیا۔جس کے ساتھ ہی چند چیخوں بازگشت آئی۔گاڑھے دھویں کو ختم ہوتے منٹ ڈیڑھ لگ جانا تھا اس دوران وہ اپنی گنوں کی بیرل کا رخ بدل بدل کے ٹریگر پریس کرتے رہے۔دھواں جب تک مکمل طور پہ چھٹ نہ گیا عاطف نے اپنے ساتھیوں کو ٹیلے سے اترنے نہ دیا۔ہوا بالکل رکی ہوئی تھی اس وجہ سے دھویں کو ختم ہوتے منٹ کے بقدر ٹائم لگ گیا اور اس وقت وہ قلیل ٹائم بھی بڑا طویل محسوس ہو رہا تھا۔عمومی طور پہ ایک سموک بم آدھ منٹ یا زیادہ سے زیادہ چالیس سیکنڈ تک دھویں کی

چادر بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر اس وقت ایک تو ہوا ساکن تھی اور دوسرے گرنیڈ بھی دو عدد فائر ہوئے تھے اس لیے چند سیکنڈ زیادہ لگ گئے تھے۔

دھواں ختم ہوتے ہی وہ دوڑ کر نیچے اترا حوالدار مبشر اس کے ساتھ تھا باقی بھی پیچھے نہ رہے۔دو سو گز کے فاصلے پر اسے چند جسم پڑے نظر آئے جس میں صرف ایک جسم میں زندگی کی کچھ رمق موجود تھی۔اس نے شمار کیا تو وہ تعداد میں پانچ تھے۔

''ایک آدمی کم ہے...... مبشر دو بندوں کو ساتھ لے کر آگے چیک کرو...... لیکن احتیاط سے جانا اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہو سکتا ہے۔مبشر کو یہ کہتے ہوئے وہ خود گرے ہوئے بندوں کو چیک کرنے لگا۔ایک کے علاوہ تمام ختم ہو چکے تھے۔زخمی بندہ بھی اپنی آخری سانسیں پوری کرتا نظر آیا۔گولی پشت کی طرف سے اس کے دل میں سوراخ کر کے پار ہوئی تھی۔

مشکل تھا کہ وہ بچ پاتا۔لیکن انسانیت کے ناطے وہ رینجرز سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔

''اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو شاید طبی امداد ملنے پر یہ بچ جائے'' دو آدمیوں نے مل کر اسے اٹھایا اور ٹیلے کے عقب میں کھڑی جیپ کی طرف بھاگے۔جیپ وہاں سے دو تین سو میٹر دور تھی لیکن ابھی زخمی کو اٹھا کر لے جانے والے چند قدم ہی چلے تھے کہ اچانک جیپ کے سٹارٹ ہونے کی آواز عاطف کے حساس کانوں میں آئی وہ حوالدار مبشر پارٹی کے پیچھے جانے کے لیے قدم بڑھا چکا تھا وہ رکا اور جیپ کے جانب دوڑا جیپ ٹیلے کے عقب میں ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی بھاگتے ہوئے اس نے کلاشنکوف فائرنگ پوزیشن میں سنبھال لی تھی۔رینجرز کے دونوں این سی اوز بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ان کے ٹیلے کے قریب پہنچنے تک جیپ کافی دور نکل چکی تھی اس نے اندھا دھند اس کے جانب فائر کھول دیا لیکن جیپ اسی رفتار سے چلتی رہی وہ جیپ کو نشانہ بنانے میں ناکام رہا تھا۔اس دوران رینجر کے این سی او نے ٹیلے پہ لگی ایل ایم جی کا رخ پیچھے موڑ کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی مگر یہ فائرنگ ایک ایسے ٹارگٹ پہ کی گئی تھی جس کا ہیولا بھی معدوم ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

''ساتھی......آپ کے چوکی کمانڈر سے ڈیل ہو چکی ہے۔'' گائیڈ چلا کر بولا

جواب آیا''وہ بھی آپ کے ساتھ ہی بند ہوگا......وہاں اس سے شکایت کر لینا؟''

''اس کا مطلب ہے......واقعی شدید گڑبڑ ہے۔'' گائیڈ نے خود کلامی کی۔اور پھر اسماعیل شاہ سے مخاطب ہوا......

''شاہ جی میں سموک گرنیڈ پھینک رہا ہوں یہاں سے نکلنے کی پوری کوشش کرنی ہے......اگر ہم انڈیا کی سرحد تک پہنچ گئے تو شاید بچ جائیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے بیگ سے سموک گرنیڈ نکالنے لگا۔اسی وقت انھیں پھر تنبیہ کی گئی۔

''اگر کسی نے غلط حرکت کی تو تمام بھون دیے جاؤ گے......'' یہ الفاظ دھمکی دینے والے کے منہ میں تھے کہ گائیڈ نے سموک گرنیڈ

ان کی طرف اچھال دیا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ گاڑھے دھویں کی چادر تن گئی۔ گائیڈ نے بجلی کی سی سرعت سے ایک اور سموک گرنیڈ بھی بیگ سے نکال کر پھینکا اور پیچھے مڑ کر بھاگا۔ اسمٰعیل کے باقی ساتھی پہلے سے انڈیا کی سرحد کے جانب دوڑ پڑے تھے، مگر خود اسماعیل نے پیچھے دوڑنے کی بجائے زمین پر لیٹے لیٹے دائیں طرف کرالنگ شروع کر دی۔ اسے اندازہ تھا کہ دھواں پھیلتے ہی ان پہ فائر کھول دیا جائے گا۔ اور یوں بھی دھواں صرف دکھاؤ کے حالات کو محدود کر سکتا تھا گولی نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو یہ بات سمجھا سکتا۔ یوں بھی جان بچانے کی جبلت اسے سمجھا رہی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر ہی اپنی جان بچا سکتا ہے۔ پرفیسر ایکے کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

"یاد رکھو سب سے قیمتی آپ کی اپنی جان ہے۔ اور زندگی گزارنے کا پہلا اصول اپنی جان کی حفاظت ہے اگر دوسرے کی بلی چڑھا کر آپ اپنی جان بچا سکتے ہیں تو دریغ نہ کریں یہ نہ ہو وہ آپ سے پہلے یہ حرکت کر گزرے اور آپ کے پاس پچھتانے کا ٹائم نہ ہو۔ گو بیوقوفوں کی نظر میں یہ خود غرضی کہی جائے گی مگر حقیقت میں زندگی گزارنے کا ایک اہم ڈھنگ ہے۔"

اپنی بات کی وضاحت کے لیے اس نے ایک مثال بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔ "میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سائنس دانوں نے ایک کمرے میں بندریا کو اس کے بچے کے ساتھ بند کر دیا اور کمرے کے فرش کو گرم کیا گیا تو جب تک گرمی قابل برداشت رہی بندریا بچے کو گود میں اٹھا کر پھرتی رہی جیسے ہی تپش ناقابل برداشت ہوئی وہ بچے کو فرش پہ پھینک کر خود اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ اس طرح اس بے زبان جانور نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ سب سے پہلے پاکستان نہیں اپنی جان ہے۔ جذباتی ہو کر موت کو گلے لگانا فقط بیوقوفی ہے زندگی ایسے بندوں سے کبھی وفا نہیں کرتی۔" اسماعیل شاہ خود غرض نہیں تھا مگر اسے اپنی زندگی عزیز تھی وہ مرنا نہیں چاہتا تھا اور اس وقت جان بچانے کے لیے سب پہلا کام اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہونا تھا۔ پاکستانی محافظوں نے لازماً بھاگنے والوں کا تعاقب کرنا تھا کہ یہ انسان بلکہ ہر جاندار کی جبلت میں شامل ہے کہ خطرے کو سامنے پا کر وہ سب سے پہلی کوشش جو کرتا ہے وہ خطرے کی حدود سے بھاگ نکلنے کی ہوتی۔

اس کا رخ اس رینجرز کے ٹیلے کے دائیں طرف موجود ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرف تھا وہ چند میٹر ہی کرال کر سکا تھا کہ اس کے اندازے کی تصدیق کلاشنکوف کے فائر نے کر دی۔ کلاشنکوف سے متصل جو فائر اسے سنائی دیا اسے سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ وہ پاکستانی ایل ایم جی کے فائر کی آواز تھی جو صرف نام کی لائیٹ گن تھی ورنہ در حقیقت اس کا شمار دنیا کے تیز ترین ریٹ آف فائر والے ہتھیاروں میں اول نمبر پہ تھا۔ ایک منٹ میں گیارہ سو سے تیرہ سو راؤنڈ فائر کرنے کی صلاحیت رکھنے والی یہ گن چار کلومیٹر کے فاصلے تک بندے کو ہلاک کر سکتی تھی۔ ان کے ویپن انسٹرکٹر نے بڑی تفصیل سے انھیں اس ہتھیار کے متعلق پڑھایا تھا۔

ایل ایم جی کے گرجنے کی بھیانک آواز کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں اپنے ساتھیوں کی چیخیں گونجیں۔ اس کے دل میں ایک لمحے کے لیے افسوس کا احساس جاگا مگر یہ ایک ناپائیدار جذبہ تھا اس وقت اسے اپنی جان بچانے کا مرحلہ درپیش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سموک بم

کے دھوئیں کو چھٹنے میں دیر نہیں لگنی تھی اور اس کے پاس ایک منٹ کا قلیل وقت تھا۔ دس پندرہ میٹر کرالنگ کرنے کے بعد وہ اٹھ کر پوری قوت سے مطلوبہ ٹیلے کی طرف بھاگا۔ اسی وقت دھواں ہلکا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دھواں غائب ہونے سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر زمین پہ لیٹ چکا تھا۔ وہ ٹیلے کے بیس تک پہنچ گیا تھا زمین کی نسبت ریت پہ کرالنگ کرنا نہایت آسان تھا کہ کہنی اور گھٹنوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔

پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت اس کے پاس نہیں تھی مگر اپنے تعاقب کا جائزہ لینے کے لیے جب اس نے پیچھے نگاہ دوڑائی تو چند ہیولے اسے اپنے ساتھیوں کے بھاگنے کی سمت جاتے دکھائی دیے۔

''اگر یہ ہماری تعداد سے واقف ہوئے تو جلد ہی انھیں ایک بندے کی کمی محسوس ہو جائے گی۔'' اس سوچ نے اس کے رینگنے کی رفتار میں تیزی پیدا کی۔ ٹیلے پہ چڑھتے ہی وہ دوسری سمت اترا اور اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اچانک اسے بائیں طرف پچاس قدم کے فاصلے پہ ایک فوجی جیپ کھڑی نظر آئی۔

''شاید وہاں کوئی سنتری موجود ہو؟'' اس کے ذہن میں سوال اٹھا مگر یہ سو فیصد یقینی نہیں تھا۔ رسک لیتے ہوئے وہ جیپ کی سمت بڑھا، یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جیپ کی نگرانی کے لیے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ جلدی سے جیپ میں بیٹھ کر اس نے اگنیشن کی تاریں توڑ کر جیپ سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اپنا رخ اس نے اپنی آمد کے مخالف رکھا تھا۔ وہ چند سو گز ہی آگے آیا ہو گا کہ پشت کی جانب سے اسے کلاشن کوف کا فائر سنائی دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس فائر کا نشانہ وہ خود ہے اس لیے اس کی کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد خطرے کی حدود سے نکل جائے مگر صحرا میں جیپ اس سپیڈ سے نہیں چلائی جا سکتی تھی جس رفتار سے روڈ یا عام زمین پہ چلائی جا سکتی ہے وہ جیپ کو چھوٹے موٹے گڑھوں میں گرنے سے بچانے کے لیے سٹیرنگ کو مسلسل دائیں بائیں کاٹ رہا تھا۔ کلاشن کوف کے فائر کے بعد اس کے کانوں میں ایل ایم جی کے گرجنے کی آواز آئی اس کا دل کانپ سا گیا۔

جیپ کو گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے اس نے ہلکا سا دائیں جانب کاٹا اور اچانک اسے اپنے بازو میں انگارہ سا چبھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے بازو کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا اس کے ساتھ ہی اس کے بازو میں تکلیف شروع ہو گئی گولی شاید اس کے بازو کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور ہڈی محفوظ رہ گئی تھی ورنہ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں اس کا بازو بالکل ناکارہ ہو گیا ہوتا اس نے جیپ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جلد ہی وہ اپنی دانست میں فائر کی رینج سے باہر آ گیا۔ گو ایل ایم جی کی رینج کے بارے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ تا حال اس کی رینج میں ہی تھا مگر ان کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کو نشانہ بنا لیتے۔ جیپ روک کر اس نے اپنے زخمی بازو کا جائزہ لیا خون کے اخراج سے اس کی قمیص کی بائیں سائیڈ سے رنگین ہو گئی تھی۔ قمیص اتار کر اس نے کس کر زخم پہ باندھی اور جیپ آگے بڑھا دی۔ بازو کے زخم میں آہستہ آہستہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی لیکن جان بچانے کی خواہش نے اسے محو سفر رکھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جلد ہی اس کا تعاقب شروع ہو جانا تھا یہ بھی ممکن تھا کہ اب تک ہو بھی چکا ہو۔ اسے سمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا وہ تو گائیڈ کے

سہارے پر وہاں تک پہنچے تھے چاندنی رات میں جہاں تک نگاہ کام کرتی اسے ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔ وہ اسی نامعلوم سمت کو آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں ایک دو جگہ پر اسے بستی وغیرہ کے آثار نظر آئے مگر وہ انھیں نظر انداز کرتا ہوا گزر گیا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس کی تلاش میں نکلنے والے لامحالہ سب سے پہلے انہی قریبی بستیوں میں ڈھونڈتے۔ اسے چلتے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو تھے۔ بازو کی تکلیف مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گولی بازو کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے، لیکن ریت تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ اچانک جھرجھری لے کر جیپ کا انجن بند ہو گیا یہ ایک نئی مصیبت تھی۔ اس نے فیول گیج پہ نظر ڈالی سوئی زیرو لائن عبور کر چکی تھی۔ نیچے اتر کر اس نے جیپ میں سرسری نگاہ دوڑائی مگر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جو بعد میں فائدہ دے سکتی۔ ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی۔ مشرق کی سمت میں روشنی بڑھ گئی تھی خالی بیابان میں اسے خفیف سی خنکی کا احساس ہو رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ جلد ہی وہ خنکی سورج کی تپش سے تکلیف دہ حدت میں بدلنے والی تھی۔ سورج کی مدد سے اس نے سمت کا تعین کیا اور شمال مغرب کی سمت قدم بڑھا دیے۔

☆......☆......☆

''سر وہ مقابلے پہ اتر آئے تھے...... جوابی فائرنگ سے ان میں سے چار موقع پہ ہی ہلاک ہو گئے ہیں جب کہ دو اتنے شدید زخمی ہیں کہ مشکل ہے کہ بچ سکیں۔'' عاطف کو الیاس کی ندامت بھری آواز سنائی دی۔ اسی سے ملتی جلتی رپورٹ عرفان بھی دے چکا تھا جبکہ ذیشان کے بقول وہ ان میں سے صرف ایک شخص کو زندہ پکڑنے میں کامیاب ہو سکا تھا جو ان کا رہبر تھا باقی انڈین آرمی کے فائر کا شکار ہو گئے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق جیسے ہی ذیشان پارٹی نے انھیں للکارا انھوں نے گرفتاری دینے کی بجائے جوابی فائرنگ کرتے ہوئے بھاگ نکلنے کی کوشش کی اور شاید وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے مگر انڈین آرمی نے جانے کیا سوچ کر ان پہ فائر کرنا شروع کر دیا اور دو طرفہ فائرنگ ان کی ہلاکت کی وجہ بنی البتہ ان کے گائیڈ نے گرفتاری دے کر اپنی جان بچا لی تھی۔

''او کے کوئی بات نہیں...... تم رینجرز ہیڈ کوارٹر میں پہنچو باقی بھی وہیں پہنچ رہے ہیں۔'' اس نے وائرلیس سیٹ کا ریسیور سیٹ اٹھانے والے سپاہی کی طرف بڑھا دیا۔ اسے سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ صدیقی صاحب جانے کیا سمجھے گا، کیونکہ عاطف کی تجویز شروع ہی سے ان تمام کو ہلاک کرنے کی تھی۔

ان سے بات ختم کر کے وہ وہیں گاڑی کا انتظار کرنے لگا جو انھیں لینے کے لیے رینجرز ہیڈ کوارٹر سے آ رہی تھی۔ بھاگ جانے والے دہشت گرد کے تعاقب میں بھی رینجرز کے جوانوں کی دو پارٹیاں نکل چکی تھیں۔ صبح صادق کے قریب انھیں لینے کے لیے رینجرز کی دو جیپیں پہنچ گئیں۔ زخمی آدمی طبی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے جانبر نہیں ہو سکا تھا۔ جیپوں میں بیٹھ کر وہ رینجرز ہیڈ کوارٹر میں واپس آ گئے۔ باقی تمام بھی وہیں پہنچ گئے تھے۔ بھاگ جانے والے دہشت گرد کی تلاش میں جانے والی پارٹیوں کی طرف سے آخری ملنے والی اطلاعات بھی

تھیں کہ وہ جس جیپ میں بھاگا تھا وہ تو ایک جگہ پر کھڑی ہوئی مل گئی تھی البتہ وہ خود لاپتا تھا۔رینجرز کی مختلف چوکیوں سے بھی کئی پارٹیاں اس کی تلاش میں نکلی ہوئی تھیں۔

عاطف نے رینجرز کے سینٹر سے واپس جانے کی اجازت لی اور درخواست کی کہ دہشت گرد کے مل جانے کی صورت میں انھیں فوری اطلاع دی جائے۔وہاں مزید ٹھہر کر اپنا ٹائم ضائع کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا۔بھاگنے والے دہشت گرد کی تلاش میں رینجرز کی کافی پارٹیاں نکلی ہوئی تھیں اور اسے امید تھی کہ وہ آسانی سے پکڑ لیا جائے گا مگر اس کے پکڑے جانے تک وہ رینجرز ہیڈ کوارٹرز میں اس کے انتظار میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

تنویر کی درخواست پہ شہزادی نے وہیں ہوٹل میں چند دن گزارنے کی حامی بھر لی تھی گھر میں انھوں نے بہانہ کیا کہ شہزادی جس کام سے آئی ہے وہ ابھی تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ان کے دن عید اور راتیں شب برأت گزر رہی تھیں۔لیکن اتنے قرب کے باوجود شہزادی نے تنویر کے رویے میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی کہ اسے محسوس ہوتا کہ وہ اس سے جسمانی تعلق کا خواہاں ہے۔وہ تو سارا دن اور رات گئے تک اس کی باتیں سنتا اسے اپنی سناتا اس کے ناز نخرے برداشت کرتا۔وہ عمر میں شہزادی سے کافی چھوٹا تھا مگر ان دنوں شہزادی کو بڑا اچھا لگنے لگا تھا۔دن کو عموماً وہ ساحل سمندر کی طرف نکل جاتے وہ دن شہزادی کی زندگی کے خوشگوار دن تھے اسے لگتا تھا کہ اس نے دوسرا جنم لیا ہے ،دکھ وغم کا کہیں سایہ تک نہ تھا۔جب اسی سیر وتفریح میں دو ہفتے گزر گئے تو ایک دن شہزادی نے از خود تنویر سے گھر واپسی کی بات کی وہ اس وقت ساحل سمندر پہ بنے ایک ریستوران میں موجود تھے۔

"جانو!......کتنا عرصہ اور یہاں گزاریں گے؟۔"

"چندا!......اتنی جلد بیزار ہو گئی ہو مجھ سے ؟"تنویر شرارت سے بولا وہ اسے پیار سے چندا کہتا تھا جو شہزادی کو بہت بھلا محسوس ہوتا۔

"تم سے کب بیزار ہوں...... بھلا کوئی جینے سے بھی بیزار ہو سکتا ہے ؟"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ ہم دونوں جوان ہیں اور شیطان کسی بھی وقت ہمیں بہکا سکتا ہے تو کیوں نہ اس سے پہلے ایک ایسے رشتے میں منسلک ہو جائیں جس سے ہمارے سارے فاصلے یکجا ہو جائیں۔"

"چندا ......سچ؟"وہ حیرت انگیز مسرت سے بولا۔

"تو اور کیا......"اس کی آواز شرم سے کپکپا گئی تھی۔

''میں نے تو اس لیے یہاں سیر و تفریح کا پروگرام بنایا تھا کہ چند دن اپنے چاند کی قربت میں گزار دوں گھر میں تو یہ موقع نہیں ملنے والا۔ فاطمہ باجی تیری جان ہی نہیں چھوڑتی اور جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو بابا سائیں واضح انداز میں کہہ چکے ہیں کہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہی شادی ہو گی۔''

''تو کیا ہوا چند سال کی تو بات ہے؟'' وہ شرارت سے مسکرائی۔

''اب تو ایک لمحہ گزارنا بھی مشکل ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگاتا ہوا بولا۔

''گھر جا کر فاطمہ باجی کو تیار کرو کہ وہ انکل سے بات کرے، انکل اس کی کوئی بات نہیں ٹھکراتا۔''

''باجی بھی نہیں مانیں گی نا؟'' تنویر کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''اگر میں اسے کہہ دوں؟'' یہ بات کہتے ہوئے شہزادی کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے احساسات کی شدت پہ خود بھی حیران رہ جاتی تھی کہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا وہ کہ شرم و حیا اسے چھو کے بھی نہیں گزری تھی، جو مردوں کو کھلونا سمجھتی تھی یہاں تک کہ گھاگ اور خرانٹ قسم کے مرد بھی اس کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے تھے جبکہ یہاں ایک کمسن جوان کے سامنے اس کی آنکھیں بھی نہیں اٹھتی تھیں۔ شاید اس کی وجہ اس کا اسلام قبول کر لینا تھا یا پھر اسے زندگی میں پہلی مرتبہ سچا چاہنے والا مل گیا تھا اس لیے۔

''سچ چندا......؟'' اس کے لہجے میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔ ''کیا تو مجھ پہ یہ احسان کرے گی؟''

''ہاں......مگر اس کے لیے تجھے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔''

''مجھے ہر شرط منظور ہے۔''

''پہلے سن تو لو؟'' اس کی جلد بازی پہ وہ ہنس دی۔

''مجھے بغیر سنے ہر شرط قبول ہے البتہ تمھیں سنانے کا زیادہ شوق ہے تو حکم کرو۔''

''شادی کے بعد تم اپنی پڑھائی سے غفلت نہیں برتو گے اور ہر کلاس میں پہلے سے بھی اچھے گریڈ حاصل کرو گے......''

''منظور ہے......یوں بھی دن رات میڈم میرے ساتھ ہو گی تو پڑھائی بھی اچھے طریقے سے ہوتی رہے گی۔''

''لیکن یاد رکھنا اگر فیل ہو گئے تو میں فاطمہ بہن کے کمرے میں شفٹ ہو جاؤں گی۔''

''میری توبہ جی......'' وہ کان پکڑتے ہوئے بولا اور اس کے انداز پہ شہزادی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تو پھر ڈن ہو گیا نا؟'' اور شہزادی کے اثبات میں سر ہلانے پہ بولا۔ ''تو چلو آج ہی واپس چلتے ہیں اب مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔''

''کل سویرے چلیں گے انشاء اللہ؟'' شہزادی بولی اور وہ شہزادی کی بات ٹھکرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی ٹھنڈی ہوا تپتی لو میں بدل چکی تھی۔ سورج کی تپش اور بخار سے اس کا بدن تندور کی مانند جل رہا تھا۔ دور دور تک کوئی سایہ دار درخت دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پیاس کی شدت سے اس کی زبان اکڑ گئی تھی مگر وہ چلنے پہ مجبور تھا رکنے کا مطلب ایک دردناک موت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ ایک متعین سمت کو بڑھتا رہا۔ گرم تپتی لو کا ایک فائدہ اس حالت میں بھی اس سے اوجھل نہ رہ سکا کہ اس کی وجہ سے اس کے پاؤں کے نشانات کی مدد سے اس کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ایک چھوٹے سے ریت کے ٹیلے پہ چڑھتے ہوئے اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل انگارہ بنی ریت پہ گر گیا۔ گرنے سے اس کے مضروب بازو میں درد کی لہریں دوڑ گئی تھیں چند لمحے وہ اسی حالت میں پڑا رہا اور پھر بمشکل ہمت مجتمع کر کے اٹھ کھڑا ہوا سامنے نگاہ دوڑانے پہ اسے چند سو گز دور پانی کا ایک بہت بڑا تالاب نظر آیا اس کے مردہ قدموں میں جان آگئی اور دوڑنے کے انداز میں آگے بڑھا مگر یہ تیزی اسے راس نہ آئی اور وہ ایک مرتبہ پھر گر گیا۔ اس دفعہ اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ پانی کی شکل میں اسے زندگی کی نوید نظر آئی تھی۔ بھاگنے سے گریز کرتے ہوئے اس نے فقط اپنے سست قدموں کی رفتار میں اضافہ کیا اس کی پر شوق نگاہیں پانی کے ذخیرے پہ جمی ہوئی تھیں۔ اس حالت میں وہ کافی دیر چلتا رہا اچانک اسے احساس ہوا کہ پانی کے ذخیرے سے اس کا فاصلہ ہنوز برقرار ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے دماغ کو جھٹکا لگا۔

''یاد رکھنا ہو سکتا ہے تم کبھی صحرا میں پھنس جاؤ، تو خود کو سراب کے دھوکے میں نہ پھنسنے دینا۔'' اس کے کانوں میں اپنے فزیکل انسٹرکٹر کی آواز گونجی۔

''پیاس کی شدت اور دھوپ کی چمک سے تمھیں اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتا دریا نظر آئے گا لیکن یہ پانی نہیں فقط نظر کا دھوکا ہو گا اس سے متاثر ہو کر زیادہ تر آدمی اس تک پہنچنے کی تگ و دو میں بھاگ بھاگ کر اپنی رہی سہی توانائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنی توانائی برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تم دن کو کوئی سایہ دار جگہ تلاش کر کے آرام کرو اور رات کو سفر کرو۔ اگر چلنا ضروری ہو تو نہایت سست قدموں سے چلنا بدن کو ڈھیلا رکھنا اور کسی درخت کی تلاش میں اپنی نگاہیں دوڑاتے رہنا۔ پیاس کی شدت اور تھکن سے زیادہ تم ہمت ہارنے سے موت کا شکار ہو گے...... ہمت کبھی نا ہارنا......''

اس نے اونچی آواز میں خود کلامی کی۔ ''میں ہمت نہیں ہاروں گا...... میں ہمت نہیں ہاروں گا۔'' اس نے ایک لمحے کے لیے سختی سے آنکھوں کو بند کیا اور پھر کھول کر دیکھا تو پانی کا ذخیرہ اسی آب و تاب سے چمک رہا تھا لیکن اس مرتبہ اس پہ توجہ دیے بغیر اس نے اپنے قدموں کی رفتار کو دھیما کیا اور دائیں بائیں کسی سایہ دار جگہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانی شروع کر دیں لیکن اس کی نظریں کسی ایسی جگہ کی کھوج میں ناکام رہیں۔ اپنی ہمت بڑھانے کے لیے اس نے خود کو تسلی دینی شروع کر دی اسے ایک سے سنا ہوا ایک بادشاہ کا واقعہ یاد آیا جب ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا تھا کہ میرے لیے کوئی ایسا فقرہ لکھ کر لے آؤ جو غم کے موقع پر مجھے مایوس نہ

ہونے دے اور خوشی کے موقع پر غم سے غافل نہ کر دے اور وزیر با تدبیر نے ایک چھوٹا سا فقرہ لکھ کر اس کی خواہش کو حقیقت کا روپ دے دیا تھا اس نے بادشاہ کو لکھ کر دیا تھا۔

''یہ وقت بھی گزر جائے گا۔''

''ہاں یہ وقت بھی گزر جائے گا...... میں بھی بہت جلد یہاں سے نکل جاؤں گا۔'' اس نے خود کو حوصلہ دیا۔ ''مجھے یہاں سے نکلنا ہی ہوگا...... اپنے والدین کے قاتل سے بدلا لینے کے لیے اپنی بہن کی عصمت دری کرنے والے کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے...... اگر میں مر گیا تو یہ کام تو ادھورا رہ جائے گا نہیں نہیں میں مروں گا نہیں...... میں زندہ رہوں گا، سیٹھ فاضل میں تیرے پاس آ رہا ہوں بس تھوڑا سا مزید انتظار کر لے...... تھوڑا سا...... تھوڑا سا......'' اس کی خود کلامی جاری رہی۔ خود تسلی اور حوصلہ دیتے کبھی اس کے قدموں کی رفتار میں ایک تسلسل آ جاتا اور کبھی اس کے قدم لڑکھڑانے لگتے مگر اس نے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش پانی کے چند گھونٹ کا حصول تھا۔ آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

بوٹوں کے اندر اس کے پاؤں جل رہے تھے۔ قمیص اس نے زخم پہ باندھی ہوئی تھی اور قمیص کی غیر موجودگی میں اس کا بدن براہ راست آگ برساتے سورج کی زد میں تھا بغیر بازؤں کے بنیان اس تیز دھوپ کی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ پسینہ گرمی کی شدت کو سہارنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے مگر اس وقت اس کا پسینہ بھی خشک ہو چکا تھا۔

لوہے کے کام اور اس کے بعد پندرہ ماہ کی کڑی تربیت نے اس کی قوت برداشت میں اضافے کے ساتھ اسے نہایت سخت جان بنا دیا تھا۔ مگر اس وقت صحرا کی بے رحم سختیوں کے سامنے وہ خود کو بے بس سا محسوس کر رہا تھا۔ زخم پہ بندھی ہوئی پٹی خون سے تر ہو کر اکڑ گئی تھی۔ خون رسنا کب کا بند ہو چکا تھا جبکہ سفید قمیص پہ خون کے دھبے واضح نظر آ رہے تھے۔

ایک جگہ وہ چند لمحے ستانے کے لیے رکا۔ مگر ریت پہ بیٹھنے کی بجائے اس نے کھڑے آرام کو ترجیح دی، کیونکہ ریت پہ بیٹھنے کا مطلب اذیت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھا سامنے اک کافی پھیلا ہوا ریت کا ٹیلا تھا اتنا بڑا کہ اس کو بغلی طرف سے کراس کرنے میں کافی ٹائم لگ جاتا وہ آہستہ آہستہ اس ٹیلے پہ چڑھنے لگا شاید قدرت کو اس پہ رحم آ گیا تھا کہ ٹیلے کی بلندی پہ پہنچ کر جب اس نے سامنے نگاہ دوڑائی تو اسے کھجور کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا اس سے تھوڑے فاصلے پہ چند کچے مکانات بھی موجود تھے۔ اس بے رونق سے مقام پہ موجود یہ کچے جھونپڑے اسے جنت ارضی کا نمونہ نظر آئے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگ کر وہاں پہنچے کہ کچھ اور نہ سہی پینے کے لیے پانی لازماً دستیاب ہو جاتا۔ اپنی اس خواہش پہ اس نے بڑی مشکل سے قابو پایا۔ اس طرح بغیر دیکھے بھالے وہاں جانے میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اسے تلاش کرنے والے وہاں پہلے سے موجود نہ ہوں۔

ریت کے ٹیلے پہ کھڑا ہوا بندہ دور سے آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ یہ سوچتے ہی وہ تیزی سے نیچے اتر گیا۔ ان کچے گھروں کے درمیان

اسے کسی قسم کی چہل پہل نظر نہ آئی اور اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ گرمی کی شدت نے سب کو سر چھپانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ بستی میں داخل ہونے کی بجائے اس نے کھجوروں کے جھنڈ میں جانے کو ترجیح دی۔ کھجوروں کا وہ جھنڈ جھونپڑوں کے کافی قریب تھا وہاں پہنچنے پر بھی وہ کسی ذی روح کو دیکھنے میں ناکام رہا تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ بستی لوگوں کے وجود سے خالی ہے۔ اپنے اس احساس کی کوئی عقلی توجیح اس کے پاس نہیں تھی بس اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ بستی خالی ہے۔ اپنی اس خلش کو دور کرنے کے لیے وہ کھجوروں کے جھنڈ میں رکنے کی بجائے ان جھونپڑوں کی طرف بڑھا۔ پہلے جھونپڑے کے دروازے کے سامنے پڑا ریت کا ڈھیر اس کے اندازوں کی تصدیق کر رہا تھا۔ دروازے کی کنڈی کھول کر اس نے اسے اندر کی طرف دھکیلا وہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ اندر جھانکنے پہ اسے جھونپڑا ہر قسم کے سامان سے عاری نظر آیا۔ دروازے کو کھلا چھوڑ کر وہ اگلے جھونپڑے کی طرف بڑھا اس کے دروازے کی کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی وہ جھونپڑا بھی اسے خالی نظر آیا۔ وہ ہمت ہارے بغیر فرداً فرداً سب جھونپڑوں کو کھولنے لگا پانچویں چھٹے جھونپڑے میں اسے دو تین مٹکے پڑے دیکھائی دیے وہ تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا ایک مٹکے کی تہہ میں اسے پانی کی ایک قلیل مقدار نظر آئی مگر وہاں پہ کوئی ایسا برتن موجود نہیں تھا جس کی مدد سے وہ پانی پی سکتا۔ پانی کے مٹکے کے ساتھ پڑے خالی مٹکے کو اس نے ایسے انداز میں توڑا کہ اس کا صرف پیندے والا حصہ ہی باقی رہ سکا تھا اس کی ہیئت کشکول نما ہو گئی تھی۔ پانی کے مٹکے کے سامنے وہ پیندہ رکھ کر اس نے اپنے صحیح ہاتھ سے وہ مٹکا اس پیندے پہ جھکا دیا مٹکے میں موجود تین چار گلاسوں کے بقدر گدلا پانی اس پیندے میں جمع ہو گیا۔ وہ پانی بالکل پینے کے قابل نہیں تھا۔ عام حالات میں شاید وہ اس پانی سے ہاتھ دھونا بھی پسند نہ کرتا مگر اس وقت وہ پانی اسے آب حیات سے کم دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سارا پانی وہ بغیر سانس لیے پی گیا۔ پانی کا ذائقہ بدلا ہوا تھا اس میں سے ہلکی سی بو بھی آ رہی تھی لیکن اس وقت نہ تو اس کی بو اسے متنفر کر سکی اور نہ ذائقے کی تبدیلی نے اس دل میں کوئی کراہیت پیدا کی۔ پانی پیتے ہی اسے لگا جیسے اس کے جسم میں جان پڑ گئی ہو۔ وہ وہیں جھونپڑے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اس کے حواس پہ غنودگی چھانے لگی اور پھر اسے پتا ہی نہ چلا کب اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا۔

☆……☆……☆

”عاطف! یہ بہت برا ہوا چوبیس بندوں میں صرف ایک آدمی زندہ ہاتھ لگا۔“ صدیقی صاحب خفگی بھرے لہجے میں بولا۔

”سر آئی ایم سوری مگر حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے اگر ہم انھیں زندہ گرفتار کرنے کے چکروں میں پڑ جاتے تو شاید آدھے سے زیادہ بندے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے اس صورت میں ہمیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا۔“

”فرار ہونے والے کا کچھ پتا چلا؟“

”نہیں سر……۔“

”اس کی شناخت بھی نہیں ہو سکی نا؟“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’جی سر......‘‘

’’ہونہہ!‘‘ کہہ کر صدیقی صاحب تھوڑی دیر کسی خیال میں کھویا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

’’ویسے رینجرز کے ساتھ مل کر اگر آپ لوگ خود اس کی تلاش میں نکلتے تو شاید اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاتے۔‘‘

’’سر!...... تھر ایک وسیع صحرا ہے اور اس میں چھپے ہوئے کسی بندے کو ڈھونڈنا بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہے...... دوسرا امید ہے کہ وہ بندہ بغیر وسائل کے وہاں سے زندہ نکلنے میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ یوں بھی رینجرز کی اطلاع کے مطابق جس جیپ میں وہ فرار ہوا تھا اس میں کافی خون گرا ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے فائر سے زخمی ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں اس کا صحیح سالم کسی شہر تک پہنچ جانا کرامت ہی ہو سکتی ہے۔‘‘

’’گرفتار ہونے والے بندے سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکی ہے؟‘‘

’’وہ ایک پیشہ ور گائیڈ ہے سر...... معاوضہ لے کر دونوں ممالک کے سمگلرز اور غیر قانونی سرحد پار کرنے والوں کی ان، پیچیدہ راستوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ دونوں ممالک کے سرحدی محافظوں سے اس کے کافی گہرے تعلقات ہیں۔ یہ چار گائیڈ تھے ہر پانچ دہشت گردوں کے ساتھ ایک گائیڈ تین گائیڈ دہشت گردوں کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئے ہیں صرف یہی زندہ ہاتھ لگا ہے۔‘‘

’’اس کے علاوہ اگر اس کیس میں کوئی ضروری تفصیل رہ گئی ہو......؟‘‘

’’کوئی نہیں ہے سر...... رینجرز کو بتایا ہوا ہے کہ فرار ہونے والے دہشت گرد کے زندہ یا مردہ گرفتار ہونے کی صورت میں ہمیں ضرور مطلع کیا جائے۔‘‘

’’او کے چلو، تاکہ بدرالدین صاحب کو تفصیل سے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیں۔‘‘

’’چلیں سر......‘‘ عاطف نے بھی نشست چھوڑ دی۔

☆......☆......☆

مضروب بازو کی اضطراری حرکت سے اٹھنے والی درد کی لہر سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ جھونپڑی کے کھلے دروازے سے نظر آنے والے بیرونی منظر سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کافی دیر غافل رہا ہے۔ درجہ حرارت میں ہلکی سی کمی آ گئی تھی مگر یہ کوئی قابل ذکر کمی نہیں تھی۔ اس نے اٹھ کر جھونپڑی سے باہر جھانکا سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی وہ باہر آ گیا جب تک وہ باقی جھونپڑیوں میں جھانکتا سورج کی سفیدی شوخ زردی میں بدل چکی تھی۔ ان جھونپڑیوں میں بھی اسے کوئی ایسی چیز نہ ملی جو اس کے کسی کام آ سکتی۔ سورج غروب ہونے کے مقام سے وہ اپنی سمت کا تعین کر کے چل پڑا چند گھنٹوں کے آرام اور پانی پینے سے گو اس کی حالت پہلے کی نسبت کافی بہتر ہو گئی تھی مگر بازو کے درد میں افاقے کی بجائے اضافہ ہو گیا تھا۔ سورج کا پیلا گولا آہستہ آہستہ افق کے نیچے غائب ہو گیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی اسے گرمی کی شدت میں کوئی واضح کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن صحرا کے مزاج سے نا آشنا ہونے کے باوجود اتنا بہرحال وہ جانتا تھا کہ ریت جلد ہی ٹھنڈی ہو جائے گی۔ راستے کے بارے اسے کچھ خبر نہیں تھی اور نہ ہی وہ جانتا تھا کہ اسے مزید کتنا چلنا پڑے گا۔

دو تین گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد اسے دور ایک جگہ پہ روشنی نظر آئی اس نے اپنا رخ اسی روشنی کی سمت کر لیا دور نظر آنے والی روشنی اتنی دور نہیں تھی جتنی اسے محسوس ہوئی تھی۔ وہ لالٹین کی روشنی تھی اور مدھم ہونے کی وجہ سے وہ دور محسوس ہو رہی تھی۔

دو تین گھنٹوں کے سفر نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ یوں بھی صحرا کے اندر چلنا عام زمین کی نسبت دشوار ہوتا ہے۔ اور اس کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی پیاس نے ایک دفعہ پھر اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔ وہ روشنی سے سو ڈیڑھ سو گز دور رک گیا۔ رات کے اندھیرے کی وجہ سے اسے بستی کے پھیلاؤ کا صحیح اندازہ نہیں پایا مگر اکا دکا جھونپڑوں میں جلنے والوں لالٹینوں سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ پیچھے گزرنے والی ویران بستی سے دگنی تگنی ضرور تھی۔ بستی کے پرلے کنارے سے اسے کتوں کے بھونکنے کی آواز ایک تسلسل کے ساتھ سنائی دے رہی تھی جانے وہ کیوں اتنی شدت سے بھونک رہے تھے۔ کتوں کا یہ بھونکنا اس کے لیے خطرے کا سگنل تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بستی میں اس کی آمد کے بارے کسی کو معلوم ہو اس کے ساتھ وہ اس بستی کو بائی پاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پانی و خوراک کا حصول اس کی اشد ضرورت تھی اور اگلی بستی نجانے کب آتی۔ گھڑی دیکھنے پہ اسے رات کے دس بجتے نظر آئے۔ گرمیوں میں رات کے دس بہت جلد بجتے ہیں اور اتنے بجے لوگوں کی چہل پہل عام ہوتی ہے مگر یہ شہروں یا بڑے قصبوں کا مزاج ہے وہ بستی تو ایسی تھی جس میں لوگ سر شام ہی سو جاتے ہوں گے۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کتوں کے اتنی شدت سے بھونکنے پہ بھی بستی کے لوگوں میں کسی ردعمل کا نظر نہ آنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ معمول کی بات ہے۔

پہلے اس کا ارادہ ہوا کہ دو اڑھائی بجے اس بستی میں داخل ہو مگر پھر اپنا ارادہ بدلتے ہوئے اس نے اپنے قدم بستی کی اندرونی جانب بڑھا دیے۔ ایسی بستی میں اول شب داخل ہونا آخیر شب میں داخل ہونے سے بہتر تھا۔ یوں بھی اس وقت چاند پوری طرح نہیں ابھرا تھا۔ بستی کے چند گھروں کے اندر ہی روشنی نظر آ رہی تھی زیادہ تر گھر اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کچی مٹی کے بنے ہوئے گھروں کی چار دیواریاں اتنی بلند نہیں تھیں۔

بستی کے پہلے گھر کی لالٹین کی روشنی اسے سب سے پہلے نظر آئی تھی۔ صحن میں چارپائیوں پر اسے تین آدمی لیٹے نظر آئے لالٹین کچی کوٹھری کی دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اسماعیل اس گھر کو نظر انداز کرتا ہوا آگے گزر گیا اٹھارہ انیس کا چاند مشرقی جانب سے اپنا سر اٹھا رہا تھا اس کی دودھیا روشنی میں اندھیرے میں ڈوبے مکانات کے ہیولے واضح نظر آنے لگے، مکانات کسی ترتیب میں بنے ہوئے نہیں تھے جس کو جو جگہ مناسب لگی تھی اس نے وہاں گھر بنا لیا تھا۔ مکانات کے بکھرے ہونے کی وجہ سے گلیوں کی کوئی شکل نہیں بن پائی تھی۔ بستی کی مغربی سمت اسے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیے۔ وہ دائیں بائیں مکانات کو غور سے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

اسی دوران اس کی نظر ایک کافی بڑے مکان پہ پڑی اس کی چاردیواری بھی باقی گھروں کی طرح چھوٹی چھوٹی تھی۔صحن میں نگاہ دوڑانے پہ اسے پانچ چھ افراد چارپائیوں پہ لیٹے نظر آئے۔چاردیواری عبور کرنے میں اسے کافی دقت ہوئی بائیں بازو پہ موجود گولی کے زخم نے اس کی کارکردگی کو آدھا کر دیا تھا۔اگر چاردیواری ایک فٹ بھی مزید اونچی ہوتی تو شاید اس سے عبور نہ ہو پاتی۔دیوار سے نیچے اترتے وقت کتے کی موجودگی کا اندیشہ اس کے ذہن میں جاگزیں رہا لیکن خیریت رہی وہ دبے پاؤں کچے کوٹھے کی طرف بڑھا کوٹھے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا کنڈے کے ساتھ ایک لالٹین لٹک رہی تھی جس کی روشنی نے گھر کے صحن میں ملگجا سا اجالا کیا ہوا تھا۔کوٹھے کے سامنے،دیوار کے ساتھ ہی گھڑونچی پہ اسے مٹی کے چند گھڑے،اور مٹکے پڑے دکھائی دیے۔ان کے ساتھ رکھا مٹی کا گلاس نما برتن اٹھا کر وہ بے صبری سے پانی پینے لگا۔خوب سیر ہونے کے بعد وہ کوٹھے کے دروازے کی سمت بڑھا۔دروازہ آہستگی سے کھول کر اس نے ایک نظر صحن میں پڑے افراد پہ ڈالی اور اندر گھس گیا دروازہ کھلنے پہ لالٹین کی روشنی کوٹھے کے اندر بھی آنے لگ گئی تھی۔اندر مٹی کے ایک تھڑے پہ دو ٹرنک پڑے ہوئے تھے دائیں طرف کی دیوار کے ساتھ دو مشکیزے لٹکے تھے انہی کے ساتھ متصل دو کلہاڑیاں بھی کراس کی شکل میں ٹنگی ہوئی تھیں۔سامنے کی دیوار کے ساتھ شرقاً غرباً دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پہ پرانے کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ٹرنکوں کے اوپر رکھی چنگیر میں اسے دو موٹی موٹی روٹیاں ملیں۔چھوٹا سا نوالا لینے پہ اسے صاف محسوس ہوا کہ وہ گندم کی بجائے کسی اور اناج سے بنی تھیں۔اسے اس جنس کی پہچان نہ ہو سکی کہ زندگی بھر وہ صرف گندم کی روٹی سے مستفید ہوا تھا۔چارپائی سے ایک زنانہ دوپٹہ اٹھا کر اس نے دونوں روٹیوں کو اس میں لپیٹ لیا کہ کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر تھا دونوں ٹرنکوں کی تلاشی لینے پہ اسے صرف زنانہ اور مردانہ کپڑے بھرے نظر آئے۔مناسب سا مردانہ جوڑا اور ایک اجرک نکال کر اس نے اپنے پاس رکھ لی۔روٹیوں کو بغل میں داب کر اس نے دیوار سے ایک مشکیزہ اور کلہاڑی اتاری اور باہر نکل آیا کہ اس کے علاوہ اسے کوٹھے میں اپنے کام کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔مشکیزے کو بھرنے کے لیے وہ گھڑونچی سے پانی کا بھرا گھڑا اٹھا کر مکان کے پچھواڑے آ گیا تھوڑی دیر میں اس نے گھڑے کا پانی گلاس نما برتن کی مدد سے مشکیزے میں منتقل کیا اور مشکیزے کو دائیں کندھے سے لٹکا کر وہ گھر کا داخلی دروازہ استعمال کرتا ہوا باہر نکل آیا۔روٹیوں کی پوٹلی اور کپڑے بھی گانٹھ لگا کر اس نے کندھے سے لٹکا لیے تھے۔مکان سے باہر نکل کر وہ مطلوبہ سمت کو چل پڑا۔

درختوں کا جھنڈ اس کے راستے میں ہی پڑتا تھا وہاں ایک درخت کے تنے سے بندھے دو اونٹ دیکھ کر اسے لگا کہ اس کی خوش قسمتی عروج پر ہے۔صحرا کے اندر اونٹ سے بہتر سواری کا تصور ہی ناممکن تھا۔اونٹوں کے کجاوے ان سے چند قدم ہٹ کے مکان کی دیوار کے ساتھ رکھے تھے۔ان کے قریب جا کر اس نے انھیں ہلا کر چیک کیا لیکن وہ کافی وزنی تھے اور ایک ہاتھ کی مدد سے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا انھیں چھیڑے بغیر وہ جیسے ہی اونٹوں کے قریب پہنچا وہ کھڑے ہو گئے نسبتاً فربہ اونٹ کی رسی کھول کر وہ آگے بڑھ گیا۔دوسرا اونٹ ہلکی سی آواز میں بلبلایا اسماعیل کو یہ آواز کسی دھماکے سے کم نہیں لگی مگر اس نے رکنے کی کوشش نہیں کی اور تیز قدموں سے

چلتا ہوا بستی سے باہر آ گیا۔

قطبی ستارے سے اپنی سمت کا تعین کر کے وہ پیدل ہی روانہ ہو گیا۔اسے پتا تھا کہ اونٹ کا مالک لازمی اونٹ لے جانے والے کا پیچھا کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے وہ صبح ہونے سے پہلے بستی سے مناسب فاصلہ پیدا کر لینا چاہتا تھا۔بستی سے تھوڑی دور آ کر اس نے زخم پہ بندھی اپنی قمیص کھولی اور اجرک سے ایک چوڑی پٹی پھاڑ کر زخم پہ کس کے باندھ لی۔جینز کی پینٹ اور خون آلود قمیص اس نے وہیں ریت کے اندر دفن کر دی۔نیا لباس پہن کر وہ اونٹ کو ہشکار کر بٹھانے کی کوشش کرنے لگا اونٹ کی سواری اس نے زندگی میں صرف دو دفعہ کی تھی وہ بھی ساحل سمندر پہ جہاں اونٹ پہ کجاوہ کسا ہوا تھا اب اس کے برعکس اس نے ایک لمبا سفر اونٹ کی ننگی پیٹھ پہ بیٹھ کے کرنا تھا گویہ ایک مشکل کام تھا مگر پیدل چلنے سے بدرجہا بہتر تھا۔

تھوڑی سی کوشش سے اونٹ بلبلاتے ہوئے نیچے بیٹھ گیا۔احتیاط سے اس کی پیٹھ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے اس کی کوہان کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑا اور نکیل کو ہلکے سے جھٹکا دیا تو اونٹ اپنے فطرتی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا ایک لمحے کے لیے تو اسماعیل کو لگا کہ وہ گر جائے گا مگر خیریت رہی۔اونٹ کھڑا ہو کر چل پڑا۔پانی کی مشک اپنے کندھے سے اتار کر اس نے اپنی ٹانگوں اور اونٹ کی کوہان کے درمیان رکھ دی تھی۔اونٹ کی نارمل رفتار بھی اسماعیل کی رفتار سے کئی گنا تیز تھی۔اونٹ کو اگر صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے تو کچھ غلط نہیں کہا جاتا۔اونٹ کے مالک کے متعلق اسماعیل کے ذہن میں ہمدردی کا احساس جاگزیں رہا کہ اس غریب کا اتنا قیمتی جانور وہ چرا کر لے جا رہا ہے۔اور پھر صحرا میں تو اس کی قیمت اور زیادہ تھی۔موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا صحرا کی راتیں یوں بھی کافی ٹھنڈی ہوتی ہیں۔چاند کی ہلکی ہلکی روشنی نے ماحول کو روشن کیا ہوا تھا اونچے نیچے ٹیلوں اور ہموار جگہوں پہ اس کا سفر جاری رہا۔

راستے میں آنے والی ایک اور بستی کو اس نے بائی پاس کیا اور چلتا رہا۔تین چار گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد اسے بھوک محسوس ہوئی ۔کچھ کھائے ہوئے اسے تیس گھنٹے ہونے کو تھے۔لیکن پیاس کی وجہ سے اسے بھوک محسوس نہیں ہوئی تھی۔کپڑے میں بندھی روٹی نکال کر وہ اونٹ پہ بیٹھے بیٹھے کھانے لگا۔روٹی گھی سے چپڑی گئی تھی اس کے باوجود کافی خشک تھی وہ بمشکل ایک روٹی کھا سکا۔دوسری روٹی کو اس نے دوبارہ کپڑے میں لپیٹ لیا۔چلتے اونٹ پہ پانی پینا اس کے لیے مشکل تھا اس کے لیے اسے اونٹ روکنا پڑا۔

پانی پی کر وہ دوبارہ روانہ ہوا۔وہ جلد از جلد اس صحرا سے نکل جانا چاہتا تھا۔مگر شیطان کی آنت سے لمبا صحرا جانے کب ختم ہوتا ۔صبح صادق ہوتے ہی اس کی بے چین نگاہیں دائیں بائیں کسی سایہ دار جگہ کی تلاش میں سرگرداں ہو گئیں وہ سخت قسم کی تھکن محسوس کر رہا تھا۔کافی دور اسے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا جو اس کے جانے کی سمت سے چند سو گز ہٹ کر تھا اس کا رخ اسی جانب ہو گیا طلوع آفتاب سے تھوڑا پہلے وہ اس جھنڈ کے قریب پہنچ گیا۔اونٹ بٹھا کر وہ نیچے اترا اور اس کی نکیل کی رسی درخت کے تنے سے باندھ کر وہ پاؤں پسار کر ٹھنڈی ریت پہ بیٹھ گیا۔اونٹ درخت کے پتوں پہ منہ مارنے لگ گیا تھا۔مشکیزے سے تھوڑا سا پانی پی کر اسماعیل نے مشکیزے کو سر کے

نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ نیند کے معاملے میں وہ بہت سخت جان تھا مگر مسلسل بے آرامی نے اسے تھکا دیا تھا۔ بازو کے زخم میں بھی درد بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ گولی بازو سے پار ہو گئی تھی ورنہ اس کے لیے مزید تکلیف کا باعث بنتی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سو گیا۔

☆......☆......☆

''کرنل امیت بہت برا ہوا بہت زیادہ......'' بریگیڈیر ونود کمار کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ غصے کا عنصر نمایاں تھا۔''میں نے ساری ذمہ داری تمھیں سونپی تھی اور تمھاری غلط پلاننگ سے ہمیں جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی شاید کبھی بھی نہ ہو سکے۔''

''سر اپنی طرف سے تو میں نے......''

''کرنل صاحب!'' بریگیڈیر نے قطع کلامی کی۔''وہ چند دنوں کے وقفوں سے بھی تو بھیجے جا سکتے تھے......ضروری تھا کہ انھیں ایک دن ہی بھیجا جاتا؟''

''سر!......میں نے آپ کے گوش گذار تو کیا تھا کہ ہم انھیں پانچ پانچ کی ٹولیوں میں بھیج رہے ہیں۔''

''اب اپنی غلطی میرے سر منڈنے کی ضرورت نہیں......میں نے نہ تو اس کا مشورہ دیا تھا اور نہ ہی تو نے باقاعدہ اجازت طلب کی تھی صرف بتایا تھا کہ تم ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو......اور بطور آرمی آفیسر اس بات سے تو تم اچھی طرح واقف ہو گے کہ اجازت طلب کرنے اور کسی بات سے آگاہ کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے؟''

''سر!......میں نے جو کچھ کیا ہے بھارت ماتا کی بہتری کے لیے کیا ہے۔ باقی اس میں بھارت ماتا کا نقصان ہوا ہے تو بھگوان کی اچھا یہی تھی اس میں میرا کوئی دوش نہیں......اگر اس کے باوجود آپ یا بھارت سرکار کو میری کوتاہی نظر آتی ہے تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''تمھیں سزا دینے سے نقصان پورا ہو جائے گا؟''

''تو سر پھر کیا کیا جائے......اب وہ بندے تو واپس آنے سے رہے۔''

''کرنل صاحب گھبرانے کی ضرورت نہیں...... بھارت ماتا کے سپوت ایسی باتوں سے گھبرایا نہیں کرتے۔'' اکیکے کا نادم لہجہ سنتے ہی بریگیڈیر ونود جو اسے سرزنش کر رہا تھا تسلی دینے لگا۔''بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا......باقی میری ہائی کمانڈ سے بات ہو چکی ہے۔ مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ جس سے یہ خبر لیک (Leak) ہوئی ہے وہ کالی بھیڑ تلاش کی جائے۔''

''سر!......پاشا سی آئی کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے اور اس کے تمام ساتھی سی آئی نے گرفتار کر لیے تھے انھی سے یہ خبر لیک ہوئی ہو گی۔'' بریگیڈیر کے لہجے میں نرمی کی جھلک آتے ہی اکیکے کے چہرے پہ چھائی پریشانی ختم ہو گئی تھی۔

''پاشا کے علاوہ کوئی بھی ان کے ٹریننگ پیریڈ کے دورانیے سے واقف نہیں تھا۔''

''شاید پاشا نے ہی اپنے کسی ساتھی کو بتایا ہو اور وہ سی آئی کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہو''

''پاشا کے اتنے زیادہ قریب کون تھا؟''

''پاربتی سر...... پاشا نے نہ صرف اسے خصوصی طور پر ٹریننگ دی تھی بلکہ سفارش کر کے اپنے پاس بھی رکھا ہوا تھا۔''

''ارے ہاں...... پاربتی سے یاد آیا کہ دو دن پہلے اپنے ایک آدمی نے اسے کسی نوجوان لڑکے کے ساتھ دیکھا ہے وہ شاید اسے نہ پہچان پاتا کہ وہ مسلمان عورتوں کی طرح نقاب میں تھی لیکن اتفاق سے ساحل سمندر پہ چلنے والی ہوا کی وجہ سے اس کے چہرے پہ پڑا نقاب الٹ گیا اور اسی وقت وہ اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا کہ اس کے مطابق تو وہ سی آئی کی قید میں تھی اگر کسی طریقے سے رہا بھی ہو گئی تھی تو اسے کم از کم اپنے بندوں کی تلاش کرنی چاہیے تھی۔ بہر حال شک کو دور کرنے کے لیے وہ اس کی ٹوہ میں لگ گیا اس کے لیے اسے زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی اس کا کام ساحل پہ چلنے والی ہوا نے بہت آسان بنا دیا۔ بعد میں ساحل پہ بنے ریستوران میں ان کے قریب بیٹھ کر وہ ان کی گفتگو سننے میں بھی کامیاب رہا۔ یہ سب نوٹ کر کے اس نے ہمیں رپورٹ بھجوا دی۔ اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو شاید میں نے کل ہی اس بارے گفتگو کر لی ہوتی۔''

''اس آدمی نے پاربتی سے کوئی بات چیت کرنے کی کوشش کی تھی؟''

''اس کے کہنے کے مطابق پاربتی نے ایسا کوئی موقع ہی فراہم نہیں کیا کہ وہ اسے کوئی اشارہ کر پاتا وہ تو کسی پجارن کی طرح اپنے ساتھی کی ذات میں کھوئی ہوئی تھی۔''

''سر!...... اگر وہ واقعی پاربتی ہے تو اس کے بارے واضح اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے ہو سکتا ہے یہ سی آئی کی کوئی چال ہو اور انھوں نے اسے ہمارے ایجنٹوں کے لیے بطور چارہ کھلا چھوڑا ہوا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب تو ہو گئی ہو لیکن اپنے تمام آدمی چونکہ گرفتار ہو یا فرار ہو چکے تھے اس لیے وہ کسی اجنبی کی داشتہ بن کر رہنے پہ مجبور ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے حالیہ نقصان کی ذمہ دار وہی ہو اور اسی سے یہ خبر سی آئی کو ملی ہو جس سے ہمارا اتنا زیادہ نقصان ہوا ہے۔ وہ پاشا کے نہایت قریب تھی اور اس بارے سب جانتی تھی۔ اس کے بدلے اسے رہائی کا انعام ملا ہو''

''تمھارا پہلا اندازہ تو یوں رد ہے کہ اگر سی آئی نے اسے بطور چارہ استعمال کرنا ہوتا تو وہ یوں نقاب میں نہ پھرتی۔ دوسرے اس کا سی آئی کی قید سے فرار ہونا ایک ناممکن بات ہے اور بالفرض یہ چمتکار کسی صورت ہو بھی گیا ہو تو اس کے بعد اس طرح کھلے عام کراچی میں کسی مرد کے ساتھ گل چھرے اڑاتے پھرنا عقل سے بعید ہے۔ اب رہ گئی آخری بات تو میں اس بات سے کسی حد تک متفق ہوں''۔

''سر!...... میں سو فیصد آپ سے متفق ہوں...... لیکن اب پاربتی کے بارے کیا کیا جائے اس نے بھارت ماتا سے غداری کی

ہے۔ پہچاننے والے نے اس کا تعاقب کر کے اس کا ایڈریس تو معلوم کر لیا ہوگا؟''

''وہ پچھلے دو ہفتوں سے اپنے یار کے ہمراہ ایک ہوٹل میں مقیم ہے۔''

''سر!......اگر اسے اغوا کرا لیا جائے تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

''ہمارے بندے اب اس قابل نہیں رہے کہ اسے اغوا کر سکیں البتہ اسے قتل کرایا جا سکتا ہے۔''

''نہیں سر!...... جب تک اصل بات معلوم نہ کر لی جائے اس کے قتل کا فیصلہ کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''کرنل!...... میرا خیال ہے کراچی میں اپنے سیٹ اپ کو از سر نو مضبوط کرنے کے لیے ہمیں کوئی اچھا سا ایجنٹ وہاں بھیجنا پڑے گا۔''

''درست ہے سر!......اور میری نظر میں اس کے لیے میجر روہیت چکرورتی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔''

''میجر چکرورتی......'' بریگیڈیر ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔''کرنل وہ کہیں ٹک کر کام کرنے والا آدمی نہیں ہے اور ویسے بھی اس کی یہاں کافی ضرورت ہے۔''

''سر!......کون سا اسے مستقل بھیج رہے ہیں......اپنے آدمیوں کو تھوڑا مستحکم کر دے گا پارچی کا مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ایک دو اور مسائل ہیں یہ حل کرتے ہی وہ واپس آ جائے گا۔''

''چلو ایسے ہی کر لیتے ہیں'' بریگیڈیر اس کے ساتھ متفق ہو گیا۔''تم میجر چکرورتی کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دو۔''

''ٹھیک ہے سر!...... باقی ایک سرحدی مخبر سے پتا چلا ہے کہ ان بندوں میں ایک سی آئی نے زندہ گرفتار کر لیا تھا اور ایک فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے...... یہ پتا نہیں چلا ہے کہ وہ ہیں کون کون؟''

''کرنل فرار ہونے والا اگر انڈیا کی طرف آتا تو ابھی تک ہمارے پاس پہنچ چکا ہوتا اس نے لازمی پاکستان کا رخ کیا ہوگا اور شاید اب تک وہ صحرا کا لقمہ بن بھی چکا ہو۔ اور جو سی آئی کے ہاتھ چڑھ گیا ہے وہ تو سمجھو زندہ درگور ہو گیا۔ اس لیے ان دو کا شمار بھی پرلوک سدھارنے والوں میں کرو۔''

''شاید فرار ہونے والا زندہ بچ گیا ہو؟'' اسکے امید بھرے لہجے میں بولا۔

''یہ ذمہ داری بھی میجر روہیت کے ذمے لگا دو۔ کہ وہ اس فرار ہونے والے کا بھی سراغ لگائے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' کہہ کر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔''سر اجازت دیں تاکہ میں میجر روہیت کو بلا کر ساری صورت حال سے آگاہ کر دوں۔''

''اوکے وش یو گڈ لک۔'' بریگیڈیر نے اس کے جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''سر آج صبح سویرے پارتی..... میرا مطلب ہے شہزادی۔'' عاطف کو خشمگین نگاہوں سے اپنی طرف متوجہ پا کر عرفان جلدی سے پارتی کے نام کی تصحیح کرتا ہوا بولا۔ ''اپنے شوہر کے ساتھ کراچی سے نکل گئی ہے۔''

''اس دوران اس کی کوئی مشکوک حرکت یا سرگرمی تیرے مشاہدے میں آئی ہو؟''

''نہیں سر..... پہلے دن سے لے کر کراچی چھوڑنے تک میں اس کی کسی ایسی حرکت سے مطلع نہیں ہو سکا ہوں..... وہ تو ہر وقت ہی اپنے نئے نویلے شوہر میں کھوئی دکھائی دی..... میرے اندازے کے مطابق قدرت نے واقعی ہی اسے سدھرنے کا موقع دیا ہے۔''

''تم اندازے لگا رہے ہو اور مجھے یقین ہے.....''

''اگر آپ کو یقین تھا تو اس کی نگرانی کیوں کروائی؟''

''یہ میرے پیشے کا پہلا اصول ہے کہ شک کی عینک گھر میں بھی نہ اتاروں مجبور ہوں دوست۔''

''اس کا مطلب ہے آپ ہماری بھابی کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟''

''تیری بھابی تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی یار..... فی الحال تو دو بڑے بھائی موجود ہیں۔''

''یعنی آپ سب سے چھوٹے ہیں۔''

''ایسا ہی ہے۔'' یہ الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ اس کے سامنے رکھے فون کی گھنٹی بجی۔

''یس عاطف سپیکنگ؟''

دوسری جانب سے صدیقی صاحب تھا۔ ''عاطف فوراً میرے پاس پہنچو بدرالدین صاحب نے ہمیں بلایا ہے۔ یہاں سے اکٹھے اس کے پاس چلے جاتے ہیں۔''

''میں آ گیا سر۔'' کہہ کر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''او کے عرفان! بدرالدین صاحب یاد کر رہے ہیں..... بعد میں گپ شپ ہو گی۔'' وہ اپنے آفس سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بدرالدین صاحب کے سامنے موجود تھے۔ رسمی کلمات کے بعد وہ ایک لفافہ ان دونوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ تصویریں دیکھو۔''

اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر صدیقی صاحب نے کھولا عاطف بھی جھک کر دیکھنے لگا ایک جوان آدمی کی تصویر تھی جو کلین شیو تھا اور کسی فلمی ہیرو کا سا سٹائل بنا کر کھڑا تھا۔ لمبے بال آنکھوں پہ سیاہ چشمہ ہاف بازوؤں والی شرٹ اس نے سینے پہ اس انداز ہاتھ باندھے ہوئے تھے کہ بازو کی مچھلیاں زیادہ سے زیادہ ابھری نظر آئیں۔

''یہ کون ہے سر؟'' تصویر واپس لفافے میں ڈالتے ہوئے صدیقی صاحب مستفسر ہوا۔

''میجر رو جیت چکرورتی...... را کا وہ مایہ ناز ایجنٹ جو اپنے کسی مشن میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔''

''تو پھر ؟''

''تو پھر یہ کہ اب چکرورتی صاحب کسی بھی لمحے ایک نامعلوم مشن کے لیے پاکستان آنے والا ہے یا شاید آ چکا ہو...... ہائی کمانڈ کی طرف سے یہ تصویر تمام بٹالینز کو جاری کی جا چکی ہیں۔اس نے کس شہر میں اپنے مشن کی تکمیل کرنی ہے اس بارے ہمیں کوئی معلومات نہیں ملی ہیں اسی وجہ سے تمام کو الرٹ کیا جا چکا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر میں اس تصویر کی کاپیاں کروا کے تمام کو ایشو کر دیتا ہوں جیسے ہی کوئی خبر ملی دیکھ لیں گے۔'' صدیقی صاحب نے تصویر اپنے پاس رکھ لی تھی۔

''تمام کو بتا دینا کہ کوئی اکیلا بندہ اس پہ ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ یہ کافی خطرناک بندہ ہے اکیلے آدمی سے شاید قابو نہ آئے۔''

''ٹھیک ہے سر۔''

''عاطف صاحب یہ آپ کی فیلڈ ہے۔صدیقی صاحب کی نسبت آپ زیادہ اس کام کو سمجھ سکتے ہیں...... تمام ایجنٹس کو اس کے بارے اچھی طرح بریف کر دینا...... اور آج ہی سے تمام کو اس کی تصویر کی کاپی دے کر ریلوے سٹیشن، ایئرپورٹ، بندرگاہ اور لاری اڈوں پہ نگرانی کے لیے بھیج دو گو یہ اپنے اصل حلیے میں نہیں ہوگا مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ مشابہت سے ہی پہچان لیا جائے گا۔تصویر کی پشت پہ اس کے قد اور جسامت وغیرہ کے بارے کچھ معلومات درج ہیں وہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' عاطف بھی صدیقی صاحب کی طرح مختصراً بولا۔

''ٹھیک ہے تو پھر جلدی ہی کوئی اچھی خبر ملنی چاہیے۔''

''انشاءاللہ سر۔'' وہ دونوں بیک زبان بولے۔

''میری طرف سے آپ فارغ ہیں۔'' بدرالدین صاحب کی طرف سے اجازت ملتے ہی وہ دونوں سلام کہتے ہوئے اس کے دفتر سے باہر نکل آئے۔

☆......☆......☆

وہ زیادہ دیر سویا نہ رہ سکا جلد ہی اس کی آنکھ کھل گئی دھوپ میں تیزی کے ساتھ گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ان درختوں کا سایہ اتنا گھنا نہیں تھا مگر پھر بھی دھوپ کی براہ راست تپش سے وہ بچا رہا۔دوپہر کو اس نے بچی ہوئی روٹی کھا کر پیٹ پوجا کی جبکہ شام تک پانی کا مشکیزہ خالی ہو گیا تھا۔عصر کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر جانے کے لیے تیار تھا اس مرتبہ وہ اعتماد سے اونٹ پہ سوار ہوا۔سورج سے اس نے اپنے تجویز کی ہوئی سمت کا اندازہ کیا اور چل پڑا۔شروع سے ہی اس نے شمال مغرب کی سمت کو اپنی منزل کے طور پہ چنا تھا کیونکہ اسے پتا

تھا کہ انڈیا پاکستان کی مشرقی جانب واقع ہے اس کے ساتھ ایک ہی متعین سمت میں سفر کرنے کا یہ فائدہ تھا کہ وہ دائیں بائیں پھرنے سے بچ جاتا اور اس کا سفر کسی نہ کسی سمت جاری رہتا۔ کسی بھی شہر میں پہنچنے کے بعد اس کا کراچی پہنچنا آسان ہو جاتا۔ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں شاید وہ اسی صحرا میں چکراتا پھرتا۔

پورے دن کے آرام کے بعد اونٹ تازہ دم ہو گیا تھا البتہ وہ اپنے بازو کے زخم کی وجہ سے کافی بے آرامی محسوس کر رہا تھا اس کے ساتھ اسے خوراک کی فکر بھی دامن گیر تھی اونٹ تو کئی کئی دن تک بھوکا پیاسا زندہ رہ سکتا ہے مگر اپنے اندر وہ کوئی ایسی خوبی موجود نہیں پاتا تھا ۔ اندھیرا چھانے سے پہلے اسے ایک بڑے گاؤں کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

''شاید میں آباد علاقے کے قریب پہنچ گیا ہوں؟'' اس کے دماغ میں امید افزاء سوچ ابھری۔ پہلے تو اس نے گاؤں کو بائی پاس کرنے کی بابت سوچا مگر پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اتنے بڑے گاؤں میں اس پہ کس نے توجہ دینی ہے۔ وہ سیدھا آگے بڑھتا گیا۔ گاؤں کے چند آوارہ کتوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا مگر وہ ان پہ توجہ دیے بغیر آگے بڑھتا گیا مکانات کا سلسلہ شروع ہوتے ہی اس مڈ بھیڑ ایک ادھیڑ عمر کے آدمی سے ہوئی۔

''سائیں چھا حال آ؟۔'' (سائیں کیا حال ہے) ''تو حاں کتھاں آیا آھیو؟'' (آپ کہاں سے آ رہے ہیں)

''مان تمام پری کھان آیو آھیاں۔'' (میں بڑی دور سے آیا ہوں) ان کے گھر میں زیادہ تر اردو بولی جاتی تھی مگر وہ سندھی زبان بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔

''کس سے ملنا ہے؟''

''مسافر ہوں سائیں۔''

''چلو پھر میرے ساتھ چلو۔'' وہ اس کے اونٹ کی نکیل پکڑتا ہوا بولا۔ اسماعیل کو اس پہ کوئی اعتراض نہ تھا اس لیے خاموش رہا۔ اپنے گھر کے سامنے اس نے اونٹ بٹھایا اسماعیل نیچے آ گیا وہ اسے لے کر بیٹھک میں گھس گیا۔ وہاں اسے چارپائی پیش کرتے ہوئے وہ بولا۔

''آپ بیٹھیں...... میں کھانے کا بتا دوں۔'' اور اسماعیل نے بغیر کسی تکلف کے سر ہلا دیا۔ وہ بیٹھک سے متصل گھر کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کی واپسی تک اسماعیل اس کے متوقع سوالات کے جوابات سوچتا رہا۔

واپسی میں اس کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا تھا جو اس نے اسماعیل شاہ کے ہاتھ منہ دھونے کے واسطے لایا تھا۔ منہ دھوتے وقت اس کے میزبان سے اس کے بازو کی تکلیف چھپی نہ رہ سکی۔

''سائیں کیا ہوا...... بازو زخمی ہے کیا؟''

''جی۔'' وہ مختصراً بولا۔

"کیسے زخمی ہوا.....اونٹ سے گرے ہو کیا؟"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" اس نے بات کو گول مول کیا۔

"حکیم صاحب کو بلا لاؤں۔"

اگر ایسا ہو جائے تو........."

"کیوں نہیں.....کھانا کھانے سے پہلے حکیم صاحب کو بلا لاتا ہوں۔" وہ پر خلوص لہجے میں بولا اور اٹھ کر بیٹھک سے باہر نکل گیا۔

اسے بیٹھک سے نکلے پانچ منٹ ہوئے ہوں گے کہ گھر کے دروازے سے ایک کھنکھناتی آواز آئی۔

"ادا سائیں.....؟" اسماعیل نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور خاموش بیٹھا رہا۔

کوئی جواب نہ پا کر ایک دفعہ پھر پکارا گیا۔"ادا سائیں.....کھانا گرم کر دیا ہے۔" اس مرتبہ اسماعیل خاموش نہ رہ سکا اور اسے جواب دیتے ہوئے بولا۔

"بہن آپ کے بھائی باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"وہ آئیں تو انھیں بتانا کھانا تیار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اسماعیل نے کہا اور خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کا میزبان ایک بوڑھے سے شخص کے ہمراہ واپس آیا جس نے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا اٹھایا ہوا تھا۔

"ہاں جوان کیا ہوا ہے؟" وہ اسماعیل کا بازو تھامتے ہوئے مستفسر ہوا۔

"حکیم صاحب اونٹ سے نیچے ایک نوکیلی لکڑی پہ گرا ہوں اور لکڑی بازو کے آر پار ہو گئی ہے۔"

حکیم صاحب نے سر ہلاتے ہوئے اسے قمیص اتارنے کو کہا۔ زخم پہ باندھی ہوئی پٹی بڑی مشکل سے علیحدہ ہوئی تھی۔

"انور سائیں لالٹین نزدیک کرو۔" وہ اسماعیل کے میزبان سے مخاطب ہوا۔ اور وہ لالٹین پکڑ کر نزدیک لے آیا۔ حکیم صاحب نے بڑی باریکی سے اس کے زخم کا معائنہ کیا اور پھر انور سے گرم پانی منگوا کر پہلے زخم کو اچھی طرح دھویا اور اس کے بعد کوئی عجیب سا محلول زخم پہ لگایا جس سے زخم میں ایسی جلن شروع ہو گئی تھی کہ اسماعیل نے بڑی مشکل سے اپنی کراہوں کو روکا۔ اس کے بعد سفید سا ایک پاؤڈر چھڑک اس کے اوپر ایک زرد رنگ کی ملم لگائی اور ایک صاف پٹی باندھ دی۔ محلول سے ہونے والی شدید جلن کو ملم نے بالکل ختم کر دیا تھا۔ ایک دوسری صاف پٹی کو گرہ لگا کر اس کے گلے میں ڈال کر زخمی بازو اس سے لٹکا دیا۔

"تین چار پٹیوں کے بعد انشاء اللہ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔" حکیم صاحب اطمینان سے بولے۔

"حکیم صاحب کھانا کھا کر جانا۔" حکیم صاحب کو تیاری پکڑتے دیکھ کر انور بولا۔

’’نہیں میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔‘‘ حکیم صاحب نے تھیلے سے سفوف کی پڑیاں نکال کر اسماعیل کی طرف بڑھائیں۔

’’بیٹا دن میں دو ٹائم کھانے کے بعد پانی کے ساتھ یہ سفوف کھا لیا کرنا۔‘‘ اور اسماعیل نے سر ہلاتے ہوئے پڑیاں اس سے لے لیں۔

’’انور میاں مجھے گھر تک چھوڑنے نہیں جاؤ گے؟‘‘

’’چلتا ہوں حکیم صاحب مہمان کو کھانا دے دوں‘‘ وہ جلدی سے گھر میں گھس گیا۔ واپسی پہ اس کے ہاتھ میں روٹیوں کا چھاب اور سالن کا ڈونگہ تھا۔ یہ لوازمات ایک چھوٹی سی ٹیبل پہ رکھ کے اس نے ٹیبل کو اسماعیل کے سامنے رکھا اور حکیم صاحب سے بولا۔

’’چلیں حکیم صاحب۔‘‘ اور وہ دونوں بیٹھک سے نکل گئے۔ اسماعیل خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ انور کی واپسی تک وہ کھانا کھا چکا تھا۔ واپسی پہ اسماعیل کو انور کے تاثرات میں واضح تبدیلی نظر آئی۔ کھانے کے برتن سمیٹ کر وہ تھوڑی دیر بعد چائے لے آیا۔ اسماعیل بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ چائے پینے کے دوران اس نے اسماعیل سے پوچھا۔

’’سائیں آپ کا نام نہیں پوچھ سکا ہوں ؟‘‘

’’غازی شاہ۔‘‘

’’غازی سائیں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟‘‘

’’پوچھو......‘‘ اس کے انداز نے اسماعیل کو چونکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

’’آپ کو گولی لگی ہے؟‘‘

’’ک......کیا؟‘‘

’’جی سائیں مجھے حکیم صاحب یہی بتانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئے تھے کہ یہ زخم گولی لگنے کا ہے لکڑی چبھنے کا نہیں ہے ......آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کہیں سرکار کے مجرم تو نہیں ہیں؟‘‘

’’اوا انور یہ ایک لمبی کہانی ہے اور میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے کہ آپ کو بتا سکوں۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ میں چور، ڈاکو یا مجرم نہیں ہوں بس حالات کا ستایا ہوا غریب الدیار ہوں۔‘‘

’’ٹائم تو بہت سائیں۔‘‘

’’نہیں اوا ٹائم نہیں ہے میں جانا ہے وہ کھڑا ہو گیا۔‘‘ آپ نے جہاں اتنی مہربانی کی ہے وہیں اگر تھوڑا سا زادِ راہ اور کسی قریبی شہر کے جانب میری رہنمائی کر دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔‘‘

’’سائیں رات کو کہاں خوار ہوتے پھرو گے آج کی رات یہیں رہ جاؤ۔‘‘

’’نہیں اوا......میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔‘‘ اس نے جانے پہ اصرار کیا۔

''اچھا ٹھہرو میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' انور ایک مرتبہ پھر گھر میں گھس گیا مگر اس کی واپسی سے پہلے بیرونی دروازے پہ زوردار دستک ہوئی۔

''انور سائیں ......انور سائیں؟'' زور سے پکارا گیا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ انور کو گھر کے اندر سنائی دی اور وہ بھاگ کے باہر آ گیا۔ اس کے آنے تک دروازہ کھٹکھٹایا جاتا رہا۔

''کیا بات ہے بھئی کیوں دروازہ توڑ رہے ہو؟'' وہ دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ دروازہ کھلتے ہی چار پانچ آدمی اندر آ گئے۔

''ہیی چور آہی۔'' (یہ چور ہے) اندر آتے ہی ان میں سے ایک اسماعیل کے جانب اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ ان کے جارحانہ انداز کو دیکھتے ہوئے اسماعیل بوکھلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ میرا مہمان ہے آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟'' انور آنے والوں کا جارحانہ انداز دیکھ کر اسماعیل کی صفائی پیش کرنے لگا۔

''غلط فہمی کیسی؟...... باہر جو اونٹ بیٹھا ہے وہ میرا ہے اور کل رات میرے سے گھر چرایا گیا ہے۔'' ان میں سے ایک آدمی تیز لہجے میں بولا۔

''غازی شاہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' انور کے لہجے میں پہلے والی تکریم غائب تھی۔

اسماعیل اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ''یہ اونٹ تو مجھے راستے میں آوارہ گھومتے ملا تھا میں نے پکڑ لیا کہ جس کا ہوگا اس کے حوالے کر دوں گا۔''

''دیکھا ادا......'' اونٹ کا مالک انور سے مخاطب ہوا۔

''بھائیو!...... بات یہ ہے کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ مجھے گاؤں میں داخل ہوتا ہوا ملا تو میں پردیسی سمجھ کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ بخدا مجھے یہ علم نہیں تھا کہ یہ کوئی چور اچکا ہوگا۔'' اس مرتبہ انور نے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

''ادا انور!...... آپ پر کوئی کیسے شک کر سکتا ہے۔ یہ تو ادا اللہ بخش نے اپنا اونٹ باہر بیٹھا دیکھ کر پہچان لیا اور ہم سے آپ کے متعلق استفسار کرنے لگا۔'' اونٹ کے مالک کے ساتھ موجود ادھیڑ عمر کا ایک آدمی جلدی سے بولا۔

اونٹ کے مالک نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ادا!...... میں سہ پہر کو ہی یہاں پہنچا ہوں۔ یہ اونٹ اس نے کل رات میرے گھر کے سامنے سے کھولا تھا۔ مجھے صبح پتا چلا تو میں اس کی تلاش میں نکل پڑا اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے میرا اونٹ مع چور کے مل گیا ہے۔''

''تم کس گوٹھ کے ہو؟''

''گوٹھ شالم، ادا۔''

"گوٹھ شالم سے تم گوٹھ سدرو کیسے آگئے۔ کیا تمہیں علم تھا کہ یہ کہ اسی سمت کا رخ کرے گا ؟"

"گھر سے تو میں اس کے پاؤں کے نشانات دیکھ کر چلا تھا جو راستے میں گم ہو گئے۔ چونکہ اس کا رخ سدرو کی طرف ہی تھا تو میں بھی اندازے سے اسی سمت چلا آیا۔"

ان کی باتوں کے دوران اسماعیل کو پتا چل گیا تھا کہ وہ بری طرح پھنس گیا ہے۔ اتنے آدمیوں سے لڑ بھڑ کر وہاں سے بھاگنا اس کے بس سے باہر تھا کہ اس کا بازو ٹھیک نہیں تھا اور اگر وہ اسے پکڑ کر پولیس یا رینجرز کے حوالے کر دیتے تو اس کی ساری محنت رایگاں جاتی۔ اس کے پاس سب سے بہترین آپشن یہی تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر یہ بھی ناممکن تھا کہ وقتی طور پہ بیٹھک سے فرار ہونے سے اس کا مقصد حل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں سے بھاگ کر وہ کہاں جاتا، شہر تو تھا نہیں کہ وہ چھپ جاتا۔ گاؤں جتنا بڑا ہو گاؤں ہی رہتا ہے تمام لوگ ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں اور بات پھیلتے دیر نہیں لگتی۔ گاؤں سے باہر بھاگ جانا بھی ناممکن تھا کہ پیدل وہ کہاں تک بھاگ سکتا جب کہ تعاقب کرنے والے اونٹوں پہ سوار اور اس سے کئی گنا زیادہ اس علاقے سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ان سارے امکانات کا جائزہ لے کر وہ اپنے میزبان انور سے مخاطب ہوا۔

"انور سائیں!......آپ سب میری ایک گذارش سنیں گے ؟"

"جی فرمائیں ؟" انور کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ تھی۔

مگر اسماعیل اس کے لہجے کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے بولا۔

"سائیں میں ایک بے بس اور مجبور آدمی ہوں دشمن میرا پیچھا کر رہے تھے بلکہ اب بھی میرے تعاقب میں ہوں گے ایسے حالات میں میں مانتا ہوں کہ مجھ سے اونٹ چرانے کی غیر اخلاقی حرکت سرزد ہوئی ہے مگر خدا گواہ ہے یہ صرف جان بچانے کی ایک کوشش تھی۔ اگر میں چور ہوتا تو دونوں اونٹوں کو کھول کر لے آتا دوسرا اونٹ کیوں چھوڑتا جو اس کے ساتھ بندھا تھا۔ بہر حال میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں لیکن آپ بھی میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"کون ہیں تیرے دشمن......؟ اور اگر تجھے جان کا خوف تھا تو تمہیں پولیس سے رابطہ کرنا چاہیے تھا" انور کا انداز اسے جھٹلانے والا تھا۔

"انور سائیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری پولیس کتنی ایماندار اور کمزوروں کا ساتھ دینے والی ہے؟"

"غازی شاہ بات یہ ہے کہ اب تم بطور مجرم شناخت ہو چکے ہو، ہمیں تمھاری بات پہ کم ہی اعتبار آئے گا۔"

"ٹھیک ہے سائیں!" اسماعیل اپنے لہجے میں عاجزی سموتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں ہے حالانکہ اس کا ثبوت بھی گولی کی شکل میں میرے بازو پہ ثبت ہے اس کے باوجود آپ بدگمان ہیں تو اپنی صفائی میں میں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ ایک غریب الدیار اجنبی آپ کے رحم و کرم پہ ہے آپ جو سلوک کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔"

اس کا عاجزانہ لہجہ سن کر اونٹ کا مالک بولا۔ ''ادا انور مجھے میرا اونٹ مل گیا ہے اور میں اسے معاف کرتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹا ہے اور چوری کرنا اس کا پیشہ ہے تو مجھے یقین ہے جلد ہی یہ دوبارہ پکڑا جائے گا......اور اگر سچا ہے تو میں کسی مظلوم پہ ظلم نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے اللہ بخش اگر تم اسے معاف کرتے ہو تو ہمیں بھی خدائی فوج دار بننے کا کوئی شوق نہیں۔'' انور تحمل سے بولا۔ ''جوان تم آزاد ہو اور یہاں سے جا سکتے ہو۔''

''اللہ آپ لوگوں کو عزت دے''۔ اسماعیل نے دعائیہ لہجے میں کہا۔ ''اگر اس کے ساتھ مجھ پہ اتنا احسان کر دیں کہ میری رہنمائی کسی قریبی شہر کی طرف کر دیں جہاں سے مجھے سفر کرنے کے لئے گاڑی مل سکے تو آپ لوگوں کا بڑا احسان ہوگا مجھ پر۔''

انور نے کہا۔ ''جوان اگر تم گوٹھ سدرو سے نکل کر سیدھا مغرب کی سمت اختیار کرو تو عمر کوٹ جا پہنچو گے جو یہاں سے پینتیس چالیس کلومیٹر کے فاصلے پہ ہے۔ جنوب مغرب کی سمت میں دھرم شال ہے جو تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پہ ہوگا اسی طرح شمال مغرب کی طرف نیا چھور ہے۔ اس کا فاصلہ بھی دھرم شال جتنا ہی ہوگا۔''

اسماعیل نے پوچھا۔ ''ان میں سے کسی بھی شہر تک پہنچنے کا ذریعہ کیا ہوگا؟''

انور فراخ دلی سے بولا۔ ''صبح کے ٹائم پہ آپ کو اونٹ گاڑی کرائے پہ مل سکتی ہے۔ اور صبح تک تم میرے ہاں قیام کر سکتے ہو، بلکہ جتنے دن چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔''

''بہت مہربانی انور سائیں......اگر ابھی کوئی سواری مل جاتی؟''

''نہیں اس ٹائم کوئی تیار نہیں ہوگا۔''

اسی وقت اونٹ کا مالک بولا۔ ''ادا انور! آپ کی بڑی مہربانی، اب ہم اجازت چاہیں گے۔''

''آپ لوگ بیٹھیں نا؟......چائے پانی ہو جائے؟''

''سائیں اللہ عزت دے پھر کبھی سہی۔''

''پھر آپ کب آئیں گے؟ آج اگر حسن اتفاق سے آئے ہوئے ہیں تو ہمیں خدمت کا موقع دیں۔''

''حسن اتفاق سے تو خیر نہیں آئے؟'' اونٹ کا مالک ہنستا ہوا بولا۔ ''البتہ اس ٹائم گنجائش نہیں ہے میں نے سجاول سائیں کے ہاں کھانا کھا کے آیا ہوں۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' انور نے اونٹ کے مالک اور اس کے ہمراہیوں سے الوداعی مصافحہ کیا۔ تمام نے رخصت کے وقت اسماعیل سے بھی مصافحہ کیا تھا۔ ان کے اوطاق (بیٹھک) سے نکلتے ہی انور اسماعیل سے مخاطب ہوا۔

''غازی شاہ!......اطمینان سے بیٹھو اور مجھے تفصیل سے بتلاؤ کہ اصل کہانی کیا ہے شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔''

اسماعیل چارپائی پہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کیا جواب دے وہ اسے اصل بات نہیں بتا سکتا تھا۔اس کے سوچ میں ڈوب جانے کو انور نے یہ خیال کیا کہ شاید وہ اپنے ساتھ گزرے واقعات کو ذہن میں تازہ کر رہا ہے۔چند لمحوں بعد اسماعیل نے بات شروع کی۔

"ادا انور!......میرا تعلق کراچی سے ہے۔ یہ دو ڈھائی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ دولت کی حرص میں ڈوبے ایک بناوٹی سیٹھ نے میرا گھر ہتھیانا چاہا کہ وہاں پہ پلازہ تعمیر کر سکے۔میں نے انکار کر دیا جس کی پاداش میں اس نے اپنے کارندوں کے ہاتھوں میرے والدین اور چھوٹی بہن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ان کے قتل کا الزام بھی میرے سر لگا اور مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ایک دن اتفاق سے تھانے کے سامنے دھماکا ہوا جس سے تھانے میں افراتفری مچی اور مجھے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ میں بھاگ کر میں حیدرآباد اور پھر وہاں سے عمر کوٹ پہنچا۔عمرکوٹ میں میری شناسائی ایک سمگلر سے ہوئی جس کی مدد سے مجھے سرحد پار کرنے کا موقع ملا۔انڈیا میں مزدوری کر کے پیٹ پالتا رہا اب جب کہ اس بات کو دو ڈھائی سال کا عرصہ ہونے والا ہے تو میں نے واپسی کا سوچا اور اسی سمگلر کے ذریعے واپسی کا قصد کیا بدقسمتی سے سرحد پار کرتے ہوئے ہم رینجرز کے فائر کا شکار ہو گئے جانے کس غلط فہمی میں انھوں نے ہم پہ فائر کھول دیا،میرے سمگلر ساتھی موقع پہ ہی ہلاک ہو گئے جبکہ مجھے بھاگنے کا موقع مل گیا......اور ابھی آپ کے سامنے ہوں۔"جھوٹ سچ ملا کر اس نے ایک کہانی انور کو سنا دی۔

"جوان تیری کہانی واقعی درد بھری ہے......اور ایسے حالات میں انسان سے چوری جیسی حرکت کا ہو جانا بعید نہیں ہے۔"

"مہربانی ادا کہ آپ نے میرے درد کو سمجھا۔"

"نہیں غازی شاہ اس میں مہربانی کی کوئی بات نہیں ہے......ان سیٹھوں،وڈیروں،چوہدریوں اور ملکوں کو میں بڑی اچھی طرح جانتا ہوں......بہر حال فکر کی کوئی ضرورت نہیں اللہ خیر کرے گا۔"

اسماعیل کو لگا جیسے انور بے ساختہ کچھ کہنے لگا تھا مگر پھر جانے کیا سوچ کر وہ بات بدل گیا۔

"بہر حال ادا انور اگر ہو سکے تو صبح میرا کسی اونٹ والے کے ہمراہ عمرکوٹ تک جانے کا بندوبست کرا دینا۔کرائے کا بندوبست بھی آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔"

"نہیں فی الحال نہیں......تم زخمی ہو چند دن یہیں پہ آرام کرو جب بازو ٹھیک ہو جائے تو چلے جانا۔یوں بھی کراچی جا کر تمھیں پہلے اپنے بازو کا علاج کرانا پڑے گا اس کے بعد ہی تم بدلے کا سوچو گے۔"

"بدلا کون سا ادا......میں ایک کمزور اور بے بس سا آدمی ہوں......سیٹھوں سے کہاں ٹکر لے سکتا ہوں بس اپنی جان بچا لوں تو اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیوں......اپنے والدین کے قتل کا بدلہ نہیں لینے کی خواہش نہیں ہے تجھے ؟"

"خواہش اور چیز ہے......اسے عملی جامہ پہنانا اور چیز۔"

"بھائی ارادہ تو کرو.....کوئی سبب بھی بن جائے گا۔"

"یہ آپ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آپ سیٹھ فاضل سے واقف نہیں ہیں.....وہ کراچی کا ایک نامی گرامی غنڈہ ہے جبکہ میں ......آپ کے سامنے ہی ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو یہیں رہ جاؤ.....کیا کراچی جانا ضروری؟"

"اوا!..... میں ضرور یہاں رہ جاتا مگر میں شہر کا عادی ہوں اور اس دور دراز گاؤں میں رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے اس کے علاوہ اگر والدین نہیں ہیں تو کیا ہوا دوسرے عزیز تو موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاید کبھی اللہ تعالیٰ مجھے اتنی طاقت دے دے کہ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں۔"

"جیسے تمھاری مرضی.....لیکن بازو ٹھیک ہونے تک تو یہیں رہ جاؤ۔"

اسماعیل صاف گوئی سے بولا۔"مجھے رینجرز کا ڈر ہے۔"

"کیوں؟"

"آخر غیر قانونی طور پہ سرحد عبور کی ہے میں نے؟"

"تو کیا ہوا، ہو تو پاکستان کے شہری نا؟"

"اوا میں پاکستان کا شہری تھا۔اب میری شناخت کھو چکی ہے.....فی الوقت میں پاکستانی سرکار کی نظر میں مجرم ہوں۔"

"بہر حال فکر کی کوئی ضرورت نہیں رینجرز والے سرحد تک ہی محدود رہتے ہیں اور تم سرحد سے کافی اندر آ گئے ہو۔"

"بالفرض وہ آ گئے تو؟"

"اگر انھوں نے آنا ہوتا تو دو دن پہلے آ گئے ہوتے ..... تمھیں فرار ہوئے پہلا دن تو نہیں ہے۔ان کے پاس جیپیں وغیرہ موجود ہیں وہ آسانی سے سدرو آ کر پوچھ گچھ کر سکتے تھے۔ان کی نظر میں تم مر کھپ گئے ہو کیونکہ اس صحرا کو بغیر کسی سہارے کے عبور کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔یہ تو تیری چند سانسیں باقی تھیں کہ تو آج زندہ نظر آ رہا ہے۔"

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں اوا.....واقعی اس صحرا سے زندہ نکل آنا میری خوش قسمتی ہے،اور میں اپنی یہ خوش قسمتی برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤں۔"

"غازی شاہ!.....تیری اپنی مرضی لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ چند دن یہیں رک جاؤ۔"اسماعیل سوچ میں ڈوب گیا ایک اجنبی شخص کا اصرار اس کے لیے سخت حیرانی کا باعث تھا۔

تمھیں یہاں روکنے میں میرا کوئی مفاد پوشیدہ نہیں جوان..... یہ تو تیری کہانی اور تیرے چہرے پہ چھائی معصومیت سے متاثر ہو

کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ تیرے کچھ کام آؤں۔'' وہ شاید اسماعیل کے چہرے پہ چھائے تاثرات سے اس کے دل کی بات سمجھ گیا تھا۔

''اڈا! ...... آپ کا یہ احسان بھی بہت بڑا ہوگا کہ مجھے عمر کوٹ تک پہنچادیں۔ باقی جہاں تک میرے یہاں رکنے میں آپ کے کسی مفاد کا تعلق ہے تو میں جانتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے، یوں بھی ایک غریب پردیسی کسی کے کیا کام آسکتا ہے؟۔''

''اچھا چھوڑو اس بالکلف گفتگو کو یہ بتاؤ صبح تیرے جانے کا انتظام کردوں یا زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کروگے رینجرز وغیرہ کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟''

اسماعیل ایک لمحہ سوچ کر بولا۔''اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو چند دن ٹھہر جاؤں گا اڈا۔'' کراچی جا کر بھی اس نے پہلے زخم کا علاج ہی کرانا تھا اس کے بعد ہی وہ سیٹھ فاضل کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا پروگرام بناتا۔ اب جبکہ اس کے زخم کا علاج یہاں ہو رہا تھا اور پھر یہ رکنا اس کے لئے یوں بھی مفید تھا کہ اس کے سرحد پار آنے کا واقعہ کچھ اور پرانا ہوجاتا یوں اگر کسی پیمانے پہ اس کی تلاش شروع بھی تھی تو وہ ختم ہوجاتی۔

''مجھے پتا تھا تم سمجھداری کا ثبوت دوگے...... اب سوجاؤ صبح انشاءاللہ گپ شپ ہوگی۔'' اور اسماعیل نے اثبات میں سر ہلادیا۔

☆......☆......☆

''میدے! ...... یہ سو فیصد میجر روہیت چکرورتی ہے۔'' ظفر نے کراچی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ قطر سے آنے والی فلائیٹ کے ایک مسافر کی طرف اشارہ کیا۔

''اس خبیث نے تو حلیہ ہی تبدیل نہیں کیا یار۔'' حمید نے اس کی تائید کی تھی۔

''شاید اسے یہ خوش فہمی ہے کہ ہم اس متعلق کچھ جانتے نہیں ہیں۔''

''بالکل ایسا ہی ہے۔'' اس مرتبہ بھی حمید نے ظفر کی تائید کرنے پہ اکتفا کیا تھا۔

''میرا خیال ہے عاطف صاحب کو رپورٹ دے دیتے ہیں؟''

''راستے میں دے دیں گے۔'' روہیت کو پارکنگ ایریا کی طرف بڑھتے دیکھ کر حمید جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ شروع سے ہی اس کی گاڑی کے قریب اپنی کار رکھے کہ رش کی وجہ سے اس کے اوجھل ہونے کا بھی خطرہ تھا۔

روہیت کے پاس ایک چھوٹے سے بریف کیس کے علاوہ کوئی سامان نظر نہیں آرہا تھا۔ پارکنگ ایریا میں کھڑی ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر وہ بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔ ٹیکسی کے پارکنگ ایریا سے نکلنے تک وہ بھی اپنی کار میں بیٹھ کر ٹیکسی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ڈرائیونگ ظفر کررہا تھا وہ حمید سے بولا

''عاطف صاحب کو اطلاع دے دو۔'' حمید سر ہلاتے ہوئے عاطف کا نمبر ڈائل کرنے لگا

"جی جناب ؟" تھوڑی دیر بعد عاطف کی چہکتی آواز ابھری۔

"سر میجر روہیت چکرورتی ہمیں نظر آ گیا ہے اور اس وقت میں اور ظفر اس کے تعاقب میں ہیں ۔"

"کہاں ؟"

"ائیر پورٹ پہ سر؟"

"گڈ.....اسے چھیڑنا نہیں ہے بس خاموشی سے اس کا تعاقب جاری رکھو میں الیاس اور عرفان کو بھی تمھارے پاس بھیج رہا ہوں تم اس وقت کہاں ہو؟۔"

"فی الحال تو ہم کار میں ہیں جو کہ روہیت کے تعاقب میں ہے اور روہیت کی ٹیکسی کا رخ جانے کس طرف ہے۔"

"میں ان دونوں کو صورت حال سے آگاہ کر دیتا ہوں وہ خود تم سے رابطہ کر لیں گے۔ان سے رابطے میں رہنا اور مجھے بھی اپ ڈیٹ رکھنا۔" عاطف نے اس کے مزاح نظر انداز کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے سر۔"

"او کے بہت زیادہ احتیاط کرنا.....خدا حافظ۔" کہہ کر عاطف نے فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں عاطف صاحب؟" ظفر، عاطف کی گفتگو نہیں سن سکا تھا۔

"الیاس اور عرفان کو بھی ہمارے پاس بھیج رہا ہے.....اور آرڈر یہ ہے کہ صرف تعاقب کیا جائے اس خبیث کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اسی اثناء میں الیاس کا بھی فون آ گیا وہ ان کی موجودہ لوکیشن پوچھ رہا تھا۔حمید نے اسے تفصیلی طور پہ اپنی لوکیشن اور جانے کے رخ سے اسے آگاہ کر دیا۔حمید کی بات ختم ہوتے ہوتے ٹیکسی مین روڈ سے اتر کر ایک معروف بازار میں گھس گئی۔

"اس خبیث نے تو راستہ ہی بدل لیا ہے"۔حمید نے دوبارہ الیاس کا نمبر ڈائل کیا اور اسے اپنے جانے کے رخ سے آگاہ کرنے لگا۔بازار میں رش کافی تھا ٹیکسی اور ان کی کار کے بیچ میں ایک سوزکی وین تھی ظفر نے جان بوجھ کے اسے کراس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ٹیکسی جلد ہی ایک بغلی گلی میں مڑ گئی، مجبوراً ظفر کو بھی اس کے پیچھے مڑنا پڑا البتہ وین سیدھی چلتی رہی۔بازار کی نسبت گلی میں رش کافی کم تھا جس کی وجہ سے ٹیکسی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ٹیکسی سے آگے ایک کار تھی اور ان کی کار کے پیچھے بھی ایک دو گاڑیاں اس گلی میں مڑی تھیں اس لئے ظفر کو اس بات کا اطمینان تھا کہ روہیت کو تعاقب کا شک نہیں ہو گا۔ان کے آگے پیچھے چلنے والی گاڑیاں آہستہ آہستہ دائیں بائیں مڑتی رہیں لیکن وہ روہیت کی ٹیکسی کے پیچھے چلتے رہے۔

ٹیکسی نسبتاً ایک تنگ گلی میں مڑی اور تھوڑا سا آگے جا کر رک۔گلی اتنی وسعت نہیں رکھتی تھی کہ وہ سائیڈ سے گزر جاتے مجبوراً

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انھیں بھی اس کے پیچھے رکنا پڑا۔

"اسے شک نہ ہو جائے......" ظفر آہستہ سے بولا۔

حمید نے پوچھا۔"کس چیز کا ؟"

"اپنے تعاقب کا۔" کہتے ہوئے ظفر نے یوں ہارن دیا جیسے اسے جانے کی جلدی ہو۔اسی وقت ٹیکسی کا دروازہ کھول کے روہیت باہر نکلا اوران کی کار کی سمت بڑھا۔اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ان سے کوئی معلومات لینا چاہتا ہو۔

کھڑکی کے قریب آکر وہ جھکا اور نہایت دھیمے لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے ؟"

"کیا مطلب ہے مسٹر ......؟" حمید نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے ہو ؟"

"اس لئے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر سکیں " ظفر نے جیب سے پسٹل نکال لیا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ روہیت کو ان کے سی آئی والا ہونے پہ شک گزرے۔اس طرح کی ڈکیتیاں ہونا کراچی کا معمول تھا اور اس نے بھی یہی بہانہ بنانا چاہا تھا مگر ابھی وہ بمشکل اپنا ہاتھ ہی سیدھا کر پایا تھا کہ روہیت نے بجلی کی سی سرعت سے اس کے پسٹل والے ہاتھ پہ ایک زوردار ضرب لگائی پسٹل ظفر کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا اور اس سے پہلے کہ ظفر اپنا پسٹل نیچے سے اٹھاتا یا حمید اپنی جیب سے پسٹل نکال پاتا روہیت اپنی جیب سے اٹلی کا بنا خوفناک بیرل والا بریٹا نکال کے ان پہ تان چکا تھا۔

"اپنے ہاتھ گردن کے پیچھے باندھو۔" اس کی غراہٹ نما آواز ابھری۔

ان دونوں کے پاس اس کا حکم ماننے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔

"دونوں اس سائیڈ سے باہر آجاؤ۔" دو قدم پیچھے ہٹ کر وہ اس نے نیا حکم دیا۔پیچھے ہٹنے سے پہلے وہ کار کا دروازہ کھولنا نہ بھولا تھا۔

"پیچھے مڑو ......اور تم دو قدم آگے ہو جاؤ۔" آخری الفاظ اس نے ظفر کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

ان کے گھومتے اور ظفر کے آگے بڑھتے ہی اس نے ماہرانہ انداز میں حمید کی تلاشی لی اور اس کا پسٹل بھی نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔

"اب سیدھے مڑ جاؤ۔"

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے......؟" ظفر نے دانت پیسے۔"ہمارے ساتھ پنگا لے کر تیرا کراچی میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔"

"میرا کراچی میں آنے کا مقصد تم لوگوں سے پنگا لینا ہی ہے۔"

"کیا مطلب......؟" ظفر کے لہجے میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

''مطلب واضح ہے مسٹر خفیہ اہلکار۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ اور طنزیہ انداز ظفر سے برداشت نہیں ہو سکا تھا۔اس نے پسٹل کی پرواہ کیے بغیر اس پہ چھلانگ لگا دی مگر روہیت کو چھونے کی حسرت اس کے دل میں ہی رہی۔روہیت نے اپنی جگہ سے تھوڑا سا دائیں ہو کر اس کا وار خطا کیا۔زمین پہ گرتے ہی ظفر نے دائیں پاؤں پہ گھومتے ہوئے بائیں پاؤں سے روہیت کو نشانہ بنانا چاہا لیکن اس پہلے کہ اس کی کک اپنے ٹارگٹ کے قریب جاتی روہیت کی زوردار کک اس کے پہلو میں لگی اور وہ لڑکھڑا کے نیچے گر گیا اسی اثنا میں اپنی طرف سے غافل سمجھتے ہوئے حمید نے اس پہ حملہ کر دیا،اس نے اس انداز میں روہیت پہ چھلانگ لگائی کہ اسے چھاپ لے۔اس کے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے روہیت اس وقت ظفر کی طرف متوجہ تھا مگر جیسے ہی حمید کے پاؤں زمین پہ لگے اور اس نے روہیت کو پشت کی جانب سے جپھی ڈالنی چاہی اچانک جیسے بجلی چمکتی ہے روہیت سرعت سے گھوما اور اس کا دایاں گھٹنا کمان سے نکلے تیر کی طرح حمید کی بائیں پسلیوں کی طرف بڑھا اور اگلے لمحے ''اوغ۔'' کی آواز کے ساتھ حمید نیچے گرا اور پانی سے نکلی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ظفر کو لگا کہ اس کی چند پسلیاں ٹوٹ گئی ہوں گی۔وہ یکدم محتاط ہو گیا۔اسے حملہ نہ کرتے دیکھ کر روہیت کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری،وہ پسٹل جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے تم اس کی وجہ سے محتاط ہو گئے ہو.....لو یہ میں جیب میں ڈال لیتا ہوں۔'' مگر اس کی اس حرکت پہ بھی ظفر نے اس پہ حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔روہیت واضح طور پہ اس سے اچھا فائیٹر تھا۔

''میرا خیال ہے تم نے مجھے معاف کر دیا ہے.....؟''

روہیت کا طنز ایسا نہیں تھا کہ نظر انداز کیا جا سکتا۔ظفر نے احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس پہ حملہ کر دیا۔روہیت نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی دائروی کک کا وار خطا کیا اور اس کے ساتھ اس کے بھاری بوٹ کی ایڑی ظفر کی چھاتی میں لگی جس نے اسے زمین چاٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔اس کا سر اس زور سے گلی کے پختہ فرش سے ٹکرایا کہ اس کی آنکھوں میں نیلے پیلے تارے ناچنے لگے۔اس کے زمین سے اٹھنے سے پہلے روہیت نے پسٹل نکالا بریٹا کے فائر کی مخصوص آواز ظفر کے کانوں میں آئی مگر جسم میں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتے دیکھ کر اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو اسے حمید کے سر میں روشندان کھلا نظر آیا۔

''کیا علاج کراتے پھرو گے تمہارا کام آسان کیے دیتا ہوں ......اور تم ......'' اس نے فلمی سٹائل سے اس کے جانب انگلی اٹھائی۔''تم صرف اس لیے زندہ نظر آ رہے ہو کہ اپنے بڑوں تک میرا پیغام پہنچا سکو،انھیں بتا دینا کہ میجر روہیت چکرورتی کراچی آ گیا ہے اگر تم لوگوں کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو جہاراج پاشا کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو میں جس طرح آیا ہوں واپس لوٹ جاؤں گا نہیں تو..........'' وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

ظفر کے جسم میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ اسے روک پاتا یا اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی کر سکتا۔جیب سے موبائل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکال کر عاطف کو اس سنگین واقعے کی اطلاع دینے کے لئے وہ اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆......☆......☆

"تمھارے آدمی اتنے نکمے ثابت ہوئے کہ وہ ایک کو مار کے اور دوسرے کو زخمی کر کے چلتا بنا اور یہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔"

"سر دونوں بے خبری میں مار کھا گئے ہیں۔ انھیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنا خطرناک ہے۔"

"عاطف بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" صدیقی صاحب نے منہ بنایا۔ "خفیہ ایجنسی کے بندے تھے اور ایک جاسوس کا تعاقب کر رہے تھے پھر بے خبری کا کیا تعلق؟"

"سر خصوصی اور عام ایجنٹوں میں فرق ہوتا ہے......وہ میجر ہے ایک منجھا ہوا ایجنٹ، جبکہ ان دونوں کو فیلڈ میں آئے بمشکل سال ڈیڑھ کا عرصہ ہی ہوا ہے۔"

"کیا انھیں مطلع نہیں کیا تھا کہ وہ کتنا خطرناک ہے۔"

"کیا تو تھا سر۔"

"پھر انھیں پنگا لینے کی کیا ضرورت تھی؟" صدیقی صاحب انھیں معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"سر یہ پنگا کبھی کبھی آدمی پہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔"

"بہر حال آئندہ تمام کو سختی سے آرڈر پاس کر دو کہ اس قسم کی بے احتیاطی برداشت نہیں کی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"اور کوشش کرو کہ اس کا ہلکا سا کلیو ملتے ہی خود اس کی سرکوبی کے لئے جاؤ یا کم از کم ایسے آدمیوں کو بھیجو جو اس کی ٹکر کے ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔" عاطف نے الفاظ دہرائے۔

"ویسے رو بیت کے الفاظ سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے جیسے وہ پاشا کی موت کا انتقام لینے آیا ہو تمھارا کیا اندازہ ہے اس بارے؟۔"

"سر دشمن کے الفاظ ہمیشہ دھوکہ دینے کے لئے ہوتے ہیں۔"

"درست! مگر کسی جاسوس کا یہ انداز بھی تو نہیں ہوتا......دوسرے ملک میں جا کر جاسوس للکارا نہیں کرتے۔"

"سر! یہ بھی اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے، ہمیں مس گائیڈ کرنے کے لئے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہے اپنے آدمیوں کو چوکنا رہنے کی ہدایت کرو، تمام حساس اداروں میں اس کی تصاویر بھیج دو اور کسی بھی اطلاع پر کارروائی کے لئے تیار رہو۔"

"جی سر۔"

’’ٹھیک ہے اب آپ جائیں..... میں اس وقت بدر صاحب کے پاس جا رہا ہوں اگر اس نے آپ سے ملنا چاہا تو میں کال کر دوں گا ۔‘‘ اور عاطف سلام کہتے ہوئے اس کے آفس سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

’’غازی صاحب !..... اب تک ادا سائیں نہیں آیا کیا آپ کے لئے کھانا لے آؤں ؟‘‘ زلیخا کی مترنم آواز اسے خیالات کی دنیا سے واپس لے آئی زلیخا انور کی چھوٹی بہن تھی چند دن کے اندر وہ انور کی پوری فیملی سے واقف ہو گیا تھا جو انور اس کی بیوی سکینہ دو بچوں اور چھوٹی بہن زلیخا پر مشتمل تھی۔

’’نہیں ..... انھیں کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔‘‘ وہ اس کے دلکش سراپے سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ’’میں نے کون سا ہل چلایا ہے کہ مجھے بھوک لگے گی۔‘‘

’’پھر بھی ..... میرا پوچھنا تو فرض ہے نا ؟‘‘ وہ بے تکلفی کی فضا پیدا کرتے ہوئے بولی مگر جواباً وہ خاموش ہی رہا کہ وہ اس کے میزبان اور محسن کی بہن تھی ..... ایکے کے تھپیڑوں نے گو اس کے ذہن کی کایا پلٹ دی تھی اور جوان عورت کو دیکھ کر اس کے ذہن میں فقط ایک جذبہ ہی پیدا ہوتا تھا لیکن اس کے ساتھ خود پہ کنٹرول رکھنا اور حالات کے مطابق اپنی خواہشات کو لگام دینا بھی اس نے ایکے سے ہی سیکھا تھا۔

’’ادا کافی لیٹ ہو گیا ہے .....‘‘ اس کی خاموشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

’’میں دیکھ لیتا ہوں۔‘‘ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ زلیخا سے جان چھڑانے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تھا کہ وہ انور کی تلاش کے بہانے اوطاق سے نکل آتا یوں بھی انور کے ساتھ ایک مرتبہ وہ اس کی زمینوں تک جا چکا تھا اور ابھی وہاں تک جانا اتنا مشکل مرحلہ نہیں تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اوطاق سے باہر نکل پاتا اوطاق کا بیرونی دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور انور لڑکھڑاتا ہوا اس حالت میں اندر داخل ہوا کہ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔

’’ادا !.....‘‘ اس کی حالت دیکھتے ہی زلیخا پریشانی کے عالم میں اس کے جانب بڑھی۔

’’یہ ..... یہ کیسے ہوا ؟‘‘ اسماعیل بھی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

’’کچھ نہیں زلیخا ..... بس چھوٹا سا زخم ہے۔‘‘ وہ کندھے پہ رکھی اجرک سے اپنے ماتھے کا خون صاف کرتا ہوا بولا۔ مگر اس کے اجرک کے سائیڈ پہ کرتے ہی خون پھر رسنا شروع ہو گیا تھا۔

’’ادا ! کیسے لگی یہ چوٹ ؟‘‘ اسماعیل پوچھنے لگا۔

’’بیٹھو بتاتا ہوں۔‘‘ اسماعیل سے کہہ کر وہ زلیخا سے مخاطب ہوا۔ ’’زلیخا تم جاؤ کوئی صاف سی پٹی اور مٹی کا تیل لے آؤ تا کہ

خون رک جائے۔"

"حکیم صاحب کو نہ بلا لاؤں؟" اسماعیل نے مشورہ دیا۔

"نہیں اتنا بڑا زخم نہیں ہے...... خواہ مخواہ اسے تکلیف نہ دو۔"

"تکلیف کیسی ادا؟ اس کا تو کام یہی ہے۔ یوں بھی کون سا رات کا ٹائم ہے۔" کہتے ہوئے اسماعیل اس کا جواب سنے بغیر اوطاق سے نکل آیا اس کا رخ حکیم تشریف کے مطب کی طرف تھا۔

تھوڑی دیر بعد حکیم انور کے زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔

"کوئی سیریس بات نہیں ہے۔" حکیم انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا "لیکن خیال کیا کرو اس جگہ پہ لگی چوٹ موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔"

"کون سا میں نے خود لگائی ہے حکیم صاحب۔" انور مسکراتے ہوئے بولا۔

"کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا کیا؟" حکیم سرسری لہجے میں مستفسر ہوا۔

"جی حکیم صاحب۔" انور کا جواب بھی مجمل تھا۔

"کس سے؟"

"خیر دین سے؟"

"تم دونوں کے تعلقات تو کافی اچھے تھے؟" حکیم صاحب کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"بس حکیم صاحب تعلقات بگڑتے دیر نہیں لگتی۔" اور حکیم صاحب اثبات میں سر ہلا کر اپنا تھیلا سنبھالنے لگا۔ اس کے رخصت ہوتے ہی اسماعیل اس کے سامنے پڑی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

"یہ خیر دین کون ہے ادا؟ اور جھگڑے کی وجہ کیا ہے؟"

"غازی شاہ! جس طرح کراچی میں سیٹھ فاضل ہے نا؟ اسی طرح گوٹھ سدرو میں بھی ایک خبیث موجود ہے یہ سارا کیا دھرا اس کا ہے، خیر دین کا کیا ہے وہ تو ایک معمولی مہرہ ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ادا؟"

"غازی شاہ! وڈیرا گوٹھ کا سائیں ہوتا ہے عزتوں کا محافظ مگر جب اس کی نیت میں فتور آ جائے تو پھر عزتیں محفوظ نہیں رہا کرتیں۔ اور عزت داروں کو اس لئے تنگ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی عزت کی رکھوالی کیوں کر رہے ہیں؟" یہ ساری تمہید سننے کے بعد بھی اسماعیل شاہ کو واضح نہیں ہو پایا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اسماعیل شاہ کے تاثرات دیکھ کر انور دوبارہ گویا ہوا۔

''مجھے پتا ہے غازی شاہ تمھیں میری بات کی سمجھ نہیں آئی ہے۔''

''جی ادا انور۔''

''اچھا میں تمھیں تفصیلاً بتا دیتا ہوں......''ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے الفاظ کو ترتیب دیا اور پھر بولا۔''غازی شاہ ! وڈیرا اللہ یار شاہ بہت نیک طینت ایماندار اور خدا ترس انسان تھا اس کے دور میں گوٹھ سدرو امن کا گہوارہ تھا اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کا اکلوتا بیٹا حیدر علی شاہ وڈیرا بنا حیدر علی اپنے باپ کے بالکل متضاد ہے نہ بڑوں کی تمیز نہ چھوٹوں کا خیال حرص و ہوس کا پجاری۔شان و شوکت دکھانے کے خبط میں مبتلا اور سب سے بڑھ کر گوٹھ کی عزت دار معصوم اور شریف لڑکیوں کی عصمت کا شکاری......جو لڑکی اسے پسند آ جائے گھر کے کام کاج کے بہانے اسے حویلی میں بلا لیتا ہے اور پھر اسے کسی کو آنکھ دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑتا یوں بھی گاؤں کی ساری لڑکیوں کو اپنی رعایا سمجھتے ہوئے وہ ان پر اپنا ہر قسم کا تصرف جائز سمجھتا ہے۔پچھلے سال اس خبیث کی نظر زلیخا پر پڑی اور اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے اس نے زلیخا کو اپنی ماں کی خدمت کے لئے بلوایا۔اس کا سب سے بڑا بہانہ ہی یہی ہوتا ہے کہ کسی بھی متمول گھرانے کی عورت کو بلانے کے لئے اپنی ماں کی خدمت کا عذر پیش کرتا ہے۔مجھے پہلے سے اس کے اس حیلے کا علم تھا۔میں نے بجائے زلیخا کے اپنی بیوی اس کے گھر بھیج دی کیوں کہ صاف انکار کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔یہ بات وڈیرے کی طبع نازک پر گراں گزری اور اس نے حیلے بہانے سے مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا۔میرے اڑوسی پڑوسی زمینداروں کو میرے خلاف اکسایا وڈیرے کی شہہ پر وہ بھی میرے کھیتوں میں اپنے مویشی چھوڑ دیتے کبھی چوری چھپے میری فصل کاٹ لیتے،کبھی میری بھیڑ بکری چرا لیتے۔ایک دو دفعہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی اور جب مسئلہ وڈیرے کے سامنے پیش ہوا تو اس نے میرے خلاف ہی فیصلہ دیا۔مجھے اصل وجہ کا پتا تھا اس لئے میں نے شور مچانے کی بجائے خاموشی سے زلیخا کا رشتا طے کرنے کی کوشش کی تاکہ فساد کی اصل وجہ ہی ختم ہو جائے مگر جیسے ہی اس خبیث کو پتا چلا اس نے لڑکے والوں کو دھمکی دی اور انھوں نے وڈیرے کے ڈر سے رشتے سے انکار کر دیا اور اسی طرح زلیخا کے دو تین رشتے ٹوٹ گئے تنگ آ کر میں نے یہ کوشش ہی ترک کر دی۔لیکن میں کسی بھی قیمت اپنی معصوم بہن کو اس کی درندگی کا نشانہ نہیں بننے دوں گا۔آج خیر دین سے بھی لڑائی کی اصل وجہ وہی پرانا مسئلہ تھا۔اب یہ بات پھر پنچائت میں پیش ہوگی اور وڈیرا ایک مرتبہ پھر مجھے نیچا دکھانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔''

''ایک بات پوچھوں ادا؟......آپ خفا تو نہیں ہوں گے۔''

''پوچھو غازی شاہ۔''

''آپ زلیخا کا رشتا کسی دوسرے گوٹھ میں بھی تو کر سکتے ہیں ؟''

''کیوں نہیں......مگر تمھیں شاید پتا نہ ہو کہ یہ سارے وڈیرے ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے ہیں۔ایک عام آدمی کے لئے دوسرے گوٹھ کا وڈیرا کب ایک وڈیرے کی بات ٹالے گا ؟''

''وڈیرا اگر اتنا ہی طاقتور ہے تو وہ زبردستی بھی تو زلیخا کو گھر سے اٹھوا سکتا ہے ؟''

''ہاں ......ایسا ہونا ممکن ہے مگر ابھی تک یہ نوبت نہیں آئی وڈیرے کے پاس شاید آخری حل یہی ہو مگر اس سے پہلے وہ خبیث چاہے گا کہ اس انتہا تک نہ جانا پڑے یوں بھی میں اس کا ہاری نہیں ہوں، چھوٹا موٹا زمیندار تو آخر میں بھی ہوں۔''

''آپ یہ گاؤں چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''غازی شاہ یہ صرف کہنے کی حد تک آسان ہے ورنہ بنے بنائے گھر اور زمینوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلے جانا کوئی آسان کام تو نہیں ہے، اور پھر دوسری جگہ جا کر کیا کاروبار کروں گا، رہوں گا کس جگہ، کھاؤں گا کہاں سے، اکیلا تو نہیں کہ جہاں چاہوں پڑا رہوں، زلیخا کو ایک وڈیرے سے بچا کر سینکڑوں ہوس پرستوں کے سامنے لا پھینکوں؟''

''ان مسائل کا حل تو بہت آسان ہے۔ آپ اپنی زمینیں اور گھر بیچ کہیں بھی گھر اور زمینیں خرید سکتے ہیں۔''

''پاگل ......میری چاند صورت بہن کا رشتا لینے کو کوئی تیار نہیں، زمینیں کون خریدے گا ؟'' اس بار اسماعیل سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش ہو گیا۔ انور بولا۔

''بہرحال تمھیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں...... یہ مسائل اتنی آسانی سے حل نہیں ہوا کرتے۔''

☆......☆......☆

خلاف توقع وہ مسئلہ پنچائت میں پیش نہ ہوا اور چند دن خیریت سے گزر گئے اس دوران اسماعیل کا زخم حکیم صاحب کی پٹیوں کی بدولت اچھا بھلا ہو گیا تھا وہ آگے سفر کے لئے تیار ہو گیا اس دن صبح سویرے جب انور کھیتوں پہ جانے کے لئے تیار ہوا تو اس نے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اُدا انور اب میں بالکل ٹھیک ہوں اگر آپ کل تک میرے جانے کا بندوبست کر دیں تو..........'' مگر انور کی شکایتی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اسے بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔

''دو تین دن تک انتظام ہو جائے گا غازی شاہ ۔'' کہتے ہوئے انور اوطاق سے نکل گیا اس کے نکلتے ہی زلیخا تیر کی طرح اندر داخل ہوئی اور تیز لہجے میں بولی۔

''آپ کو یہاں کیا تکلیف ہے غازی شاہ ؟''

''تکلیف تو کوئی نہیں۔'' وہ حیرانی سے بولا۔ ''مگر ساری زندگی یہیں پڑے پڑے مفت کی روٹیاں تو نہیں توڑ سکتا ناں۔''

''تو نہ توڑو مفت کی روٹیاں......ادا کے ساتھ کام پہ چلے جایا کرو۔''

''پاگل مجھے کب کھیتی باڑی آتی ہے۔''

"سیکھ جاؤ گے آہستہ آہستہ۔"

"مگر مجھے سیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔"

"اپنے نہیں، تو کسی کے لئے سیکھ لو۔" وہ نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔

"میں سمجھا نہیں ؟"

"غازی شاہ اتنے بھولے تو نہ بنو" وہ دوپٹہ انگلی پہ لپیٹنے لگی۔ اسماعیل شاہ بچہ نہیں تھا پہلے ہی دن سے زلیخا کا التفات اس کی تجربہ کار نگاہوں سے مخفی نہیں تھا۔ لیکن اتنی خوب صورتی اور دلکشی کے باوجود وہ اس کی منزل نہیں بن سکتی تھی۔

"زلیخا! میں بھولا نہیں ہوں...... لیکن تم میری مجبوریوں کو نہیں جانتی ہو۔"

"ادا نے آپ کی ساری کہانی مجھے سنادی ہے...... اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے کہ میں اس کہانی میں فٹ نہ ہو سکوں۔"

"وہ خود میرے بارے میں مکمل نہیں جانتا تمھیں اس نے کیا بتایا ہوگا۔"

"جو کہانی اسے آپ نے سنائی ہے وہی سب کچھ اس نے مجھے بتادیا۔"

"دیکھو زلیخا! وہ تصویر کے صرف ایک رخ سے واقف ہوا ہے۔"

"تو دوسرا رخ کون سا ہے؟"

"میں نے کراچی واپس جا کر اپنے والدین اور بہن کے قاتل کے خلاف زندگی اور موت کی جنگ لڑنی ہے جبکہ وہ کراچی کا ایک با اثر شخص ہے اس لحاظ سے میری زندگی کے چانس بہت کم ہیں اور میں اپنے ساتھ ایک معصوم لڑکی کی زندگی داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔"

"جس کی عزت ہی داؤ پہ لگی ہو اسے موت کا کیا ڈر...... ایک لڑکی کی عزت زندگی سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔" وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔

"تم کچھ بھی کہو زلیخا میں......"

"غازی شاہ" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ "یہ یاد رکھنا میں کسی غرض سے آپ ساتھ نہیں مانگ رہی بلکہ آپ مجھے پہلے ہی دن سے بہت...... بہت...... اچھے لگتے ہو۔" بمشکل اپنا فقرہ پورا کر کے وہ جھپاک سے گھر میں گھس گئی لیکن اس کے اس کھلے اظہار محبت نے بھی اسماعیل پہ کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ اگر یہ واقعہ ٹریننگ سے پہلے پیش آیا ہوتا تو شاید وہ اسے نظر انداز نہ کر سکتا۔

☆......☆......☆

انور نے لہلہاتی فصل کو ایک نظر دیکھا فصل کٹائی کے لئے تیار تھی وہ چند دنوں تک کٹائی شروع کرنے والا تھا۔ اس سال یوں بھی بارشیں زیادہ ہونے کی وجہ سے فصلیں کافی اچھی تھیں۔ ایک چھوٹے سے ٹیلے پہ درخت کے نیچے بیٹھ کر وہ تازہ ہوا سے لطف اندوز ہونے لگا

۔صحرائی علاقوں میں کھیتوں کی منڈیریں نہیں ہوتیں اور زمین میں امتیاز کے لئے عموی طور پر کوئی درخت، سرکنڈے یا ٹیلے کا نشان متعین کر دیا جاتا ہے اس نے چڑیوں کو اڑانے کے لئے ایک زوردار آواز نکالی اور وہاں سے اٹھ کر کھیت کے دوسرے کنارے کی طرف چل پڑا۔اسی وقت اس کی نظر اپنے کھیت میں داخل ہونے والی ایک عورت پہ پڑی بدن پہ بڑی سی شال لپیٹے اس کا رخ انور کے جانب ہی تھا اس کے قدموں کی تیزی دیکھتے ہوئے وہ چونک گیا۔کچھ مزید نزدیک پہنچنے پہ وہ پہچان گیا کہ وہ خیر دین کی بڑی بیٹی شازیہ تھی۔اس سے چند قدم پہلے ہی وہ گر کر تڑپنے لگی پہلے تو انور لاتعلق کھڑا تھا مگر اسے گرتے دیکھ کر اس کی طرف بھاگا۔

’’کیا ہوا......کیا ہوا ؟‘‘اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

’’ک......کک......کسی چیز نے کاٹ لیا ہے ۔‘‘وہ لڑکھڑاتی آواز میں بولی۔

’’کس جگہ پہ ؟‘‘وہ اس پاؤں اور پنڈلیوں کو غور سے دیکھتا ہوا پوچھنے لگا۔

’’یہاں......‘‘اس نے اپنی ران پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

’’ی......یہاں......کیسے ؟‘‘

’’م......میں......رفع حاجت کے لئے بیٹھی تو......‘‘وہ شرم سے اپنا فقرہ پورا نہ کر سکی۔

’’تو نے دیکھا نہیں کیا چیز تھی ؟‘‘

’’و......وہ......دیکھا ہے......سانپ تھا......‘‘

’’اچھا میں حکیم صاحب کو بلاتا ہوں ۔‘‘

’’ن......نہیں ‘‘۔انور کے کھڑا ہونے سے پہلے اس نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور روتے ہوئے بولی۔’’حکیم صاحب کے آنے تک میں مر جاؤں گی تم خود کچھ کرو۔‘‘

’’م......میں کیا کر سکتا ہوں ؟‘‘وہ گھبرا گیا۔شازیہ ایک جوان لڑکی تھی اور زلیخا کی ہم عمر تھی اگر بات اس کے پاؤں پنڈلی تک محدود رہتی تو شاید وہ اس بارے کچھ سوچتا مگر اسے سانپ نے کاٹا ہی ایسی جگہ پہ تھا جہاں خود انور کی شرم وحیا آڑے آ رہی تھی گو وہ اس کے دشمن کی بیٹی تھی مگر تھی تو عورت ذات اور وہ خود بھی ایک جوان بہن کا بھائی تھا جسے اس نے باپ بن کر پالا تھا۔وہ عورت کی عزت واحترام سے اچھی طرح واقف تھا۔

’’خدا کے لئے کچھ کرو......م میں مرنا نہیں چاہتی۔‘‘

اچھا میں کچھ کرتا ہوں......‘‘اجرک کندھے سے اتار کر وہ اس پہ بچھاتے ہوئے بولا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ علاج کی نیت سے ہی سہی کسی کی بہن بیٹی کا چھپا بدن اس کے سامنے ظاہر ہو۔

''یہ جگہ ہے۔'' شازیہ بے پرواہی سے اپنے بدن سے کپڑا ہٹاتے ہوئے بولی۔ انور کا دل عجیب انداز میں دھڑکا اور نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔

''آپ عورتوں کی طرح شرما کیوں رہے ہیں؟'' وہ بے باکی سے بولی۔ اس کے لہجے میں چھپی تکلیف غائب تھی مگر اس وقت انور اپنی غیر ہوتی حالت کے باعث اس تبدیلی پہ دھیان نہ دے سکا۔

''ن نہیں تو......'' وہ گھبرا کے بولا۔ اچانک اس کے کانوں میں خیر دین کی آواز آئی۔

''شازیہ یاری او شازیہ''

''ارے یہ تو ابو کی آواز ہے۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی گھبراہٹ انور کے لئے اچنبھے کا باعث تھی۔ اسی وقت خیر دین چند آدمیوں کے ساتھ نمودار ہوا، شازیہ نے جلدی سے اٹھ کر اپنی شلوار درست کرنے کی کوشش کی مگر جلد بازی میں گڑبڑا گئی اور بجائے شلوار پہننے کے اتار دی۔

''ارے یہ کیا؟'' خیر دین کی آواز میں حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''خیر دین شازیہ کو سانپ نے ران پہ کاٹ لیا ہے۔ م......میں پٹی باندھ رہا تھا تا کہ زہر باقی بدن میں نہ پھیل جائے۔''

''سانپ......ران'' اس کے لہجے کی حیرت برقرار تھی اس کے ساتھ آنے والے دین محمد اور اکرام حسین خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ''تم بتاؤ، اصل بات کیا ہے ری؟'' وہ اپنی بیٹی سے سخت لہجے میں مخاطب ہوا۔

''ہم پیار کرتے ہیں بابا جان اور......اور انور سائیں مجھے پیار کرنے کا طریقہ سکھلا رہا تھا۔''

''ک ک......کیا بکواس کر رہی ہو......شازیہ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' انور اس کی بات سن کر بھڑک اٹھا۔ مگر خیر دین اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بیٹی سے بولا۔

''کب سے چل رہا یہ چکر؟''

''بابا جی چھ ماہ ہو گئے ہیں۔''

''تمہیں حیا نہ آئی اپنے والد کی عمر کے مرد سے محبت کی پینگیں بڑھاتے۔'' خیر دین اپنے پاؤں سے جوتا اتار کر اسے مارنے کے لئے بڑھا۔

''نہیں خیر دین اس کی غلطی نہیں ہے یہ تو بچی ہے۔ اصل قصوروار تو یہ ہے۔'' دین محمد نے اسے پکڑ کر انور کی طرف اشارہ کیا۔

''ن......نہیں......اللہ سوہنڑیں دی سوں مم میرا قصور نہیں ہے۔'' انور نے صفائی پیش کی مگر خیر دین کے چہرے پہ نظر آنے والے تاثرات اس بات کا مظہر تھے کہ اسے انور کی بات پہ بالکل یقین نہیں آیا تھا۔

”تم نے اچھا نہیں کیا انور..... اس بات کا فیصلہ وڈیرا سائیں کرے گا..... آپس کی دشمنی کا بدلہ تو نے اس صورت چکایا کہ میری کمسن بیٹی کو ورغلا لیا۔“

”شازیہ پتر..... تم اسے حقیقت بتاؤ نا؟..... اپنے باپ کو اصل بات بتاؤ نہ شرمانے کی کیا بات ہے۔“

”بتا تو دی ہے انور سائیں.....“ شازیہ کے چہرے پہ ایسے تاثرات تھے کہ انور کا ماتھا ٹھنکا اور اسے پتا چل گیا کہ اس کے خلاف بہت بڑی سازش ہو چکی ہے۔

”لعنت ہے تمھاری زندگی پر خیر دین!..... کہ تم اپنی بیٹی کو وڈیرے کے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو۔ بہر حال میرے اللہ نے چاہا تو میں تمھیں تمھارے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔“

”یہ تو پنچائت بتائے گی کہ قابل لعنت کون ہے؟“ خیر دین کا لہجہ معنی خیز تھا۔ انور نے اس کے ساتھ بحث میں وقت ضائع کرنے کی بجائے گھر کی راہ لی۔ اس نے دل ہی دل میں بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”مم مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے اڈا؟“ اس کی بات سن کر اسماعیل شاہ حیرانی سے بولا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا..... کیا زلیخا بدصورت ہے، بدچلن ہے یا عیب زدہ..... پورے گوٹھ میں اتنی شریف، خوب صورت اور سگھڑ لڑکی نہیں ملے گی۔“

”بات شرافت، خوب صورتی یا سگھڑاپے کی نہیں ہے اڈا۔“

”تو پھر؟“

”آپ کو تو پتا ہے میری ساری کہانی..... پہلے میں نے آپ سے تھوڑی سی غلط بیانی کی تھی حقیقت میں اب میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے..... اور وہ ہے سیٹھ فاضل کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنا۔“

”تو میں نے کب منع کیا ہے؟۔“

”شادی کرنے کا مطلب ہے اپنے پاؤں میں بیڑی پہن لینی..... شادی کے بعد میں اپنی بیوی اور بچوں کی دیکھ بھال کروں گا یا انتقام لوں گا؟“

”دیکھ غازی شاہ میں نے پگڑی تیرے قدموں میں رکھ دی ہے اب تیری مرضی..... وڈیرے کے مذموم مقاصد اسی صورت پورا ہونے سے رد کیے جا سکتے ہیں کہ تم زلیخا سے شادی کر لو ورنہ تو جو الزام مجھ پہ لگ چکا ہے اس کے بعد پنچائت لازماً میری بہن کو ونی کے طور پہ خیر دین کے حوالے کر دے گی اور زلیخا کا خیر دین کے پاس جانے کا مطلب ہے وڈیرے کے حوالے ہونا۔“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ایسے ہی بغیر کسی ثبوت کے؟''

''ثبوت ہے نا..... خیر دین کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی گواہ ہیں ..... اور وڈیرا تو یوں ہی بہانے ڈھونڈ رہا ہے..... بلکہ میرے اندازے کے مطابق یہ وڈیرے ہی کا پلان ہے، خیر دین اور اس کی بیٹی صرف اس کے مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے کام کر رہے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے یہ شازیہ کی اپنی حرکت ہو آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ اس لڑکی کا کردار صحیح نہیں ہے۔''

''یہ ایک علیحدہ بات ہے..... مگر اس کام میں خیر دین کی مرضی اس لیے شامل ہے کہ اگر حقیقتاً یہ کام اس کی منشا کے خلاف ہوتا تو وہ اپنی بیٹی کو کاری کر دیتا اور پھر اس کا مقدمہ بھی قوی ہوتا مگر اس نے تو اپنی بیٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

''آپ اپنے کسی قریبی رشتادار کو بھی تو اس کام کے لیے راضی کر سکتے ہیں۔''

''ہنہ..... قریبی رشتادار!..... اگر کوئی اس قابل ہوتا تو اب تک زلیخا بیاہی جا چکی ہوتی۔'' اسماعیل نے خاموشی سے سر جھکا لیا اس کے دماغ میں ایکے کے کہے ہوئے الفاظ گونجے.....

''بھئی ایک مرد اگر کپڑے دھوبی سے دھلوا سکتا ہے، کھانا ہوٹل سے کھا سکتا ہے، اپنی تمام ضروریات دائیں بائیں سے پوری کر سکتا ہے تو ساری زندگی ایک ہی عورت کو پلے سے باندھ لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ جب یہ ضرورت ہے تو اسے بھی عام ضروریات کی طرح پورا کرنا چاہیے۔ خواہ مخواہ اپنے گلے میں پٹا ڈال لینا نری بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟''

اسے خاموش پا کر انور نے ایک مرتبہ پھر دہائی دی۔ ''غازی شاہ! کیا تو زلیخا کو ایسے ذلیل ہونے دے گا..... اپنی بہن کو تو نہ بچا سکا کسی کی بہن کو تو بچا لے۔'' اس مرتبہ اسماعیل کے دماغ سے ایکے کے نظریات بھک سے اڑے اور وہ جوش سے بولا۔ ''ادا انور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح زلیخا اس پیر فرتوت سے بچ سکتی ہے تو میں تیار ہوں۔''

''جیتا رہ پتر۔'' اس مرتبہ انور کا لہجہ پدرانہ شفقت لیے ہوئے تھا۔

تھوڑی دیر بعد چار پانچ قریبی رشتاداروں اور اور گوٹھ کے مولوی صاحب کے سامنے وہ زلیخا کو اپنی شریک حیات کے طور پر قبول کر چکا تھا۔ اس وقت اسے شہزادی بہت شدت سے یاد آئی کہ شہزادی ہی وہ پہلی لڑکی تھی جس نے اسے عورت کے اس روپ سے روشناس کرایا تھا۔

شام کو وڈیرے کا ایک ہرکارہ انور کے نام یہ پیغام دے گیا کہ صبح اسے پنچائت کے سامنے پیش ہونا ہے۔

''ہوں جاؤں گا سوہنے او۔'' انور کے لہجے میں بہن کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کا گہرا تاثر تھا۔ سچ کہتے ہیں کہ بہنیں اور بیٹیاں ایک غیرت مند مرد کے لیے بہت بڑی اور بھاری ذمہ داری ہوتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

”وہ اسماعیل کی زندگی کی ایک یادگار رات تھی زلیخا کی وارفتگی اور محبت سے بھرپور انداز نے اس دماغ میں پرورش پانے والے اندیشوں کو مٹا دیا تھا۔

”اب میرے ساتھ چلوگی یا میری واپسی کا انتظار کروگی ؟“ رات گئے جب اسماعیل نے زلیخا سے سوال کیا تو وہ محبت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

”اب تو بس موت ہی جدا کر سکتی ہے۔“

”دیکھو کراچی میں بہت زیادہ مشکل حالات کا سامنا ہوگا ؟“

”پرواہ نہیں۔“ اس لہجہ پرعزم تھا۔

”چلو جیسے تمھاری مرضی۔“

”جانا کب ہے؟“

”اودا کا مسئلہ کسی ایک رخ ہو جائے تو پھر چلوں گا...... بلکہ چلیں گے۔“ اور وہ اس کے گڑبڑانے پہ مسکرا دی۔

صبح انور کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ اس کے ساتھ وڈیرے کی اوطاق میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ان کی توقع کے مطابق اوطاق لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔وڈیرا ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔انور کے لیے لوگوں کے چہروں پہ چھائی نفرت واضح تھی مگر کچھ ایسے افراد بھی اسماعیل کو نظر آئے جو بہت تپاک سے انور سے ملے اور یہ وہ تھے جو حقیقت سے آشنا تھے۔وڈیرے کے اوطاق میں داخل ہوتے ہی سب نے کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی۔اسماعیل کو اسے پہچاننے میں آسانی ہوئی۔وہ پہلی مرتبہ اسے دیکھ رہا تھا۔وڈیرا ادھیڑ عمر کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا اس کے چہرے پہ برستی پھٹکار اس کے کرتوتوں کا پرتو تھی۔بڑی بڑی مونچھوں نے اس کے چہرے کو کافی خونخوار بنا دیا تھا۔اپنی جگہ پہ بیٹھ کر اس نے ایک طائرانہ نگاہ حاضرین محفل پہ ڈالی اور اس کی نگاہ اسماعیل پہ آ کر رک گئی۔یہ بات ظاہر کرتی تھی کہ وہ گوٹھ کے تمام افراد سے واقف ہے۔

”جوان تم شاید باہر کے ہو ؟“ وہ اسماعیل سے مستفسر ہوا۔شکل کی طرح اس کی آواز بھی کافی بھیانک تھی۔

”جی “۔اسماعیل اختصار سے بولا۔

”کس کے ساتھ آئے ہو ؟“

اسماعیل سے پہلے انور نے جواب دیا۔”وڈیرا سائیں یہ میرا مہمان ہے ۔“

اس کی بات سن کر وڈیرے کے تیور بدل گئے۔”میرا خیال ہے تجھے گوٹھ رسم و رواج بھول گئے ہیں یا شاید تو جان بوجھ کر انھیں نظر انداز کر رہا ہے ؟“

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سائیں......''

''تو پھر اوطاق میں ایک اجنبی کو کس لیے ساتھ لائے ہو جبکہ تجھے علم ہے کہ آج مقدمہ پیش ہونے والا ہے اور مقدمہ بھی تیرے سیاہ کرتوتوں کا۔''

''سائیں میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پہ مجھے پچھتاوا ہو اور یہ وقت ثابت کر دے گا کہ خیر الدین نے صرف الزام تراشی کی ہے۔''

''یہ بھی ابھی پتا چل جائے گا پہلے تم اپنے مہمان کو یہاں سے بھیجو۔''

''چلو غازی شاہ میں تجھے چھوڑ آؤں۔''

''میں چلا جاؤں گا ادا۔'' اسماعیل اپنی جگہ سے اٹھ کر وڈیرے کی طرف زہر خند نظروں سے گھورتا ہوا اوطاق سے باہر نکل آیا۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ جلد سے جلد وہاں سے کوچ کر جائے گا۔ یوں بھی گوٹھ کا ماحول اسے پسند نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

''یار غازی شاہ تم اگر ہوتے تو شاید اپنی ہنسی بھی ضبط نہ کر سکتے......'' انور کے لہجے میں پائے جانے والی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ ''جب اس کمینے نے ونی میں زلیخا خیر دین کے حوالے کرنے کا حکم دیا اور میں نے زلیخا کی شادی کا بتایا تو اسے سانپ سونگھ گیا تھا ...... خیر دین کی پھسپھسی کہانی بھی لوگوں کے طنز و مزاح کا موجب بنی۔ واپسی پہ تو بہت سے ایسے افراد جو پہلے مجھے مجرم سمجھ رہے تھے میرے اس آ کر معذرت خواہ ہوئے کہ انھوں نے خواہ مخواہ مجھے مجرم سمجھا۔''

''فیصلہ کیا ہوا ادا''

''فیصلہ کیا ہونا تھا...... جس جگہ اس طوائف نے یہ ڈراما رچایا تھا وہ پانچ ایکڑ کی زمین اس بدبخت کے حوالے کرنے کا فیصلہ ہوا ہے......''

''یہ تو زیادتی ہے ادا''

''کوئی زیادتی نہیں یار...... میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، میرا گزارا آسانی سے ہو جائے گا۔ یوں بھی جس وجہ سے انھوں نے ڈراما رچایا تھا وہ پوری نہیں ہو سکی خاص کر وڈیرے کے گندے مقاصد کے ناکام ہونے کی مجھے بہت خوشی ہے۔''

''وہ انتقامی کارروائی پہ نہ اتر آئے؟'' اسماعیل نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''کیا انتقام لے گا یار...... غریب کے پاس گنوانے کے لیے صرف عزت ہوتی اور الحمدللہ میری عزت کا محافظ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا ہے۔''

''میرے بارے کیا سوچا ہے ادا...... کب مجھے الوداع کہو گے؟''

''چند دن رک جاؤ یار...... نئے شادی شدہ جوڑے کا اکیلے سفر کرنا ہمارے علاقے میں نیک شگون نہیں سمجھا جاتا۔''

اسماعیل نے ہنس کر کہا۔"یہ شادی تو کہیں سال بھر بعد ہی پرانی ہوگی۔"

"نہیں بس ایک ڈیڑھ ہفتہ...... اتنا صبر کیا ہے چند دن مزید سہی۔"

اور اسماعیل اس کی دل جوئی کی خاطر بولا۔"ادا زیادہ سے زیادہ دو ہفتے......"

"بہت ہیں...... دو ہفتے بھی بہت ہیں میاں۔"

☆......☆......☆

"بہت برا ہوا خیرو...... بہت برا۔" وڈیرے کا لہجہ تاسف سے پر تھا۔"طمانچہ مارا ہے اس بد بخت انورے نے ہمارے منہ پہ"

"سائیں میں نے تو بھرپور کوشش کی تھی...... مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ یہ چال چل جائے گا...... ورنہ سائیں آپ کے لیے تو میں نے اپنی بیٹی کی عزت کی بھی پرواہ نہیں کی۔" خیرو خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

"تجھے تو ہم نے اس کا صلا دلا دیا ہے، پانچ ایکڑ قابل کاشت زمین کم تو نہیں ہوتی۔ اور جہاں تک تیری بیٹی کی عزت کا تعلق ہے تو اس کے پہلے ہی اتنے چرچے ہیں مزید کیا فرق پڑے گا؟"

"سائیں میرا مطلب احسان جتلانا تو نہیں تھا......" وڈیرے کے تیور دیکھ کر خیرو جلدی سے صفائی پیش کرنے لگا۔" آپ کے کام آنا تو میرے لیے باعث سعادت ہے...... میرا مقصد تو اپنی بے بسی کا اظہار تھا۔"

"ہم بے بس نہیں ہوا کرتے خیرو...... شادی کر لی ہے زلیخا نے تو کیا ہوا...... ہماری قسم تو رہتی ہے نا اسے اپنے بستر کی زینت بنانے کی؟" وڈیرا خباثت سے ہنسا۔ اور خیرو جلدی سے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا۔

"جی سائیں۔"

"تو پھر بندوبست کرو نا؟ اسے ہمارے پاس لانے کا"

"ہم...... میں...... مگر کیسے سائیں۔ وہ ناعاقبت اندیش تو پہلے بھی نہیں مان رہا تھا اب کہاں مانے گا کیا اس کے بہنوئی سے بات کریں؟"

"نہیں بھئی...... اٹھا کر لے آؤ...... ہم نے بہت کوشش کی کہ سیدھی انگلی سے کام ہو جائے۔ اب اگر انگلی ٹیڑھی کرنی پڑ رہی ہے تو مجبوری ہے۔ ہم اپنی خواہش سے تو دست بردار نہیں ہو سکتے نا؟"

"بالکل سائیں......"

"تجل، گامے اور غفورے کو بھی ساتھ لے جانا۔"

"آج چلے جائیں؟"

’’آج پروگرام بنالو.....ایک دفعہ ان کے گھر کو بھی باہر سے دیکھ لو بلکہ یوں کرو نوراں کو وہاں بھیج کر سب کچھ تفصیل سے معلوم کر لو، بہرحال کل یہ کام ہر حال میں کرنا ہے، اب مزید انتظار مشکل ہے ویسے بھی اندیشہ ہے کہیں وہ انھیں شہر نہ بھیج دے۔‘‘

’’ٹھیک ہے سائیں.....‘‘ خیر دین نے ہاتھ باندھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’بس اب جاؤ اور ان تینوں سے مل کر پروگرام کو حتمی شکل دو۔‘‘

اور خیر دین ’’جی وڈیرا سائیں۔‘‘ کہتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

عاطف عرفان کی اطلاع پر آدھے گھنٹے میں ہی جائے حادثہ پہ پہنچ گیا تھا۔ پولیس نے ہلاک ہونے والے ڈاکٹر کی لاش اٹھالی تھی البتہ اس کی بائیک اور اس کے جسم سے بہنے والا خون اسی طرح پڑا تھا۔ عرفان اسے وہیں تماشا دیکھنے والی عوام میں کھڑا نظر آیا۔ عاطف کو دیکھتے ہی وہ اس کے قریب آگیا۔

’’دو بندے تھے سر.....موٹر سائیکل پہ سوار تھے۔ الیاس ان کے پیچھے ہی گیا ہے بلکہ اس نے ان کی رہائش گاہ بھی دیکھ لی ہے۔‘‘

’’ہاں مجھ سے بھی اس کی بات ہو چکی ہے لیکن میں نے سوچا جائے حادثہ دیکھتا چلوں۔‘‘

’’میں نے سب جائزہ لے لیا ہے سر یہاں ایسی کوئی چیز نہیں جو ہمارے کام کی ہو۔‘‘

’’تو چلو پھر الیاس کے پیچھے چلتے ہیں۔‘‘ اور عرفان فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

’’تم یہاں کیوں گھوم رہے تھے؟‘‘ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے وہ مستفسر ہوا۔

’’سر ہم ائرپورٹ جانے کے ارادے سے نکلے تھے۔ ہم دونوں بھی بائیک پہ تھے۔ دونوں مجرم ہم سے بیس پچیس گز آگے ہوں گے۔ مقتول اپنے کلینک سے غالباً گھر جانے کے لیے نکلا، بمشکل اپنی موٹر سائیکل ہی سٹارٹ کر سکا تھا کہ قاتل کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ میں نے الیاس کو تو ان کے تعاقب میں بھیج دیا البتہ خود مقتول کی مدد کے لیے رک گیا۔ لیکن جب تک میں اس کے قریب پہنچا وہ ہر قسم کی مدد سے بے نیاز ہو چکا تھا۔‘‘

’’قتل کی وجہ پہ آس پاس کے دکانداروں نے کوئی رائے زنی کی ہو؟‘‘

’’مقتول کا تعلق ایک اقلیتی فرقے سے تھا اکا دکا دکاندار اسے عاشقانِ صحابہ گروپ کی کارروائی سمجھ رہے تھے۔‘‘

’’تمھارا اپنا کیا خیال ہے؟‘‘

’’میرا خیال اس سے کافی مختلف ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

''مطلب واضح ہے.....ابھی آپ کے انتظار میں قریبی دوکان میں خبروں سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔نیوز کاسٹر کے مطابق عاشقان صحابہ گروپ نے اس قتل کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور حسب معمول بذریعہ فون یہ اطلاع پہنچائی گئی ہے۔'' عرفان کے انداز پہ عاطف مسکرا پڑا۔

''یار میں نے تمھاری رائے پوچھی ہے؟''

''محرم کی آمد آمد ہے اور فرقہ ورایت کا طوفان تو گرم کرنا پڑے گا۔''

''گڈ میرا بھی یہی خیال ہے.....مزید ان مرغوں کی گرفتاری پہ پتا چل جائے گا۔''

''سر! یہ میڈیا والے اتنے ہی بیوقوف ہوتے ہیں؟''

''نہیں.....لیکن عوام تو ہوتے ہیں.....جن کے لیے یہ خبریں نشر کی جاتی ہیں۔'' یہ بات عاطف کے ہونٹوں پہ تھی کہ موبائل کی گھنٹی بجی۔

''جی الیاس؟'' وہ سرسری نظر موبائل سکرین پہ ڈالتا ہوا بولا۔

''سر ایک بندہ کہیں جانے کے لیے فلیٹ سے باہر نکل آیا ہے جبکہ دوسرا اندر ہی ہے.....اس کے پیچھے جاؤں یا......''

''ہاں اس کے پیچھے چلے جاؤ دوسرے کے لیے ہم پہنچنے والے ہیں۔''

''اوکے سر۔'' کہ کے اس نے فون بند کر دیا۔تھوڑی دیر بعد ہی وہ مطلوبہ جگہ پہ پہنچ گئے تھے۔

''فلیٹ نمبر کون سا ہے؟''

''دوسری منزل فلیٹ نمبر پندرہ سر۔'' عرفان جلدی سے بولا اور عاطف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی اس لیے ان پہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے اس کو پکڑ کر پوچھ گچھ کے لیے لے چلتے ہیں.....دوسرے کے تعاقب میں ویسے ہی الیاس ہے اس کی مدد کے لیے عمران کو بھیج دیتے ہیں دونوں اس کو سنبھال لیں گے۔''

''ٹھیک ہے عمران کو فون کر دو۔'' عاطف مختصراً بولا۔جیسے ہی عرفان فون کر کے فارغ ہوا وہ دونوں سیڑھیوں سے اوپر کے جانب بڑھ گئے۔پندرہ نمبر فلیٹ کے سامنے رک کر عاطف نے دروازے کی سائیڈ پہ لگا گھنٹی کا بٹن دبایا اس دوران عرفان دائیں بائیں کا جائزہ لیتا رہا۔

''جی؟'' دروازہ کھولنے والی ایک جوان عورت تھی۔عاطف کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ حیرانی کے تاثرات ظاہر ہوئے۔عاطف نے جواب دینے کی بجائے جھپٹ کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ایک ہاتھ اس کے ہونٹوں پہ رکھنا وہ نہیں بھولا تھا

۔اس کا ایکشن مکمل ہوتے ہی عرفان بھی اندر گھس آیا۔

وہ عورت کافی جاندار تھی عاطف کی گرفت سے نکلنے کے لیے وہ شدت سے تڑپی اور اس کے ساتھ ہی اس نے زور سے ''کوں کوں کی۔'' ناک اور ہونٹ بند ہونے کے باوجود ہلکی ہلکی آواز برآمد ہوئی۔

''شمی ڈیئر کون ہے؟'' اندرونی کمرے سے ایک مرد کی آواز ابھری۔ عرفان جلدی سے بیرونی دروازے کی کنڈی لگاتا ہوا آواز والے کمرے کے جانب بڑھ گیا۔ جبکہ عاطف نے اس لڑکی کی جدوجہد سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کی کنپٹیوں پہ مخصوص انداز میں دباؤ ڈالا اور وہ اس کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

''کون ہے بے تو؟''

''اگر اپنے ہاتھ سر سے بلند کر لو تو شاید میری گولی ضائع ہونے سے بچ جائے...... خدا قسم تمیں بور کی گولیاں بڑی مہنگی ہو گئیں ہیں۔'' عاطف کے کانوں میں عرفان کی چہکتی آواز آئی۔

''تت...... تم یہ اچھا نہیں کر رہے...... تم مجھے جانتے نہیں ؟'' وہ ایک جواں سال آدمی تھا اور شکل سے کسی یونیورسٹی کا طالب علم دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا کریں یار مجبوری ہے۔'' عرفان جواباً بولا اسی وقت عاطف کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''جی الیاس؟'' وہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''سر یہ واپس آ رہا ہے۔''

''اتنی جلدی ؟''

''جی سر...... پیراڈائز ریسٹورنٹ سے اس نے کوئی چیز خریدی ہے جہاں تک میرا خیال ہے شراب ہوگی کیونکہ ایسی بدنام جگہ پر ایسی ہی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے آنے دو ہم دونوں فلیٹ کے اندر ہی ہیں۔'' فون بند کر کے وہ عرفان کی طرف متوجہ ہوا جو اس جوان کے سر پہ پسٹل کا وار کر کے اسے بیہوش کر چکا تھا۔

''اس لڑکی کو بھی یہیں لے آؤ۔'' عرفان سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ دونوں کے ہاتھ عرفان نے ایک پتلی سی ریشمی ڈوری سے ان کی پشت پہ باندھ دیے۔

''تم دوسرے کمرے کی تلاشی لو '' عرفان کو کہتے ہوئے عاطف خود اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا اس کی جیب سے ایک لوڈ ریوالور اور ایک بڑا چاقو۔ بٹوا اور موبائل وغیرہ نکلا۔ اس کی تلاشی لے کر عاطف نے لڑکی کی سرسری سی تلاشی لی اور اس کے بعد کمرے کی

چھان بین میں مصروف ہو گیا وہ بمشکل تلاشی لے کر فارغ ہوا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ دونوں بجلی سی سرعت سے دروازے کے قریب پہنچے۔ عاطف کا اشارہ پا کر عرفان نے دروازہ کھولا اور اس سے پہلے کہ آنے والا کچھ سمجھ پاتا، عرفان نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر گھسیٹ لیا۔

"کک...... کیا...... کون" جیسے الفاظ اس کے ہونٹوں پہ تھے کہ عرفان کا بھرپور ہاتھ اس کی کنپٹی پہ پڑا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں انھیں کندھوں پہ لادے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ ایک دو استفسار کرنے والوں نے ان کا سروس کارڈ دیکھتے ہی چپ سادھ لی تھی۔

☆......☆......☆

میجر روہیت کا زوردار تھپڑ اس کے چہرے پہ پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دو قدم پیچھے ہو گیا۔

"الو کے پٹھے...... کدھر گئی تمھاری ماں ؟"

"س...... سر...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یوں یکدم ہوٹل چھوڑ کر چل پڑیں گے۔"

"تو کیا اس پہلے وہ تم سے ڈسکس کرتے پھر ہوٹل چھوڑتے ؟"

"ج...... جی...... نیں...... نہیں سر...... مجھے اس وقت ٹائلٹ کی حاجت ہوئی......"

"مجھے جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے نفرت ہے کنیا۔"

"سر...... وہ...... میں......"

"ہاں...... ہاں...... سچ بول دو تم سو رہے تھے، اور وہ سویرے سویرے کوچ کر گئے۔"

"ج...... جی سر" کنیا سر جھکا کر بولا۔

"رندھیر تم نے اس کی نگرانی کے لیے دو آدمی کیوں نہیں مقرر کیے تھے ؟" میجر روہیت کا مخاطب کرسی پہ بیٹھا ہوا آدمی تھا جو پاشا کے بعد کراچی میں را کا سینئر ایجنٹ تھا۔

"س...... سر...... کوئی اتنا مشکل کام تو نہیں تھا یوں بھی ہر تین گھنٹوں بعد ان کی بدلی ہو رہی تھی۔ اور بندوں کی بھی کمی تھی......"

"مت گھٹیا بہانے بازی کرو یار" روہیت کا لہجہ کافی بلند تھا۔ جواباً رندھیر نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ "تمھاری انھی کیوں سے سی آئی والے پھنے خان بنے پھر رہے ہیں...... مہاراج پاشا کی موت کے بعد تم لوگوں نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے...... مہاراج کی گرفتاری میں اسی پاربتی کا ہاتھ تھا ورنہ وہ اس طرح کراچی میں دندناتی نہ پھرتی ؟ اور تم لوگوں کی بیوقوفی سے وہ غدار گم ہو گئی"۔

"سوری سر......"

"تمھاری اس معذرت کا میں اچار ڈالوں......؟"

''سر میں اپنے تمام بندے اس کی تلاش میں لگا دیتا ہوں، ہم جلد ہی اسے ڈھونڈ لیں گے؟''

''بیوقوف......اب کراچی کی نقاب پوش خواتین کے نقاب اتارتے پھرو گے ؟''

''سر وہ جس لڑکے کے ساتھ تھی اسے کنیا، موہن اور دھرم ویر اچھی طرح پہچانتے ہیں۔'' اس کی بات پہ رو ہیت ایک لحہ خاموش رہا اور پھر بولا۔'' یوں کرو ان تینوں کی مدد سے اس لڑکے کی ایک تصویر بنوا لو اور تمام آدمیوں میں تقسیم کر دو اس کے ساتھ جس ہوٹل میں وہ ٹھہرے تھے وہاں انھوں نے لازمی اپنا ایڈریس نوٹ کرایا ہوگا وہ بھی معلوم کرلو شاید نادنگی میں انھوں اصل ایڈریس لکھوا دیا ہو؟''

''ٹھیک ہے سر۔''

''او کے جاؤ مجھے جلد از جلد رزلٹ چاہیے۔'' اور رندھیر نمستے کے انداز میں ہاتھ باندھتا ہوا چل پڑا۔

''تم بھی دفع ہو جاؤ۔'' روہیت ایک طرف سر جھکائے کھڑے کنیا سے مخاطب ہوا اور اجازت ملتے ہی وہ نمسکار کرتے ہوئے تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ میجر روہیت کی سخت گیری کی جتنی داستانیں وہ سن چکے تھے وہ ان سے کچھ زیادہ ہی سخت گیر نکلا تھا۔

☆......☆......☆

''بتی تو بجھا دو۔'' اسماعیل زلیخا سے بولا۔

''جلتی رہے آپ کو کیا کہہ رہی ہے؟''

''سوتے وقت مجھے روشنی بالکل اچھی نہیں لگتی۔''

''تو سوتے وقت بجھا دینا......'' وہ شوخی سے بولی۔

''دو تو بجنے والے ہیں سونا کس ٹائم ہے ؟''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے......صبح کون سا کام پہ جانا ہے آپ نے۔''

''مطلب نکمے ہونے کے طعنے دے رہی ہو؟''

''میں بھلا آپ کو طعنے دے سکتی ہوں؟''

''تو یہ کیا تھا ؟''

''آپ بھی نا بس......''

''اچھا یہ چونچلے چھوڑو مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''کہتے ہیں جو ٹائم مل جائے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے......زندگی کا کیا بھروسا ؟''

''زندگی اتنی جلدی بھی ختم نہیں ہوتی یار۔'' وہ اس کی ناک کی پھننگ مروڑتا ہوا بولا۔

''اف ہائے..... کتنی دفعہ کہا ہے ناک کو نہ پکڑا کرو کوکا چبھتا ہے۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

''تو نہ پہنا کرو کوکا.....''

''نا پہنا کرو کوکا.....'' وہ منہ چڑاتے ہوئے بولی۔ ''پھر کیا پہنوں ؟''

''کچھ بھی نہ پہنو۔''

''اے..... کچھ بھی نہ پہننے سے تیری کیا مراد ہے ؟''

''زیورات بھئی..... تم نا بس ہر بات کا الٹا مطلب لیتی ہو ؟''

''آپ بات ہی الٹی کرتے ہیں ۔'' اور اس پہلے کہ وہ زلیخا کی بات کا جواب دیتا اچانک ہلکا سا دھما کا ہوا جیسے کوئی دیوار سے کودا ہو۔

''تو نے یہ آواز سنی؟'' اس نے زلیخا سے پوچھا۔

''کون سی آواز ؟''

''ٹھہرو میں دیکھتا ہوں'' وہ اٹھ کر بمشکل چپل ہی پہن سکا تھا کہ کمرے کے کھلے دروازے سے دو افراد داخل ہوئے جن کے ہاتھ میں کلہاڑیاں تھیں۔

''کون ہو تم ؟'' اسماعیل دھاڑا مگر آگے والے نے بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اسے مارنے کے لیے کلہاڑی سر سے بلند کی، اس پہلے کہ اس کی کلہاڑی نیچے آتی اسماعیل کی زوردار ٹک اس کی چھاتی پہ پڑی اور وہ اچھل کر اپنے ساتھی پہ جا گرا۔ دونوں حملہ آور لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گر گئے تھے۔

اسماعیل نے اوپر والے کے پہلو میں ٹھوکر رسید کی اسی دوران نیچے پڑے دوسرے آدمی نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا مگر ابھی تک وہ اسے کھول بھی نہیں پایا تھا کہ اسماعیل کی ٹھوکر سے چاقو اڑتا ہوا دور جا گرا۔ اسماعیل نے جھک کر اس کے گریبان سے پکڑا اسی لمحے کھلے دروازے سے ایک اور آدمی کلہاڑی سر سے بلند کیے اندر داخل ہوا۔

''غازی شاہ'' زلیخا جو ہکا بکا سارا ہنگامہ دیکھنے میں مصروف تھی زور سے پکاری۔ نیچے پڑا شخص بھی اپنے ساتھی کو دیکھ کر اسماعیل سے لپٹ گیا تھا۔ زلیخا کو اور تو کچھ نہ سوجھا جلدی سے چھلانگ لگا کر اسماعیل کے اوپر گر گئی۔ اس کا اسماعیل کے بدن کو ڈھانپنا اور کلہاڑی والے کا اسماعیل پہ وار کرنا ایک ہی لے میں ہوا تھا۔

زلیخا کے منہ سے تیز چیخ برآمد ہوئی۔ کلہاڑی کا تیز پھل اس کے سر میں اترتا چلا گیا۔

''اوئے خیرو بے غیرتا چھوری ہی ماردی ہے۔'' نیچے گرا آدمی بلند آواز سے بولا۔

اسماعیل نے ایک زوردار گھونسا مار کر نیچے والے آدمی کے ہاتھ سے اپنا گریبان آزاد کرایا اور زلیخا کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے سر

سے خون فوارے کے مانند ابل رہا تھا۔

''زلیخا''

''شغ.....غا.....غازی.....شش.....شاہ.....مم.....مم.....'' مگر اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا اور اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ اسی وقت گھر کے اندر سے انور اور اس کی بیوی دوڑتے ہوئے بیٹھک میں داخل ہوئے اس دوران حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

''کون ہے.....کیا ہے؟'' انور یہ کہتا ہوا بیٹھک میں داخل ہوا مگر زلیخا کی حالت دیکھتے ہی اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی ''زلیخا'' اور وہ بھی اسماعیل شاہ کے ساتھ گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا ان کے دماغ میں تعاقب کرنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ ورنہ شاید وہ کسی نہ کسی کو پکڑ لیتے۔

☆.....☆.....☆

وہ حادثہ ایسا نہیں تھا کہ آسانی سے بھلایا جا سکتا۔ اسماعیل کو زلیخا سے جذباتی وابستگی نہیں تھی مگر اس کے مرنے کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک دفعہ پھر اکیلا رہ گیا ہو۔ چند دن میں وہ اس کا عادی ہو گیا تھا وہ بھی اس کے مزاج کے سانچے میں یوں ڈھل گئی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی ہو۔ پہلی بار اسماعیل کو محبت اور ہوس کا فرق پتا چلا تھا مگر اس سے پہلے کہ زلیخا کی محبت اس کے ذہن میں عورت ذات کے متعلق چھائے نظریات کو کوئی اور رخ دیتی ان کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والے فاصلے حائل ہو گئے تھے۔

''کہتے ہیں جو ٹائم مل جائے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے.....زندگی کا کیا بھروسا؟'' اس کے ذہن میں زلیخا کی آواز گونجی۔ اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کس طرح اس نے اس کی بات کو مذاق میں ٹال دیا تھا وہ شاید اسی کا بات کا برا منا کر کبھی نہ آنے کے لیے چلی گئی تھی۔

زلیخا کو مرے دوسرا دن تھا۔ انور کی بیوی کی بہن کھانے کے برتن اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک نظر اس پہ ڈال کے آہستہ سے بولا۔

''باجی میں نے کھانا نہیں کھانا۔''

''بھائی کب تک بھوکے رہو گے.....؟ مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر تو نہیں جایا کرتا۔''

''دل ہی نہیں کر رہا؟''

''بھائی آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا ..... چند لقمے ہی لے لو۔'' اس نے اصرار کرتے ہوئے برتن چارپائی پہ رکھ دیے۔ نا چاہتے ہوئے بھی اسے چند لقمے زہر مار کرنے پڑے اسی دوران انور بھی سامنے والی چارپائی پہ آ کے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے حیران کن حد تک خود کو سنبھال لیا تھا۔ زلیخا کے مرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس نے اسماعیل سے کہا تھا۔

"غازی شاہ وڈیرا ہار گیا ہے......اور میں الحمد اللہ جیت گیا ہوں...... مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ کارروائی وڈیرے کی ایما پہ ہوئی ہے۔ وہ خبیث زلیخا کو اغوا کرانا چاہتا تھا؟ لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا......سوہنے رب نے میری عزت کی لاج رکھ لی ورنہ ہم دونوں وڈیرے کا مقابلا کہاں تک کر پاتے۔"

اسماعیل نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں بھی اسے نہیں بتایا کہ قاتل کو اس کے ساتھی نے خیرو کہ کر پکارا تھا جو لاریب خیر دین تھا۔ اور خیر دین سے سب کچھ آسانی سے معلوم کیا جا سکتا تھا۔ وہاں سے جانے سے پہلے وہ یہ تازہ قرض بے باک کر کے جانا چاہتا تھا......مگر اس طرح کہ انور بھی اس بارے بے خبر رہے۔ انور علی نے تمام عمر وہیں بتانی تھی اور وہ اس کام سے جتنا دور رہتا اس کے لیے بہتر ہوتا۔

گاؤں کے لوگوں کو انور نے ڈکیتی کی واردات کا بتا کر جان چھڑائی تھی، چوری چکاری یوں بھی اس علاقے میں معمول کی بات تھی اس لیے کسی کو شک نہیں ہوا تھا۔ تعزیت کے لیے خیر دین بھی آیا تھا۔ اس کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اسماعیل کے یقین کو پختہ کرنے کا باعث بنی تھی۔ اسے دیکھ کر اسے خود پہ قابو پانا دشوار ہو گیا تھا جذبات پہ قابو پانے کے لیے اسے وہاں سے اٹھنا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

"ہائے۔" خیر دین کے منہ سے درد بھری آہ خارج ہوئی۔ وہ اس وقت تینوں ساتھیوں سمیت الٹا لٹکا ہوا تھا اور وڈیرے کا گرگا ان کی چھتر ول میں مصروف تھا۔ زیادہ عنایت خیر دین پہ کی جا رہی تھی۔

"ہائے۔" خیر دین کے منہ سے ایک اور درد بھری آہ خارج ہوئی۔

"سائیں معاف کر دے......اللہ دی قسمے اس نے اس وقت اپنے شوہر پہ چھلانگ لگائی جب میں وار کر چکا تھا......ہائے۔" چونکہ وڈیرے نے گرگے کو رکنے کا اشارہ نہیں کیا تھا اس لیے اس نے اپنا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وڈیرا غضب ناک چہرہ لیے خاموش بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ خیر دین نے بیہوش ہو کر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔

وڈیرے نے ہاتھ کھڑا کر کے پٹائی کرنے والے کو رکنے کا اشارہ کیا......

"اسے نیچے اتارو۔"

جلاد ہاتھ روک کر خیر دین کی بندشیں کھولنے لگا۔

"باقیوں کو بھی اتار دو۔" جلاد جب خیر دین کو نیچے لٹا چکا تو وڈیرا ایک مرتبہ پھر اسے مخاطب ہوا۔ اور اس نے ان تمام کی بندشیں بھی کھول دیں۔

"دفع ہو جاؤ......" وڈیرے کے منہ سے نکلا اور وہ تینوں بھاگ کر عقوبت خانے سے باہر نکل گئے۔

''اسے ہوش میں لے آؤ۔'' ان کے باہر نکلتے ہی وہ جلاد سے مخاطب ہوا۔

''جی سائیں۔'' کہہ کر اس نے وہیں پڑے بڑے سے ٹب سے پانی کا جگ بھر کر اس پہ الٹ دیا۔ خیردین نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ خود کو فرش پہ پڑا دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ کر ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔

''خیردین تجھے پتا ہے تو نے ہمارا کتنا بڑا نقصان کیا ہے...... زلیخا کے خوب صورت بدن نے ہمارے بستر کی زینت بننا تھا اور تو نے اسے منوں مٹی تلے پہنچا دیا۔''

''س...... سائیں...... رب دی سوں یہ نادانستگی میں ہوا ہے۔ میرا کوئی قصور نہیں۔''

''اب اس کا ازالہ کیسے ہوگا؟''

''ج...... جیسے سائیں کی مرضی۔'' وہ تھوک نگلتا ہوا بولا۔

''میرے تو سر میں سخت درد شروع ہو گیا ہے...... تم اس طرح کرنا کہ ذرا نادیہ کو بھیج دینا میرے سر کی مالش کر دے گی۔''

''س...... سائیں...... شازیہ کو بھیج دوں گا...... نادیہ تو بمشکل بارہ سال کی ہوگی۔'' خیر بخش کے چہرے پہ اپنی چھوٹی بیٹی کا ذکر سن کر تاریکی چھا گئی تھی۔

''ہمیں پتا ہے اس کی عمر کتنی ہے خیرو، اور یہ مشورے اپنے پاس رکھو جتنا کہا ہے اتنا کرو۔''

''ج...... جی سائیں'' کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''انور کے ہاں تعزیت کے لیے لازمی جانا...... تو راں کو بھی اس کے گھر بھیج کر معلوم کر لینا کہیں انھیں تم پہ یا میرے آدمیوں پہ شک تو نہیں ہے؟''

''ٹھیک ہے سائیں۔''

''بس اب جاؤ اور نادیہ کو شام تک بھجوا دینا۔'' خیردین ہندوؤں کے انداز میں ہاتھ باندھے الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ اس کے چہرے پہ چھائے تاثرات سے کسی آدمی کے لیے بھی اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''تو تم اس کی شکل سے واقف نہیں ہو؟'' عاطف نے مخصوص لہجے میں کرسیوں سے بندھے آدمیوں سے پوچھا۔

''ج...... جی سر۔ صرف ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی اس کے وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس وقت میک اپ میں تھا۔ بعد میں اس کے احکامات ہمیں فون پہ موصول ہوتے رہتے ہیں۔''

''پہلی دفعہ ملاقات کیسے ہوئی تھی؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"سر یہ تین سال پہلے کی بات ہے جب میں جاب کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اعلیٰ ڈگری تو حاصل کر لی تھی مگر جاب عام سی بھی نہیں مل رہی تھی۔ ایسے عالم میں جب ایک انجان آدمی نے آ کر نوٹوں کی گڈی کی جھلک دکھائی تو میں ساری اخلاقیات بھول گیا۔ ایک چھوٹے سے کام کے پچاس ہزار اور وہ بھی نقد۔ کام صرف اتنا تھا کہ ایک بیگ لے کے بس میں سوار ہونا تھا اور اگلے سٹاپ پہ بیگ کے بغیر اتر جانا تھا...... میں انکار نہ کر سکا۔ اخبار میں بس کی تباہی کے بارے پڑھ کر ضمیر نے بہت ملامت کی مگر یہ ایک عارضی اثر تھا۔ کڑکڑاتے نوٹوں کی چمک اور سوندھی سوندھی خوشبو نے اسے تھپک تھپک کے سلا دیا۔ اور پھر یہ کام ایک تسلسل سے جاری ہو گیا۔ اس آدمی کو میں دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکا۔ فون پہ مجھے احکام موصول ہو جاتے ہیں اور میں اس کے مطابق عمل کر لیتا ہوں۔"

رقم کیسے وصول کرتے ہو؟"

"میرے اکاؤنٹ میں ایک دن پہلے مطلوبہ رقم جمع کرا دی جاتی ہے۔"

"اگر انھوں نے دھماکا کرانا ہو تو اس کے لیے دھماکا خیز مواد کہاں سے حاصل کرتے ہو؟"

"وہ کسی بھی جگہ پہ مطلوبہ سامان رکھ کے مجھے فون پہ اس کی لوکیشن بتلا دیتے ہیں۔"

"مثلاً کس جگہ؟" عاطف نے وضاحت چاہی۔

"مثلاً ہمارے فلیٹ کے باہر موجود کچرے کے ڈبے میں بھی ہمیں دو تین دفعہ یہ سامان رکھا ہوا ملا۔"

"اور تیرا ساتھی......؟"

"اسے میں نے اس کام پہ لگایا ہے...... یہ میرا کلاس فیلو ہے اور میری طرح اسے بھی روزگار کی تلاش تھی۔"

"تم...... اپنا تعارف کرانا پسند کرو گی؟" عاطف ان کے ساتھ پکڑے جانے والی لڑکی سے مخاطب ہوا۔

"مم...... میں......" وہ فقط منمنا کر رہ گئی۔

"جی...... آپ؟"

"سر اسے کچھ معلوم نہیں...... یہ فقط شب باشی کے لیے بلائی جاتی ہے۔"

"تم سے پوچھا ہے؟"

"سوری سر......"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیا نام بتایا تھا؟"

"ج...... جی میرا نام شمیم ہے۔"

"تو شمیم صاحبہ! کب سے انھیں جانتی ہو؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’بس ......سال ایک تو ہو گیا ہوگا۔‘‘

’’اس کے علاوہ کیا کرتی ہو......؟‘‘

’’ایک دفتر میں ریسپشنسٹ ہوں۔‘‘

’’شادی شدہ ہو؟‘‘

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’جی......۔‘‘

’’شوہر کیا کرتا ہے؟‘‘

’’اگر وہ کچھ کرتا تو مجھے یہ کرنا پڑتا؟‘‘

’’اچھا نصیر!......تم بتاؤ کیا قیصر نے سب کچھ صحیح بتلایا ہے؟‘‘

’’جی سر......۔‘‘

’’جواتو بات یہ ہے کہ تم نے جو ساری سٹوری سنائی ہے اس کی تصدیق کیسے ہوگی؟۔‘‘

’’سر ہمیں جو معلوم تھا ہم نے بتلا دیا ہے؟‘‘

’’بہرحال مجھے یقین نہیں آیا......اب میں ایک دوسرا طریقہ استعمال کرتا ہوں ‘‘انھیں یہ کہہ کر وہ عرفان مخاطب ہوا۔‘‘ تمھارے پاس آج کی رات ہے صبح میں حقیقت سننا چاہتا ہوں......سمجھ گئے نا صرف حقیقت، مجھے ان کی زندگی سے کوئی غرض نہیں ......معلومات سے مطلب ہے۔‘‘

’’مہربانی سر آپ نے مجھے بھی کسی قابل سمجھا......‘‘عرفان چہکتے ہوئے اس انداز میں بولا جیسے کسی کو اذیت دینا اس کا دل پسند مشغلہ ہو۔ عاطف سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ تینوں قیدیوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔

☆......☆......☆

’’سر ایک کال گرل ہے اور باقی دونوں حکم کے بندے ہیں ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے جسے یہ خود بھی نہیں جانتے۔‘‘ عاطف اس وقت صدیقی صاحب کے آفس میں موجود تھا۔

’’تو پھر؟‘‘

’’پھر کیا سر......لڑکی کو سرزنش کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں ہمارے تو کسی کام کے نہیں۔‘‘

’’تسلی تو کر لی ہے نا؟ چکمہ دینے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟‘‘

عاطف زیر لب مسکراتے ہوئے بولا’’کل سے تسلی ہی کر رہے ہیں رہے سر۔‘‘

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یعنی ان سے کوئی ایسی چیز بھی نہیں ملی کہ مجرموں کا ہلکا سا سراغ ہی دے سکے ؟"

"ایسا ہی ہے سر..... صرف اتنا اندازہ میں لگا سکا ہوں کہ ان کا تعلق را سے نہیں ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"سر پچھلے سال را کا سارا سیٹ اپ کراچی کی حد تک ہم نے ختم کر دیا تھا..... جبکہ انھیں معمول کے پیغامات تسلسل سے ملتے رہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری پارٹی ہے۔"

"صحیح کہا۔" صدیقی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔"لیکن یہ سوال ہنوز توجہ طلب ہے کہ ان کی پہچان کیسے ہو؟"

"سر انھیں پولیس کے حوالے کر کے مشتہر کرا دیں گے کہ پولیس مقابلے میں دو دہشت گرد گرفتار ہو گئے۔ اب اگر ان سے کام لینے والے انھیں چھڑانے یا مروانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر دو صورت میں ہمارے سامنے آجائیں گے۔"

"یعنی ہم ان کی نگرانی کریں گے؟"

"آف کورس۔"

"عاطف میاں اس میں بھی چند قباحتیں ہیں ؟"

"مثلاً سر......؟"

"مثلاً یہ کہ جب انھیں معلوم ہے کہ یہ ان کے بارے کچھ نہیں جانتے تو انھیں ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے وہ ایسا ضروری سمجھیں تب بھی انھیں مروانے کے لیے وہ کرائے کا ٹٹو استعمال کر سکتے ہیں جسے گرفتار کرنے کی باوجود ہمارے ہاتھ پہلے کی طرح کچھ بھی نہیں لگے گا ......سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا یہ بات یقینی ہے کہ وہ ان کی گرفتاری سے لاعلم ہیں..... ہو سکتا ہے انھیں اچھی طرح علم ہو کہ یہ ہماری قید میں ہیں۔ اس صورت میں وہ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکیں گے۔"

"سر زیادہ سے زیادہ ہمارا منصوبہ ناکام ہو گا نا؟ یہ دونوں تو یوں بھی ہمارے کام کے نہیں اور اس کے علاوہ آپشن بھی کوئی نہیں بچتا۔"

"جس نمبر سے انھیں احکام موصول ہوتے ہیں اسے ٹریس کرنا تھا۔"

"اس مقصد کے لیے کوئی ایک نمبر استعمال نہیں ہوتا سر۔"

"چلو جیسے مناسب سمجھو کر لو....." اور عاطف اسے سلام کہتے ہوئے وہاں نکل آیا۔

☆......☆......☆

"جانے والے چلے جاتے ہیں اور ان کی یادیں رہ جاتی ہیں " انور نے چھت کی کڑیاں شمار کرتے اسماعیل کے پاس بیٹھتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔ زلیخا کی موت کو ہفتہ بیت گیا تھا۔ تعزیت کرنے والوں کی آمدورفت بھی تقریباً ختم ہو چلی تھی۔ انور زیادہ تر وقت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسماعیل کی دل جوئی میں لگا رہتا۔ اس کے خیال میں اسماعیل نے زلیخا کی موت کا بہت اثر لیا تھا۔ اس کا یہ گمان درست ہوسکتا تھا اگر اسماعیل ایکے کی دی گئی ذہنی ٹریننگ کی مشقوں سے نہ گزر چکا ہوتا۔ اب اسے افسوس ضرور تھا مگر اتنا نہیں جتنا انور کو محسوس ہو رہا تھا۔

''ادا مجھے صرف ایک بات کا افسوس ہے کہ میں زلیخا کو یہ نہیں بتا سکا ہوں کہ میں نے اس سے شادی کسی مجبوری کی بنا پہ نہیں کی تھی''

''کیا مطلب؟'' انور کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''مطلب واضح ہے ادا..... وہ اس قابل تھی کہ اسے شریک حیات بنانے والا اپنے مقدر پہ رشک کر سکے۔''

''غازی شاہ!..... یہ گھرانا ہمیشہ تیرا مقروض رہے گا..... ہم نے تیری جھولی میں خوشیاں ڈالنے کی کوشش میں غموں کا اضافہ کر دیا ہے۔''

''ادا آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں..... میری جھولی میں آپ نے نہیں کسی اور نے غم ڈالے ہیں اور وہ اس کا خمیازہ بھی بھگتیں گے۔''

''نہیں غازی شاہ..... میں نہیں چاہتا کہ تمھیں کوئی نقصان پہنچے۔ زلیخا نہیں رہی اب سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے ..... یوں بھی ہمارے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ وڈیرے کا مقابلہ کر سکیں۔''

جواباً اسماعیل خاموش ہی رہا کہ زلیخا کا انتقام اس نے اکیلے ہی لینا تھا اس سلسلے میں انور کی شمولیت اسے گوارا نہیں تھی۔ اگلے دن اس نے اپنے منصوبے پہ عمل کرنا شروع کر دیا۔ گھر سے وہ گوٹھ میں گھومنے کے بہانے نکل آیا اس کا مطمع نظر خیر دین کے متعلق معلومات کا حصول تھا۔ چہل قدمی کے انداز میں وہ سارے گاؤں میں گھومتا رہا زلیخا کی تعزیت کے دوران گوٹھ کے زیادہ تر آدمی اس واقف ہو گئے تھے اس لیے کافی لوگ اسے بڑے تپاک سے ملے تھے۔ خیر دین کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے بغور مشاہدہ کیا تھا۔

رات کے دو بجے وہ گھر سے نکلا..... صحرائی علاقے کے لحاظ سے یہ ایسا ٹائم تھا جب لوگ کی اکثریت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہے..... خیر دین کے گھر تک وہ بغیر کسی حادثے کے پہنچ گیا تھا۔ گھر کی چار دیواری نہ ہونے کے برابر تھی، صحن میں چار پانچ چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں، خیر دین کی چارپائی ایک سائیڈ پہ تھی۔ وہ بغیر کسی دقت اسے پہچان گیا۔ اس کی چارپائی کے قریب جا کر اس نے خیر بخش کی کنپٹیوں پہ مخصوص انداز میں دباؤ ڈالا، ذرا سا مچل کے اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔ اگلے لمحے اسے کندھے پہ لادے وہ تیز قدموں سے گوٹھ سے باہر کے جانب روانہ ہو گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے پوچھ گچھ کے دوران کسی قسم کی مداخلت ہو۔ وزن کے ساتھ ریت کے اندر چلنا کافی مشکل ہوتا ہے مگر اس جگہ اس کی ٹریننگ کام آئی اور وہ خیر بخش کو لیے گوٹھ سے باہر نکل آیا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کے اس نے اسے نیچے پھینکا اور اس کے چہرے پہ تھپڑوں کی بارش کر دی۔ چند تھپڑ کھا کے ہی اسے ہوش آ گیا۔

''مم..... میں..... کیا..... کون ہو تم..... کہاں ہوں میں؟'' اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے۔

''نہیں پہچانا..... تمھارے اپنے کھیت ہیں اور میں..... مجھے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔''

''تم ! غازی شاہ..... میں یہاں کیسے آ گیا؟''

''میں اٹھا کر لایا ہوں.....تا کہ اکیلے میں گپ شپ کر سکیں۔''

''مم.....میرا کوئی قصور نہیں ہے ۔'' وہ منمنایا۔

''میں نے کب کہا ہے کہ تیرا قصور ہے.....قصور تو زلیخا کا تھا جس نے خود اپنی گردن کلہاڑی کے نیچے دی تھی۔'' وہ چند لمحے اسماعیل کی طرف دیکھتا رہا چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ تو واضح نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اتنا اندازہ اسماعیل کو چل گیا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے ۔ جب وہ بولا تو اسماعیل کے اندازے کی تصدیق ہو گئی کہ وہ کسی نتیجے پہ پہنچ گیا ہے۔

''غازی شاہ ! مجھے اپنے جرم کا اقرار ہے۔لیکن بخدا اس کام کے لیے ہمیں وڈیرے نے مجبور کیا تھا ۔''

''تمھارے ساتھ اور کون کون تھا ؟''

''سجل، گاما اور غفورا ! یہ تینوں وڈیرے کے باڈی گارڈ ہیں ۔''

''کہاں ملیں گے؟''

''وڈیرے کے ڈیرے پہ۔''

''خیر دین.....کوئی آخری خواہش ہو تو بیان کر سکتے ہو ؟'' اپنے لہجے کی وحشت خود اس کے لیے اجنبی تھی۔

''ہاں ہے، میں چاہتا ہوں کہ وڈیرے کی موت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔''

''کیا مطلب.....؟'' اسماعیل کے لہجے میں حیرانی تھی۔خیر دین آبدیدہ لہجے میں بولا

''غازی شاہ.....میری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے جو ایک ہفتے سے وڈیرے کے پاس ہے۔اس سے پہلے شازیہ کو بھی وہ اس حال تک لے آیا کہ آج وہ جو کچھ بھی کر رہی ہے میں اسے منع نہیں کر سکتا ۔''

''اپنی معصوم بیٹی اس کے پاس بھیجتے تجھے غیرت نہ آئی ؟''

''بہت آئی غازی شاہ بہت زیادہ.....لیکن افسوس کہ میں کچھ کر نہیں سکتا تھا۔''

''گھٹیا بہانے بازی مت کرو خیرو ۔''

''غازی شاہ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں .....وڈیرے کا ہر حکم ماننا ہمارا دین ہے ۔''

''ادانور جو انکاری ہوا تھا تو وڈیرے نے کیا بگاڑ لیا اس کا ؟''

''اس کی بیٹی جیسی بہن تو بچھڑ گئی نا.....مروا دیا اسے، اس بدذات کی ہوس نے۔''

''بیوقوف ! وہ تو ایک ہی دفعہ مری ہے جبکہ تیری بیٹی ہنستا ہو گیا پل پل مر رہی ہے۔''

"غازی شاہ اگر تو چاہے تو میں وڈیرے کے خلاف تیرا ساتھ دے سکتا ہوں ......اس کے بعد تم بے شک زلیخا کی موت کا بدلہ لے لینا۔"

"بڑی جلدی خیال آیا وڈیرے سے بدلہ لینے کا؟"

وہ اس کے طنزیہ لہجے کی پرواہ نہ کرتا ہوا بولا۔"ہاں غازی شاہ......ہم میں اتنا حوصلہ نہیں کہ وڈیرے کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں لیکن تجھے دیکھ کر یہ جرات ہو رہی ہے کہ ہمیں وڈیرے کا مقابلہ کرنا چاہیے کیونکہ نادیہ سے چھوٹی میری دو بیٹیاں اور ہیں ایک کی عمر دس سال اور دوسری آٹھ سال کی ہے......اور اگر میں خاموش رہا تو ان کے ساتھ بھی شازیہ اور نادیہ والا حشر ہوگا۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ وڈیرے کے خلاف تیرے ساتھ مل جاؤں زیادہ سے زیادہ موت ہی آئے گی نا ؟ تو مرنا تو تیرے ہاتھوں سے یوں بھی ہے کچھ کر کے تو مروں کم از کم مرتے وقت میرے دل میں یہ اطمینان تو ہوگا کہ میری بیٹیاں اب اس مردود کی دسترس سے محفوظ ہیں۔"

"مجھے کیسے اعتبار آئے؟"

"پاک پروردگار اور سوہنے رسول ﷺ کا واسطا تو مانو گے نا؟"

"تیرے گندے منہ سے یہ مقدس نام اچھے نہیں لگتے خیرو۔"

"غازی شاہ......میں تیرا مجرم ہوں......معافی نہیں مانگ رہا......مہلت چاہتا ہوں......آج یہ زندگی بے فائدہ ختم ہو رہی ہے ......کسی مقصد پہ قربان کرنے دو......تجھے خدا کا واسطا، سوہنے رسول ﷺ کا واسطا، زلیخا کا واسطا۔"خیرو نے اس کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے۔

"خیرو!......تجھے بہت دیر ہو گئی ہے......اگر تو اس حالت میں آنے سے پہلے میرے پاس آکر اپنے جرم کا اقرار کر لیتا تو شاید میں تجھے معاف کرنے کا سوچ سکتا۔"

"غازی شاہ جیسے تیری مرضی ہو اسی طرح مارنا......بس تھوڑی سی مہلت......ایک دن کی......صبح تک کی۔"

"ناممکن ہے۔"اسماعیل کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"ٹھیک ہے غازی شاہ......لیکن ایک وعدہ کرو"

"کیا......؟"

"میری بچی کو بتانا کہ اس کا والد وڈیرے سے لڑتا ہوا مارا گیا......اتنا تو کر لو گے نا؟"

"اگر وڈیرے کو جہنم رسید کر سکا تو کہہ دوں گا۔"

"رب تجھے کامیاب کرے غازی شاہ......"کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں گویا اسماعیل کے لیے اشارہ تھا کہ وہ اپنا کام

کر سکتا ہے۔

''اسماعیل نے اپنے لباس میں چھپائی لمبے پھل والی چھری نکالی جو وہ باورچی خانے سے اٹھا لایا تھا۔اس کا ہاتھ سر سے بلند ہوا لیکن اس سے پہلے کہ وہ نیچے آتا اس کے ذہن میں اکیلے کے الفاظ گونجے۔

''کوئی بھی کام کرنے سے پہلے جذبات کو قریب نہ پھٹکنے دینا۔خوب سوچ کر،اپنا فائدہ مدنظر رکھ کر کام کرنا کیونکہ زندگی کی مثال ون وے روڈ کی طرح ہے جہاں تم پیچھے مڑ کر دیکھ تو سکتے ہو جا نہیں سکتے۔جذباتی فیصلے عموماً دل کرواتا ہے اور یاد رکھو دل الٹی سائیڈ پہ ہوتا ہے،کبھی بھی صحیح مشورہ نہیں دیتا۔زندگی کے فیصلوں میں ہمیشہ دماغ کی پیروی کرو۔''

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے آیا۔اسے خیر بخش کے انداز میں سچائی جھلکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔اور اگر اس کا یہ اندازہ ٹھیک تھا تو وہ اس کے بہت کام آ سکتا تھا۔وہ گھر کا بھیدی تھا۔وڈیرے کے ہاں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا اور وہ اس کام کئی گنا آسان کر سکتا تھا۔

''خیر دین......''اس نے آہستہ سے پکارا،وہ زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا شاید کلمہ پڑھ رہا تھا۔جھٹ آنکھیں کھولتا ہوا بولا۔

''جی؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اگر تو نے دھوکا دینے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں تیری آنکھوں کے سامنے تیرے سارے گھر والوں کو ذبح کروں گا۔''

''مم......میں دھوکا''اسے اسماعیل کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''ہاں دھوکا......کیونکہ میں نے فی الحال تیرے قتل کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

''غازی شاہ رب سوہنا تجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے''اس کے لہجے میں زندگی کی رمق لوٹ آئی تھی۔

''چل اٹھ پھر چلتے ہیں......ہمارے پاس ٹائم کم ہے۔''اس کی بات سن کر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''چلو سائیں......''اس کے لہجے میں عقیدت در آئی تھی۔

وہ اسی راستے پہ واپس چل پڑے جس پہ تھوڑی دیر پہلے اسماعیل اسے کندھے پہ اٹھا کے لایا تھا۔مکانات کا سلسلہ شروع ہوتے ہی خیر دین رہنمائی کے لیے خود بخود آگے ہو گیا۔

''سائیں اگر اجازت ہو تو میں گھر سے کلہاڑی لے لوں؟''اپنے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ مستفسر ہوا۔

''لے لو۔''ایک لحظہ سوچ کے اسماعیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اجازت ملتے ہی وہ سے گھر میں داخل ہوا اور بغیر کسی تاخیر کے کلہاڑی کے ساتھ برآمد ہوا۔ان کا سفر جاری رہا۔

''یہ وڈیرے کی حویلی ہے۔''ایک بڑی سی حویلی کے قریب سے گزرتے ہوئے خیرو آہستہ سے بولا۔

''میں جانتا ہوں......مگر تم تو اسے بائی پاس کر رہے ہو؟''

"ہاں..... کیونکہ وہ شاذ و نادر ہی یہاں رات بسر کرتا ہے۔اس کی زیادہ راتیں اپنے ڈیرے پہ گزرتی ہیں جہاں وہ گاؤں کی معصوم کلیوں کی عزتوں سے کھیلا کرتا ہے۔" خیرو کے لہجے میں دنیا جہاں کا غم و غصہ تھا۔اسماعیل نے اس کی بات پہ کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔تھوڑی دیر بعد وہ وڈیرے کے ڈیرے کے قریب پہنچ گئے تھے۔یہ ڈیرہ کسی بھی طرح حویلی سے کم نہیں تھا۔حویلی اور ڈیرے کی بناوٹ میں بیرونی دیواروں کی اونچائی میں کمی بیشی کے علاوہ کوئی فرق نہیں تھا کہ ڈیرے کی دیواریں حویلی کے مقابلے میں کم اونچی تھیں۔

"سامنے والے بڑے دروازے پہ ایک آدمی جاگ کے پہرہ دیتا ہے باقی لوگ آرام کرتے ہیں..... یوں بھی وڈیرے کی حویلی یا ڈیرے میں گھسنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اچھا یوں ہے کہ ہم دونوں سامنے سے جائیں گے تم چوکیدار سے دروازہ کھلواؤ گے یوں بھی وہ تمھیں اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اسے شک نہیں ہوگا ......اس کے بعد میں جانوں اور میرا کام۔"

"ٹھیک ہے۔" خیرو اسی کی طرح سرگوشی میں بولتے ہوئے ڈیرے کے بڑے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھہرو بات سنو" اچانک ایک خیال اسماعیل کے دماغ میں بجلی کے کوندے کی طرح لپکا اور اس نے خیر دین کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"جی سائیں؟"

"ڈیرے کے اندر کتے ہیں؟"

"اگر آپ کی مراد چار ٹانگوں والے کتوں سے ہے تو وہ نہیں ہیں......دو ٹانگوں والے البتہ پانچ چھ موجود ہوں گے۔"

"پھر یوں کرو......دروازے کی بجائے دیوار سے اندر جاتے ہیں کہ دستک دینے سے کہیں تمام جاگ نہ جائیں......خواہ مخواہ کام بڑھا دیں گے"۔

"نہیں سائیں......گرمیوں کی رات ہے تمام صحن میں سوئے ہوں گے۔دیوار سے اندر جاتے ہی ہم نگاہوں میں آجائیں گے ......باقی جہاں تک دستک دینے کا تعلق ہے تو اس ضرورت ہی نہیں ہے،کوئی نہ کوئی پہرے پہ لازمی ہوگا کہ یہ وڈیرے کا حکم ہے اور جاگنے والے کے لیے ہلکا سا اشارہ ہی کافی ہوگا۔"

"پچھلی طرف سے اندر داخل ہو جاتے ہیں نا؟"

"آخر سامنے کے رخ تو آنا ہی پڑے گا......چاند کی روشنی ہے ہم دور سے ہی نظر آجائیں گے۔"

"کافی تجربہ کار دکھ رہے ہو۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس نے دکھی لہجے میں کہا "ہاں سائیں..... لڑائی بھڑائی کرنا تو نہیں جانتا البتہ چوری چکاری کا ماہر ہوں۔ ساری زندگی اسی کام میں گزری ہے کبھی اپنے لیے اور کبھی وڈیرے کے لیے۔" اور اسماعیل سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بڑے دروزے کے سامنے تھے۔

"دروازہ کھولو بھئی..... میں ہوں خیرو" دروازہ آہستہ سے بجا کر وہ ہلکی آواز میں بولا۔

"خیرو!..... خیر تو ہے" اندر سے بھی دھیمے لہجے میں پوچھا گیا اور اس کے ساتھ ہی بغیر اس کا جواب سنے دروازے کی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ وہ خیرو کی آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا کہ اس نے مزید تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"خیریت ہے غفورے بھائی تم ذرا باہر آ کے بات سنو۔"

"اندر ہی آ جاؤ نا؟"

"نہیں اندر آنے کا ٹائم نہیں ہے تم جلدی کرو۔" خیرو نے بے چینی ظاہر کی۔

"اچھا آ گیا۔" وہ جھک کے کھڑکی سے نکلنے لگا۔ اسماعیل اس وقت دروازے سے ہٹ کے کھڑا تھا، غفورے کو نظر نہیں آ رہا تھا اور اسی لمحے کی تاڑ میں تھا اس سے پہلے کہ وہ مکمل سیدھا ہو پاتا اسماعیل چیل کی طرح اس پہ جھپٹا اور ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کے بازو گردن میں ڈال دیا۔ غفورے اپنی جان چھڑانے کے لیے تڑپا مگر اسماعیل کے صحت مند بازوؤں کے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی۔ اس دوران خیرو خاموش کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ غفورے نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔ اس کی لاش کو دیوار کے ساتھ لٹا کر اسماعیل مستفسر ہوا۔

"باقی کہاں ہوں گے؟"

"سب صحن میں سوئے ہوں گے۔"

"اور وڈیرا؟"

"اس کے لیے حویلی کی چھت پہ سونے کی جگہ بنائی گئی ہے۔"

"کہیں شور کی آواز سے وہ جاگ نہ جائے؟"

"لگتی!..... بے تحاشا شراب پیتا ہے..... اس کے باوجود یہ امکان موجود ہے کہ وہ شور سن کر اٹھ ہی نہ جائے۔" وہ گیٹ کے سامنے کھڑے سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"کرنا کیا ہے، اندر گھس کر کلہاڑیوں سے گردنیں اتار دیتے ہیں حرام زادوں کی۔"

"چلو پھر" اسماعیل نے کہا اور وہ کھڑکی کے راستے اندر گھس گئے۔

ڈیرے کا صحن کافی وسیع تھا اندرونی عمارت اور گیٹ کے درمیان چار چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن میں صرف ایک خالی تھی جو

غفورے کی ہی ہو سکتی تھی۔ عمارت کا طرز تعمیر سادہ تھا۔ چھت پہ جانے کے لیے چوڑی سیڑھیاں برآمدے کی ایک سائیڈ پہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں شانہ بشانہ چلتے ہوئے سوئے آدمیوں کے قریب پہنچ گئے۔ سونے والوں کی کلہاڑیاں سرہانے کی سمت چارپائیوں کے پائیوں کے سہارے کھڑی تھیں۔ خیرو کے پاس اپنی کلہاڑی موجود تھی اسماعیل نے وہیں سے ایک کلہاڑی اٹھالی۔

اسماعیل نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے خیرو کو اسے ہلاک کرنے کی ذمہ داری سونپی اور دوسرے کی گردن کا نشانہ لے کر اپنی کلہاڑی بلند کی۔ دونوں کی کلہاڑیاں آگے پیچھے نیچے آئیں اور دو بندوں کی گردنیں آدھی سے زیادہ کٹ گئی تھیں۔ دونوں کے گلے سے ایک تیز خرخراہٹ نکلی اور وہ زور زور سے ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگے۔ تیسرا بندہ چارپائیوں کی چرچراہٹ سے جاگ گیا تھا۔

''کک کون ہے؟..... کیا ہے ؟'' اس کے منہ سے گھبرائی ہوئی آواز نکلی مگر اسماعیل کی کلہاڑی نے اسے زیادہ بولنے کا موقع نہ دیا۔ تیز دھار کلہاڑی نے اس کے سر کو تربوز کی طرح دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

''چلو اس بڑے لعنتی کے پیچھے۔'' انھیں تڑپتا چھوڑ کر خیرو سیڑھیوں کا رخ کرتا ہوا بولا۔ اسماعیل کو بھی اندازہ تھا کہ ان تینوں کے زندہ بچنے کے امکانات سو میں سے صفر تھے۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے اوپر پہنچے۔ سیڑھیوں کے خاتمے پہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس کی بلندی چھت کی چار فٹی دیوار کے بقدر تھی۔ تمام کمروں کی چھت اکٹھی ہونے کی وجہ سے ایک کشادہ صحن کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وسط میں ایک بڑی مسہری رکھی تھی۔ ان کے اوپر پہنچتے ہی ایک کمسن لڑکی مسہری سے نیچے اتری اس کے بدن پہ کپڑے کا ایک تار بھی موجود نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ خیرو کی بیٹی نادیہ تھی۔ وڈیرا بھی بغیر کپڑوں کے بے سدھ پڑا تھا۔

''ابا۔'' لڑکی سسکتی ہوئی خیرو سے آن لپٹی اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کپڑوں کے بغیر ہے۔ شاید ایک ہوس پرست کی ہوس نے اس کے ذہن سے یہ احساس زائل کر دیا تھا۔ اسماعیل اس کے بدن سے آنکھیں چرا کے مسہری کی طرف بڑھا، مسہری کے ساتھ رکھی کرسی پہ اسے زنانہ کپڑے نظر آئے جو اس نے اٹھا کر خیر دین کی طرف بڑھا دیے۔

''اسے کپڑے پہناؤ۔''

کپڑے اس کے ہاتھ سے لے کر خیر دین اپنی بے حال بیٹی کو پہنانے لگا جو والد کو دیکھ کر ضبط کے سارے بندھن توڑ بیٹھی تھی۔

''خیرو اسے نیچے لے جاؤ ..... میں ذرا وڈیرے سے دو ہاتھ کر لوں۔''

''مگر سائیں .....'' وہ شاید اپنے ہاتھ سے وڈیرے کا سر اتارنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اعتراض کرنے کے لیے لب ہلائے مگر اسماعیل قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔

''خیرو! تم نے یہیں رہنا ہے جبکہ میں نے چلے جانا ہے اس لیے وڈیرے کو قتل کرنا بعد میں تیرے لیے مشکلات کھڑی کر دے گا

۔یہ معصوم راز رکھنے کے قابل نہیں ہے۔'' اسماعیل کا اشارہ نادیہ کی طرف تھا۔

''آپ نے بھی تو زلیخا کا بدلہ.....''

''نہیں میں نے معاف کر دیا'' اسماعیل نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد خیرو بیٹی کو ساتھ لیے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ اسماعیل نے میز پہ رکھا پانی سے بھرا جگ اٹھا کر وڈیرے پہ انڈیل دیا۔

اس کے ہونٹوں سے بے معنی سی آواز نکلی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے بدحواسی کے عالم میں دائیں بائیں دیکھنے اور سر جھٹکنے کے بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا۔

''کون ہو تم؟'' اس کے لہجے کا طنطنہ ختم نہیں ہوا تھا۔ مگر اسماعیل اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔

''تمھیں میری بات کی سمجھ نہیں آئی؟'' وڈیرے نے اٹھنے کے لیے پاؤں مسہری سے نیچے لٹکائے۔ یکدم اسے اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور اس کے ساتھ ہی صورت حال کی سنگینی اس پہ واضح ہوئی۔

''نادیہ کہاں ہے..... تم یہاں کیسے آ گئے..... کہاں مر گئے سب؟''

''حیدر علی شاہ..... نام تو بہت اچھا ہے..... مگر کام..... شاید ابلیس بھی تیری شاگردی پہ فخر کرے؟'' اسماعیل کا وحشت سے پر لہجہ ایسا نہیں تھا کہ وڈیرے پہ اثر نہ کرتا۔

''تت..... تم غالباً زلیخا کے گھر والے ہو؟'' وڈیرا مکمل حواس میں آتے ہی اسے پہچان گیا تھا۔ ''خوب پہچانا ..... تیرے کرگے تو نہ پہچان سکے..... غریب بے خبری میں مارے گئے۔''

''جوان!..... شاید تم مجھ سے اچھی طرح واقف نہیں ہو.....'' وڈیرے نے زیریں بدن پہ چادر لپیٹ لی تھی۔

''تم جیسے ابلیس سے کون واقف نہیں ہوگا؟'' یہ کہتے ہی اسماعیل پیچھے مڑا کہ اسے پشت کی جانب سے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی مگر خیرو کو دیکھ کے اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''خیرو بڑے ٹائم پہ آئے ہو.....'' وڈیرا خوشی سے چہکا۔ مگر خیرو اسے نظر انداز کرتا ہوا اسماعیل سے بولا۔

''سائیں میں بیٹی کو نیچے ایک کمرے میں بٹھا آیا ہوں کیونکہ..... اس ملعون کی موت کا منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''چلو پھر بسم اللہ پڑھو۔'' اسماعیل نے اسے دعوت دی۔

''گردن اور سر کو بچا کے۔'' اسے کلہاڑی سیدھی کرتے دیکھ کے وہ جلدی سے دوبارہ بولا۔

"تت..... تم اچھا نہیں کر رہے غازی شاہ۔" وڈیرے کے لہجے میں خوف کا عنصر نمایاں تھا مگر اس حالت میں بھی اس نے خیرو کو درخور اعتنانہ سمجھا تھا۔

خیرو اس کی بات پہ توجہ دیے بغیر جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھتا رہا۔ وڈیرا گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خیرو تم ہوش میں تو ہو؟" خیرو کا جارحانہ انداز دیکھتے ہوئے وہ گھبرا کے چلایا۔ مگر خیرو نے مطلق اس کی بات پہ توجہ نہ کی اور اس کے قریب جا کے اچانک ایک زوردار وار اس کی پنڈلی پہ کیا ایک کریہہ چیخ وڈیرے کے ہونٹوں سے برآمد ہوئی اور وہ نیچے گر گیا۔

"ٹھہرو خیرو..... پہلے اس کا منہ باندھ لیتے ہیں..... اس کی آواز سن کر کوئی آ نہ جائے۔"

"سائیں کوئی بھی نہیں آتا..... اس ڈیرے سے چیخ و پکار کی آواز آنا معمول کی بات ہے۔ کبھی معصوم بچیوں کی چیخیں بلند ہوتی رہتی ہیں تو کبھی مظلوم جوانوں کی..... گوٹھ میں کبھی کسی نے کان نہیں دھرے۔ آج اس کا نمبر آیا ہے تو بھلا کون سنے گا؟" یہ کہتے ہی اس نے تیز دھار کلہاڑی بلند کی اس مرتبہ وڈیرے کے دوسرے پاؤں کا پنجہ اس کے پاؤں کا حصہ نہ رہا۔ وڈیرے کے منہ سے نکلنے والی چیخ پہلے سے بڑھ کر تھی۔ خیرو کے دل میں پنپنے والی نفرت کو اظہار کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

"مت مارو..... خدا کے لیے معاف کر دو..... مم میں۔" وڈیرے کا سارا وجود لرزنا شروع ہو گیا تھا۔

خیرو نے اس کی اس کی چیخ و پکار پہ دھیان دیے بغیر ایک مرتبہ پھر کلہاڑی بلند کی، نشانہ وڈیرے کا ہاتھ تھا۔ وڈیرا شدت درد سے زور سے اچھلا اور خیرو کی طرف بڑھنے کے ارادے سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کی ادھ کٹی پنڈلی اور کٹا ہوا پنجہ اس کا ساتھ نہ دے سکا اور وہ منہ کے بل نیچے گر گیا۔ خیرو کی کلہاڑی اپنے تسلسل میں بلند ہو کے نیچے آئی اس مرتبہ ہدف وڈیرے کا دایاں بازو تھا مگر منہ کے بل گرے وڈیرے نے اٹھنے کی کوشش کی معتوب ہاتھ اس کا بوجھ نہ سہار سکا اور وہ ایک مرتبہ پھر گرا، گرتے ہوئے اس کی پوزیشن بدلی ہوئی، خیرو کی نیچے آتی کلہاڑی کا پھل بجائے اس کے بازو پہ لگنے کے اس کے سر میں اتر گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی آخری چیخ بہت بھیانک تھی۔ خیرو نے آخری لمحے تک اس کے وجود پہ کلہاڑی کے وار جاری رکھے۔ یہ وہ نفرت تھی جو جانے کب سے اس کے اندر پل رہی تھی۔ یہ وڈیرے کی خوش قسمتی تھی کہ خیرو جلد بازی میں اسے موت گھاٹ اتار چکا تھا ورنہ شاید وہ خود موت کی بھیک مانگتا۔

اس دوران اسماعیل خاموش تماشائی بنا رہا۔ وڈیرے کے وجود کی حرکت تھمتے ہی اس نے خیرو کا بازو پکڑ کر اسے روک دیا۔

"بس کرو خیرو اب یہ جہنم واصل ہو گیا ہے۔" اس کی آواز گویا خیرو کو ہوش کی دنیا میں لے آئی۔

"بڑی جلدی جہنم واصل ہوا ہے سائیں؟"

"غلطی تیری اپنی ہے میاں کہ تجھ سے اس کے بازو اور سر میں فرق نہ رکھا جا سکا؟"

"اب کیا کریں سائیں.....؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اب یوں کرو کہ اپنی بیٹی کو گھر لے جاؤ...... میں بھی جاتا ہوں ادا انور سے رخصت لے کر شہر کا رخ کروں گا تم صبح وڈیرے کے قتل کا الزام میرے سر منڈھ دینا...... وجہ وہی زلیخا کی موت بتانا۔ اپنے گھر والوں کو بھی اصل بات بتانے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو کہنا کہ میں بھی رات کو ڈیرے پہ ہی سویا تھا۔ اور میرے ہاتھوں سے تجھے تیری بیٹی نے بچایا ہے...... اور دیکھا جائے تو یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ تجھے تیری بیٹی کی وجہ سے معاف کر رہا ہوں۔''

''سائیں اللہ آپ کو عزت دے...... یہ بتاؤ شہر تک کیسے جائیں گے آپ؟''

''پیدل۔''

''نہیں شہر کافی دور ہے...... آپ ایسا کریں اس ڈیرے پہ وڈیرے کی تین عمدہ نسل کی اونٹنیاں موجود ہیں ان میں ایک تو ایسی ہے کہ تیز رفتاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور اصیل اتنی ہے کہ کوئی بچہ بھی آسانی سے اس پہ سفر کر سکتا ہے...... اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اسی پہ عازم سفر ہوں''

''چلو پھر یوں کرو اپنی بیٹی کو گھر پہنچا کر یہ اونٹنی تیار کر کے ادا انور کی زمین پہ پہنچو میں ادا سے الوداعی ملاقات کر کے وہیں پہنچتا ہوں...... پانی کے دو مشکیزے اور کچھ کھانے کو بھی ساتھ رکھ دینا۔''

آپ فکر ہی نہ کریں سائیں۔'' خیرو پراعتماد لہجے میں بولا۔

سیڑھیاں اتر کر خیرو کا رخ تو اس کمرے کے جانب ہو گیا جہاں اس نے اپنی بیٹی کو بٹھایا تھا جبکہ اسماعیل تیز قدموں سے انور کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت انور کو ملے بغیر جانا اسے مناسب نہ لگا۔

☆......☆......☆

''سر نتیجہ صفر ہی ہے۔'' عاطف کی سماعتوں میں الیاس کی مایوس کن آواز گونجی۔ وہ اس کی ہمت بندھاتے ہوئے بولا۔

''چلو چند دن مزید دیکھ لیتے ہیں؟''

''جیسے آپ کی مرضی سر...... ورنہ ایسے کاموں میں جو کچھ ہونا ہو بغیر کسی تاخیر کے ہو جاتا ہے۔''

''یہ تو ہے'' اسے الیاس کی تائید کرتے ہی بنی۔'' اچھا پھر نگرانی ختم کر دو۔'' اسے کہتے ہوئے وہ بمشکل فون بند کر پایا تھا کہ گھنٹی دوبارہ بجی۔

''جی عمران؟'' وہ اٹینڈنگ بٹن پریس کرتے ہوئے بولا۔

''سر شمیم کے پاس آج وہی مشکوک سفید فام آیا ہے۔''

''ہوں'' کہہ کر اس نے ایک گہری سانس لی اور ایک لمحہ سوچ کر بولا'' دفتر میں یا......''

"جی نہیں ......" عمران نے اس کا سوال مکمل نہ ہونے دیا۔" اس نے فون کر کے اسے ایک نزدیکی ریستوران میں بلوالیا ہے۔اس وقت دونوں کونے کی ایک میز سنبھالے سرگوشیوں میں مصروف گفتگو ہیں۔"

"کیا ان کی باتیں سننا ممکن نہیں ؟"

"سر اس کے نزدیک کوئی ایسی میز نہیں جس پہ بیٹھ کے ان کی گفتگو سنی جاسکے۔یوں بھی وہ بہت آہستہ بات کر رہے ہیں بالکل نئے پریمیوں کے انداز میں ۔"

"کہیں سچ مچ یہی چکر نہ ہو ؟"

"سر انداز اور چیز ہے، تاثرات اور چیز ہیں ......انداز انھوں نے بے شک محبت کرنے والوں کا اپنایا ہوا ہے لیکن تاثرات کاروباریوں کا سا ہے۔"

"اچھا کوشش کرنا اس دفعہ یہ نکلنے نہ پائے۔"

"سر پہلی دفعہ کا نکل جانا بھی اتفاقاً ہوا تھا اسے تو اپنے تعاقب کا علم ہی نہیں تھا "

"کچھ بھی ہے...... ہمارے ہاتھ سے تو نکل گیا تھا نا؟......اس دفعہ ہر امکان مدنظر رکھتا میں راجہ ذیشان کو تمھاری طرف بھیج رہا ہوں۔"

"میں خیال رکھوں گا سر۔"

"اوکے ۔" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کیا اور ذیشان کا نمبر ڈائل کر کے اسے عمران کے پاس جانے کی ہدایت دینے لگا۔ذیشان کے بعد اس نے الیاس کا نمبر ڈائل کیا۔

"کہاں ہو؟"

"سر! بس تھانے سے نکلنے ہی لگا ہوں ۔"

"وہیں رہو میں تمھارے پاس آرہا ہوں ۔"

"خیریت سر؟"

"آ کر بتاتا ہوں۔"

فون بند کر کے وہ دفتر سے باہر نکل آیا تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی تھانے کی طرف اڑی جارہی تھی۔الیاس اسے تھانے سے باہر انتظار کرتا ملا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

"خیریت تو ہے نا سر؟"

’’ہاں خیریت ہی ہے...... دونوں قیدی باقی ملزمان سے تو جدا رکھے گئے ہیں نا؟‘‘

’’جی سر۔‘‘

’’ان سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے...... تھانیدار کو بتانا پڑے گا ؟‘‘

’’نہیں سر میرے اور عرفان کے بارے انھیں ہدایات دینے والے آپ خود ہی ہیں سیدھا انہی کے پاس ہی چلتے ہیں۔‘‘

’’چلو پھر گائیڈ کرو۔‘‘ اور الیاس نے سر ہلاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔

عاطف کو دیکھتے ہی ان کے چہروں پہ شناسائی کی چمک ابھری مگر انھوں نے کھڑے ہونے کی زحمت نہیں کی تھی۔

’’دروازہ کھلواؤ...... تفتیش کے لیے اندر جانا پڑے گا۔‘‘ الیاس سر ہلاتے ہوئے چابی لینے چل پڑا اور عاطف اس کی واپسی تک انھیں خاموشی سے گھورتا رہا۔ وہ دونوں لاتعلقی سے بیٹھے رہے۔ چند لمحوں بعد ہی الیاس ایک پولیس کے سپاہی کے ہمراہ نمودار ہوا، سپاہی نے خاموشی سے دروازہ کھولا اور واپس مڑ گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

’’اچھا بھائی قیصر تھوڑی سی معلومات درکار تھی اس لیے آپ لوگوں کو دوبارہ زحمت دینی پڑ گئی۔‘‘ عاطف ان دونوں کے سامنے چوکڑی مار کر فرش پہ بیٹھ گیا۔

’’جی......‘‘ قیصر تھوک نگلتا ہوا بولا۔ اسے شاید عرفان کی تفتیش یاد آ گئی تھی۔

’’یہ شمیم نامی کال گرل جو تم لوگوں کے ساتھ پکڑی گئی تھی، اسے تم کب سے جانتے ہو ؟‘‘

’’تقریباً سال ڈیڑھ سال تو ہونے والا ہے۔‘‘

’’تمھارے کام کے بارے وہ جانتی ہے ؟‘‘

’’نہیں سر۔‘‘

’’پہلی ملاقات کہاں ہوئی ؟۔‘‘

’’ایک ریستوران میں۔‘‘

’’پہل کس کے جانب سے ہوئی؟‘‘

’’اسی کی طرف سے ہوئی تھی...... میں ایک اکیلی میز پہ بیٹھا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آئی بیٹھنے کی اجازت چاہی ......اکیلے بیٹھنے کی وجہ دریافت کی......شام کے ٹائم فارغ ہونے کی نوید سنائی اور تعلقات بن گئے۔‘‘

’’معاوضہ کتنا لیتی ہے؟۔‘‘

’’شروع میں ایک دو دفعہ تو میں نے زبردستی کچھ رقم پکڑا دی تھی بعد میں تعلقات کے بل بوتے پہ ہی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔‘‘

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تعلقات کے بل بوتے پہ..... میں سمجھا نہیں؟''

''اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے اور مجھ سے ملنا ہی اس کا معاوضا ہے۔''

''اور تیرا دوست نصیر؟''

''اس کے چاہنے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میرے علاوہ وہ کسی کے پاس نہیں جائے گی..... یہ تو اس کا سائیڈ بزنس ہے..... ہم دونوں معاوضے سے مستثنیٰ تھے اور بس..... یوں بھی ہمیں اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیا کرتی ہے کس کے پاس جاتی ہے..... اسی طرح اس نے بھی کبھی ہمارے کسی اور کو بلانے پہ اعتراض نہیں کیا۔''

عاطف نے اسی طرح کے چند اور سوالات کیے اور الیاس کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا حوالات سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھانیدار کے آفس میں تھے۔ وہ عاطف کا صورت آشنا نہیں تھا مگر دونوں چند مرتبہ فون پہ گفتگو کر چکے تھے۔ تھانیدار بڑی عقیدت سے انھیں ملا۔ رسمی گفتگو کے بعد عاطف براہ راست مطلب کی بات پہ آ گیا۔

''انسپکٹر صاحب!..... دونوں آدمی ہماری طرف سے فارغ ہیں، ان کے حالیہ جرم سے تو آپ واقف ہیں باقی جرائم کی تفصیل میں آپ کو بجھوا دوں گا، آپ اپنی تسلی بھی کر سکتے ہیں ہماری طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے۔''

''بہت مہربانی سر۔'' وہ ممنونیت سے بولا۔

''او کے پھر ہمیں اجازت؟'' عاطف نے جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ مگر تھانیدار نے چائے پلائے بغیر انھیں جانے کی اجازت نہ دی۔

تھانے سے باہر آتے ہی الیاس کے دل میں چھپا سوال ہونٹوں پہ مچلا۔

''سر مجھے اس سوال و جواب کی سمجھ نہیں آئی؟''

''الیاس شمیم نامی عورت مجھے مشکوک نظر آ رہی ہے اور ان دونوں کی بات چیت سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی ہے کہ اس کا کام ان پہ نظر رکھنا تھا۔''

''مگر اسے تو آپ نے رہا نہیں کر دیا تھا؟''

''بالکل..... کیونکہ بظاہر تو وہ مشکوک نظر نہیں آ رہی تھی..... البتہ اس کی نگرانی کرانا میں نہیں بھولا تھا اور نتیجہ سامنے ہے۔''

''کون سا نتیجہ سر؟''

''ایک مشکوک غیر ملکی سے اس کا میل جول نوٹ کیا گیا ہے۔''

''سر وہ اس کا گاہک بھی تو ہو سکتا ہے؟''

"الیاس میاں اتنا اندازہ تو ہمیں بھی ہے......لیکن گاہک گھنٹا گھنٹا بھر ریستوران میں بیٹھ کر راز و نیاز تو نہیں کر سکتا۔ اور ایسی چیزوں کے گاہک رات کو آتے ہیں نہ کہ دفتر ٹائم میں۔"

"کوئی عشق وشق کا چکر نہ ہو سر؟" الیاس نے اس کے طنزیہ لہجے کی مطلق پرواہ نہیں کی تھی۔

"یہ سوال میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا لیکن عمران کے مطابق ان کا انداز محبت کرنے والوں کا سا نہیں ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"اس غیر ملکی پہ ہاتھ ڈالنا ہے شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے؟"

"اور شمیم؟"

"وہ بھی ساتھ ہوگی......اس مرتبہ اس سے جدا طریقے سے تفتیش ہوگی......پہلے تو ہم غلط فہمی میں مارے گئے۔" جواباً الیاس سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

انور بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ کافی دیر اس نے اسماعیل کو اپنے ساتھ لپٹائے رکھا۔

"غازی شاہ اس گھر کے دروازے ہمیشہ تیرے لیے وا رہیں گے۔ گو میں جانتا ہوں کہ ہم تیرے دکھوں میں اضافے کا باعث ہی بنے ہیں لیکن بخدا ایسا نادانستگی میں ہوا ہے......"

"ادا!...... خوشیوں کا ایک لمحہ بھی ہزاروں دکھوں کا مداوا بن سکتا ہے......بشرطیکہ وہ سچی خوشی ہو۔ زلیخا میری زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آئی اور ہمیشہ میری یادوں میں زندہ رہے گی......اس کے قاتل کو میں نے جہنم واصل کر دیا ہے تفصیلات آپ کو خیر دین سے پتا چل جائیں گی......اب میرے پاس ٹائم بالکل ہی نہیں ہے۔ زندگی رہی تو کسی دن ضرور آپ سے ملنے آؤں گا......اور ہاں خیر دین آپ کی زمین واپس کر دے گا وہ بغیر کسی بحث کے لے لیجیے گا اور ہو سکے تو اسے معاف کر دینا اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔"

"شہر تک کیسے جاؤ گے؟"

"وڈیرے کی اونٹنی کے ساتھ خیر دین گوٹھ سے باہر میرا منتظر ہوگا۔"

"اچھا کچھ رقم ساتھ لیتے جاؤ رستے میں کام آئے گی۔"

"ادا!......اگر رقم کی ضرورت ہوتی تو آپ سے مانگنے میں مجھے کوئی شرم مانع نہیں تھی۔"

"تھوڑی سی تو رکھ لو۔" انور التجائیہ لہجے میں بولا۔

"نہیں ادا......" اسماعیل نے اس سے زبردستی مصافحہ کیا اور بیٹھک کے اس کمرے پہ الوداعی نگاہ ڈال کر باہر نکل آیا جس میں اس

نے زلیخا کے ساتھ زندگی کی چند قیمتی اور یادگار راتیں بِتائی تھیں۔

خیرو کو اس نے ادا انور کے کھیت میں اپنا منتظر پایا ایک قوی الجثہ اونٹنی اس کے ہمراہ تھی۔

"خیر دین میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں زیادہ باتیں کر سکوں مختصر یہ کہ میں تجھے معاف کر رہا ہوں ادا انور کو بھی میں نے بتا دیا ہے وہ بھی تجھے معاف کر دے گا۔ وڈیرے کی موت کا سارا الزام آپ لوگوں نے میرے سر دھر دینا ہے کیونکہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ البتہ اتنا کام کر دینا کہ ادا انور سے ہتھیائی گئی زمین اس کے حوالے کر دینا۔"

"میں ایسے ہی کروں گا سائیں..... اگر آپ یہ نہ کہتے تب بھی میں نے زمین انور سائیں کے حوالے کر دینی تھی..... مجھے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں اعتراف ہے..... گو میں ان تمام کا ازالہ تو نہیں کر سکتا البتہ کوشش ضرور کروں گا کہ اپنے کردار پہ لگے چند دھبے ہی مٹا سکوں۔"

"مجھے بھی تم سے یہی امید ہے خیرو۔" اسماعیل اس سے الوداعی مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونٹنی پہ بیٹھا عمر کوٹ کی طرف رواں دواں تھا گو عمر کوٹ سے پہلے چند ایسے شہر موجود تھے جہاں سے اسے گاڑی مل سکتی تھی مگر اتنی بڑی واردات کے بعد اسے وہاں جانا مناسب نہ لگا۔ وڈیرے کی موت کا الزام اپنے سر لینے کے بعد گوٹھ سدرو سے نزدیکی شہروں میں جانا اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا اور وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے سیدھا عمر کوٹ کا رخ کیا۔ گوٹھ میں گزارے ہوئے دنوں کے دوران شہر کے راستوں کے بارے اس نے ادا انور سے اچھا خاصا سمجھ لیا تھا۔ عمر کوٹ، سدرو سے چالیس پینتالیس کلو میٹر دور تھا اور اسے امید تھی کہ وہ دوپہر تک وہاں پہنچ جائے گا۔ سورج نکلنے تک وہ گوٹھ سدرو سے خاصے فاصلے پہ آ گیا تھا۔ خیرو کے کہنے کے مطابق وہ اونٹنی واقعی لاجواب تھی۔ اسماعیل کو اونٹ کی سواری کا اتنا ہی تجربہ تھا کہ گوٹھ شالم سے گوٹھ سدرو تک وہ اونٹ پہ بیٹھ کے آیا تھا اور پچھلے اونٹ کی نسبت اس اونٹنی کی رفتار کافی تیز تھی۔ راستے میں ایک جگہ چند کانٹے دار جھاڑیاں دیکھ کر اس نے تھوڑی دیر وہاں آرام کیا تھوڑا سا کھانا کھایا جو کہ رات کی باسی روٹی اور سبزی کے سالن پہ مشتمل تھا۔ وقت نہ ہونے کے باعث خیرو تازہ کھانے کا انتظام نہیں کر سکا تھا۔ باسی روٹی کے علاوہ اس نے بھنے ہوئے چنے اور گڑ بھی کھانے والے پوٹلی میں باندھ دیا تھا۔ جتنی دیر وہ وہاں بیٹھا رہا اونٹنی کانٹا دار جھاڑیوں پہ منہ مارتی رہی۔ زیادہ دیر آرام کرنا اسے مناسب نہ لگا اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنی سواری پہ بیٹھ کے روانہ ہو گیا البتہ گرمی کی شدت کو دیکھتے ہوئے اس نے اونٹنی کو بھگانے سے گریز کیا۔ چونکہ اس نے مغرب کی سمت سفر کرنا تھا اس لیے تمام راستے وہ سورج کی مدد سے اپنی سمت کا تعین کرتا رہا۔ ٹریننگ کے دوران انھیں سورج اور ستاروں کے ذریعے سمتوں کی پہچان کے طریقے بتلائے گئے تھے۔ آج وہ طریقے اسے عملی زندگی میں کام آ رہے تھے۔ مزید گھنٹا ڈیڑھ چلنے کے بعد اس کا گزر چند چھوٹی چھوٹی بستیوں سے ہوا۔ یہ لامحالہ عمر کوٹ شہر کی مضافاتی بستیاں تھیں ان کے اختتام پہ اسے بہت بڑے شہر کے آثار نظر آ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

☆.....☆.....☆

’’عاطف اس وقت الیاس کے ہمراہ ایک درمیانی درجے کی کوٹھی کے سامنے موجود تھا۔جس میں فیصل کے بقول شمیم سے ملنے والا غیر ملکی مقیم تھا۔فیصل کو اس نے عمران کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ شمیم کو گیسٹ ہاؤس لے جاسکیں۔

’’سر انتظار کس بات کا ہے؟‘‘ الیاس زیادہ دیر انتظار نہ کر سکا۔

’’کسی بات کا بھی نہیں۔‘‘ عاطف ہلکی مسکراہٹ سے بولا۔

’’پھر اندر چلیں ناں؟‘‘

’’اندر چل کر کیا کریں گے؟‘‘

’’آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ اسے گرفتار کرنا ہے۔‘‘

’’سوچ رہا ہوں کہ اگر چند دن نگرانی میں رکھا جائے تو کیسا رہے گا؟‘‘

’’جیسے آپ مناسب خیال کریں۔‘‘ الیاس کوئی مشورہ نہ دے سکا تھا۔

’’ایک اور حل بھی ہے......‘‘ عاطف گویا خود سے مخاطب ہوا لیکن اس کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ الیاس کو پوچھنا پڑا۔

’’وہ کیا سر؟‘‘

’’اگر ہم اسے یوں گرفتار کریں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور پھر اس کی کوٹھی کی نگرانی کراتے رہیں تو لازماً کوئی نہ کوئی اس کا پتا کرنے آئے گا‘‘

’’سر پتا تو فون پہ بھی ہو سکتا ہے......اور جب ہم اسے گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں تو پھر اسے سب کچھ بکنا پڑے گا۔‘‘

’’درست ہے......مگر میری بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بھی کوئی درمیانی مہرہ ہوا تو ہم پھر لٹک جائیں گے۔‘‘

’’امید تو ہے ایسا نہیں ہوگا؟‘‘

’’میں بھی امکانی بات ہی کر رہا ہوں ...... بہرحال، چلو اس کا بندوبست کریں باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔‘‘

الیاس کو وہیں نگرانی کا کہہ کر عاطف کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا اطلاعی گھنٹی بجاتے ہی ذیلی کھڑکی کھول کے چوکیدار باہر آیا۔

’’جی سر؟‘‘ عاطف کا معززانہ حلیہ دیکھتے ہوئے اس کا لہجہ مؤدبانہ ہو گیا تھا۔

’’صاحب گھر پہ ہیں؟‘‘

چوکیدار نے متذبذب لہجے میں کہا۔’’سر یہ ٹائم تو ان کے سونے کا ہے......اور ان کا حکم ہے کہ انھیں کسی صورت جگایا نہ جائے۔‘‘

’’کس ٹائم اٹھتے ہیں؟‘‘

’’پانچ بجے سر۔‘‘ وہ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔اس کی تقلید میں عاطف نے بھی گھڑی پہ نگاہ دوڑائی چار بجنے والے تھے۔

''کوئی بات نہیں میں ایک گھنٹا انتظار کرلوں گا ''

''سر ان کی اجازت کے بغیر......؟''

''یار میں تیرے ساتھ ہی بیٹھ جاؤں گا......اصل میں تیرے صاحب کے ساتھ میری ملاقات طے تھی لیکن غلطی سے ٹائم کا تعین میں نہ کرسکا نہ ہی اس نے کوئی ایسی بات بتلائی کہ وہ فلاں ٹائم میسر نہیں ہوں گے۔''

''آپ نے کس سلسلے میں انھیں ملنا ہے ؟''

''کوٹھی کی خرید وفروخت کے سلسلے میں ان سے بات ہوئی تھی ......''

''مگر یہ کوٹھی تو کرائے کی ہے۔''چوکیدر کے لہجے میں واضح طور شک کی پرچھائیاں ہلکورے لے رہی تھیں۔

''تو میں نے کب کہا ہے کہ یہ کوٹھی خریدنی ہے......میں نے اپنی کوٹھی بیچنی ہے بھئی ۔''عاطف کی اداکاری ایسی نہیں تھی کہ چوکیدار کا شک برقرار رہتا۔

''آئیں سر اگر آپ انتظار کرنے پہ ہی بضد ہیں تو کچھ دیر گپ شپ کرلیتے ہیں ۔''

عاطف اس کے پیچھے اندر داخل ہوا گیٹ کے ساتھ ہی چوکیدار کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا تھا۔کوٹھی اعلیٰ طرز تعمیر کا نمونہ تھی ۔برآمدے کے ستونوں کے ساتھ لٹکتی بیلوں نے اس کی خوبصورتی میں خاطرخواہ اضافہ کیا تھا چھوٹا سا چمن جس کے وسط میں مخملیں گھاس اور سائیڈوں پہ کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن میں مختلف قسم کے خوش نما پھول کھلے ہوئے تھے۔

ایک سرسری نظر سے وہ اتنا ہی دیکھ پایا تھا اس کے بعد اسے چوکیدار کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہونا پڑا۔کمرے کے کونے میں سنگل بیڈ اوراس کے ساتھ لکڑی کی تین کرسیاں بغیر کسی ترتیب کے پڑی تھیں۔چوکیدار نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیں جناب ۔''

وہ اطمینان سے بیٹھتے ہوئے مستفسر ہوا۔''یار بیگم صاحبہ بھی اس وقت آرام فرماتی ہیں ؟''

''صاحب غیر شادی شدہ ہے سر ۔''

''ویسے یہ بہتر ہے ''عاطف نے کھڑے ہوکر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا پسٹل نکالتے ہوئے کہا ۔''اگر محسوس نہ کرو تو ذرا گھوم جاؤ ۔''

پسٹل دیکھتے ہوئے وہ ذرا بھی نہ گھبرایا تھا۔''مسٹر میرا خیال ہے تم کسی غلط جگہ آن پھنسے ہوئے ہو بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ چلے جاؤ اور آئندہ ادھر کا رخ نہ کرنا ۔''

''میرا خیال ہے تمھیں میری بات کی سمجھ نہیں آئی ۔''اس کا اطمینان دیکھتے ہوئے عاطف کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ

صرف دیکھاوے کا چوکیدار ہے۔

''اور تمھیں بھی شاید کسی اور زبان کی سمجھ آتی ہے۔'' کہتے ہوئے وہ اچانک بجلی کے کوندے کی طرح اچھلا۔اس کی گھومتی کک کا نشانہ عاطف کا پسٹل والا ہاتھ تھا۔ایک ہلکا سا قدم اپنی جگہ سے پیچھے لے کر عاطف نے اس کا وار خطا کیا۔وہ وار خطا ہونے سے لڑکھڑا سا گیا تھا،اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر دوسرا حملہ کرتا عاطف اپنی جگہ پہ کھڑے کھڑے گھوما اس کی ایڑی توپ سے نکلے ہوئے گولے کی طرح چوکیدار کی کنپٹی کی طرف بڑھی۔اسے اس وقت پتا چلا جب بوٹ کی مضبوط ایڑی اور اس کی کنپٹی کا ملاپ ہو چکا تھا۔زمین چاٹنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تھا۔

عاطف نے اسی پہ اکتفا نہ کیا۔چوکیدار کے نیچے گرتے ہی اس کے دوسرے پاؤں کی ٹھوکر ٹھیک مضروب جگہ سے ٹکرائی اور اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔

پسٹل اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔اسے جیب میں رکھ کر وہ نیچے جھکا اور چوکیدار کی تلاشی لینے لگا۔اس کی اندرونی جیب میں ایک لوڈ پسٹل کے علاوہ تھوڑی سی نقدی اور اس کا شناختی کارڈ وغیرہ رکھا ہوا تھا جس کے مطابق اس کا نام امانت علی تھا۔موبائل نکال کے اس نے الیاس کا نمبر ڈائل کیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''جی سر؟''

''آجاؤ۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔تھوڑی دیر بعد وہ اس کے پاس تھا۔

''جہاں تک میرا اندازہ ہے کوٹھی میں اصل مجرم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں اور وہ بھی اس کے بقول سویا ہوا ہے۔'' عاطف کا اشارہ چوکیدار کی طرف تھا۔''اس لیے میں اس کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہوں تم اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جلدی جلدی اس کے کمرے کی اور باقی کوٹھی کی تلاشی لے لو۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' کہہ کر وہ جیب میں رکھی پتلی سی ڈوری نکالنے لگا جو اسی مقصد سے ان تمام کی جیب میں ہر وقت موجود رہتی تھی۔

عاطف محتاط انداز میں چلتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہوا۔پسٹل ایک بار پھر اس نے تیار حالت میں تھاما ہوا تھا۔تھوڑی دیر میں ہی وہ تمام کمروں کو سرسری نظر سے دیکھ چکا تھا۔ایک بیڈ روم کے علاوہ تمام کوٹھی خالی پڑی تھی۔وہ بیڈ روم بھی اندر سے لاک تھا۔جیب سے پتلی سی ٹیڑھی تار نکال کر کی ہول میں داخل کرتے ہوئے اس نے مخصوص انداز میں تار کو گھمایا ایک ہلکی سی ''ٹک'' کے ساتھ دروازہ ان لاک ہو گیا۔عاطف نے اندر گھسنے میں دیر نہیں لگائی کہ اس کھٹکے کو سن کر دشمن ہشیار بھی ہو سکتا تھا۔اس کا اندازہ غلط ثابت نہ ہوا وہ مکروہ صورت سفید فام جاگ چکا تھا لیکن اس کی بدقسمتی کہ اس کے کسی ایکشن سے پہلے عاطف اندر داخل ہو چکا تھا۔

''میرا خیال ہے تمھارا ہینڈز اپ کرنا میری گولی اور تمھاری جان بچا سکتا ہے.....تمھاری جان کی تو پھر بھی خیر ہے،گولیاں کافی

مہنگی ہو گئیں ہیں ۔" یہ الفاظ عاطف نے انگلش میں ادا کیے تھے۔ گورے نے ہینڈز اپ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"گڈ......اس کا مطلب ہے میں انگلش بول سکتا ہوں ۔"

"کوئی اتنی اچھی بھی نہیں سر۔" الیاس اندر داخل ہوتا ہوا برجستہ بولا۔

"یار جب ایک گورے کو سمجھ آ گئی ہے تو تجھے بھی مان لینا چاہیے۔"

"مانوں گا تو اس وقت جب میٹرک پاس کرو گے ۔"

"نہیں بھئی یہ مشکل شرط ہے......بہرحال جناب آپ چارپائی سے نیچے اتریں اور ایک قدم میری طرف لے کر گھوم جائیں ......انگلش نہ آنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ڈاکے مارنا ہی چھوڑ دیں۔"

گورے نے اس کی ہدایات پہ بے چوں چراں عمل کیا تھا۔ اس کے گھومتے ہی عاطف نے پسٹل کو نال سے پکڑ کر اس کا دستہ پوری قوت سے گورے کے سر میں رسید کیا۔

وہ "اوغ" کی آواز نکالے ڈھیر ہو گیا۔

"تلاشی لے لی ہے ؟" عاطف الیاس سے مخاطب ہوا۔

"صرف دو کمروں کی لے سکا ہوں۔"

"چلو پہلے اسے باندھ دو۔" اس نے جیب سے ڈوری نکال کر اس کی سمت بڑھائی۔ الیاس کے فارغ ہونے تک وہ بیڈروم کی تلاشی لے چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بقیہ کمروں کی اچھی طرح تلاشی لے کر وہ گورے اور اس کے چوکیدار کو اسی کی گاڑی میں ڈالے گیسٹ ہاؤس کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ الیاس کو اس نے کوٹھی کی نگرانی کے لیے وہیں چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

"سر انھوں نے مسٹر اینڈ مسز تنویر کے نام سے کمرہ بک کرایا تھا۔ ایڈریس کی جگہ پہ فقط روہڑی لکھا ہوا ہے کسی گاؤں دیہات کا ذکر نہیں ہے۔"

"اور تصویر کا کیا بنا ؟" میجر روحیت نے، رندھیر کی بات ختم ہوتے ہی پوچھا۔

"تصویر بھی تیار ہو گئی ہے سر......یہ دیکھیں ۔" اس نے جیب سے ایک تصویر نکال کر روحیت کی طرف بڑھائی ۔تصویر میں روحیت کو ایک عام سی صورت کا نوجوان لڑکا نظر آیا۔

"اس میں تو کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آتی کہ پاربتی جیسی لڑکی اس پہ مرمٹی ہو۔"

"بالکل سر۔" رندھیر نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے کیا میں ایک سوال پوچھ سکتا ہوں ؟"

''پوچھو۔''

وہ جھجکتے ہوئے مستفسر ہوا۔''سر..... پارتی میں ایسی کون سی بات ہے کہ آپ جیسے سینئر ایجنٹ کو اس کی تلاش میں آنا پڑا ؟''

رندھیر کے سوال پر روہیت کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔''نہیں یار..... میں صرف پارتی کی تلاش میں نہیں آیا، اسے ڈھونڈنا تو اس لیے ضروری ہے کہ اس کی غداری کی وجوہات پتا چل سکیں..... ایسی کون سی مجبوری لاحق تھی کہ وہ آستین کا سانپ بن گئی..... باقی اسے اپنے کیے کا پھل بھی تو ملنا چاہیے تاکہ کل کو کوئی دوسرا یہ جرأت نہ کر سکے۔''

''سر ایک مشورہ ہے۔''

''کسی مشورے اور بات کے لیے تجھے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔''

''تھینک یو سر..... میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ پارتی کی تلاش میں ہم جو طریقے بروئے کار لا رہے ہیں اس طرح اس کا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ روہڑی ایک بہت بڑا شہر ہے..... اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ روہڑی شہر کی بجائے کسی دیہات کا رہائشی ہو.....''

روہیت کو تمہید غیر ضروری لگی، وہ اسے ٹوکتا ہوا بولا''تمہید کی ضرورت نہیں رندھیر..... تم جو کہنا چاہتے ہو صاف الفاظ میں کہہ دو۔''

''سر میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اگر ہم کسی سی آئی والے کو پکڑ کر اس سے پارتی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں تو شاید ان سارے بکھیڑوں سے بچ جائیں۔''

''گڈ..... بلکہ ویری گڈ''روہیت کے منہ تحسین آمیز انداز میں نکلا''اس کا مطلب ہے تمھارا دماغ کام کرتا ہے۔''

''تھینک یو سر۔''

''اس وقت تمھارے پاس کتنے آدمی ہیں ؟''

''دس ہیں سر!..... میرے ساتھ گیارہ۔''

''بہت ہیں ..... سب کو دو دو کی ٹولیوں میں شہر میں بکھیر دو..... جس کو بھی خفیہ ایجنسی کا کوئی آدمی ملے باقیوں کو بھی بلا لے تاکہ اسے قابو کرنے میں آسانی ہو۔''

''ٹھیک ہے سر۔''اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔اور روہیت نے سر کے اشارے سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ بغیر کسی تاخیر کے اپنے حکم پہ عمل کرانے کا عادی تھا۔

☆.....☆.....☆

اسماعیل کا ارادہ شہر پہنچتے ہی اونٹنی کو چھوڑ دینے کا تھا۔مگر شہر کے قریب پہنچ کر اچانک اس کا ارادہ اسے بیچنے کا ہو گیا، اتنی قیمتی اونٹنی کو یونہی چھوڑ دینا اسے مناسب نہ لگا۔اس بہانے کچھ رقم بھی اس کے ہاتھ آ جاتی۔پہلے راہگیر سے ہی اسے اچھی رہنمائی مل گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بھائی ساتھ والے گوٹھ میں اجمل سائیں ہی اتنی قیمتی اونٹنی خرید سکتے ہیں۔"

"کتنی دور جانا پڑے گا؟"

"یہ ساتھ ہی تو ہے......آپ اس گوٹھ سے نکلیں جنوب کی سمت پندرہ بیس منٹ کے راستے پر گوٹھ شادن ہے۔ وہاں کسی سے بھی سائیں اجمل کے ڈیرے کا پوچھ لینا"۔

"پندرہ بیس منٹ میں تو میں شہر پہنچ جاؤں گا کیا وہاں ایسا کوئی بندہ نہیں جو اسے خرید سکے؟"

"شہر میں تو کئی مل جائیں گے، لیکن اجمل سائیں جتنے مناسب دام شاید کوئی نہ دے پائے"

"بہت مہربانی بھائی صاحب" اسماعیل نے اونٹنی کا رخ جنوب کی سمت موڑ دیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اجمل کے ڈیرے پہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ دوپہر کی تپتی دھوپ میں برقی پنکھے کی ہوا کافی خوشگوار تاثر دے رہی تھی۔

ٹھنڈے پانی سے اسماعیل کی تواضع کر کے وہ ڈیرے کے صحن میں بیٹھی اونٹنی کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر وہ اسے صحن میں گھماتا رہا پھر اس پہ سوار ہو کے ڈیرے سے باہر نکل گیا اس کا انداز کسی موٹر مکینک سا تھا، جو گاڑی خریدتے وقت اس کے کل پرزے چیک کرتا ہے۔

"جوان!......یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ آپ اسے کیوں بیچ رہے ہیں؟"

"اولاد سے کوئی چیز پیاری نہیں ہو سکتی۔ جس کا اکلوتا بیٹا موت و حیات کی کشمکش میں ہسپتال میں پڑا ہو اس کے لیے اس سے بڑھ کر قربانی دینا بھی ممکن ہے۔"

"صحیح کہا......بہرحال قیمت بتلاؤ؟"

اسماعیل کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اس کی قیمت کتنی ہو سکتی ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ وہ خود سے قیمت نہ بتاتا اور اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا "آپ جو مناسب سمجھیں۔"

"ایک، بیس۔"

اسماعیل ایک بیس کی اصطلاح نہ سمجھ سکا لیکن اس کے باوجود اس نے ایسا تاثر دیا جیسے یہ قیمت اس کے اندازے سے بہت کم ہو۔

"ایک تیس کر لو۔" اجمل اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔

"سائیں مجبور ضرور ہوں لیکن اتنا بھی نہیں۔"

"جوان!......آخری ریٹ لگا رہا ہوں قبول ہو تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کسی دوسرے کے پاس جا سکتے ہیں، میں اس کے ڈیڑھ لاکھ دے سکتا ہوں۔"

یہ قیمت اسماعیل کے اندازے سے کئی گنا زیادہ تھی۔ وہ اپنے تاثرات پہ قابو پاتا ہوا بولا "سائیں ایک ساٹھ پہ تمھاری ہوئی۔"

تھوڑی دیر بعد ایک لاکھ پچپن ہزار کے نوٹوں کا بنڈل اپنی قمیص میں چھپائے وہ عمر کوٹ کا رخ کر رہا تھا۔اس رقم سے اس کی کافی مشکلات حل ہو سکتی تھیں۔

عمر کوٹ میں رات گزارنا اسکے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔اس نے بغیر کسی تاخیر کے بس اڈے کا رخ کیا۔میر پور خاص جانے والی بس کی روانگی میں اتنی دیر تھی کہ اس نے کھانا آرام سے کھالیا۔شام تک وہ میر پور خاص پہنچ گیا تھا۔وہاں سے اسے حیدر آباد جانے والی بس آسانی سے مل گئی رات گئے ایک چھوٹے سے ہوٹل کے کمرے میں لیٹا وہ خود کو کافی محفوظ تصور کر رہا تھا۔دن چڑھے اٹھ کر اس نے کمرے میں ہی ناشتا منگوایا۔اور پھر ہوٹل والے کا حساب بے باک کر کے باہر نکل آیا اس کا رخ بازار کی طرف تھا۔اب وہ شہر میں آ چکا تھا دیہاتی لباس میں کراچی جانا اسے مناسب نہ لگا۔

ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان سے اس نے اپنے لیے دو جوڑے شلوار سوٹ اور ایک تھری پیس سوٹ خریدا۔اسی شاپ کے ڈریسنگ روم میں کپڑے بدل کر اس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو خود کو کافی بدلا ہوا پایا۔اگلی دوکان سے نئے جوتے اور چھوٹا سفری بیگ لے کر وہ کراچی جانے کے لیے تیار تھا۔

☆.....☆.....☆

”سر شمیم کے سلسلے میں ہم سے پہلے کافی غلطی ہوئی ہے ؟“ یہ کہنے والا عرفان تھا۔

”صحیح کہا......لیکن ہمیں پہلے اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔“

”آپ سمجھے نہیں سر......اگر ہم موجودہ تحقیق کو نظر انداز کر دیں تب بھی وہ مشکوک ٹھہرائی جا سکتی تھی۔“

”وہ کیسے؟“ عاطف کے لہجے میں حیرانی تھی۔

”سر جس وقت ہم نے اسے پہلی دفعہ گرفتار کیا تھا اس وقت یہ ان دونوں قاتلوں کے ساتھ فلیٹ میں موجود تھی، حالانکہ وہ اسی وقت واردات سے واپس آئے تھے......اس کا صاف مطلب یہی بنتا ہے کہ وہ ان کی اس کارروائی سے واقف تھی۔“

”نہیں یار فلیٹ میں پہلے سے موجود ہونے کا یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شریک جرم تھی۔وہ دونوں بھی اس بات سے لاعلم تھے کہ یہاں پہ نگران ہے۔“

عرفان نے کچھ کہنے کے لیے لب ہلائے ہی تھے کہ دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹاتے ہوئے ذیشان اور عمران اندر داخل ہوئے۔

”سر بی بی صاحبہ پہنچ گئی ہیں۔“

”گڈ......بیٹھو......“ عاطف نے سامنے پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔”ظفر کے پاس کوئی گیا تھا کیسی ہے اس کی طبیعت ؟“

”پہلے سے کافی بہتر ہے سر۔“

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اچھا اب کام کی بات چیت ہو جائے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ سب حاضر ہوں لیکن زیادہ تر لوگ ڈیوٹیوں پہ ہیں اس لیے آپ سے ہی گزارا چلانا پڑے گا۔"

"جی سر۔" کہتے ہوئے تمام اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آج جو گورا ہم نے گرفتار کیا ہے اس کا تعلق را سے نہیں کسی اور ایجنسی سے ہے۔ کراچی میں مختلف ممالک کی بدنام ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں یہ بات ہم سے مخفی نہیں ہے۔ وقتاً فوقتاً ان تنظیموں کے ایجنٹ گرفتار ہوتے رہتے ہیں، ان سے ہماری آنکھ مچولی برسوں سے جاری ہے۔ تعداد اور وسائل کی کمی کے باوجود ہم نے ہمیشہ ڈٹ کر ان کا مقابلا کیا ہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے...... لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کے موجودہ حالات اور خاص کر کراچی کے حالات آج جس نہج پہ پہنچ چکے ہیں وہ کافی مایوس کن ہیں، ہمیں پہلے سے کئی گنا زیادہ چوکس ہونا پڑے گا...... سرحدوں کی حفاظت پاک فوج نے بڑی اچھی طرح سنبھالی ہوئی ہے جبکہ آستین کے سانپوں سے نبٹنا ہمارا کام ہے۔ غیروں سے لڑنا مشکل نہیں ہے اصل پرابلم اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اپنا سامنے آتا ہے۔ آج ہمارا جوان اپنے مستقبل سے مایوس ہے، اس کی اعلیٰ ڈگریوں کی وقعت ردی کے پلندے سے بڑھ کر نہیں ہمارے سربراہوں کی کوششیں اور صلاحیتیں اپنے اقتدار کو طول دینے میں صرف ہو رہی ہیں۔ انھیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ نئی نسل کا مستقبل کیا ہوگا؟۔ اور وطن کے دشمنوں کا اصل ہدف وہی جوان ہیں جو حقدار ہوتے ہوئے بھی کوئی نوکری حاصل نہیں کر سکتے۔" عاطف ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر اس کا سلسلہ کلام جاری رہا۔

"ہم بہت عجیب قوم ہیں...... ہمارے آپس کے جھگڑے بھی ایسی باتوں پہ ہو رہے ہیں جسے سوچ کر عقل حیران ہے...... قومیں، قبیلے اور زبانیں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے صرف شناخت کے لیے بنائی ہیں اور ہم نے انھیں فخر و برتری کا درجہ دے کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے لگے اور اس ضمن میں قتل و غارت سے بھی دریغ نہ کیا۔ ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پہ کوئی فوقیت نہیں" ہم نے کہا نہیں، ہم سید ہیں، پٹھان ہیں، بلوچ ہیں، جٹ ہیں اور پتا نہیں کیا کیا ہیں...... دین میں فروعی مسائل ہماری آسانی کے لیے تھے ہم نے انھیں کفر و اسلام کا مسئلہ بنا لیا۔ وہ مسائل جن میں افضل غیر افضل کا اختلاف تھا ہماری لڑائی کا میدان بن گئے...... ہمارے سیاستدان اس جوڑ توڑ میں مصروف ہیں کہ، اقتدار کی سنہری چڑیا کس طرح ان کے قابو میں آ سکتی ہے۔ احتساب کا نام ہر سیاسی جماعت کا نعرہ ہے مگر آج تک کسی کو بھی اس کی توفیق نہیں ہوئی...... اس کی وجہ واضح ہے کہ آج کے حزب اقتدار نے کل حزب اختلاف بننا ہے۔ آج وہ احتساب لیتا ہے تو کل اسے بھی تو اس عمل سے گزرنا پڑے گا......" عاطف سانس لینے کے لیے رکا، اس وقفے کو غنیمت سمجھتے ہوئے عرفان بولا۔

"سوری سر قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں لیکن ان حالات کو بدلنا تو ہمارے بس میں نہیں۔"

"بالکل ایسا ہی ہے...... لیکن میری تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔"

عمران نے کہا ''سر ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔''

''ہوگا......؟ لیکن ہماری کارکردگی سے اس کا پتا نہیں چلتا......انڈیا کا ایک میجر ہمارے ہی ملک میں آ کر ہمیں للکارے، ہمارے دوساتھیوں کی پٹائی کرے اور ایک کو ہلاک کر کے چلتا بنے تو اس سے کیا نتیجہ حاصل ہوگا۔''

تمام نے خاموشی سے سر جھکا لیے۔

''دیکھو سر جھکانے سے کام نہیں چلے گا......میں نے یہ ساری صورت حال اس لیے آپ لوگوں کے سامنے رکھی ہے کہ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں......ہمیں اپنی صلاحیتوں سے بڑھ کر کام کرنا پڑے گا۔''

''سر ہم آپ کی توقعات پہ پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔''

''اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے......بہر حال چلو اپنے مہمانوں کا حال احوال پوچھتے ہیں کافی دیر سے منتظر ہوں گے۔'' اور عاطف کی تقلید میں تمام کھڑے ہو گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

کراچی میں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ لوگوں کا ہجوم، گاڑیوں کا رش، چیخ و پکار نفسا نفسی کا عالم سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ دو پونے دوسال بعد واپس آیا تھا۔ اس کے ماضی اور حال میں نمایاں فرق تھا۔ اور اس فرق کی بنیادی وجہ چندرہ ماہ کی جان توڑ ٹریننگ تھی۔ آج وہ اس قابل تھا کہ فاضل علی خان سے اپنے والدین کے قتل کا بدلا لے سکے۔ اس مقصد کے لیے اسے منظم لائحہ عمل ترتیب دینے کی ضرورت تھی وہ کھلے بندوں فاضل کو نہیں للکار سکتا تھا، اسے قانون کے کٹہرے میں بھی لانا اس کے لیے ناممکن تھا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تب بھی وہ اس پہ عمل کرنے والا نہیں تھا۔ وہ اسے اتنی ہی ذہنی و روحانی تکلیف دینا چاہتا تھا جتنی تکلیف کا سبب وہ اس کے لیے بنا تھا۔

دن کا بقیہ حصہ اور پوری رات اس نے ایک درمیانی درجے کے ہوٹل میں سو کر گزارا اگلے دن سب سے پہلے شناختی کارڈ آفس میں جا کر شناختی کارڈ بنوانے کے لیے درخواست دی، پہلا کارڈ جانے کہاں کھو گیا تھا۔ پاکستان کے موجودہ حالات ایسے نہیں تھے کہ شناختی کارڈ کے بغیر گزارا ممکن ہو سکتا۔ اصل فیس سے کئی گنا زیادہ پے کر کے اسے اگلے دن کارڈ لے جانے کا مژدہ سنایا گیا۔

وہاں سے اس کا رخ مارکیٹ کی طرف ہو گیا کہ زیادہ دیر اپنے اصل حلئے میں گھومنا کسی خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ عارضی طور پہ حلیہ بدلنے کا سامان اور چند دوسری ضروری چیزیں لے کے وہ ہوٹل کے کمرے میں واپس آیا تھوڑی دیر بعد چھوٹی داڑھی، گھنی مونچھیں اور گال پہ ایک مصنوعی مسہ لگانے کے بعد اس کی شکل کافی حد تک بدل گئی تھی۔ اس حلئے میں وہ آسانی سے گھوم پھر سکتا تھا۔ حلیہ بدلتے ہی اس نے اپنے محسن مرزا طاہر حسین (پاشا) کے بنگلے کا رخ کیا۔ چندرہ ماہ کی ٹریننگ کے بعد اسے طاہر حسین کی تنظیم کے نظریات سے مکمل اتفاق ہو گیا تھا۔ اپنا انتقام لیتے ہی اس نے اس انقلابی تنظیم کے لیے جی جان سے کام کرنا تھا۔ پاکستان قوم کی نجات اسے انقلاب میں ہی نظر

آ رہی تھی۔اور یہ انقلاب اگر کوئی لاسکتا تھا تو وہ مرزا طاہر حسین کی تنظیم تھی۔طاہر حسین کی رہائش گاہ کا راستہ اسے ازبر تھا وہ بغیر کسی دقت کے وہاں پہنچ گیا۔گیٹ پہ لگا تالا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

اس کے ذہن میں خیال گزرا ''شاید کہیں دعوت پہ گئے ہوں ۔'' لیکن پھر اسے اپنے خیال سے رجوع کرنا پڑا کہ دعوت پہ جانے کی صورت میں چوکیدار تو وہاں حاضر رہتا اس نے کہاں جانا تھا۔

گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جھانکا مگر اس خوب صورت کوٹھی کی اندرونی حالت دیکھتے ہی اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔واضح نظر آرہا تھا کہ وہ کوٹھی آتش زدگی کا شکار ہوئی ہے۔چند لمحے سوچنے کے بعد وہ قریبی کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔کال بیل کے جواب میں چوکیدار نے ذیلی کھڑکی سے جھانکا۔

''جی جناب......؟''

''بھائی آپ سے تھوڑی سی معلومات لینی تھی ۔''

''جی حکم کریں ۔''وہ کھڑکی کے راستے باہر آگیا۔

''آپ یہاں کب سے ہیں ؟''

''کیا مطلب ؟''چوکیدار کے لہجے میں شک آمیز حیرانی تھی۔

''اصل میں بھائی جان مجھے اس کوٹھی کے مکینوں کے متعلق کچھ پوچھنا تھا ۔''اسماعیل نے مرزا طاہر حسین کی کوٹھی کے جانب اشارہ کیا۔''یہاں میرے کچھ عزیز رہتے تھے میں پچھلے ڈیڑھ سال سے ملک سے باہر تھا اب واپسی پر کوٹھی بند پڑی ہے ان کا کوئی فون نمبر بھی نہیں ہے کہ رابطہ کرسکوں ۔''

''اچھا اچھا یہ بات ہے۔''چوکیدار کے لہجے میں اطمینان جھلکنے لگا۔''بھیا اس کوٹھی سے بس اتنی واقفیت ہے کہ ایک دن یہاں آگ بھڑک اٹھی......بعد میں پتا چلا کوٹھی کے مکینوں نے خود لگائی تھی کوئی مجرم وغیرہ یہاں رہائش پذیر تھے...... پہلے سول کپڑوں والے اور بعد میں پولیس بھی کافی تفتیش کرتی رہی ہے......یہ تالا بھی پولیس نے لگایا ہے......مکینوں کا سچ پوچھو تو کچھ پتا نہیں چلا......سنی سنائی باتیں ہیں کہ انھیں پولیس پکڑ کر لے گئی اور وہ ملک دشمن تھے......کوئی کہتا ہے جاسوس تھے۔عام لوگوں کا خیال ہے دہشت گرد تھے، کچھ بھی تھے بہر حال ان کے انجام سے ہم بے خبر ہیں۔''

''بڑی مہربانی بھائی صاحب ۔''اسماعیل اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا واپس مڑ گیا۔

''شاید طاہر حسین نے انقلاب کے لیے اپنی جان قربان کردی ہے ؟''ایک تلخی سی اس کے اندر گھل گئی۔''فاضل کے عبرت ناک انجام کے بعد، میں اس کی تحریک کو جاری رکھوں گا ''اس نے گویا خود سے عہد کیا اور شکستہ دل کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تو گویا اس کا تعلق موساد سے ہے ؟'' صدیقی صاحب عاطف کی بات ختم ہوتے ہی کہا۔

''بالکل سر ''

''یہ تو خیر پہلے سے ہمارے علم میں ہے کہ یہودی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں بہرحال اب ثبوت بھی ہاتھ آ گیا ......اور اس لڑکی اصلیت کیا ہے ؟''

''اصل حقائق سے تو لاعلم ہے مگر ہے انہی کی ساتھی، اس کا کام مختلف پارٹیوں پہ نگاہ رکھنا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں ؟''

''وہ اسے بین الاقوام قاتلوں کی کوئی تنظیم سمجھتی ہے......اس کا ذہنی لیول اس سطح کا نہیں کہ وہ اس سیاست کو سمجھ سکے۔''

''سارمن نام بتایا ہے نا اس ایجنٹ کا ؟''

''جی سر؟''

''اور اسکے بقول کراچی میں وہ اکیلا موساد کا اصلی رکن ہے باقی سارے پاکستانی ہیں جنھیں ان کے اصل حقائق کی خبر نہیں ہے ؟''

''جی سر ؟'' عاطف کا جواب حسب سابق مختصر تھا۔

''کسی دوسرے شہر میں بھی ان کی تنظیم کے افراد نہیں ہیں ؟''

''کوئٹہ، اسلام آباد، پشاور اور لاہور میں اسی طرح کا ایک ایک نمائندہ موجود ہے لیکن ان کے ایڈریس سے یہ واقف نہیں ہے۔''

''تو رابطے کی کیا صورت ہوتی ہے ؟''

''فون۔''

''نمبر لے لیے ہیں ؟''

''جی سر ''

''یہ نمبر اور دوسری جتنی معلومات ان کے بارے پتا چلی ہیں ہیڈ کوارٹر بھجوا دو ۔''

''ٹھیک ہے سر ۔''

''باقی سارمن نے جتنے بندوں کے ایڈریس بتلائے ہیں ان کی گرفتاری کے لیے فی الفور ایکشن لو اس کام میں اگر اضافی نفری کی ضرورت پڑے تو پولیس سے مدد مانگ لینا ؟''

اور عاطف ''جی سر'' کہتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

اسماعیل نے اپنی گلی اور منہدم گھر کو نم آنکھوں سے دیکھا اس کے اندر تلخی سی گھل گئی۔ وہ شکیل سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم اپنے گھر کے جانب اٹھ گئے تھے مگر اپنی جنت کی جگہ نئی عمارت بنتی دیکھ کر وہ زیادہ دیر وہاں کھڑا نہ رہ سکا اور اپنے دوست شکیل کی گلی میں آ کر اس کے انتظار میں ٹہلنے لگا۔ ایک مرتبہ تو اس کے جی میں آیا کہ اس کے گھر بیٹھ کر اس کا انتظار کرے لیکن کسی نامعلوم خیال کے تحت وہ اپنے خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور گلی میں ہی مٹرگشت کرتا رہا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ جلد ہی اسے شکیل نظر آ گیا جو تھکے قدموں، سر جھکائے گھر کی طرف رواں تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی لیکن پہچان نہ سکا۔

''شکیل!'' اس کے آگے گزرتے ہی اس نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ شکیل اچھلتے ہوئے مڑا گلی خالی پڑی تھی ورنہ لوگوں نے لازماً ان کی طرف متوجہ ہو جانا تھا۔

''ڈ...... ڈاکٹر صاحب تم؟'' اس کا لہجہ حیرانی سے پُر تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس کی بے چین نگاہوں نے جس انداز میں اطراف کا جائزہ لیا، اس سے اسماعیل کو شاک سا لگا۔ پرانے دوست کے لہجے میں گرم جوشی کی بجائے، حیرانی اور جاہت کی بجائے احتیاط جھلکے تو ایسے ہی جھٹکا لگا کرتا ہے۔

''ہاں میں...... کیوں مجھے دیکھ کے خوشی نہیں ہوئی؟''

''خوشی بھلا کیوں نہیں ہو گی...... لیکن تو نے حلیہ کیسا بنایا ہوا ہے؟ میں فقط آواز سے ہی تجھ کو پہچان سکا ہوں۔'' اس نے مصافحے کے لیے اس کے جانب ہاتھ بڑھایا۔

معانقے کی بجائے مصافحہ...... اس کے اندر تلخی سی گھل گئی۔ ''حوالات سے بھاگنے والا کھلے عام تو نہیں پھر سکتا نا بھائی۔'' وہ بد مزگی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''ح...... حوالات...... ویسے تم اب تک کہاں چھپے تھے؟''

''بھائی یہ گلی میں کھڑے ہو کر کرنے کی باتیں نہیں ہیں...... کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں؟''

''ک...... کہاں؟...... کہیں پولیس نہ آ جائے یار م...... میں ویسے ہی رگڑا جاؤں گا یار۔''

''بات تو تمھاری ٹھیک ہے......'' اسماعیل اپنے لہجے کی تلخی کو نہ چھپا سکا۔

''تم تو خفا ہونے لگے یار پتا ہے اس سیٹھ فاضل نے میری کتنی پٹائی کرائی تھی تیری وجہ سے۔''

''میری وجہ سے؟''

''ہاں...... تیرے دوست ہونے کے ناطے ان کا خیال تھا کہ میں نے ہی تجھے چھپایا ہوا ہے۔ میں نے مار برداشت کر لی مگر تیرا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بتا ان کو پھر بھی نہ بتایا۔“

”تجھے معلوم کب تھا میرا پتا؟“

”مم...... میرا مطلب ہے، معلوم ہوتا تب بھی نہ بتاتا۔“

”وہ تو خیر تیرے رویے سے ہی نظر آ رہا ہے...... بہرحال...... بہت مہربانی...... چلتا ہوں۔“ کہہ کر وہ مڑا اور اس سے مصافحہ کیے بغیر چل پڑا۔

”بات سنو۔“

”جی فرماؤ۔“

”مجھے معاف کر دینا یار......“ شکیل کی آواز میں ندامت کا تاثر واضح تھا۔

”مجھے اندازہ ہے...... میں خفا نہیں ہوں

”خوش رہو دوست!“ وہ چل پڑا، شکیل نم آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے اندر اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے روک سکے۔ پولیس اور سیٹھ فاضل کے آدمیوں کا سامنا کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

☆......☆......☆

”سر تمام بندے ہم نے گرفتار کر لیے ہیں۔ جن میں چار سرکاری اہلکار ہیں۔ سب اس وقت گیسٹ ہاؤس میں ہیں اور ان سب سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے؟“ عاطف فون پہ صدیقی صاحب سے مخاطب تھا۔

”ٹوٹل کتنے آدمی ہیں......؟“

”پندرہ۔“

”سرکاری آدمیوں سے علیحدہ تفتیش کرنی تھی۔“

”ایسا ہی کریں گے سر۔“

”ویسے کس عہدہ کے ہیں؟“

”سر ایک تھانیدار، دو کلرک اور ایک سپاہی ہے۔ باقی کی تفصیل بعد میں آ کر بتلاتا ہوں۔“

”او کے...... جتنا جلدی ہو سکے......“

”ٹھیک ہے سر۔“ کہہ کر عاطف نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پہ سوچ کی گہری پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس کی محویت دروازے پہ ہونے والے کھٹکے نے ختم کر دی۔

''سر میں اندر آسکتا ہوں؟'' دروازے پہ عرفان تھا۔

''آجاؤ۔''

''سر آپ آئے نہیں؟''

''دل ہی نہیں چاہ رہا یار...... دکھ ہوتا ہے اپنے بھائیوں کے کرتوت دیکھ کر...... جانے چند ٹکوں کی خاطر یہ لوگ اپنے ملک، قوم اور مذہب کے ساتھ غداری کرنے پہ کیسے تیار ہو جاتے ہیں؟''

''سر ان کا قصور نہیں ہے غربت اور بے روزگاری ہی اتنی ہے کہ عام آدمی کا جینا دشوار سے دشوار ترین ہوتا جا رہا ہے۔''

''جو بندے برسر روزگار ہیں وہ کیوں ایسا کرتے ہیں؟''

''سر اچھی زندگی گزارنا کون پسند نہیں کرتا؟ سب گاڑی، بنگلہ، کوٹھی چاہتے ہیں سب کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے اعلیٰ سکولوں میں تعلیم حاصل کریں۔ ان کا علاج بہترین ہسپتالوں میں ہو۔ اپنی بیگمات کو شاپنگ کرانے کے لیے ان کی پسند کی جگہ لے جاسکیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وطن عزیز میں یہ سہولیات ایک مخصوص طبقے تک محدود ہیں۔ اور اس محدود طبقے کے طرز زندگی تک رسائی عموماً مقصدِ زندگی بن جاتا ہے۔ ملک دشمن بھی انھیں ایسے ہی سنہری باغ دکھلا کر اپنے شکنجے میں ایسے کس لیتے ہیں کہ مر کر یا ہمارے ہاتھ چڑھ کر ہی ان کی جان چھوٹتی ہے۔''

''عرفان قناعت ایک بہت بڑی دولت ہے...... پیدل چلنے والا سائیکل موٹر سائیکل کے مالک کی بجائے لنگڑے، لولے کی طرف کیوں نہیں دیکھتا...... اور جہاں تک تعلق ہے دولت کی تقسیم کا تو یہ امرِ خداوندی ہے۔ حرام کھاؤ یا حلال پہ گزارا کرو۔ ملتی اپنی قسمت ہے۔ باقی ملک دشمن سرگرمیوں میں صرف غربا یا نچلے طبقے کے عوام تو شامل نہیں ان میں کافی تعداد امرا اور بیوروکریٹس کی بھی ہے ان کو کس سہولت کی کمی ہے؟''

''بس سر! اپنی کسی غلطی کے باعث بلیک میل ہو جاتے ہیں۔''

''ہونہہ غلطی! وہ غلطی بھی ملک دشمنی کی ہوتی ہے۔''

''اچھا چھوڑیں سر یہ آپ کیا موضوع لے کے بیٹھ گئے...... میں پتا کرنے آیا تھا کہ آپ پوچھ گچھ کے لیے خود آئیں گے یا ہم خود ہی نمٹ لیں۔''

''میرا موڈ تو نہیں تھا لیکن اب آگئے ہو تو چلے جاتے ہیں۔'' عاطف کھڑا ہوتے ہوئے بولا اور وہ آگے پیچھے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

اسماعیل تبدیل شدہ حلئے میں فاضل خان کی کوٹھی کے سامنے صبح سویرے ہی پہنچ گیا۔ کوٹھی کی نگرانی کرتے اسے دوسرا دن تھا۔ پہلا دن تو یونہی نگرانی میں گزر گیا کہ اس نے فقط مکینوں کے آنے جانے کا ٹائم نوٹ کیا۔ جس میں سب سے زیادہ اسے ایک نوجوان لڑکی اہم لگی جو باڈی گارڈز کے جھرمٹ میں کسی یونیورسٹی یا کالج سے واپس آئی تھی۔ فاضل خان اسے سارا دن دکھائی نہیں دیا تھا۔ آج اس کا ارادہ گھر کے کسی نوکر سے معلومات حاصل کرنے کا تھا اس ضمن میں ایک موہوم سا پلان اس کے ذہن میں تھا۔ اور وہ کسی ملازم، ملازمہ کے گھر سے نکلنے کا منتظر تھا پونے آٹھ بجے اسے وہی خوبصورت لڑکی کار میں بیٹھی گیٹ سے نکلتی دکھائی دی جو گزشتہ کل اس نے دیکھی تھی۔ حسب معمول اس کی کار کے پیچھے فاضل خان کے گرگوں کی گاڑی تھی۔ اس حسینہ کی حفاظت کرنے والے کل گرگوں کی تعداد بشمول اس کی کار ڈرائیور کے پانچ تھی۔ اسماعیل کا اندازہ تھا کہ وہ فاضل خان کی بیٹی ہے اگر اس کا اندازہ صحیح تھا تو وہی اس کا اصل ہدف تھی، لیکن اس سے پہلے وہ اس کے بارے ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بے فائدہ کاموں میں اپنی توانائیاں ضائع کرنا اسے استاد نے نہیں سکھایا تھا۔ ایکے کے الفاظ اس وقت بھی اس کی یاداشت میں زندہ تھے۔

''کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اپنے ہدف کا تعین کر لو یہ ہو نہ کام مکمل کرنے کے بعد پتا چلے کہ ساری محنت رائیگاں گئی۔''

اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا جلد ہی ایک ادھیڑ عمر شخص کوٹھی سے نکل کر پیدل ایک سمت کو جاتا دکھائی دیا۔ اس کا رخ قریبی مارکیٹ کی طرف تھا۔ ایسی کوٹھی کے مکینوں کے زیر استعمال اگر درجنوں گاڑیاں ہوں تب بھی ملازمین غریب کم ہی گاڑی کی سیٹ پہ بیٹھ پاتے ہیں۔ چونکہ اسماعیل مسلسل ایک جگہ پہ کھڑا رہ کر کوٹھی کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہ ٹہلنے کے انداز میں کوٹھی کے سامنے چکر اتا رہا۔ ملازم کا رخ اس سے مخالف جانب تھا، وہ بھی سمت بدل کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ دس پندرہ منٹ بعد ہی وہ آگے پیچھے چلتے قریبی مارکیٹ پہنچ گئے۔ ملازم ایک بڑی سبزی کی دکان میں گھس گیا۔ دوکاندار نے جس انداز میں اسے خوش آمدید کیا اس سے اسماعیل کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ اس کا مستقل گاہک تھا۔ اسماعیل اس کے باہر نکلنے تک وہیں ٹہلتا رہا۔ سبزی شاپ سے نکل کر وہ ایک گوشت والے کے پاس گھس گیا اس دوران اسماعیل غیر محسوس انداز میں اس کے تعاقب میں رہا یوں بھی وہ ملازم اتنا ہشیار نہیں تھا کہ اسماعیل کو ٹریس کر سکتا۔ مزید ایک دو دکانوں میں گھسنے کے بعد اس نے واپسی کا قصد کیا۔ اسماعیل اسی موقع کا منتظر تھا وہ جلدی سے آگے بڑھا اور اسے چند قدم دور ہی سے پکارا۔

''ارے چچا عاشق آپ......؟'' یہ کہتے ہی وہ بھاگ کر اس سے چمٹ گیا۔

''ارر......ارے بھائی آپ کون؟'' وہ گڑبڑا گیا تھا۔ ''اور میرا نام عاشق نہیں رمضان ہے۔''

''معافی چاہتا ہوں انکل......'' اسماعیل کے لہجے میں ندامت کے ساتھ گہرے غم کا تاثر تھا۔ ''اصل میں میں کراچی اپنے چچا کی تلاش میں کافی دنوں سے سرگرداں ہوں دنیا میں اس کے علاوہ میرا کوئی نہیں......پہلی نظر میں آپ کی شکل ہو بہو چچا عاشق کی سی لگی اور میں

اپنے جذبات پہ قابو نہ پا سکا...... میں ایک دفعہ پھر معافی کا خواستگار ہوں کہ آپ کو پریشان کیا۔"

"کوئی بات نہیں پتر......" رمضان کے لہجے میں شفقت در آئی۔" اور پریشانی کا ہے کی آپ نے مجھے کون سا تھپڑ مار دیا ہے۔"

"مہربانی چچا جان...... ویسے آپ کو میرا چچا کہنا برا تو نہیں لگ رہا۔"

"بالکل ہی نہیں۔" وہ مسکرایا" بلکہ اچھا لگ رہا ہے۔"

"بہت بہت مہربانی چچا......"

"ویسے تیرا چچا کرتا کیا ہے؟...... اور گم کیسے ہو گیا؟"

"آئیں چچا! ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں وہیں آپ میری کہانی بھی سن لینا...... اس طرح راستے پہ کھڑا ہونا کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔"

اس کے لہجے میں تذبذب در آیا۔" بیٹھ تو جاؤں...... کہیں دیر نہ ہو جائے؟"

"چند منٹ کی تو بات ہے چچا۔"

"اچھا چلو" وہ بادل نخواستہ راضی ہوتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر بعد چائے پیتے ہوئے اسماعیل اسے ایک فرضی کہانی سنا رہا تھا......

"میرے والدین بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے...... میں چچا کے گھر پلا بڑھا، اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے سگی اولاد کی طرح مجھے پالا پوسا، شفقت بھری توجہ دی، اعلیٰ تعلیم دلائی لیکن اس کا صلہ میں نے یہ دیا کہ تعلیم مکمل کرتے ہی اسے بتائے بغیر کراچی بھاگ آیا۔ اسے جب اس بات کا پتا چلا تو وہ بھی اپنے سارے کام ترک کر کے میری تلاش میں کراچی آ گیا۔ میں جب پانچ چھ ماہ بعد ہی روشنیوں کے اس شہر سے گھبرا کر واپس گاؤں لوٹا تو پتا چلا کہ چچا تو میری تلاش میں کراچی پہنچا ہوا ہے۔ اس عمر میں میں نے اس عظیم انسان کو اتنی تکلیف دی...... اتنا تو میں جانتا تھا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔ مگر یہ اندازہ نہیں تھا میری تلاش میں کراچی آ جائے گا۔ آج مہینہ ہونے کو ہے میں ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں، اپنے کیے پہ پشیمان ہوں...... بس اتنی سی ہے میری کہانی۔"

"تو کوئی فون موبائل نمبر نہیں ہے تیرے چچا کا؟" اسماعیل کے دکھی لہجے نے اسے متاثر کیا تھا۔

"چچا فون کا استعمال ہی نہیں جانتا...... اس کے ساتھ وہ ان پڑھ بھی ہے ورنہ میں اخبار میں اشتہار شائع کرا دیتا۔"

"پتر اس کا پڑھا لکھا ہونا ضروری تو نہیں...... تم یوں کرو اس کی تصویر اور نام وغیرہ دے کر یہ اعلان کرو کہ یہ بندہ فلاں تاریخ سے غائب ہے اطلاع دینے والے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔"

"سبحان اللہ چچا...... آپ کے منہ میں گھی شکر...... کیا مشورہ دیا......" اسماعیل گویا پھڑک اٹھا" میرے ذہن میں تو یہ خیال ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں آیا..... یقیناً مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔"

"چلو کوئی بات نہیں اب بھی اتنی دیر نہیں گزری....." اسماعیل کی مشکل کا حل ڈھونڈنے پر اسے خوشی ہوئی۔

"بس چچا آپ کو تو اللہ نے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے....." اسماعیل مزید مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہیں پتر! میں کیا میری اوقات کیا.....؟ بہر حال اب میں چلوں کافی دیر ہو گئی۔ اللہ کرے تیرا چچا تجھے مل جائے۔"

"آمین....." اسماعیل اس کے سامان کے تھیلے کو پکڑتا ہوا بولا "چلو چچا میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں اتنا سامان آپ نے اٹھایا ہوا ہے۔"

"میں چلا جاؤں گا بیٹے.....کوئی اتنا وزنی سامان نہیں ہے..... یوں بھی یہ روزمرہ کا کام ہے۔"

"بیٹا بھی کہتے ہو اور چھوٹی سی خدمت کا موقع بھی نہیں دیتے۔" اسماعیل شکوہ کناں ہوا۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے تم اٹھا لو یہ سامان خفا کیوں ہو رہے ہو۔" اور اسماعیل نے جھپٹ کر سامان پکڑا اور رمضان کے ہمراہ اس چھوٹے سے ہوٹل سے نکل آیا۔

"ویسے چچا آپ کرتے کیا ہیں؟" ہوٹل سے نکلتے ہی اسماعیل سرسری انداز میں مستفسر ہوا۔

"ایک سیٹھ کے ہاں ملازم ہوں بیٹا۔"

"کیا نام ہے سیٹھ صاحب کا..... چچا؟"

"سیٹھ فاضل علی خان ہے..... پتر!"

"یہ وہی سیٹھ فاضل ہیں نا جس کا بڑا بیٹا وکیل ہے اور ایک بیٹی ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے؟"

"نہیں پتر.....آپ جانے کس سیٹھ فاضل کی بات کر رہے ہیں.....ان کی تو ایک ہی بیٹی ہے اور وہ بھی ابھی پڑھ رہی ہے ......روزانہ کسی یونیورسٹی کالج جاتی ہے۔"

"اچھا..... پھر وہ کوئی اور فاضل ہوگا......" تھوڑے وقفے کے بعد اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ویسے انکل یہ امیر لوگ بیٹیوں کو اتنا برا کیوں سمجھتے ہیں.....کیا ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ بیٹی ان کی دولت کسی غیر کے پاس لے جائے گی۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں پتر..... بہر حال سیٹھ صاحب تو اس لحاظ کافی مختلف ہیں۔"

"کیا مطلب..... چچا؟"

"مطلب یہ کہ سیٹھ فاضل تو اپنی بیٹی پہ جان چھڑکتے ہیں۔ حنا بیٹی کو خوش رکھنا ہی ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اگر ہم نے بھی سیٹھ

صاحب سے کوئی کام نکلوانا ہو تو حنا بیٹی کو ہی واسطہ بناتے ہیں۔ اور ان کے مان جانے کا مطلب ہے سیٹھ صاحب کی رضامندی...... بیٹے وہ اس کی کوئی بات ٹالتا ہی نہیں ہے۔ جان چھڑکتا ہے اس پہ جان...... اسے ذراسی تکلیف ہو تو ایسے لگتا جیسے سیٹھ صاحب کو وہی تکلیف شروع ہوگئی ہو...... یقین کرو بیٹا میں نے اتنی محبت کرنے والے باپ کم ہی دیکھے ہیں۔ اور حنا بیٹی بھی! خدا خوش رکھے کہ اس کی کوئی عادت بھی امیروں والی نہیں ہے یقین کریں نوکروں کو کبھی بھی اس نے ملازم نہیں سمجھا۔ مجھے تو چاچو کہہ کر بلاتی ہے۔"

"آپ کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں انکل۔ ورنہ امراء اور ان کے بچے ایسے ہوتے نہیں ہیں۔"

"پتر سیٹھ فاضل خان یقیناً کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ لیکن اس کی بیٹی اور بیوی یقین کرو تعریف کے قابل ہیں۔"

اس مرتبہ اسماعیل خاموش رہا یوں بھی اس نے عام فہم انداز میں کافی کارآمد باتیں رمضان سے اگلوالی تھیں۔ کار والی حسینہ کے متعلق اس کا اندازہ صحیح نکلا تھا کہ وہ سیٹھ فاضل کی بیٹی تھی۔ اب وہ جتنی بھی اچھی تھی اسماعیل کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ریحانہ کی چیخیں آج بھی اسکی سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔ ایسی ہی چیخیں جب تک فاضل خان کے کانوں میں نہ پہنچائی جاتیں اسے سکون نہیں مل سکتا تھا۔

فاضل خان کی کوٹھی تک اسماعیل اسی انداز میں رمضان کا انٹرویو لیتا رہا۔ کوٹھی کے گیٹ سے چند قدم دور اس نے رمضان سے رخصت لی اور اس کے ٹھنڈے گرم کی رہی دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

☆......☆......☆

فیصل نے چوک سے یوٹرن لیا اور واپسی کے لیے مڑا۔ وہ صبح سے یونہی مٹر گشت کر رہا تھا۔ کراچی کی آئے روز بدلتی صورت حال نے ان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے سارے ساتھی بھی اس کی طرح شہر میں مختلف مقامات پہ گھوم رہے تھے یا کسی متعین جگہ مشکوک افراد کو تاڑنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی شیر شاہ کالونی سے ہوتا ہوا وہ نشتر روڈ پہ چڑھا، وہاں سے اس کا رخ ساحل سمندر کی طرف ہو گیا۔ اس دوران ایک سفید کار برابر اس کا پیچھا کرتی رہی۔ فیصل کے ذہن میں تعاقب کا گمان تک نہیں تھا ورنہ اس کی پیشہ ورانہ نظریں آسانی سے تعاقب میں آنے والوں کو بھانپ لیتیں۔

آگے آنے والے دوراہے پہ وہ جناح روڈ کے جانب مڑ گیا اسی اثنا میں اس کا تعاقب کرنے والی کار کی رفتار تیز ہوئی ......اور اگلے ہی لمحے کار کی زوردار ٹکر نے اسے ہوا میں اچھال دیا۔ نیچے گرتے ہی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں تھیں۔ سفید کار رک گئی دو آدمی بھاگتے ہوئے باہر نکلے۔ اردگرد چلنے والی ٹریفک بھی رک گئی تھی۔ زیادہ تر لوگ وہاں فیصل کے گرد جمع ہوگئے۔ سفید کار سے نکلنے والے دونوں آدمیوں میں ایک افسوسناک انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اوہ یہ تو کافی سیریس لگتا ہے...... ہسپتال لے جانا پڑے گا...... چلو اٹھاؤ اسے۔" دوسرے بندے نے اس کی تائید کرتے ہوئے فیصل کے کندھوں کے نیچے ہاتھ ڈالا حاضرین میں سے چند ہمدرد بھی بے ساختہ ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ چند منٹوں میں وہ سفید کار کی

پچھلی نشست پہ منتقل ہو گیا تھا۔سفید کار کا ڈرائیور تیزی سے بولا۔

"بھائی ہم اسے ہاسپٹل لے جا رہے ہیں......آپ لوگ برائے مہربانی کسی طریقے سے قریبی تھانے میں اطلاع دے دو تا کہ پولیس اس کی موٹر سائیکل سنبھال لے۔اب یہ اس قابل نہیں رہی کہ چلائی جا سکے ورنہ ہم یہ بھی ساتھ لے جاتے۔" یہ کہتے ہی اس نے کار آگے بڑھائی اور جناح روڈ پہ موڑ دی۔اسی روڈ پہ تھوڑا سا آگے جا کے وہ اسمبلی ہال روڈ پہ مڑ کے جناح ہسپتال جا سکتا تھا مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"راجو! زیادہ سیریس تو نہیں ہے؟" ڈرائیور پچھلی نشست پہ فیصل کا سر گود میں رکھے بیٹھے شخص سے مستفسر ہوا۔

"سانس تو صحیح چل رہی ہے......امید ہے اتنی جلدی نرگ میں نہیں پہنچے گا۔" اور ڈرائیور نے اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے کار کی رفتار بڑھا دی۔

"رندھیر صاحب کو اطلاع دے دو۔" اس مرتبہ اس کا مخاطب ساتھ بیٹھا ہوا شخص تھا۔وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے موبائل نکال کر نمبر پش کرنے لگا۔

"جی سر! ریش بول رہا ہوں، ہم کامیاب رہے ہیں۔اور ٹھکانے کی طرف روانہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں بھی وہیں پہنچ رہا ہوں......شاید مہاراج بھی تشریف لے آئیں۔" رندھیر جواباً بولا۔

"ٹھیک ہے سر ہم منتظر رہیں گے۔" رابطہ منقطع کر کے وہ ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

"میجر روہیت صاحب بھی شاید آ جائیں۔"

"آج بھگوان نے چاہا تو شاباش ہی ملے گی۔" اور ڈرائیور کی اس بات پہ ان کے چہروں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

"یہ کیسے ہوا؟......فیصل تو بچ گیا ہے نا؟" عاطف کے لہجے میں شامل پریشانی اس کی اپنے ماتحتوں سے گہری محبت کو ظاہر کر رہی تھی۔

"یہ تو معلوم نہیں سر......بس اتنا پتا چلا ہے کہ پولیس کو نامعلوم نمبر سے اس ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی۔خبر دینے والے نے بتایا کہ جس کار کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل کی ٹکر ہوئی وہ اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔جبکہ موٹر سائیکل پولیس والے اٹھا لائے۔ہمارے مخصوص نمبر کو پہچانتے ہی تھانے وار نے ہمیں مطلع کرنا ضروری سمجھا اور میں نے بھی بغیر کسی تاخیر کے آپ تک بات پہنچا دی ہے۔" عمران تفصیل سے صورت حال سے آگاہ کرتا ہوا بولا۔

"ایکسیڈنٹ کی لوکیشن کون سی بتلائی ہے؟"

"جناح روڈ سر۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ٹھیک ہے..... یوں کرو جناح ہسپتال جا کر چیک کرو، اپنے ساتھ سہیل کو بھی لے جاؤ امید ہے وہیں ملے گا۔ اگر خدانخواستہ وہاں نہ ملے تو پھر تمام کو کال کر کے مختلف ہسپتالوں میں چیک کرنے کا کہہ دینا اور جیسے ہی اس بارے کوئی اطلاع ملے فی الفور مجھے آگاہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

"او کے خدا حافظ۔" کہہ کر وہ عمران سے رابطہ منقطع کر کے صدیقی صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"جی عاطف میاں؟" صدیقی صاحب کی آواز آئی۔ اور جواباً وہ اسے فیصل کے ساتھ ہونے والے حادثے کی اطلاع دینے لگا۔

"او کے اس بارے مجھے اپ ڈیٹ رکھنا۔"

"باقی سر ان آدمیوں سے کوئی ایسی اہم بات پتا نہیں چل سکی۔ البتہ چند مزید گندی مچھلیوں کی بابت معلوم ہوا ہے۔ جن کی نگرانی کے لیے آدمی متعین کر دیے ہیں۔"

"انھیں بھی اٹھوا لینا تھا۔"

"ٹھیک ہے سر..... فیصل کے بارے کلیئر ہو جائے تو اٹھوا لیتا ہوں۔" اور صدیقی صاحب نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون آف کر دیا۔

☆.....☆.....☆

اسماعیل کا حلیہ اس وقت بالکل کسی بگڑے ہوئے کالجیٹ سا تھا۔ جینز کی پتلون پہ ہاف شرٹ، پاؤں میں جاگرز اور دائیں ہاتھ میں پکڑی دو تین کتب۔ کوئی شناسا بھی اسے مشکل سے پہچان پاتا۔ یوں بھی یہ دور اس پہ بیت چکا تھا اور یونیورسٹی، کالج اس کے لیے کوئی نئی جگہ نہیں تھی کہ اسے جھجک محسوس ہوتی۔ رمضان نامی ملازم سے معلومات حاصل کرنے کے بعد اگلے روز اس نے حنا فاضل کی کار کا تعاقب کر کے وہ یونیورسٹی دیکھ لی تھی جہاں وہ زیر تعلیم تھی۔ اور پھر ایک ہفتہ اس نے حنا خان کے معمولات پہ گہری نظر رکھی۔ اس کے بعد چند روز اس نے انتظامی کارروائیوں میں گزارے تھے جنھیں فائنل ٹچ دینے وہ آج یونیورسٹی پہنچا تھا۔

جلد ہی اسے، حنا فاضل علی خان اپنے باڈی گارڈز کے ہمراہ گیلری میں نمودار ہوتی دکھائی دی۔ اس کے چاروں باڈی گارڈز اس کے ہمراہ تھے پانچواں صرف ڈرائیور تھا اس لیے اس گاڑی میں ہی بیٹھا رہ گیا تھا۔ اسماعیل ان کی روٹین سے خوب واقف تھا۔ ان کے گیلری میں گھستے ہی وہ باہر نکل آیا اس کا رخ پارکنگ کی طرف تھا۔ پارکنگ میں حنا خان کی مرسڈیز اور اس کے محافظوں کی جیپ اکٹھی کھڑی تھیں۔ ڈرائیور گاڑی سے باہر ٹہلنے کے انداز میں گھوم رہا تھا۔ تھوڑی دیر وہیں گھومنے کے بعد ڈرائیور کا رخ یونیورسٹی کی کنٹین کی طرف ہو گیا۔ اسماعیل جانتا تھا کہ چھٹی تک باقی کا ٹائم اس نے کنٹین میں ہی گزارنا ہے۔

حنا خان کے دو باڈی گارڈ بھی اسے کلاس روم تک چھوڑنے کے بعد کنٹین میں ہی آ جاتے تھے جبکہ دو حنا کے دائیں بائیں موجود رہتے۔ ڈرائیور کے کنٹین کے احاطے میں گھستے ہی اسماعیل دائیں بائیں کا جائزہ لیتے ہوئے محافظوں کی جیپ کے جانب بڑھا۔ جیپ کے

قریب پہنچتے ہی اس نے خود ساختہ ٹھوکر کھائی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی کتابیں زمین پر گر گئیں۔ خصوصاً نوٹ بک کے اوراق تو بے ترتیبی سے بکھر گئے تھے۔ وہ جلدی سے نیچے بیٹھ کر انھیں سمیٹنے لگا۔ بیٹھے بیٹھے ایک دو کاغذ اس نے غیر محسوس انداز میں جیپ کے نیچے سرکا دیے۔ ایک دفعہ پھر دائیں بائیں کا جائزہ لینے کے بعد وہ جیپ کے نیچے کاغذ نکالنے کے بہانے گھس گیا۔ اس وقت ایک ڈکشنری نما موٹی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی۔ نیچے لیٹتے ہوئے اس نے کتاب کو کھولا...... کتاب کے صفحات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ درمیان سے کاٹا گیا تھا ایسے کہ گتے کے کھلتے ہی ایک چوکور شگاف سا دکھائی دیتا۔ اس شگاف میں چھپا چھوٹا سا ڈیوائس نکال کر اسماعیل نے ٹیپ کی مدد سے جیپ کے نیچے ایک مخصوص جگہ پہ چپکا دیا۔ اس کے ساتھ ایک باریک سی لمبی تار بھی موجود تھی جس کا رنگ جیپ کی بیرونی سطح کی طرح تھا۔ وہ تار باہر کی طرف نکال کر اس نے جیپ کی بیرونی باڈی کے ساتھ چپکائی اور جیپ کے نیچے سے نکل آیا اس ساری کارروائی میں بمشکل دو منٹ صرف ہوئے تھے۔ کتابیں سنبھال کر وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے جانب کسی کو متوجہ نہ پا کر وہ اطمینان بھرے انداز میں ٹہلتا ہوا پارکنگ سے نکل آیا۔ ایک مرحلہ بخوبی پورا ہو گیا تھا۔

کنٹین پہ جا کے اس نے چائے پی گھنٹا ڈیڑھ وہیں گزارا اور ایک مرتبہ پھر باہر نکل آیا۔ اس مرتبہ اس کا رخ یونیورسٹی کے گیٹ کے جانب تھا۔ گیٹ سے نکل کے وہ باہر اس انداز میں کھڑا ہو گیا جیسے کسی کا منتظر ہو۔ اس دوران یونیورسٹی میں لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہا جلد ہی اس کی امید بر آئی۔ وہ ایک ٹیوٹا کار تھی جسے ایک کم سن نوجوان ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور وہ کار میں اکیلا تھا۔

اسماعیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

''جی مسٹر؟'' وہ اس کے قریب رکتا ہوا مستفسر ہوا۔

''دوست چوک تک اگر لفٹ مل جاتی......''

''بیٹھو'' وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان لاک کرتا ہوا بولا۔ اور اسماعیل شکریہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ بمشکل پچاس گز چلا ہو گا کہ اسماعیل نے اچانک کہا۔

''ایک منٹ گاڑی روکو۔''

''کیا مسئلہ ہے بھائی؟'' وہ گاڑی روکتا ہوا ناگواری سے مستفسر ہوا۔

''کوئی خاص نہیں ہے۔'' اسماعیل نے جیب سے پرفیوم کی شیشی کی مانند ایک بوتل نکالی اور اس کے سپرے کا رخ اس نوجوان کے جانب کرتے ہوئے بٹن پریس کر دیا۔ بوتل سے ایک تیز پھوار خارج ہو کر اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اس اثنا میں اس نے کچھ کہنے کے لئے لب ہلائے مگر اپنی کوشش میں وہ ناکام رہا۔ زود اثر دوا نے اسے بیہوش کرنے میں ایک دو سیکنڈ لگائے تھے۔

اس کے بیہوش ہوتے ہی اسماعیل نے اسے کھینچ کر اپنی جگہ بٹھایا اور خود ڈرائیور سیٹ سنبھال کر کار آگے بڑھا دی۔ وہ نوجوان اس

انداز میں سیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا جیسے نیند میں ہو۔آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک ایسے روڈ سے گزرا جہاں رش کچھ کم تھا۔وہاں کار روک کر اس نے بیہوش نوجوان کو پچھلی سیٹ پہ منتقل کیا۔کیونکہ گاڑی کے پچھلے شیشے بلیک تھے جن میں باہر سے کچھ دکھائی دینا ناممکن تھا۔تھوڑا سا سپرے دوبارہ اس کے چہرے کرتے ہوئے اسماعیل نے اس کے بیہوشی کے وقفے کو طوالت دی۔تھوڑی دیر وہیں کھڑے انتظار کرنے کے بعد اس نے کار دوبارہ یونیورسٹی کے جانب موڑی۔اسے حنا خان کی چھٹی کا انتظار تھا۔وہ سست روی سے یونیورسٹی کی طرف رواں رہا۔وہ جانتا تھا کہ حنا نے ڈیڑھ پونے دو بجے سے پہلے یونیورسٹی سے نہیں نکلنا۔اگر اس کے پیریڈ نہ ہوتے تو وہ یونیورسٹی کی لائبریری میں گھس کر چھٹی تک کا وقت گزارتی۔ڈیڑھ بجنے میں چند منٹ رہتے تھے جب وہ یونیورسٹی کے گیٹ کے قریب پہنچا۔اس نے موڑ کاٹ کر کار کا رخ اس جانب کیا جس طرف اس کے ٹارگٹ نے جانا تھا۔اور وہیں ٹھہر کر وہ اس کا انتظار کرنے لگا۔اس طرح وہاں عموماً گاڑیاں کھڑی رہتیں اس لیے کسی نے بھی اسے قابلِ توجہ نہیں جانا تھا۔اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا جلد ہی اسے حنا کی مرسڈیز یونیورسٹی کے گیٹ سے نکلتی دکھائی دی۔اس سے چند گز پیچھے اس محافظوں کی جیپ تھی۔ان کے تھوڑا سا آگے بڑھتے ہی اسماعیل کار کو سٹارٹ کر کے ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔سارا کام اس کے پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔اس کا مقصد حنا فاضل علی خان کو اغوا کرنا تھا۔جیسے ہی وہ لنک روڈ آیا جس پہ گاڑیوں کا رش بہت کم ہو جاتا تھا،اسماعیل نے ٹیوٹا کی سپیڈ بڑھا کے جیپ کو کراس کیا۔روڈ خالی ہونے کی وجہ سے حنا کی کار اور اس کے محافظوں کی جیپ کی رفتار میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ایک مناسب جگہ پہ پہنچ کے اسماعیل نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چپٹا سا ریموٹ نکال کر اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا ریموٹ کے سامنے ایک چھوٹی سی بتی لگی ہوئی تھی اس کا رخ جیپ کی طرف کرتے ہوئے اس نے بٹن پریس کر دیا۔جیپ کا اور اس کا درمیانی فاصلہ بیس گز کے قریب تھا۔اگلے ہی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔اسماعیل کی کار بری طرح لہرائی مگر اس نے سنبھال لی۔جیپ کے ٹکڑے بمعہ اس کے سواروں کے ہوا میں اچھلے۔چند گاڑیوں کے ڈرائیور اپنی گاڑیوں پہ کنٹرول نہیں رکھ سکے تھے اور ان کی گاڑیاں دوسری گاڑیوں سے ٹکرا گئیں۔زیادہ تر گاڑیاں اپنی جگہ پہ رک گئیں اور ان کے سوار صورتحال معلوم کرنے کے لیے اترے۔اسماعیل نے اپنی کار بالکل حنا کی مرسڈیز کے ساتھ جا کر روکی۔مرسڈیز کا ڈرائیور بھی اسماعیل کے اندازے کے مطابق کار سے باہر نکلا اور یہ دیکھ کر کہ تباہ ہونے والی اس کے ساتھیوں کی جیپ ہے وہ حادثے کی سمت دوڑا اسماعیل جلدی سے کار سے نکل کر حنا کی مرسڈیز میں گھس گیا۔وہ اپنی سیٹ پہ بیٹھی پیچھے مڑ کے دیکھ رہی تھی۔دروازہ کھلنے بند ہونے کی آواز سن کر اس نے سامنے دیکھا۔

''اے......تم کون ہو؟''حیرانی کے ساتھ اس کے لہجے میں غصہ بھی شامل تھا۔اسے کوئی جواب دینے کی بجائے اسماعیل نے جیب سے سپرے کی شیشی نکال کر اس کے چہرے پہ سپرے کر دیا۔اگلے لمحے وہ اپنی سیٹ کے دائیں جانب گر گئی۔اگر اس کا ڈرائیور جیپ سے نہ نکلا ہوتا تو اس کے ساتھ بھی اسماعیل نے یہی کرنا تھا۔اس ساری کارروائی میں اسماعیل کو چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔مرسڈیز سٹارٹ تھی۔ہینڈ بریک کا بٹن پریس کرتے ہوئے اس نے لیور نیچے کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔کو عموی طور پہ گاڑیاں رک گئی تھیں مگر اتنا

راستہ بہرحال موجود تھا کہ وہ وہاں سے آسانی سے نکل جاتا۔اس کے برعکس ہونے کی صورت میں اسے باہر نکل کر رش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈرائیور کو بیہوش کرنا پڑتا۔اس نے ساری صورت حال کا باریک بینی سے جائزہ لیا تھا۔دائیں بائیں کھڑی گاڑیوں سے مرسڈیز کو باہر نکالتے ہی اس نے رفتار بڑھا دی۔حنا اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر لیٹی ہوئی تھی کوئی بھی دیکھنے والا اسے دیکھ کر یہی سمجھتا کہ وہ سوئی ہے۔تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حنا کا موبائل بجنے لگا۔کار روک کر اس نے پیچھے کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کا پرس اٹھا لیا اسی میں اس کا موبائل پڑا تھا۔

موبائل سکرین پہ پاپا لکھا ہوا آرہا تھا یہ لازماً فاضل خان کا نمبر تھا۔اسماعیل نے کال منقطع کرنیکا بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی موبائل آف کر دیا۔وہ اس وقت فاضل خان سے کسی قسم کی بات نہیں کر سکتا تھا۔

گھنٹا بھر مزید سفر کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچا جہاں عمومی طور پر مڈل کلاس طبقہ یا غرباء کے مکانات تھے۔کار روڈ سے اتار کر وہ گلیوں میں گھس گیا چند گلیاں عبور کرنے کے بعد اس نے کار ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے روکی۔بیک مرر میں اسے دو تین آدمی دکھائی دے رہے تھے وہ ان کے گزرنے کا منتظر رہا جیسے ہی وہ آگے گزر گئے وہ جلدی سے نیچے اترا اور مکان کے دروازے کا تالا کھول کر اس نے حنا کو اپنے بازوؤں میں بھرا اور جلدی سے اندر گھس گیا۔یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں بمشکل دو کمرے ان کے سامنے ایک برآمدہ اور برآمدے ہی میں ایک چھوٹا سا کچن بنا ہوا تھا۔صحن بھی مختصر سا تھا۔یہ مکان اس نے کرائے پہ حاصل کیا تھا۔حنا کو کچے فرش پہ لٹا کے اس نے ایک کمرے کا تالا کھولا اور پھر اسے دوبارہ اٹھاتے ہوئے اندر گھس گیا۔چھوٹے سے کمرے میں بڑی چارپائی جس کا فریم لوہے کا تھا اور اس کی بنائی پلاسٹک کی نوار سے کی گئی تھی۔اسے چارپائی پہ لٹا کے اس نے ایک رسی سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے،منہ پہ ٹیپ چپکائی اور باہر نکل آیا۔کمرے اور مکان کے بیرونی دروازے کو تالا لگا کر وہ دوبارہ کار میں بیٹھا تھوڑی دیر بعد اس کی کار کراچی سے باہر جانے والی سڑک پہ تیز رفتاری سے اڑی جارہی تھی۔

☆.....☆.....☆

فیصل کو ہوش آیا اس نے خود کو فرش پہ بچھے ایک گدے پہ لیٹے پایا۔پہلے تو اسے یاد نہ آیا کہ وہ کہاں آہستہ آہستہ اس کا شعور جاگا اور اسے یاد آیا کہ اس کی بائیک کے پیچھے سے کوئی گاڑی ٹکرائی تھی جس سے وہ پختہ روڈ پہ گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

"لیکن ہوش آنے پہ مجھے ہسپتال یا کسی کلینک میں ہونا چاہیے تھا۔اس کے برعکس وہ جگہ حوالات کے مانند تھی"اس کے ذہن میں ایک سوچ ابھری۔اسی وقت کمرے کا اکلوتا دروازہ کھول کر ایک آدمی نے اندر جھانکا اسے ہوش میں دیکھ کر وہ دروازے سے ہی واپس مڑ گیا۔فیصل کا اندازہ تھا کہ وہ کسی کو اس کے ہوش میں آنے کی اطلاع دینے کے لیے مڑا تھا۔تھوڑی دیر بعد کمرے میں گھسنے والے چند آدمیوں نے اس کے اندازے کی تصدیق کر دی۔سب سے آگے والا چہرہ اسے جانا پہچانا لگا مگر اسے یاد نہ آسکا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنے والے نے آتے ہی اپنا تعارف کرا کے اس کی یہ اُلجھن دور کر دی۔

"مجھے میجر روہیت چکرورتی کہتے ہیں۔" فیصل کے منہ سے ایک گہرا سانس نکلا اسے پتا چل گیا کہ وہ "را" کی قید میں تھا

"یقیناً تُو نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔" روہیت کی آواز میں گہرے تکبر کی جھلک تھی۔

فیصل نے جان بوجھ کر نفی میں سر ہلایا۔

"چلو اب جان جاؤ گے۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں ہے" وہ اطمینان سے بولا۔

"تمھارا نام؟" وہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے مستفسر ہوا۔

"فیصل!"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"تمھیں پتا ہے...... ورنہ اغوا کیوں کراتے؟" وہ بے خوفی سے بولا۔

"بڑی بات ہے بھئی...... بہر حال میں نے تو تمھیں آئی ایس آئی کا سمجھ کے اٹھوایا ہے۔"

"میں سی آئی کا ہوں۔"

"گڈ! تیری صاف گوئی پسند آئی۔"

"مجھے تیری پسندیدگی کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اچھا پاربتی کو جانتے ہو؟" وہ اس کا طنز نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... اب اس کا نام شہزادی ہے...... اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

"مگر کیسے......؟ اتنا بڑا قدم اس نے کیسے اٹھا لیا؟"

"یہ تو میرے رب کا کرم ہے جسے ہدایت دے دے۔"

"مجھے تفصیل سے بتلاؤ۔"

"تفصیل اتنی ہے کہ وہ ہماری قیدی بنی...... اور ایک دن ہمارے ایک آدمی کی غفلت کی وجہ سے قید سے فرار ہو گئی۔ کافی تلاش کے بعد بھی اس کا پتا نہ چلا...... چند ماہ بعد وہ خود بخود واپس آ گئی اور وہ مسلمان ہو چکی تھی اس کے ہمراہ اس کا شوہر بھی تھا؟ بیچ کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں ہے۔" فیصل بیچ کی اہم باتیں حذف کر گیا تھا۔

"وہ واپس کیوں آئی تھی؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"شادی کرنے سے پہلے وہ ماضی سے ناطہ توڑ لینا چاہتی تھی...... اسے خوف تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پہ پہچانی گئی تو اس کا بنا بنایا گھر تباہ ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے گرفتاری دے دی...... ہم نے بھی اس کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔"

"مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔"

"مجھے بھی۔"

"تو سچ بتاؤ تاکہ میں تیرے بارے کوئی نرم فیصلہ کر سکوں۔"

"میجر صاحب! مجھے جو معلوم تھا میں نے بتلا دیا...... اور یوں بھی یہ باتیں میرے ملک کا راز نہیں ہیں کہ میں انھیں چھپانے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھو مسٹر فیصل! میں یہ کیسے مان جاؤں کہ اس نے گرفتاری پیش کی اور آپ لوگوں نے صرف اس کے یقین دلانے پہ کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے اسے معاف کر دیا...... ایسا ہمارے ہاں صرف فلموں میں ہوتا ہے۔ آخر اس نے اپنی بے گناہی، اپنے خلوص کا کیسے یقین دلایا...... اور اتنا عرصہ جو وہ گم رہی تو تم لوگوں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"ہم سے تو تم بھی چھپے ہو...... کیا ہم تمھیں بھی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔"

"جواب بڑا واضح ہے میجر صاحب! اگر آپ خود ہی سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو یہ علیحدہ بات ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے...... اب ذرا میرے سے پاربتی کا ایڈریس بھی بتا دو؟"

"نہیں معلوم...... اگر ہوتا بھی تو نہ بتاتا۔"

"اگر معلوم نہیں تب بھی معلوم کر کے رہیں گے......" رو ہیت ٹھوس لہجے میں بولا اور پھر رندھیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تیرے پاس آج کا دن ہے...... مجھے فقط پاربتی کا پتا درکار ہے...... اس کی زندگی موت سے کوئی غرض نہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں سر۔" رندھیر تیزی سے بولا۔ اور رو ہیت سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"سر تقریباً چھوٹے بڑے تمام ہسپتال دیکھ لیے ہیں...... مگر کامیابی نہیں ہوئی۔"

"اس کا مطلب ہے میرا شبہ درست تھا؟" عاطف خود کلامی کے انداز میں بولا۔

عمران مستفسر ہوا۔ "کون سا شبہ سر؟"

''فیصل کو اغوا کیا گیا ہے.....اسی لیے اس کا موبائل بھی بند ہے۔''

''موبائل تو گرنے سے بھی ٹوٹ سکتا ہے سر؟.....اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ وہ جانبر نہ رہ سکا ہو اور اسے لے جانے والوں نے پولیس کے ڈر سے اس کی لاش کہیں غائب کر دی ہو؟''

''اللہ نہ کرے ایسا ہوا ہو.....ویسے ہو سکتا ہے۔''

''پھر اب کیا کریں سر؟''

''میرا خیال ہے ہاسپٹلز کے سرد خانوں میں بھی چیک کر لینا چاہیے؟''

''اگر وہاں بھی نہ ملا، پھر؟''

''پھر.....انتظار کریں گے کہ اسے اغوا کرنے والوں کے مطالبے کا.....ویسے اسے اغوا کون کر سکتا ہے؟''

''سر مجھے تو یہ 'را' یا کسی اور ایجنسی کا کام لگتا ہے۔''

''ممکن ہے.....بہر حال تمام سرد خانے چیک کر کے مجھے رپورٹ دو.....اور سب کو یہ پیغام بھی پاس کر دو کہ شام آٹھ بجے تمام گیسٹ روم میں حاضر ہوں۔''

''ٹھیک ہے سر؟''

عاطف نے رابطہ منقطع کیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔اپنے ماتحتوں سے اسے بہت لگاؤ تھا،حمید کی موت اور ظفر کے شدید زخمی ہونے میں میجر روہیت کا ہاتھ تھا اور اب فیصل کے اغوا میں بھی اسے میجر روہیت کا ہاتھ محسوس ہو رہا تھا۔چند منٹ سوچنے کے بعد اس نے صدیقی صاحب کو فیصل کے بارے آگاہ کیا۔اور پھر دفتر سے باہر نکل آیا اس کا ارادہ فیصل کی تلاش کے سلسلے میں پولیس کی مدد لینے کا تھا کہ عموماً لاوارث لاشوں کے بارے پہلے پولیس کو ہی خبر کی جاتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک جاننے والے انسپکٹر کے سامنے بیٹھا اسے صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے سر!''اس کی بات ختم ہوتے ہی انسپکٹر بولا۔''میں باقی تھانوں سے بھی ذاتی طور پہ پوچھ لیتا ہوں۔جیسے ہی کوئی اطلاع ملی میں فی الفور آپ کو آگاہ کروں گا۔''

''او کے پھر میں چلوں گا۔''عاطف اٹھتے ہوئے بولا۔

''کھانا کھا کے جاتے؟''

''پھر کبھی سہی۔''عاطف نے کہا اور انسپکٹر سے الوداعی مصافحہ کر کے تھانے سے باہر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

"تم سارے اُلو کے پٹھے ہو...... ہڈ حرام ہو۔" فاضل علی خان کا غصے سے برا حال تھا۔ "اگر بے بی کو ذرا بھی کچھ ہوا تو میں تم سب کو قطار میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دوں گا...... آخر کیسے کوئی اس کو لے گیا...... اور تم بتاؤ۔" فاضل نے مرسڈیز کے ڈرائیور کو گریبان سے پکڑا۔

"تم ماں کے یاروں کی موت کا تماشا دیکھنے گئے تھے...... وہ اگر مردار ہو گئے تھے تو اسی قابل تھے۔ انھیں میں نے بے بی کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی تھی اور وہ خود کو نہ بچا سکے۔" غصے کی شدت میں وہ متکبرانہ بولی بھی بھول گیا تھا۔

"بس...... سیٹھ صاب...... ہم میں صرف چند سیکنڈ کے لیے گاڑی سے نکلا تھا۔ پیچھے مڑ کے دیکھا تو گاڑی غائب تھی۔ میں سوچا کہ شاید بے بی خود چلی گئی ہے، اسی لیے میں نے آپ کو فی الفور اطلاع کر دی تھی۔"

ڈرائیور کو پیچھے کی طرف دھکیل کر وہ شیر خان سے مخاطب ہوا۔

"شیرو اپنے تمام آدمیوں کو شہر میں پھیلا دو...... مجھے شام سے پہلے بے بی صحیح سلامت واپس چاہیے۔"

"جی سیٹھ صاحب۔" شیرو آہستہ سے بولا۔

"اب دفع ہو جاؤ سب۔" وہ غصے سے دھاڑا اور تمام کمرے سے نکل گئے۔ ان کے باہر نکلتے ہی اس نے پولیس ایس پی کا نمبر ڈائل کیا۔

"جی سیٹھ صاحب......" رابطہ ہوتے ہی پولیس ایس پی کی آواز آئی۔

"ایس پی صاحب کچھ پتا چلا؟"

"سیٹھ صاحب جیسے ہی کچھ پتا چلا میں خود آپ کو کال کر کے اطلاع دوں گا...... آپ پریشان نہ ہوں اللہ خیر کرے گا۔"

"ایس پی صاحب ہماری بے بی بہت معصوم ہے...... اسے کچھ ہو گیا تو......؟"

"دیکھیں سیٹھ صاحب بیٹیاں سب کی معصوم ہوتی ہیں اور جتنے بھی تھانے میرے زیر کمان ہیں سب کو ریڈ الرٹ کر دیا ہے...... انشاء اللہ جلد ہی کوئی حل نکل آئے گا۔ آپ کے پاس بھی اگر کسی کا فون آئے تو ہمیں ضرور مطلع کرنا۔" اس مرتبہ ایس پی کی بات کا جواب دیے بغیر فاضل نے فون بند کر دیا۔ ایس پی کی طفل تسلیاں اسے اطمینان نہ دلا سکیں۔

ایک دو دفعہ اس نے پھر حنا کا نمبر ٹرائی کیا مگر اس کا موبائل آف تھا۔ "ایسا کون کر سکتا؟ کوئی دشمن یا اغوا برائے تاوان۔" مگر ذہن پر زور دینے پہ بھی اسے کچھ سجھائی نہ دیا۔ اسے یقین تھا کہ اغوا کرنے والا گروہ جلد ہی اس سے رابطہ کرے گا۔ اس نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا کہ حنا کے بازیاب کراتے ہی وہ اس گروہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔ چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔

موبائل کی گھنٹی اسے سوچوں کی دنیا سے باہر لے آئی۔ موبائل سکرین پہ چمکتے بے بی کے لفظ نے اسے اچھلنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"ہیلو بے بی...... کہاں گم ہو...... اور فون کیوں نہیں اٹینڈ کر رہیں...... پولیس کا پورا محکمہ تیری تلاش میں سرگرداں ہے۔"

''آرام سے سیٹھ فاضل علی خان صاحب..... چھری تلے دم لو۔'' مردانہ آواز نے اس کی تیزی سے چلتی زبان کو لگام دے دی تھی۔ ''بے بی فی الحال سوئی ہوئی ہے..... میں ہوں نا اس کا نمائندہ..... مجھ سے بات کرو، اس نے سونے سے پہلے حکم دیا تھا کہ جب تک میرے پاپا دس لاکھ ڈالر کی ادائی نہیں کر دیتے مجھے نہ جگانا..... اب میں تو اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا..... اس کے پاپا کا پتا نہیں؟''

''تم ذلیل کمینے.....''

''نہ..... نہ سیٹھ صاحب..... یہ نہ کرنا..... کہیں تمھاری گندی زبان سے نکلنے والے الفاظ سن کر بے بی اپنے پاؤں میں رسہ باندھ کر چھت سے الٹی نہ لٹک جائے؟ ہم سب تو اس غلام ہیں.....؟ ہماری کہاں سنے گی..... یہ بھی ہو سکتا ہے غصے میں آ کر حکم دے دے کہ چابک یا کوڑے سے میری پٹائی کرو..... ہم تو پھر مجبور ہو جائیں گے ناں؟ حنا فاضل علی خان کی بات کو ٹالنا شاید ممکن نہ ہو؟''

''پیسے کہاں بھیجوں؟'' وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے مستفسر ہوا۔ بیٹی اسے بہت عزیز تھی اور اس کی مجبوری یہ تھی کہ گیند اغوا کرنے والوں کے کورٹ میں تھی اور اپنی باری کا انتظار کرنا ضروری تھا۔

''عجیب بات ہے سیٹھ صاحب..... آج تو اپنی بولی ہی بھول گئی ہے تمھیں..... یعنی پیسے کہاں بھیجوں، حالانکہ کہنا چاہیے تھا!..... پیسے کہاں بھیجیں یا بھجوائے دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ..... بہر حال تمھاری مرضی یہ کوئی ایسا ایشو نہیں کہ اس پہ بے بی کو غصہ آئے اور وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے پہ مجبور ہو۔''

''مسٹر! تمھیں جو درکار ہے ملے گا مگر یاد رکھنا بے بی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ورنہ.........؟''

''سیٹھ صاحب پھر وہی بے بی کا دل دکھانے والی باتیں..... بتایا تو ہے دس لاکھ ڈالرز کا بندوبست کرو۔ ادائی امریکن ڈالرز میں ہو گی۔ سارے سو سو کے پرانے نوٹ ہوں۔ پولیس اور اپنے کتوں کو سمجھا دینا کہ کسی بھی قسم کی دخل اندازی سے بے بی کا آنکھ، ناک، کان میں سے کوئی بھی عضو ضائع ہو سکتا ہے..... میرا کیا ہے کرائے کے ٹٹوؤں کی میرے پاس بہتات ہے۔ ایک دو ضائع بھی ہو گئے تو کوئی بات نہیں.....

ع اور لے آئیں گے بازار سے گر ٹوٹ گیا۔

اور تیرا یہ خیال کہ پولیس کو خبر دینے سے مجھے پتا نہیں چلے گا بہت بڑی بھول ہے۔ پولیس میں صرف تیرے ہی نہیں میرے خیر خواہ بھی موجود ہیں جو مجھے ہر چھوٹی بڑی بات سے مطلع رکھتے ہیں۔ یونہی تو اتنا بڑا گروہ میں ہینڈل نہیں کر رہا۔''

''رقم کہاں پہنچانی ہے؟''

''تم رقم کا بندوبست تو کرو میں.........اوہ لو!'' فاضل سے بات کرتے کرتے وہ خود کلامی کے انداز میں بولا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

فاضل خان نے جلدی سے رنگ بیک کیا مگر نمبر بند تھا۔ اس کی ''اوہ لو'' فاضل خان کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ شاید اس نے کوئی

انہونی بات دیکھ لی تھی اب وہ انہونی کیا تھی اس بارے اندازہ لگانا دشوار تھا۔ پولیس سے بات کرنے سے اس نے منع کر دیا تھا اگر وہ منع نہ کرتا تب بھی اپنی جنگ لڑنا وہ خود جانتا تھا۔ پولیس سے کسی خیر کی توقع اسے بھی نہیں تھی پاکستانی پولیس کی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہونے والا بھلا کب پولیس کا سہارا لیتا ہے۔

ایک نتیجے پہ پہنچ کر اس نے شیر خان کا نمبر ڈائل کیا اور اسے دس لاکھ ڈالر کا بندوبست کرنے حکم دیا۔ دس لاکھ ڈالر بہت بڑی رقم تھی مگر حرام کا مال اس نے بہت زیادہ جمع کیا ہوا تھا۔ اپنی بیٹی کے لیے وہ اس سے بھی زیادہ خرچ کر سکتا تھا۔ یوں بھی یہ گروہ اسے کافی خطرناک دکھائی دے رہا تھا۔ جس انداز میں انھوں نے حنا کو اغوا کرنے کی پلاننگ کی تھی وہ کسی سڑک چھاپ گروہ کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ حنا کے محافظ تو بغیر چوں کیے پرلوک سدھارے تھے۔ ایک دفعہ تو اس کے جی میں ڈیوی سے مدد لینے کا خیال آیا مگر پھر یہ خیال اسے ذہن سے جھٹکنا پڑا کہ اس طرح تنظیم کے بڑوں کے دل میں اس کی نااہلی کا تصور جگہ پا سکتا تھا اور اسے یہ گوارہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اسماعیل نے فاضل خان کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ حنا کے اغوا میں پورا گروہ ملوث ہے۔ اور اپنی کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب رہا تھا۔ اسی بات چیت کے دوران اچانک اس کی نظر پولیس کے ناکے پہ پڑی۔

''اوہ نو۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اس نے رابطہ منقطع کرنے کے ساتھ موبائل بھی آف کر دیا۔ اسے سرعت سے فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ سو گز کی دوری پہ کھڑے پولیس والے بڑی تندہی سے گاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ نہ تو وہ واپس مڑ سکتا تھا اور نہ ہی اس کے لیے گاڑی سے اتر کر پیدل جانا ممکن تھا کہ وہاں کوئی ایسی جگہ موجود نہیں تھی جہاں وہ چھپ سکتا۔ بیک مرر دیکھنے پہ اس کی نظر ایک موٹر سائیکل سوار پہ پڑی جو بڑے سلیقے سے لائن میں چل رہا تھا۔

ایک حتمی فیصلے پہ پہنچتے ہوئے اس نے بغیر انڈیکیٹر دیئے یکدم کار کو دائیں جانب موڑا۔ موٹر سائیکل سوار اپنی پوری کوشش کے باوجود موٹر سائیکل کو کار کے سامنے کے حصے سے ٹکرانے سے نہ روک سکا۔ اتنا کلوز اگر وہ انڈیکیٹر دے کے موڑتا تب بھی موٹر سائیکل سوار نہ سنبھل پاتا۔ کار روک کے وہ آندھی وطوفان کی طرح نیچے اترا اور نیچے گر کے اٹھتے موٹر سائیکل سوار پہ حملہ آور ہوا۔ ارد گرد چلنے والی ٹریفک رک گئی تھی۔ دیکھنے والوں نے سمجھا شاید وہ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے موٹر سائیکل سوار پہ حملہ آور ہوا ہے۔ لیکن جب تک عوام اور پولیس صورت حال کو سمجھ پاتے اس نے ایک زوردار گھونسے سے موٹر سائیکل سوار کو دوبارہ نیچے گرایا اگلے ہی لمحے وہ موٹر سائیکل کے اوپر تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ اسے اس بات کا تھا کہ گرنے سے موٹر سائیکل کو کوئی ایسا نقصان نہ پہنچا ہو جس سے وہ چلنے کے قابل نہ رہے۔ مگر اس کی خوش قسمتی کہ موٹر سائیکل صحیح حالت میں تھی۔ کک لگا کر موٹر سائیکل کو سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پیچھے موڑا اور گاڑیوں کے درمیان بنے تنگ شگاف نما راستوں پر پیچھے نکلتا چلا گیا۔ پندرہ بیس گز دور جا کر اس نے موٹر سائیکل دائیں جانب روڈ کے کنارے کے ساتھ کر لی۔ سو گز کی

دوری پہ یوٹرن تھا وہاں سے اس نے صحیح سمت اختیار کی اور فل سپیڈ میں موٹر سائیکل دوڑانے لگا۔ اسی اثناء میں اس کے کانوں میں پولیس کے سائرن کی آواز آئی وہ یقیناً صورت حال سے واقف ہو گئے تھے۔ اسماعیل بال بال بچا تھا۔ اسے اپنی بیوقوفی پہ شدید غصہ آیا۔ پولیس اور فاضل خان کو غلط راستے پہ ڈالنے کے لیے وہ بہت دور نکل آیا تھا۔ اسے بہت پہلے اس کار کو خیر باد کہہ دینا چاہیے تھا۔

پولیس کاڑیوں کی آواز آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ اگلا چوک کافی دور تھا۔ سیدھے روڈ پہ موٹر سائیکل بھگانا اتنا مشکل نہیں ہوتا لیکن وہ جانتا تھا کہ پولیس کے پاس موجود موٹر سائیکلوں کی رفتار کافی تیز ہوتی ہے۔ انھوں نے جلد ہی اسے آلینا تھا۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس لباس اور موٹر سائیکل سے جان چھڑا کر ہی وہ محفوظ ہو سکتا تھا۔ چوک سے پہلے آنے والے ایک لنک روڈ پہ بائیک موڑ کر اس نے رفتار مزید بڑھائی مگر یہ آخری حد تھی۔ اس سے زیادہ رفتار میں وہ موٹر سائیکل نہیں دوڑ سکتی تھی۔ آگے آنے والے مین روڈ کو کراس کر کے اس نے بائیک گلیوں میں گھسا دی۔ اسی وقت اس کے کانوں میں فائر کی آواز آئی مگر لامحالہ یہ ہوائی فائر تھا۔ دوسرے فائر سے پہلے وہ تنگ گلیوں کی بھول بھلیوں میں گھس گیا تھا۔ اب پولیس کی گرفت سے بچنا آسان تھا۔ تاہم اس طرح کا تھا کہ گلیوں میں لوگوں کا رش تھا عصر کے ٹائم یوں بھی گھر کوئی نہیں بیٹھتا۔ موٹر سائیکل سوار بھی کافی تعداد میں گھوم رہے تھے جن کی اکثریت جینز میں ملبوس تھی۔ وہ نارمل رفتار سے موٹر سائیکل دوڑانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بازار میں آنکلا۔ ایک جگہ چند موٹر سائیکلیں پارک دیکھ کے اس نے بائیک وہیں کھڑی کی ٹوکن لے کر موٹر سائیکل کی چابی اس نے جان بوجھ کر ہینڈل لاک میں چھوڑ دی اور دائیں بائیں دوکانوں کا جائزہ لیتے ہوئے چل پڑا۔ جلد ہی اسے مطلوبہ دکان نظر آ گئی۔ یہ ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان تھی وہ بے دھڑک اندر گھس گیا چند لمحوں بعد سفید کاٹن کا شلوار سوٹ پہنے وہ دوکان سے باہر نکل رہا تھا۔ شاپر میں بند پرانے لباس کا بنڈل اس کی بغل میں تھا۔ ایک کچرے کے ڈرم پہ نظر پڑتے ہی اس نے وہ بنڈل اس میں پھینکا اور ہاتھ جھاڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

”سر اس سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا......وہ واقعی اس کے بارے نہیں جانتا۔“

”مسٹر رندھیر یہ کیسے ہو سکتا کہ وہ اس کے بارے نہ جانتا ہو؟“ روبیت کے لہجے میں حیرانی تھی۔ ”تم لوگوں نے پوچھ گچھ صحیح طریقے سے نہیں کی ہوگی۔“

”سر یہ تو آپ اس کی حالت دیکھ کر بتائیں کہ ہم خاطر خواہ پوچھ گچھ کر سکے ہیں یا نہیں؟“ رندھیر کا مودبانہ لہجہ کافی پُر اعتماد تھا۔

”تو پھر؟......یہ جدوجہد تو فضول رہی۔“

”سر وہ کسی عاطف نام کے سینئر کا حوالہ دیتا ہے جس سے پارتی نے ملاقات کی تھی۔“

”یعنی اب عاطف کو گرفتار کرنا پڑے گا؟“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"سر اس کا فون نمبر فیصل کے موبائل میں موجود ہے اگر ہم فیصل کی زندگی کے بدلے پاربتی کا ایڈریس دریافت کریں؟......شاید کوئی کامیابی ہو جائے۔"

"فیصل کی زندگی کے بدلے وہ پاربتی کی موت کب گوارہ کریں گے؟ یوں بھی ہمیں اس کے ایڈریس سے آگاہ کر کے وہ اسے کسی دوسری جگہ چھپا بھی سکتے ہیں......اور سب سے بڑھ کر انھیں میرے مشن کی سن گن مل جائے گی کہ میری آمد کا مقصد پاربتی کی تلاش ہے۔اس طرح پاربتی جو مطمئن ہے اسے بھی چوکنا ہونے کا موقع مل جائے گا۔تم یوں کرو اسے ہلاک کر کے کسی چوراہے پہ پھینکوا دو۔اب یوں بھی سی آئی کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہو چکا ہے کسی دن یہ عاطف بھی سامنے آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے سر......اور کچھ؟"

"میرا خیال ہے ایک اور کام کرتے ہیں؟" روہیت کا لہجہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیا سر؟" رندھیر مستفسر ہوا۔

"تم یوں کرو......؟ ذرا جا کے فیصل سے عاطف کا حلیہ تفصیل سے دریافت کرو؟"

"سر وہ میں نے پہلے سے کر لیا ہے......میانہ قد، گورا رنگ، ہلکے براؤن بال، مضبوط باڈی، موٹی سیاہ آنکھیں، ستواں ناک، چہرے پہ چھائی معصومیت سے کالج بوائے نظر آتا لیکن ہے بہت خطرناک۔فیلڈ کی ساری کارروائیوں کو وہی ہینڈل کرتا ہے۔"

"گڈ پھر یوں کرو............" وہ اسے تجویز بتانے لگا۔رندھیر کے چہرے پہ ابھرنے والے تحسین آمیز تاثرات میجر روہیت کی خاموش تائید کر رہے تھے۔اس کی بات ختم ہوتے ہی رندھیر جوش سے بولا۔

"یہ بہت عمدہ تجویز ہے سر۔"

"چلو پھر تم کو سمجھا کر عمل کرنا شروع کر دو"

"اور رندھیر "ٹھیک ہے سر۔" کہہ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

"تو تمھارا نام حنا فاضل علی خان ہے؟" اسماعیل چارپائی پہ بندھی حنا کے سامنے لکڑی کی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"جی......جی!" وہ تھوک نگلتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"کس کلاس میں ہو؟"

"فورتھ ایئر میں۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"سبجیکٹ کون سا ہے؟"

”بی بی اے کر رہی ہوں۔“

”تو بس بات یہ ہے کہ تم اغوا ہو چکی ہو...... تمھاری بدقسمتی کہ تم فاضل خان جیسے گھٹیا اور خبیث آدمی کی بیٹی ہو، جسے بہرحال آدمی کہنا آدمیت کی توہین ہے۔ اور یہ بات تجھے بہت دکھ دینے والی ہے...... لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ تمھیں کم سے کم تکلیف پہنچے تو برائے مہربانی مستی اور نخرہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ اگر تم نے بھاگنے، چیخنے چلانے یا کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو...... یہ خنجر دیکھ رہی ہونا؟“ اسماعیل نے ایک تیز دھار خنجر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ ”یہ گلے کو یوں کاٹتا ہے جیسے چھری سے گاجر مولی کاٹی جاتی ہے۔“

حنا کے خوبصورت چہرے پہ چھانے والے خوف کے اثرات اسماعیل کی توقع سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

”سمجھ آئی کہ...... کوئی چیز کاٹ کر دکھاؤں...... میری مراد تمھارے ہاتھوں پیروں کی انگلی یا ناک کان سے ہے۔“

”بس...... سمجھ گئی...... سمجھ گئی۔“ وہ جلدی سے بولی اور اسماعیل بے رحمانہ انداز میں مسکرا دیا۔

”آپ کو ایک کمزور لڑکی پہ ترس نہیں آتا...... آخر میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟“ وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ ”کیا تمھاری ماں بہن نہیں ہے؟“

اسماعیل کو اس سے اسی قسم کے سوال کی توقع تھی۔ جواب دینے کی بجائے وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اگلے ہی لمحے ”چٹاخ“ کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ حنا کا سرخ و سفید چہرہ خون کی طرح لال ہو گیا تھا، اسماعیل کی انگلیوں کے نشان پھول سے چہرے پہ ثبت ہو گئے۔

”میرا خیال ہے تجھے جواب مل گیا ہے...... اور سمجھ بھی آ گیا ہے۔“ وہ غصے سے پھنکارا۔

جواباً وہ خاموش رہی تھی۔ یہ اس کے چہرے پہ لگنے والا پہلا تھپڑ تھا۔ اسے تو کبھی کسی نے ڈانٹا بھی نہیں تھا۔ اس کی غلافی آنکھیں چھلک پڑیں مگر اسماعیل اسے نظر انداز کرتا ہوا کمرے سے نکل کر کچن میں گھس گیا۔ اس کے نزدیک اس کی حیثیت ایک ناگن سے بڑھ کر نہیں تھی۔ اس کی زندگی کا مقصد فاضل خان کو تکلیف پہنچانا تھا اور اس مقصد کے لیے وہ ہر قدم اٹھا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چھابے میں چند روٹیاں اور سبزی کی پلیٹ لیے دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ کھول کے وہ کرخت لہجے میں بولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

”کھانا کھالو۔“

”مم...... مجھے...... بھوک نہیں ہے۔“ وہ منمنائی۔ لیکن چہرے پہ لگنے والے تھپڑ نے اسے دوبارہ چارپائی پہ گرا دیا تھا۔

”جب ایک مرتبہ کہا ہے کہ مستی نخرہ نہیں چلے گا...... صرف عمل...... جو کہا ہے اس پہ عمل مانگتا ہوں، مجھے چوں چراں سے سخت نفرت ہے۔ سیٹھ زادی صاحبہ۔“ یہ کہتے ہی اس نے اس کی ریشمی زلفوں کو گرفت میں لیتے ہوئے اٹھا کر بٹھا دیا۔ اس مرتبہ نہ کرنے کی بجائے اس نے لرزتے ہاتھوں سے نوالہ توڑا اور کھانے لگی۔ وہ سارے دن کی بھوکی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا تھا مگر ان

حالات میں اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ بمشکل آدھی روٹی کھا سکی۔

''ٹائیلٹ جانا ہے؟'' اس کے سامنے سے روٹیوں کا چھابہ سائیڈ پہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

منہ سے کچھ کہنے کی بجائے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''منہ میں زبان نہیں ہے کیا؟''

''جج..... جانا ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ اسماعیل نے پاؤں کی رسی کھول کر اسے آزاد کیا تاکہ وہ ٹائیلٹ تک جا سکے۔ اس کے فریش ہونے تک وہ صحن میں اس کا منتظر رہا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلی وہ اسے دوبارہ کمرے میں لے آیا۔

''یہ برتن اٹھا کر کچن میں چلو۔'' اس نے کھانے کے برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔ حنا بے چوں وچرا برتن اٹھائے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ان برتنوں کے علاوہ بھی کچن میں برتن موجود تھے۔

''انھیں فٹافٹ دھو دو تاکہ تجھے آرام کے لیے چھوڑ سکوں۔'' خود وہ کچن کے دروازے پہ کرسی رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔ حنا نے اس سے پہلے کبھی برتن نہیں دھوئے تھے ایک دفعہ اسے چائے کا کپ کھنگالتے دیکھ کر ملازمہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

''حنا بی بی خدا کے لیے دوبارہ ایسا مت کرنا، اگر سیٹھ صاحب نے دیکھ لیا تو ہم غریبوں کی نوکری تو جائے گی ہی جائے گی جان کے لالے بھی پڑ جائیں گے۔''

البتہ اس نے ملازماؤں کو کئی دفعہ برتن دھوتے دیکھا تھا یوں بھی یہ کوئی ایسا ٹیکنکل کام نہیں تھا کہ اس سے نہ ہو سکتا۔ جلد ہی وہ کام سے فارغ ہو گئی اس دوران اسماعیل نے ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔

''کل سے صبح کا ناشتا اور کھانا بھی تُو نے بنانا ہے۔''

''مم..... میں نے.....'' وہ شاید کھانا بنانے سے ناواقفیت کے بارے بتانے لگی تھی کہ اس کی نظر اسماعیل کے چہرے کی طرف اٹھی اور وہ جلدی سے بولی۔ ''بب..... بنا لوں گی۔''

''اسی میں تیری بہتری ہے۔'' اسماعیل نے الماری سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر ایک ہتھکڑی سے اس کے ہاتھ جکڑے اور دوسری ہتھکڑی کا ایک سرا اس کے ہاتھوں میں باندھی ہوئی ہتھکڑی کی زنجیر میں ڈال کر چارپائی سے باندھ دیا۔ اس طرح کہ اب وہ صرف دائیں کروٹ یا پیٹھ کے بل لیٹ سکتی تھی۔ پاؤں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

اسے باندھ کے وہ بولا۔ ''تمھارے گھر میں ایئر کنڈیشن ہوگا اور لوڈ شیڈنگ کا تو گزر بھی نہیں ہوتا ہوگا کہ ایک چھوڑ دو دو جنریٹرز، یو پی ایس وغیرہ لگے ہوں گے۔ بہر حال یہاں تجھے سرکاری بجلی اور اس چھوٹے سے سلنگ فین پہ گزارا کرنا پڑے گا۔ اگر رات کو ٹائیلٹ جانے کی حاجت ہو یا پیاس لگے تو مجھے آواز دے دینا۔ اس کے علاوہ اگر مجھے تیری چوں سنائی دی یا رونے سسکیاں بھرنے کی آواز آئی تو

پھر تیرے منہ پہ تو ٹیپ چپکاؤں گا ہی اس کے علاوہ جو تیرا حشر کروں گا اس کے متعلق تیرے وہم وگمان میں بھی کچھ نہیں ہے۔"

"سمجھ آئی؟" اسے خاموش پا کے وہ پھنکارا۔

"جج......جی......جی" وہ جلدی سے بولی، اور اسماعیل کمرے کو تالا لگاتے ہوئے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

"ایس پی صاحب عجیب بات ہے کہ مجرم اتنی آسانی سے فرار ہو گیا اور پولیس کے ہاتھوں خالی گاڑی آئی۔"

"سیٹھ صاحب اس کی خوش قسمتی کہ اسے موٹر سائیکل مل گئی ورنہ وہ کبھی نہ بھاگ سکتا......بہر حال یہ پتا تو چل گیا نا کہ ہماری بیٹی کراچی میں ہی ہے۔"

"بڑی اہم اطلاع ہے۔" فاضل کا لہجہ طنز سے بھر پور تھا۔

ایس پی اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے مستفسر ہوا۔" آپ سے کسی نے رابطہ نہیں کیا؟"

"نہیں" سیٹھ فاضل نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ پولیس پہ اعتبار کر کے وہ اپنی بیٹی کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

"اچھا آپ کی گاڑی اورنگی ٹاؤن کے تھانے میں ہے آپ کسی کو بھیج کر وہاں سے منگوا لیں......اور جس وقت بھی اغوا کار کا فون آئے مجھے فوری اطلاع کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے ایس پی صاحب!" وہ بیزاری سے بولا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا ایس پی؟" اس کی بیوی مستفسر ہوئی، اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھ کر کوئی بھی اس کے غم کا اندازہ آسانی سے کر سکتا تھا۔

"ہماری پولیس کی کارکردگی جس معیار کی ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو؟......ایس پی صاحب مجھے یہ خوش خبری سنا رہے تھے، کہ مجرم ان کی ناکا بندی سے باعافیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"فاضل یہ کیا ہو گیا؟...... ہماری خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی......گڑیا تو اتنی معصوم تھی ظالموں کو ترس بھی نہ آیا......پتا نہیں ظالموں نے کھانا بھی دیا ہو گا کہ نہیں؟" فاضل کی بیوی رخشندہ سسکیاں بھرنے لگی۔ فاضل خان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ یوں بھی اس کا اپنا دل رونے کو کر رہا تھا......انا آڑے نہ آتی تو شاید وہ خود کو روک نہ پاتا۔

☆......☆......☆

تمام ممبرز کی آمد جاری تھی۔ ابھی تک وہ اکٹھے نہیں ہو پائے تھے۔ سب کے آجانے کے بعد ہی عاطف ان کے سامنے تازہ صورت حال رکھنا چاہ رہا تھا۔ زیادہ تر لوگ کانفرنس روم میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ عاطف کے ساتھ آفس میں صرف عرفان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

، ذیشان اور الیاس موجود تھے۔

''الیاس پتا کرو کون اب تک نہیں پہنچا؟'' عاطف الیاس سے مخاطب ہوا۔

الیاس سر ہلا کر اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ عاطف کے فون کی گھنٹی بجی...... موبائل پر نظر ڈالتے ہی وہ تیز لہجے میں عرفان سے بولا۔

''عرفان...... ہری اپ...... فیصل کے موبائل سے کال آ رہی ہے میں اٹینڈ کرنے لگا ہوں تم جا کر لوکیشن دیکھو کس جگہ سے بات ہو رہی ہے۔ میں اسے باتوں میں لگاتا ہوں۔'' اور پھر اس کا جواب سنے بغیر موبائل کان سے لگا لیا۔

''جی فیصل......؟''

''مسٹر عاطف؟......'' اس کی سماعتوں میں ایک اجنبی لہجہ گونجا۔

''عاطف ہی بول رہا ہوں...... آپ کون؟...... یہ تو فیصل کا نمبر ہے۔''

''مسٹر عاطف قدوسی کو میجر روہیت کہتے ہیں......'' اس مرتبہ بولنے والے کی آواز میں استہزائی پن نمایاں تھا۔

''میجر روہیت!...... فرمائیں؟''

''وہ تو میں فرماؤں گا ہی...... کیا تمھیں اپنا بندہ زندہ درکار ہے......؟''

''لاریب۔''

''کیا کہا؟''

''میرا مطلب ہے...... ہاں!'' عاطف نے وضاحت کی۔

''ایسے کہو نا؟...... بہر حال مسٹر عاطف میرے دو مطالبے ہیں اگر پورے کر سکو تو فیصل کو باعافیت لے جا سکو گے ورنہ قتل کرنا یوں بھی میرا دل پسند مشغلہ ہے۔''

''ارشاد......؟''

''نمبر ایک مہاراج پاشا کے قاتل کو میرے حوالے کرو۔ نمبر دو......؟...... قاتل میرے حوالے کر دو۔''

''دیکھو میجر چکرورتی...... جہاں تک پاشا کے قاتل کا تعلق ہے تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے گرفتاری کے خوف سے خود کشی کی تھی۔ اس نسبت سے اپنا قاتل وہ خود ہوا۔ اور جہاں تک دوسرے مطالبے کا تعلق ہے تو اس کے لیے مجھے اپنے سینئرز سے اجازت لینی پڑے گی؟''

''تم جھوٹ بول رہے ہو...... مہاراج خود کشی نہیں کر سکتا۔'' روہیت کے لہجے میں بے یقینی ہلکورے لے رہی تھی۔

''تجھے یقین دلانا میرے لیے آسان نہیں ہے...... لیکن میں بطور مسلم یہ وضاحت کر دوں کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا...... اور الحمد

اللہ میں مسلم ہوں۔"

"یہ خوب کہی ....." روہیت ہنسا۔" میرے خیال میں تو ایسے مسلم زیر زمین چلے گئے ہیں اور اب اکثریت سیاستدانوں کا مزاج رکھنے والوں کی ہے۔"

"نہیں، آپ!.....اکثریت میں تو نہیں، اقتدار میں کہہ سکتے ہیں ....." عاطف نے جان بوجھ کر بات کو طول دیا۔ جواباً اسے میجر روہیت کا بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا۔

"قاتل کی بابت کب تک کنفرم کرو گے؟"

"گھنٹا ایک لگ جائے گا۔" عاطف کے ہونٹوں پہ یہ بات تھی کہ عرفان کمرے میں داخل ہوا اس کے چہرے پہ چھائے جوش کے اثرات اس کی کامیابی کا مظہر تھے۔

"ٹھیک ہے میں فیصل کی موت کو گھنٹے ڈیڑھ کے لیے مؤخر کر دیتا ہوں۔"

"کیا اس سے بات ہو سکتی ہے؟" عاطف نے کاغذ پہ "تیار ہو جاؤ" لکھ کر عرفان کی سمت بڑھایا اور خود روہیت سے محو گفتگو رہا۔

"کرا دیتا اگر وہ ہوش میں ہوتا، البتہ گھنٹے بعد شاید اسے ہوش آجائے پھر بات کرا دوں گا۔"

"اوکے.....میں کنفرم کر کے تمھیں بتاتا ہوں۔"

"میں منتظر ہوں......"

"تیری موت بہت بھیانک ہو گی میجر۔" وہ رابطہ منقطع کرتا ہوئے بولا۔ اور پھر سرعت سے کانفرنس روم کی طرف بڑھ گیا۔وہاں تمام اسے چلنے کے لیے تیار نظر آئے۔

"صرف الیاس، عمران، عرفان، ذیشان اور اشفاق ساتھ چلیں گے باقی سب اپنی ڈیوٹیوں پہ لوٹ جائیں۔" عاطف نے کانفرنس روم میں گھستے ہی اعلان کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دو کاروں میں سوار، عرفان کے لوکیٹ کیے ہوئے ٹارگٹ کی طرف تیز رفتاری سے بڑھے جا رہے تھے۔ایک بات رہ رہ کر عاطف کے ذہن میں خلش پیدا کر رہی تھی کہ اتنی سامنے کی بات میجر روہیت جیسے ایجنٹ کی نظروں سے کیسے اوجھل رہی کہ فون کے ذریعے اس کی لوکیشن پتا چل سکتی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اس خدشے کا اظہار عرفان سے بھی کر دیا۔

"سر جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے.....مکھی شیرے پہ بیٹھتی ہے اور مچھلی دانے کو منہ میں لیتی ہے۔"

"پھر بھی؟.....کوئی پھندا نہ ہو۔" عاطف کے لہجے میں تشویش تھی۔

"جانا تو پڑے گا نا سر؟" الیاس پچھلی نشست سے پکارا۔

''وہ تو ہے۔'' عاطف کے چہرے پہ پھیکی ہنسی نمودار ہوئی اور کار میں خاموشی چھا گئی۔

☆......☆......☆

''تو بات کہاں تک پہنچی تھی مسٹر سیٹھ فاضل علی خان صاحب عرف پدر بزرگوار حنا خان؟''

اغوا کار کی آواز اسے سرتاپا جلا گئی۔ اس وقت وہ اپنے اس بنگلے میں تھا جو اس کی مجرمانہ سرگرمیوں کا اڈہ تھا۔ گھر میں رخشندہ کا رونا دھونا سن کر اسے خود پہ قابو رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

''پیسوں کا بندوبست ہو گیا ہے۔ جہاں کہو پہنچا دوں گا...... پلیز میری بیٹی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے؟''

''ٹائم کیا ہوا ہے؟''

''گیارہ بجے ہیں۔'' اس نے دیوار گیر کلاک پہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''مزارِ قائد تک تمہارا بندہ کتنی دیر میں پہنچ جائے گا؟''

''آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے گا۔''

''اوکے......رقم کالے شاپر میں بند ہونی چاہیے......لانے والا اکیلا ہو......اس نے سفید پتلون، سرخ شرٹ، پاؤں میں ہوائی چپل اور سر پہ سفید ٹوپی پہنی ہو......ہتھیار کے نام پہ اس کے پاس پنسل تراش بھی نہیں ہونی چاہیے......اور یاد رکھنا سیٹھ اگر ذرا بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو ذمہ دار تُو خود ہوگا۔''

''تبادلے کی کیا صورت ہو گی...... یہ نہ ہو رقم لے کے تم میری بیٹی کو بھی رہا نہ کرو؟''

''سیٹھ رسک تو تمھیں لینا پڑے گا...... باقی میں اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ مزید رقم نہیں مانگوں گا اگر یقین کرتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تیری مرضی۔''

''میرا آدمی تمھیں یا تمھارے بندے کو کیسے پہچانے گا؟''

''اپنی پہچان ہم کرا سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، اگلے پانچ منٹ میں میرا آدمی یہاں سے نکل پڑے گا۔''

''میرا آدمی منتظر ہے؟'' کہتے ہوئے بلیک میلر نے رابطہ منقطع کر دیا۔

''شیرو رقم تم لے جاؤ اور اپنے تمام آدمیوں کو مزارِ قائد، چڑیا گھر، جناح روڈ، ایمپریس مارکیٹ، سولجر بازار اور شہید ملت روڈ پہ پھیلا دو۔ رقم لے جانے والے سے کوئی تعرض نہ کرے صرف اس کا تعاقب کر کے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب تک بے بی واپس نہیں مل جاتی ہمارے ہاتھ بندھے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب؟'' شیر خان مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

''میں شدت سے تمھاری کال کا منتظر رہوں گا۔'' فاضل نے شیر خان کو جانے کا اشارہ کیا۔ اور وہ سر ہلاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

بات ختم کر کے اسماعیل نے رابطہ منقطع کیا اور واپس اپنے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مزار قائد جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا ۔وہ جانتا تھا کہ فاضل خان کے کتوں نے وہاں گھیرا ڈالا ہوگا۔ اسے بیٹی سے جتنی بھی محبت ہوتی مجرم پکڑنے کی خواہش سے وہ اتنی جلدی دست بردار نہیں ہو سکتا تھا۔

اڑوس پڑوس کے مکانوں سے پرانے پیڈسٹل فینز کی گڑگڑاہٹ ایک تسلسل سے آ رہی تھی۔ بیرونی دروازے کو کنڈی لگا کر اس نے حنا کے کمرے کا دروازہ کھولا اندر کی کنڈی لگا کر لائیٹ جلا دی وہ جاگ رہی تھی۔ اسماعیل کو اندر سے کنڈی لگاتے دیکھ کر اس کا دل مختلف اندیشوں سے بھر گیا۔

اسماعیل نے اس پر توجہ دیے بغیر کھڑکیوں اور دروازے کے سامنے بھاری پردے لٹکائے کہ اس طرح حنا کی آواز کمرے سے کم باہر نکل پاتی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے اس کی کارروائی دیکھتی رہی۔ حفاظتی اقدامات کے بعد اس نے حنا کا قیمتی جدید ساخت کا موبائل نکال کر ریکارڈنگ پہ سیٹ کیا اور اسے بولا۔

''اٹھو۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ لرزتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''تمھارے پاپا نے چال بازی کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی جزا......'' اس کا ہاتھ گھوما ''چٹاخ'' کی آواز کے ساتھ اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔

''آواز نہیں نکلنی چاہیے؟'' اس کی ریشمی زلفوں سے پکڑ کر اس نے اسے پھر اٹھا بٹھایا۔

''پپ پلیز......مم میں پاپا سے بات کرتی ہوں......وہ آپ کو منہ مانگی قیمت دے دے گا۔'' اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو......'' اسماعیل نے غراتے ہوئے ایک اور تھپڑ اسے رسید کیا چیخ ضبط کرنے کی کوشش میں بڑے زور کی کراہ اس کے منہ سے نکلی تھی۔

''پیغام ریکارڈ کراؤ اپنے پاپا کو'' اس نے موبائل اس کے منہ کے سامنے پکڑا۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

''پاپا پلیز یہ جو مانگتا ہے اسے دے دو......پاپا مجھے یہاں سے لے جاؤ......پاپا پلیز......'' اس کے ساتھ ہی وہ رو پڑی۔

''خاموش!'' اسماعیل دھاڑا۔ اور اس نے جلدی سے اپنے ہونٹوں کو ہتھیلی سے دبا لیا۔ ریکارڈنگ بند کر کے وہ بولا۔

''اب سو جاؤ.....'' اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تالا لگا کے اس نے اپنی چارپائی اسی دروازے کے سامنے ڈالی اور سو گیا۔ باقی کی کارروائی اس نے صبح کے لیے مؤخر کر دی۔

''انتظار ایک ایسی اذیت ہے جو انسان کو اعصابی طور پہ تباہ کر دیتی ہے..... اپنے دشمن کو اگر اس اذیت میں مبتلا کر سکو تو اسے اس حال تک لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ وہ صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ اسی طرح دشمن کی نفسیات سے کھیلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر امکانی بات تمہارے پیشِ نظر ہو۔ خود کو دشمن کی جگہ پہ رکھ کے سوچو کہ ان حالات سے اگر آپ دو چار ہوتے تو کیا فیصلہ کرتے۔'' ایکے کی باتیں ہر قدم پہ اس کی رہنمائی کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

دن چڑھے اس کی آنکھ کھلی۔ روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے جاگتی نظر آئی شاید ساری رات وہ سو نہیں سکی تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ ایک دن میں کملا گیا تھا۔

''چلو اٹھو۔'' اس کی ہتھکڑی کھول کر وہ بولا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ فریش ہونے کے بعد وہ اسے کچن میں لے آیا۔

''ناشتا بنا لو گی؟''

''کک..... کوشش کرتی ہوں۔'' آواز میں شامل لرزش اس کے خوف کا پتا دے رہی تھی۔

''کبھی بنایا ہے؟'' اس کے استفسار پہ اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

''چائے بنانا تو اتنا مشکل نہیں ہے..... کہ وہ بھی نہیں بن سکے گی؟''

''و..... وہ بھی کبھی نہیں بنائی..... آ..... آپ بتا دیں کیسے بنے گی میں بنا دیتی ہوں۔''

''تم ہتھکڑی میں ہی ٹھیک ہو۔'' وہ اسے بازو سے پکڑ کے دوبارہ کمرے میں لایا اور اسے جکڑنے کے بعد کچن میں خود مصروف ہو گیا۔ پراٹھے اور چائے بنا کر پہلے اس نے خود ڈٹ کر ناشتا کیا اور اس کے بعد اس کے لیے چائے اور پراٹھا لے گیا۔ رات کی بہ نسبت اس نے اچھا کھایا۔

''کھانے کا طریقہ تو خوب آتا ہے؟'' اس کے ناشتا کر چکنے کے بعد وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ پہلے اگر وہ ایسا کہہ دیتا تو شاید وہ کچھ کھا ہی نہ سکتی۔

''پکانا اگر کسی نے سکھایا ہوتا تو پکا بھی لیتی۔''

''ہاں ایک سیٹھ زادی کو کب پکانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' اس مرتبہ وہ خاموش رہی۔ گو اسماعیل کی باتوں کا جواب دینا اسے آتا تھا مگر وہ اس کے رویے سے خوفزدہ تھی نا معلوم کس بات پہ غصے ہو کر وہ اس کی پٹائی شروع کر دیتا۔

اسے ایک مرتبہ پھر جکڑ کر دہ مکان سے باہر آ گیا۔ پرانی سی بائیک جو کراچی آنے کے بعد اس نے خریدی تھی اس کے ہمراہ تھی ۔آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک پارک کی بینچ پہ بیٹھ کے فاضل خان کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

''فاضل خان اس سے پہلے کہ میں بات چیت کا آغاز کروں تم ذرا یہ ریکارڈنگ سنو.....'' یہ کہہ کر اس نے رات کو کی گئی ریکارڈنگ چلا دی......

''کیسا لگا؟'' ریکارڈنگ ختم ہوتے ہی وہ مستفسر ہوا۔

''تت......تم،تم......اچھا نہیں کیا۔''

''جب میں نے کہا تھا کہ چالاکی نہیں چلے گی تو پھر اتنی تعداد میں اپنے کتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ......یہ غلط ہے......میرا ایک ہی بندہ تجھ سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔''

''ہاں باقی تو نگرانی کے لیے ساتھ تھے......انھوں نے مجھے ملنا تھوڑی تھا......لیکن یاد رکھنا مسٹر نقلی سیٹھ! میں آنکھیں اور کان کھلے رکھتا ہوں۔اور اب آخری موقع دے رہا ہوں اس کے بعد غلطی کی گنجائش ختم......تیری چھوٹی سی غلطی تیری بیٹی کے لیے کیسی مشکلات کو جنم دے گی اس بارے تو سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''اب تجھے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' فاضل بمشکل اپنے جذبات پہ قابو پاتا ہوا بولا۔اپنے درست اندازے پہ اسماعیل کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ چھا گئی۔

اس نے کہا۔'' ٹھیک ہے سیٹھ......وہی پہلے والا حلیہ جو بتایا تھا اس میں اپنا آدمی ناظم آباد بھیج دو۔جس آدمی نے آنا ہے اس کا موبائل نمبر بھی مجھے سینڈ کر دو میں خود اس سے رابطے میں رہوں گا۔''

فاضل خان نے اسے شیر خان کا نمبر نوٹ کرا دیا۔رابطہ منقطع کرتے ہوئے وہ ناظم آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچتے ہی اس نے فاضل خان کا دیا ہوا نمبر ٹرائی کیا......

''جی میں چوک میں کھڑا ہوں......سرخ رنگ کی آلٹو ہے میرے پاس۔'' رابطہ ہوتے ہی شیر خان بولا۔

''میری نظر میں ہو......اس طرح کرو نیو ہزارہ ہوٹل کے سامنے پہنچو۔'' اسے کہہ کر اس نے اپنی بائیک بھی نیو ہزارہ ہوٹل کے جانب موڑ دی۔سرخ آلٹو اس سے پہلے وہاں پہنچ گئی تھی۔وہ اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا۔اس کے بتائے ہوئے ڈریس میں ملبوس فاضل خان کا وہی آدمی جو اس کے پاس حوالات میں اس کی زمین کے کاغذات سائن کرانے آیا تھا سٹیرنگ پہ بیٹھا بے چین نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔اس سے سو گز دور آ کر وائرلیس ہینڈ فری اپنے کان میں لگا کر اس نے شیر خان کا نمبر ملا کر کہا۔

''جدھر تیری کار کا رخ ہے اسی طرف چلنا شروع کر دو میں تیرے پیچھے پیچھے ہوں......رابطہ منقطع کرنے کی کوشش نہ کرنا۔''

شیر خان نے ''او کے'' کہتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ جلد ہی آلٹو نے اسے کراس کر لیا۔

سامنے آتے موڑ کو دیکھتے ہی اسماعیل نے کہا۔

''یہاں سے دائیں مڑ جاؤ۔'' اور خود وہ سیدھا نکلتا چلا گیا۔

''سامنے آنے والا پہلا موڑ مڑ جاؤ۔'' اس نے نئی ہدایت جاری کی۔

''دائیں یا بائیں؟'' شیر خان مستفسر ہوا۔

''میرا خیال ہے پہلا موڑ دائیں مڑتا ہے۔''

''پھر بھی کنفرم کرنا تو اچھا ہے نا؟''

''غلط مڑو گے تو مجھے نظر آ جائے گا۔'' اس نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ اسی اثنا میں اس نے دوسرے لنک روڈ سے اپنی بائیک بائیں جانب موڑ دی چوک میں وہ اکٹھے ہی پہنچے تھے۔

''بائیں جانب موڑ لو۔'' گھنٹا ڈیڑھ اسے یونہی گھمانے کے بعد اسماعیل اسے ایک ایسے روڈ پہ لے آیا جو نسبتاً ویران پڑا تھا......

''سڑک کے کنارے موٹر سائیکل رکی ہوئی نظر آ رہی ہے؟۔''

''جی ہاں۔''

''بس اسی کے ساتھ گاڑی روک دو۔'' اگلے لمحے شیر خان نے اس کے ساتھ آ کر بریک لگا دی۔ وائرلیس نکال کر جیب میں منتقل کرتا ہوا وہ اس کے جانب بڑھ گیا۔ وہ شیر خان کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس سے گفتگو کرنے والا کوئی اور تھا۔

اس کے نزدیک پہنچتے ہی شیر خان نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''رقم......'' اس نے شیشے سے اندر ہاتھ بڑھایا۔

''شناخت؟'' شیر خان ساتھ والی سیٹ پہ پڑے کالے رنگ کے شاپر کو گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔

''حنابی بی۔'' وہ مختصراً بولا اور شیر خان نے سر ہلاتے ہوئے رقم کا شاپر اس کی سمت بڑھا دیا۔

شاپر کھول کر ایک نظر اس نے دیکھا اور سر ہلا کر شیر خان سے مخاطب ہوا۔

''شیر خان مجھے پہچانا ہے؟''

''تم......'' اس نے ذہن پر زور دیا اور بولا ''میرا خیال ہے کہ......تم اسماعیل......''

''بالکل تیرا خیال بالکل ٹھیک ہے......خاکسار کو سید اسماعیل شاہ غازی ہی کہتے ہیں......اور تجھے تعارف کرانے کی ضرورت اس لیے پیش آ گئی ہے کہ تیری سانسیں پوری ہونے والی ہیں......استاد محترم کہا کرتے تھے جس سے انتقام لینا ہو اس کے نظر آتے ہی اپنا کام کر

گزرو...... کیونکہ اب جو موقع اس نے تمھیں فراہم کیا ہے، جانے اس موقع کے انتظار میں تمھیں مزید کتنا عرصہ منتظر رہنا پڑے۔ بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے تیرے بجائے اس کا وار چل جائے۔"

"کک کیا مطلب ہے تیرا؟" شیر خان کا ہاتھ اپنے لباس کی اندرونی جیب کی طرف بڑھا مگر اسماعیل اس سے پہلے اپنی جیب سے ریوالور نکال کے اس پہ تان چکا تھا۔

"ناں ناں...... مطو" اسماعیل نے اسے پچکارا "یہ غلطی نہ کرنا۔"

شیر خان اپنی جیب سے ہاتھ نکالتا ہوا بولا۔"شاہ جی دیکھو! تیری دشمنی سیٹھ فاضل سے ہے...... مم میں تو اس کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں، حکم کا غلام۔"

"ہاں، لیکن اس کے ساتھ شریک جرم بھی ہو؟ اور ملازم ہونے سے تیرا جرم کم نہیں ہوسکتا...... اور مجھے صرف یہ افسوس ہے کہ میں تجھے تڑپا تڑپا کے نہیں مار سکتا...... بہر حال تیری قسمت۔" یہ کہتے ہی اسماعیل نے ٹریگر پریس کر دیا۔ گولی شیر خان کو ماتھے میں لگی تھی۔

اسماعیل پیچھے مڑا اور اطمینان سے اپنی بائیک پہ بیٹھ کے روانہ ہوگیا۔ ایک دو کار والوں نے یہ منظر دیکھا شاید گولی چلنے کی آواز بھی سنی ہوگی مگر کسی نے رکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بلکہ اپنی کار کی رفتار میں تھوڑا سا اضافہ ہی کیا تھا۔ پرائی آگ میں کودنا جان گنوانے کے مترادف تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

اشفاق، ذیشان اور عمران تم تینوں مکان کی عقبی سمت چلے جاؤ۔ اشفاق اور ذیشان اندر جائیں گے جبکہ عمران تم نے باہر رہ کر نگرانی کرنی ہے۔ سامنے سے میں اور عرفان اندر گھسیں گے اور الیاس باہر رہ کر دیکھ بھال کرے گا۔ ...... سب کو سمجھ آ گئی ہے؟" عاطف وائرلیس پہ احکام جاری کرتا ہوا بولا۔ اور تمام فرداً فرداً اثبات میں جواب دینے لگے ۔

"اوکے...... اب تمام اپنی پوزیشن کی طرف چل دیں۔ عمران کی گاڑی مکان کی پشت کی طرف مڑ گئی کہ اس میں موجود تینوں افراد کو مکان کی عقبی سمت سے کارروائی کرنی تھی۔ ان کے آن لوکیشن ہوتے ہی عاطف اور عرفان گاڑی سے اتر کر محتاط انداز میں مکان کے جانب بڑھ گئے۔ الیاس نے بھی گاڑی سے اتر کر پوزیشن سنبھال لی تھی۔ تمام نے وائرلیس اندرونی لباس میں چھپائے ہوئے تھے۔ بغیر تار کے ائیرفون کی مدد سے وہ تمام ایک دوسرے کی باتیں آسانی سے سن سکتے تھے۔

مکان کی دیوار کے قریب پہنچ کر عاطف نے دائیں، بائیں دیکھا اسی وقت اسے ذیشان کی آواز سنائی دی۔

"سر ہم اندر داخل ہو رہے ہیں۔"

"اوکے...... لیکن احتیاط سے...... کسی سے سامنا ہو تو اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرنا البتہ زخمی کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے سر" ذیشان نے کہا۔

عاطف نے عرفان سے کہا" عرفان دروازے کو ہاتھ لگا کر دیکھو......"

"اندر سے بند ہے۔" عرفان دروازہ چیک کرتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے ......میں اندر جا رہا ہوں۔" کہتے ہوئے عاطف نے اچھل کر دیوار کا اوپری کنارہ پکڑا اگلے لمحے وہ دیوار کے اوپر تھا۔ایک سرسری نگاہ اندر ڈال کے وہ نیچے اتر گیا۔عرفان اس کے پیچھے تھا۔

"سر ہم دونوں اندر پہنچ گئے ہیں" اسے ذیشان کی آواز سنائی دی۔

وہ بولا۔"ہم بھی۔"

عرفان نے کہا۔"سر مجھے تو مکان خالی محسوس ہو رہا ہے؟"

"بہرحال احتیاط ضروری ہے۔" جیب سے پسٹل نکال کر عاطف دبے قدموں اندرونی عمارت کی طرف بڑھا۔اس دوران عرفان نے اسے کور مہیا کیے رکھا......وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔لیکن اس کی تعمیر جدید طرز پہ کی گئی تھی۔عاطف نے برآمدے میں جا کر عرفان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔اسی وقت اسے ذیشان کی آواز سنائی دی۔

"سر مکان کی پشت پہ ملازم کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہے......اس میں کوئی نہیں ہے۔اب ہم سامنے آ جائیں یا فی الحال یہیں رہیں۔"

مگر عاطف اس کی بات کا جواب دیے بغیر دروازے کے قریب ہوا اگلے لمحے ایک زوردار ٹھوکر سے دروازہ کھولتے ہوئے وہ پھرتی سے اندر داخل ہوا۔کمرے کو خالی دیکھ کر وہ رکے بغیر اس سے متصل کمرے میں گھسا۔دوسرا کمرہ بھی خالی تھا تیسرے کمرے میں اسے کرسی سے بندھا ہوا فیصل دکھائی دیا جس کی ڈھلکی گردن اس کے بیہوش ہونے کی نشاندہی کر رہی تھی۔اس کے قریب رکے بغیر اس نے آخری کمرہ بھی دیکھ لیا۔تمام مکان خالی پڑا تھا۔

"سر کچن اور باتھ روم بھی خالی ہیں۔" اسے عرفان کی آواز سنائی دی۔

"ذیشان تم عمران کے پاس چلے جاؤ اور اشفاق تم سامنے سے الیاس کے پاس پہنچو...... یہ دشمن کی چال لگ رہی ہے؟......عرفان تم میرے پاس آ جاؤ"۔انھیں آرڈر پاس کرتے ہی وہ فیصل کی طرف بڑھ گیا۔اس کی حالت کافی ناگفتہ بہ تھی۔نبض وغیرہ چیک کر کے اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔عرفان کے آتے تک وہ اس کی بندشیں کھول چکا تھا۔

"اسے گاڑی میں لے جاؤ۔" عرفان سے کہہ کر وہ کمروں کی سرسری تلاشی لینے لگا لیکن کسی ایسی چیز کی تلاش میں ناکام رہا جو اسے دشمنوں کے خلاف کوئی مدد دے سکتی۔اس کے محتاط ذہن نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ دشمن کی کوئی چال ہے مگر یہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ

آخر دشمن اس سے کیا فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ جب اسے کچھ بھائی نہ دیا تو وہ سر جھٹکتے ہوئے مکان سے باہر آ گیا۔ عرفان فیصل کے ساتھ کار کی عقبی نشست سنبھال چکا تھا جبکہ الیاس ابھی تک اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

''کوئی بندہ اپنی رہائش گاہ کی طرف نہیں جائے گا۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حکم جاری کیا۔

''ٹھیک ہے سر۔'' عمران کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''عمران تو نے تھوڑا فاصلہ رکھ کے میرے پیچھے آنا ہے..... ہمارا تعاقب ہوگا اپنی نظریں کھلی رکھنی ہیں..... یہاں سے ہم ہاسپٹل جائیں گے۔ وہاں اکٹھے بیٹھ کے کچھ سوچتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔''

''رائیٹ سر'' عمران کا جواب سنتے ہی اس نے کار آگے بڑھا دی۔

☆.....☆.....☆

اسماعیل نے ایک مقصد حاصل کر لیا تھا۔ دس لاکھ ڈالر کی خطیر رقم اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس رقم سے اس نے پندرہ بیس ہزار ڈالر اپنے خرچ کے لیے علیحدہ کر کے باقی رقم بینک کے لاکر میں رکھ دی تھی۔ شوروم سے ایک گزارے لائق سوزوکی کار خریدنے کے بعد وہ کرائے کے مکان کی تلاش میں نکل پڑا اسے ایک ایسے مکان کی تلاش تھی جو عام آبادی سے ہٹ کر ہو۔ ایک دو پراپرٹی ڈیلروں سے ملاقات کے بعد اسے اپنے مطلب کا مکان مل گیا۔ ضروری سامان خریدنے اور مکان میں شفٹ کرتے کرتے اس کا پورا دن گزر گیا اور وہ رات گئے ہی واپس آ سکا۔ دن کا کھانا اسی مصروفیات کی نظر ہو گیا تھا۔ ہوٹل سے دو بندوں کا کھانا پیک کرا کے وہ اس مکان میں پہنچا جہاں حنا قید تھی۔ صبح کے ناشتے کے بعد اس غریب کو کچھ کھانے پینے کو نہیں ملا تھا لیکن یہ بات اسماعیل کے دل میں اس کی ہمدردی پیدا نہیں کر سکی تھی۔ وہ فاضل خان کی بیٹی کو ایک ناگن سے بڑھ کر حیثیت دینے کو تیار نہیں تھا......

وہ سارے دن کی قید تھی اور اسماعیل جانتا تھا کہ کھانے پینے کے علاوہ بھی انسان کی کئی ایسی ضروریات ہوتی ہیں جنہیں انسان ایک حد تک ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اسی لیے کھانا گرم کرنے سے پہلے وہ اسے واش روم لے گیا۔ اور بعد میں ٹائم کی کمی کی وجہ سے اسے بھی حنا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پڑا۔ اس دن اس نے پہلے کی نسبت زیادہ کھانا کھایا اور اس کی وجہ شاید دن بھر کی بھوک یا قید کی ذلت کے مانوس ہونا تھا۔

''کیا.....ڈیڈی نے تاوان کی رقم ادا کر دی ہے۔'' کھانے کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو.........؟'' وہ شاید اپنی رہائی کا پوچھنے لگی تھی کہ اسماعیل کی بھرپور نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ''تو'' سے آگے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تو...... یہ کہ مس حنا فاضل علی خان تمہارے باپ سے اب تک کافی وصولیاں رہتی ہیں اور یہ رقم پہلی وصولی تھی ......" اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا لیکن اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی نمی اسماعیل سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ اسے ہلکا سا افسوس ہوا مگر جلد ہی اس نے خود پہ قابو پا لیا۔ فاضل خان سے انتقام لینے کے لیے اسے ساری اخلاقیات پس پشت ڈالنی تھیں۔

جب وہ کچن میں برتن رکھ کے لوٹا تو وہ ایک مرتبہ پھر جرأت کرتے ہوئے مستفسر ہوئی۔

"آپ کی دشمنی تو ڈیڈی کے ساتھ ہے...... میرا اس میں کیا قصور؟"

"یہ تھوڑی دیر بعد بتلاؤں گا؟" اسماعیل کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ روح تک کانپ گئی تھی۔

"اب ہم نے یہاں سے جانا ہے اس لیے تیرا بیہوش ہونا ضروری ہے۔" اسماعیل نے اسے سپرے سے بیہوش کیا۔ اور پھر بازوؤں میں بھر کے سوزکی کی ڈگی میں منتقل کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مکان کو تالا لگا کے وہ نئے مکان کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں اپنی گڑیا ریحانہ کی آخری چیخیں گونج رہی تھیں۔ وہی چیخیں جو کبھی بھی اس کے دماغ سے محو نہیں ہو سکی تھیں۔ ماں باپ کی موت نے اسے اتنا ڈسٹرب نہیں کیا تھا جتنا بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتی نے اس کی کایا پلٹی تھی۔ اور اب وہ اس بات کا بڑا بھیانک انتقام فاضل علی خان سے لینے والا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

میلا کچیلا لباس، ستا چہرہ، سرخ آنکھیں جن سے بے آرامی اور حزن وملال ٹپک رہا تھا...... اکڑی گردن، جس میں خم آ گیا تھا اسے دیکھ کر کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی سیٹھ فاضل علی خان ہے جو کبھی ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔

"نورل!...... تم نے اپنی آنکھوں سے شیرے کی لاش دیکھی ہے؟" اس نے سامنے کھڑے ملازم سے پوچھا۔

"جی سیٹھ صاحب...... اس کے ماتھے میں گولی لگی ہے۔ اس کے بچنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔"

"جب خبیث کا مطالبہ ہم نے پورا کر دیا تھا تو پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں سیٹھ صاحب۔"

"کہیں شیر خان نے تیزی دکھانے کی کوشش تو نہیں کی تھی......؟"

"آپ کی اجازت کے بغیر وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟"

"اس کا فون بھی نہیں آیا...... حالانکہ اب تک اسے بے بی کو رہا کر دینا چاہیے تھا۔"

"شاید وہ مزید رقم ہتھیانے کے چکر میں ہو سیٹھ صاحب؟"

"رقم کا کوئی مسئلہ نہیں...... ہم اس کے حوالے منہ مانگی رقم کریں گے...... البتہ بے بی کی واپسی کے بعد دیکھنا کہ اس کا انجام کیا

ہوتا ہے۔۔۔۔۔اسی رقم سے اس کا مقبرہ نہ تعمیر کیا تو سیٹھ فاضل نہ کہنا۔۔۔۔۔بہت تکلیف دی ہے اس حرام کے نطفے نے۔۔۔۔۔اس نے ہماری بے بی کو رلایا ہے۔اور بے بی کے ایک ایک آنسو کے بدلے اس گروہ کے ہر فرد کو دس دس بار آگ میں جلاؤں گا۔۔۔۔۔بس ایک دفعہ بے بی کو خیریت سے واپس آنے دو۔"

"سیٹھ صاحب اس کی کوئی شناخت نہیں ہے ہمارے پاس، ورنہ ہم اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتے۔اپنے آدمیوں کی دوڑ دھوپ تو جاری ہے مگر کوئی منزل سامنے نہیں ہے۔۔۔۔۔لے دے کے چھوٹی بی بی رہ جاتی ہیں، لیکن اسے بھی تو بلیک میلر نے کہیں چھپا کر رکھا ہوگا، وہ کھلے عام تو نہیں پھر رہی گی کہ ہمیں نظر آ جائیں"۔

"اچھا پولیس والے کیا کہہ رہے ہیں، شیرو کی لاش کب تک ہمارے حوالے کریں گے۔"

"آج اس کا پوسٹ مارٹم ہے، اس کے بعد ہی ہمارے حوالے کریں گے۔"

"گاڑی تو لے آئے تھے نا تھانے سے؟"

"جی سیٹھ صاحب ......" نورل کی بات جاری تھی کہ سیٹھ فاضل کے موبائل کی گھنٹی بجی اس نے بے صبری سے موبائل سکرین پہ نگاہ ڈالی اور پولیس ایس پی کا نام پڑھ کر بے دلی سے کال اٹنڈ کر لی۔

"اسلام علیکم سیٹھ صاحب۔"

"وعلیکم اسلام ایس پی صاحب کیا نئی تازہ ہے؟۔۔۔۔۔دیکھ لیں تیسرا دن ہے اور ہماری گڑیا تلاش نہیں کی جا سکی ......آپ پھر گلہ کرتے ہیں کہ ہم پولیس کی کارکردگی کو ناقص کہتے ہیں......"

"سیٹھ صاحب!......بلیک میلر زیادہ عرصے تک قانون کی نظروں میں دھول نہیں جھونک سکے گا، انشاءاللہ جلد ہی وہ قانون کے آہنی شکنجے میں ہوگا، لیکن اس کے لیے ہمیں آپ کے تعاون کی بھی ضرورت پڑتی ہے جب آپ ہی ہمیں حالات سے لاعلم رکھیں گے تو ہماری کارکردگی خاک سامنے آئے گی؟"

"میں سمجھا نہیں ایس پی صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"دیکھیں سیٹھ صاحب......آپ کے ایک اہم آدمی کی لاش کل گاڑی میں ملی......اور اسے قتل کرنے والا ایک لمبا تڑنگا نوجوان تھا ......جسے ایک دو راہگیروں نے تمھارے آدمی پہ گولی چلاتے دیکھا۔وہ اسے تو کچھ نہ کہہ سکے البتہ چوک پہ کھڑے سپاہی کو یہ اطلاع پہنچا دی بشمول مجرم کے حلیے کے جو وہ سرسری نظر سے دیکھ سکے تھے۔پھر جو بندہ آپ کی گاڑی لے کے جا رہا تھا اور پولیس کے ناکے سے فرار ہوا وہ بھی ایک لمبا تڑنگا نوجوان ہی تھا اس کا حلیہ تمھارے آدمی شیر خان کے قاتل سے بہت ملتا ہے بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ بھی تھا۔اب لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیں کہ جس جگہ سے آپ کی بیٹی اغوا ہوئی وہاں موقع پہ ہمیں ایک کار بھی کھڑی ملی جس میں ایک طالب علم

بیہوش پڑا تھا۔اس سے پوچھ گچھ کرنے پہ یہی پتا چلا کہ اس سے ایک لمبے تڑنگے جوان نے یونیورسٹی گیٹ پہ لفٹ مانگی اور پھر سپرے کر کے اسے بیہوش کر دیا۔میری مراد اسی یونیورسٹی سے ہے جس میں آپ کی بیٹی زیر تعلیم ہے.....نتیجہ کیا نکلا.....؟ نمبر ایک کہ ان سب واقعات کے پیچھے ایک ہی جوان ہے۔یا اگر زیادہ ہیں تو ان کا حلیہ ملتا جلتا ہی ہے۔دوسرا وہ آپ سے رابطہ کر کے تاوان یا جو بھی اس کا مطالبہ ہے آپ تک پہنچا چکا ہے جس کے متعلق پولیس بالکل لاعلم ہے..... جب پولیس کو اس طرح لاعلم رکھا جائے گا تو وہ خاک کارکردگی دکھا سکے گی؟۔"

اس کا تجزیہ سو فیصد درست تھا فاضل خان کو مدافعانہ رویہ اپنانا پڑا۔"ایس پی صاحب! آپ صحیح کہہ رہے ہیں مگر میں مجبور تھا ......بلیک میلر نے مجھے واضح طور پہ دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے پولیس کا سہارا لینے کی کوشش کی تو وہ میری بیٹی نا قابل تلافی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ایک بیٹی کا باپ رسک نہیں لے سکتا۔"

"ہماری انہی کم ہمتیوں کی وجہ سے جرائم اور مجرموں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے.....مجرم کوئی جادوگر تو نہیں ہے کہ اسے یہ پتا چل جائے گا کہ آپ پولیس کو خبردار کر چکے ہیں۔"

"اسی بات کا تو رونا ہے ایس پی صاحب.....بقول مجرم اس کے پولیس میں کافی مخبر موجود ہیں،اور اس کی بات سے میں اس لیے متفق ہوں کہ اس معاملے میں پولیس کا محکمہ خاصہ بدنام ہے.....ہر آدمی ایس پی سکندر حیات نہیں ہو سکتا۔"

"دیکھیں سیٹھ صاحب.....ایس پی سکندر حیات ہی نہیں کئی پولیس والے آپ کو اس سے بھی زیادہ ایماندار ملیں گے.....اور جہاں تک بلیک میلر کی دھمکی کا تعلق ہے اگر کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی تو آپ مجھے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیتے میں سول کپڑوں میں چند ایسے پولیس والوں کو متعین کر دیتا جو بکاؤ مال نہیں ہوتے اس کے ساتھ ساتھ ان کا ایسے کاموں سے نمٹنے کا تجربہ بھی کافی زیادہ ہے۔"

"مجھے اپنی غلطی تسلیم ہے ایس پی صاحب.....آئندہ میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

"اسی میں ہماری بہتری ہو گی سیٹھ صاحب.....اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایسے مجرم عموی طور پہ بہت سے غلط دعوے کرتے ہیں ......اب اس بلیک میلر نے بھی آپ کے سامنے کسی بڑے گروہ کا سربراہ ہونے کا دعوا کیا ہو گا.....اپنے ماتحتوں کی تعداد درجنوں میں بتائی ہو گی حالانکہ جہاں تک میرا اندازہ ہے یہ ایک ہی آدمی ہے جو بار بار سامنے آ رہا ہے.....بہر حال جو ہوا سو ہوا.....اب انشاء اللہ آپ کا تعاون رہا تو بچ نہیں سکے گا؟"

"انشاء اللہ۔"فاضل خان نے شاید زندگی میں پہلی مرتبہ انشاء اللہ کہا تھا۔سچ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد مصیبت میں ہی آتی ہے۔

فون بند کر کے وہ سوچ میں کھو گیا ایسا کون سا دشمن تھا جو ایس پی صاحب کے بتائے ہوئے حلیے پہ پورا اتر سکتا تھا۔کافی سوچ و بچار کے بعد اس کے ذہن میں اسماعیل شاہ کا نام گونجا مگر اس کے ساتھ ہی اسے یہ سوچ ترک کرنی پڑی کہ اسماعیل شاہ میں اتنی جرأت نہیں تھی.....اگر وہ انتقام لینے کے جوش میں ایسا کرنے کی جرأت کر بھی لیتا تب بھی فاضل خان اسے کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''نورل اسماعیل شاہ کو جانتے ہو ؟'' اچانک وہ سامنے کھڑے نورل سے مخاطب ہوا۔

''اسماعیل شاہ......؟'' نورل نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔''سیٹھ صاحب! کہیں یہ وہی تو نہیں جو حوالات سے فرار ہو گیا تھا۔''

''بالکل وہی......کیا وہ یہ کام کر سکتا ہے ؟''

''نہیں سیٹھ صاحب......اس میں اتنی جرأت کہاں......وہ تو شاید کہیں مر کھپ گیا ہو ۔''

''میرا بھی یہی اندازہ ہے ۔''سیٹھ فاضل نے اس کی تائید کی۔لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں ایک خلش سی تھی جس کی توجیح کرنے سے وہ قاصر تھا۔

☆......☆......☆

''سر!......شکار پہنچ گیا ہے۔'' رندھیر موبائل فون پہ میجر روہیت سے مخاطب تھا۔

''گڈ......کیا ہمارا مطلوبہ آدمی بھی ساتھ ہے؟''

''وہ تو سب سے آگے ہے......اور اس ٹائم مکان کے اندر ہے۔'' رندھیر نے دوربین آنکھوں سے لگا کر مکان کے صحن میں محتاط انداز میں چلتے عاطف کو دیکھ کر کہا۔وہ اس وقت ایک تین منزلہ فلیٹ کی چھت پہ لیٹا دوربین کے ذریعے اس مکان کی نگرانی کر رہا تھا۔باقی آدمی اس نے مختلف اطراف میں بکھیر دیے تھے تاکہ وہ جس جانب سے واپس جائیں ان کا تعاقب کیا جا سکے۔

''باہر انھوں نے لازماً اپنے آدمی نگرانی کے لیے چھوڑے ہوں گے ؟''

''سر! ایسا ہی ہے ۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کتنے آدمی ہیں؟''

''دو سامنے سے مکان میں گھسے ہیں اور دو عقبی سائیڈ سے،جبکہ اطراف میں ایک ایک بندہ نگرانی کے لیے باہر چھوڑا ہے۔''

''کافی سمجھدار نظر آ رہا ہے یہ عاطف؟'' روہیت نے خود کلامی کی۔

''جی سر!......کافی خطرناک دکھائی دے رہا ہے۔'' رندھیر نے اس کی تائید کرتے ہوئے رائے دی۔

''کیا بہت ہی خوفناک شکل ہے ؟'' روہیت کا لہجہ مزاحیہ تھا۔

''نہیں سر!......خطرناک سے میری مراد خوفناک شباہت نہیں ہے ،شکل سے تو کالج یونیورسٹی کا طالب علم دکھائی دیتا ہے ......البتہ اس کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ کافی مشکل ٹارگٹ ثابت ہوگا۔''

''یہ تو جب اس کا سامنا میجر روہیت سے ہوگا تو معلوم ہوگا کہ کتنے پانی میں ہے۔''

''نہیں سر،آپ کے سامنے تو طفلِ مکتب ہی ہے۔'' رندھیر کے لہجے میں خوشامد کا عنصر نمایاں تھا۔

”رندھیر میں جرأت مند دشمن کو پسند کرتا ہوں۔“

”آپ کا بڑا پن ہے سر...... بہرحال اگلا اقدام کیا ہونا چاہیے؟۔“

”انھیں چھیڑنے کی ضرورت نہیں...... بس تعاقب کر کے عاطف کا ٹھکانہ معلوم کر لینا، بعد میں اٹھوالیں گے، اس وقت وہ کافی تعداد میں ہیں یہ نہ ہو دوران ایکشن کوئی اپنا بندہ ضائع ہو جائے ۔“

”صرف عاطف کا ٹھکانہ معلوم کرنا ہے سر؟“

”ہاں صرف اسی کا...... بقایا کا پتا اسی سے چل جائے گا ۔“

”ٹھیک ہے سر پھر دو موٹر سائیکل سوار اس کے تعاقب میں روانہ کر دیتا ہوں...... یوں بھی ان کی واپسی کے راستوں پہ میں نے پہلے سے دو دو موٹر سائیکل سوار متعین کر دیے ہیں۔“

”ہاں دو ہی کافی ہیں، زیادہ رش بنانے کی ضرورت نہیں۔ اور جیسے ہی اس کا ایڈریس معلوم ہو مجھے اطلاع کر دینی ہے...... میں اس وقت اڈے نمبر تین میں موجود ہوں“ اس نے اپنی رہائش گاہ کا کوڈ نام بتاتے ہوئے کہا۔

”اوکے سر!...... مزید کچھ؟“

”نہیں، کچھ ہوا تو فون کردوں گا...... گڈ بائی ۔“

رابطہ ختم ہوتے ہی رندھیر نے ایک مرتبہ پھر دوربین آنکھوں سے لگا کر ان کا جائزہ لیا۔ وہ زخمی فیصل کو گاڑی میں منتقل کر چکے تھے ۔عاطف ابھی تک مکان کے اندر ہی تھا۔ اس کے باہر آتے ہی وہ سب وہاں سے چل پڑے۔ ان کے جانے کی سمت کا تعین ہوتے ہی اس نے ایک نمبر ملا کر کہا۔

”کرن !تمھاری جانب آرہے ہیں...... تمھارے ساتھ دوسرا کون ہے ؟“

”مہیش ہے سر۔“

”ٹھیک ہے تم نے ان کا تعاقب کرنا ہے...... اور دھیان رہے ہمیں صرف عاطف کا ایڈریس درکار ہے۔“

کرن مستفسر ہوا۔”عاطف کون سا ہے سر ؟۔“

”جو تمام سے کم عمر نظر آرہا ہے، بلیک کار کو ڈرائیو کرنے والا وہی ہے۔“

”سر اگر موقع ملے تو اڑا دیں؟۔“

”بیوقوف...... اگر انھیں مارنا ہوتا تو مکان میں ہی بڑی آسانی سے ختم کیا جا سکتا تھا۔“

”سوری سر...... میں نے سوچا شاید اسے ہلاک کرنا ہے۔“

’’اچھا اب احتیاط سے ان کا تعاقب کرنا ہے، ہلکی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کی جائے گی، یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ اس آدمی کا ایڈریس روہیت صاحب کو درکار ہے۔ جونمبر تین میں بڑی بے صبری سے تمھاری اطلاع کا منتظر ہے۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے میجر صاحب کو براہ راست رپورٹ دینی ہوگی؟۔‘‘

’’انھیں براہ راست بھی آگاہ کر سکتے ہو، میں بھی منتظر ہوں گا، مجھے بھی بتا سکتے ہو۔ جسے دل چاہے بتا دینا۔‘‘

’’بھگوان نے چاہا تو آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا سر...... اور مجھے کاریں نظر آ گئی ہیں۔‘‘

’’او کے گڈ بائی اور احتیاط سے‘‘۔ رندھیر نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

’’سر ایک موٹر سائیکل سوار کافی دیر سے ہمارے تعاقب میں ہے؟‘‘ عاطف کے کانوں میں عمران کی آواز گونجی۔

’’مجھے پہلے ہی شک تھا کہ ایسا ہوگا...... بہرحال انجان بن کر چلتے رہو میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔‘‘ کہہ کر عاطف نے موبائل نکالا اور کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

’’ہیلو اختر عاطف بول رہا ہوں؟۔‘‘

’’سر آپ کا نمبر ہے میرے پاس ہے۔‘‘ اختر مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

’’اس وقت کہاں ہو؟‘‘

’’نیشنل سٹیڈیم کے قریب ہوں سر ......ایئر پورٹ جا رہا ہوں۔‘‘

’’اکیلے ہو؟‘‘

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’صغیر ساتھ ہے سر۔‘‘

’’بائیک پہ ہو یا......‘‘

’’جی سر دونوں کے پاس بائیک ہے۔‘‘

’’اچھا یوں کرو کہ صغیر کو ساتھ لے کر شاہراہ فیصل پہ آ جاؤ...... ہم شاہ فیصل کالونی کی طرف سے آ رہے ہیں...... بلیک اور کریم کلر کی ٹیوٹا کرولا میں...... دونوں کاریں تیری دیکھی بھالی ہیں۔ ایک موٹر سائیکل سوار ہمارے تعاقب میں ہے تم دونوں نے اس کا تعاقب کرنا ہے۔ موٹر سائیکل سوار دو یا تین بھی ہو سکتے ہیں...... اسی طرح کوئی دوسری گاڑی بھی ہمارے تعاقب میں ہو سکتی ہے۔ تم دونوں نے خوب احتیاط سے ان کی نگرانی کرنی ہے۔ اور کوئی کارروائی کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور لینا۔‘‘

’’سر آپ کا رخ کس طرف ہے؟‘‘

''ہم شاہ فیصل کالونی کی طرف سے آ رہے ہیں اور جناح ہاسپٹل جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے سر ہم پہنچ گئے۔''

''او کے خدا حافظ''۔

''سر!......آپ کا اندازہ درست ہے ایک دوسرا موٹر سائیکل بھی نظر آ رہا ہے۔''وائرلیس کنکشن کی وجہ سے وہ سارے ایک دوسرے کی باتوں کو با آسانی سن سکتے تھے،اس لیے جیسے ہی عاطف نے رابطہ منقطع کیا اسے عمران کی آواز سنائی دی۔''

''پہلے والا بھی موجود ہے یا وہ چلا گیا ہے؟''

''دونوں دکھائی دے رہے ہیں سر ......کبھی ایک آگے ہو جاتا ہے کبھی دوسرا۔''

''ہاں ایسا ہی ہوگا......ان کی کوشش ہے کہ ہمیں تعاقب کی خبر نہ ہو؟''

''ویسے سر! بات کچھ الٹ سی نہیں ہو گئی کہ دشمن ملک کے جاسوس سرکاری ایجنسیوں کے آدمیوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔''

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے......اصل بات کا پتا تو فیصل کے ہوش میں آنے پہ چلے گا البتہ میرا اندازہ یہی ہے کہ انھیں ہم میں سے کسی بندے کی ضرورت ہے۔''

''وہ پھر آپ ہی ہو سکتے ہیں۔''عرفان برجستہ بولا۔

''شاید......''وہ مبہم لہجے میں بولا۔اسی دوران وہ ہاسپٹل میں داخل ہو گئے تھے۔دونوں تعاقب بردار بھی ان کے پیچھے ہی اندر گھس آئے تھے۔

''اگر عرفان کا اندازہ درست ہے تو آپ کو یہاں رکنے کی بجائے آگے جانا چاہیے......آیا یہ آپ کا پیچھا کرتے ہیں یا یہیں رکتے ہیں۔''مشورہ دینے والا عمران تھا۔

''ٹھیک ہے......عرفان میرے ساتھ رہے گا باقی یہیں رہ جائیں۔''عاطف فوری طور پہ عمران سے متفق ہو گیا۔فیصل کو گاڑی سے اتار کر اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

''آپ تمام یہیں رہنا......صرف اختر اور صغیر ہمارے پیچھے آئیں گے۔''عاطف ہدایت جاری کرتا ہوا ہاسپٹل سے باہر آ گیا۔واپسی کے لیے مڑتے وقت اسے دونوں دشمن نظر آ گئے تھے۔ایک سرسری سی نگاہ ان پہ ڈال کے وہ گاڑی ہاسپٹل سے باہر لے آیا۔

☆......☆......☆

اتنی رات گئے بھی پہلی گھنٹی پہ اس کا فون اٹینڈ کر لیا گیا تھا۔''ہیلو۔''فاضل خان کی آواز میں چھپا اضطراب اس سے مخفی نہ رہ سکا۔

''سیٹھ کیسا ہے رے؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تت...... تم نے شیر خان کو مار کے اچھا نہیں کیا؟'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''چھوڑو سیٹھ! کیا فضول باتیں لے کے بیٹھ گئے ہو...... اپنی بیٹی کا حال نہیں پوچھو گے؟''

''اسے تو وعدے کے مطابق آپ نے رہا کرنا تھا، آپ کی منہ مانگی رقم میں نے ادا کر دی ہے۔''

''میں نے کب اس کے رہا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ یاد کرو سیٹھ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ اس کے بعد مزید رقم کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اور اپنے اس وعدے پہ میں قائم ہوں۔''

''کک...... کیا مطلب ؟'' وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''مطلب واضح ہے سیٹھ، ابھی تک تو تمھارے ساتھ کافی حساب کتاب رہتا ہے۔''

''مم میں سمجھا نہیں مسٹر آپ اپنی بات کی وضاحت کریں؟''

''اسی لیے تو فون کیا تھا سیٹھ صاحب تاکہ تمھیں کچھ بھولی بسری باتیں یاد دلا دوں ...... فدوی کو اسماعیل شاہ غازی کہتے ہیں ...... پہچانا؟''

''مم...... مگر...... تت...... تم۔''

''کیا ہوا سیٹھ صاحب تمھاری زبان کیوں اٹکنے لگی۔ میرے جیسے بندے تو آپ کے ہاریوں اور مزارعوں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں پھر یہ گھبراہٹ کیسی؟''

''شاہ جی میں...... میں اپنے رویے پہ معذرت خواہ ہوں۔''

''ارے واہ...... اتنا بڑا کرم مجھ پہ کہ عزت مآب سیٹھ فاضل علی خان صاحب بقلم خود معافی کے خواستگار ہیں۔''

''دیکھو شاہ جی...... ہم مل بیٹھ کے اپنے درمیان موجود غلط فہمیاں ختم کر سکتے ہیں۔''

''دیکھو مسٹر بناوٹی سیٹھ...... ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی نہیں، جو بات ہے بڑی واضح ہے، اس لیے یہ ڈرامے بازی بند کرو اور صرف میری بات سنو...... تم نے میرے گھر کی جو قیمت لگائی تھی وہ نہایت حقیر تھی حالانکہ اس کی قیمت اتنی بنتی تھی جتنی میں نے ابھی وصول کی ہے۔ یہ تو ہوگئی ایک بات...... اب دوسری سنو، مجھے اپنی ماں کا قاتل درکار ہے، وہ کون تھا اور اس تک کہاں ملے گا ؟''

''ان دونوں کو آپ کار دھماکے میں قتل کر چکے ہیں۔'' فاضل خان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

''جھوٹ نہیں چلے گا سیٹھ صاحب۔''

''قسم خدا کی یہ سچ ہے۔''

''خدا کا نام نہ لو سیٹھ صاحب!...... تمھارے غلیظ منہ سے یہ پاکیزہ نام بہت اوپرا اوپرا سا لگتا ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''شاہ جی میں سچ کہہ رہا ہوں، تمھاری ماں کو قتل کرنے والے دونوں ہلاک ہو چکے ہیں۔''

''یقین تو نہیں آ رہا...... بہر حال مجبوری ہے۔''

''شاہ جی اب تو گڑیا کو چھوڑ دو، آپ نے اپنا بدلہ لے لیا ہے، اس کے علاوہ بھی اگر کوئی جرمانہ ہے تو میں ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔'' فاضل علی خان کے لہجے میں عجیب قسم کی انکساری اور لجاجت در آئی تھی۔

''اس کے متعلق کل بات ہوگی سیٹھ صاحب...... فی الحال اتنا یاد رکھنا کہ پولیس کے ساتھ رابطہ کرنے یا کسی کو میرے متعلق اطلاع دینے سے تیری بیٹی کی سختیوں میں اضافہ ہوگا۔ مجھے کل والا اسماعیل سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی۔ آج میں اکیلا نہیں ہوں۔ تم سے بھی بڑا گروہ میری پشت پہ ہے۔ گو میں اس کا سربراہ تو نہیں ہوں...... لیکن اس کے بڑے کا منظور نظر ضرور ہوں...... اور وہ میری کوئی بات بھی رد نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے آپ کی تسلی کے لیے اتنا کافی ہوگا۔''

''شاہ جی! میں نے پہلے بھی پولیس کو اطلاع نہیں کی تھی، اب بھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اسماعیل نے رابطہ منقطع کر دیا۔ فاضل نے جلدی سے اسے دوبارہ رنگ کیا مگر نمبر اسے بند ملا۔

فاضل خان سر پکڑ کے صوفے پہ بیٹھ گیا صورت حال اس کی توقع سے بھی خراب تھی۔ اس کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسماعیل شاہ جو اس کے نزدیک کسی کیڑے سے بھی زیادہ بے بس اور مجبور تھا اس سے ایسا انتقام لے گا۔ اسے کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا سب سے قیمتی آدمی، اسماعیل پہلے ہلے میں ہلاک کر چکا تھا اب اسے ایسا کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا جس سے وہ مشورہ ہی کر لیتا۔ اس کا ایس پی سے رابطے کا ارادہ ڈانو ڈول ہو چکا تھا کہ اسماعیل کے متعلق اطلاع دینے سے لازماً پچھلی باتیں زیر غور آتیں جو اس کے حق میں بہتر نہیں تھیں۔ ڈیوی سے مدد مانگنے میں بھی اس کی سبکی تھی۔ کافی غور کرنے پہ بھی جب اس کے ذہن میں کوئی ترکیب نہ آئی تو اس نے مجبوراً نیند کی گولیوں کی شیشی اٹھائی اور اکٹھی چار پانچ گولیاں نگل کر بستر پہ لمبا ہو گیا۔ شاید تھوڑے آرام کے بعد وہ کچھ بہتر فیصلہ کرنے کے قابل ہو پاتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆......☆......☆

''سر دونوں آپ کے تعاقب میں ہیں۔'' عاطف کے کانوں میں اختر کی آواز گونجی۔

''ان دونوں کے علاوہ کوئی نظر آیا؟''

''نہیں سر۔''

''ٹھیک ہے میں گیسٹ ہاؤس کا رخ کر رہا ہوں۔ اس گلی میں انھیں گھیرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر...... ہم دونوں تیار ہیں''تھوڑی دیر بعد ہی عاطف روڈ چھوڑ کر گلیوں میں گھس گیا تھا دو تین موڑ کاٹنے کے بعد ہی اس نے ایک مناسب مقام پہ کار روک دی دونوں موٹر سائیکل سوار اس وقت کار کے کافی نزدیک تھے۔ کار اس نے اس ترچھی کر کے روکی تھی کہ وہ آگے گذر کر نہیں جا سکتے تھے۔

بجلی کی سی سرعت سے وہ اور عرفان نیچے اترے ان کے ہاتھوں میں موجود پستولوں کا رخ دونوں موٹر سائیکل سواروں کے جانب تھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے آرہے تھے پچھلے سوار نے موٹر سائیکل کو تیزی سے پیچھے موڑا مگر اس وقت تک اختر اور صغیر اپنی موٹر سائیکلیں کھڑی کر کے نیچے اتر چکے تھے اور ان کے ہاتھوں میں چمکنے والوں پستولوں نے دونوں مجرموں کو رکنے پہ مجبور کر دیا۔ ان دونوں کے علاوہ ایک کار سوار اور ایک موٹر سائیکل سوار بھی عاطف پارٹی کے گھیرے میں آگئے تھے وہ غریب بھی گھبراہٹ کے عالم میں نیچے اتر آئے ۔ مگر انھیں کچھ کہے بغیر عاطف مجرموں سے مخاطب ہوا۔

''اگر زحمت نہ ہو تو اپنے ہاتھ سر سے بلند کر لو۔''

''یہ کیا مذاق ہے؟''ایک موٹر سائیکل سوار تلخی سے بولا لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اس کے نزدیک پہنچنے والے عرفان نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا اور اس کے ہاتھ خود بخود سر سے بلند ہوتے گئے۔ دوسرا پہلے ہی آرڈر پہ عمل کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کے ہاتھ پشت پہ جکڑ کے وہ انھیں کار کی پچھلی نشست پہ منتقل کر چکے تھے۔ گیسٹ ہاؤس وہاں سے نزدیک ہی تھا۔ کار سائیڈ پہ کر کے عاطف نے غیر متعلقہ افراد کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور وہ کان دباتے ہوئے رفو چکر ہو گئے۔

''ان کی موٹر سائیکلیں بھی گیسٹ ہاؤس میں لے آؤ''اختر سے کہہ کر وہ عرفان کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس سے قبل وہ مجرموں کی آنکھوں پہ پٹی باندھنا نہیں بھولا تھا۔ انھیں تہہ خانے میں منتقل کرنے کے متعلق آرڈر دے کر وہ عمران سے رابطہ کرنے لگا۔

''جی سر؟''

''عمران!...... فیصل کے ساتھ الیاس کو چھوڑ کر باقی فوراً گیسٹ ہاؤس پہنچو، دونوں آدمی ہم نے گرفتار کر لیے ہیں اور ان کے ٹھکانے کی بابت اگلواتے ہی ان کے باقی ساتھیوں کی سرکوبی کے لیے جانا پڑے گا، میرا اندازہ ہے ہم میجر روبیت کے نزدیک پہنچنے والے ہیں۔''

''ہم پہنچ گئے سر۔''عمران نے کہا۔ اور عاطف رابطہ منقطع کرتا ہوا تہہ خانے کی طرف بڑھ گیا۔ عرفان دونوں کو فرش میں گڑی کرسیوں سے جکڑ کر ان کی آنکھوں سے پٹی اتار چکا تھا۔

''تو کیا خیال ہے دوستو!...... مجھے زحمت کرنی پڑے گی یا تم خود ہی سب کچھ بتا دو گے؟''

''بھائی جان! ہم شریف آدمی ہیں، آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ......''

”کس کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے ؟“

”ہمارے متعلق۔“

”تم دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ وہی پہلا آدمی بولا۔

”تو پھر تم اپنی بات کرو دوسرے کی وکالت کیوں کر رہے ہو۔“

”مم...... میرا اندازہ ہے کہ یہ بھی میری طرح بے گناہ ہوگا۔“

”یہ پسٹل تمہارے ہیں......؟“ عاطف نے ان کی جیبوں سے نکلنے والے پسٹل ان کی آنکھوں کے سامنے لہرائے۔

”جج جی......“

”تو شریف آدمی جیبوں میں پسٹل لیے پھرتے ہیں۔“

”سر!...... آپ کو تو پتا ہے کراچی کے حالات کا......“

”بس بہت ہوگئی یار...... اب فٹافٹ میجر روہیت کے ٹھکانے کے بارے اگل دو ؟“

”کون میجر روہیت ؟“

”کیا تم بھی میجر روہیت کو نہیں جانتے ؟“ اس دفعہ عاطف کا مخاطب خاموش بیٹھا آدمی تھا۔ اس نے بھی نفی میں سر ہلا دیا۔

”عرفان تم ہی انھیں کچھ سمجھاؤ میری بات تو ان کے پلے نہیں پڑ رہی۔“

”بس سر چند منٹ کی بات ہے...... آپ دیکھیں کہ میں ان کی یادداشت کیسے تیز کرتا ہوں“۔ عرفان چہکا،

”یار ٹائم بہت کم ہے “

”سر!...... بس چند منٹ“ اس نے نیچے بیٹھ کر دونوں کے بوٹ کھولے اور دونوں کی پنڈلیوں کو لوہے کے راڈ سے کرسی کے پائے سے جکڑ کر اس نے ایک بٹن دبایا تو کرسی کے پائے چھ انچ بلند ہوگئے۔ الماری کھول کر اس نے چار موم بتیاں نکال کر جلائیں اور ترتیب سے ان کے قدموں کے نیچے رکھ کر وہ عاطف سے بولا۔

”سر آپ پچھلے دن سری پائے بنانے کی ترکیب پوچھ رہے تھے نا؟...... تو پائے بنانا تو ابھی سکھا دیتا ہوں...... سری پھر کبھی سہی ۔“ یہ الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ دونوں کے منہ سے کراہیں بلند ہونی شروع ہوگئیں۔

”سر آپ ان آوازوں پہ دھیان نہ دینا ہانڈی پکنے کی آواز تو آتی ہی رہتی ہے۔“

”پپ...... پلیز انھیں ہٹاؤ میں بتاتا ہوں۔“ خاموش رہنے والا چیخ پڑا تھا۔

جبکہ دوسرا ہونٹ بھینچے تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''پہلے بتاؤ.....''

''وہ اڈے نمبر تین میں ہے۔''

''ایڈریس بتاؤ؟'' عاطف مستفسر ہوا۔ اور اس نے بڑی سرعت سے روہیت کا ایڈریس اُگل دیا۔

عاطف نے آنکھ کے اشارے سے عرفان کو موم بتی ہٹانے کا اشارہ کیا۔ اور دوسرے سے مخاطب ہوا۔

''کیا یہ صحیح بتا رہا ہے؟''

''آں.....یہی ہے۔'' تکلیف کی شدت سے اس کے منہ سے بڑی مشکل سے آواز نکلی تھی۔ عرفان نے دونوں کے پاؤں کے نیچے سے موم بتیاں ہٹادی تھیں مگر ان کے منہ سے درد بھری کراہیں خارج ہوتی رہیں۔ جلنے کی تکلیف اتنی جلدی ختم نہیں ہوسکتی تھی۔

''اس کے ساتھ وہاں کتنے آدمی ہوں گے؟''

''وہ اکیلا رہنا پسند کرتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمھارے باقی ساتھی کسی اور ٹھکانے پہ ہوں گے۔''

''جی.....'' وہ ہونٹ بھینچتا ہوا بولا۔

''لگے ہاتھوں ان کے ایڈریس بھی دہرادو؟'' جواباً اس نے دو تین ایڈریس دہرادیے۔ جو عرفان نے جلدی سے ایک نوٹ بک میں درج کر لیے۔ اسی وقت عمران نے کمرے کا دروازہ کھول کر پوچھا.....

''سر کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

''نہیں.....'' عاطف مسکراتا ہوا بولا۔ ''ہم باہر آرہے ہیں۔ چند لمحوں بعد وہ سب عاطف کے دفتر میں روہیت کو گھیرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''تم کب تک مجھے قید رکھو گے؟'' اسماعیل نے جیسے ہی اس کے سامنے کھانے کے برتن رکھے وہ جیسے غصے سے پھٹ پڑی۔

''میرا خیال ہے تجھے عزت راس نہیں ہے؟'' اسماعیل کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ لرز گئی لیکن اس کی زبان نہ رکی اور وہ اسی لے میں بولی۔

''آخر کس گناہ کا بدلہ لے رہے ہیں، کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا، اگر آپ کی دشمنی ڈیڈی سے ہے تو مردوں کی دشمنی میں عورتوں کا کیا کام؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ تو بہت پرانا قانون ہے بے بی کہ مردوں کی لڑائی میں لونڈی عورت کو بننا پڑتا ہے۔" خلاف توقع اسماعیل کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"پہلے اپنے دشمن کو شکست تو دے لو....." نہ چاہتے ہوئے بھی حنا کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "آپ تو عورتوں کے سر پہ دشمن کو شکست دینا چاہ رہے ہیں اور یہ مردوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔"

"نہ ہو مردوں کا شیوہ.....؟ کچھ کمینے دشمن ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی مخالفت میں ہر عمل کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔"

"یہ بھی کمزوروں کی گھڑی کہاوت ہے۔" حنا ٹھوس لہجے میں بولی۔ وہ یونیورسٹی کی طالبہ تھی لفاظی سے شکست نہیں کھا سکتی تھی۔

"یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ اصل حالات سے ناواقف ہو.....ورنہ ایسی بات کبھی نہ کرتیں۔"

"یہ آپ کی سوچ ہے۔"

"شٹ اپ، آرام سے کھانا کھاؤ" وہ دھاڑتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ حنا کے لبوں پہ مسکراہٹ کھل گئی۔ یہ اس کے ہار جانے کی علامت تھی کہ وہ کمرے سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی، بمشکل کھانے سے فارغ ہوئی تھی کہ اسماعیل ایک کھلی بوتل ہاتھ میں پکڑے اندر داخل ہوا۔ بوتل پہ لکھے لیبل کو پڑھے بغیر وہ جان گئی کہ وہ ام الخبائث سے جی بہلا رہا ہے۔ اس کا دل کسی انجانے اندیشے سے دھڑکنے لگا۔ مگر اسماعیل اس کی حالت پہ غور کیے بغیر کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ چند بڑے بڑے گھونٹ لے کر اس نے بوتل میں موجود مشروب کی مقدار میں خاطر خواہ کمی کی اور پھر کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔ اس کے انداز سے حنا کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ اسے کوئی اہم بات بتانے لگا تھا۔ اور پھر اس کی لب کشائی نے حنا کے اندازے کی تصدیق کر دی۔

"میرا نام سید اسماعیل شاہ غازی ہے" اس کا کھویا کھویا سا لہجہ عجیب اثر لیے ہوئے تھا۔ "ابو کا نام سید ابراہیم شاہ غازی تھا۔ غربت اور تنگدستی کے باوجود اس نے حتی الوسع مجھے اعلیٰ تعلیم دلانے کی کوشش کی۔ میرا ارادہ ڈاکٹر بننے کا تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود ابو جان اخراجات پورے نہ کر سکا مجبوراً مجھے کامرس میں داخلہ لینا پڑا ایم کام فرسٹ ڈویژن کی ڈگری لینے کے باوجود مجھے کوئی جاب نہ ملی۔ چھوٹی بہن کے جہیز میں پڑے زیور بیچ کر میں نے رشوت کے پیسے پورا کرنے کی کوشش کی مگر بدقسمتی کہ اس رقم نے آدھے گھنٹے سے زیادہ میرا ساتھ نہ دیا اور کسی شقی القلب نے میری جیب کاٹ لی۔ میں اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع امی ابو کو دینے کی جرأت نہ کر سکا اور ایک دوست کے مشورے سے سٹیل مل میں مزدوری شروع کر دی۔ اور والدین کے سامنے یہ جھوٹ گھڑا کہ مجھے نوکری مل گئی ہے۔ چھوٹی بہن ریحانہ جسے میں پیار سے گڑیا کہتا تھا۔" بہن کا نام آتے ہی اس کا سینہ تلخی سے بھر گیا اور وہ بوتل منہ سے لگا کر غٹا غٹ پینے لگا۔

"پتا ہے وہ کیسی تھی؟.....جوان ہونے کے بعد کبھی میں نے بھی اسے ننگے سر نہیں دیکھا تھا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ بوتل میں موجود بچی کچی شراب معدے میں انڈیل کر وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا چند لمحوں بعد وہ ایک نئی بوتل کے ہمراہ نمودار ہوا۔ کرسی

سنبھالتے ہی اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"ہمارے پاس لے دے کے ذاتی مکان ہی ایسی پونجی تھی جس کی وجہ سے ہماری سفید پوشی کا بھرم باقی تھا..... بدقسمتی سے وہ مکان ایک ہوس پرست ابلیس کی نگاہوں میں سما گیا..... ہوا کچھ ایسے کہ ہمارے گھر کے ساتھ ایک پلاٹ کافی عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہمارا ایک پڑوسی بھی، جس کا مکان ہمارے گھر سے متصل تھا۔ وہاں سے اپنے بچوں کے پاس شفٹ ہوا اور اپنا مکان اسے بیچنا پڑا یہ دونوں جگہیں خریدنے کے بعد اس کی نگاہیں ہمارے مکان پہ پڑیں جسے خرید کے وہ وہاں پہ ایک شاپنگ پلازہ تعمیر کر سکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہمارا مکان خریدنا چاہا اور پتا ہے اس کی کیا قیمت لگائی.....؟..... تین لاکھ روپے۔ اتنی رقم سے تو آج کل گدھا گاڑی نہیں آتی۔ یہی بات جب میں نے اس کے سامنے کہی تو اس نے مجھے جوان بہن کا حوالہ دے کر بلیک میل کرنے کی کوشش کی۔ جوان خون کہاں کسی کی دھمکی سنتا ہے۔ میں نے بھی اس کے منہ پہ تھپڑ جڑ دیا اور یہیں سے میری بدبختی کی شروعات ہوئی..... گڑیا عورتوں کے ایک سکول میں سلائی کا کام کرتی تھی۔ اس نے علاقے کے تھانیدار کے ساتھ ساز باز کر کے گڑیا کو سکول سے اٹھوا لیا۔ مجھے اور ابو کو جب خبر ملی کہ گڑیا تھانے میں ہے ہم بھاگم بھاگ وہاں پہنچے، ہمیں بتایا گیا کہ گڑیا ایک آدمی کے ساتھ شرمناک حالت میں پکڑی گئی ہے۔ اس خبر کا جو اثر ہونا تھا سو ہوا ابو جان کو تو یہ سن کر ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ میں جلدی سے اسے ہسپتال لے کے گیا اور اپنے دوست کو بھی فون کر کے ہسپتال بلا لیا۔ اس کے پہنچنے پہ میں نے ابو کو اس کی نگرانی میں چھوڑا اور خود تھانے پہنچا، وہاں جا کے تھانے دار کی زبانی پتا چلا کہ گڑیا کو رہا کر دیا گیا ہے۔ میں تھانے سے گھر پہنچا تو وہاں ایک اور روح فرسا منظر میرا منتظر تھا۔ میری محبت کرنے والی ماں گھر کے صحن میں تڑپتے ہوئے آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اور اس کی وجہ اس کے پہلو میں گھسا ہوا خنجر تھی۔ میں نے خنجر ان کے پہلو سے نکال کے پھینکا اور کسی گاڑی رکشے کی تلاش میں جانے کے ارادے سے گھر سے باہر کے جانب لپکا مگر اسی وقت پولیس وہاں آن پہنچی..... اور مجھے اپنی ہی ماں کے قتل میں گرفتار کر لیا گیا۔ میں چیختا، چلاتا، روتا، پیٹتا رہا مگر کسی نے مجھ پہ ترس نہ کھایا سازش بالکل مکمل تھی..... خبر لگی "ایک غیرت مند بھائی کو جب بہن کی بدچلنی کے بارے معلوم ہوا اور یہ پتا چلا کہ اس کام میں اس کی ماں بھی بہن کے ساتھ شامل ہے تو اس نے اپنی ماں کو ہلاک کر دیا، شریف باپ کو یہ سن کر ہارٹ اٹیک ہو گیا اور وہ ہسپتال میں چل بسا جبکہ بہن گھر سے فرار ہو گئی..... حنا فاضل علی خان تم اندازہ کرو کہانی کتنی پرفیکٹ تھی۔ پھر اسی پہ بس نہ ہوا بلکہ اسی دن سیٹھ فاضل علی خان کا ایک چیلا مجھ سے مکان کی ملکیت کے کاغذات سائن کرانے آن پہنچا۔ میرے زعم میں میرے پاس گنوانے کو کچھ نہیں بچا تھا میں نے کاغذات سائن کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں مجھے راتوں رات تھانے سے سیٹھ کے اڈے پہ منتقل کر دیا گیا۔ اور میرے سامنے معصوم گڑیا کو لایا گیا جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اس بھائی کی بہن تھی جو اس کے نام کا طعنہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ جب جوان بہن سامنے لائی گئی تو میں انکار نہ کر سکا اور جائیداد کے کاغذات سائن کر کے دے دیے مگر سیٹھ فاضل علی خان نے اس وقت وہ گھٹیا حرکت کی، وہ انسانیت سوز سلوک کیا جس کی تکلیف آج بھی میرے سینے میں چھپی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس نے میری آنکھوں کے سامنے..... میری معصوم گڑیا کو چارپائی سے باندھ کے..........'' شدت غم سے اسماعیل کی آواز حلق میں گھٹ گئی اور وہ چند لمحوں تک بولنے کے قابل نا رہا۔

''میں نے آنکھیں بند کرلیں تھیں مگر وہ چیخیں آج بھی میری سماعت میں زندہ ہیں۔ میں سوتا ہوں تو مجھے جگا دیتی ہیں۔ مجھے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتیں۔ پھر اسی پہ اکتفا نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد اس کے گرگوں نے بھی اس معصوم کو پامال کیا وہ سترہ اٹھارہ سال کی معصوم بچی...... کیا بیتی ہوگی اس پہ...... مجھے بیہوش کر کے واپس تھانے بھیج دیا گیا کہ اس کی نظر میں میری سزا پہ عمل درآمد ہو چکا تھا۔ مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ!

یہ دنیا ہے جس کا نام میاں، یہ اور طرح کی بستی ہے
یہ مہنگوں کو تو مہنگی ہے، اور سستوں کو یہ سستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

اس نے جب میری بہن کا نام لیا تھا تو میں نے اس کے منہ پہ تھپڑ مارا، اس کے بدلے اس نے میری بہن کو کسی قابل نہ چھوڑا اور یہ سارا کام میری نگاہوں کے سامنے کیا گیا۔ لیکن یہ ٹائم اس پہ بھی تو آنا تھا اور اب آ گیا ہے۔ مجھے تھانے بھجوا کر میری بہن کو چھوڑ دیا گیا مگر وہ زندہ نہ رہ سکی اور گاڑی کے سامنے چھلانگ لگا کر اپنی محبت کرنے والی ماں اور شفیق باپ کے پاس پہنچ گئی لیکن مجھے بہت بڑی ذمہ داری سونپ گئی۔ ایک ہوس پرست ظالم سیٹھ سے بدلہ لینے کی ذمہ داری...... ایک قتل کے جرم میں قید ملزم کے لیے یہ ناممکن بات تھی مگر میرے خدا کے لیے ناممکن نہیں تھی ایک فرشتہ سیرت شخص نے مجھے حوالات سے فرار کرایا اس قابل بننے میں مدد دی کہ آج میں اس سیٹھ کی نیندیں اڑا سکوں۔...... اب بتاؤ حنا فاضل علی خان کہ بزدل کون ہے؟ میں یا تمہارا ظالم باپ۔ اس جنگ میں عورتوں کو گھسیٹنے والا کون ہے ؟ میں یا سیٹھ فاضل...... اگر اس نے میری معصوم بہن کے ساتھ ایسا شرمناک سلوک کیا تو کیا مجھے یہ حق حاصل ہے کہ نہیں کہ میں بھی اس سے ویسا ہی بدلہ لے سکوں؟...... کیا میں اسے ویسا ہی دکھ پہنچانے کا حق دار نہیں ہوں ؟ بتاؤ...... بتاؤ ؟'' اسماعیل کی آواز بلند ہوگئی۔ حنا نے خاموشی سے سر کو جھکا لیا اور اسماعیل بوتل منہ سے لگائے کمرے سے نکل گیا آج اسے ایک بہت بڑا فیصلہ کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''ہمارے پاس ٹائم بالکل نہیں ہے کسی بھی لمحے وہ اپنے آدمیوں کی گرفتاری سے واقف ہو کر اپنا ٹھکانہ بدل سکتے ہیں؟''

''اصولی طور پر تو انہیں اب تک پتا چل جانا چاہیے تھا ؟'' عاطف کے جواب میں عمران بولا تھا۔

''ایسا ہی ہے...... ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کے موبائل پہ رنگ آیا تھا میں نے کال اٹینڈ کرنے کی بجائے میسج لکھ دیا کہ ہم فی الحال بات نہیں کر سکتے تھوڑا انتظار کرو...... اور دوبارہ کال بھی نہ کرنا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تو پھر چلیں سر ٹائم کم ہے۔"

"ان دونوں نے اپنے تین چار ٹھکانوں کے متعلق بتلایا ہے جن میں سے سب سے اہم میجر رو بیت کا ٹھکانہ ہے کہ سرغنہ وہی ہے اور سب سے پہلے اسی کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ باقی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لیے یوں کرتے ہیں کہ، عرفان تم اپنے ساتھ صغیر، اختر اور سہیل کو لے جا کے ان کے باقی ٹھکانوں پہ ہلہ بولو میں عمران، عامر اور امجد کے ساتھ میجر رو بیت کو گھیرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔" عرفان اثبات میں سر ہلایا۔

"کوئی اس فیصلے میں ترمیم کرنا چاہتا ہو؟" حسب عادت عاطف نے پوچھا۔

"نہیں سر۔" تمام بیک زبان بولے۔

"تو پھر چلو" عاطف کھڑا ہو گیا۔ اور تمام اس کے ہمراہ باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مختلف گاڑیوں میں سوار اپنی اپنی منزل کے جانب رواں دواں تھے۔ گیسٹ ہاؤس ہی سے وہ مخالف سمتوں میں روانہ ہو گئے تھے۔

عاطف اور عمران ایک گاڑی میں تھے جبکہ عامر اور امجد دوسری گاڑی میں۔

"عامر!..... تو نے کار مکان کی پچھلی سمت لے جا کے روکنی ہے۔" گیسٹ ہاؤس سے تھوڑا آگے بڑھتے ہی عاطف نے آرڈر پاس کیا۔ وہ بذریعہ وائرلیس رابطے میں تھے۔

"اوکے سر" عامر مختصراً بولا۔

"باہر رکنے کی ضرورت نہیں تمام اکٹھے اندر گھسیں گے، عامر اور امجد پشت سے جبکہ عمران اور میں سامنے سے۔"

امجد نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "کم از کم ایک بندے کو تو باہر ہونا چاہیے۔"

"کوئی ضرورت نہیں نفری کم ہے..... یوں بھی اگر انھیں اپنے آدمیوں کے گرفتار ہونے کی اطلاع ہو گئی ہوئی تو وہ افراتفری میں بھاگنے کی کوشش کریں گے اس کے برعکس ہونے کی صورت میں وہ غافل ہوں گے اور انھیں اندر گھیرنا ہی فائدہ مند رہے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی سر۔"

"نہیں امجد!..... بات میری مرضی کی نہیں اور نہ ہی کبھی میں نے اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کی ہے..... آپ دلیل سے بات کرو اور اپنی بات منوالو۔"

"مجھے آپ سے اتفاق ہے سر۔"

اور عاطف "وتھینکس" کہہ کر خاموش ہو گیا۔ مطلوبہ مکان کے پاس پہنچتے ہی عامر گاڑی مکان کی پشت کے جانب لے گیا جبکہ عاطف نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر مکان کے سامنے گاڑی روک لی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تم نے دائیں سائیڈ کور کرنی ہے۔'' عمران سے کہہ کر وہ خود بائیں طرف بڑھ گیا۔دیوار کی اونچائی بمشکل سات فٹ تھی وہ بغیر کسی وقت کے اس کے اوپر سے کودتے ہوئے اندر پہنچ گئے۔

''ہم اندر پہنچ گئے ہیں سر۔'' عاطف کے کانوں میں عامر کی آواز گونجی۔

''ہم بھی۔'' وہ مختصراً بولا

''عمران میں سامنے سے اندر گھس رہا ہوں تو نے دائیں جانب کی کھڑکیوں کو کور کرنا ہے، امجد تم بائیں سائیڈ پہ آجاؤ جبکہ عامر تم پشت پہ ہی رہو۔'' پسٹل کو احتیاط سے سنبھالتے ہوئے وہ برآمدے میں گھسا ڈرائینگ روم کا دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا کوئی بھی موجود نہیں تھا۔اندر گھس کر اس کے قدم اگلے کمرے کے جانب بڑھے اسی وقت اسے عمران کی للکار سنائی دی۔

''ہینڈز اپ......'' اس سے متصل ہی گولی چلنے کی آواز گونجی اور پھر عمران کی تیز کراہ سنتے ہی وہ تیز قدموں سے باہر کی طرف بھاگا ۔عمران اسے ہاتھ ٹیک کر زمین سے اٹھتا نظر آیا۔اسے نظر انداز کر کے وہ باہر کی طرف بھاگا۔دروازہ کھولنے کا تکلف کیے بغیر وہ دیوار کے اوپر سے ہوتا ہوا باہر آ گیا،مگر مجرم غائب تھا۔تھوڑی دیر دائیں بائیں گھوم کر وہ واپس مکان میں آ گیا اس اثناء میں امجد اس کی تقلید میں باہر نکل آیا تھا اسے باہر رہنے کا اشارہ کر کے وہ اندر گھسا تو اسے عمران اور عامر ایک بوڑھے آدمی کو گرفتار کیے دکھائی دیے۔

''اندر تو صرف یہی ہے سر......'' عامر اسے دیکھتے ہی بولا۔

''میرا خیال ہے بھاگنے والا میجر روہیت تھا ؟''

''یقیناً وہی تھا سر......سوری کہ وہ میری غفلت کی وجہ سے بھاگ گیا۔''

''غفلت نہیں کمزوری کہو عمران......۔''

''ایسا ہی ہے سر۔'' عمران نے سر جھکا دیا۔

''ویسے ہوا کیا تھا؟''

''سر وہ اچانک کھڑکی میں نمودار ہوا......میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔پسٹل کی وجہ سے میں کچھ زیادہ ہی لاپرواہ تھا ۔میرے للکارنے پہ جب وہ نہ رکا تو میں نے اس کی ٹانگ پہ گولی چلائی مگر اپنی پھرتی کی وجہ سے وہ بچ گیا اور اس پہلے کہ میں دوسری مرتبہ ٹریگر دباتا اس کی فلائنگ کک میرا حال پوچھ چکی تھی۔''

''چلو کوئی بات نہیں......۔''

''سر وہ میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔''

''ہاں......کافی منجھا ہوا ایجنٹ ہے......اس بارے میں آپ لوگوں کو تفصیل سے بریف کر چکا ہوں......اور پھر حمید اور ظفر کا

انجام آپ لوگوں کے سامنے ہے ...... بہر حال اب یوں کرو عامر تم اسے باہر لے جا کے کار میں بٹھاؤ عمران اور میں مکان کی تلاشی لے کے آتے ہیں۔"

عامر سر ہلاتے ہوئے اس بوڑھے کو ساتھ لیے مکان سے باہر نکلتا گیا جبکہ عاطف اور عمران اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

میجر روحیت کی خوش قسمتی کہ کھٹکے کی آواز سن کر وہ باہر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔کھڑکی کے شیشے سے اسے ایک آدمی محتاط انداز میں آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیا وہ سمجھ گیا کہ اسے گھیرا جا رہا ہے۔اس نے سرعت سے فیصلہ کرتے ہوئے فرار کے لیے وہی سمت منتخب کی اور اگلے ہی لمحے وہ کھڑکی کھول کر باہر کود گیا۔

"ہینڈز اپ" وہ آدمی زور سے للکارا اس کے ساتھ ہی اس کے پسٹل کا رخ روحیت کی ٹانگوں کی طرف ہو گیا جس سے روحیت کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس کا مقصد صرف اسے زخمی کرنا ہے۔اس کی ٹریگر پہ دھری انگلی پہ نظر رکھتے ہوئے روحیت تیزی سے اس کی سمت بڑھا اور پھر انگلی کی معمولی سی جنبش کو دیکھتے ہوئے وہ زور سے اچھلا۔گولی اس کے قدموں کے نیچے سے نکل گئی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ آدمی اگلی گولی فائر کر پاتا اس نے ایک زوردار کک اس کے سینے پہ دے ماری اور اس کے نیچے گرتے ہی وہ رکے بغیر بھاگتا چلا گیا۔نہ جانے کتنے آدمیوں نے مکان کو گھیرا ہوا تھا۔بجائے گلی میں کودنے کے وہ ساتھ والے مکان کی دیوار پھلانگتا ہوا اندر داخل ہوا۔اس کی خوش قسمتی کہ صحن میں کوئی نہیں تھا۔اس مکان سے متصل مکان میں گھس کر اس نے پچھلی طرف کی دیوار سے گلی میں جھانکا اور گلی کو خالی پا کر باہر کود گیا۔وہاں سے تیزی سے دور جاتے ہوئے اس نے موبائل نکال کر رندھیر کا نمبر ڈائل کیا۔

"جی سر...... ابھی تک ان دونوں آدمیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی جیسے ہی......"

"وہ دونوں الو کے پٹھے پکڑے گئے ہیں...... تم فوری طور پہ اپنی جگہ چھوڑ دو اور تمام کو فون کر کے یہی بات بتا دو...... ان دونوں کو جو جو باتیں معلوم تھیں دشمن ان سے پوچھ چکے ہوں گے اس لیے تمام احتیاطیں بروئے کار لے آؤ...... پتا ہے نا کیا کرنا ہے؟"

"جی سر۔"

"او کے پھر کل شام کو اس جگہ ملیں گے جہاں پہلی مرتبہ اکھٹے بیٹھ کے کھانا کھایا تھا...... اب اس نمبر پہ کال کرنے کی ضرورت نہیں میں نمبر بدلنے لگا ہوں۔"

"ٹھیک سر میں سمجھ گیا...... باقیوں کو بھی میں نمبر بدلنے کا کہہ دیتا ہوں۔"

"بس جو کرنا ہے سرعت سے کرو دشمن کسی ٹائم بھی تمھارے ٹھکانے پہ ہلہ بول سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے رابطہ منقطع کیا اور موبائل گندے نالے میں اچھال کر قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی اشارے سے روک کر اس میں بیٹھ گیا۔اس کا ارادہ اس ٹھکانے پہ

جانے کا تھا جس کے متعلق رند میر بھی نہیں جانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''اسلام علیکم سیٹھ صاحب! میرا نام انسپکٹر دلشاد امین ہے اور ایس پی صاحب نے آپ کی بیٹی کے اغواء کا کیس میرے حوالے کیا ہے۔''

''وعلیکم اسلام!.....انسپکٹر صاحب پلیز تشریف رکھیں۔'' فاضل خان نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔ دلشاد امین کا نام سن کر کچھ بھولی بسری یادیں اس کی سوچ میں در آئی تھیں۔ کچھ بھی تھا ایس پی صاحب نے حنا کی بازیابی کے لیے صحیح بندے کا انتخاب کیا تھا۔ فاضل آنکھیں بند کر کے اس پہ اعتماد کر سکتا تھا۔ انسپکٹر دلشاد کی ایمانداری میں اسے کوئی شبہ نہیں تھا۔

انسپکٹر شکریہ کہتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

''سیٹھ صاحب کیا بلیک میلر کا دوبارہ کوئی فون آیا ہے؟۔''

ایک لمحہ سوچنے کے بعد فاضل نے کہا۔''جی انسپکٹر صاحب رات کو اڑھائی تین بجے کے قریب اس کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟.....کیا پھر کوئی نیا مطالبہ کیا ہے اس نے؟''

''وہ میرا ایک پرانا دشمن ہے انسپکٹر صاحب۔''

''میرا بھی یہی اندازہ تھا.....بہر حال کون ہے؟ دشمنی کی وجہ؟ اور کیا چاہتا ہے۔''

''اس کا نام سید اسماعیل شاہ غازی ہے انسپکٹر صاحب.....دشمنی کی وجہ وہی امیر اور غریب کی ازلی چپقلش.....کوئی دو سال پہلے اپنا مکان فروخت کرنے کے سلسلے میں میرے پاس تشریف آوری ہوئی تھی۔ میں نے اس کے مطالبے سے کم قیمت لگائی موصوف ناراض ہو کر چلا گیا۔ اس وقت اسے رقم کی ضرورت تھی مگر میں نے کوئی خیراتی ادارہ تو کھول نہیں رکھا تھا کہ پچیس تیس لاکھ کے مکان کے دو کروڑ ادا کرتا۔ بعد میں اس کی بہن کسی گاہک کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی جس کی وجہ سے موصوف کے باپ کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور جناب نے غصے میں آ کر اپنی ماں کو قتل کر دیا کہ وہ بھی بہن کی سرگرمیوں میں شریک تھی۔ بہن گھر سے فرار ہو گئی اور یہ حوالات میں پہنچ گیا۔ وہاں سے کسی مجرم تنظیم کی مدد سے فرار ہوا اور آج میرے گلے آن پڑا ہے۔ اپنی بربادی کا ذمہ دار وہ مجھے گردانتا ہے کہ اگر میں نے اس وقت اس کی مطلوبہ رقم ادا کر دی ہوتی تو حالات اس نہج پر نہ پہنچتے.....حالانکہ کراچی میں اور بھی کئی امرا موجود ہیں، جو مجھ سے کئی گنا امیر ہیں لیکن میری بدبختی کہ اس کم بخت نے میرے گلے پڑنا تھا۔ اب اپنی بہن کی بے عزتی کا بدلہ وہ میری بیٹی کو اغوا کر کے لے رہا ہے۔''

''بات حلق سے نہیں اتر رہی سیٹھ صاحب.....اتنی سی بات پہ اتنا بڑا قدم کوئی کیسے اٹھا سکتا ہے۔ اور اس کی بہن کی بے عزتی سے آپ کا کیا تعلق؟''

"یہی تو رونا ہے تھانیدار صاحب، ویسے اس کا گمان ہے کہ اگر میں اس کا مکان خرید لیتا تو اس کی ماں بہن پیسے کی ضرورت کو اس برے انداز میں پورا کرنے کی کوشش نا کرتیں۔ یعنی وہی مثل اس پہ لاگو آتی ہے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ اب وہ ماں کو قتل کرنے کا جواز ڈھونڈتا پھر رہا ہے یا شاید اس میں اسے کوئی کفارہ نظر آرہا ہے، بہرحال کچھ بھی ہے مجھ پہ تو قہر ٹوٹا ہے نا؟۔"

دلشاد امین نے اس کے جانب بغور دیکھا مگر سیٹھ فاضل نگاہیں چرا گیا۔ دلشاد امین کے گلے سے اس کی کہانی نہیں اتر رہی تھی مگر وہ اس کی مدد کرنے آیا تھا اور بظاہر وہ مظلوم تھا اس نے خواہ مخواہ اس کی تردید کرنی مناسب نہ سمجھی اور اس کی کہانی من وعن قبول کر لی۔

"ویسے یہ کتنا عرصہ پہلے کی بات ہے؟"

"قریباً دو سال ہونے ہیں۔"

"کس تھانے کی عمل داری میں یہ کیس ہوا تھا؟" جواباً فاضل علی خان اس تھانے کا نام دہرا دیا۔

"اچھا سیٹھ صاحب...... اب یہ بتائیں اس کے بارے کوئی ہلکا سا کلیو ہو آپ کے پاس، اس کی کوئی فوٹو وغیرہ، جس سے میں اپنی تفتیش آگے بڑھا سکوں۔"

"اس کا فوٹو وغیرہ تو شاید آپ کو تھانے سے مل جائے البتہ اس کا کوئی کلیو ہوتا میرے پاس تو وہ سطح زمین کی بجائے زیر زمین نظر آتا۔"

"ابھی چند لمحے پہلے تو آپ بڑی شدت سے خود کو مظلوم ثابت کر رہے تھے، اتنی جلدی لہجہ بدل لیا ہے؟" دلشاد امین کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی جو فاضل خان کو یہ احساس دلانے کے لیے کافی تھی کہ دلشاد نے اس کی کہانی پہ بالکل یقین نہیں کیا تھا۔

"انسپکٹر صاحب ایسے بندے پہ غصہ کرنا میری طبعی مجبوری ہے آخر اس پلید نے ہفتے بھر سے میری معصوم بیٹی کو یرغمال بنایا ہوا ہے...... اسے منہ مانگی رقم بھی ادا کی جا چکی ہے اس کے باوجود اس نے گڑیا کو رہا نہیں کیا اب آپ چاہتے ہیں اسکے بارے میں برا بھی نہ سوچوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں سیٹھ صاحب...... ایسے ظالموں کے لیے ہم موجود ہیں نا؟"

"کاش ایسا ہی ہوتا؟" اس دفعہ فاضل خان کو پولیس کی ناقص کارکردگی پہ چوٹ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"ایسا ہی ہے سیٹھ صاحب...... اور انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا آپ چند دن انتظار کریں اب جبکہ مجرم کے نام کا پتا چل گیا ہے، وہ خود بھی زیادہ دیر چھپا کر نہیں رکھ سکے گا۔"

"انسپکٹر صاحب یہ نا ہو اس دوران کوئی ایسا حادثہ ہو جائے جس کا ازالہ ممکن نہ ہو؟" فاضل کے لہجے میں ہزار قسم کے اندیشے پنہاں تھے۔

’’میں سمجھا نہیں سیٹھ صاحب ؟‘‘

’’انسپکٹر صاحب میری بیٹی کی عمر تقریباً انیس سال ہے......آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔‘‘

’’اللہ خیر کرے گا سیٹھ صاحب......میں خود بھی ایک بیٹی کا باپ ہوں اور باپ کا دکھ میری نگاہ سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔‘‘

’’انسپکٹر صاحب یہی بات ذہن میں رکھ کر تفتیش کرنا۔‘‘

’’اس کے لیے مجھے آپ کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے سیٹھ صاحب ‘‘ انسپکٹر دلشاد امین کھڑا ہو گیا۔

’’بیٹھیں نا انسپکٹر صاحب چائے پانی تو پی کر جائیں ۔‘‘

’’نہیں سیٹھ صاحب پھر کبھی سہی اس وقت اجازت چاہوں گا ‘‘ اور وہ فاضل سے مصافحہ کر کے وہاں سے نکل آیا، متعلقہ تھانے سے اسماعیل شاہ کی فائل نکال کر وہ اپنی تفتیش آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

’’سر!......پہلے ٹھکانے سے ایک بندے کی گرفتاری کے علاوہ باقی سارے ٹھکانے خالی ملے ہیں۔‘‘ عرفان نے اپنی کارکردگی بتائی۔

’’چلو تم کسی مجرم کو تو پکڑ لائے......ہمارے ہاتھ جو آیا وہ بیچارہ تو بالکل انجان ہے‘‘۔

’’کیا روہیت وہاں نہیں تھا؟‘‘

’’وہیں پہ تھا لیکن ہاتھ نہیں آیا......چکما دے کر نکل گیا۔‘‘

’’وہ کیسے سر؟‘‘

’’یہ بعد میں عمران سے پوچھ لینا پہلے اپنے قیدی سے پوچھ گچھ کر لو شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔‘‘

’’چلو سر اکٹھے چلتے ہیں‘‘

’’نہیں میں نے صدیقی صاحب سے بات کرنی ہے تم خود جا کر تفتیش کرو......میں تمھاری رپورٹ کا منتظر ہوں۔‘‘ عرفان سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور عاطف فون اٹھا کر صدیقی صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

’’یس؟‘‘ صدیقی صاحب کی گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی اور اس نے ساری صورت حال اس کے گوش گذار کر دی۔

’’یہ میجر روہیت کا مسئلہ کچھ زیادہ طول نہیں کھینچ گیا؟‘‘

’’سر بس قسمت اچھی تھی ورنہ......‘‘

’’خیر اپنی قسمت تو اس نے خود اچھی بنائی ہے......‘‘

’’سر! عمران بے خبری میں مار کھا گیا ہے۔‘‘ عاطف نے اپنے ماتحت کی وکالت کی۔

"کیسی بات کر رہے ہو عاطف، دشمن کے گھر میں گھسنے کے بعد کیسی بے خبری اور غفلت؟"

"سوری سر"

"نہیں آپ کو سوری کرنے کی ضرورت نہیں ......لیکن ان تمام کو تھوڑی سی ہدایت کر دو کہ جب ایک دفعہ بتا دیا ہے کہ میجر روحیت کیا بلا ہے تو پھر اسے عام مجرم کی طرح لائیٹلی (Lightly) کیوں لیتے ہیں۔"

"سر اس دفعہ انھیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے......لیکن اس کے باوجود ضروری نہیں کہ وہ ہماری غفلت سے ہی بھاگے......"

"اچھا چھوڑو اس بحث کو تم رپورٹ فائل کر کے بھیجو تا کہ بدر صاحب کو پیش کر سکوں۔"

"سر گھنٹے تک بھیج دیتا ہوں۔"

"او کے۔" کہہ کر صدیقی صاحب نے رابطہ منقطع کر دیا اور عاطف تازہ صورت حال جاننے کے لیے تہہ خانے کی سمت بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

"آ ئیں دلشاد صاحب بیٹھیں۔" دلشاد کا ہم رینک انسپکٹر کرم الٰہی نے کھڑے ہو کر اسے خوش آمدید کہا۔

اور دلشاد "شکریہ" کہتے ہوئے بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت اسماعیل شاہ کے کیس کی فائل دیکھنے تھانے آیا ہوا تھا جہاں اسماعیل قید رہا تھا۔

"چائے یا ٹھنڈا؟"

"چائے مناسب رہے گی۔" دلشاد بے تکلفی سے بولا۔ کرم الٰہی چائے کا آرڈر دے کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سر کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

"ایک بندے کے متعلق معلومات چاہیے تھی......آپ یہ بتائیں کہ آپ یہاں کب سے تعینات ہیں؟"

"چھ ماہ ہونے کو ہیں۔"

"آپ سے پہلے یہاں کون تھا؟"

"انسپکٹر حکم داد۔"

"اچھا سر! اسماعیل شاہ نام کا ایک شخص کوئی دو، پونے دو سال پہلے یہاں حوالات سے فرار ہوا ہے اس کی کیس فائل ذرا نکلوا لیں۔" انسپکٹر کرم نے سر ہلاتے ہوئے انٹر کام اٹھایا اور اسماعیل شاہ کی فائل لانے کا حکم دینے لگا۔ اسی دوران چائے آ گئی وہ بمشکل چائے پی کر فارغ ہوئے تھے کہ ایک پولیس والا اجازت لے کے اندر داخل ہوا اور ہاتھ میں پکڑی فائل مودبانہ انداز میں انسپکٹر کرم الٰہی کے سامنے رکھ دی۔

"یہ لیں سر۔" فائل کے ٹائٹل پر سرسری سی نگاہ ڈال کے اس نے فائل انسپکٹر دلشاد کی سمت بڑھا دی۔

اسماعیل شاہ کی تصویر دیکھ کے دلشاد کو فاضل خان کی ساری باتیں جھوٹی محسوس ہوئیں لیکن فائل میں لکھی تفصیلات فاضل خان کے

بیان کی تائید کر رہیں تھیں۔ دلشاد امین کو محسوس ہوا جیسے اسماعیل شاہ کو اس سارے معاملے میں پھانسا گیا ہو مگر اس بات کا ثبوت اس کے پاس نہیں تھا۔ اس سارے معاملے کی چھان بین بھی بہت مشکل تھی کہ اصل کردار منظر سے آؤٹ تھا۔

''کیا یہ فائل میں چند دنوں کے لیے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں ؟...... اصل میں یہ کردار پھر سامنے آ گیا ہے تو میں چاہتا ہوں ذرا اس کے پچھلے کیس کی سٹڈی کر لوں۔''

''سر پلیز...... اس بارے آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تھینکس انسپکٹر صاحب...... اب اجازت چاہوں گا۔''

''سر اگر ہمارے لائق کوئی اور خدمت ہو تو ضرور موقع دیجئے گا......'' انسپکٹر کرم الٰہی اس کے ہمراہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ اور انسپکٹر دلشاد ایک مرتبہ پھر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تھانے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار اسماعیل شاہ کے محلے کی طرف اڑی جا رہی تھی وہی ایسی جگہ تھی جہاں سے اسماعیل شاہ کے متعلق کچھ معلومات مل سکتی تھیں۔

☆......☆......☆

''رحم دلی اور اخلاق! یہ ایسی دو بیماریاں ہیں جو تمھیں کسی کام کے قابل نہیں چھوڑیں گی...... یاد رکھو ہمیشہ دماغ کا فیصلہ ماننا۔'' اسماعیل کے دماغ میں اکیلے کی باتیں گونج رہی تھیں۔ ''اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہو سکتا ہے تمھیں ایسے کام بھی کرنے پڑیں جن کی بظاہر تمھارا مذہب اجازت نہ دیتا ہو...... تمھارا مذہب میں نے اس لیے کہا کہ مذہب ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے...... تو ایسے کاموں کو مذہب کے کھینچے پہ ترک نہ کرنا...... اب یہ نہ سمجھنا کہ میں مذہب کی مخالفت کر رہا ہوں...... میرا مقصد آپ لوگوں کو یہ باور کرانا ہے کہ جب آپ کے باپ کا قاتل آپ کے سامنے کھڑا ہو تو اس وقت مذہب سے نہ پوچھو کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مذہب کا کام صرف عبادات کے متعلق بتانا ہے۔ یہ آپ کا اور اس کا معاملہ ہے...... اس نے اپنی باری پہ من مانی کی اب تمھاری باری ہے تم بھی من مانی کرو تا کہ بدلہ پورا ہو سکے...... اس وقت اخلاقیات کا درس سننے نہ بیٹھ جانا کہ نبی پاک ﷺ نے یوں کیا تھا اور فلاں بزرگ نے یوں کیا تھا۔ انھوں نے اپنے ظرف کے مطابق عمل کیا تھا ہم دنیادار اپنے ظرف کے مطابق عمل کریں گے۔''

''ہاں ہاں میرا ظرف اتنا نہیں ہے کہ میں اسے چھوڑ سکوں...... اس نے گڑیا کو پامال کر کے جو جرم کیا ہے اس کا بدلہ اسے اپنی بیٹی کے ساتھ ویسے ہی سلوک سے ضرور ملے گا۔'' اس نے شراب کی بوتل منہ سے لگا لی چند بڑے بڑے گھونٹ لے کر اس نے موبائل نکالا اور فاضل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پہلی ہی گھنٹی پہ کال ریسیو کر لی گئی۔

''سیٹھ کیسا ہے رے؟''

''شاہ جی! پلیز مجھے اپنے جرم کا احساس ہے اور میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں، ہر جرمانہ ادا کرنے کو تیار ہوں بس میری گڑیا کو چھوڑ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دو، وہ بہت معصوم ہے، پلیز میرے گناہوں کی سزا اسے نہ دو۔"

"یاد ہے سیٹھ یہی بات کبھی میں نے بھی کہی تھی، کہ جو کہنا ہے مجھے کہو میری بہن بالکل بے قصور ہے۔"

"تو کیا آپ میری غلطی دہرا کر یہ دشمنی جاری رکھیں گے؟"

"مجبوری ہے سیٹھ، تو نے میری آنکھوں کے سامنے گڑیا کو پامال کیا تھا..... اور پھر اسی پہ اکتفا نہیں کیا اپنے کتوں کو بھی اس درندگی کی دعوت دی تھی یاد ہے ناں؟"

"شاہ جی میں تیری بہن کو تو واپس نہیں لا سکتا..... البتہ اس کے بدلے تو جو جرمانہ چاہے مجھ سے لے سکتا ہے، میں تم پہ لگے سارے الزامات بھی ختم کرا دوں گا..... تجھے اتنی رقم دوں گا کہ بقایا زندگی آرام سے بتا سکو۔"

"ہا..... ہا..... ہا....." اسماعیل کے ہونٹوں سے ہذیانی قہقہہ ابلا۔ "سیٹھ لطیفے نہ سنا..... مجھے آرام سے زندگی گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں..... مجھے اپنی بے چین روح کو تسکین دینی ہے اور وہ پتا ہے کیسے ملے گی، حنا فاضل علی خان کے جوان اور خوبصورت بدن کو آغوش میں لینے کے بعد ملے گی۔"

"بکواس مت کر دخنزیر..... میں تیری بوٹیاں کتوں کو کھلا دوں گا، اگر میری گڑیا کو کچھ ہوا تو یاد رکھنا تجھے زمین کا کوئی کونہ پناہ نہیں دے گا۔"

"ہا..... ہا..... ہا....." اسماعیل جنونی انداز میں ہنستا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جس میں حنا قید تھی۔

"سیٹھ مجھے افسوس تو بہت ہے کہ میں یہ منظر تجھے دکھا نہیں سکوں گا البتہ سنوا سکتا ہوں..... خیر کوئی بات نہیں سننے سے بھی تمھاری تشفی ہو جائے گی..... ویسے ایک بات ہے، حنا کی آواز جتنی بھی سریلی سہی، چیخیں بہرحال بے سری ہی مارے گی۔"

فاضل علی خان کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا تھا مگر اس کا جواب اسماعیل نے قہقہوں سے دیا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا حنا چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"سیٹھ بڑی خوبصورت ہے رے تیری بیٹی، خدا قسم آج تک ایسا مال نظر سے نہیں گذرا۔"

"ششش..... شاہ جی پلیز..... مم میرا قصور..... مم..... میں تو بے گناہ ہوں۔" اسماعیل کے چہرے پہ چھائی درندگی دیکھ کے وہ منمنائی۔

"تیرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ تو سیٹھ فاضل جیسے کمینے کی بیٹی ہے۔" اسماعیل جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھا۔

"نہیں شاہ جی نہیں، خدا کے لیے معافی دے دو۔" اس نے ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ جوڑ دیے۔

اسماعیل نے موبائل فون بیڈ کے ساتھ پڑی تپائی پہ رکھ دیا جس سے فاضل خان کی گرجتی آواز کبھی تو منتوں میں بدل جاتی اور

کبھی اسے دھمکانے لگتی۔

اسماعیل کے ہاتھ نے حنا کا گریبان تھاما اگلے لمحے "چر۔" کی آواز کے ساتھ اس کی قمیص سامنے سے پھٹ گئی تھی۔

"نہیں...... خدا کے لیے چھوڑ دو...... ڈیڈی...... مجھے اس سے بچائیں۔" اس کی چیخیں بلند ہوئیں مگر اسماعیل پہ کوئی اثر نہیں ہوا کہ اس نے پہلے سے اس کی چیخوں کا بندوبست کیا ہوا تھا، اسی مقصد کے لیے اس نے آبادی سے ہٹ کر مکان کرائے پہ لیا تھا۔

اسماعیل کی اگلی پیش قدمی میں حنا کا زیریں لباس بھی اس کے جسم سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

"خدا کے لیے معاف کر دو...... شاہ جی میں تیرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں...... تیرے پاؤں پڑتی ہوں...... تجھے تیری بہن کا واسطہ۔" حنا کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا، مگر اسماعیل نے اس کی منت سماجت پہ غور کیے بغیر اس کے کندن بدن کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اپنی ہمت مجتمع کرنے کے لیے شراب کی بوتل کو منہ لگا لیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی چیخ و پکار اور منت وسماجت اس کے ارادوں کو مہمیز کر سکے۔

☆......☆......☆

اسماعیل کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی شہزادی تھی، اس کے بعد ٹریننگ سنٹر میں اس کا واسطہ ایک سے ایک خوبصورت اور طرح دار لڑکیوں سے پڑا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی جسمانی کشش اور خوبصورتی کے لحاظ سے حنا کے پلے کی نہیں تھی...... حنا میں ہر وہ خوبی، ہر وہ ادا موجود تھی جو کسی مرد کو ایک عورت میں درکار ہو سکتی ہے۔ اور اس وقت تو وہ تھی بھی اس حالت میں کہ جہاں تک ایک مرد کی سوچ کی رسائی بھی بمشکل ہو پاتی۔ لیکن اس کے باوجود اسماعیل کوئی ایسی تحریک بیدار کرنے میں ناکام رہا جس سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو پاتا، حنا کا عریاں جسم دیکھنے کے باوجود اس کے جذبات سرد تھے۔ شراب کا نشہ بھی اس کا مطمح نظر پورا کرنے کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس نے غصے میں کھولتے ہوئے شراب کی بوتل دیوار پہ دے ماری اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

"کیا میں اپنی بہن کا انتقام نہیں لے پاؤں گا...... کیا میں اس کمینے سیٹھ کو ویسی ذلت سے دوچار نہیں کر سکوں گا جیسی ذلت اس نے میرا مقدر کر دی تھی؟" سوالیہ سوچیں اس کے دماغ میں گونج کر رہ گئیں۔

اس کی پیش قدمی میں ٹھہراؤ آتے دیکھ کر حنا کے رونے کی آواز دھیمی ہوئی اور اس نے ایک مرتبہ پھر گڑگڑا کر کہا۔

"شاہ جی پلیز بخش دو...... معاف کر دو...... تیری گڑیا کی طرح میں بھی بے قصور ہوں...... مجھے برباد کر کے تیری گڑیا کی روح کو کیسے چین آئے گا؟"

"بکواس بند کرو۔" وہ دھاڑا اور وہ سہم گئی۔ چند لمحوں بعد اسماعیل نے جیب سے چابی نکال کر اس کے ہاتھ، پاؤں سے بندھی ہتھکڑیاں کھولیں۔ ہاتھ پاؤں آزاد ہوتے ہی اس نے جھپٹ کر بستر کی چادر اپنے گرد لپیٹ لی۔ اسماعیل نڈھال ہو کر وہیں فرش پہ بیٹھ گیا

اسکے دماغ میں عجیب سی سنسناہٹ ہورہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت بڑی بازی ہار چکا ہو۔

"سامنے الماری میں کپڑے پڑے ہیں پہن لو" وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔

بستر کی چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ اٹھی اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحے پہلے تک اس کا بدن ایک کھلی کتاب کی طرح اسماعیل کے سامنے پڑا تھا مگر جیسے ہی اس کا بس چلا اس نے اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تھا اسی کو ایک عورت کی شرم اور حیا کہتے ہیں۔

جیسے ہی وہ کپڑے پہن کر فارغ ہوئی اسماعیل نے کار کی چابی اس کی سمت بڑھائی۔

"یہ لو کار کی چابی ہے......؟ ڈرائیو کرسکتی ہو نا؟"

"جی......" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"آ......آ......آپ......میں۔"

"میں نے کہا!......بھاگ جاؤ......یہ نہ ہو میرا ارادہ بدل جائے۔"

"تمھارا ارادہ کبھی بھی نہیں بدل سکتا۔" حنا نے زور دے کر کہا مگر اس نے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی اسماعیل کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ حنا کو پامال کر کے وہ سیٹھ فاضل کو ویسی ہی اذیت سے دوچار کرنا چاہتا تھا جیسے اس نے اس کے ساتھ کیا تھا مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی بیٹی مظلوم ہے۔ اس کا ضمیر حنا کے ساتھ ایسے سلوک پر راضی نہیں تھا اور اپنے ضمیر کو سلانے کے لیے اس نے بے تحاشہ شراب پی تھی لیکن پھر بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اتنی زیادہ شراب نوشی اس کے ضمیر کو تو نہیں سلا سکی تھی مگر اس کے دماغ کو سلا رہی تھی اور اس کے نیند میں ڈوبتے دماغ میں یہ احساس جاگزیں تھا کہ اس کی آنکھیں تھانے یا سیٹھ کے کسی عقوبت خانے میں کھلیں گی۔ لیکن اس کے باوجود اسے اپنی نیند پہ اختیار نہیں رہا تھا۔

☆......☆......☆

حنا کی چیخیں سیٹھ فاضل کی برداشت سے باہر تھیں، اسماعیل شاہ نے اس سے بہت بھیانک انتقام لیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح اسماعیل کے سامنے بے بس ہو جائے گا۔ جسے وہ کیڑے مکوڑے سے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا اس طرح اس سے بدلہ لے گا یہ اس نے کب سوچا تھا۔ چیختے، اسماعیل کو دھمکیاں دیتے اور اس کی منت سماجت کرتے کرتے اس کا گلہ بیٹھ گیا تھا۔ جس وقت کپڑا اچھلتے اور حنا کی بلند چیخ سنائی دی اس نے اپنا موبائل کھینچ کر دیوار پہ دے مارا اور اس کے ساتھ اس کے پہلو میں شدید درد اٹھا اور وہ سینے پہ ہاتھ رکھے نیچے گر گیا۔

کمرے کے دروازے پہ کھڑا انور "سیٹھ صاحب، سیٹھ صاحب" کہتے بھاگ کر اندر داخل ہوا اور اسے سنبھالنے لگا۔

''ڈ..... ڈاکٹر کو فون کرو ۔'' سیٹھ کے منہ سے بمشکل نکلا۔ اور تعمیل ارشاد میں نورل بھاگ کر فون کے پاس پہنچا اگلے لمحے وہ فاضل خان کے خاندانی ڈاکٹر سے بات کر رہا تھا۔

فاضل کے خاندانی ڈاکٹر عظیم الدین نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی اس کی آمد سے پہلے نورل سیٹھ کو بیڈ پہ منتقل کر چکا تھا۔

ڈاکٹر نے فاضل علی کو چیک کیا اور پھر اسٹیتھو سکوپ کانوں سے نکالتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''ہارٹ اٹیک ہوا ہے..... فی الحال میں سکون کا انجیکشن دے رہا ہوں بعد میں تفصیلی چیک اپ کرا لینا۔'' اور نورل اثبات میں سر ہلانے لگا۔

☆.....☆.....☆

گھر واپسی پہ سارے راستے حنا کے ذہن میں یہی خیال جاگزیں رہا تھا کہ اب وہ اپنے باپ کا سامنا کیسے کرے گی؟ کیا وہ باپ کے کرتوت جاننے کے بعد بھی اس سے ویسی ہی محبت کر سکے گی جیسی پہلے کرتی تھی؟ یا اس کی محبت میں کمی آ جائے گی؟..... کیا وہ بھی پہلے کی طرح اس کا سامنا کر سکے گا یا نہیں کر سکے گا؟۔

کسی کو قتل کرنے اور مارنے سے بھی زیادہ عورت کی عصمت دری کرنا اس کے نزدیک شنیع فعل تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جب ایک لڑکی کی عصمت دری کی جاتی ہے، تو یہ مرحلہ اس کے لیے موت سے گراں ہوتا ہے۔ اور اس کا باپ اس گناہ میں ملوث ہو چکا تھا اس کے دل میں اپنے والد کے لیے ایک نفرت کی لہر اٹھی مگر پھر اس پہ شفقت و محبت کی یاد غالب آ گئی ۔

''آخر گناہ بھی تو ایک انسان ہی سے ہوتا ہے..... مجھے یک طرفہ نہیں سوچنا چاہیے ہو سکتا ہے اصل بات کوئی اور ہو اور اسماعیل شاہ کو غلط فہمی ہوئی ہو..... مگر اس کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اسماعیل نے آنکھوں دیکھا حال بتایا تھا۔ اور اس کے لب و لہجے میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

سارے راستے اسے یہی خیال چمٹے رہے۔ کوٹھی کے گیٹ پہ کار روک کر اس نے سر ہلا کر ان خیالات کو جھٹکا اور زور سے ہارن بجایا چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا حنا کو پہچانتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''ب..... بی بی..... چھوٹی بی بی آپ؟.....''

''چوکیدار چچا میں ہی ہوں گیٹ تو کھولو'' اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

چوکیدار نے سرعت سے گیٹ کھولا اور وہ کار اندر لے گئی۔ پورچ میں کار روکتے ہوئے وہ نیچے اتری اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ڈرائینگ روم میں اسے اپنی ماں صوفے پہ مغموم بیٹھی دکھائی دی۔

''ممی.....'' اندر داخل ہوتے ہی وہ زور سے چلائی۔"

''گڑیا.....''اس کی ماں رخشندہ بیگم اسے دیکھتے ہی حیرت سے اچھل پڑی تھی، اگلے لمحے وہ اس کے سینے میں سر چھپائے سسک رہی تھی۔ماں بیٹی کا جذباتی ملاپ کافی دیر جاری رہا۔

''پاپا سے بات ہوئی ہے تیری؟''

''نہیں مما.....''اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''تو میرا خیال ہے پہلے اسے اطلاع دے دیں وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان ہیں۔''

''کہاں ہیں وہ ؟''حنا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''دوسرے مکان پہ ہیں.....''رخشندہ، فاضل کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔مگر نمبر آف ملا۔

''غالباً اس نے فون بند کیا ہوا ہے.....''وہ پی ٹی سی ایل نمبر ڈائل کرنے لگی، دوسری ہی گھنٹی پہ فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو ؟''

''نورل فاضل کہاں ہے.....؟''وہ نورل کی آواز پہچانتے ہوئے بولی۔

''مالکن سیٹھ صاحب آرام کر رہے ہیں؟''

''اٹھاؤ انھیں آرام کا یہ کون سا ٹائم ہے؟''

''مالکن !.....انھیں سینے میں درد ہوا تھا، ڈاکٹر صاحب نے نیند کا انجکشن لگایا ہے۔''

''کب.....؟ تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا.....؟''

''مم مالکن.....انھوں نے منع کیا تھا.....کہ آپ پریشان ہو جائیں گی.....ویسے بھی اتنا سیریس مسئلہ نہیں تھا۔''

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں وہیں آ رہی ہوں۔''اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

''کیا ہوا ممی ؟''

''تیرے پاپا کو سینے میں درد اٹھا ہے۔کہیں ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو ..... میں ان کے پاس جا رہی ہوں۔''

''کک کیسے.....کیا ہسپتال میں ہیں؟''

''نہیں کوٹھی ہی پہ ہیں.....سکون آور دواؤں کے زیر اثر ہیں۔''

''مما میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

''نہیں تمھیں خود آرام کی ضرورت ہے۔''وہ اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتی ہوئی بولی۔

''مما!.....الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"گڑیا کہہ جو دیا تم آرام کرو...... پپا بھی بالکل ٹھیک ہیں۔"

"مما وہ جاگتے ہی سب سے پہلے میرے بارے پوچھیں گے۔"

"تو تم گھر میں ہی ہو کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہو وہ جیسے ہی جاگیں گے اپنی گڑیا کے پاس ہی آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے مما پھر میں سو رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بے بی سو جاؤ میں تیرے پاپا کی خیر خبر لے آؤں۔" ماں کے جاتے ہی وہ اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ اس نے جان بوجھ کر مما کے ساتھ جانے کی ضد نہیں کی تھی...... اپنے باپ کا سامنا کرنے میں اسے عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا کہ والد نے سب سے پہلے اس جگہ کے متعلق پوچھنا ہے جہاں اسمٰعیل نے اسے قید کیا تھا...... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس جگہ کی تلاشی لینے کو چل پڑے، اور اسماعیل کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ شراب کے نشے میں مدہوش پڑا ہوگا......

"اگر کسی طریقے اس سے رابطہ ہو جائے تو میں اسے خطرے سے آگاہ کر دوں۔" ایک سوچ اس کے دماغ میں گونجی مگر اس کے ساتھ ہی اس نے تلخی سے سوچا "میری بلا سے ہو جائے گرفتار۔"

"مگر وہ مظلوم ہے اور اس کے ساتھ پہلے بھی بہت ظلم ہوا ہے...... پھر انتقام کے جوش اور شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر بھی اس نے ایک لڑکی کی عصمت پہ حرف نہیں آنے دیا...... یہ بات اس کی شرافت کی دلیل ہے"۔

ورنہ تو حنا یونیورسٹی کی طالبہ تھی اور آئے روز لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے واقف تھی، جانتی تھی کہ ایک مرد کے سامنے جب عورت بے بسی کی حالت میں آتی ہے تو وہ اس کا کیا حشر کرتا ہے۔ مگر یہاں عجیب معاملہ ہوا تھا بظاہر نظر حنا کی پامالی کو اپنے حق میں جائز سمجھنے والا اپنے حق سے دست بردار ہو گیا تھا۔ نامعلوم اسے کس سوچ نے روکا تھا۔

"مجھے اسے خبردار کرنا چاہیے۔"

"مگر وہ بچہ تو نہیں ہے کہ اس بارے انجان ہو؟...... لازماً میرے جاتے ہی اس نے مکان چھوڑ دیا ہوگا......"

"لیکن اس کی حالت کہیں جانے والی نہیں تھی۔" دوسری سوچ نے پہلے خیال کی مخالفت کی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ اسماعیل کے پاس اس کا موبائل تھا جسے وہ اس کے والد سے بات چیت کے لیے استعمال کرتا تھا۔ وہ تپائی پہ رکھا فون اٹھا کر اپنا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگی گھنٹیاں بجتی رہیں مگر کوئی فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ اس کا صریح مطلب یہی بنتا تھا کہ وہ اب تک بیہوش پڑا ہے۔ جب کافی دیر تک گھنٹیاں جانے کے بعد بھی اس نے کال اٹینڈ نہ کی تو تھک ہار کر اس نے فون واپس کریڈل پہ رکھ دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی اسے یقین تھا کہ اس کے والد کو ہوش آنے پہ جیسے ہی اس کے متعلق پتا چلے گا وہ بھاگا آئے گا مگر وہ اس وقت تک والد سے بات چیت نہیں کرنا چاہتی تھی جب تک کہ اسماعیل کو خطرے سے آگاہ نہ کر دیتی۔

☆......☆......☆

''کیسے ہیں آپ سب لوگ؟'' عاطف کانفرنس روم کی کرسیوں پہ ترتیب سے بیٹھے آئی ایس آئی کے ممبران سے مخاطب ہوا۔

''فائن سر۔'' تمام بیک زبان بولے۔

''کسی تمہید میں پڑے بغیر میں تازہ صورت حال آپ لوگوں کے سامنے رکھنا چاہوں گا، پچھلے چند ماہ سے ہمارے ایک دوست نے کافی اودھم مچایا ہوا ہے، میری مراد میجر روہیت سے ہے، اس سے پہلے بھی میں نے ایک دو دفعہ اس کے بارے بتایا تھا کہ یہ کافی خطرناک اور چالاک شخص ہے۔ بلکہ یہ بات اس کی پاکستان آمد سے پہلے آپ لوگوں تک پہنچائی دی گئی تھی اور اسی مقصد کے لیے یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ کوئی اکیلا فرد اس سے نہیں الجھے گا مگر میرا خیال ہے اس احتیاط کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ہمارے دو تین بندوں کو نقصان پہنچانے کے بعد اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ ہماری توہین کیا ہو گی؟...... پھر خوش قسمتی سے جب اس کا کوئی کلیو ملتا ہے تو پرانا ایجنٹ بھی اسے روک نہیں پاتا...... یہ کیا ہے؟ صرف بے پروائی...... اگر اسی طرح ہوتا رہا تو ہم آگے آگے ہوں گے اور دشمن ہمارے پیچھے پیچھے۔ اپنے ملک ہی میں ہم ان سے چھپتے پھریں گے ۔آپ سارے تربیت یافتہ ایجنٹ ہو، کئی قسم کے ذہنی اور جسمانی امتحانات کے بعد اس مقام تک پہنچے ہو۔ اس لیے کوشش کرو کہ تمھاری وجہ سے ملک و قوم کی توہین نا ہو۔ اگر وہ جسمانی لحاظ سے تم سے برتر ہے تو دماغی صلاحیتوں سے اسے شکست دو۔ کیا ہو گیا ہے تمھیں ؟۔ یاد رکھو اس کے بعد غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ صدیقی صاحب نے بہت واضح انداز میں کہہ دیا ہے کہ جس شخص سے بھی بے احتیاطی ہوئی اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے گا۔'' عاطف ایک لحہ سانس لینے کو رکا اور پھر اس کی بات جاری رہی......

''آج کے بعد آپ لوگوں نے حلیہ بدل کے نکلنا ہے کیونکہ ایک دو چھاپوں کے دوران آپ دشمنوں کی نظر میں آ چکے ہو، واضح ٹارگٹ بننے کی کوشش نہیں کرنی۔ باقی کوشش کریں کہ دو اور تین، تین کی ٹولیوں میں گھومیں...... میجر روہیت کے بارے ہلکی سی خبر کی بھی فوری طور پہ مجھے یا صدیقی صاحب کو اطلاع دیں...... اگر ہم نہ ہوں تو آپس میں ایک دوسرے کو خبر کریں۔ اس کے علاوہ بھی کئی چھوٹی چھوٹی احتیاطیں ہیں جو آپ کو اچھی طرح معلوم ہیں، کہ آپ کی بنیادی ٹریننگ کا حصہ ہیں مگر بھولی بسری ہو چکی ہیں، ان کو ذہن میں تازہ کرو...... اس لاپرواہی اور بے احتیاطی کی وجہ سے ہمارا ایک قیمتی ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو اگلا نمبر ہم میں سے کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔ ملک کی حفاظت میں جان دینا بلاشبہ شہادت ہے اور شہادت کا رتبہ بہت عظیم تر ہے لیکن یاد رکھنا ملک کو شہدا سے زیادہ غازیوں کی ضرورت ہے...... باقی باتیں کافی ہیں لیکن میں تھوڑے کہے کو کافی جانتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ میں اپنی بات کی وضاحت کر چکا ہوں...... اب اگر آپ میں کسی نے کچھ کہنا ہے تو کہہ سکتا ہے ۔'' مگر اس کی دعوت پہ کسی نے زبان نہ کھولی۔

''آپ کی خاموشی سے میں دو ہی نتیجے اخذ کر سکتا ہوں! کہ یا تو آپ کو سب کچھ سمجھ آ گیا ہے، یا آپ کو بالکل سمجھ نہیں آئی ہے ۔''

''سر ہم مکمل سمجھ چکے ہیں ۔'' عرفان سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''اگر یوں ہے تو پھر ٹائم ضائع کرنے کی ضرورت نہیں......اور تمام لوگ اپنی ڈیوٹی پہ جا سکتے ہیں۔''

عاطف کی بات پوری ہوتے ہی تمام اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے اور عاطف کے باہر نکلتے ہی باہر کا رخ کرنے لگے......سبھی کے چہرے پہ ایک نیا عزم اور ولولہ نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

سیٹھ فاضل کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے اس کی نگاہ اپنی بیوی رخشندہ پہ پڑی۔

''تم یہاں؟''

''کیوں! میں یہاں نہیں آ سکتی؟ اور آپ نے اس موئے نورل کو کیوں منع کیا تھا کہ آپ کی بیماری سے مجھے لاعلم رکھے۔ اگر خدا نخواستہ بات بڑھ جاتی پھر؟'' وہ تیز لہجے میں مستفسر ہوئی۔ کیونکہ سیٹھ فاضل دنیا کے لیے جیسا بھی تھا اپنی بیوی کے لیے مثالی شوہر اور بیٹی کے لیے مثالی باپ تھا۔

''اصل میں تم گڑیا کے لیے بھی پریشان تھیں نا......اوپر سے میری بیماری کا سنتیں تو شاید تم خود بھی کسی قابل نہ رہتیں۔'' فاضل کی آواز میں دکھ کی گہری جھلک تھی۔

''گڑیا تو واپس آ گئی ہے......'' وہ اس کا سر دباتے ہوئے خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ ''کب؟ کس ٹائم؟......کیسی ہے؟''

''آرام سے۔ آرام سے۔'' وہ اسے واپس لٹاتے ہوئے بولی۔ ''اللہ کا شکر ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور اس ٹائم سو رہی ہے۔''

''بب......بالکل ٹھیک ہے'' وہ بدحواس ہو گیا۔ ''اس سے پوچھ تو لیا تھا نا؟ اور خود بھی دیکھ لیا تھا نا، رخشی آخر کو وہ جوان لڑکی ہے اور.........''

''فاضل میں بھی عورت ہوں اور اس کی ماں ہوں یاد رکھو باپ سے زیادہ ماں کو بیٹی کی فکر ہوتی ہے۔ آپ تسلی رکھیں وہ بالکل ٹھیک ہے......ذہنی جسمانی ہر لحاظ سے......بلکہ وہ تو الٹا آپ کی بیماری کا سن کر پریشان ہو گئی تھی اور میرے ساتھ ہی آنے پہ مصر تھی میں نے بڑی مشکل سے اسے روکا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ بالکل ٹھیک ہے......تو نے اطمینان تو کر لیا ہے نا؟''

''افوہ......فاضل کہہ جو رہی ہوں بالکل ٹھیک ہے۔''

''وہ واپس کیسے آئی ہے؟ اس خبیث نے اسے کیسے رہا کر دیا۔''

''یہ تفصیل میں نہیں پوچھ سکی ہوں، کیونکہ اسی وقت آپ کی بیماری کا سن کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔''

"بس...... پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ بالکل ٹھیک ہے؟"

"کیا میں آپ کو اتنی بچی نظر آ رہی ہوں کہ جوان بیٹی کے احساسات کی مجھے خبر نہیں ہو گی۔"

"مم مگر ......" فاضل خان کو یقین نہیں آ رہا تھا اور اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں تھی کہ وہ اپنے کانوں سے حنا کی چیخ و پکار سن چکا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو یقین نہیں آ رہا چلو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، گڑیا جس حالت میں اغوا ہوئی تھی اسی طرح لوٹی ہے۔"

"میری بھی یہی تمنا ہے کہ وہ اسی طرح لوٹی ہو مگر...... خیر تم نہیں سمجھو گی...... چلو گھر چلیں گڑیا منتظر ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ گھر پہنچ گئے۔ بیٹی کے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے فاضل کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے...... اسے پتا تھا کہ وہ اسماعیل کی زبانی اپنے باپ کے متعلق کافی کچھ جان چکی ہو گی۔ یوں بھی ایک دن اسے یہ سب کچھ پتا چلنا تھا...... وہ پڑھی لکھی تھی اور تعلیم یافتہ اولاد کو اندھیرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر وہ لڑکی نہ ہوتی تو شاید فاضل کب کا اسے اپنے رنگ میں رنگ چکا ہوتا۔ بیڈ روم کا دروازہ دھیرے سے دھکیل کر وہ میاں بیوی اندر داخل ہوئے حنا جان بوجھ کر سوتی بن گئی وہ اس وقت باپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یہ تو سوئی ہوئی ہے......"

"تو سونے دو بعد میں بات کر لینا......" زرخشندہ بولی اور فاضل سر ہلاتے ہوئے اس کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ بیٹی کو سکون کی نیند میں دیکھ کر اس کے اندیشے تو ختم ہو گئے تھے مگر یہ سوال ہنوز تشنہ تھا کہ اسماعیل نے اسے بغیر کچھ کہے کیسے رہا کر دیا تھا۔ اس راز سے حنا ہی پردہ اٹھا سکتی تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی اس کے جاگنے کا انتظار کرنے لگے۔

☆......☆......☆

والدین کے کمرے سے نکلتے ہی حنا نے ایک مرتبہ پھر اپنے نمبر پر ٹرائی کی مگر کسی نے بھی کال اٹینڈ نہ کی۔

"یا تو وہ بیہوش ہے...... یا پھر موبائل اسی مکان میں چھوڑ کر خود وہاں سے بھاگ گیا ہے؟" اس کے دماغ میں کال اٹینڈ نہ ہونے کے دو ہی سبب آئے جس میں پہلا سبب زیادہ قرین قیاس تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ اس مکان کا پتا کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"مگر اس کار کے کاغذات سے آسانی سے کار کے مالک اور اس کے مکان کا پتا چلایا جا سکتا ہے"۔ ایک اور پریشان کن سوچ اس کے دماغ میں گونجی۔ یوں بھی اسماعیل کی کار وہ گھر کے اندر تک لا چکی تھی۔

"چلو صبح تک انتظار کرتی ہوں...... اگر اس کے بعد بھی اس نے کال اٹینڈ نہ کی تو اس کی اپنی قسمت، مجھ جو ہو سکا میں نے کیا ...... اس سے زیادہ میرے بس میں ہی نہیں تھا۔" یہ سوچ کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی اس کے باوجود کہ پچھلے چند روز اس نے بہت زیادہ تکلیف اور بے آرامی میں گزارے تھے، وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی نیند حیرت انگیز طور پر اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ یہ بات

اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ وہ اسماعیل کے لیے اپنے دل میں اتنی ہمدردی کیوں محسوس کر رہی ہے...... وہ اس کے باپ کا دشمن تھا اور اس ناطے براہِ راست نہ سہی بالواسطہ اس کا دشمن ضرور تھا، اس دشمنی کی سزا وہ پچھلے چند دنوں میں بھگت چکی تھی اور یہ بھی بعید نہیں تھا کہ زندگی کے کسی اور موڑ پہ بھی اس کا سامنا دوبارہ اسماعیل سے دشمن کی صورت میں ہوتا۔ سب سے بڑھ کر وہ اس کے باپ کو قتل کرنے کے درپے تھا۔ اور اب جبکہ حنا رہا ہو کر آ گئی تھی لازماً اس کا باپ بھی اس کے خلاف سرگرم ہو جاتا اور اپنے باپ کے اختیارات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ ان دونوں کے ٹکراؤ کا کیا انجام ہوتا تھا اس بارے وہ کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتی تھی۔ البتہ اتنا وہ جانتی تھی کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی موت اسے گوارا نہیں تھی۔

جانے کتنی دیر وہ انھی خیالات میں گم رہی، اچانک اس کی نظر دیوال گیر کلاک پہ پڑی صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے نمبر پہ ٹرائی کی نتیجہ حسب سابق رہا۔ دو تین مرتبہ مزید ٹرائی کرنے کے بعد وہ فون بند ہی کرنے لگی تھی کہ فون سے اسماعیل کی نیند میں ڈوبی ''ہیلو'' ابھری۔

☆......☆......☆

اتنی خوبصورت وادی اس پہلے اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ سرسبز درختوں کے جھنڈ، بہتے پانی کے چشمے، آسمان پہ چھائے ہلکے ہلکے بادل...... اچانک ایک مدھر ساز کی لے میں پھولوں کے کنج کے عقب سے ایک شہزادی سفید لباس پہنے نمودار ہوئی اس کی آنکھیں بند تھیں، دونوں بازو دائیں بائیں پھیلائے وہ رقص کے انداز میں آہستہ آہستہ گھوم رہی تھی اور پھر اچانک اس کی دلکشی بڑھنے لگی یہاں تک کہ اس نے حنا کا روپ دھار لیا...... اسماعیل نے اپنے بازو پھیلائے اور وہ بھاگ کر اس کے بازوؤں میں سما گئی۔ ساز کی آواز میں ہلکی سی تیزی آئی یہاں تک کہ سارے منظر پہ ساز کی آواز غالب آ گئی، حنا کی شکل اور اس کا وجود اسماعیل کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، وہ بے چینی سے کسمسایا اور اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ موبائل کی گھنٹی ایک تسلسل سے بج رہی تھی...... نگاہیں گھما کر اس نے دائیں بائیں دیکھا وہ اسی بیڈ پہ اوندھے منہ پڑا ہوا تھا جہاں اس نے حنا کو باندھا ہوا تھا...... اسے سر میں شدید درد محسوس ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے تپائی پہ رکھا حنا کا موبائل اٹھایا جو وہ وہیں چھوڑ گئی تھی اور اسی کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔ اس کا ارادہ رابطہ منقطع کرنے کا تھا مگر پھر کسی نامعلوم جذبے کے تحت اس نے کال رسیو کر لی۔

''ہیلو؟'' اس کی آواز نیند کے خمار سے بوجھل تھی۔

''شاہ جی میں بول رہی ہوں۔'' گو حنا کی دلکش آواز وہ پہلی مرتبہ فون پہ سن رہا تھا مگر اس کے باوجود اسے شناخت میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

''میں کون؟'' وہ جانتے بوجھتے انجان بن گیا۔

''حنا!.....حنا فاضل علی خان۔''

''جی بی بی.....؟'' اس نے روکھے لہجے میں پوچھا۔

''سوری آپ کو ڈسٹرب کیا.....مجھے شک تھا کہ آپ زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے ابھی تک بیہوش پڑے ہوں گے؟''

''ایسا ہی تھا.....مگر کیا آپ صبح کی نماز کے لیے جگا رہی تھیں؟'' کلائی پہ بندھی گھڑی پہ ٹائم دیکھتے ہوئے اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نن.....نہیں.....وہ آج صبح پولیس کو بیان ریکارڈ کرانا ہے نا؟.....تو لازمی بات ہے جس جگہ مجھے قید رکھا گیا تھا اس بارے بتانا پڑے گا، تو میں نے سوچا یہ نہ ہو آپ.....بے خبری میں پولیس کے ہاتھ چڑھ جائیں۔'' اسماعیل کی بھلائی کی بات کرتے ہوئے بھی اسے ایک نامعلوم سی جھجک محسوس ہوئی۔

''بے خبری کی کون سی بات ہے.....تجھے میں نے جان کر آزاد کیا ہے.....تم فرار تو ہوئی نہیں ہو کہ میں بے خبری میں مارا جاتا۔'' اس نے جان بوجھ کر حقیقت کے خلاف بات کی۔

''آپ کی حالت اس وقت اس قابل نہیں تھی کہ وہاں سے کہیں جا سکتے اس لیے.....؟''

''بی بی!.....میں نے جانا ہی کہیں نہیں تھا۔''

''پر کیوں.....آپ مجرم ہیں.....اور پولیس آپ کی تلاش میں ہے.....یہ بھی جانتے ہو کہ پاکستانی پولیس مجرموں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے.....پھر پاپا کے آدمی بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور.....''

''تجھے کوئی پرابلم؟'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے تلخی سے بولا۔

''نہیں.....کوئی نہیں.....پر اب میں کہہ رہی ہوں کہ تم صبح سات بجے سے پہلے وہاں سے غائب ہو جاؤ کیونکہ سات بجے تک میں نے پاپا کو اس مکان کی لوکیشن بتا دینی ہے۔ پولیس نے بھی لازماً بیان لینے کے لیے آنا ہو گا اور انھیں بھی یہ سب کچھ بتانا ہو گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان میں کسی کی آمد سے پہلے ہی آپ وہاں سے غائب ہو جائیں۔''

''تمھیں اب تک یہ سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا؟''

''میں آپ سے مشورہ نہیں لے رہی، آپ کو بتا رہی ہوں کہ، صبح سویرے بغیر کسی تاخیر کے وہاں سے غائب ہو جائیں.....اور ہاں میرا موبائل اپنے پاس ہی رکھنا۔''

''بی بی تمھارا دماغ تو جگہ پہ ہے.....؟''

''آپ یہ جگہ چھوڑ رہے ہیں یا نہیں؟'' اس کی بات کا جواب دیے بغیر وہ اپنی لے میں شروع رہی۔ اسماعیل بے اختیار سر کھجانے لگا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے ؟'' اسے خاموش پا کے وہ دوبارہ مستفسر ہوئی۔

''تم سے مطلب؟'' اپنے لہجے کی تلخی وہ نہیں چھپا سکا تھا۔

''ہاں یا ناں میں جواب دو؟''

''عجیب ڈھیٹ لڑکی ہو، جب میں کہہ رہا ہوں کہ تجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔''

''جا رہے ہو یا نہیں......؟''

''چلا جاؤں گا ماں......سات بجے تک کہیں دفع ہو جاؤں گا......بس یا اور کچھ۔''

''گڈ......اور موبائل ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اسماعیل چند لمحے بے یقینی سے موبائل کی سکرین کو گھورتا رہا اور پھر اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ کپڑے اتارنے کا تکلف کیے بغیر اس نے شاور کھولا اور نیچے کھڑا ہو گیا۔ پانی کی ٹھنڈی پھوار نے اس کی کسل مندی دور کر دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کپڑے بدلی کیے وہ تیز پتی کی چائے تیار کر رہا تھا۔ چائے پیتے ہوئے اسے حنا کی گفتگو یاد آئی اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''بیوقوف لڑکی۔''

چائے کا کپ خالی کر کے وہ وہاں باہر نکل آیا۔ یوں بھی اس نے جعلی نام سے یہ مکان کرائے پہ لیا تھا۔ مکان چھوڑتے وقت حنا کا موبائل جیب میں رکھنا وہ نہیں بھولا تھا......البتہ یہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔

☆......☆......☆

فاضل خان کو بیٹی کے جذبات میں وہ گرم جوشی مفقود نظر آئی جس کی اسے توقع تھی۔

''میری گڑیا ٹھیک تو ہے نا؟'' اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس نے اس کا ماتھا چوما۔

''جی پاپا ؟'' وہ مختصراً بولی۔

''چندا تم فکر مت کرو تمھیں اغواء کرنے والے کا میں وہ حشر کروں گا کہ دنیا اس کا تماشا دیکھے گی۔''

وہ خاموش رہی تھی۔ وہ چند لمحے اپنی بیٹی کے اداس چہرے کو دیکھتا رہا پھر مستفسر ہوا۔

''گڑیا اس نے تمھارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی نا؟''

''نہیں پاپا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''دیکھو گڑیا! تمھارے انداز سے مجھے لگ رہا ہے کہ تم پاپا کے لیے دل میں کافی بدگمانیاں چھپائے بیٹھی ہو......پاپا کی جان تمھیں اصل بات کا پتا ہی نہیں ہے۔ وہ ایک پیشہ ور مجرم ہے اور اس کی میرے ساتھ دشمنی کی وجہ وہ نہیں ہے جو اس نے تمھیں بتلائی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

۔میری غلطی فقط اتنی ہے کہ میں نے اس کے گھر کی قیمت اس کی توقعات سے کم لگا دی تھی باقی سارا افسانہ اس نے خود سے گھڑا ہے۔"

"پاپا میں نے تو اس کے متعلق آپ سے کوئی استفسار نہیں کیا؟"

"تو کیا میں نہیں جانتا کہ تمھارے دل میں کیا ہے......؟ تمھارا باپ ہوں......ایک اجنبی مجرم کی باتوں نے تجھے پاپا سے بدگمان کر دیا ہے۔"

"پاپا اس نے مجھ سے اس قسم کی کوئی بات ہی نہیں کی......"

"بے شک براہ راست بات نہ کی ہو لیکن مجھ سے فون پہ گفتگو کرتے وقت اس کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ تمھارے دل میں اپنے پاپا کے لیے بدگمانیاں پیدا ہو جائیں۔"

"پاپا اس نے صرف آخری دن میرے سامنے آپ سے بات کی تھی......اس وقت وہ شراب کے نشے میں تھا......اس حالت میں اس نے میرے کپڑے بھی پھاڑے، پھر جانے کیا خیال اس کے ذہن میں آیا کہ اس نے میری بندشیں کھول کر مجھے نئے کپڑے پہننے کو دیے اور کار کی چابی میرے حوالے کر کے کہا کہ میں گھر چلی جاؤں۔"

"کیا تجھے اس جگہ کا پتا معلوم ہے؟"

"جی پاپا......" وہ دیوال گیر کلاک پہ نظر ڈالتے ہوئے بولی جو ساڑھے سات کا ٹائم بتا رہا تھا۔

"اچھا اب تھوڑی دیر تک انسپکٹر تیرا بیان لینے آئے گا اس کے سامنے تم نے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کرنی۔"

"ایسی ویسی بات سے آپ کی کیا مراد ہے پپا؟"

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔"مطلب یہ کہ وہ موبائل پہ جو بکواس کرتا رہا ہے وہ انسپکٹر کے سامنے دہرانے کی ضرورت نہیں۔اسی طرح اس نے اگر تیرے سامنے مظلوم بننے کے لیے کوئی کہانی گھڑی ہے تو وہ بھی انسپکٹر کو بتانے کی ضرورت نہیں......بس مختصراً یہ بتانا ہے کہ یہ اغوا برائے تاوان تھا۔اور اس کے علاوہ تیری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے پاپا۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اب ذرا اس جگہ کا محل وقوع بتلا دو جہاں اس نے تمھیں قید رکھا تھا؟" جواباً نے اس مکان کا ایڈریس دہرا دیا۔

"گڈ ہو گیا......" اس نے کھڑے ہو کر کہا۔"اب تم ریسٹ کرو میں ذرا اس مکان کی تلاشی پولیس سے پہلے لے لوں، ہو سکتا ہے وہ اپنا کوئی سراغ چھوڑ گیا ہو؟"

"جی پاپا۔" اور فاضل سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔بیٹی کے رویے اور لہجے سے اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کے دل میں چھپی بد گمانیوں کو رفع کرنے میں ناکام رہا ہے۔لیکن یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی رفتہ رفتہ وہ سنبھل جاتی اور حالات معمول پہ آ جانے تھے۔ہزار

بدگمانیاں ہوتیں مگر اتنا وہ جانتا تھا کہ اس کی بیٹی بھی اس کی طرح اسے بے پناہ چاہتی ہے۔

☆......☆......☆

اسماعیل رات بھر کا بھوکا تھا گھر سے وہ صرف چائے پی کر نکلا تھا اس لیے پہلا ہوٹل آتے ہی وہ اندر گھس گیا اور تگڑے قسم کے ناشتے کا آرڈر دے کر ٹیبل پہ پڑا اخبار اٹھا کر اس پہ سرسری نظر دوڑانے لگا۔ یہاں تک کہ بیرے نے پر تکلف ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے لا کر رکھ دی۔ اخبار نیچے رکھ کے وہ ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ناشتے کے دوران حنا کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجتی رہی۔ ”ہاں یا ناں میں جواب دو...... جا رہے ہو یا نہیں؟ گڈ موبائل ساتھ لے جانا نہ بھولنا...... موبائل نہ بھولنا...... مطلب اب رابطہ رہے گا؟“

”مگر یہ تو آستین میں سانپ پالنے والی بات ہو گی۔“

”مگر میں کب اس سے رابطہ رکھنا چاہ رہا ہوں......؟“

ایک دوسری سوچ نے جواب مانگا ”پھر موبائل کیوں ساتھ لایا ہے؟“ اس نے جیب سے حنا کا موبائل نکال کر ٹیبل پہ رکھ دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک احتجاجی سوچ اس کے دماغ میں ابھری۔

”اس نے بھی تو ایک بہت بڑے خطرے سے میری جان بچائی ہے؟“

”ہو سکتا ہے یہ بھی اس کی کوئی چال ہو......؟ آخر اپنے باپ کی لاڈلی ہے؟“

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا...... آخر اتنی مس کالیں......؟“

”لیکن میرے ساتھ ہمدردی...... بات حلق سے نہیں اتر رہی...... اسے ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے تو اس پہ بے جا تشدد کیا ...... اسے تھپڑ مارے...... بے لباس تنگ کر دیا آخر مجھ سے ہمدردی وہ کیوں کرنے لگی؟“

”شاید میری کہانی سن کر اسے ترس آ رہا ہو۔“

”لیکن یہ بات تو وہ خوب جانتی ہو گی کہ میں نے موقع ملتے ہی اس کے باپ کو قتل کر دینا ہے۔ کیا اپنے باپ کے قاتل سے بھی وہ رابطہ رکھنا چاہے گی......؟ ......شاید میرے نزدیک آنے میں بھی اس کا یہی مقصد ہو کہ اس طرح وہ اپنے باپ کو دردناک موت سے بچانا چاہتی ہو؟“

”لیکن میں اس کے فریب میں آ جاؤں گا یہ اس نے کیسے سوچ لیا......؟“

”یہ تو ہر خوبصورت لڑکی کا خیال ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی مرد کی مت مار سکتی ہے۔“

”چلو جو ہو گا دیکھا جائے گا...... فی الحال تو آج کا سوچیں کہ ابھی کیا کرنا ہے؟“ اس نے سر جھٹک کر ان خیالوں سے پیچھا چھڑایا۔ اچانک اس کے ذہن میں اس تھانیدار کا خیال آیا جس نے فاضل خان کا مہرہ بن کر اس پہ ظلم ڈھایا تھا...... انسپکٹر حکم داد اس کا نام

اس کی یادداشت میں محفوظ تھا۔

"اس کا قرض بھی تو بے باک کرنے والا ہے۔"

ناشتے کے برتن سائیڈ پہ کرتے ہوئے اس نے بیرے کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا۔ چائے پی کر اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بل منگوا کر ادا کیا اور بیرے کو ہلکی سی ٹپ دیتے ہوئے ہوٹل سے باہر چل پڑا۔ حنا کا موبائل اس نے وہیں ٹیبل پہ چھوڑ دیا تھا کہ چلو کسی غریب کے کام آجائے گا مگر وہ بمشکل چند قدم لے سکا ہوگا کہ اسے بیرے کی آواز سنائی دی۔

"بابو جی موبائل۔" اس نے مڑ کر دیکھا وہ موبائل پکڑے اس کے جانب تیزی سے آرہا تھا۔ اسماعیل نے شکریہ کہتے ہوئے موبائل اس سے لے لیا۔

"شاید قدرت کو یہی منظور ہے۔"

وہ ہوٹل سے باہر آگیا۔ اس کا ارادہ پرانے مکان پر جانے کا تھا اور وہاں سے بائیک لینے کے بعد وہ انسپکٹر کی تلاش میں نکل سکتا تھا۔

☆......☆......☆

انسپکٹر دلشاد کو اسماعیل کا محلہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ جس جگہ اسماعیل کا گھر ہونا چاہیے تھا وہاں اسے ایک عمارت تعمیر ہوتی نظر آئی۔ مزدوروں سے اس نے مالک کا نام پوچھا مگر وہ اس کے نام سے لاعلم تھے۔ ٹھیکیدار کے بارے پوچھنے پہ پتا چلا کہ وہ تھوڑی دیر تک آنے والا تھا۔ وہ اس کے انتظار میں وہیں رک گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ٹھیکیدار آگیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک کرخت شکل آدمی تھا۔

"مجھے دلشاد امین کہتے ہیں۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کے جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"جی کیا خدمت کرسکتا ہوں آپ کی؟" اس نے بے دلی سے اس کا مصافحے کے لیے بڑھا ہاتھ تھام لیا۔

دلشاد نے کہا۔ "مجھے اس زیر تعمیر عمارت کے مالک کا نام پتا کرنا تھا۔"

"کیوں؟" ٹھیکیدار مشکوک لہجے میں بولا۔

"ہوگی کوئی ضرورت۔" دلشاد کا لہجہ مزاح کا رنگ لیے ہوئے تھا۔

"بھائی صاحب! میں آپ کو نہیں جانتا اور ایسا انجان بندے کو معلومات دینا مجھے منظور نہیں۔" ٹھیکیدار کے لہجے کا روکھا پن واضح تھا۔

"چلو تعارف کرا دیتا ہوں" اس نے اپنا سروس کارڈ جیب سے نکال کر اس کی سمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فدوی کو انسپکٹر دلشاد امین کہتے ہیں۔"

"او انسپکٹر صاحب!......" ٹھیکیدار کا لہجہ یک دم خوشگوار ہوگیا تھا۔ "سوری میں آپ کو پہچانتا نہیں ہوں نا اس لیے............؟"

''کوئی بات نہیں۔'' دلشاد سروس کارڈ واپس جیب میں رکھ لیا۔ ''تمہارا اعتراض جائز تھا''

''شکریہ سر...... بہرحال یہ عمارت سیٹھ فاضل علی خان کی ہے۔''

''کیا......؟'' دلشاد کے لہجے میں حیرانی تھی۔ ''سیٹھ فاضل علی خان ؟''

''جی تھانیدار صاحب۔''

''ویسے کیا بن رہا ہے ؟۔''

''شاپنگ پلازہ ہے سر؟''

''بڑی مہربانی ٹھیکیدار صاحب......آپ کا نام نہیں پوچھ سکا ہوں ؟۔''

''مشکور حسین۔''

''او کے مشکور صاحب...... بڑی مہربانی۔'' اس نے مشکور سے الوداعی مصافحہ کیا اور آگے بڑھ کر زیر تعمیر عمارت سے نزدیک موجود ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی۔ دروازہ کھولنے والی ایک عورت تھی۔

''جی بھائی ؟۔'' وہ مستفسر ہوئی۔

''بہن کوئی مرد گھر پر نہیں ہے؟۔''

''اس ٹائم تو کوئی نہیں ہے بھائی صاحب...... ویسے آپ نے کس سے ملنا ہے؟۔''

''ٹھیک ہے بہن میں بعد میں آجاؤں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اگلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس مرتبہ دستک کے جواب میں ایک بڑے میاں نکلے تھے۔

''بابا جی، اسلام علیکم۔''

''وعلیکم اسلام...... بیٹا کیسے ہو؟''

''الحمداللہ بابا جی! دعا ہے آپ کی۔''

''فرمائیں بیٹا کیا خدمت کروں؟۔''

''بابا جی سید ابراہیم شاہ غازی کے بارے کچھ پوچھنا تھا؟۔''

''پوچھو بیٹا؟''

''ان سے ملنا تھا بابا جی...... وہ یہ گھر بیچ کے کہاں گئے ہیں؟۔''

''بیٹا آپ کا اس سے کیا تعلق ہے ؟'' بابا جی نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کیا۔

''تعلق تو کوئی نکل ہی آتا ہے بابا جی۔'' دلشاد نے بات گول مول کر دی۔

''بیٹا پھر اس سے ملنے کے لیے آپ کو حشر کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کیا مطلب بابا جی؟'' دلشاد نے اپنے لہجے میں مصنوعی حیرت سمو لی۔

''بیٹا!......ابراہیم شاہ، اس کی بیوی اور بیٹی ایک ظالم کے ظلم کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔اور ان کا بیٹا اسماعیل شاہ بھی حوالات میں تھا بعد میں سنا وہاں سے بھاگ گیا ہے...... کیا پتا سچ بھاگ گیا یا اسے حوالات میں ہی ختم کرا دیا گیا یہ تو میرے اللہ کو پتا ہے؟''

''بابا جی میں سمجھا نہیں آپ کی بات کا کیا مطلب ہے ؟۔کس کے ظلم کا شکار ہوئے ہیں اور اسماعیل کیسے حولات میں پہنچا اور پھر وہاں سے بھاگ بھی گیا بڑی عجیب باتیں بتا رہے ہیں آپ۔''

''بیٹا یہ ایک لمبی کہانی ہے......آؤ بیٹھ کے بات کرتے ہیں کوئی چائے پانی بھی ہو جائے۔''

اور دلشاد موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے ساتھ گھر میں گھس گیا۔بابا جی نے اسماعیل کے بارے سنی سنائی ساری باتیں اس کے گوش گزار کر دیں جن کا لب لباب یہی بنتا تھا کہ فاضل خان نے اسماعیل کا گھر ہتھیانے کی کوشش کی اور اسماعیل کے انکار کرنے پہ دونوں کے درمیان تو تو میں میں ہو گئی جس کے بعد سیٹھ فاضل نے پولیس کو رشوت دے کر اس کی بہن کو اٹھوا لیا اور خبر یہ اڑائی گئی کہ وہ کسی آشنا کے ساتھ پکڑی گئی ہے۔اس کے نتیجے میں اسماعیل کے باپ ابراہیم شاہ کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ ہسپتال میں چل بسا جبکہ اس کی ماں کو قتل کروا کے اس کا قتل کا الزام اسماعیل پہ ڈال دیا گیا۔اس کی بہن نے گاڑی کے سامنے چھلانگ لگا کر خود کشی کر لی۔اخبار میں جو خبر چھپی اس کے مطابق اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی تھی۔آخر میں اسماعیل کے متعلق یہ سننے میں آیا کہ وہ حوالات سے بھاگ گیا ہے۔اب یہ واللہ عالم حقیقت ہے یا ہو سکتا ہے اسے بھی فاضل شاہ نے ہلاک کرا دیا ہو۔''

''بابا جی آپ کا کیا خیال ہے ان باتوں میں کہاں تک سچائی ہے۔''

''بیٹا یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں کیونکہ سیٹھ فاضل خان اسی محلے سے تعلق رکھتا ہے۔وہ ایک تھرڈ کلاس غنڈہ تھا اسی پیشے میں ترقی کر کے سیٹھ بن بیٹھا۔اور اس کا اسماعیل سے جو جھگڑا ہوا تھا اس کا میں عینی شاہد ہوں۔اسماعیل نے اپنی بہن کے متعلق اس کی بکواس سن کر اس کے منہ پہ تھپڑ مارا تھا......اور فاضل خان نے اسماعیل کے خاندان سے اپنی اسی بے عزتی کا بدلہ لیا......وہ ایک کینہ پرور اور کمینہ شخص ہے بیٹا۔''

''بابا جی محلے میں کسی نے اسماعیل کے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔''

''بیٹا پرائی آگ میں کوئی نہیں کودتا، محلے داری تو چھوڑو ایسے حالات میں رشتہ دار ساتھ چھوڑ جاتے ہیں......اور اگر بالفرض کوئی سر پھرا روایت شکنی کرتے ہوئے ان کی مدد کا ارادہ کر بھی لیتا تو بے فائدہ تھا کہ سرکار بھی فاضل خان کی مٹھی میں تھی۔''

''خیر سارے پولیس والے تو ایسے نہیں ہوتے۔'' دلشاد کھسیانے لہجے میں بولا۔

''آپ کی سوچ ہے بیٹے...... ورنہ ہم نے تو ایسے ہی دیکھے ہیں۔''

''اچھا محلے میں ایسا کون ہے جس کے اسماعیل یا اس کی فیملی سے قریبی تعلقات ہوں؟''

''اختر صاحب ہیں......ان کے بیٹے شکیل سے اسماعیل کے بہت قریبی تعلقات تھے۔''

''اس کا گھر کہاں ہے؟''

''اگلی گلی میں ہے۔'' بابا جی شکیل کے گھر کی لوکیشن بتانے لگا۔

''ٹھیک ہے بزرگو......اب اجازت دیں......آپ کی بہت بہت مہربانی باقی کی تفصیلات میں اختر صاحب سے پوچھ لوں گا۔'' دوران گفتگو انھوں نے چائے پی لی تھی اس لیے باتونی بزرگ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔دلشاد اس سے الوداعی مصافحہ کر کے وہاں سے باہر نکلا تھوڑی دیر بعد وہ اختر صاحب کے گھر پہ دستک دے رہا تھا۔

''جی ؟'' ایک جوان شخص باہر آ کر مستفسر ہوا۔

''شکیل سے ملنا تھا؟''

''فرمائیں میں ہی شکیل ہوں۔''

''آپ سے تھوڑی معلومات لینی ہیں اگر کہیں بیٹھ کر بات کر لیتے۔''

''اندر آ جائیں، گھر میں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔'' اور اس کی دعوت پہ دلشاد اس ہمراہ ہو لیا۔

''بیٹھیں '' اس نے صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھنے کی دعوت دی۔

''شکریہ۔'' دلشاد بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔

''کچھ پوچھنے سے پہلے اگر آپ تعارف کرا دیتے ؟۔''

''انسپکٹر دلشاد امین۔''

''جج......جج جناب حکم کریں ؟۔'' شکیل کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

''اسماعیل شاہ کو جانتے ہو؟''

''جج !جی جی وہ...... میرے ساتھ سٹیل مل میں کام کرتا رہا ہے۔'' شکیل تھوک نگلتا ہوا بولا۔

''دیکھو جوان۔'' دلشاد امین نے اس کی حالت مدنظر رکھتے ہوئے اسے تسلی دینا ضروری سمجھا۔''گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں اسماعیل شاہ کا ہمدرد ہوں، مجھے ساری کہانی کا پتا چل گیا ہے کہ اس کے ساتھ سیٹھ فاضل نے کیا کیا ظلم کیے ہیں۔اس کی ماں کو قتل کرا کے اس کا

الزام اسی غریب کے سر منڈھ دیا۔اس کی بہن کی عصمت دری کی ۔اس کا گھر چھینا،ان ساری باتوں کی تصدیق میں کر چکا ہوں اور انشاء اللہ تم دیکھو گے کہ اس پہ لگے الزامات کیسے ختم ہوتے ہیں.....اس کے علاوہ تمھیں اس بات کا بھی یقین ہونا چاہیے کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو راز میں رہے گی اسی وجہ سے میں سول کپڑوں میں آیا ہوں ورنہ میں وردی میں بھی آسکتا تھا یا تجھے تھانے بھی بلا سکتا تھا.....اور یہ تو تم جانتے ہو گے کہ تھانے میں خاموش وہی رہ سکتا ہے جو مردہ ہو۔"

"تھانے دار صاحب آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے ہم غریبوں کے بارے اتنا سوچا باقی جہاں تک تعلق ہے اسماعیل شاہ کا تو وہ میرے بچپن کا ساتھی تھا.....تھا !میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اب اس کی نظر میں میری جو تصویر ہے وہ ایک دوست کی نہیں بلکہ خود غرض شخص کی سی ہے۔کیونکہ میں اس کی مدد نہیں کر سکا ہوں۔لیکن بخدا ڈاکٹر صاحب میں مجبور تھا،مجھے اغواء کر کے مارا پیٹا گیا دھمکی دی گئی انسپکٹر صاحب میں ان کا مقابلہ کہاں کر سکتا تھا اور جہاں تک تعلق ہے اسماعیل کا،انسپکٹر صاحب وہ بہت ذہین،محنتی اور اچھا انسان ہے۔وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا.........."شکیل کھلی آنکھوں سے اپنے خوبصورت ماضی میں جھانکنے لگا جب وہ اور اسماعیل سکول پڑھتے تھے،ریحانہ زندہ تھی ،پھر وہ سٹیل مل میں کام کرنے لگا اور اسماعیل نے اپنی تعلیم جاری رکھی،پھر اسماعیل کی بے روزگاری اور سٹیل مل میں اس کے ہمراہ کام کرنا ......آخر میں سیٹھ فاضل کے ساتھ جھگڑا اور اسماعیل کی تباہی.....اس نے سب کچھ صاف صاف انسپکٹر کے سامنے بیان کر دیا۔"

"تجھے کس نے اغواء کیا تھا۔"

"سیٹھ فاضل کے آدمیوں نے انسپکٹر صاحب.....گن پوائنٹ پہ مجھے اپنی گلی سے اٹھا کر لے گئے تھے......"

"کہاں،جگہ کا پتا ہے۔"

"بہت اچھی طرح انسپکٹر صاحب"شکیل نے اس مکان کا ایڈریس دہرا دیا۔

"اس کے بعد کبھی اسماعیل سے ملاقات ہوئی؟"

"جی ابھی چند دن پہلے ہوئی تھی۔"

"کہاں.....کیسے؟"

"وہ یہیں آیا تھا انسپکٹر صاحب.....لیکن میں بزدلی کی وجہ سے اسے گھر نہ لا سکا اور باہر سے ہی اسے ٹرخا دیا.....وہ بہت دل گرفتہ تھا انسپکٹر صاحب.....لیکن میں کیا کرتا کہ اس وہ سرکار کے کاغذوں میں بھی مجرم ہے اور سرکار سے بڑھ کر سیٹھ فاضل کے زیر عتاب ہے۔اس صورت میں اس سے تعلق نبھانا اپنے گھرانے کو تباہی کے دہانے میں دھکیلنے کے مترادف ہوتا۔"

"ہونہہ!"کہہ کے دلشاد کچھ سوچنے لگا۔

"تھانے دار صاحب جب آپ کو سب باتوں کا پتا چل گیا ہے تو آپ سیٹھ فاضل کو گرفتار کیوں نہیں کر لیتے ؟"شکیل اس کی

سوچ میں مخل ہوا۔

''گرفتاری ثبوت سے ہوتی ہے جوان...... مجھے پتا ہے کہ اسماعیل شاہ بے گناہ ہے اور فاضل خان مجرم ہے لیکن اسے ثابت کیسے کروں؟۔''

''فاضل خان کے خلاف گواہ اکٹھے کریں اور اسے عدالت میں گھسیٹ کر لے جائیں؟''

''گڈ جوان اچھا مشورہ ہے، میرا ابھی یہی ارادہ ہے......تو یوں ہے کہ ایک گواہ تو ہوگئے آپ......''

''مم......میں......مگر آپ نے تو کہا ہے کہ یہ بات ہمارے درمیان رہے گی اور کسی کو بھی پتا نہیں چلے گی۔'' شکیل گھبرا گیا تھا۔

دلشاد کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ابھری اور وہ بولا۔''بس ہر معلومات پہنچانے والا یہی کہتا ہے کہ کوئی دوسرا آگے آئے......دیکھو جوان قانون ثبوت مانگتا ہے اور یہ ثبوت مجھے کہاں سے ملیں گے گواہ کہاں سے آئیں گے کم از کم فرشتے تو آسمان سے اتر نہیں سکتے۔''

''انسپکٹر صاحب اصل بات یہ ہے کہ سیٹھ فاضل کے خلاف گواہی دینے کا مطلب ہے اوکھلی میں سر دینا......ہماری پولیس گواہ کو حفاظت تو مہیا کرتی نہیں......عدالت جانے سے پہلے گواہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے تو گواہ بننے کی جرأت کون کرے؟'' دلشاد کے نرم رویے نے شکیل میں بولنے کی جرأت پیدا کر دی تھی۔

اس سے پہلے کہ دلشاد کوئی جواب دیتا اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''جی مجید؟''

''سر سیٹھ فاضل کی بیٹی واپس آگئی ہے۔''

''کیا؟......کب......کیسے؟''

''ان کے بقول تین چار گھنٹے ہوگئے ہیں......اور وہ لڑکی خود بخود واپس آئی ہے۔''

''کوئی اس کا بیان لینے گیا ہے؟۔''

''جی میں گیا تھا مگر ذہنی طور پہ وہ لڑکی ڈسٹرب تھی اور اس وقت سو رہی تھی......اس لیے صبح دوبارہ جانا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے صبح میں خود چلا جاؤں گا۔'' اس نے رابطہ منقطع کیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''سر بیٹھیں نا؟ چائے تو پی کر جائیں۔''

''نہیں شکریہ، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پی ہے......باقی اسماعیل سے اگر رابطہ ہو تو اسے میرا موبائل نمبر دے دینا۔'' اس کا غذ پر موبائل نمبر لکھ کر اس کی سمت بڑھایا۔''اور بتانا کہ مجھ سے ایک مرتبہ رابطہ ضرور کرے۔''

''ٹھیک ہے جناب'' شکیل مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

”اگر کوئی تجھے تنگ کرے تو تو نے بھی اسی نمبر پہ مجھ سے بات کر لینی ہے۔“

”بہت بہت مہربانی انسپکٹر صاحب! اللہ آپ کو عزت دے“ اور انسپکٹر اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ اس کے بہت سارے شبہات آج رفع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

میجر روحیت نے کرسی سنبھالتے ہی بیرے کو کافی لانے کا آرڈر دیا۔ وہ اس وقت بدلے ہوئے حلئے میں تھا۔ بیرے کے کافی لانے سے پہلے ایک سفید فام اس کے ٹیبل کے قریب آیا۔

"Can I sit here ?" (کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں)

"Please" اس نے کرسی کے جانب اشارہ کیا۔

"Thanks" کہہ کر اس نے کرسی سنبھالی۔

”مجھے ڈیوی کہتے ہیں روحیت صاحب۔“ اس نے انگلش میں تعارف کرایا۔ اپنا نام اس کے منہ سے سن کر روحیت اپنی حیرت پہ قابو نہیں پا سکا تھا۔

”آپ مجھے کیسے پہچانتے ہیں......؟“

”میرا تعلق black liquid سے ہے۔“ ڈیوی کا انداز ایسا تھا گویا بلیک لیکوئیڈ کا نام ہی ہر سوال کا جواب ہے۔

”ڈیوی صاحب! میں نے صرف یہ پوچھا ہے کہ آپ مجھے کیسے پہچانتے ہیں...... آپ کا تعلق چاہے Black liquid سے یا white liquid سے۔“

”میجر صاحب! بلیک لیکوئیڈ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔“

”مطلب آپ میری نگرانی کروا رہے ہیں...... یہ بات شاید آپ کے حق میں بہتر نہ ہو۔“

”روحیت صاحب آپ بات کو کسی اور رخ پہ لے جا رہے ہیں...... جبکہ میں یہاں پہ آپ سے کوئی معاہدہ کرنے آیا ہوں۔“

”آپ زیادہ سے زیادہ میرے اصل حلیے سے واقف ہوں گے...... اگر بدلے ہوئے حلیے میں آپ نے مجھے پہچان لیا ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ میں آپ کی نگرانی میں ہوں، میری کوئی کارروائی آپ لوگوں سے پوشیدہ نہیں...... اور اس طرح اپنی پرائیویسی میں میں کسی کو دخیل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”روحیت صاحب نہ آپ کی نگرانی کرائی جا رہی ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آپ کا ایڈریس ہائی کمان نے آپ کے بڑوں سے لے کر مجھے بھیجا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں......آپ وضاحت کرنا پسند کریں گے؟ “

”آپ تو کنفیوز ہی ہو گئے......“ ڈیوی ہنس پڑا۔

اسی وقت بیرے نے کافی کا کپ روہیت کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

”آپ کافی لینا پسند کریں گے؟۔“

”نہیں، میرے لیے کوئی اچھا سا کولڈ ڈرنک لے آؤ۔“ وہ براہ راست بیرے سے مخاطب ہوا۔اور بیرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

”آپ کچھ بتانے جا رہے تھے؟۔“ میجر روہیت نے پوچھا۔

”میجر صاحب!......بات یہ ہے کہ پچھلے دنوں پاکستان سے بیس کے قریب اعلیٰ تعلیم یافتہ جوانوں کو انڈیا میں ٹریننگ دی گئی ......جو واپسی پہ پاکستان رینجرز کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے، صرف ایک بندہ زندہ بچ سکا۔جس کے بارے آپ کو بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کراچی پہنچ گیا ہے،اس کا نام اسماعیل شاہ ہے۔“

”چلو اب پتا چل گیا ہے......مگر اس سے آپ کا تعلق؟۔“

”وہی بتانے جا رہا ہوں، بدقسمتی سے وہ ہماری تنظیم کے کراچی کے کمانڈر کا جانی دشمن ہے۔اور اپنی تنظیم کے ممبروں کی حفاظت ہمارا فرض ہے......پچھلے دنوں اس نے ہمارے آدمی کی بیٹی کو اغواء کر کے حبس بے جا میں رکھا،اب شاید وہ اسے جان سے مارنے کی کوشش کرے۔یہ سب دیکھ کے ہم نے ضروری سمجھا کہ آپ کے علم میں یہ بات لائی جائے اس مقصد کے لیے آپ کے سینئرز سے بات کی گئی تو انھوں نے آپ کا بتایا کہ وہ کراچی میں موجود ہے......اس معاملے کو ہینڈل کر لے گا۔“

”انھوں نے مجھ سے براہ راست بات کیوں نہیں کی؟“

”شاید رابطے میں کوئی رکاوٹ پیش آ گئی ہو......۔“

اچانک روہیت کو یاد آیا کہ وہ اپنا نیا نمبر ہیڈ کوارٹر کو نہیں بھجوا سکا تھا......البتہ وہ جو رہائش استعمال کر رہا تھا اس کا ایڈریس ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا......۔“

”انھیں رہائش گاہ کا ایڈریس آپ کو نہیں دینا چاہیے تھا‘ اس کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ ڈیوی نے آسانی سے سن لی۔

”میجر صاحب!آپ کے بڑے جانتے ہیں کہ گو ہماری منزل جدا ہے،مقاصد الگ ہیں جو راستے ہم استعمال کر رہے ہیں وہ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے کے کام آنا ہماری مجبوری ہے کہ ہمارا دشمن مشترک ہے۔ہم بھی اسلام اور پاکستان کے خلاف ہیں اور آپ کا تو مقصد حیات ہی یہی ہے،اس لیے یہ نہ ہو کہ نادانستگی میں ہم ایک دوسرے کا نقصان کر بیٹھیں جس کا سب سے بڑا فائدہ

ہمارے دشمن کو پہنچے گا۔''

''صحیح کہا۔'' روحیت نے اثبات میں سر ہلایا۔''لیکن میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''آپ کسی طرح سے اسماعیل شاہ سے مل کر اسے فاضل خان کے حق میں ہموار کریں...... کسی بھی قیمت پر، کسی بھی طریقے سے۔''

''فاضل خان غالباً آپ کے کراچی کے نمائندے کا نام ہے؟''

''ایسا ہی ہے۔''

''مگر ڈیوی صاحب! یہ شاہ صاحب ملے گا کہاں......؟ اور اگر مل بھی گیا تو میری بات کیونکر مانے گا۔ وہ تو صرف سور گباشی، پاشا مہاراج کو جانتا ہے۔''

''اسے ڈھونڈنا آپ کی اپنی ذمہ داری ہے...... اگر مجھے اس کے بارے کچھ معلوم ہو گیا تو ضرور آپ کو مطلع کروں گا...... باقی آپ اسے پاشا کے حوالے سے مل سکتے ہیں...... کسی طرح اسے اس بات پہ راضی کرنا کہ وہ فاضل خان کی بیٹی، بیوی وغیرہ کو قتل کر کے یا ان کی عصمت دری کر کے اپنا بدلہ لے لے اور جس طرح اسے فاضل خان نے اپنوں سے جدا کیا ہے، وہ بھی اسے اپنوں سے جدا کر دے یہی سب سے بڑا انتقام ہے...... اس کے علاوہ بھی آپ کو کوئی تجویز مناسب لگتی ہے تو آپ بروئے کار لائیں۔ یوں بھی آپ کی جو شہرت سنی ہے اس لحاظ سے یہ کام آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ بس فاضل خان کو نہیں مرنا چاہیے۔ وہ بہت قابل اعتماد اور کام کا بندہ ہے، ایسا بندہ شاید دوبارہ بڑی مشکل سے ملے...... اگر ایسا کوئی مرحلہ آنے لگا تو میرا خیال ہے اسماعیل شاہ کی قربانی دے دی جائے کہ فاضل خان آپ کا بندہ نہ ہونے کے باوجود براہ راست نہ سہی بالواسطہ آپ کے لیے بہت آسانیاں پیدا کرتا ہے۔''

''اس کا فیصلہ میں اپنے بڑوں اور اسماعیل شاہ سے ملاقات کے بعد کر سکوں گا۔'' روحیت حتمی لہجے میں بولا۔

''Ok wish you good luck'' ڈیوی نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر کولڈ ڈرنک کی بوتل کے نیچے رکھا اور ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔ روحیت نے بھی اسے منع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ امریکی مزاج سے واقف تھا کہ ایک محفل پہ گپ شپ کرنے والے دوست بھی اٹھتے وقت اپنا اپنا بل ادا کرتے تھے تو روحیت تو پھر بھی ایک اجنبی تھا۔ ڈیوی کے ہوٹل سے نکلتے ہی اس نے بیرے کو بلا کر کافی کا بل ادا کیا اور ہوٹل سے نکل آیا اس کا ارادہ رہائش گاہ پہ جا کے ہیڈ کوارٹر بات کرنے کا تھا۔ اسماعیل شاہ کی ہسٹری سے وہ ناواقف تھا۔ ہیڈ کوارٹر سے ہی اسے اس کے بارے تسلی بخش معلومات مل سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''فاضل آپ کہاں ہیں؟ وہ انسپکٹر ثریا کا بیان لینے پہنچ گیا ہے؟''

''بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' بیوی کو جواب دے کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا وہ اس وقت اسماعیل شاہ کے ٹھکانے

کی تلاشی لے کر آ رہا تھا مگر وہاں وہ کوئی بھی ایسی چیز پانے میں ناکام رہا تھا جو اسے اسماعیل شاہ کی تلاش میں مدد دے سکتی۔

''نورل ٹائم کیا ہوا ہے؟'' وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے نورل سے مخاطب ہوا۔

''پانچ منٹ اوپر نو ہیں سیٹھ صاحب۔''

''ڈرائیور گاڑی تھوڑی تیز چلاؤ۔''

اور ڈرائیور نے ''جی سیٹھ صاحب۔'' کہتے ہوئے سپیڈ بڑھا دی۔

وہ گھر سے تھوڑی دور تھا کہ ایک مرتبہ پھر موبائل کی گھنٹی بجی۔ سکرین پہ ڈیوی کا نام چمکتے دیکھ کر اس نے جلدی سے کال رسیو کی۔

''فرمائیں ڈیوی صاحب'۔ وہ چہکا۔ بیٹی کی باخیریت واپسی نے اس کے چڑچڑے پن کو دور کر دیا تھا۔

''سیٹھ صاحب میں بلیو لینڈ میں ہوں۔'' بلیو لینڈ اس کی ایک خوبصورت کوٹھی تھی جہاں اس کے اہم اور خصوصی مہمان ٹھہرتے تھے۔

''ارے کیا کہہ رہے ہو بھئی...... آپ کس ٹائم پہنچے؟''

''ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے۔''

''بس میں چند منٹ میں پہنچ گیا'' رابطہ منقطع کر کے وہ ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''بلیو لینڈ چلو۔''

''جی سیٹھ صاحب۔'' اس نے نزدیکی یوٹرن سے گاڑی واپس موڑ دی۔ فاضل خان گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

''رخشندہ مجھے کچھ دیر ہو جائے گی تھانیدار کو بے بی کا بیان لینے دو اس دوران تم ساتھ موجود رہنا۔''

اور دوسری طرف سے ''ٹھیک ہے۔'' کی آواز سنتے ہی اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بلیو لینڈ پہنچ گئے تھے۔

''گڈ مارننگ ڈیوی صاحب۔'' ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہی اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''آئیں سیٹھ صاحب'' ڈیوی اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ معانقہ کر کے وہ آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

''سیٹھ صاحب! ایک بہت بڑا گلہ لے کر حاضر ہوا تھا۔''

''خدا خیر کرے ڈیوی صاحب۔''

''اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور آپ نے ہمیں اطلاع ہی نہیں دی، آخر کو تمھاری بیٹی ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔''

''ڈیوی صاحب کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا اس لیے آپ کو پریشان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔'' ڈیوی کے منہ سے بیٹی کے اغواء کی خبر سن کر اسے حیرانی ہوئی تھی۔

''یہ تو آپ اس لیے کہہ رہے ہیں ناکہ آپ کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ بے بی کتنے خطرناک گروہ کے شکنجے سے نکل کر آئی ہے۔''

’’گروہ کہاں تھا ڈیوی صاحب......ایک ہی کنجر ہے پرانی دشمنی کا بدلہ چکا رہا تھا،لیکن اب اس کے ساتھ میں جو کچھ کروں گا۔ اس کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔‘‘

’’اسی بات کا تو رونا ہے سیٹھ صاحب کہ آپ اصل حقائق سے لاعلم ہیں......آپ نے اسے وہی پہلے والا اسماعیل شاہ سمجھا ہوا ہے ......حالانکہ اب اس کی پشت پناہی ایک بہت بڑا گروہ کر رہا ہے......ورنہ تیرا کیا خیال ہے بے بی کو اغواء کر کے وہ ہمارے عتاب سے بچ سکتا تھا۔‘‘

’’یہ......یہ کیسے ہو سکتا ہے۔‘‘فاضل ہکلایا۔

’’ایسا ہی ہے اور برا نہ مانیں تو میں کہنا چاہوں گا کہ اس میں سراسر آپ کی بیوقوفی ہے......آپ نے انتقام لینا تھا تو اس کی بہن کو رکھیل بنا کر رکھ لیتے اگر اس کے ساتھ اس کا زندہ رکھنا بھی ضروری سمجھتے تھے تو اسے اپاہج بنا کر زندہ چھوڑ دیتے یہ کیا کہ ایک ڈگری ہولڈر ،چھ فٹ سے لمبے صحت مند نوجوان کو اس طرح انتقام کا جنون دے کر چھوڑ دیا۔‘‘

’’میں نے کب چھوڑا ہے،حوالات سے بھاگا ہے۔‘‘

’’یہ موقع اسے آپ نے ہی فراہم کیا تھا،اگر حوالات تک جانے کی نوبت ہی نہ آنے دیتے تو کیسے فرار ہوتا؟‘‘

’’بہر حال اب گڑے مردے اکھاڑنے سے کچھ نہیں حاصل ہونے والا......اس کا حل سوچو کہ کیا کیا جائے؟‘‘

’’صلح۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں؟‘‘فاضل خان کے لہجے میں حیرانی تھی۔

’’آپ کو اسماعیل شاہ سے صلح کرنی پڑے گی۔‘‘

’’ایسا نہیں ہو سکتا ڈیوی صاحب۔‘‘فاضل خان اضطراب کی حالت میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

’’اس کی حیثیت میرے نزدیک ایک کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہیں اس نے میری گڑیا کو حبس بے جا میں رکھا،اس کی قیمت اسے چکانی پڑے گی۔‘‘

’’تشریف رکھیں سیٹھ صاحب اور آرام سے سوچیں اب وہ پہلے والا اسماعیل شاہ نہیں رہا۔‘‘

’’وہ جتنا بھی تیس مار خان بن گیا ہو سیٹھ فاضل اس کے سامنے نہیں جھک سکتا۔‘‘

ڈیوی نے سوچنے کے انداز میں صوفے سے ٹیک لگا لی سیٹھ فاضل کو قائل کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔چند لمحوں کے بعد وہ بولا۔’’اچھا تم بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟‘‘

’’میرے پاس تو ایک ہی حل ہے ڈیوی صاحب اپنے تمام آدمی اس کی تلاش میں لگا دیتا ہوں جہاں ملے گا پار کر دیں گے۔‘‘

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''سیٹھ صاحب کیا اس کے مرنے کے بعد اس کا گروہ آرام سے بیٹھ جائے گا ؟''

''وہ کر لیں جو ان سے ہوتا ہے سیٹھ فاضل اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ اس طرح کے سڑک چھاپ گروہوں سے نہ نمٹ سکے؟''

''سیٹھ صاحب وہ سڑک چھاپ گروہ نہیں ہے آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے......اگر آپ ان سے برتر ہیں تب بھی خواہ مخواہ کی دشمنی سے ہمارے کام کا حرج تو ہو گا نا؟ اب بھی دیکھو جب سے آپ اپنی بیٹی کی وجہ ڈسٹرب ہوئے ہیں تنظیم کی خاطر چار آنے کا کام بھی نہیں کر سکے ہیں......''

''مجھے اس کا احساس ہے اور جلد ہی میں آپ کی یہ شکایت دور کر دوں گا۔'' سیٹھ فاضل کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ ڈیوی جلدی سے بولا۔

''سیٹھ صاحب آپ ہماری تنظیم کا سرمایہ ہیں، آپ کو ہلکا سا نقصان بھی پہنچ گیا تو اس کی تلافی ساری زندگی نہیں ہو سکے گی ......اس لیے میں مشورہ دے رہا تھا کہ آپ بے فائدہ دشمنیوں سے اجتناب کریں...... باقی اگر آپ کو یہ منظور نہیں ہے تو اس بات پہ میں آپ کو کبھی بھی مجبور نہیں کروں گا......''

''مہربانی ڈیوی صاحب......'' فاضل خان سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کچھ خفا خفا سے لگ رہے ہیں آپ ؟''

''ڈیوی صاحب ایک بات یاد رکھنا......میں اپنے کسی ہم وطن کی برتری برداشت نہیں کر سکتا، چاہے وہ کتنی ہی اہم شخصیت کیوں نہ ہو۔ اور جہاں تک تعلق ہے اسماعیل کا تو اس نے تو میری بے بی کو تکلیف دی ہے اس کو میں کیسے معاف کر سکتا ہوں......ڈیوی صاحب گڑیا کی چیخیں، اس کا رونا گڑگڑانا میرے دماغ سے اسی صورت محو ہو گا کہ اس پہ اسماعیل کے خون کا چھڑکاؤ کیا جائے......حنا کی بے لباسی میں کب معاف کر سکتا ہوں......اس کا پھٹا ہوا لباس میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔''

''ہمیں تم اپنے ہمراہ پاؤ گے سیٹھ صاحب '' ڈیوی بادل نخواستہ بولا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اسماعیل اور فاضل کا ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ اسے احساس ہوا کہ ''را'' کو اسماعیل کے متعلق معلومات دینا اس کی غلطی تھی اسے پہلے فاضل خان کا عندیہ لینا چاہیے تھا......اس طرح اسماعیل کے معاملے میں اس کی ہٹ دھرمی ظاہر ہو جاتی اور ڈیوی خاموشی سے اسماعیل شاہ کو رستے سے ہٹا دیتا کہ بڑے فائدے کے لیے چھوٹی موٹی قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور اسماعیل شاہ سے تو یوں بھی اسے براہ راست کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا۔

''ان کیڑوں سے نپٹنا میں جانتا ہوں ڈیوی صاحب آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں...... پہلے بے خیالی میں اسے ڈنک مارنے کا موقع مل گیا تھا اب اس کی ایسی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو گی......اور آپ بے فکر رہیں میں چند ہی دنوں میں گزشتہ ایام کی تلافی کر دوں گا۔''

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب...... اب اجازت دیں بس آپ کو خبردار کرنے کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا کہ اب اسماعیل شاہ کو پہلے والا اسماعیل نہیں سمجھنا ہے، اپنا اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست کر لینا ہے۔"

"آج تو اپنی خدمت کا موقع دیتے۔" فاضل خان کے لہجے کا رسمی پن نمایاں تھا، ڈیوی کو محسوس ہوا کہ اس کی بات کو فاضل خان نے بہت شدت سے محسوس کیا ہے، مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا یوں بھی کمان سے نکلا تیر اور منہ سے نکلی بات واپس نہیں آتی۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

"شکریہ سیٹھ صاحب پھر کبھی سہی۔" اور سیٹھ سے ہاتھ ملا کر وہ باہر کے جانب چل دیا۔ فاضل نے اسے دروازے تک رخصت کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

☆......☆......☆

حنا فاضل علی خان کی گفتگو کا پن کھوکھلا دلشاد سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ جان گیا کہ وہ رٹا رٹایا بیان دے رہی ہے، مگر وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی کہ دلشاد اسے دھمکا سکتا۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی اس نے بیان قلم بند کرنے والے کو کہا۔

"اوکے ساجد! تم باہر گاڑی میں چلے جاؤ میں آتا ہوں۔"

اور ساجد۔ "جی سر" کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔

وہ درخشندہ فاضل سے مخاطب ہوا "بہن اگر ناگوار نہ ہو تو میں اپنی بیٹی سے اکیلے میں چند سوال کرنا چاہوں گا ؟"

"ضرور بھیا۔" وہ خوش اخلاقی سے بولی یوں بھی دلشاد کی گفتگو اور باوقار انداز سے وہ کافی متاثر ہوئی تھی۔ اس کے جاتے ہی دلشاد امین نے آگے بڑھ کر حنا کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تجھے بیٹی کہا ہے اس ناطے اگر مناسب سمجھنا تو اپنے انکل کے سوالوں کا صحیح جواب دے دینا اگر یہ ممکن نہ ہو تو خدارا خاموش رہنا جھوٹ نہ بولنا، میں بھی آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"

"پوچھیں انکل" وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

"بیٹی ابھی تھوڑی دیر پہلے جو کہانی آپ نے سنائی ہے اس میں حقیقت کا عنصر بہت کم تھا اور میں حقیقت سننا چاہتا ہوں۔" دلشاد کی بات پہ حنا نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ دلشاد چند لمحے اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر بولا۔

"بیٹی یہ بات آف دی ریکارڈ ہوگی...... سرکاری طور پہ آپ کا وہی بیان ریکارڈ رہے گا جو آپ قلم بند کرا چکی ہیں...... یہ بات آپ کے اور میرے درمیان راز رہے گی۔"

"انکل اس میں آپ کا فائدہ ؟"

''ایک بے گناہ کی نجات کے لیے شواہد کی ضرورت ہے ؟''

''کون بے گناہ؟''

''شاید، جو آپ کا مجرم ہے......اسماعیل شاہ۔''

ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد وہ دھیرے سے بولی۔ ''وہ میرا مجرم نہیں ہے۔''

''پر تیری کہانی تو کچھ اور کہتی ہے۔''

''وہ سچی نہیں تھی۔''

''تو سچ کیا ہے؟''

''وہ بے گناہ ہے......اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے، یہ تو اس کا ظرف ہے کہ اس نے دشمن کی عزت کو پامال نہیں کیا۔''

''میں ساری کہانی سننا پسند کروں گا ؟'' اور حنا دھیمے لہجے میں اغواء کے دنوں کی ساری داستان بلا کم کاست اس کے سامنے دہرانے لگی آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ ''انکل ایک جوان مرد کا ہاتھ آئی بے بس لڑکی، جس کے باپ کو وہ دشمن جانتا ہو! اس طرح بغیر کچھ کہے چھوڑ دینا آج کے دور میں ناممکن لگتا ہے۔ اور اس کی یہ مہربانی میں ساری زندگی یاد رکھوں گی۔''

''بیٹی! بڑی مہربانی کہ تم نے مجھ پہ اعتماد کیا یقین رکھو تمھاری یہ باتیں اس دل میں دفن رہیں گی۔''

وہ ملتجی لہجے میں بولی ''انکل اگر ہو سکے تو اس پہ لگے الزامات صاف کر دینا وہ واقعتاً مظلوم ہے۔''

''ضرور بیٹی......'' دلشاد کو وہ ہمدرد سیٹھ زادی بہت اچھی لگی......''اب میں چلوں گا۔'' اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر وہ باہر آ گیا ۔ تھوڑی دیر بعد وہ چند سپاہیوں کے ہمراہ اس مکان کا رخ کر رہا تھا جہاں حنا کو قید رکھا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''سر جی انسپکٹر حکم داد صاحب سے ملنا تھا۔'' اسماعیل تھانے کے گیٹ پہ کھڑے سنتری سے مخاطب ہوا۔

سنتری جواباً بولا۔ ''مگر وہ تو یہاں نہیں ہوتے۔''

''پہلے تو یہیں ہوتے تھے۔''

سنتری فلسفیانہ لہجے میں بولا۔ ''پہلے تو پرویز مشرف بھی پاکستان کا صدر ہوا کرتا تھا آج کل کہاں ہے ؟۔''

''وہ تو خیر انگلینڈ میں ہے......انسپکٹر صاحب کہاں پہنچے ہیں۔'' اسماعیل بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''وہ غریب ناظم آباد سے آگے نہیں جا سکا۔''

''اس کا موبائل نمبر مل جائے گا ؟۔''

''بھائی جان وہ ناظم آباد تھانے کا انچارج ہے، یہاں پہ ہوتا تو ضرور اس کا نمبر میرے پاس ہوتا ؟''

''چلو بادشاہو جیسے آپ کی مرضی '' اسماعیل گیئر بدلتا ہوا آگے بڑھ گیا اس کا رخ ناظم آباد تھانے کی طرف تھا۔وہاں پہ اسے سنتری سے حاکم داد کا نمبر بھی مل گیا۔چھٹی کے ٹائم تک وہ تھانے کے باہر ٹہلتا رہا جب تک کہ حاکم داد کو اپنی نظروں سے دیکھ کر اس نے تصدیق نہ کر لی کہ یہی اس کا مطلوبہ آدمی ہے۔اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسماعیل نے اس کا گھر بھی دیکھ لیا۔اس کا ایک اہم ٹاسک مکمل ہو گیا تھا باقی کا دن اس نے چند ضروری اشیاء کی خریداری میں صرف کیا۔شام تک وہ واپس اپنے مکان پہ پہنچ گیا تھا۔بیرونی دروازے کا تالا کھولتے ہوئے اک سوچ اس کے ذہن میں در آئی۔

''اگر تالا کھولنے کی بجائے میں دستک دے رہا ہوتا اور اندر کوئی منتظر ہوتا..... پر کون ہوتا؟''اس سوالیہ سوچ کے ساتھ ہی حنا کی شبیہ اس کی آنکھوں میں ابھری اور اس کے ساتھ اس کی شوخ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''ٹائم دیکھا ہے.....سارا دن کہاں غائب رہے، پتا ہے کب سے بھوکی بیٹھی ہوں۔''

''ہونہہ!کب سے بھوکی بیٹھی ہوں......''اس نے زور سے سر جھٹکا''اس کو کہتے ہیں جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا ۔''موٹر سائیکل صحن میں کھڑی کر کے وہ اندرونی کمرے کے جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''دلشاد امین میں تمہاری بات سے متفق ہوں کہ اسماعیل شاہ بے گناہ ہے، مگر عدالت ثبوت اور گواہ مانگتی ہے۔اس کے علاوہ اسماعیل شاہ کا بھی پتا نہیں وہ کہاں ملے گا۔اور پہلے وہ بے گناہ تھا تو کیا اب تک بے گناہ ہی ہے یا کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے جس سے وہ سزا کا حق دار ٹھہرے ۔''ایس پی سکندر حیات نے دلشاد امین کی زبانی ساری تفصیلات سننے کے بعد رائے دی۔

''سر ان سارے مسائل کا حل اسماعیل کی گرفتاری ہے۔''

''ایسا ہی ہے مگر جتنی جلدی اس رابطہ ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے یہ نہ ہو وہ کوئی ایسا جرم کر بیٹھے کہ بے گناہ سے مجرم بن جائے ۔''

''سر کبھی کبھی حالات آدمی کو مجرم بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے دلشاد مگر جرم کی بھی اقسام ہوتی ہیں.....کچھ جرم ناقابل معافی ہوتے ہیں......اس لیے بہتر یہی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اسے تلاش کرو ۔''

''سر میرا اندازہ ہے کہ اس کا اگلا شکار انسپکٹر حاکم داد ہوگا ۔''

''وہ کیسے ؟''ایس پی کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''سر حاکم داد نے ہی اس کی بہن کو نا کردہ جرم کی پاداش میں گرفتار کیا تھا اور پھر اسے فاضل خان کے حوالے کرنے والا بھی وہی

تھا...... فاضل خان سے اسماعیل شاہ خاطر خواہ انتقام لے چکا ہے...... باقی وہ تھوڑا مشکل ٹارگٹ ہے اور میرا خیال یہی ہے کہ پہلے وہ آسان ٹارگٹ کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اگر ایسا ہے تو تم حاکم داد سے مل کر اسے اس خطرے سے آگاہ کرو...... گو اس کا زمین کے اوپر ہونے سے زمین کے نیچے ہونا زیادہ بہتر ہے۔ مگر پھر بھی ہمارا جو فرض بنتا ہے اسے ادا کرنا چاہیے، ویسے بھی اگر اسماعیل گرفتار ہو گیا تو اس کا بندوبست میں ضرور کروں گا اس کی پہلے بھی بہت سی شکایتیں مجھ تک پہنچ چکی ہیں لیکن کبھی ثبوت کی عدم موجودگی میں بچ جاتا ہے اور کبھی کوئی اونچے لیول کی سفارش سے اس کی جان بخشی ہو جاتی ہے۔"

"سر ایسے معاملات میں ہمیں کسی کی سفارش نہیں ماننی چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے...... مگر عمل نہیں کر پاتا...... کوئی نہ کوئی ایسی سفارش آجاتی ہے جو مجھے مجبور کر دیتی ہے۔"

"سر اس کے لیے ہمیں بہت سے رشتوں اور تعلقات کی قربانی دینی پڑے گی۔"

"یار دلشاد! اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔"

"سر کسی کو تو "پہلا قطرہ" بننے کی جرأت کرنے پڑے گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ حاکم داد کی حفاظت کا بھی کوئی بندوبست کرنا پڑے گا یا اسے بتا دینا کافی ہے"۔ ایس پی صاحب نے موضوع بدلا۔

"سر وہ سکول ماسٹر نہیں کہ ہم اس کی حفاظت کا بندوبست کرتے رہیں...... یوں بھی اس کے پاس پورے تھانے کی نفری موجود ہے، جو مناسب سمجھے گا کرتا رہے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے...... لیکن تم اسے خبر کیے بغیر اپنے طور پہ اس پر نظر رکھنا شاید اسماعیل سے ملنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔"

"اوکے سر" وہ کھڑا ہو گیا۔"اب اجازت دیں" اور ایس پی کے اثبات میں سر ہلانے پہ وہ اس کے آفس سے باہر نکل آیا تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھا ناظم آباد کا رخ کر رہا تھا۔ تھانے کے گیٹ پہ کھڑا سنتری اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"اسلام علیکم سر۔" اس نے ایڑیاں بجا کے دلشاد کو سیلوٹ کیا۔

"وعلیکم اسلام" کہتا ہوا وہ کار تھانے کی پارکنگ میں لے گیا۔ چند لمحوں بعد وہ انسپکٹر حاکم داد کے آفس میں داخل ہو رہا تھا۔

"خوش آمدید! دلشاد صاحب۔" حاکم داد نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔"آج کہاں بھول پڑے؟"

"آپ سے تھوڑا کام تھا۔"

"تشریف رکھیں سر...... پہلے یہ بتائیں کہ کیا چلے گا...... ٹھنڈا یا گرم۔"

"نو تھینکس ابھی ایس پی صاحب کے آفس سے چائے پی کر اٹھا ہوں۔" دلشاد نے کرسی سنبھال لی۔

ایسے پولیس والوں کی دعوت وہ ہمیشہ خوبصورتی سے ٹال جاتا تھا جہاں حرام حلال کی کوئی تمیز نہ برتی جاتی ہو۔

"جیسے آپ کی مرضی سر۔" حاکم داد نے بھی اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا کہ وہ بھی دلشاد کی کیٹگری سے واقف تھا۔" آپ کام بتائیں؟۔"

"آپ اسماعیل شاہ نامی کسی آدمی سے واقف ہیں ؟"

"اسماعیل شاہ......" ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔" نہیں سر ایسا کوئی آدمی ذہن میں نہیں آرہا۔"

"سیٹھ فاضل خان سے واقف ہیں۔" دلشاد نے ایک دوسرا سوال کیا۔

"بڑے اچھے طریقے سے......اور ہاں کہیں آپ اس اسماعیل شاہ کی بات تو نہیں کر رہے جو حوالات سے بھاگ گیا تھا۔" فاضل خان کے نام سے حاکم داد کے حافظے میں اسماعیل شاہ کا نام ابھرا۔

"صحیح پہچانا......میں اسی اسماعیل کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا گرفتار ہو گیا ہے ؟" حاکم داد کے لہجے میں چھپی دلچسپی بہت واضح تھی۔

"نہیں......بلکہ آج کل وہ ایک خطرناک شخص کے روپ میں سامنے آیا ہے......اس نے سیٹھ فاضل کی بیٹی کو اغوا کر کے ہفتہ بھر اپنے پاس قید رکھا۔اس سے دس لاکھ ڈالر کا تاوان وصول کیا......اب جہاں تک ایس پی صاحب کا اندازہ ہے اس کا اگلا ٹارگٹ سیٹھ فاضل کو قتل کرنا یا آپ کو نقصان پہنچانا ہو سکتا ہے کیونکہ اسے گرفتار کرنے والے آپ ہی تھے ۔" دلشاد نے نپے تلے الفاظ میں اپنی بات اس تک پہنچائی۔

"ہا......ہا......ہا ۔" حاکم داد کا قہقہہ کافی بلند تھا۔" دلشاد صاحب آپ بھی نہ بس؟۔"

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے انسپکٹر صاحب ۔"

"کیوں نہیں ہے؟" حاکم داد کی ہنسی اب تک نہیں تھمی تھی۔" پولیس انسپکٹر کا کام مجرم کو پکڑنا ہے اور ایسا ہی میں نے کیا تھا اب اس بات پہ کوئی الو کا پٹھا مجھ سے انتقام لے گا؟......اور وہ بھی ایسا آدمی جسے اگر میرا ایک تھپڑ لگ جائے تو تین قلابازیاں کھائے گا۔"

"ہمارا کام آپ کو خطرے سے آگاہ کرنا تھا آگے آپ کی مرضی۔" اس کی ہنسی نے دلشاد کا موڈ خراب کر دیا تھا۔

"برا نہ مانئے گا دلشاد صاحب میں آپ کا مذاق نہیں اڑا رہا بس ہنسی اس بات پہ آرہی کہ اب پولیس انسپکٹر ایک ایسے مجرم سے چھپتے پھریں گے جو خود حوالات سے بھاگا ہوا ہے......ایک ایسا فرد جو لازمی کسی پولیس والے کو دیکھتا ہوگا تو اس کی شلوار گیلی ہو جاتی ہوگی ،ویسے یہ دور س خیال ایس پی صاحب کی عقل کامل میں کیسے آیا اور بالفرض اس نے ایسے سوچ ہی لیا تھا تو آپ جیسا آفیسر اس پہ مہر ثبت کرنے کے لیے میرے پاس دوڑا چلا آیا۔"

"حاکم داد صاحب !میں ایک دفعہ پھر سنجیدگی سے آپ کو متنبہ کر رہا ہوں کہ احتیاط کرنے میں آپ کا فائدہ ہے۔یہ نہ ہو آپ کو

بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے۔" دلشاد امین نے کرسی چھوڑ دی۔

"ٹھیک ہے دلشاد صاحب...... پر آپ بیٹھیں تو سہی کچھ گپ شپ کرتے ہیں۔"

دلشاد کو حاکم داد کی طنز کے لبادے میں لپٹی ہوئی ٹھیک ہے بھی بہت بری لگی۔ وہ بمشکل اپنے جذبات پہ قابو پاتا ہوا بولا۔ "نہیں سر تھینکس، اب میں چلوں گا۔"

حاکم داد نے بھی اصرار نہ کیا اور اس کا مصافحے کے لیے بڑھا ہوا تھام کر گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔

☆......☆......☆

"اگلے چند دن اسماعیل نے تیاری میں گزارے وہ حاکم داد پہ کچا ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا اس دوران اس نے اس کی نگرانی جاری رکھی۔ اے کے کی باتیں بڑی پختگی سے اس کے ذہن میں نقش تھیں۔

"یاد رکھو جلد بازی ہمیشہ کام بگاڑ دیتی ہے۔ تیز رفتاری اس وقت تک قابل تعریف ہے جب اس میں درستی شامل ہو، ورنہ ایسی تیز رفتاری وبال کا باعث بنتی ہے۔ کوئی بھی منصوبہ بناتے وقت خوب سوچو، چھوٹی سی چھوٹی جزئیات کو بھی نظر انداز مت کرو۔ جب حملہ آپ نے کرنا ہے تو پھر وقت کی کیا کمی۔"

اس وقت وہ حاکم داد کے مکان سے تھوڑے فاصلے پہ موجود تھا نو بجے کے قریب وہ حسب معمول گھر سے نکل کر تھانے کے جانب بڑھ گیا لیکن اسماعیل اس کا تعاقب کرنے کی بجائے وہیں پہ کھڑا رہا آج اس کا ارادہ اس کے گھر کی نگرانی کا تھا۔ اچانک موبائل کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ حنا کے موبائل پہ کسی نامعلوم نمبر سے کال آ رہی تھی۔

"ہیلو۔" کال ریسیو کرتے ہوئے وہ محتاط انداز میں بولا۔

"میں بول رہی ہوں۔" اس کے کانوں میں حنا کی دلکش آواز گونجی۔

وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا۔ "کون میں بی بی، اور میں تو کسی "میں" کو نہیں جانتا۔"

"حنا بات کر رہی ہوں...... اتنی جلدی بھول گئے۔"

"نہیں بھولا تو نہیں ہوں مگر ہر بندے کو آواز سے تو نہیں پہچان سکتا نا؟"

"تو کس کو آواز سے پہچان سکتے ہو؟"

"وہ کم از کم آپ نہیں ہیں۔" اسماعیل کا سپاٹ لہجہ اسے دکھی کر گیا مگر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں ایک عجیب اعتماد در آیا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔"

"بی بی میرے جھوٹ سچ کو چھوڑ و اور کال کرنے کا مقصد بتاؤ۔"

”میں نے نیا کنکشن لیا ہے سوچا آپ کو اپنا نمبر بتا دوں اسی بہانے آپ کی خیریت بھی معلوم ہو جائے گی۔“

”دیکھو بی بی آپ نے پہلے مجھے خطرے سے آگاہ کر کے اچھائی کی، اس کا بہت بہت شکریہ اب آپ کو ایسی کوئی تگ ودو کرنے کی ضرورت نہیں میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔“

وہ شوخ لہجے میں بولی۔”اگر رکھ سکتے تو مجھے فون کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟“

”مس!...... میرا خیال ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے...... میں فاضل علی خان کا دشمن ہوں۔ جو کہ آپ کے پیارے پاپا ہیں اور میرا نہیں خیال کہ آپ اپنے پاپا کے مستقبل کے قاتل سے کوئی واسطہ رکھنا چاہو گی۔“

”وہ آپ کا اور پاپا کا معاملہ ہے“۔

”آپ اس کی بیٹی ہیں۔“

”ہاں...... مگر ہر بندہ اپنے اعمال کا جوابدہ خود ہوتا ہے، عرف عام میں اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔“

”ہاں، مگر وہ حشر کے میدان کی بات ہے یہ دنیا ہے جہاں رشتوں کی ڈوری آپ کو لاتعلق نہیں رہنے دیتی اگر آپ اس بات سے متفق نہیں ہیں تو کیا آپ مجھے اپنے باپ کا قتل معاف کرتی ہیں۔“

”شاہ جی وہ میرا باپ ہے...... میرے سر کا سائبان ہے...... اس کی خدمت اور فرمانبرداری میری جنت ہے۔ قتل کی اجازت تو چھوڑیں میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی اسے کوئی تکلیف پہنچے۔“ حنا کے لہجے میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی۔

”یہی بات میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا...... کہ میں آپ کا دشمن ہوں وقت آنے پہ شاید میں آپ پہ بھی گولی چلانے پہ مجبور ہو جاؤں۔“

”شاہ جی برا نہ ماننا میں ایک تجویز پیش کرتی ہوں...... اب یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے باپ کی وکالت کر رہی ہوں...... آپ نے اپنے گھر کی قیمت زبردستی وصول کر لی ہے۔ آپ کی امی جان اللہ انھیں جنت فردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اس کے قاتل کو آپ ہلاک کر چکے ہیں۔ اب رہ گئی گڑیا کی بات تو اس کے بدلے آپ نے مجھے اغواء کیا بے لباس کیا میرے والد کو ذہنی طور پر ٹارچر کیا...... گو اپنے اعلیٰ ظرف کی وجہ سے آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن میرے والد کی سوچ کے مطابق تو آپ نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔ باقی پہل میرے والد کی طرف سے ہوئی تھی تو اس کا بدلہ آپ ایسے لے سکتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے مجھے اپنا لیں...... ویسے بھی ہماری سندھی روایات کا یہی ہیں کہ دشمن کی بیٹی، بہن وغیرہ کو ونی کے طور پر رکھ لیتے ہیں۔“

”بی بی مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، تجھے چھوڑنے کی......“ اسماعیل آپ سے تو پہ اتر آیا تھا۔”آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا...... ویسے تجھے میری کون سی حرکت سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ میں تیری محبت میں مرا جا رہا ہوں...... بیوقوف مجھے فاضل خان اور اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے اتنی نفرت ہے جتنی مومن کو شیطان سے ہوتی ہے اور تم چاہتی ہو کہ میں تجھے یعنی اس کی بیٹی کو گھر رکھ لوں...... ایسی کون سی بات خود میں نظر آئی کہ تو نے خود کو ملکہ حسن سمجھ لیا......"

"آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں......آپ کو مجھ سے محبت ہے......آپ صرف اس لیے خود پہ جبر کر رہے ہیں کہ میں فاضل خان کی بیٹی ہوں۔"

"بی بی تمھارا دماغ مجھے کھسکا ہوا لگتا ہے......مان نہ مان میں تیرا مہمان۔"

"شاہ جی پلیز......ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر ہم ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔"

"یہ پٹی تمھیں والد نے پڑھائی ہوگی......حنا بی بی میں اتنی آسانی سے اسے معاف نہیں کر سکتا۔ اور تمھارا گھٹیا تجزیہ کہ میری ماں کا قاتل مارا گیا بالکل غلط ہے۔ وہ صرف آلہ قتل تھا۔ اصل مجرم فاضل خان ہے اور تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو گڑیا کا بدلہ پورا ہو گیا۔ اسے فاضل خان جیسے پنچ ذہنیت رکھنے والے آدمی نے اپنے کتوں کے آگے ڈال دیا تھا۔ اس کی چیخیں آج بھی میری سماعتوں میں زہر گھول رہی ہیں......نہیں مس! فاضل خان کو اس کا حساب دینا پڑے گا......اور خبردار آج کے بعد مجھ سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی تو......یاد رکھو اب اگر تم میرے ہاتھ آ گئیں تو شاید میں تمھیں معاف نہ کر سکوں۔"

"شاہ جی آپ مجھے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، نہ میں آپ سے ڈرتی ہوں، اگر یقین نہیں آتا تو جگہ بتائیں میں وہاں پہنچ جاتی ہوں۔ اور جہاں تک رابطے کا تعلق ہے وہ تو اب ختم نہیں ہو سکتا۔"

"بھول ہے تمھاری۔ اب یہ نمبر تمھیں بند ملے گا؟"

"نہیں شاہ جی ایسا نہ کرنا۔" اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"مس حنا! ہمیشہ کے لیے خدا حافظ......آخری بات یہی ہے کہ کاش تم فاضل علی خان کی بیٹی نہ ہوتیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسماعیل کے لبوں سے نکلا اور اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ چند لمحوں بعد دوبارہ موبائل کی گھنٹی بجی حنا کا ہی نمبر تھا مگر اسماعیل نے کال منقطع کرنے کا بٹن دبا کر کال ڈس کنکٹ کی اور موبائل آف کر دیا۔

"مجھے پہلے ہی یہ غلطی نہیں کرنی چاہیے تھی، سانپ کا بچہ سنپولیا ہی ہوتا ہے، اس کی ساری کوشش مجھے اپنے مقصد سے ہٹانے کی تھی، ہونہہ! اس شادی کر لوں اور اپنے انتقام کو بھول جاؤں، گویا لڑکیاں پاکستان سے ختم ہی ہو گئیں ہیں کہ اس کے علاوہ مجھے ملے گی ہی نہیں، پیسا ہونا چاہیے پیسا روزانہ کی نئی ملتی ہے۔" اس کا موڈ سخت بگڑ گیا تھا۔ وہ وہاں سے روانہ ہوا تھوڑی دیر بعد وہ ایک معروف ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کمرہ چاہیے اور پارٹنر بھی۔" وہ دھیمے لہجے میں کاؤنٹر مین سے مخاطب ہوا۔

''سراس ٹائم......؟''

''ہاں ابھی اسی ٹائم ......اور یہ تیری ٹپ ہے''اس نے پانچ ہزار کا نوٹ اس کے جانب بڑھایا۔''اگر پیس ستھرا ہوا تو اور بھی دوں گا......رقم کی فکر نہ کرنا'' تین بڑے نوٹ اس کے جانب بڑھا کے وہ بولا۔''یہ ایڈوانس رکھ لو۔''

ریسپشنسٹ پیسے وصول کرتا ہوا خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا۔''سر یہ لیں روم کی چابی آدھے گھنٹے میں پارٹنر آجاتا ہے۔''

''ایک وسکی کی بوتل بھی بھجوا دینا۔''

''او کے سر''ریسپشنسٹ بولا۔اور اسماعیل سر ہلاتا ہوا لفٹ کے جانب بڑھ گیا۔اندر داخل ہو کر اس نے تیسرے فلور کا بٹن پریس کر دیا۔

کمرے میں داخل ہو کر جانے اس کے جی میں کیا آیا کہ وہ حنا کا موبائل آن کرتے ہوئے اسے کال کرنے لگا۔پہلی ہی گھنٹی پہ کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''شاہ جی......''اس کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا۔''میں جانتی تھی آپ کال کریں گے۔''

''مس فاضل علی خان میں نے صرف یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ بازار بھرا پڑا ہے حناؤں سے اور میں تمھارے جیسی لڑکی کے لیے اپنا مشن بھول جاؤں......چند ٹکوں میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی دستیاب ہے......اب اس وقت بھی میرے پاس ایک حنا آنے والی ہے......سمجھیں اتنی سی اوقات ہے تمھاری اتنی سی...... چند ٹکے دیئے ہیں اور آدھے گھنٹے کے نوٹس پہ وہ میرے پاس ہو گی......اگر شک ہے تو پیراڈائز ہوٹل تھرڈ فلور روم نمبر نائن کے بارے ریسپشنسٹ سے تصدیق کر لو۔''

''شاہ جی! وہ حنا نہیں کوئی مجبور ریحانہ ہو گی......معاشرے کی ستائی ہوئی......مجبوریوں کے بندھن میں گرفتار......کسی بیمار کی بہن یا بیٹی......بھوک و افلاس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی محرومیوں کی پروردہ......ایسی جو آپ کے لیے نہیں صرف چند ٹکوں کے لیے ہی آئے گی اس کا مطمح نظر روپے ہیں شاہ جی نہیں......جبکہ حنا کو نہ تو پیسے چاہییں نہ کوئی اور آسائش صرف شاہ جی چاہیے،مال دولت تو وہ شاہ جی کے لیے چھوڑ کر آئے گی۔''

''کوئی بھی ہو......کچھ بھی ہو......''وہ ہیجان زدہ لہجے میں بولا۔''میری ریحانہ نہیں رہی،مجھے کسی کی ریحانہ کی پرواہ نہیں ہے......مجبور ہے تو اپنے لیے،محروم ہے تو کیا ہوا؟فاقہ کش ہے تو مجھے غم نہیں......میرا کام ہے اپنی بھوک مٹانا،اگر اسے میری پرواہ نہیں تو مجھے کب ہے؟......میں کون سا اسے اپنے گلے کا ہار بنانا چاہتا ہوں آج یہ ہے کل کوئی اور جائے گی۔''

''آپ ایسا کچھ نہیں کرنے والے۔''حنا کے لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔

''کون ہے مجھے روکنے والا......میں یہ کرتا رہا ہوں اور کرتا رہوں گا ہمیں کرتا رہوں گا۔''

''میں روکوں گی اور میں وہی پہ آ رہی ہوں۔''

''ہونہہ، تم آ کر دیکھو میں نے تمھاری ٹانگیں نہ توڑ دیں تو کہنا۔'' مگر اس کی بات حنا تک نہ پہنچی کہ وہ رابطہ منقطع کر چکی تھی۔

اسی وقت اس کمرے پہ دروازے پہ دستک ہوئی اور پھر اس کے آواز دینے سے پہلے دروازہ کھول کر جدید تراش خراش کے شوخ و شنگ لباس میں ملبوس کم عیاں زیادہ ایک پچیس چھبیس سال کی لڑکی داخل ہوئی۔ سفید کھلتا ہوا رنگ اور نین نقش کافی جاذب نظر تھے۔

''گڈ مارننگ سر۔'' وہ دروازے کو اندر سے کنڈی لگاتی ہوئی بولی۔

''کنڈی کھول دو۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا ''اور گیارہ بجے کون سی مارننگ ہوتی ہے۔''

''ہماری مارننگ دن بارہ بجے سے شروع ہوتی ہے اس لحاظ سے ابھی سویرا ہے۔'' وہ کنڈی کھول کر مسکراتی ہوئی بولی۔ اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ اسے نیند سے جگایا گیا تھا، مگر اس کے باوجود اس کی رسمی مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ ریسپشنسٹ اسے اسامی کے تگڑی ہونے کا مژدہ سنا چکا ہے۔ کنڈی کھول کر اس نے اپنے شولڈر بیگ کو کھول کر وسکی کی سربمہر بوتل نکالی اور اسماعیل کے سامنے تپائی پہ رکھ دی۔ دیوار گیر الماری سے خوبصورت ڈیزائن کے دو گلاس نکال کر اس نے وہ بھی تپائی پہ رکھے اور اسماعیل کے ساتھ ہی صوفے پہ جڑ کر بیٹھ گئی۔

''تو سر کیا خیال ہے؟'' چند لمحے خاموش رہنے کے بعد جب اس نے اسماعیل کے جانب سے کوئی پیش قدمی نہ دیکھی تو مترنم آواز میں مستفسر ہوئی۔

''آپ اگر ساتھ والے صوفے پہ تشریف لے جائیں تو مہربانی ہوگی۔''

''میں سمجھی نہیں سر!'' اس کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔ ''میرا خیال ہے مجھے روم نمبر نائن ہی بتایا گیا تھا۔''

''یہ روم نمبر نائن ہی ہے......'' اسماعیل بولا اور اسے حرکت نہ کرتے دیکھ کر خود وہاں سے اٹھ کر بیڈ کی پائنتی کے جانب بیٹھ گیا نرم تکیہ اٹھا کر اس نے گود میں رکھ لیا تھا۔ ''یونیورسٹی سے یہاں آنے تک اسے آدھا گھنٹا تو لگ ہی جائے گا...... مگر مشکل ہے کہ وہ اتنی جرأت کرے...... یہ بھی تو ہو سکتا ہے اپنے والد کو اطلاع دے دے اور میں کتے کی موت مارا جاؤں...... مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔'' لیکن ذہن کا مشورہ ماننے کی بجائے وہ وہیں بیٹھا رہا۔

''سر بوتل کھولوں۔'' اس کی خاموشی سے تنگ آ کر وہ ایک مرتبہ پھر منمنائی۔

''اگر تو نے پینی ہے تو کھول سکتی ہو۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے فون اٹھایا اور ویٹر کو برف لانے کا کہنے لگی۔ جب تک بیرہ برف لاتا وہ گہری نگاہوں سے اسماعیل کو گھورتی رہی مگر اسماعیل اس سے بے پرواہ سوچوں میں گم رہا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے دستک ہوئی۔

''یس'' وہ با آواز بلند بولی اور بیرہ ٹرے میں آئس کیوبز لے کر اندر داخل ہوا۔ ٹرے بوتل کے ساتھ تپائی پہ رکھ کر وہ جس طرح

اندر داخل ہوا تھا اسی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''کیا کسی کا انتظار ہے؟'' اپنے لیے گلاس تیار کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''آپ خاموش نہیں رہ سکتیں ؟'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ وہ خوبصورت لڑکی اسے چڑیل دکھائی دے رہی تھی۔

''اگر میری ضرورت نہیں ہے تو بلایا کس لیے تھا؟''

''بی بی تمھیں صرف معاوضے سے مطلب ہونا چاہیے۔''

''میں گھنٹوں کے حساب سے معاوضہ وصول کرتی ہوں.....اگر گھنٹے سے اوپر ایک منٹ بھی گزر گیا تو دو گھنٹوں کے چارج لوں گی ۔'' وہ گلاس سے ہلکا سا سپ لیتی ہوئی اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔ لیکن اسماعیل نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ گلاس خالی کر کے وہ دوبارہ بھرنے لگی۔ اچانک دروازے کو دھکیلتے ہوئے حنا خان اندر داخل ہوئی اور اسماعیل کے چہرے پہ چھائی بے سکونی گہرے اطمینان میں ڈھل گئی حنا نے ایک مرتبہ پھر اسے حیران کر دیا تھا۔ ہلکے آسمانی رنگ کی شلوار قمیص میں وہ آسمان سے اتری کوئی اپسرا دکھائی دے رہی تھی اسے دیکھ کر وہ فاحشہ بھی حیران ہو گئی۔ وہ سیدھی اس فاحشہ کے سامنے پہنچی۔

''مس!اب آپ جا سکتی ہیں۔''

''مجھے تم نے نہیں بلایا تھا کہ میں تمھارے کہنے پہ چلی جاؤں '' وہ بدتمیزی سے بولی۔ حنا نے پیچھے مڑ کر اسماعیل کو گہری نگاہوں سے دیکھا، وہ گھبرا کر بولا۔

''بی بی جیسے یہ کہہ رہی ہیں ویسے ہی کرو۔''

''میرا معاوضہ؟'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

اس سے پہلے کہ اسماعیل جیب میں ہاتھ ڈالتا حنا نے اپنا پرس کھولا اور چند بڑے بڑے نوٹ اس کے جانب بڑھاتی ہوئی بولی

۔ پورے ہیں یا مزید دوں۔

'شکریہ میڈم پورے ہیں'' اس نے حنا کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹے۔ رقم دیکھ کر اس کے لہجے میں تعظیم در آئی تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی حنا اسماعیل کی طرف متوجہ ہوئی۔

''جب میں نے کہہ دیا تھا کہ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے تو اس کے بعد بھی یہ یہاں کیوں موجود تھی۔''

''آپ کی آمد سے چند منٹ پہلے ہی یہ آئی تھی میں نے سوچا آپ خود آ کر اسے چلتا کریں گی۔''

''اگر میں نہ آتی پھر؟''

''پھر میں خود نکال دیتا۔'' اس نے یہ فقرہ اس انداز میں کہا کہ حنا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اسماعیل نے مبہوت ہو کر اسے دیکھتے

ہوئے سوچا"اگر اسے اپنی نسی کا تباہ کاری کا پتا ہوتا تو یہ کبھی بھی اس طرح نہ ہنستی۔"

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"اسماعیل کے اس انداز میں گھورنے پہ وہ محجوب سی ہوگئی تھی۔

"کچھ نہیں.....کچھ بھی تو نہیں۔"وہ بوکھلا گیا تھا یہ پہلے والی حنا نہیں تھی۔چند دنوں میں یہ تبدیلی کیسے آئی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"شاہ جی ...."حنا کچھ کہنے لگی تھی کہ اچانک دروازہ دھکیلتے ہوئے دو پختہ عمر کے آدمی اندر داخل ہوئے،اسماعیل کو دیکھتے ہوئے ان چہروں پہ جو درندگی ہویدا ہوئی وہ اسماعیل کو خطرے کا احساس دلانے کے لیے کافی تھی۔

"شاید مجھے گھیر لیا گیا ہے..... مجھے اس حسین ناگن پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔"ایک سوچ سرعت سے اس کے دماغ میں ابھری حنا کے حسن سے متاثر ہونے والے دل میں اس کی نفرت ابھری مگر وہ اس سوچ اور نفرت کو سر سے جھٹک کر ان کا گھیرا توڑنے کی تدبیر سوچنے لگا اگر وہ فاضل خان کے ہاتھ چڑھ جاتا تو اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔اپنی بیٹی کو چارہ بنا کر اس نے بہت بڑی چال چلی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆.....☆.....☆

دونوں آدمی جارحانہ انداز میں اسماعیل کی طرف بڑھے۔

"تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟"اچانک حیران کھڑی حنا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔حنا کی بات کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے ان کی پیش قدمی جاری رہی۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسماعیل کے قریب پہنچتے وہ ہوا میں اچھلا اور اس کی سیدھی کک سامنے والے کی چھاتی پہ لگی وہ پشت کے بل زمین پہ گر پڑا،دوسرے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھیار نکالنے کی کوشش کی لیکن گرنے کے ساتھ ہی اسماعیل اپنے بائیں پاؤں پہ گھوم گیا تھا،اس کا دایاں پاؤں دوسرے آدمی کی گردن پہ لگا اور وہ بھی دوسرے کے ساتھ لیٹ گیا اسی اثناء میں پہلا آدمی اچھل کر کھڑا ہوا لیکن یہ کھڑا ہونا اسے راس نہ آیا کہ اسماعیل نے اپنی موومنٹ میں ٹھہراؤ نہیں آنے دیا تھا۔دایاں قدم زمین پہ لگتے ہی وہ اسی قدم پہ اچھلا اور بایاں گھٹنا کھڑے ہونے والے کی پسلیوں کے نیچے ٹکرایا۔"اوغ" کی آواز کے ساتھ وہ دوہرا ہوا اور سجدے کے انداز میں فرش پہ ڈھیر ہوگیا۔

ڈیل ڈول کے لحاظ سے وہ اسماعیل کے برابر کے تھے مگر جسمانی داؤ پیچ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے آسان ٹارگٹ ثابت ہوئے تھے۔اسماعیل نے جھک کر ان کی جیبوں کی تلاشی لی ایک کی جیب سے تیس بور پسٹل برآمد ہوا مگر دوسرے کی جیب سے نکلنے والے پسٹل کو دیکھ کر اسماعیل کی باچھیں کھل گئیں۔وہ گلاک نائینٹین تھا(Glock -19) آسٹریا کا ایجاد کردہ اعلیٰ کوالٹی کا پسٹل۔اس کا ویپن انسٹرکٹر اس پسٹل کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔وزن میں عام پسٹلز کے مقابلے میں ہلکا،جسامت میں چھوٹا،لیکن کارکردگی میں بہت آگے تھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ دوران فائر اس میں رکاوٹ نہیں آتی تھی۔ورنہ عام پسٹل عموماً زیادہ فائر ہونے کے بعد رکنے لگتے ہیں۔

تمیں بور کمرے کے کونے کی طرف اچھال کر اس نے گلاک سیدھا کیا فاضل خان کے تمام کتے کسی نہ کسی طرح اس کی بربادی میں ملوث رہ چکے تھے ان سب کے لیے وہ اپنے دل میں رحم کی رمق بھی نہیں پاتا تھا۔

''نہیں شاہ جی نہیں......''اس کا ارادہ بھانپتے ہی حنا چیختے ہوئے اس کے جانب بڑھی اس کا ارادہ اسماعیل کی کلائی پکڑنے کا تھا مگر اس کی بجائے اس کا ہاتھ پسٹل پر پڑا اور اس نے بدحواسی میں پسٹل ہی کو اپنے جانب کھینچ لیا۔اسماعیل کی انگلی ٹریگر گارڈ کے اندر تھی اس نے ٹریگر سے انگلی ہٹانے کی کوشش کی مگر بدقسمتی سے وہ بروقت انگلی نہ ہٹا سکا،حنا کے کھینچنے سے ٹریگر پریس ہوا اور کمرہ گلاک کے فائر سے گونج اٹھا جس کے ساتھ حنا کی چیخ شامل تھی۔وہ اپنے پیٹ پہ ہاتھ رکھے نیچے جھکتی چلی گئی۔

''حنا......''اسماعیل چیختے ہوئے نیچے بیٹھا۔حنا ہوش میں تھی اور اس کے چہرے پر اذیت کے تاثرات واضح تھے۔اسماعیل نے پسٹل جیب میں ڈال کر حنا کے گلے میں جھولتا دوپٹہ سرعت سے اس کے پیٹ پر باندھا اور اسے بازوؤں میں بھر کر کمرے سے باہر نکل آیا۔حنا کے ہونٹوں سے درد بھری کراہیں نکل رہی تھیں مگر اس نے اسماعیل سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ارد گرد کے کمروں سے اکا دکا آدمی صورت حال جاننے کے لیے باہر جھانکنے لگے مگر وہ ان پہ توجہ دیے بغیر لفٹ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔لفٹ کے قریب پہنچتے ہی اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں آیا اور اس نے سامنے آتے ادھیڑ عمر کے بیرے سے پوچھا۔

''بھائی صاحب!......پلیز ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف میری رہنمائی کر دو......ہوٹل کے سامنے میرے دشمن موجود ہیں اور ان سے الجھنے کی صورت میں میری بیوی کی جان جا سکتی ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسے گولی لگی ہے اور اسے فی الفور طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''م......مم مگر......''

''یار اگر مگر کا ٹائم نہیں ہے......میرا ایک ایک سیکنڈ قیمتی ہے......میں کہیں بھاگ نہیں سکتا ہوٹل کے رجسٹر میں میرا ایڈریس نوٹ ہے۔لیکن اس وقت میرا غائب ہونا بہت ضروری ہے۔''

ایک لمحے وہ تذبذب کا شکار نظر آیا مگر پھر کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے وہ پیچھے مڑتے ہوئے بولا۔

''چلو میرے ساتھ۔''اسماعیل کی لجاجت سے زیادہ اس پہ حنا کی کراہوں نے اثر کیا تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ بیرے کی معیت میں ہوٹل کی عقبی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا ہوٹل کی پشت پہ موجود چھوٹے سے گیٹ سے باہر آ گیا۔ہوٹل کے عقبی جانب بھی معروف شاہراہ تھی قریب سے گزرنے والی ٹیکسی کو اس نے آواز دی۔اس کی خوش قسمتی کہ ٹیکسی خالی تھی۔اس کے ہاتھوں کو مشغول دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور نے جلدی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔وہ حنا کو ساتھ لیے پچھلی نشست پہ بیٹھ گیا۔اور بیٹھتے ساتھ بولا۔

"کسی اچھے سے پرائیویٹ کلینک میں چلو جو سب سے نزدیک ہو۔" ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"شش......شاہ جی اتق......قس......قسم سس......سے مم......میں نن......نے ان......نہیں......نن نہیں......"

"آرام سے لیٹی رہو......مجھے پتا ہے۔" اسماعیل اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"کک کیا پپ......پتا ہے؟"

"یہی کہ تم نے میرے خلاف کوئی سازش تیار نہیں کی البتہ یہ تیرے والد کی سازش ہو سکتی ہے۔"

"نن......نہیں......نہیں ی......ی......" اسماعیل کو محسوس ہوا کہ وہ اپنی صفائی پیش کیے بغیر خاموش نہیں ہوگی......اور اسے بولنے میں جتنی دقت ہو رہی تھی وہ واضح تھی اس نے ایک مرتبہ پھر اس کے ہونٹوں پہ مہر لگا دی مگر اس مرتبہ اس نے اپنا ہاتھ استعمال نہیں کیا تھا۔ حنا کے زرد پڑتے چہرے پہ حیا کی لالی پھیل گئی لیکن اسماعیل کی اس حرکت کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ دوبارہ اس نے صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"ڈرائیور اسے جانتے ہو......؟" اسماعیل نے گلاک جیب سے نکال کر سامنے کیا۔ وہ خوبصورت ڈیزائن کا پسٹل مخالف کے لیے کسی درندے سے بھی زیادہ بھیانک تھا۔

"سس......صاب مم میں بب بہت غریب آدمی ہوں۔" ڈرائیور نے بیک مرر میں پسٹل کی جھلک دیکھتے ہوئے روتی آواز میں کہا۔

"میں تمھیں لوٹ نہیں رہا......صرف یہ باور کرا رہا ہوں کہ اگر تم نے کسی کو بھی یہ بتایا کہ تم نے ہمیں کس جگہ پہ ڈراپ کیا ہے تو شاید اس کے بعد تمھیں کسی دوسری غلطی کا موقع نہ ملے۔"

"خ......خدا قسم کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں......تم مجھے جس ہسپتال میں لے جاؤ گے اس کا پتا تمھیں یا مجھے ہوگا، اس لیے میرے دشمن یا پولیس وہاں پہنچی تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوگا تمھیں طبعی موت پسند نہیں۔"

"پپ......پولیس کو کسی اور ذریعے سے بھی تو اطلاع مل سکتی ہے؟"

"فکر مت کرو پولیس میں اپنے کافی جاننے والے موجود ہیں، بات چھپ نہیں سکے گی۔" ڈرائیور تھوک نگلتا ہوا خاموش ہو گیا۔ وہ لازماً اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اسماعیل کی آواز پہ ٹیکسی روکی تھی۔

جلد ہی وہ ایک خوبصورت عمارت کے قریب گاڑی روکتا ہوا بولا۔ "جناب اس جگہ علاج تو کافی مہنگا ہے مگر ڈاکٹر بہت تجربہ کار ہیں......آپریشن کی سہولت بھی موجود ہے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"گڈ..... گاڑی اندر لے چلو۔" اور ڈرائیور سر ہلاتے ہوئے گاڑی ہسپتال کے اندر لے گیا۔ اسماعیل نے جیب سے دو بڑے بڑے نوٹ نکال کر ڈرائیور کی گود میں پھینکتے ہوئے بولا۔

"یہ تیرا انعام ہے۔" ڈرائیور نے اس کا شکریہ ادا کیا مگر وہ اس کی بات پہ توجہ دیئے بغیر حنا کو گود میں اٹھائے ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ حنا کے خوبصورت چہرے پہ تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ ضبط کے باوجود اس کے ہونٹوں سے کراہیں پھسل رہیں تھیں۔ اسماعیل ہاسپٹل کی اندرونی عمارت کی طرف بڑھا وہ بمشکل دروازے تک پہنچ پایا تھا کہ دو نرسنگ اسسٹینٹ سٹیریچر دھکیلتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ اسماعیل نے حنا کو سٹیریچر پہ لٹا دیا جیسے ہی انھوں نے سٹریچر دھکیلا حنا نے اسماعیل کی کلائی کو مضبوطی سے تھام لیا۔

" حنی!...... میں تیرے ساتھ ہوں۔" وہ اس کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا بولا۔" اور جب تک تم تندرست نہیں ہو جاتیں میں یہیں رہوں گا۔" اس کی بات سن کر حنا کے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے آنکھیں موند لیں۔

"سر!...... انھیں کیا ہوا ہے پلیز آپ استقبالیہ پہ نوٹ کرا دیں...... ہم اسے ایمرجنسی وارڈ میں لے جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" کہہ کر وہ کوئی مناسب بہانہ سوچتے ہوئے استقبالیہ کی طرف بڑھا۔ حنا کو گولی لگی تھی اور پولیس رپورٹ کے بغیر انھوں نے لازماً حنا کا علاج شروع نہیں کرنا تھا۔ استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف جاتے ہوئے اس کی نگاہ دیوار کے ساتھ لگی بڑی ٹی وی سکرین پہ پڑی جس میں لبرٹی مارکیٹ میں ہونے والے ایک دھماکے اور اس کے بعد ہونے والی فائرنگ کی بابت خبر نشر ہو رہی تھی۔ آج کل تو یوں بھی وطن عزیز میں دھماکے اور فائرنگ ایک معمول کا کام بن گئی تھی۔

"جی سر؟" ریپشنسٹ گرل کاروباری مسکراہٹ سے مستفسر ہوئی۔

"میری مسز کو گولی لگی ہے...... اور اس وقت وہ ایمرجنسی وارڈ میں ہے۔"

"سر یہ تو پولیس کیس ہے اور......"

"بی بی یہ پولیس کیس نہیں ہے...... یہ نظر آ رہا ہے۔" اس نے ٹی وی سکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "ان ننگ انسانیت اور ملک دشمن عناصر کے خلاف کیا رپورٹ کروں ...... کس کو بتاؤں کون سا دروازہ کھٹکھٹاؤں؟"

"مگر سر...... آپ تو کہہ رہے ہیں کہ گولی لگی ہے؟"

"بی بی اگر تم نے خبر غور سے سنی ہوتی تو تمھیں معلوم ہوتا کہ دھماکے کے بعد اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی بلکہ اب تک جاری ہے۔"

"سوری سر...... آپ مریض کے پاس تشریف لے جائیں میں ڈاکٹر صاحب کو انفارم کر دیتی ہوں...... بعد میں اپنا ایڈریس نوٹ کرا دیتا۔"

''تھینکس......اب ذرا ایمرجنسی وارڈ کی طرف بھی رہنمائی کردو۔'' اتنا مشکل مرحلہ آسانی سے طے ہوتا دیکھ کر اس نے اطمینان بھری سانس لی تھی۔

ریسپشنسٹ اسے ایمرجنسی وارڈ کے بارے گائیڈ کرنے لگی۔

☆......☆......☆

''ہاں کوڈل!......کیا بات ہے؟'' فاضل خان نے کال ریسیو کی۔

''سیٹھ صاحب! چھوٹی بی بی نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اچانک حکم دیا کہ پیراڈائز ہوٹل چلو، اس وقت ہم ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں......ہمیں گاڑی میں رکنے کا کہہ کر وہ اندر چلی گئیں ہیں۔''

''کیا بکواس کررہے ہو......؟ کس پاس گئی ہے؟''

''سیٹھ صاحب! کہہ رہی تھیں کہ تیسری منزل پہ کمرہ نمبر نو میں اپنی کسی سہیلی کے پاس جارہی ہیں، اور جب تک وہ نہ بلائیں ہم یہیں گاڑی میں رہیں۔''

''جا کر چیک کرو کہ کمرہ نمبر نو میں واقعی اس کی کوئی سہیلی ہے......یا کوئی اور چکر ہے۔ اگر کوئی مرد ہو تو اسے اوپر پہنچا دو......اور خیال رہے فائرنگ نہیں شروع کردینی......ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔'' کوڈل نے کہا۔ فاضل رابطہ منقطع کر کے کمرے سے باہر نکل آیا تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی پیراڈائز ہوٹل کے جانب اڑی جارہی تھی۔ وہ رستے میں ہی تھا کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''امتیاز کیا بات ہے؟''

''سیٹھ صاحب!......کوڈل اور بخش اوپر گئے تھے......تھوڑی دیر بعد گولی چلنے کی آواز آئی اب شمس اور رب نواز بھی ان کے پیچھے چلے گئے ہیں۔''

''تو الو کے پٹھے ان سے رابطے میں رہونا؟......اس طرح نامکمل رپورٹ سے ہم کیا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں؟۔''

''بس، سیٹھ صاب! کیا میں بھی ان کے پیچھے چلا جاؤں؟''

''موبائل ہے بے کو کال کرنے کے لیے رکھا ہوا ہے؟''

''ٹھ......ٹھیک ہے سیٹھ صاحب میں فون پہ پتا کر کے آپ کو مطلع کرتا ہوں۔'' فاضل رابطہ منقطع کر کے ڈرائیور پہ برس پڑا۔

''وڈاپو کے بچے! تھوڑا تیز چلو۔''

''جی سیٹھ صاب!'' کہتے ہوئے اس نے مرسیڈیز کی سپیڈ بڑھادی۔ دوبارہ امتیاز کا فون آنے سے پہلے وہ پیراڈائز ہوٹل کی

پارکنگ میں پہنچ گیا تھا۔حنا اور اس کے محافظوں کی گاڑیاں اسے پارکنگ میں کھڑی نظر آ گئیں ۔مگر اپنا کوئی آدمی اسے نظر نہ آیا۔ پارکنگ ہوٹل کی اصل عمارت سے باہر بنی تھی۔

ہوٹل کے مین گیٹ پہ اسے حنا کا ڈرائیور امتیاز موبائل پہ کوئی نمبر ڈائل کرتا نظر آیا شاید وہ فاضل کو ہی کال کر رہا تھا اس کے موبائل کان سے لگانے تک فاضل اس کے قریب پہنچ گیا تھا جیسے ہی اس کی نظر فاضل پر پڑی فون بند کر کے وہ تیر کی طرح اس کے جانب بڑھا اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''سس سیٹھ صاب! سیٹھ صاحب...... بب بب بی بی جی...... چھوٹی بی بی غائب ہیں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔حتی الوسع اس نے اپنی آواز پست رکھی تھی وہ اپنی بیٹی کا کوئی سکینڈل نہیں ہونا چاہتا تھا۔''کوڑل پارٹی کہاں ہیں؟۔''

''کوڑل اور بخش تو کمرہ نمبر نو میں بیہوش پڑے ہیں...... جبکہ شمس اور رب نواز انھیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔وہاں کمرے میں خون بھی پڑا ہے...... انتظامیہ یہ بات چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔رب نواز کہہ رہا ہے کہ اسے تھرڈ فلور پہ کچھ آدمیوں سے پتا چلا ہے کہ گولی کسی لڑکی کو لگی ہے جسے ایک لمبا نوجوان وہاں سے اٹھا کر لے گیا ہے۔''

''کدھر لے گیا ہے......تم سب کہاں مر گئے تھے......؟''

''ہم میں تو گاڑی میں تھا سیٹھ صاحب ۔'' فاضل خان کے چہرے پہ چھائے درندگی کے آثار دیکھ کر امتیاز کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

''مل لیتا ہوں تم سب سے۔'' کہتے ہوئے فاضل خان ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا اور ریسپشن کاؤنٹر کا رخ کرنے کی بجائے اس کا رخ لفٹ کی طرف تھا اس کے تینوں باڈی گارڈز نے اسے دائیں بائیں اور پشت کی جانب سے کور کیا ہوا تھا۔

ہوٹل کا ہال تقریباً خالی پڑا تھا اور اس کی وجہ لازمی طور پہ تھوڑی دیر پہلے ہونے والا فائر تھا۔انتظامیہ کے افراد بھی ہراساں سے نظر آ رہے تھے۔لفٹ میں داخل ہو کر اس نے تیسری منزل کا بٹن دبا دیا۔تھرڈ فلور پہ پہنچتے ہی اس نے کمروں کی پیشانی پہ چپکے نمبروں سے نو نمبر کمرے کی سمت کا تعین کیا اور اس سمت بڑھ گیا۔کمرے کے دروازے پہ ہوٹل کے دو سیکیورٹی گارڈ کھڑے تھے فاضل اور اس کے سیکیورٹی گارڈز جب ان کے نزدیک پہنچے تو ان میں سے ایک مؤدبانہ انداز میں بولا۔

''سر پلیز یہاں جانے کی اجازت نہیں۔''

فاضل خان کے کچھ کہنے سے پہلے نورل آگے بڑھ کر درشت لہجے میں بولا۔''تمھیں پتا ہے کس سے بات کر رہے ہو؟۔''

''جج...... جناب یہ منیجر صاحب کا حکم ہے۔''

''چل ہٹ بڑا آیا منیجر والا۔'' نورل نے اسے بازو سے پکڑ کر سائیڈ پہ دھکیلا اور کمرے کا دروازہ فاضل خان کے لیے کھول دیا

۔کوڑل، بخش اور ہوٹل کی انتظامیہ کے چند آدمی وہاں موجود تھے۔ فاضل خان کو دیکھتے ہی تمام ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔کوڑل اور بخش نے جلدی سے سلام کیا۔

''شمس اور رب نواز کدھر ہیں؟'' وہ ہوٹل کی انتظامیہ کو نظر انداز کرتا ہوا کوڑل سے مستفسر ہوا۔

''سیٹھ صاحب !وہ بندہ چھوٹی بی بی کو ہوٹل کی عقبی جانب سے نکال کر لے گیا ہے وہ دونوں اسی سمت سے اس کا سراغ لگانے گئے ہیں۔''

''ان کا باپ ان کے انتظار میں بیٹھا ہے نا؟ کہ وہ اس کا پیچھا کرنے گئے ہیں۔''

''کک کوشش تو کی جا سکتی ہیں نا سیٹھ صاحب؟۔'' فاضل کے درشت لہجے نے کوڑل کو لرزا دیا تھا۔

''تم دونوں کیسے بیہوش ہوئے تھے؟''

''ہم بے خبری میں مار کھا گئے سیٹھ صاحب ہم نے سوچا کہ وہ عام سا آدمی ہوگا مگر وہ بہت خطرناک لڑاکا تھا جوڈو کراٹے کا ماہر۔''

''چٹاخ ۔'' کوڑل کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ فاضل کا ہاتھ گھوما اور اس کا بھرپور تھپڑ کوڑل کے چہرے پہ لگا۔

''الو کے پٹھے......تم کتوں کو کس لیے پالا ہوا ہے کہ ایک آدمی خالی ہاتھ تم دونوں کو بیہوش کر دیتا ہے، صرف حرام کھانے کے لیے اکٹھے ہوئے ہو؟''

''بس......سیٹھ صاب آ......آپ نے فائر کرنے سے منع کیا تھا اس لیے۔''

''ہمیں کیا پتا تھا کہ تم صرف ہتھیار کے زور پہ بدمعاش بنے پھر رہے ہو۔''

''سیٹھ صاحب !دخل اندازی کی پیشگی معذرت چاہتا ہوں اگر میری عرض بھی سن لیتے ۔'' خاموش تماشائی بنے افراد میں سے ایک معزز صورت شخص فاضل سے مخاطب ہوا۔اچانک فاضل خان کو بھی احساس ہوا کہ وہ جگہ انکوائری کے لیے مناسب نہیں تھی۔

''ہم متوجہ ہیں''۔فاضل نخوت سے بولا۔

''سیٹھ صاحب! میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں اور میں اس کیس میں پولیس کو انوالو نہیں کرنا چاہتا،لیکن میرا خیال ہے کہ زخمی ہونے والی لڑکی آپ کی کوئی قریبی رشتا دار تھی اب فیصلہ آپ کی صوابدید پہ ہے کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں......البتہ یہ عرض میں کرتا جاؤں کہ اس معاملے میں انتظامیہ کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ کمرہ اسی مجرم نے کرائے پہ لیا تھا اس کے بعد کیا کچھ ہوا ہے اس سے ہم ناواقف ہیں ہم سے پہلے آپ کے آدمی یہاں موجود تھے۔''

''ہمیں یہ سب معلوم ہے منیجر......اور جہاں تک پولیس کا تعلق ہے تو اگر تم نہیں بلانا چاہتے تو نہ بلاؤ ہم یوں بھی پولیس کے محتاج نہیں ہیں۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''آپ کی بڑی مہربانی سیٹھ صاحب۔'' وہ تشکرانہ لہجے میں بولا۔

''تم سب واپس پہنچو۔'' کوڈل کو کہہ کر وہ کمرے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ جبکہ کوڈل اور بخش سر جھکائے کمرے سے نکل گئے تھے۔ قالین پہ پھیلا خون واضح دکھائی دے رہا تھا۔ تپائی پہ رکھی شراب کی کھلی بوتل اور اس کے ساتھ پڑے دو گلاس دیکھ کر وہ منیجر سے مستفسر ہوا۔

''یہ شراب تم لوگوں نے منگوائی ہے یا......؟''

منیجر کے ساتھ کھڑا ریسپشنسٹ قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔''جناب یہ مجرم نے منگوائی تھی......اس کے ساتھ ایک پارٹنر کا بھی بتایا تھا جسے زخمی ہونے والی لڑکی کی آمد پہ اس نے واپس بھیج دیا تھا۔''

ریسپشنسٹ کی بات سن کر فاضل خان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔''نہیں گڑیا ایسی نہیں ہو سکتی۔'' ایک کمزور سی سوچ اس کے دماغ میں ابھری مگر واضح حقائق کے سامنے اس سوچ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

''کیا ہم اس کال گرل سے مل سکتے ہیں؟''

''جی جناب کیوں نہیں؟'' منیجر جلدی سے بولا، ہوٹل کی نیک نامی کے لیے وہ ہر قسم کا تعاون کرنے کے لیے تیار تھا۔

فاضل نے کہا۔''تو اسے یہیں بلا لیں۔'' منیجر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ریسپشنسٹ کو اشارہ کیا اور وہ فون اٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی وہ بغیر دعا سلام کے بولا۔

''پنکی! تھرڈ فلور کمرہ نمبر نو میں پہنچو۔'' اور پھر بغیر اس کا جواب سنے فون کریڈل پہ رکھ دیا۔ پنکی کی آمد تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی فاضل خان بولا۔

''ہم اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہیں گے۔'' اور منیجر ''او کے جناب'' کہتا ہوا ریسپشنسٹ کے ساتھ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

''تم لوگ بھی جاؤ۔'' وہ اپنے محافظوں سے بولا۔

''جی سیٹھ صاحب'' کہہ کر وہ بھی باہر نکل گئے۔

''بیٹھو لڑکی'' فاضل خان نے صوفے سنبھالتے ہوئے خاموش کھڑی پنکی سے کہا۔

''مہربانی سیٹھ صاحب۔'' وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''دیکھو لڑکی!......ہم سے غلط بیانی کرنے والوں کا انجام کچھ اچھا نہیں ہوتا۔ اس لیے میں جو کچھ پوچھوں خوب سوچ سمجھ کر جواب دینا۔''

''پوچھیں سر؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اس کمرے میں تجھے جس گاہک کے پاس بھیجا گیا تھا اسے تم پہلے سے جانتی ہو..... میرا مطلب ہے اس سے پہلے کبھی اس سے واسطہ پڑا ہے ؟''

''نہیں سر میں نے آج اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔''

''اچھا اس سے جو بات چیت ہوئی ہے وہ تفصیل سے بتلاؤ۔''

''بات چیت کیا ہونی تھی سر!..... اس نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور پھر گونگوں کی طرح بیٹھ گیا، میں نے ہی تنگ آکر گفتگو کی چھیڑی تو مجھے جھڑک کر خاموش کر دیا۔ کچھ پینے کا پوچھا تو کہا کہ میں چاہوں تو پی سکتی ہوں۔ پھر مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک لڑکی اندر داخل ہوئی اور آتے ہی مجھے کہا کہ میں جا سکتی ہوں۔ میں نے جب اپنی فیس طلب کی تو اس نے اپنے پرس سے دگنی تگنی رقم نکال کر میرے حوالے کی اور میں کمرے سے نکل آئی۔ اس کے بعد کیا ہوا اس سے میں ناواقف ہوں۔''

''تمھارے خیال میں ان دونوں کا آپس میں کیا رشتا ہو سکتا ہے ؟''

''میاں بیوی، منگیتر یا لور (Lover)۔''

''کیا ؟'' فاضل خان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔ ''تم یہ کس بنا پہ کہہ رہی ہو؟۔''

''وہ لڑکا جس طرح لڑکی سے دب کر بات کر رہا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا۔''

''یعنی وہ پرانے آشنا لگ رہے تھے؟۔''

''جی سر ..... بالکل ایسا ہی ہے ۔''

''کوئی ضروری بات بتانے سے رہ گئی ہو؟۔''

''نہیں سر اس کے علاوہ تو کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو ۔'' فاضل خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر درمیانی نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے جانب اچھالی۔

''یہ تیرا انعام ہے۔''

''بہت بہت مہربانی سر.....۔'' اس نے نوٹوں کی گڈی جھپٹ لی۔

''اگر وہ لڑکا دوبارہ کہیں نظر آئے تو پہچان لوگی؟''

''بڑی آسانی سے سر۔''

''ٹھیک ہے، تم جا سکتی ہو..... اور یاد رکھنا کہ اگر اس لڑکے کی رہائش وغیرہ کے متعلق کہیں سے معلومات حاصل کر سکو تو اتنا انعام دوں گا جو تیری توقعات سے بڑھ کر ہوگا ۔''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گی سر۔'' پنکی نے کہا اور فاضل خان کے اثبات میں سر ہلانے پہ باہر نکل گئی۔مگر فاضل خان کو سوچوں کے حوالے کر گئی۔اس کی باتوں سے فاضل خان کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش آ رہی تھی کہ ایسا کون سا لڑکا ہو سکتا ہے جس کے ساتھ حنا کے تعلقات اس نہج تک پہنچ گئے تھے کہ وہ اسے ملنے کے لیے ہوٹل تک چلی آئی.....اور پھر ہوٹل کے ہال میں بھی نہیں، اکیلے کمرے میں۔پھر یہ بات بھی اس کے لیے پریشان کا باعث تھی کہ حنا کو گولی لگی تھی اور جان سے پیاری بیٹی کو گولی لگنے کی بات نے اسے نڈھال کر دیا تھا، اتنا اطمینان البتہ اسے تھا کہ حنا کو لے جانے والا اس کا دشمن نہیں تھا۔اور اس کی وجہ ظاہر تھی کہ وہ خود اسے ملنے آئی تھی۔چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا اس کا ارادہ حنا کے محافظوں سے انکوائری کرنے کا تھا۔

☆......☆......☆

روہیت نے تصاویر کا بنڈل واپس رندھیر کی طرف بڑھایا اور بولا۔

''سوال یہ ہے کہ اسے ڈھونڈیں گے کیسے؟۔''

''سر تمام آدمی اس کی تلاش میں لگا دیتے ہیں، کسی نہ کسی کے سامنے تو آ جائے گا نا؟۔''

''نہیں، اس میں جانے کتنا عرصہ لگ جائے جبکہ ہمیں جلد سے جلد اس سے ملنا ہے، ہائی کمانڈ کی باتیں تو نے نہیں سنیں۔آرڈر بھی آیا ہے کہ کسی بھی قیمت پہ اسے بلیک لیکونڈ کے آدمی کے نزدیک نہیں جانے دینا۔اور سب کام چھوڑ کر ہمیں اس کی تلاش کا حکم ملا ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی سوچو کہ اسماعیل پاکستانی سرکار کی نظر میں مجرم ہے اس لیے وہ لازماً اپنے اصل حلئے میں باہر نہیں نکلتا ہوگا۔''

''سر یہ تو زیادتی ہے کہ ہم اپنے آلہ کار کو بلیک لیکونڈ کی خاطر ختم یا ناکارہ کر دیں۔''

''بیوقوف ہو تم جو ایسی باتیں کر رہے ہو.....دیکھو ان کے ساتھ ہمارے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔اسماعیل ہمارا ہم مذہب نہیں ہے، نہ ہی اس کی ہمدردیاں بھارت ماتا کے ساتھ ہیں۔اس کی حیثیت ایک ہتھیار کی سی ہے کہ جب تک اپنے ہاتھ میں ہو مفید اور جب دشمن کے پاس چلا جائے تو سخت نقصان دہ۔اور یاد رکھنا دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔''

''مگر سر!.....ہم اسماعیل کو کسی طریقے سے سمجھا کر بلیک لیکونڈ کے آدمی سے دور بھی تو کر سکتے ہیں؟''

''کوشش تو میری بھی یہی ہے لیکن پہلے یہ اسماعیل صاحب مل تو جائے۔''

''سر ہم اپنے طور پہ بلیک لیکونڈ کے آدمی کی نگرانی بھی تو کرا سکتے ہیں شاید اس طرح ہم جلدی اس تک پہنچ جائیں کیونکہ اسے انتقام لینے کے لیے بلیک لیکونڈ کے آدمی کے نزدیک جانا پڑے گا۔''

''کوشش کی جا سکتی ہے اگر کوئی دوسری تجویز نہ سوچی گئی تو اسی پہ عمل کیا جائے گا۔''

''سر کیوں نہ اخبار میں اشتہار دے دیں؟''

’’کیا مطلب ؟وضاحت کرو۔‘‘

’’سر!.....کوئی ایسا اشتہار جو اسماعیل کو ہماری طرف متوجہ کردے ۔‘‘

’’اچھی تجویز ہے.....لیکن یہ پتا نہیں آیا وہ اخبار باقاعدگی سے پڑھتا ہے یا ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتا ؟‘‘

’’سر چند مشہور اخبارات میں اگر تسلسل سے یہ اشتہار آجائے تو اسے متوجہ کیا جاسکتا ہے، پڑھا لکھا شخص ہے، چلتے پھرتے کسی بھی جگہ اخبار پہ اس کی نظر پڑ سکتی ہے ۔‘‘

’’اشتہار کا مضمون کیا ہوگا ؟‘‘

’’سر کوئی ایسا مضمون جس میں مہاراج پاشا کا حوالہ دیا گیا ہو کیونکہ اسماعیل اس کے لیے دل میں بڑی عقیدت رکھتا ہے۔‘‘

’’ایسا ہی ہے.....رندھیر! مہاراج تھا ہی اتنا مہان کہ جس سے محبت کی جائے.....بہرحال تم مضمون سوچو اور اخبار میں شائع کرانے سے پہلے مجھے دکھا دینا ۔‘‘

’’ٹھیک ہے سر‘‘ رندھیر نے کہا، اور روسیت جواباً بولا۔

You can go now‘‘ (اب تم جاسکتے ہو) اور رندھیر نمستے کہتا ہوا رخصت ہوگیا۔

☆......☆......☆

حنا کا آپریشن کامیاب رہا تھا اسے بیہوشی کی حالت میں ہی آپریشن تھیٹر سے وی آئی پی روم میں منتقل کردیا گیا۔ آپریشن کے دوران وہ مسلسل آپریشن تھیٹر کے سامنے گھومتا رہا تھا۔ نرس نے جب اسے کامیاب آپریشن کی خوشخبری سنائی تو بے ساختہ اس کے منہ سے۔

’’شکر ہے میرے اللہ تعالیٰ‘‘ اور پھر جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر اس نے نرس کے جانب بڑھا دیا۔

حنا کی بیہوشی کے دوران وہ صرف پیسے نکالنے کے لیے بینک تک گیا کہ حنا کے پرس اور اس کی جیب میں موجود رقم ملا کر بمشکل آپریشن کے اخراجات پورے ہوسکے تھے۔ رات گئے ہی حنا کو ہوش آسکا اپنے سرہانے اسماعیل کو بیٹھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پہ ایک دلکش مسکراہٹ ابھری۔

’’کیسا محسوس ہورہا ہے؟‘‘ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ مستفسر ہوا۔

’’بہت اچھا ۔‘‘ وہ دھیمی مسکراہٹ سے بولی۔

’’کیا مطلب ؟‘‘

’’آپ کو اپنے قریب پاکر بہت اچھا ہی لگے گا نا ؟‘‘

’’میرا مطلب تھا تکلیف کیسی ہے ؟‘‘

''ورد کش میڈیسن سے تکلیف کہاں محسوس ہوتی ہے یہ تو جب دوائی کا اثر ختم ہوگا تو پتا چلے گا نا؟''

''اچھا اب تو مجھے اجازت ہے نا؟ میں تیرے والد کو بتا دیتا ہوں باقی وہ سنبھال لے گا۔''

''نہیں، بالکل نہیں۔'' وہ اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کرتی ہوئی بولی۔'' جب تک مجھے ڈسچارج نہیں کر دیا جاتا آپ یہیں رہیں گے۔''

''بی بی میرا خیال ہے تمھارا دماغ کھسکا ہوا ہے...... میں بھلا یہاں کیسے رہ سکتا ہوں؟''

''ایسے ہی جیسے مجھے یہاں لے آئے ہو؟''

''میں نے بہت سے ضروری کام کرنے ہیں۔''

''کیا مجھ سے بھی ضروری ہیں؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''اگر میرا جواب اثبات میں ہو تو؟''

''تو میں سمجھوں گی کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں اعتماد در آیا تھا۔

''تم اتنے اعتماد سے یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''ایک عورت مرد کے جذبات اور دلی کیفیات کو اچھی طرح جانتی ہے۔''

''حنا! تمھیں کیا لگتا ہے کہ نادانستگی میں ہم نے جس راستے پہ چل پڑے ہیں یہ کسی منزل تک بھی پہنچتا ہے یا......؟''

''شاہ جی اگر آپ چاہیں تو منزل دور نہیں ہے۔''

''حنا سوچ لو...... ایک شاعر کہتا ہے نا؟

ابھی تو بات لمحوں تک ہے، سالوں تک نہیں آئی

ابھی مسکانوں کی نوبت بھی نالوں تک نہیں آئی

ابھی تو کوئی مجبوری خیالوں تک نہیں آئی

ابھی تو گرد پیروں تک ہے، بالوں تک نہیں آئی

کہو تو لوٹ جاتے ہیں؟

چلو اک فیصلہ کرنے شجر کی اوڑ جاتے ہیں

ابھی کاجل کی ڈوری سرخ گالوں تک نہیں آئی

زباں دانتوں تلک ہے، زہر پیالوں تک نہیں آئی

ابھی تو مشک کستوری غزالوں تک نہیں آئی

ابھی روداد بے عنواں ہمارے درمیاں ہے، دنیا والوں تک نہیں آئی

کہو تو لوٹ جاتے ہیں؟

ابھی نزدیک ہیں گھر اور منزل دور ہے اپنی

مبادا نار ہو جائے، یہ ہستی نور ہے اپنی

کہو تو لوٹ جاتے ہیں

یہ رستہ پیار کا رستہ، رسن کا دار کا رستہ، بہت دشوار ہے جاناں

اس رستے کا ہر اک ذرہ بھی اک کہسار ہے جاناں

کہو تو لوٹ جاتے ہیں ؟

میرے بارے نہ کچھ سوچو، مجھے طے کرنا آتا ہے

رسن کا دار کا رستہ، یہ آسیبوں بھرا رستہ، یہ اندھی غار کا رستہ

تمہارا نرم و نازک ہاتھ ہو گر میرے ہاتھوں میں

تو میں سمجھوں کہ جیسے دو جہاں ہیں میری مٹھی میں

تمہارا قرب ہو تو مشکلیں کافور ہو جائیں

یہ اندھے اور کالے راستے پر نور ہو جائیں

تمہارے گیسوؤں کی چھاؤں مل جائے تو......

سورج سے الجھنا بات ہی کیا ہے

اٹھا لو اپنا سایہ تو میری اوقات ہی کیا ہے

میرے بارے نہ کچھ سوچو تم اپنی بات بتلاؤ

کہو تو چلتے رہتے ہیں ؟

کہو تو لوٹ جاتے ہیں ؟

کہو تو لوٹ جاتے ہیں؟

''شاہ جی.....'' حنا نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ایک بات یاد رکھنا حنا! میں سیٹھ فاضل خان کو کسی بھی صورت معاف کرنے کے لیے تیار نہیں، اسے گڑیا کی پامالی کا حساب دینا پڑے گا جیسے زیر آسماں مجھے سب زیادہ محبوب تیری ذات ہے اسی طرح سب سے زیادہ نفرت مجھے فاضل خان سے ہے۔''

حنا خاموشی سے آنسو بہاتی رہی، اپنے باپ کی موت اسے کبھی بھی گوارہ نہیں ہوسکتی تھی اور پھر اسماعیل شاہ تو کچھ ایسے اس کے دل و دماغ پہ چھا گیا تھا کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی اسے محال لگتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں رہی تھی کہ کیا کہے باپ کی وکالت کرنے پہ شاید اسماعیل کو لگتا کہ اس کا اسماعیل کے نزدیک آنا اپنے والد کو بچانے کے لیے ہے اور اسماعیل کی ناراضی کی وہ متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ چند لمحے خاموش رہ کر وہ بولی۔

''شاہ جی!...... پلیز کسی اور موضوع پہ بات کریں۔''

''اور موضوع یہ ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ کل کا دن تمھارے ہمراہ گزار سکتا ہوں اس کے بعد مجھے لازماً جانا پڑے گا۔''

''آپ ذرا جا کر دکھائیں......''

''کوئی زبردستی ہے کیا؟''

''بالکل زبردستی ہے۔''

''ہونہہ!...... پاگل نہ ہو تو۔'' اور وہ اسماعیل کی بات سن کر اسے چڑانے کے انداز میں مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

''اہم اعلان!...... جناب مرزا طاہر حسین انقلابی قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں، ان کی بھتیجی شہزادی جوان کی جائیداد کی وارث ہیں اور بالکل بے آسرا و اکیلی رہ گئی ہیں وہ اس اشتہار کے ذریعے اپنے منگیتر سید شاہ غازی سے التجا گو ہے جو دو سال پہلے پردیس ''اے کے'' کے پاس تشریف لے گئے تھے اور واپسی پہ اس نے طاہر صاحب سے رابطہ ہی نہیں کیا کہ اب اس نمبر پہ رابطہ کرے..........''

''ٹھیک ہے شائع کرا دو، روہیت نے اشتہار کا مضمون پڑھ کر رضامندی ظاہر کی۔

''سر!......اے کے صاحب کا نام اس لیے شامل کیا کہ اسماعیل کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی، اور خود اس کا پورا نام نہ لکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس کا کوئی دشمن یا پولیس اور ایجنسیاں وغیرہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی، ورنہ کوئی اس نمبر کے ذریعے ہمارے آدمی تک پہنچ سکتا ہے۔''

''یہ نمبر کس کے پاس ہے؟''

''سر!......مدھو کے پاس ہے۔''

''کون مدھو!...... پہلے ملاقات نہیں ہوئی اس سے؟''

''سر!......اس نے اپنا بیوٹی سنٹر کھول رکھا ہے......اونچے گھرانوں کی لڑکیوں کو بلیک میل کر کے ہمارے لیے کافی اخراجات بنا

لیتی ہے......اسی طرح سرکاری افسران کی بیگمات سے تعلقات وسیع کر کے بھی وہ ہمارے لیے کافی آسانیاں پیدا کرتی ہے۔"

"اوکے......لیکن اسے تفصیل سے بریف تو کر دیا ہے نا؟"

"جی سر۔"

"اچھا تم نے اشتہار کے علاوہ بھی ایک تجویز دی تھی، کہ بلیک لیکونڈ کے آدمی کی نگرانی کرائی جائے، یہ تجویز بھی قابل عمل ہے۔ایسا کرو اس کی نگرانی پہ دو تین سمجھدار بندے لگا دو، اسے جانتے ہو نا؟"

"جی سر!......اسماعیل کی ہسٹری شیٹ میں بڑی تفصیل سے سیٹھ فاضل کا ذکر موجود ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی اپنے تمام آدمیوں کو اسماعیل کی فوٹو دے کر شہر میں پھیلا دو شاید کسی سے اس کا سامنا ہو جائے۔"

"سر!......اگر ریڈیو پہ بھی اشتہار سے ملتا جلتا کوئی اعلان کرا دیا جائے؟"

"نہیں فضول ہے۔" روہیت نے انکار میں سر ہلایا۔"اسی طرح ٹی وی پہ بھی ایسی کوئی کارروائی بے فائدہ رہے گی کہ بیسیوں چینل ہیں کس کس پہ اعلان کرائیں گے، اور اعلان بھی اتنا اہم نہیں۔خواہ مخواہ ایجنسیاں متوجہ ہو جائیں گی۔"

"اوکے سر......"

"اب تم جاؤ اور بغیر ٹائم ضائع کیے اس پہ عمل کرو......میں ذرا گھومنے پھرنے جا رہا ہوں اپنے طور پہ میں بھی کوشش کروں گا کہ اسماعیل سے ملاقات ہو جائے۔اینی وے ہر نئی بات کی رپورٹ مجھے سیل فون پہ پاس کرتے رہنا۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

"تم سارے بڑ حرام ہو......کتو! ایک آدمی تم دونوں کو بیہوش کر کے چلتا بنا......؟"

"سیٹھ صاحب! غلطی ہو گئی......ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنا خطرناک ہو......ہائے۔" پیٹھ پر لگنے والے کوڑے نے کوڑل کی ہائے نکال دی تھی وہ اور بخش اس وقت الٹے لٹکے ہوئے تھے اور دو ملازم ان کی مرمت کر رہے تھے۔شمس اور رب نواز بھی ایک جانب سر جھکائے کھڑے تھے۔

"گڑیا کو گولی کیسے لگی؟" وہ ہنٹر برساتے ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہوا مستفسر ہوا۔

"ہمیں معلوم نہیں سیٹھ صاحب......ہماری بیہوشی کے دوران لگی تھی۔"

"گڑیا کے ساتھ کمرے میں کون تھا؟"

"پہلے کبھی دیکھا نہیں ہے سیٹھ صاحب البتہ دوبارہ نظر آ گیا تو پہچان لیں گے۔" کوڑل کراہتے ہوئے بولا۔

"جوان تھا؟"

"جج جی سیٹھ صاحب..... جوان تھا، لمبا تڑنگا، چھوٹی چھوٹی داڑھی اور عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال، جینز پہنی ہوئی تھی۔"

"تم جب اندر گھسے تو دونوں کیا کر رہے تھے؟"

"کھڑے ہوئے کوئی بات چیت کر رہے تھے..... ہمیں دیکھ کر چھوٹی بی بی نے ڈانٹا کہ ہم وہاں اس کی اجازت کے بغیر کیوں آئے ہیں..... لیکن ہمیں چونکہ آپ کا حکم ملا تھا اس لیے ہم نے بی بی جی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس جوان نے جب ہمارا جارحانہ انداز دیکھا تو اچانک ہم پر حملہ کر دیا، ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرے گا، ہمارے سنبھلنے سے پہلے وہ وار کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔"

"پہلے پانچ الو کے پٹھوں کو جہنم واصل کر کے وہ خبیث..... اسماعیل شاہ گڑیا کو اغواء کر کے لے گیا تھا..... اب تم دونوں کو بیہوش کر کے کوئی اور گڑیا کو لے گیا جبکہ دو کتے باہر گاڑی میں بھی موجود تھے مجھے سمجھ نہیں آتی آخر میں نے تم کو کس لیے پالا ہوا ہے؟"

"بس سیٹھ صاحب آئندہ ایسا نہیں ہوگا..... اس دفعہ معاف کر دیں۔"

"پہلے کبھی اس جوان کو تم نے حنا کے ساتھ دیکھا ہے؟"

"نہیں سیٹھ صاحب۔"

"کہیں اسماعیل شاہ تو نہیں تھا؟"

"شکل تو اس سے مختلف تھی۔"

"ہونہہ!" کہہ کر وہ نورل کی طرف متوجہ ہوا۔ "پچاس پچاس کوڑے لگا کر دونوں کو اتار دینا..... اور سب کو بتا دو اگلی مرتبہ ایسی غلطی کرنے والے کو ہم کاٹ کر بھوکے کتوں کے سامنے پھینکوا دیں گے۔" "نہیں سیٹھ صاحب..... خدا کے لیے معاف کر دو....." وہ دونوں چیخے مگر فاضل بغیر کوئی جواب دیے باہر نکل آیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں..... آخر اس کی بیٹی ایک غیر مرد سے ملنے کے لیے ہوٹل میں کیسے چلی گئی تھی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ اس کی عادتیں، اس کا مزاج، اس کی پسند و ناپسند سب کچھ فاضل خان بڑی اچھی طرح جانتا تھا اگر وہ کسی سے محبت کرتی تو فاضل خان سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

موجودہ واقعہ کوئی اور کہانی سنا رہا تھا۔ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا کہ آخر اصل بات کیا ہو سکتی ہے۔ پھر اسے یہ غم بھی کھائے جا رہا تھا کہ اسے گولی بھی لگی ہوئی تھی آیا اس کا علاج ہو سکا تھا کہ نہیں۔ اگر وہ جوان حنا کو تاوان کے لیے ساتھ لے گیا ہوتا تو اب تک اس کا فون آ گیا ہوتا۔ اور اس کے برعکس اگر وہ حنا کا ہمدرد تھا تب بھی اسے کال کرنی چاہیے تھی۔ اسے کوئی لائحہ عمل نہیں سوجھ رہا تھا۔ شیر خان کی موت کے بعد ایسا کوئی سمجھدار ملازم نہیں رہا تھا جس سے وہ مشورہ لے سکتا۔ پولیس کو بتانے میں بھی اسے اپنی سبکی نظر آئی..... ڈیوی سے بھی اس کا جی کھٹا ہو گیا تھا اس بارے اس نے اپنی بیوی سے بھی بات کی تھی مگر اسے بھی حنا کی محبت یا کسی لڑکے سے پیار وغیرہ کے بارے کچھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

معلوم نہیں تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے نورل کو بلا کر کہا۔

''اپنے سب آدمیوں کو شہر میں پھیلا دو، تمام ہسپتال چیک کراؤ شاید وہ اسے کسی ہسپتال میں لے کے گیا ہو۔ خاص کر پرائیویٹ ہسپتالوں کو چیک کرانا۔ اور سب کو تاکید کر دو کہ اگر وہ کہیں نظر آ جائے تو اس سے پنگا لینے کی بجائے نگرانی پہ اکتفا کیا جائے اور فی الفور مجھے یا ہمیں مطلع کیا جائے۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔'' نورل مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ فاضل اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے گہری سوچ میں کھو گیا، حنا کا غائب ہونا اسے حد سے زیادہ کھل رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے زخمی ہونے کی پریشانی علیحدہ تھی۔

☆......☆......☆

''سسٹر اخبار مل جائے گی؟'' حنا نے نرس سے پوچھا۔ ''میں اپنے ہسبینڈ کو اخبار لانے کے لیے بھیج دیتی مگر وہ اس وقت سوئے ہوئے ہیں۔''

''انھیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے میڈم میں لا دیتی ہوں، یوں بھی نائٹ شفٹ کی سسٹر بتا رہی تھیں کہ آپ کا شوہر ساری رات جاگتا رہا ہے۔''

''ویسے ہی جاگتا رہتا ہے۔'' حنا منہ بنایا مگر اپنی آنکھوں کے تاثرات اور چہرے سے امڈ پڑنے والی بے ساختہ خوشی وہ نرس سے نہ چھپا سکی۔

''میڈم اتنی محبت کرنے والے شوہر قسمت والیوں کو نصیب ہوتے ہیں۔''

''صحیح کہا سسٹر...... ایسے شوہر قسمت والیوں کو نصیب ہوتے ہیں۔'' حنا یکدم دکھی ہو گئی تھی۔

''میڈم آپ کیوں دکھی ہو رہی ہیں...... آپ کو تو مل گیا ہے نا؟'' نرس نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اور وہ زبردستی مسکرا دی۔

نرس نے اسے تکیے کے سہارے بٹھایا۔ اس کی ٹانگوں پہ تولیہ بچھا کر اس نے ناشتے کی ٹرے رکھی اور بولی......

''میڈم آپ ناشتا کریں تب تک میں اخبار لے آؤں...... بائی دا وے کون سا اخبار آپ کو پسند ہے؟''

''کوئی سا بھی لے آؤ...... بلکہ یوں کرو جتنے بھی مشہور اخبار ہیں سارے لے آؤ۔''

''سارے تو شاید دستیاب نہ ہوں؟''

''بازار سے منگوا لو۔'' حنا نے کہا اور نرس سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ حنا جب تک ناشتے سے فارغ ہوتی وہ اخبار کا بنڈل لیے نمودار ہوئی۔ اخبار تپائی پر رکھ کر اس نے ناشتے کی ٹرے سائیڈ پہ کی حنا کو میڈیسن دی۔ اور ناشتے کے برتن اٹھائے باہر نکل گئی۔

حنا ایک ایک اخبار اٹھا کر تفصیل سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آیا ہوٹل میں ہونے والے حادثے کے بارے

اخبار میں کچھ آیا ہے یا اس کے پاپا نے اس کے متعلق کوئی خبر دی ہو تو وہ لازماً اخبار میں آئی ہو گی۔

''میڈم آج تو اخبار والوں کی غلطیاں پکڑی جا رہی ہیں۔'' اس کے کانوں میں اسماعیل شاہ کی آواز پڑی۔

''یونہی اپنے متعلق کسی خبر کی تلاش تھی...... اسی بہانے کچھ ٹائم بھی پاس ہو جائے گا۔''

''اتنی شہرت کب سے مل گئی ہے تجھے کہ، اخبار میں خبریں شائع ہوں۔''

''میں تو مشہور نہیں ہوں مگر آپ کے ساتھ تھی نا؟ سوچا شاید آپ کی وجہ سے ہم غریبوں کا نام آ گیا ہو''

''تیرے جیسے چند اور غریب پاکستان میں پیدا ہو گئے تو حکومت کا آئی ایم ایف (International Monetary Fund) سے جان چھڑانا مشکل نہیں رہے گا۔''

''اچھا زیادہ طنز کی ضرورت نہیں، فریش ہو جاؤ تا کہ آپ کے لیے ناشتا منگوا لوں۔''

''اپنی کوٹھی میں تشریف فرما ہو نا؟ کہ ناشتا منگوا لو گی۔ محترمہ یہ ہاسپٹل ہے، یہاں کے کھانے کا ذائقہ میڈیسن جیسا ہوتا ہے، جو آپ کو مبارک، میں کسی چھپڑ ہوٹل میں پیٹ پوجا کر لوں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ'' وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی۔

''تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟''

''میں کب خفا ہوئی ہوں......؟''

''چہرے پہ بارہ بجنے لگے ہیں اور محترمہ خفا کب ہوئی ہیں۔''

''میرے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے آپ کو الرجی ہوتی ہیں نا؟''

''اچھا بابا!...... میں ہوٹل سے لا کر یہیں کھا لوں گا...... بس یا کچھ اور...... کتنی رہتا نوالے۔'' اس کی بات سے حنا کے چہرے پہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی، اسماعیل بھی ہنستا ہوا باتھ روم کی طرف کی بڑھ گیا۔ فریش ہو کر اس نے قریبی ہوٹل کا رخ کیا اور ناشتا وہاں سے پیک کرا کے لے آیا۔ ناشتے کے دوران وہ بھی حنا کے سامنے پڑے اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اخبار کا پہلا صفحہ اٹھاتے ہی اس کے فرسٹ پیج کے نیچے چھپے خصوصی اعلان نے اس کی توجہ اپنے جانب مبذول کر لی۔ اس نے جلدی جلدی اعلان پڑھا...... بلاشبہ وہ شہزادی کی طرف سے شائع کرایا گیا تھا۔ اس کے دماغ میں شہزادی کے ساتھ بیتے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس نے نظر اٹھا کر تکیے سے نیم دراز حنا کو دیکھا...... وہ اس کے جانب ہی متوجہ تھی۔ شہزادی یا حنا......؟ اس نے اپنے دل سے سوال کیا گو شہزادی بہت خوبصورت تھی، مگر حنا اس سے بڑھ کر تھی۔ لیکن بات حسن سے زیادہ پسند کی ہوتی ہے اور اس کے دل کا جھکاؤ واضح طور پر حنا کے جانب تھا۔ گو شہزادی اس کی پہلی محبت تھی، پھر زلیخا نے بھی اپنی یاد کے گہرے نقش اس کے دل پہ ثبت کیے تھے لیکن حنا تو ایسے طوفانی انداز میں اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی کہ اس کے لیے بچنے کا

کوئی رستہ نہیں رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' حنا کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر لے آئی۔

''آں......ہاں......کچھ نہیں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

''کچھ کھاتے پیتے وقت بندہ کم از کم جھوٹے منہ ہی کسی کو پوچھ لیتا ہے۔''

''ہاں! مگر اس کو جس پہ سو فیصد یقین ہو کہ وہ دعوت قبول نہیں کرے گا۔''

''آپ بھی نا؟'' اسے اسماعیل کی بات پہ ہنسی چھوٹ گئی۔ اس کی دلکش ہنسی بھی اسماعیل کے دماغ میں امڈ پڑنے والی ماضی کی یادوں کو نہ روک سکی۔

''آپ کو شہزادی جیسی کئی مل جائیں گی مگر شہزادی کو آپ جیسا ایک بھی نہیں ملے گا۔'' کچھ ایسے ہی الفاظ تھے جو بچھڑتے سے شہزادی کے ہونٹوں سے نکلے تھے۔ شہزادی نے ہی تو اس پہ عورت ذات کے بھید کھولے تھے۔ ایسے بھید، ایسے اسرار جو عیاں ہو کر بھی نظر نہیں آتے، ہر دفعہ نئے دکھائی دیتے ہیں، چھو کر بھی ان چھوئے لگتے ہیں، اپنا کر بھی پرائے لگتے ہیں، جو کبھی باسی نہیں ہوتے، جس سے مرد سیر نہیں ہوتا، جو غذا کی طرح انسان کی ضرورت بن جاتے ہیں۔ پھر اس کا محسن مرزا طاہر سلیم جس کی عنایت اور کرم نوازی کی بدولت وہ اس قابل ہوا تھا کہ اپنے دشمن کو للکار سکے۔

''شاہ جی خیر تو ہے؟'' حنا کے لہجے میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔

''ہاں خیر ہی ہے......ذرا یہ دیکھو۔'' اس نے اشتہار کا صفحہ اس کی سمت بڑھایا۔

''کیا ہے یہ......؟'' حنا جلدی جلدی اشتہار پڑھتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ ''کہیں آپ غازی شاہ بن کر اس دولت مند لڑکی کو پھانسنا تو نہیں چاہتے۔'' مگر اسماعیل کے چہرے پہ چھائے سنجیدگی کے اثرات دیکھ کر وہ گڑبڑاتے ہوئے بولی۔

''شش شاہ جی......سید اسماعیل شاہ غازی آ......آپ کا پورا نام ہے نا؟......کک کہیں یہ اشتہار آپ کے لیے تو نہیں چھپا؟'' اور اسماعیل نے ہولے سے سر ہلا دیا۔

''آ......آپ کی منگیتر......کیا آپ کی منگنی ہو چکی ہے؟''

''نہیں'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور حنا کے چہرے پہ اطمینان پھیل گیا مگر اس کا استفسار جاری رہا۔

''تو پھر اس نے آپ کو منگیتر کیوں کہا؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے......پھر کبھی سہی۔''

''نہیں ابھی......'' وہ ضد کرنے لگی، اسماعیل شاہ کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی حق جتانے لگی ہے مگر جب تک وہ فاضل خان سے

انتقام لینے کے رستے میں حائل نہ ہوتی اسماعیل کو اس کی کسی بات سے بھی انکار نہیں تھا۔ یوں بھی اپنی بات منوانے کے فن سے وہ آگاہ تھی۔

''میں اپنی کہانی تمہیں سنا چکا ہوں نا؟..... اس اشتہار میں جس بندے کے انتقال کر جانے کی خبر چھپی ہے یہ وہی ہے میرا محسن جس کی بدولت مجھے رہائی ملی اور جس کی وجہ سے میں اس قابل ہو سکا کہ اپنا انتقام لے سکوں۔''

''میرا سوال اس کی بھتیجی کے متعلق تھا؟'' حنا معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''جو آپ کو اپنا منگیتر کہہ رہی ہے۔''

''جب مرزا طاہر حسین مجھے حوالات سے فرار کرا کے گھر لے گیا۔ اس وقت میں کافی سہا ہوا تھا اس نے مجھے اپنی یتیم بھتیجی کے حوالے کیا تا کہ ایک تو میں ماحول سے مانوس ہو جاؤں، دوسرا.....''

''اس سے مانوس ہو جاؤں'' حنا نے طنزیہ لہجے میں اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''شٹ اپ یار..... پوری بات تو سن لیا کرو..... اس کا اور میرا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا وہ میرے محسن کی بھتیجی تھی، شکل وصورت کی اتنی اچھی کہ رشتوں کی لائن لگ جائے پھر اس کے چچا کو کیا ضرورت تھی اسے ایک مجرم سے مانوس کرانے کی۔''

''سن لی ہے بلکہ اچھی طرح سمجھ لی ہے..... آپ نے ویسے ہی بہت سی باتیں حذف کر جانی ہیں۔ بلکہ اصل بات تو آپ گول مول کر جائیں گے۔''

''کیوں؟..... ایمیں ڈرتا ہوں تم سے کہ باتیں چھپاؤں گا؟''

''اس میں شبہ کیا ہے..... اگر ڈرتے نہ تو اس طرح تیمارداری کیوں کرتے؟۔''

''یہ تو میرا اخلاقی فرض ہے۔''

''ہونہہ!..... اخلاقی فرض..... دشمن کی بیٹی کے لیے کون سا اخلاقی فرض ہوتا ہے۔''

''دشمن باپ ہے..... بیٹی کا اس میں کیا قصور؟''

''کاش آپ پاپا کو معاف کر سکتے۔'' حنا کا لہجہ دکھی ہو گیا تھا۔

''یہ جنگ ہے میڈم ضروری نہیں کہ میں ہی تیرے پاپا کو قتل کر سکوں..... ہو سکتا ہے اس کا وار چل جائے..... یوں بھی وہ صاحب اختیار ہے، ہر قسم کے وسائل رکھتا ہے، میرے پاس کیا ہے؟۔''

''اس بات کا تو مجھے بھی ڈر ہے..... میں آپ کی جدائی بھی تو برداشت نہیں کر سکتی نا؟ اور جہاں تک پاپا کا تعلق ہے تو..... کوئی بھی بیٹی اپنے باپ کی موت گوارہ نہیں کر سکتی چاہے اس کا باپ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو..... پاپا کی موت کے علاوہ مجھے آپ کی ہر بات قبول ہے، ہر بات..... آپ سمجھ رہے ہیں نا؟ ہر بات قبول ہے۔''

''ہر بات سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''ہر بات سے مراد! ہر بات ہے...... جو آپ منہ سے نکالیں...... البتہ یہ ضروری ہے کہ میرے بس میں ہو...... اب اگر آپ یہ کہیں کہ میں گیا وقت واپس لے آؤں تو یہ صرف ایک ہستی کے قبضہ قدرت میں ہے، اس کے علاوہ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کسی مرے ہوئے کو زندہ کردے یا کسی عورت کی عصمت واپس لوٹا دے۔''

''حنا! مجھے فاضل خان کی بربادی کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔''

''میرے سامنے پاپا کے خلاف یوں تو نہ بولو''۔

''میڈم اسی لیے میں تم سے دور بھاگتا ہوں کہ تیرے میرے ستارے بالکل نہیں ملتے...... میں تیرے باپ کی عدوات ترک نہیں کرسکتا، اور تم اس کے خلاف سن نہیں سکتی ہو...... بہتر یہی ہوگا کہ ہم دور ہوجائیں یہ نزدیکیاں ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔''

''شٹ آپ...... مت کرو بکواس...... تمھیں سوائے میرے جذباتی استحصال کے کچھ سوجھتا بھی ہے؟'' اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی نمی قطروں کی صورت میں اس کے گالوں پہ پھسلنے لگی۔ اسماعیل اس منظر کی تاب نہ لا سکا تڑپ کے آگے بڑھا اور اس کا سر اپنی چوڑی چھاتی سے لگاتے ہوئے بولا۔

''سوری چندا...... میں کب دور ہونا چاہتا ہوں تم سے۔'' اس سے پہلے کہ حنا کچھ کہتی نرس دروازہ کھٹکھٹاتے اندر داخل ہوئی۔

''سر! ریسپشنسٹ آپ کو بلا رہی ہے۔''

''مجھے؟'' اسماعیل کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''جی سر۔''

''اچھا اب یہ رونا دھونا بند کرو اور آرام سے لیٹ جاؤ، میں ریسپشنسٹ سے مل کر آتا ہوں۔''

اس نے تکیہ درست کر کے اسے پیچھے لٹایا، وہ خاموش رہی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ ریسپشنسٹ کے پاس موجود تھا وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''سر آپ نے کہا تھا نا؟ کہ کوئی بھی آپ کے متعلق استفسار کرتا ہے تو میں اسے کچھ نہ بتاؤں؟''۔

''جی۔'' وہ مختصراً بولا...... اس نے ریسپشنسٹ ڈیوٹی کرنے والی تینوں لیڈیز کو یہ بات بتا دی تھی اور ساتھ انعام کا لالچ بھی دیا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آیا تھا...... آپ کی مسز کی تصویر دکھا کر اس کے متعلق پوچھ رہا تھا کہ آیا وہ یہاں ایڈمٹ تو نہیں ہے۔ میں نے نفی میں جواب دیا تو وہ پرائیویٹ روم چیک کرنے پہ مصر ہوا، میرے سختی پہ منع کرنے پہ وہ واپس تو چلا گیا لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ یا اس کا ساتھی ضرور واپس آئے گا۔''

''گڈ...... یہ لو میری طرف سے چائے پی لینا۔'' اس نے ایک بڑا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''سر اس کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے رسمی انکار کیا مگر اس کے نوٹ کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے پایا تھا۔

''نہیں یہ تیرا حق ہے۔''

''تھینک یو سر۔'' اور اسماعیل سر ہلاتا ہوا واپس مڑ گیا۔ اس کا ارادہ حنا سے اجازت لے کے وہاں سے جانے کا تھا۔

''کیا کہہ رہی تھی ریسپشنسٹ؟'' حنا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''حنا مجھے یہاں سے جانا ہوگا...... تیرے والد کے کتے یہاں پہنچ گئے ہیں تیری تصویر ان کے پاس ہے۔ ریسپشنسٹ کو تو میں نے پہلے سے منع کر دیا تھا کہ کسی کو بھی ہمارے بارے اطلاع نہ دے لیکن ہو سکتا ہے وہ کسی اور طریقے سے ہمارے بارے معلوم کر لیں اس لیے میرا چلا جانا ہی بہتر رہے گا۔'' اس نے اخبار سے اشتہار پھاڑ کر لپیٹتے ہوئے جیب میں ڈال لیا۔

''یہ کیوں پاس رکھ رہے ہو کیا اس چھمک چھلو کے پاس جانے کا ارادہ ہے؟'' حنا نے بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اپنی راگنی الاپی۔

''میں اس کے پاس صرف تعزیت کے لیے جاؤں گا۔''

''جھوٹ کہہ رہے ہو...... وہ خوبصورت لڑکی ہے...... اس نے اتنے عرصے بعد بھی آپ کو دل میں رکھا ہوا ہے...... وہ آپ کو مجھ سے چھین لے گی...... مجھ سے...........''

''کبھی بھی نہیں۔'' وہ قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ ''اس دنیا کی کوئی بھی لڑکی میرے نزدیک میری حنا سے خوبصورت نہیں ہے ...... اس لیے بے فکر رہو...... اب ہمیں موت ہی جدا کرے گی یا شاید......''

''یا پھر کیا؟'' اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''وقت آنے پہ بتا دوں گا......؟''

''نہیں ابھی ......''

''یا شاید آپ اپنے والد کے قاتل کے ساتھ رہنا پسند نہ کریں۔'' اس کے ذہن میں گونجا مگر لبوں سے نکلا۔ ''کیا پتا؟ ایک سیٹھ زادی کا پیار کتنا عرصہ برقرار رہتا ہے۔''

''شاہ جی پلیز'' وہ روہانسی ہونے لگی۔

''او کے چندا! اب تم اپنے والد کو کال کر کے بلا لینا......'' یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے پہ جھک گیا۔ حنا کی باہیں اس کے گلے میں حمائل ہو گئیں تھیں۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"سر فاضل خان کی بیٹی پھر اغوا ہو گئی ہے اغوا ہونے سے پہلے وہ اپنے کسی یار سے ملنے پیراڈائز ہوٹل گئی تھی...... وہاں نہ جانے کیسے اسے گولی لگ گئی۔ اور اس کا دوست اسے اٹھا کر لے گیا اب فاضل خان کے آدمی تمام ہاسپٹلز میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں ...... انھیں شک ہے کہ اس دفعہ بھی اسے اسماعیل شاہ نے ہی اغواء کیا ہے۔"

"زندھیر! کیا بات کر رہے ہو؟" روہیت کے لہجے میں حیرانی تھی۔ "اگر اسماعیل کے پاس ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اسی سے ملنے گئی تھی۔ اور اپنے باپ کے جانی دشمن سے وہ کیسے ملنے جا سکتی ہے، کچھ عقل کے ناخن لو؟"

"سر مجھے جو پتا چلا میں نے آپ کے گوش گزار کر دیا ہے۔"

"سنا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے دم چھلے بھی ہوتے ہیں...... وہ کیا ہوئے؟"

"آپ کی مراد باڈی گارڈز سے ہے تو دو کو تو اس نے بیہوش کر دیا تھا باقی دو نیچے پارکنگ ایریا میں تھے۔"

"یعنی یہ سب کھیل ہوٹل کے کمرے میں چلتا رہا؟"

"جی سر...... مخبر کے مطابق فاضل کی بیٹی روزانہ یونیورسٹی جاتی ہے...... وہ نہایت ہی سادہ اور شریف لڑکی ہے...... لیکن پرسوں اس نے اچانک اپنے باڈی گارڈز کو پیراڈائز ہوٹل چلنے کو کہا۔ وہاں انھیں پارکنگ میں چھوڑ کر خود اوپر ہوٹل کے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے باڈی گارڈز نے فاضل خان کو یہ بات بتلائی تو فاضل خان نے انھیں حکم دیا کہ وہ اس کے پیچھے جا کر چیک کریں اگر وہ کسی مرد کے ساتھ ہے تو مرد کو بغیر کسی پوچھ گچھ کے قتل کر دیں...... اس لڑکی کے ساتھ چار باڈی گارڈز ہوتے ہیں دو اس حکم کی بجا آوری کے لیے اوپر چلے گئے۔ مگر فاضل کی بیٹی کا دوست لڑنے بھڑنے کے معاملے میں ان سے بہتر نکلا کہ اس نے دونوں کو بیہوش کر دیا۔ اسی اثناء میں فائر ہوا ...... اب یہ فائر کس سے ہوا اور لڑکی کو گولی کیسے لگی اس راز سے پردہ نہیں اٹھ سکا البتہ اس لڑکی کا دوست اسے اٹھا کر کہیں لے گیا ہے اور فاضل خان کو شک ہے کہ وہ اسماعیل ہے۔ اس کی بیٹی اسے کیوں ملنے گئی تھی...... اس بارے اس کی بیٹی ہی بتا سکتی ہے۔"

"اگر یہ سچ ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ چند دن پہلے تو اسماعیل نے اسے رہا کیا تھا اب پھر اسے کیوں اغوا کر لیا...... کیا وہ فاضل خان کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہا ہے۔"

"سر! ...... وہ اے کے صاحب کا خصوصی سٹوڈنٹ ہے...... سنا ہے ٹریننگ کے ہر اوینٹ میں اس نے نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی...... اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رینجرز کی فائرنگ سے صرف یہی جان بچا کر بھاگ سکا...... اور پھر اتنا خطرناک صحرا بغیر زادِ راہ اور سواری کے عبور کر لیا۔ وہ بغیر کسی شبہ کے ایک لاجواب ایجنٹ ہے...... البتہ اس معاملے میں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے جان بچانے کے لیے اٹھا کر لے گیا ہو۔"

"ویسے میرے خیال میں اسماعیل نے اس کے باڈی گارڈز کو گولی مارنے کی کوشش کی ہوگی اور اسماعیل کو روکنے کی کوشش میں

اس لڑکی کو گولی لگ گئی ہوگی...... یا پھر اس کے باڈی گارڈز نے اسماعیل یا وہ جو کوئی بھی تھا اس پہ پسٹل تانا ہوگا اور اپنے دوست کو بچانے کے لیے وہ لڑکی درمیان میں آ کر گھائل ہوگئی ہوگی۔"

"سر آپ کا پہلا اندازہ ٹھیک ہوسکتا ہے کیونکہ اس لڑکی کے دونوں باڈی گارڈز لڑکی کو گولی لگنے کے واقعے سے لاعلم ہیں۔"

"ایسا ہی ہے...... بہرحال تم لوگ بھی فاضل خان کے آدمیوں کے ہمراہ ہاسپٹلز چیک کرو شاید اسماعیل ہی اسے اغواء کر کے لے گیا ہو۔"

"اگر نظر آ جائے تو اغوا کرالیں؟"

"میرے احمق کہنے سے تجھے ہتک تو محسوس نہیں ہوگی؟۔"

"سس...... سوری سر۔" رندھیر بوکھلا گیا۔

"بیوقوف...... وہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ سر پاشا کا احسان مند...... اس سے مل کر مہاراج سے ملاقات کے بہانے میرے پاس لے آؤ۔"

"ٹھیک ہے سر...... میں سمجھ گیا۔" رندھیر سر ہلاتے ہوئے بولا اور روہیت نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

"تمھیں یقین ہے کہ گڑیا وہیں ہے؟" فاضل خان نے اللہ جوڑیو کی پوری بات سن کر پوچھا۔

"جی سیٹھ صاحب...... چوکیدار نے یہی کہا ہے کہ ایک آدمی ایسی لڑکی کو لے کر آیا تھا جسے پیٹ میں گولی لگی ہوئی تھی...... جبکہ کمروں کی صفائی پہ مامور ایک بوڑھی مائی نے تو چھوٹی بی بی کی تصویر دیکھ کر اسے پہچان بھی لیا ہے...... البتہ استقبالیہ پہ بیٹھی لڑکی نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے تمام آدمیوں کو ہاسپٹل کے باہر اکٹھا کرو میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔" فاضل خان نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ موبائل جیب میں ڈالتا کال آنے لگی۔ موبائل سکرین پہ نظر ڈالتے ہی وہ اچھل پڑا۔ وہ اس کی بیٹی کی کال تھی۔

"ہیلو؟" کال رسیو کرتے ہوئے وہ محتاط انداز میں بولا۔ پچھلا تجربہ اسے ابھی تک نہیں بھولا تھا کہ جب اسماعیل اس کی بیٹی کا نمبر استعمال کر کے اس سے بات چیت کرتا رہا تھا۔

"پاپا میں بول رہی ہوں۔" اسے حنا کی نحیف آواز سنائی دی۔

"گڑیا! کہاں ہو تم؟۔" وہ اضطراراً کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہسپتال میں پاپا...... ابھی ہوش میں آئی ہوں تو آپ کو کال کی ہے۔"

"دو دنوں بعد ہوش آئی ہے؟" فاضل کا لہجہ حیرت سے پر تھا۔

"جی پاپا پیٹ میں گولی لگی تھی نا؟ آپریشن ہوا ہے، ہوش تو کل ہی آ گیا تھا مگر اس قابل نہیں تھی کہ آپ سے بات کر سکتی..... باقی میرا پرس بھی ہسپتال کی انتظامیہ کے پاس تھا جو انھوں نے ابھی میرے حوالے کیا ہے۔"

"کس ہسپتال میں ہو؟۔"

"یہ پرائیویٹ ہسپتال ہے پاپا........" وہ ہسپتال کے بارے تفصیل سے بتانے لگی۔ یہ وہی ہسپتال تھا جس کے بارے اللہ جوڑیو نے اسے اطلاع دی تھی۔

"ٹھیک ہے پاپا کی جان! میں آ رہا ہوں..... باقی باتیں وہیں ہوں گی۔"

"تھوڑی دیر بعد اس کی مرسڈیز مطلوبہ ہاسپٹل کے جانب رواں دواں تھی۔ اللہ جوڑیو اسے گیٹ پہ ہی مل گیا۔

"شاباش اللہ جوڑیو..... گڑیا یہیں پہ ہے۔" وہ اس کے نزدیک مرسڈیز رکواتا ہوا بولا۔ "میں اندر جا رہا ہوں میرے ساتھ نور دل اور رمضان ہے۔ تم لوگ باہر تیاری حالت میں رہنا۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔" اپنی تعریف سن کر اللہ جوڑیو کی باچھیں کھل گئیں تھیں۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے ڈرائیور کو وہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے وہ باڈی گارڈز کے ساتھ ہاسپٹل کی اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ حنا کا کمرہ تلاش کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ خوبصورت کور میں کمبل سینے تک اوڑھے، جانے وہ کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ باڈی گارڈز کو دروازے پہ رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ۔ "گڑیا! میری جان۔" کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"پاپا" اٹھنے کی کوشش میں وہ صرف ہل کر رہ گئی تھی۔

"لیٹی رہو، لیٹی رہو۔" وہ جلدی سے بولا۔ اور جھک کر اس کا ماتھا چومنے لگا۔

"پاپا مما نہیں آئیں؟۔"

"سوری بیٹا جلدی میں اسے اطلاع ہی نہیں دے سکا ہوں..... ٹھہرو ابھی بتا دیتا ہوں۔" وہ موبائل نکال کر اپنی بیوی کو بیٹی کے مل جانے کی اطلاع دینے لگا۔ بیوی کو مطلع کرنے کے بعد وہ دوبارہ بیٹی کی طرف متوجہ ہوا۔

"گڑیا! اصل واقعہ کیا ہوا تھا..... تم ہوٹل میں ملنے کس سے گئیں تھیں اور تجھے گولی کیسے لگی، کیسے ہوا یہ سب کچھ؟۔"

"پاپا!..... میں غلط فہمی میں ماری گئی......" حنا نے پہلے سے گھڑی کہانی بیان کرنی شروع کر دی۔ "یونیورسٹی میں اسماعیل شاہ کا فون آیا کہ آپ اس کے قبضے میں ہیں اور میں بغیر پولیس یا اپنے محافظوں کو بتائے اس کے پاس پہنچوں ورنہ دوسری صورت میں وہ آپ کو جان سے مار دے گا۔ پاپا یہ سنتے ہی میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے گئیں اور میں ہوٹل دوڑی گئی..... کونل پارٹی کو میں نے

پارکنگ میں رکنے کا کہہ دیا تھا کہ کہیں وہ انھیں دیکھ کر آپ کو نقصان نہ پہنچا دے...... اس کے پاس جاتے ہی میں نے آپ کے متعلق استفسار کیا تو کہنے لگا کہ آپ محفوظ ہیں اور اگر میں ایک کروڑ روپے کا بندوبست ابھی ابھی کر دوں تو وہ میرے پاپا کو چھوڑ دے گا۔ ابھی ہماری گفتگو جاری تھی کہ کوڈل اور بخش وہاں آ گئے ...... مجھے ان پر غصہ آیا کہ وہ کام بگاڑنے کے لیے وہاں کیوں آئے ہیں۔ مگر انھوں نے میری ایک نہ سنی اور اس پر حملہ کر دیا اور اس کے جوابی حملے کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے۔ ان کی بیہوشی کے دوران اسماعیل شاہ نے دونوں کو گولی مارنی چاہی میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کی تو گولی مجھے لگ گئی۔ اسے شک تھا کہ وہ چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے، گولی چلنے کے بعد وہ زیادہ گھبرا گیا اور یرغمال بنانے کے لیے وہ مجھے ساتھ اٹھا کر لے گیا۔ پھر یہاں ہسپتال میں لا کر اس نے مجھے داخل کرایا میرے پرس سے پیسے نکال کر آپریشن کی فیس ادا کی اور چلتا بنا ...... باقی باتوں کا آپ کو پتا ہے۔"

حنا کی کہانی گو پرفیکٹ تھی مگر فاضل کی تحقیق کے مطابق وہ صریحاً جھوٹ بول رہی تھی کیونکہ اس کی کہانی کال گرل کی بتائی ہوئی باتوں کے خلاف تھی...... اور اس کے ساتھ اس نے خود کال گرل کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"گڑیا اب پاپا سے جھوٹ بولو گی۔" فاضل کے لہجے میں گہرے دکھ کی جھلک تھی۔

"ن...... نہیں پاپا...... جھوٹ کیسا؟"

"دیکھو میں ہوٹل میں جا کر تحقیق کر چکا ہوں۔ جو کال گرل تمھارے جانے سے پہلے اس خبیث کے ساتھ موجود تھی اس سے بنفس نفیس مل چکا ہوں...... یہاں ہسپتال میں بھی اللہ جوڑیو نے ایک دو نرسوں اور صفائی کرنے والی مائی سے پوچھ گچھ کی ہے سب کے مطابق تمھارے ساتھ شوہر موجود تھا...... اور شوہر سے ان کی مراد اسماعیل شاہ ہی ہوگا۔" فاضل کی بات سے حنا کا رنگ اڑ گیا تھا۔ "میں اصل بات سننا چاہوں گا۔"

حنا پینترا بدلتے ہوئے بولی۔ "پاپا میں اسماعیل شاہ اور آپ کے درمیان صلح کرانے کی خواہاں تھی...... اس ضمن میں میری اس سے ایک دو دفعہ فون پہ بات ہوئی اس دن اس نے کہا کہ آمنے سامنے بیٹھ کر اس بات کو طے کرتے ہیں، جب میں وہاں پہنچی تو ایک لڑکی کو موجود پایا اس کے انداز سے مجھے پتا چل گیا کہ وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے...... ایسی عورتوں سے مجھے الرجی ہوتی ہے جو عورت کے نام پہ بدنما دھبہ ہوں۔ بس میں نے اسے جانے کا کہا تو وہ طنزیہ انداز میں کہنے لگی کہ میری فیس پس میں نے پرس سے پیسے نکال کر اس کے منہ پہ مارے۔"

"اسماعیل سے تیری بات چیت کیسے شروع ہوئی اور اس کا نمبر تیرے پاس کہاں سے آ گیا؟"

"پاپا میرا موبائل اس کے پاس رہ گیا تھا...... میں نے خود ہی اس سے بات چیت شروع کی...... پاپا وہ برا آدمی نہیں ہے۔ جتنے دن میں اس کے پاس قید رہی اس نے مجھے بہت عزت سے رکھا۔ لیکن آپ سے وہ بہت نفرت کرتا ہے میں چاہتی تھی کہ وہ آپ سے صلح کر

لے، اگر اس بارے میں آپ سے مشورہ لیتی تو آپ نے لازماً منع کر دینا تھا اس لیے مجھے آپ کی لاعلمی میں یہ قدم اٹھانا پڑا۔"

"اپنے پاپا کو تم نے اتنا کمزور سمجھا ہے کہ ایک سڑک چھاپ اسے قتل کر دے گا؟"

"پاپا وہ اندھیرے کا تیر ہے..... جبکہ آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ آپ چھپ کر نہیں بیٹھ سکتے اور میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"گڑیا مجھ سے مشورہ کیے بغیر تمہیں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" اس مرتبہ فاضل کے لہجے میں غصہ شامل تھا گویا اس نے حنا کی کہانی کو سچ مان لیا تھا۔ "اور پھر تم اس سے ملنے کے لیے اکیلے کمرے میں چلی گئیں اگر کوئی اونچ نیچ ہو جاتی پھر؟"

"پاپا! میں اتنے دن اس کے پاس قیدی رہی کوئی اونچ نیچ نہ ہوئی اب گھنٹے دو گھنٹے میں بھی کچھ نہیں ہونا تھا..... یوں بھی میں آپ کی بیٹی ہوں، جان دے دوں گی لیکن اپنی عزت پہ کوئی حرف نہیں آنے دوں گی۔"

"بات سمجھنے کی کوشش کرو حنا..... تیرے اس عمل سے ہمارے ملازم کیا سمجھیں گے..... ہم کہاں تک ان کے سامنے اسماعیل کے کردار کی گواہیاں دیتے پھریں گے..... اور اگر خدانخواستہ اخبار والوں تک یہ بات پہنچ جاتی تو ہماری جتنی سبکی ہوتی اس بارے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔" اور حنا سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ اس کی مشکل اس کی ماں کی آمد سے حل ہو گئی جو "میری بچی" کا نعرہ لگاتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور آتے ساتھ اس سے لپٹ گئی۔ بیوی کی موجودگی میں فاضل نے اس موضوع کو ترک کرنا مناسب سمجھا۔

☆......☆......☆

اسماعیل اس وقت انسپکٹر حاکم داد کے تعاقب میں تھا۔ شہزادی سے ملنے سے پہلے اس نے حاکم داد کا کانٹا نکالنا بہتر سمجھا کہ اس طرح وہ یکسو ہو کر شہزادی سے ملاقات کر سکتا تھا۔

سرخ بتی پہ اس کی کار رکتے ہی وہ اپنی موٹر سائیکل اس کی کار کی پشت پہ لے گیا۔ موٹر سائیکل سٹینڈ پہ کھڑی کر کے وہ نیچے اترا اور اس کے اگلے پہیے کی ہوا چیک کرنے لگا۔ موٹر سائیکل اس نے اس انداز میں کھڑی کی تھی کہ حاکم داد بیک مرر میں اس کی کارروائی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دائیں بائیں رکنے والے گاڑی سواروں نے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی اور پھر اسے پہیے کی ہوا چیک کرتی دیکھ کر بتی کے جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ ایک عام سی روزمرہ میں پیش آنے والی بات تھی، کوئی ایسا منظر نہیں تھا کہ ان کی توجہ اپنے جانب مبذول رکھتا۔ لوگوں کی توجہ ہٹتے ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ غیر محسوس انداز میں حاکم داد کی کار کی طرف بڑھایا۔ ایک چپٹا سا ڈیوائس جس کے ساتھ پانچ چھ انچ کی باریک تار لگی ہوئی تھی، کار کے نیچے چپکا کر وہ اٹھ کر موٹر سائیکل پہ بیٹھ گیا۔ نہایت قلیل وقت میں اس نے اپنی کارروائی مکمل کی تھی۔ اس کے موٹر سائیکل پہ بیٹھنے کے ساتھ بتی زرد ہوئی اور پھر سبز بتی پہ حاکم داد کی کار آگے بڑھ گئی وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

ایک خود ساختہ آئی ای ڈی لے وہ اس کار کے نیچے فٹ کر چکا تھا اب وہ جس ٹائم چاہتا کار سمیت اس کے پرخچے اڑا سکتا تھا۔ تھوڑا سا

آگے آ کر اس نے موٹر سائیکل ایک لمحے کے لیے روکی سرعت سے حاکم داد کا نمبر ڈائل کیا اور ایئر فون کانوں میں فٹ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ دوسری بیل پر ہی اس کی کال اٹینڈ کر لی گئی۔

''ہیلو ! کون؟''

''انسپکٹر حاکم داد ؟'' بجائے جواب دینے کے وہ مستفسر ہوا۔

''جی۔''

''پہچانا مجھے؟''

''سوری آپ کا نمبر میرے موبائل میں درج نہیں ہے۔''

''مجھے سید اسماعیل شاہ غازی کہتے ہیں ۔''

''اوہ!...... بڑی جرأت پیدا ہو گئی ہے...... ویسے میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے اپنے باپ کو کال کیوں کی ہے؟...... میرا خیال ہے دھمکی دینی ہو گی...... تو مشوبات یہ ہے کہ دھمکی کے علاوہ کچھ بکنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''صرف ایک اطلاع دینی تھی ؟''

''بکو ۔'' حاکم استہزائی لہجے میں بولا۔

''کبھی سوئچ نمبر فور پل مارک ون کا نام سنا ہے ۔'' (Switch no- 4 pull mark -1)

''اگر تم سیدھے لفظوں میں بکواس کر دو تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

''چلو میں وضاحت کر دیتا ہوں ۔'' اسماعیل کے لہجے میں اطمینان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

''اسے تم ایک آلہ سمجھ سکتے ہو یہ عموماً دروازوں، کھڑکیوں وغیرہ میں فٹ کیا جاتا ہے اور اس کا کنکشن بارود کی تھیلی یا پیکٹ وغیرہ سے جوڑ دیا جاتا ہے جیسے ہی دروازے کو کھولا جائے یہ چال کر جاتا ہے جس سے ایک سیکنڈ کے کچھ حصے میں بارود دھماکے سے پھٹ جاتا ہے اور دروازہ کھولنے والا بغیر رکے اپنے اعمال کے ساتھ خالق حقیقی سے جا ملتا ہے۔ یعنی عرف عام میں تم اسے رب سے ملاقات کرانے والا آلہ کہہ سکتے ہو۔''

''اس بکواس کا مقصد؟''

''صرف یہ بتانا کہ تم جس گاڑی میں سفر کر رہے ہو اس کے چاروں دروازں کے ساتھ سوئچ نمبر فور پل مارک ون فدوی بنفس نفیس فٹ کر چکا ہے۔ اب تم جس دروازے کو بھی کھولو گے باہر آنے سے پہلے تیری ملاقات عزرائیل سے ہو چکی ہو گی۔ جہاں تک شیشے کے راستے باہر آنے کا تعلق ہے تو اگر تیری توند موجودہ حالت سے آدھی بھی ہوتی تب بھی تم باہر نہ آ سکتے۔''

"تم بکواس کر رہے ہو......تم نے کس وقت کھڑکی کے ساتھ یہ سوئچ فٹ کیا ہے، اگر ایسا ہوتا تو جس وقت میں گاڑی میں بیٹھ رہا تھا اس وقت بم پھٹ جاتا۔"

"میں نے دو سال لگا کر یہ کام سیکھا ہے اور مجھے پتا ہے کہ کس طرح اس آلے کو فٹ کیا جائے کہ پہلی دفعہ دروازہ کھولنے پہ یہ چال نہ کرے مگر دوسری دفعہ دروازہ کھولنے پہ اپنا کام کر جائے......ویسے مجھ سے غلطی بھی ہو سکتی ہے آخر انسان ہوں نا؟ بہرحال تم دروازہ کھول کر چیک کر سکتے ہو۔"

"کوئی اور طریقہ نہیں ہے مجھے یقین دلانے کا؟" حاکم داد نے کہا۔ وہ ایک پولیس انسپکٹر تھا اور اتنی جلدی اسماعیل کے جھانسے میں نہیں آ سکتا تھا۔

"کیوں نہیں ہے......ذرا اس آواز کو سننا۔" یہ کہہ کر اسماعیل نے بم کے ریموٹ کنٹرول کا ایک مخصوص بٹن دبایا تو کار کے ساتھ لگے آلے سے خطرے کا سائرن بجنے کی آواز آنے لگی یہ آواز بہرحال اتنی بلند ضرور تھی کہ حاکم داد کو آسانی سے سنائی دیتی۔

"کیا چاہتے ہو؟" حاکم داد کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اسماعیل کی باتوں پہ یقین آ گیا تھا۔

"تیرے گندے وجود سے اس دھرتی کو پاک کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو شاہ جی تیری میری کوئی دشمنی نہیں، ایک مجرم کے خلاف تفتیش کرنا پولیس انسپکٹر کا فرض ہوتا ہے۔"

"غلطی اور جان بوجھ کے کرنے میں فرق ہے......"

"ہم صلح بھی کر سکتے ہیں میں ہر قسم کا جرمانہ بھرنے کو تیار ہوں، جو تاوان کہو گے ادا کر دوں گا۔"

"چلو ایسا ہے اپنی گاڑی کا رخ ساحل سمندر کی طرف موڑو......رابطہ منقطع نہ کرنا، وہاں جا کر بات چیت کرتے ہیں۔"

"آپ وعدہ کریں کہ مجھے قتل نہیں کریں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے میرا مطالبہ پورا کر دیا تو تجھے قتل نہیں کروں گا۔"

"مطالبہ کیا ہوگا؟"

"چند لاکھ سے زیادہ نہیں بڑھے گا۔"

"منظور......رقم بتاؤ میں ابھی ادا کر دیتا ہوں۔"

"نہیں ساحل تک تو جانا پڑے گا آخر ملاقات بھی ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے میں وہاں پہنچ رہا ہوں آپ بھی پہنچیں......"

"میں تیرے ساتھ ساتھ ہوں......اگر تم بیک مرر میں دیکھو تو کالی ہیلمٹ والا موٹر سائیکل سوار نظر آئے گا وہ میرا ہی آدمی ہے

۔اسی طرح تیری کار سے آگے جو سفید مہران جا رہی ہے وہ بھی اپنی سمجھو، ایک دو اور بھی ہیں اگر میں یہ کہوں کہ تم اس وقت مکمل گھیرے میں ہو تو غلط نہیں ہوگا...... مگر اس گھیرے سے بڑھ کر وہ بارود ہے جو تمھاری کار میں کلوگراموں کے حساب سے موجود ہے۔" اسماعیل کا مقصد اسے ڈرانا تھا اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

"شاہ صاحب میں معافی کا خواستگار ہوں...... میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

"یہ سب باتیں ساحل سمندر پہ ہوں گی...... اور ہاں اگر رابطہ منقطع کیا تو شاید تمھیں ساحل دیکھنا نصیب نہ ہو۔"

"شاہ صاحب! یہ سارا کیا دھرا سیٹھ فاضل کا ہے...... اسے تو آپ نے کچھ نہیں کہا اور مجھے گھیر لیا جبکہ میں نہ تو آپ کی والدہ کی موت میں ملوث ہوں اور نہ میں نے آپ کی بہن کو کچھ کہا تھا؟"

"حاکم داد اب گاڑی کی سپیڈ تھوڑی بڑھا دو روڈ خالی پڑا ہے۔" بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اسماعیل نے حکم جاری کیا ۔حاکم داد نے بغیر چوں چراں کیے اپنی کار کی سپیڈ بڑھا دی۔ اسماعیل کی ہدایات پہ عمل کرتے ہوئے جلد ہی وہ ساحل سمندر کے ایک ویران حصے میں پہنچ گئے۔ اس دوران اسماعیل نے رابطہ منقطع نہیں ہونے دیا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رابطہ منقطع کر کے وہ اپنے کسی مددگار کو بلا لے۔ بم کے خوف نے انسپکٹر حاکم داد میں بھی رابطہ منقطع کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہونے دی تھی۔

"بس یہیں رک جاؤ۔" ایک مناسب مقام پہ اسماعیل نے اسے حکم دیا اور اس کی کار رک گئی۔ کار سے چند گز دور موٹر سائیکل روک کر وہ اس کے جانب بڑھا۔ اس نے ہاتھ میں گلاک نائن پکڑا ہوا تھا۔

"اپنے ہاتھ سر پہ رکھ دو۔" اس قریب پہنچ کر وہ بولا۔

"مگر موبائل......؟"

"اب اس کی ضرورت نہیں آواز اس کے بغیر بھی سنائی دے گی تیرے سامنے تو کھڑا ہوں۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر پہ رکھ لیے۔ اسماعیل نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول دیا۔

"باہر آ جاؤ۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا اور حاکم داد چہرے پہ خوف کے تاثرات سجائے نیچے اتر آیا۔

"دھماکا تو نہیں ہوا؟"

"ہو جائے گا؟" وہ ماہرانہ انداز میں اس کی تلاشی لیتا ہوا بولا۔ اس کی اندرونی جیب سے ایک قیمتی پسٹل برآمد ہوا۔

"واہ تھانیدار صاحب! بریٹا جیب میں لیے گھوم رہے ہو اگر کوئی چھین لے پھر؟" اسماعیل بریٹا اپنی جیب میں منتقل کرتا ہوا استہزائی لہجے میں بولا۔ گلاک کے مقابلے میں بریٹا تھوڑا وزنی تھا لیکن کارکردگی میں کسی بھی طرح گلاک سے کم نہیں تھا اور اتنے قیمتی پسٹل کو پھینک دینا اسے معقول نہ لگا۔

''شاہ جی ہمارا معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر میں نے آپ کا مطالبہ پورا کر دیا تو آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔''

''میں نے یہ کب کہا کہ کچھ نہیں کہوں گا...... میں نے تو کہا تھا کہ قتل نہیں کروں گا وہ بھی اس صورت میں جب کہ تم میرا مطالبہ پورا کرو گے؟''

''آپ رقم بتائیں؟''

''مطالبہ صرف رقم میں تو نہیں ہو گا نا؟...... بہر حال رقم کی مد میں مجھے پچیس لاکھ چاہییں ابھی اور اسی وقت۔''

''چلو میں رقم اسی وقت آپ کے حوالے کر دیتا ہوں۔''

''میں اسی جگہ کی بات کر رہا ہوں مسٹر۔''

''آپ اپنے کسی ساتھی کو فون کریں میں ایک ایڈریس بتاتا ہوں۔ وہاں میرے چالیس لاکھ پڑے ہیں ان میں سے پچیس لاکھ وصول کر لے۔''

''کہاں ؟'' اسماعیل موبائل نکالتا ہوا مستفسر ہوا۔

''ناظم آباد میں ایک فلیٹ ہے جس کی چابی دروازے کے ساتھ لگی نیم پلیٹ کے پیچھے چھپی رہتی ہے۔

فلیٹ کے اندر کپڑوں کی الماری کے پیچھے ایک تجوری بنی ہے جس کے لاک کا نمبر ون، ٹو، تھری، ٹو، ون ہے۔ اس میں میری کچھ ضروری دستاویزات پڑی ہیں اپنے آدمی کو کہنا کہ انھیں نہ چھیڑے اور رقم بے شک ساری نکال لے۔''

''فلیٹ کی لوکیشن؟'' اسماعیل نے پوچھا اور حاکم داد نے لوکیشن بتا دی۔

اسماعیل نے لوکیشن نوٹ کر لی۔ ''یہ تو تھا پہلا مطالبہ اب دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ تم نے میری بہن کو فاضل خان کے حوالے کیا تھا وہ مجھے واپس چاہیے؟۔''

''کک...... کیا مطلب......؟ شاہ جی کوئی ایسا مطالبہ کہیں جو پورا کیا جا سکے۔''

''اچھا یہ بتاؤ تیری بیٹی کی عمر کتنی ہے؟''

''بب...... بڑی کی عمر سولہ سال ہے۔''

''گڈ پھر اس طرح کرو اسے آج کی رات میرے حوالے کر دو، صبح زندہ سلامت واپس کر دوں گا۔''

''شاہ جی...... آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ وہ میری بیٹی ہے کوئی..........'' مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اسماعیل کا ہاتھ گھوما اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر لگا۔

''اپنی بیٹی کا بڑا خیال ہے...... دوسرے کی کوئی عزت نہیں...... میری گڑیا کو فاضل جیسے کتے کے حوالے کرنے سے پہلے تجھے یہ

خیال نہ آیا کہ وہ بھی کسی کی بہن یا بیٹی ہے؟ ''

''مم میں معافی چاہتا ہوں۔''

''اوپر جا کر اسی سے مانگ لینا جس کے مجرم ہو۔'' کہتے ہوئے اسماعیل نے اسے ٹھوکروں پہ رکھ لیا۔ تھانیدار نے مزاحمت کی کوشش کی مگر جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ اسماعیل جسمانی لحاظ سے اس پہ بھاری ہے اپنے بھدے جسم کو بچانے کے لیے تھانیدار نے دائیں بائیں ہونے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ساحل کی ریت پہ پڑا، پیاسے کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

''شاہ جی خدا کے لیے معاف کر دو۔'' وہ گڑگڑایا۔

اپنے جی کی بھڑاس نکالنے کے بعد اسماعیل نے کہا۔''میں بیس تک گنوں گا اس وقت تک تم جتنی دور جا سکتے ہو چلے جاؤ اس کے بعد اگر میں نے تمھیں پا لیا تو گولی مار دوں گا کیونکہ تم نے میرا مطالبہ پورا نہیں کر سکے ہو ......ایک '' اور اس کے ایک کہتے ہی تھانیدار اچھل کر کھڑا ہوا اور کار کی طرف بھاگا۔

''دو......تین'' اس کے تین کہنے تک وہ کار کے قریب پہنچ چکا تھا مگر اتنا خوفزدہ تھا کہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا اور پھر اٹھ کر کار کی طرف بھاگا۔

''چار......پانچ......چھ......'' کار میں گھس کر وہ لرزتے ہاتھوں اگنیشن میں چابی گھمانے لگا۔

''سات......آٹھ......نو......دس......'' اسماعیل بلند آواز سے گنتا رہا۔ کار سٹارٹ کر کے اس نے سرعت سے پیچھے موڑی اور فل سپیڈ سے دوڑا دی۔ وہ بمشکل بیس میٹر جا سکا ہو گا کہ اسماعیل نے گنتی پوری کر کے موٹر سائیکل سنبھالی اور ایک مرتبہ پھر اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس نے جان بوجھ کر اسے جانے کا موقع دیا تھا کیونکہ یہاں پہ قتل کرنے کی بجائے وہ اسے کار سمیت آئی ای ڈی سے اڑانا چاہتا تھا تاکہ یہ کسی دہشت گردی کی کارروائی دکھائی دے۔ موبائل نکال کر اس نے تھانیدار کے نمبر پہ ٹرائی کی مگر نمبر بزی ملا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں روڈ پہ تھے۔ تھانیدار فل سپیڈ سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اسماعیل کے پاس بھی طاقتور موٹر سائیکل تھی جلد ہی وہ اس کے قریب پہنچ گیا لیکن اس نے اپنی بائیک بیس میٹر اس کی کار سے پیچھے ہی رکھی۔ جیسے ہی وہ معروف روڈ پہ پہنچا، اسماعیل نے ایک مرتبہ پھر اس کا نمبر ڈائل کیا اس مرتبہ اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ہا......ہا......ہا'' اس کا بلند بانگ قہقہہ اسے سنائی دیا۔''مسٹر اب تم مجھے نہیں پکڑ سکتے ......اب میں تمھارا جو حشر کروں گا وہ دنیا دیکھے گی...... تجھے چیر کے میں نے کتوں کے آگے نہ ڈالا تو میرا نام حاکم داد نہیں۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم گڑگڑا رہے تھے؟''

''کہتے ہیں ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنا لینا چاہیے۔''

"تو گدھے کے بچے......اگر میں یہ کہوں کہ تم اس وقت بارود کے ڈھیر پہ بیٹھے ہو تو؟"

"تمھاری اس بکواس یقین کرنا میری حماقت تھی۔اب تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔"

"چلو ٹھیک ہے تھانیدار حاکم داد میں تمھیں گڑیا کی پامالی کے جرم میں برابر کا حصہ دار سمجھتے ہوئے موت کی سزا سناتا ہوں۔"

"تم جیسے کتے صرف بھونک سکتے.........." مگر اس نے اسے فقرہ مکمل کرنے کا موقع نہ دیا اور بائیک روک کر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا۔اس ریموٹ کی رینج دو اڑھائی سو میٹر تھی۔ایک زوردار دھماکے کے ساتھ اس کی کار پرزے پرزے ہو کر بکھر گئی۔اس کی بھیانک چیخ اسے موبائل کے سپیکر میں سنائی دی تھی۔

"خس کم جہاں پاک۔" کہتے ہوئے اس نے بائیک آگے بڑھا دی۔راہگیر وغیرہ حاکم داد کی لاش کے قریب اکٹھے ہونے شروع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

مسلسل بجتے والی گھنٹی کو دلشاد امین نے نظر انداز کرنا چاہا مگر پھر گھنٹی کے تکرار سے تنگ آکر اس نے موبائل نکال کر دیکھا تو وہ انسپکٹر حاکم داد کی کال تھی۔وہ کال رسیو کرتا ہوا بولا۔

"یس؟"

"دلشاد صاحب! میں انسپکٹر حاکم داد بول رہا ہوں؟" اسے حاکم داد کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جی جناب پہچان لیا، خیر تو ہے......گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟"

"دلشاد صاحب خیر کہاں ہے......وہ خنزیر کا تخم اسماعیل شاہ میرا تعاقب کر رہا ہے میں اس وقت ساحل سمندر سے گول مسجد روڈ پہ آ رہا ہوں"

دلشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"وہ سڑک چھاپ آپ کا تعاقب کیسے کر سکتا ہے......کار روک کر دو جھانپڑ رسید کرو کہ اسے اپنی اوقات معلوم ہو جائے؟"

"سر پلیز......مجھے اپنی غلطی تسلیم ہے......اور اس وقت مجھے آپ کی مدد کی سخت ضرورت ہے؟"

"او کے میں آ رہا ہوں......تم اسی روڈ پہ سیدھے چلتے آؤ، گول مسجد سے جناح ہاسپٹل اور پھر وہاں سے اسمبلی ہال کراس کر کے ایم اے جناح روڈ سے پہ چڑھ جانا۔ویسے کسی بھی قریبی تھانے میں گھس کر تم نہ صرف یہ کہ اپنی جان بچا سکتے ہو بلکہ اسے گرفتار بھی کر سکتے ہو؟"

"اوہ تھینکس سر!......میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا تھا۔بہر حال میں یونہی کرتا ہوں۔" اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔دلشاد اس وقت گاڑی میں ہی تھا اور ایس پی صاحب کے پاس جا رہا تھا، حاکم داد کی کال رسیو ہوتے ہی اس نے گاڑی کا رخ ساحل کی طرف کر دیا۔

اسمبلی ہال کے قریب اس نے حاکم داد کا نمبر ڈائل کیا مگر نمبر بند ملا..... جناح ہاسپٹل سے ایک ایمبولینس نکل کر تیز رفتاری سے اس کے آگے آگے چل پڑی......وہ بھی اسی روڈ پہ بڑھتا رہا یہاں تک کے گول مسجد کراس کر کے وہ تھوڑا ہی آگے بڑھا ہوگا کہ ایک جگہ اسے لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔لوگ ایک تباہ شدہ کار کے قریب جمع تھے۔ایمبولینس بھی وہیں رک گئی۔ایک دو اخباری نمائندے بھی اسے وہاں گھومتے نظر آئے جبکہ پولیس ابھی تک نہیں پہنچی تھی اپنی کار وہاں پہ روکتے ہوئے اس نے ایک راہگیر سے پوچھا۔

’’کیا ہوا ؟‘‘

’’کار میں دھماکا ہوا ہے شاید کوئی خود کش بمبار تھا مگر اپنے ٹارگٹ تک نہ جا سکا رستے میں ہی اس کا کام ہو گیا ۔‘‘وہ ایک پولیس انسپکٹر کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے نیچے اترا اور ماہرانہ انداز میں جائے وقوعہ کا جائزہ لینے لگا۔جلد ہی اس کی تیز نظروں نے مرنے والے کے لباس کی وہ دھجیاں تلاش کر لیں جن میں جیب لگی تھی۔ادھ جلے کاغذات کو دیکھ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ پولیس انسپکٹر حاکم داد کی کار تھی جسے راہگیر خود کش سمجھ رہے تھے۔موبائل نکال کر اس نے ایس پی صاحب کو اس حادثے کی اطلاع دی ۔کچھ ہمدرد قسم کے راہگیر لاش کے ٹکڑے جمع کرنے میں مصروف تھے۔

’’اس کا مطلب ہے اسماعیل نے پہلے سے اس کی کار میں دھماکا خیز مواد فٹ کیا ہوا تھا ۔‘‘اس کے دماغ میں سوچ آئی کہ اس طرح بارود کو استعمال میں لانے والا بھی عام مجرم نہیں ہو سکتا تھا۔پولیس کے جائے وقوعہ پہ پہنچنے تک وہ وہیں موجود رہا۔جیسے ہی پولیس کی گاڑی پہنچی اس نے ان کے سینئر کو بلا کر اپنا تعارف کرایا۔

’’اسلام علیکم سر؟‘‘سب انسپکٹر اسے سیلوٹ کرتا ہوا بولا۔

’’جمال ؟‘‘وہ وردی پہ لگی نیم پلیٹ پہ اس کا نام پڑھتے ہوئے بولا۔’’یہ انسپکٹر حاکم داد کی کار ہے۔‘‘

’’اوہ نو! سر کیا وہ کار میں موجود تھا؟‘‘

’’ہاں.....میں نے اس سے اس کی شناخت کی ہے‘‘اس نے ادھ جلا شناختی کارڈ اس کے جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔’’بہر حال اب میں چلوں گا......آپ اپنی ڈیوٹی سنبھال لیں۔‘‘

’’سر!......اگر آپ ہمیں گائیڈ کرنے کے لیے موجود رہتے ؟‘‘

’’یار میں نے کسی ضروری کام سے ایس پی صاحب کے پاس جانا تھا،اگر میری معذرت قبول کر لیتے ؟‘‘

’’ٹھیک سر......میں سنبھال لوں گا ۔‘‘جمال نے اس سے مصافحہ کر کے الوداعی سیلوٹ کیا اور دلشاد سر ہلاتے ہوئے چل پڑا ۔وہاں سے وہ سیدھا ایس پی صاحب کے آفس پہنچا۔

’’دلشاد بہت افسوس ناک خبر سنائی ہے؟‘‘اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے ایس پی بولا۔

”سر!......اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں ......حاکم داد کو اپنے اعمال کی جزا ملنی ہی تھی، اصل مسئلہ اور ہے۔“

”وہ کیا ؟“ ایس پی نے دلچسپی سے پوچھا۔

”سر......! اسماعیل نے جس طریقے سے حاکم داد کو نشانہ بنایا ہے۔ یہ کسی عام مجرم کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ طریقہ کار تربیت یافتہ دہشت گردوں کا ہوتا ہے۔ اسماعیل کے ماضی کو دیکھیں تو وہ ایک شریف، پڑھا کو، اور عام سا جوان دکھائی دیتا ہے، جو جرم کی دنیا سے یکسر ناواقف ہو۔ پھر وہی جوان دو سال کی مدت کے بعد ایک ایسے تربیت یافتہ شخص کی صورت میں سامنے آتا ہے جو شہر کے نامی گرامی غنڈے کو تگنی کا ناچ نچا دے۔ اس کے محافظوں کے جھرمٹ سے اس کی بیٹی کو اغوا کر کے لے جائے۔ ایک پولیس انسپکٹر کو اس طرح بھری پری سڑک پہ کار سمیت اڑا دے۔ سر! یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ فاضل خان کے محافظوں کی کار بھی اس نے اسی طرح دھما کا خیز مواد سے اڑائی تھی۔ بہتر تو یہی تھا کہ ہم اسی وقت خبردار ہو جاتے۔ خیر اب بھی ٹائم نہیں گزرا ہمیں فی الفور اپنی خفیہ ایجنسی کو خبردار کرنا چاہیے جہاں تک میرا اندازہ ہے اسے تربیت دینے میں پڑوسی ملک کا ہاتھ ہے۔ اپنا انتقام لینے کے بعد اس نے انھی کے لیے سرگرم عمل ہو جانا ہے۔ یوں بھی را کا طریقہ کار یہی ہے کہ وہ وطن عزیز میں اسماعیل کی طرح کے مظلوم جوانوں کو ڈھونڈ کر اپنا آلہ کار بناتی ہے۔“ دلشاد کی بات ایسی نہ تھی کہ اسے نظر انداز کیا جاتا۔

ایس پی نے کہا۔” کچھ عرصہ پہلے جب تمھارا مسئلہ بنا تھا ہم نے انھیں زحمت دی تھی بدرالدین صاحب کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں۔ آپ ایسا کریں ان کے آفس چلے جائیں، بلکہ ٹھہرو میں بدرالدین صاحب سے ٹائم مانگ لیتا ہوں ۔“ یہ کہہ کر وہ موبائل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”اسلام علیکم سر!...... بدر صاحب کیسے ہیں ......حکم کیا کرنا ہے سر ایک مسئلہ سامنے آیا تھا بہتر سمجھا کہ آپ کے علم میں بھی لے آئیں......ٹھیک ہے سر انسپکٹر دلشاد امین ان سے مل کر سب کچھ بتا دیں گے......بس ابھی جا رہے ہیں ....او کے تھینکس سر، ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم کریں...... خدا حافظ ۔“فون بند کر کے وہ دلشاد سے بولا۔

” آپ ابھی جا کر عاطف صاحب سے مل لیں یہ وہی صاحب ہیں جو آپ سے ملنے کے لیے بھی آئے تھے۔ اپنے آفس میں آپ کے منتظر ہیں ۔“ یہ کہہ کر اس نے عاطف کے آفس کی لوکیشن بھی اسے بتا دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایس پی صاحب سے رخصت لے کر عاطف کے آفس کی طرف رواں دواں تھا۔ گیٹ پہ کھڑے دربان نے صرف اس کا نام پوچھا اور پھر بغیر کسی سے اجازت لیے اسے اندر جانے دیا یقیناً اس کے آنے کے بارے دربان کو پہلے سے مطلع کیا گیا تھا۔

” آئیں دلشاد صاحب......“ عاطف اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں کی ملاقات پہلے ہو چکی تھی اس لیے عاطف اس سے اچھی طرح واقف تھا رسمی گفتگو کے بعد وہ اصل موضوع پہ آ گیا۔

”جی دلشاد صاحب......فرمائیں کیسے ہماری یاد آ گئی ؟“

"عاطف صاحب بات کچھ لمبی سی ہے...... بہتر تو یہ ہے کہ پہلے آپ کافی منگوالیں تاکہ بعد میں گفتگو میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔"

"میں چائے کا کہہ چکا تھا بہرحال کافی کا بتا دیتا ہوں ....." عاطف ریسیور اٹھا کر چائے کی بجائے کافی کا بتانے لگا۔ کافی کے آنے تک وہ رسمی گفتگو کرتے رہے، کافی کے کپ سنبھالتے ہی دلشاد امین گویا ہوا۔

"عاطف بھائی یہ کہانی ہے ایک جوان کی جس کا نام سید اسماعیل شاہ غازی ہے ......"

عاطف قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ "نام کچھ جانا پہچانا لگ رہا ہے ؟"

"شاید ایسا ہی ہو ...... بہرحال آپ پہلے اس کی کہانی سن لیں پھر اس بارے سوچ لینا ۔"

"پلیز...... آپ بات جاری رکھیں۔"

"تو میں سید اسماعیل شاہ کے بارے بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے لیکن اس کے باوجود اس کے والد نے اسے ایم کام کی ڈگری دلائی اس کے بعد وہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہوا لیکن یہ پاکستان ہے یہاں کبھی کسی کو اس کی لیاقت کے بل بوتے پہ نوکری نہیں ملی۔ نوکری کے لیے کسی وزیر کی سفارش یا تگڑی قسم کی رشوت کام آتی ہے اور وہ ان دونوں سہولتوں سے تہی دامن تھا۔ مجبوراً اسے اسٹیل مل میں کام کرنا پڑا، ایک ماسٹر ڈگری جوان کے لیے لوہے کا کام ایک عجیب سی بات لگتی ہے مگر وہ یہ کر گزرا........." دلشاد امین نے اسماعیل شاہ کی ساری کہانی عاطف کے سامنے تفصیل سے دہرا دی۔ "اب پریشانی یہ ہے کہ ایک عام شہری نے بارود کا یہ استعمال کہاں سے سیکھا۔ مجھے شک ہے کہ اس میں پڑوسی ملک کا ہاتھ ہے "۔

"شک نہیں انسپکٹر صاحب! یقینی بات کہو...... اسماعیل شاہ کو میں نے پہچان لیا ہے...... پڑوسی ملک میں یہ اکیلا ٹریننگ حاصل کرنے نہیں گیا تھا، اس کے ہمراہ پندرہ بیس اور جوان بھی تھے۔ واپسی پہ سرحد عبور کرتے ہوئے باقی تمام تو ہمارے ہاتھوں مارے گئے لیکن یہ وہاں سے بھاگ گیا۔ ہم نے سوچا کہ شاید یہ وہیں صحرا میں کہیں مر کھپ گیا ہوگا مگر آج آپ کی زبانی پتا چل رہا ہے کہ یہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ پوری طرح سرگرم بھی ہے...... بہرحال انسپکٹر صاحب اب یہ ہمارا کام ہے آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ البتہ اس کے متعلق کوئی کام کی بات معلوم ہوتی ہے تو ہمیں ضرور مطلع کرنا ۔"

"ضرور سر! کیوں نہیں؟ ہمیں آپ اپنے شانہ بشانہ پائیں گے ۔" دلشاد امین جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت بہت مہربانی سر...... انشاءاللہ ملاقات ہوتی رہے گی۔"

اور دلشاد امین نے۔ "انشاءاللہ" کہتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"چلیں سر دروازے تک میں آپ کے ساتھ چلوں گا ۔" عاطف بولا اور دونوں کے قدم دروازے کی طرف اٹھ گئے۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر حاکم داد کی بتائی ہوئی جگہ سے پیسے وصول کرنے میں اسماعیل کو کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پیسوں کو محفوظ جگہ پہ ٹھکانے لگانے کے بعد اس نے اخبار کے تراشے پہ لکھا ہوا نمبر ڈائل کیا دوسری بیل پہ ہی فون ریسیو کر لیا گیا۔

''یس ؟'' ایک مترنم آواز نے اس کی سماعتوں پہ دستک دی۔

''شہزادی ؟'' دو سال کے عرصے میں گو شہزادی کا لہجہ اسے بھولا نہیں تھا مگر اس کی آواز وہ پہلی مرتبہ فون پہ سن رہا تھا اس لیے اسے پہچاننے میں دشواری پیش آئی۔

''آپ کون؟'' بولنے والی جواب دینے کی بجائے مستفسر ہوئی۔

''اسماعیل شاہ بات کر رہا ہوں؟''

''شاہ جی میں شہزادی کی سہیلی بات کر رہی ہوں..... میرا نام نیہا ہے۔ شہزادی اس وقت مشکل میں ہے اور اسے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ فوراً یہاں پہنچیں۔'' اس کے ساتھ ہی نیہا نامی لڑکی نے ایک ایڈریس دہرایا جہاں اسے پہنچنا تھا۔

''میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہتے ہوئے اسماعیل نے رابطہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل تیز رفتاری سے نیہا کے بتائے ہوئے ایڈریس کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے اسماعیل کہتے ہیں اور......''

''سر پلیز! آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔'' چوکیدار نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی اور اس کا نام سنتے ہی گیٹ کھولنے لگا۔ اس کے موٹر سائیکل پورچ میں کھڑی کر کے اترنے تک ایک پختہ عمر کا مرد جس کا لباس واضح طور پہ اس کے ملازم ہونے کی چغلی کھا رہا تھا اس کے قریب آ کر بولا۔

''اسلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام! نیہا بی بی کو بتاؤ کہ اسماعیل شاہ آیا ہے۔'' اسماعیل نے دوبارہ اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

''سر!..... وہ آپ کی منتظر ہیں۔'' ملازم بولا اور اسماعیل سر ہلاتا ہوا اس کی معیت میں چل پڑا۔ ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ صوفے پہ بیٹھی ایک شوخ و شنگ لڑکی پہ پڑی جو جدید تراش خراش کی شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔ اسماعیل شاہ کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کے اس کے جانب بڑھی اور بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''شاہ جی آپ آگئے ؟'' اس کے انداز با لکل ہی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اسماعیل شاہ سے پہلی بار مل رہی ہے۔

''آنا ہی تھا ! آپ نے خبر ہی ایسی سنائی ہے۔''

''اتنا چاہتے ہو شہزادی کو ؟'' اس نے شوخی سے آنکھیں مٹکائیں۔

''بات چاہت کی نہیں تعلق کی ہوتی ہے۔'' اسماعیل سنجیدگی سے بولا۔ وہ اتنی جلدی اس کے ساتھ بے تکلف نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''تعلق ہی سے چاہت پیدا ہوتی ہے۔'' وہ فلسفیانہ لہجے میں بولی۔

''مجھے شہزادی کی خیریت کے بارے جاننے میں زیادہ دلچسپی ہے۔'' اس نے فضول موضوع سے کنارہ کیا۔

''پلیز آپ بیٹھیں تو سہی۔'' اس نے کہا اور اسماعیل نے سر ہلاتے ہوئے صوفہ سنبھال لیا۔

''اب بتائیں...... طاہر صاحب کو کیا ہوا تھا اور شہزادی کس خطرے میں ہے ؟۔''

''طاہر صاحب کو انقلاب دشمن قوتوں نے شہید کیا ہے اور شہزادی کو اغواء کرنے والے بھی وہی ہیں۔''

جواب نیہا کی بجائے کسی مرد نے دیا تھا۔ اسماعیل نے چونک کر آواز کی سمت نگاہ اٹھائی وہ میجر روحیت تھا لیکن اسماعیل چونکہ اسے نہیں جانتا تھا اس لیے وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔

''آپ کون؟''

''میرا نام راحیل ہے اور طاہر صاحب رشتے میں میرے ماموں لگتے ہیں ہلکہ تھے۔'' روحیت کی آواز میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی۔

اسماعیل نے کہا۔'' وطن واپسی پہ میں انھیں ملنے گیا تھا مگر گھر میں کوئی بھی موجود نہیں تھا لگتا تھا وہاں آتشزدگی کا کوئی واقعہ ہوا ہو۔''

''آگ لگائی گئی تھی شاہ صاحب، انکل کو زندہ جلا دیا گیا۔'' روحیت نے صریحاً جھوٹ بولا۔

''اوہ تو......'' اسماعیل تاسف بھرے لہجے میں بولا۔'' اور شہزادی کا کیا ہوا ؟۔''

''مکان سے صرف انکل اور دو ملازموں کی لاشیں ملی تھیں۔ شہزادی اسی دن سے غائب ہے نہ اس کی لاش ملی اور نہ اس کا کچھ پتا چلا کہ وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔''

''تو پھر اس اشتہار کا مطلب ؟'' اسماعیل نے جیب سے اخبار نکالا۔

''فقط آپ کو تلاش کرنا۔''

''میں سمجھا نہیں ؟''

''شاہ جی!...... آپ کو حوالات سے فرار کرانا اور پھر اتنی سخت تربیت سے گزارنے کا کوئی مقصد تھا۔ بلکہ اس بارے آپ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ آپ تین سال ہماری جدوجہد میں شریک رہیں گے۔ تین سال کے بعد آپ کی مرضی کہ آپ ہمارے ساتھ رہتے ہیں یا اپنے لیے کوئی دوسری راہ اختیار کرتے ہیں۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''صحیح کہا...... مگر اس کے ساتھ یہ بھی طے ہوا تھا کہ میں انتقام لینے کے بعد ہی میں آپ کو جوائن (Join) کروں گا۔''

''ہم بھی اسی بات کے منتظر تھے مگر اب ایک ایسا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کو زحمت دینا پڑ گئی۔''

''انتقام لینا میرے لیے ہر مسئلے سے مقدم ہے۔'' اسماعیل صاف گوئی سے بولا۔

''شاہ جی!...... ہم نے ہی آپ کو دشمن کے سامنے سینہ تان کر جانے کے قابل بنایا ہے۔''

''مجھے کب انکار ہے؟''

''اور انکار کیا ہوتا ہے؟''

''راحیل بھائی!..... انکار تب ہوتا جب میں آپ کے احسان نہ مانتا...... مجھے چند ہفتوں کی مہلت درکار ہے اس کے بعد آپ مجھے اپنے شانہ بشانہ پائیں گے۔''

''شاہ جی ہم آپ کو کھونا نہیں چاہتے؟۔''

''کیا مطلب؟'' اسماعیل کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟...... ہم اپنے دوستوں کے حالات سے بے خبر ہیں...... بالکل نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے کس طرح اپنے دشمن کی بیٹی کو اغوا کیا، کیسے اس سے تاوان کی رقم وصول کی اور یہ قابل فخر کارکردگی ہے۔ مگر جب ہمیں یہ علم ہوا کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے۔ہمیں آپ سے ملاقات کی جستجو ہوئی اور اسی کے نتیجے میں آپ ہمارے سامنے ہیں۔''

''میری زندگی کو خطرہ...... مگر کس سے؟ اگر آپ کی مراد سیٹھ فاضل ہے تو وہ شروع دن سے ہی میرے خون کا پیاسا ہے۔''

''شاہ جی تجھے پتا نہیں ہے کہ پچھلے چند دنوں میں سیٹھ فاضل کی سیکورٹی کتنی سخت ہو گئی ہے۔ اس کی حفاظت کرنے والوں میں اس کے ملازمین کے ہمراہ پولیس اور خفیہ ایجنسیاں بھی شامل ہیں۔ درپردہ آپ کو پڑوسی ملک کا جاسوس قرار دے دیا گیا ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تیرا پڑوسی ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہاں قصور کی بجائے صرف الزام دیکھا جاتا ہے۔ اگر ملزم غریب ہو تو اس سے ناکردہ جرائم کا اقرار کرانا ان ایجنسیوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بلکہ اس ضمن میں تو آپ کو کافی تجربہ ہے آپ پہ تو یہ بیت چکی ہے کہ سگی ماں کا قتل آپ کے سرمنڈھ دیا گیا۔''

''جانتا ہوں۔'' اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا۔''لیکن یہ بات مجھے فاضل خان کی دشمنی سے باز رکھنے والی نہیں ہے۔ بلکہ اس ضمن میں میں کوئی مشورہ بھی قبول نہیں کر سکتا۔''

''شاہ جی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کو فاضل خان سے صلح کا مشورہ نہیں دے رہا، صرف اتنی عرض کر رہا ہوں کہ آپ تھوڑا عرصہ منظر عام سے ہٹ جائیں تاکہ سیٹھ فاضل، اس کے آدمی اور پولیس وغیرہ آپ کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ بس ان کے غافل ہوتے ہی ایک مرتبہ پھر فاضل خان پہ چڑھائی کر دینا۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"راحیل صاحب پہلے کافی انتظار کر چکا ہوں، اب مزید انتظار میری برداشت سے باہر ہے۔"

"تو یار اس کی بیٹی اور بیوی موجود ہیں ان پہ غصہ نکال لو...... بلکہ یوں کرتے ہیں اس کی بیٹی کو اغواء کر کے اس کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو اس نے آپ کی بہن کے ساتھ کیا تھا اور اس منظر کو فلما کر مولوی فاضل خان کو بھیج دیں گے تا کہ اس کی بھی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں۔"

اسماعیل بمشکل اپنے غصے پہ قابو پاتا ہوا بولا "راحیل صاحب !! اس کمینے کے گناہوں کی سزا اس کی بے گناہ بیٹی کو دینا کہاں کی عقل مندی ہے...... اور دوسرا اگر ہم اس کی بیوی و بیٹی کو نشانہ بنا سکتے ہیں تو خود اسی کو کیوں نہ اغواء کر لیں ؟"

اسماعیل کے چہرے پہ ظاہر ہونے والے غصے کے تاثرات اس کے لیے حیران کن تھے۔ مگر وہ انھیں نظر انداز کرتا ہوا اطمینان سے بولا "اس کی سیکورٹی بہت سخت ہے...... اور جہاں تک اس کی بیٹی کے بے گناہ ہونے کا تعلق ہے تو آپ کی بہن بھی تو بے گناہ تھی، جو آدمی دشمن کی عزت کو جنگ میں گھسیٹتا ہے اسے اپنی عزت کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"کیا ذاتی سیکورٹی کا اتنا خیال رکھنے والا اپنی فیملی سے غافل ہوگا؟"

"جان کا خوف ہو تو انسان سب کچھ بھلا دیتا ہے۔"

"راحیل بھائی !...... آپ ابھی بہ باتیں کر رہے ہیں۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ فاضل خان اور میرے بیچ دیوار بن رہے ہوں؟"

روہیت نے جلدی سے بات بنائی۔ "مجھے اس کمینے سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے، میری خوشی تو آپ کے ساتھ ہے۔ البتہ یہ بات سو فیصد درست ہے کہ میں فی الحال فاضل خان کے قتل کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ اس میں سراسر آپ کا نقصان ہے۔ گرم کھا کر منہ جلانے سے بہتر ہے کہ بھوک برداشت کر کے اسے ٹھنڈا کیا جائے۔"

"اگر زندہ بچا تو ہفتے ڈیڑھ تک آپ کے پاس آجاؤں گا" اسماعیل جانے کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔ "اور اس کے بعد میں وعدے کے مطابق آپ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہوں گا۔"

"شاہ جی پلیز ایک منٹ بیٹھیں تو سہی۔" روہیت نے اسے بازو سے تھام کر صوفے پہ بٹھایا۔ "آپ یوں کریں آج کی رات ہمیں مہمان نوازی کا موقع دیں اور اس دوران ٹھنڈے دماغ سے سوچیں میری بات میں آپ کو وزن نظر آئے گا۔ جوش میں ہمیشہ کام بگڑتا ہے۔"

اس کا اصرار دیکھ کر اسماعیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "راحیل بھائی وہ شاعر کہتا ہے نا؟

علاج یہ ہے کہ مجبور کر دیا جاؤں
وگرنہ یوں تو کسی کی نہیں سنی میں نے

تو بھائی مشکل ہے کہ ساری رات سوچنے کے بعد بھی میری رائے بدل پائے۔"

"سوچنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے نا؟ اور نہ اس پر پیسے خرچ ہوتے ہیں۔"

"چلو آج کی رات یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔" اسماعیل نے صوفے پہ بیٹھی نیہا کو گہری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ وہ اسی کے جانب متوجہ تھی اور اسماعیل کے اس طرح گھورنے پہ بھی اس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تھینک یو شاہ جی! ...... ویسے ہم اپنی سی پوری کوشش کریں گے کہ آپ کو مجبور کر دیں۔" اور اس کی بات پہ اسماعیل نے پھیکا سا قہقہہ لگایا مگر اس کا دماغ اس پہیلی کو سلجھانے میں الجھا ہوا تھا کہ آخر راحیل اسے روکنے کی کوشش میں کیوں ہلکان ہو رہا ہے۔

☆......☆......☆

"سیٹھ صاحب! کوئی عاطف صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" نورل، سیٹھ فاضل کی تنہائی میں مخل ہوا۔

"یہ کون ذات شریف ہے؟" سیٹھ فاضل کے لہجے میں حیرانی تھی۔ "بہر حال بھیجو۔" اور نورل سلام کہتا ہوا الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ اس کی دوبارہ آمد ایک خوبصورت نوجوان کے ساتھ ہوئی۔ سیٹھ فاضل کو وہ یونیورسٹی کا طالب علم لگا۔ اس نے سوچا شاید وہ حنا کو کوئی کلاس فیلو ہے۔ مگر اس کا سنجیدہ و متین چہرہ، پراعتماد انداز، پراسرار آنکھیں کوئی اور کہانی سنا رہی تھیں۔ فاضل خان نے اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے اس کا جائزہ لیا لیکن اس نے اس کے جانب مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"مجھے عاطف کہتے ہیں اور میرا تعلق انویسٹی گیشن ایجنسی سے ہے۔" وہ بھی اس سے ہاتھ ملائے بغیر اس کے سامنے نشست سنبھالتا ہوا بولا۔ یہ تعارف فاضل خان کی سرد مہری توڑنے کے لیے کافی تھا۔ وہ پہلو بدلتا ہوا خوشگوار لہجے میں بولا۔

"کیسے زحمت فرمائی؟"

"اسماعیل شاہ کے بارے کچھ معلومات لینا تھی؟"

"اس کے بارے ہم کم ہی جانتے ہیں...... بہر حال پوچھیں شاید آپ کی مطلوبہ معلومات ہمارے علم میں ہو۔"

"تمہارے مابین دشمنی کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"کوئی خاص نہیں ہے......؟ اسے آپ ایک کم فہم اور جذباتی جوان کی ہٹ دھری کہہ سکتے ہیں۔"

"سیٹھ صاحب میں بجھارتیں بوجھنے نہیں آیا...... اور نہ میرا تعلق پولیس کے محکمے سے ہے، یہ بات ذہن میں رکھ کر جواب دینا۔ بیان کا معمولی سا تضاد آپ کو انویسٹی گیشن سیل کی سیر کرا سکتا ہے اور وہاں عموماً لوگ وہ باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو وہ شعوری طور پہ بھلا چکے ہوں۔" عاطف کے دھیمے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ فاضل خان جیسا مضبوط اعصاب کا آدمی بھی ایک مرتبہ کانپ گیا۔ وہ خاموش کھڑے نورل سے مخاطب ہو کر بولا۔

''نورل تم باہر جاؤ۔''

اور وہ ''جی سیٹھ صاحب۔'' کہتا ہوا الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

''سیٹھ صاحب ایک اور بات ذہن میں رکھنا...... مجھے تمھارے کسی جرم سے کوئی واسطہ نہیں اگر وہ جرم پاکستان سے غداری کے زمرے میں نہیں آتا۔''

سیٹھ فاضل خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتا ہوا بولا۔

''ہم نے اسماعیل شاہ سے اس کا گھر خریدنے کا ذکر کیا تھا کہ ہم وہاں پہ ایک پلازہ بنانے کے خواہش مند تھے۔ جواباً اس نے ہمارے منہ پہ تھپڑ مار دیا اور یہی بات ہمارے درمیان دشمنی کی وجہ بنی۔ اسی دوران اس کی بہن کسی آشنا کے ساتھ ایک بدنام ہوٹل میں پکڑی گئی۔ متعلقہ تھانیدار نے اسماعیل شاہ اور اس کے والد کو تھانے بلا کر ہلکی سی تنبیہ کی۔ اس کا مقصد فقط اس کی بہن کی اصلاح تھا مگر اسماعیل کا والد یہ بات برداشت نہ کر سکا اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ چل بسا، بہن نے پچھتاوے کی وجہ سے گاڑی کے سامنے چھلانگ کر خودکشی کر لی جبکہ اپنی ماں کو اس نے بہن کی غلط حرکات سے بے خبر رکھنے کے جرم میں خود ہی ہلاک کر دیا۔ لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ بیٹی کو اس راستے پہ ڈالنے والی اس کی ماں تھی اور اسی وجہ سے اسماعیل نے ماں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ خیر کچھ بھی تھا وہ تھانے جا پہنچا۔ اب واللہ عالم تھانے سے وہ کس طرح فرار ہوا یہ کوئی نہیں جانتا۔ فرار ہو کر وہ کہاں چھپا رہا اس بات سے بھی کم از کم ہم لاعلم ہیں۔ بس اتنا پتا ہے کہ چند دن پہلے اچانک اس نے ہماری گڑیا کو اغوا کر لیا اور ایک بھاری رقم تاوان میں طلب کی جو ہم نے ادا کر دی۔ بدلے میں اس نے بے بی کو رہا کر دیا ۔اس کے علاوہ ہم اس کی کسی بات سے واقف نہیں ہیں۔''

''سوچ لو سیٹھ صاحب، ایک موقع اور دیتا ہوں، شاید اس کے بعد بیان بدلنے کا موقع نہ ملے؟''

''اس کی بہن کو تھانیدار نے ہماری مخبری پہ پکڑا تھا۔''

''آپ کیسے پتا چلا کہ وہ غلط سرگرمیوں میں ملوث ہے؟''

''اصل میں ہم نے اسماعیل سے بدلا لینے کے لیے اسے اغوا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی نگرانی کرائی گئی ۔جب پتا چلا کہ وہ لڑکی تو اس قسم کے کردار کی مالک ہے تو ہمیں اپنا پروگرام بدلنا پڑا اور بجائے اغوا کرانے کے ہم نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑوا دیا تاکہ اسماعیل کے خاندان کی بدنامی ہو۔''

''میرا خیال ہے انویسٹی گیشن سیل میں ہی اپنی گفتگو بہتر رہے گی؟'' عاطف نے نشست چھوڑ دی۔

''سچ...... جناب اس کی بہن ایسی نہیں تھی...... میرے کہنے پہ تھانیدار نے اسے بے گناہ گرفتار کیا تھا۔ جبکہ اس کی ماں کو شیر خان نے ہلاک کیا تھا جسے پچھلے دنوں قتل کر کے اسماعیل شاہ نے اپنا بدلا لے لیا۔ البتہ اس کی بہن کی خودکشی اور باپ کی موت میں میرا کوئی ہاتھ

نہیں ہے۔'' گھبراہٹ میں سیٹھ فاضل کو اپنی بولی بھی بھول گئی تھی۔

''لڑکی کی اجتماعی عصمت دری کی گئی تھی؟''

وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔ ''لڑکی جوان تھی اور کافی خوبصورت تھی میرے آدمی خود پہ قابو نہ رکھ سکے۔ بعد میں، میں نے انھیں سزا دی اور لڑکی کو بھی رہا کر دیا تھا لیکن وہ جان پر کھیل گئی۔ مجھے اگر ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ یوں کرے گی تو میں اس کے جذبات تھمنے تک اپنی قید میں ہی رکھتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی اتفاق ہے کہ اس کی عصمت دری کرنے والے چاروں آدمیوں کو بھی اسماعیل شاہ ہلاک کر چکا ہے۔''

''خوبصورت تو تیری بیٹی بھی ہے...... اس کا مطلب ہے اسماعیل شاہ کافی حوصلے اور ظرف کا مالک ہے کہ ایسے دشمن کی بیٹی کی عزت کو بھی محفوظ رکھا...... بہر حال یہ تیرا اور پولیس کا مسئلہ ہے میں اس کے بیچ میں نہیں آؤں گا مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا تم اس شخصیت تک میری رہنمائی کر سکتے ہو جس نے اسماعیل شاہ کو حوالات سے فرار کرایا تھا؟''

''نہیں...... لیکن آپ انسپکٹر حاکم داد سے معلوم کریں شاید وہ جانتا ہو''۔

''اس سے پوچھنے کے لیے حشر کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کک...... کیا مطلب؟''

''وہ بھی اللہ کے کرم اور اسماعیل شاہ کی مہربانیوں سے صاحب قبر ہو گیا ہے۔''

''یعنی......؟''

''جی بالکل...... اس کی کار کو بھی بعینہ اسی طرح دھماکے سے اڑایا گیا ہے جیسے تیری بیٹی کے محافظوں کی کار اڑائی گئی تھی۔''

فاضل خان نے پیشانی پہ نمودار ہوتے پسینے کے قطروں کو پونچھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ اسماعیل شاہ تو کافی خطر ناک ہو چکا ہے، کہیں اس کے تعلقات ملک دشمن عناصر تو استوار نہیں ہو گئے؟''

''جس ملک میں انصاف کی یہ صورت حال ہو وہاں کے نوجوانوں کو ملک دشمن عناصر بننے میں دیر نہیں لگتی...... اسے اس حال میں پہنچانے کے ذمہ دار سراسر آپ ہیں۔'' اور عاطف کی بات نے فاضل خان کو سر جھکانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''میں آپ کی بیٹی سے بھی ملنا چاہوں گا ؟''

''وہ بیمار ہے۔''

''کوئی بات نہیں...... چند باتیں ہی پوچھنی ہیں۔''

''اگر کل آ کر مل لیتے؟''

''کل شاید اسے میرے دفتر تشریف لانا پڑے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''پھر آج ہی مل لیں۔'' فاضل خان جلدی سے بولا۔

''چلو پھر'' عاطف نے اٹھنے میں پہل کی اور سیٹھ فاضل اس کے ہمراہ کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

''مدھو! کیا خیال ہے تم چند دن تک اسے سنبھال لوگی ؟'' اسماعیل سے نیہا کے روپ میں ملنے والی لڑکی سے میجر روہیت مخاطب تھا۔

''مہاراج! میں اپنی سی کوشش کروں گی، حتمی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ یوں بھی اس کی طبیعت سے میں ناواقف ہوں۔''

''سب مردوں کی فطرت ایک جیسی ہی ہوتی ہے بے بی۔'' روہیت ناصحانہ لہجے میں بولا۔

''مہاراج! مجھے تو یہ کافی خطرناک نظر آرہا ہے۔''

''خطرناک وہ اپنے دشمنوں کے لیے ہے، ایسے آدمی عورت ذات کے لیے بہت نرم ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں اس نے اپنے دشمن کی بیٹی کو اغوا کیا تھا مگر پھر بغیر کچھ کہے آزاد کر دیا۔''

''مہاراج اس کا مطلب تو یہی بنتا ہے کہ اسے عورت ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟''

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے اس کا ٹریننگ سنٹر کا ریکارڈ میں نے منگوا کر چیک کیا ہے۔ یقین کرو لڑکیوں کی اکثریت کا منظور نظر بھی تھا۔ وہاں تو اس نے کسی کو مایوس نہیں کیا۔ اسی طرح جس شہزادی کا نام سن کر یہ بھاگا چلا آیا ہے اسکے ساتھ بھی کافی خوشگوار لمحے گذار چکا ہے..... شراب پینے پہ آئے تو پانی کی طرح پیتا ہے۔ لیکن شراب نوشی کا دارومدار اس کے اپنے موڈ پہ ہے عادی شرابی نہیں ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ہفتوں شراب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا البتہ خوبصورت لڑکی کی طرف سے دی گئی پینے کی دعوت کو کم ہی ٹھکراتا ہے۔''

''سر آپ، اسے بڑی گہرائی میں جانتے ہیں؟''

''بیوقوف! بتایا تو ہے ٹریننگ سنٹر سے اس کا ریکارڈ منگوا کر چیک کیا ہے۔''

''سوری سر میں دھیان سے آپ کی گفتگو نہیں سن پائی تھی۔''

''اچھا اب تمھیں سمجھ آ گئی ہے کہ تو نے کیا کرنا ہے ؟''

''سر!..... مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اسے انتقام سے کیسے باز رکھ سکوں گی؟''

''اگر یہ بھی میں نے بتانا ہے، تو پھر تیری ٹریننگ کا مقصد؟''

''او کے سر!..... میں اپنی سی کوشش کرتی ہوں'' مدھو نادم ہو گئی تھی۔'' لیکن اگر وہ کسی صورت نہ مانے تو پھر؟''

''یہ فقرہ تم ایسے ادا کرتیں کہ، اگر میں اسے کسی صورت روکنے میں کامیاب نہ ہو سکوں پھر..... تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''مہاراج میں کوشش کروں گی کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔''

''یہ میرا نہیں، بھارت ماتا کا کام ہے۔''

''جج...... جی مہاراج'' مدھو، روہیت کے مسلسل طنزیہ انداز سے گھبرا گئی تھی۔

''میں اب چلوں گا...... تم اس کے پاس پہنچو اس نے کھانا کھا لیا ہوگا۔ میرے بارے استفسار کرے تو بتا دینا کہ ضروری میٹنگ کے لیے گیا ہوا ہوں۔''

''ٹھیک ہے مہاراج'' وہ سعادت مندی سے بولی اور روہیت جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

''سیٹھ صاحب!...... میں اپنی بہن سے اکیلے میں گفتگو کرنا چاہوں گا۔'' حنا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ سیٹھ فاضل سے مخاطب ہوا۔

''عاطف صاحب وہ کوئی مجرم نہیں ہے؟''

''ہاں...... مگر آپ ہیں؟'' عاطف دھیمے لہجے میں بولا۔ اس طرح کہ حنا اس کی آواز نہ سن سکے۔

''مم...... میں...... ٹھیک ہے، آپ نے بے بی سے جو پوچھنا ہے پوچھ لیں میں ڈرائنگ روم میں آپ کا منتظر ہوں۔'' سیٹھ فاضل جلدی سے بولا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ بظاہر کالجیٹ نظر آنے والے اس نوجوان میں ایسی کون سی بات تھی جو اس پہ گھبراہٹ طاری کر رہی ہے۔ شاید ایجنسی کے نام نے اسے حواس باختہ کیا ہوا تھا۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی عاطف اعلیٰ کوالٹی کا امپورٹڈ کمبل اوڑھے حنا کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے گولی لگی ہے۔ سیٹھ فاضل نے بھی فقط اس کی بیماری کا ذکر کیا تھا۔ اس کے دلکش چہرے پہ چھائی ہلکی زردی سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کافی سیریس ہے۔ مگر وہ بیماری بھی اس کی دلکشی کو گہنا نہیں سکی تھی۔ اس کے ذہن میں جون ایلیا کا شعر گونجا۔

جو رعنائی نگاہوں کے لیے سامان جلوہ ہے لباس مفلسی میں کتنی بے قیمت نظر آتی
یہاں تو جاذبیت بھی ہے دولت ہی کی پروردہ یہ لڑکی فاقہ کش ہوتی تو بد صورت نظر آتی

مگر پھر اسے یہ شعر بے محل لگا۔ کیونکہ اگر وہ غریب بھی ہوتی تو لاکھوں میں نمایاں نظر آتی۔ عاطف اسماعیل شاہ کے ظرف کا معترف ہو گیا جس نے ایسی خوبصورت لڑکی کی عزت پہ حرف نہیں آنے دیا تھا۔

''شاید اس کے معصوم چہرے نے اسے غلط ارادے سے باز رکھا ہو؟'' عاطف کے ذہن میں ایک امکانی سوچ ابھری۔ اس نے سر جھٹک کر ان لاتعلق خیالات سے پیچھا چھڑایا اور حنا سے مخاطب ہوا۔

''آپ کا نام حنا ہے نا؟۔''

''جی۔'' صورت کی طرح اس کی آواز بھی دلکش تھی۔

''آپ کو حنا بہن کہہ سکتا ہوں؟''

''خوش قسمتی ہوگی میری......یوں بھی بھائی کے رشتے سے تہی دامن ہوں۔''

''اچھا بہن!......آپ سے تھوڑی سی معلومات لینی تھی لیکن اس سے پہلے اگر آپ اپنی بیماری کی وضاحت کر دیں کہ کیا ہوا ہے آپ کو کب سے طبیعت خراب ہے اور علاج وغیرہ کی کیا صورت حال ہے؟۔''

''بھائی چند دن پہلے مجھے پیٹ میں گولی لگی تھی آپریشن سے نکالنی پڑی بہر حال اب کافی بہتر ہوں۔کل ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر آئی ہوں۔''

''گولی؟ مگر کیسے؟'' عاطف کا لہجہ حیرانی سے پر تھا۔

''پاپا کے ایک دشمن نے میرے ایک محافظ کو گولی مارنی چاہی میں نے اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا تو گولی غلطی سے مجھے لگ گئی۔''

''کون دشمن؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اسماعیل شاہ۔''

''میں نے تو سنا ہے کہ اس نے تجھے بغیر کوئی نقصان پہنچائے رہا کر دیا تھا؟''

''یہ واقعہ اس کے بعد پیش آیا ہے۔''

''وضاحت کرنا پسند کرو گی۔''

''میں پاپا اور اسماعیل کے درمیان صلح کرانے کی خواہش مند تھی۔اس سلسلے میں میرا اس سے رابطہ ہوا اس نے مجھے پیراڈائز ہوٹل میں بلوایا، میں پاپا کی لاعلمی میں اس سے ملاقات کے لیے گئی، میرے محافظوں نے پاپا کو اطلاع کر دی۔پاپا نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کیا جائے مگر اس نے میرے دونوں محافظوں پہ قابو پا لیا اور جب انھیں گولی مارنی چاہی تو میں آڑے آ گئی اور محافظ کے حصے کی گولی کا شکار ہو گئی۔''

''اس سے رابطہ کیسے ہوا؟''

''وہ......میرا فون اسی کے پاس رہ گیا تھا نا......تو میں نے اسی نمبر پہ اس سے رابطہ کیا۔'' حنا کو احساس ہوا کہ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ بول گئی ہے۔لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''اس کا مطلب ہے وہ نمبر ابھی تک اس کے استعمال میں ہوگا۔''

''شاید۔''

''گڈ..... یہ ہوئی نہ بات۔ اب نہیں بچ سکے گا؟''

''کک..... کیا مطلب؟'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''فون نمبر سے کسی کی لوکیشن معلوم کرنا ہمارے لیے نہایت آسان ہے ..... آپ ذرا اپنا نمبر بتائیں؟''

''وہ..... میں..... دراصل بھیا نمبر مجھے زبانی تو یاد نہیں ہے میں ڈائری میں دیکھ کر آپ کو بتا دیتی ہوں۔''

''اپنا نمبر یاد نہیں ہے؟'' اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''بھیا میں ہوں ہی بھلکڑ ٹائپ'' وہ نظریں چراتی ہوئی بولی، عاطف کا ماتھا ٹھنکا، دال میں کچھ کالا تھا۔ لیکن وہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے بعد میں بتا دینا فی الحال یہ بتاؤ کہ اسماعیل سے صلح کرنے کا خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا؟ اور اس ضمن میں اس سے کیا گفتگو ہوئی؟''

''وہ پاپا کا جانی دشمن ہے اور میں پاپا سے بہت محبت کرتی ہوں۔ قید کے دنوں، میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ دل کا برا نہیں ہے، اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے امید تھی کہ میری درخواست پہ غور کرتے ہوئے وہ پاپا کی جان بخشی کر دے گا..... لیکن افسوس پاپا کی جلد بازی کی وجہ سے بات چیت شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گئی۔''

''لیکن سیٹھ صاحب ہر لحاظ سے اس سے برتر ہیں۔ ایک اکیلا جوان سیٹھ صاحب کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لیے تو آپ کے والد کے ملازم کافی ہیں۔''

''بھائی وہ غیر معروف شخص ہے۔ نہ اس کا گھر بار ہے، نہ رشتا دار ساتھی اس کے لیے چھپ کر رہنا آسان ہے۔ جبکہ پاپا ایک مشہور و معروف شخصیت ہیں وہ تو گھر میں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتے نا؟''

''اچھا یہ بتاؤ اسماعیل کیسا آدمی ہے؟..... یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میرا تعلق پولیس سے نہیں خفیہ ایجنسی سے ہے۔ اور ہمارے ہاں معافی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ملزم کا نظر آنا اور جہان فانی سے کوچ کرنا ایک برابر ہے۔''

''وہ ایک مظلوم شخص ہے بھیا۔'' حنا اتنی تیزی سے بولی کہ عاطف حیران رہ گیا۔ اس کا جذبات سے لبریز لہجہ اس کے اندرونی احساسات کی واضح ترجمانی کر رہا تھا۔ ''آپ نے اسے گولی نہیں مارنی۔ اگر مجھے سچے دل سے بہن کہا ہے تو بہنوں کی التجا بھائی نہیں ٹھکراتے اور اسی پیارے، مقدس اور لاڈلے رشتے کے مان پہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں کہ آپ نے اسے قتل کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔''

''وہ ایک مجرم ہے اور اس نے میری بہن کو حبس بے جا میں رکھا ہے۔ میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟''

''اسے مجرم بننے پہ مجبور کیا گیا ہے بھیا۔ ورنہ تو وہ نہایت شریف اور بے ضرر سا جوان ہے۔''

"ٹھیک ہے......لیکن میری چھوٹی بہن اس کی اتنی وکالت کیوں کر رہی ہے؟" عاطف ہنستے ہوئے بولا۔لیکن حنا جواب دینے کی بجائے نظریں چرا کر چھت کو گھورنے لگی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے چھوٹی؟" وہ اپنائیت سے بولا۔

"مجھے نہیں پتا؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"لیکن مجھے پتا ہے۔" عاطف سنجیدگی سے بولا "دیکھو چھوٹی......بہن بھائی کا اس موضوع پہ بات کرنا کچھ معیوب سا لگتا ہے لیکن پھر بھی میں ایک بات تیرے گوش گذار ضرور کروں گا۔تم عمر کے جس دور سے گذر رہی ہو یہ بہت نازک دور ہے۔انسان کے اندر چاہنے اور چاہے جانے کے جذبات بڑی شدت سے موج زن رہتے ہیں اور پھر جو اچھا لگنے لگے اس کی ساری برائیاں خوبیاں دکھائی دیتی ہیں۔انسان بھلے برے کی تمیز کھو دیتا ہے۔پیار، محبت، چاہت، عشق ایسی بیماریاں ہیں جنھیں میں کینسر سے زیادہ موذی سمجھتا ہوں۔ہمارے مذہب میں ایسی محبت کا کوئی تصور نہیں ہے۔یہ جو معاشرے میں ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں اور سوہنی مہیوال وغیرہ کے قصے مشہور ہیں اور جہلا بڑی عقیدت سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔اگر تم ان قصوں کہانیوں کو غور سے پڑھو تو تمھیں پتا چلے گا کہ ان کے اندر کس قدر گھٹیا محبت پیش کی گئی ہے۔بس زبان زد عام ہو گئے ہیں جاہل عوام میں پذیرائی مل گئی ورنہ خود سوچو ایک شادی شدہ عورت کا غیر مرد کے ساتھ بھاگ جانا یہ بے غیرتی ہے یا محبت۔اور پھر اس ضمن میں ہمارے ڈراموں اور فلموں وغیرہ نے بھی نوجوان نسل کو بڑا مس گائیڈ کیا ہے۔اس لیے یاد رکھنا کہ محبت صرف اس سے کرنی ہے۔جس سے تمھارے والد تمھاری شادی کر دیں اور بس۔ہمارا دین بھی اسی محبت کی تلقین و تائید کرتا ہے اور ہمارے رسم و رواج میں بھی اسی کی گنجائش ہے۔باقی والدین کبھی بھی اپنی اولاد کی برائی نہیں چاہتے۔آخری بات کہ محبت ہو جانا ممکن ہے کہ یہ انسان کی فطرت میں ہے لیکن جذبات کو کنٹرول کرنا وہ بھی عورت ذات کے لیے نہایت ضروری ہے۔اپنی عقل کو ہمیشہ دل پہ مقدم رکھو۔وہ ایک سکالر کہتا ہے نا۔

"Don,t trust your heart....because its not on the right side" تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔"ہاں بھیا......لیکن یہ سب کچھ مجھے بتانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"اگر جانتے بوجھتے انجان بن رہی ہو تو تمھاری مرضی......ورنہ اسماعیل شاہ اور تمھارا ملاپ ایک عجوبہ ہی ہو گا۔" اس کی وضاحت نے ایک بار پھر حنا کو نظریں چرانے پہ مجبور کر دیا۔وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"آ......آپ۔کیا کہہ رہے ہیں بھیا؟ میں نے ایسا کب کہا......مم......میں تو......اسماعیل کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔میں تو......؟"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تو نے سنا نہیں عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتے۔تمہارا لہجہ،انداز اور اسماعیل کے نام پہ آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک،دلی جذبات کی عکاسی کر رہے ہیں۔''

''بھیا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''اس نے اپنے لہجے میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''خیر چھوڑو......''عاطف نے اس موضوع کو طول دینا مناسب نہ سمجھا تم مجھے اپنا نمبر بتانے والی تھیں''

''وہ پاپا کے پاس موجود ہے اسی سے لے لینا۔''

''اچھا پھر اجازت دو......اگر اسماعیل شاہ کے متعلق کسی بھی بات کا علم ہو تو سیٹھ صاحب کی وساطت سے مجھ تک پہنچا دینا خدا حافظ۔''وہ جانے کے لیے مڑا۔

''بھیا.....''اس نے جھجکتے ہوئے اسے آواز دی۔

''جی ؟''وہ رکتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''اپنا خیال رکھنا......اور......''

''ہاں بولو......اور کیا؟''

''اور......اور میرا بھی خیال رکھنا۔''حنا گلوگیر لہجے میں بولی۔عاطف واپس مڑ کے اس کے قریب آیا اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''چھوٹی!......میں تمھیں اندھیرے میں نہیں رکھوں گا......گو اسماعیل شاہ مظلوم ہے اور اسے جرم کی راہ آپ کے والد نے دکھائی ہے،لیکن اب وہ اس راہ پہ کافی آگے نکل گیا ہے اگر وہ صرف مجرم ہوتا تو پرواہ نہیں تھی میں اسے تختہ دار سے بھی اپنے بہن کے لیے بچا کر لے آتا مگر اب ملک دشمن عناصر سے اس کے تعلقات کی خبریں آ رہی ہیں۔اگر یہ حقیقت ہے تو سوری میں اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ملک سے غداری میری نظر میں ناقابل معافی جرم ہے۔''

''ہو سکتا ہے یہ جھوٹ ہو ؟......ہو سکتا ہے وہ بے خبری میں ان کا آلہ کار بن گیا ہو؟......ہو سکتا ہے وہ مجبور ہو ؟......اور پھر اسے سدھرنے کا موقع بھی تو دیا جا سکتا ہے نا؟......آخر ایک انسان سے غلطی بھی تو متوقع ہے۔آپ کا قانون صرف جرم کیوں دیکھتا ہے،اس کے پس پردہ حقائق کو کیوں نظر انداز کر دیتا ہے؟''

''اوہ ہو!......میری چھوٹی سی بہن تو اچھی خاصی وکیل ہے۔''عاطف ماحول کا تناؤ کم کرنے کی خاطر ہلکے پھلکے انداز میں بولا ۔''بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ پکڑا گیا تو میں اسے سدھرنے کا موقع ضرور دوں گا لیکن اگر مقابلے میں مارا گیا تو اس کی قسمت۔''

''اگر میں اسے گرفتاری دینے پہ راضی کر دوں تو کیا آپ ضمانت دیتے ہیں کہ اس کی زندگی محفوظ رہے گی،اس پہ تشدد نہیں کیا

جائے گا، اور اسے انصاف ملے گا ؟''

''وہ کبھی بھی اس پہ راضی نہیں ہوگا...... الثاقم سے برگشتہ ہو جائے گا...... البتہ اس کی مرضی کے خلاف اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے؟''

''ہاں...... لیکن اس طرح میں اسے ہمیشہ کے لیے کھو دوں گی۔''

''چھوٹی!...... یاد رکھنا جس طرح وہ بے مہار پھر رہا ہے ایسے میں وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے گا اور ہو سکتا ہے اس سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جائے جس کی پاداش میں موت اس کا مقدر کردی جائے۔ تمھارے علم میں شاید نہ ہو پرسوں اس نے انسپکٹر حاکم داد کو بھی قتل کر دیا ہے۔ گو انسپکٹر کافی بدنام شخص ہے لیکن اس کا اگلا شکار کوئی بے گناہ بھی ہو سکتا ہے؟''

''ٹھیک ہے بھیا!...... میں آپ سے تعاون کروں گی لیکن اس سے پہلے کوشش کروں گی کہ اسے یوں ہی گرفتاری دینے پہ آمادہ کرلوں...... آپ ٹھیک کہتے ہیں اس طرح وہ زندہ تو رہے گا نا؟ اس کی سلامتی ہی میرا انعام ہوگی۔ اور پھر یوں بھی محبت کے لیے جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس کی موت شاید مجھ سے برداشت نہ ہو...... جدائی تو یوں بھی میرا مقدر ہے؟''

''گڈ'' عاطف تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

''بھیا مجھے علم نہیں ہے کہ میں اتنا بڑا رسک لینے پہ کیوں راضی ہوئی ہوں، یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ سمجھے گا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنے والد کو بچانے کے لیے کیا ہے...... لیکن خدا گواہ ہے یہ سب کچھ میں اس لیے کر رہی ہوں کہ اسے انصاف ملے...... اور لازم ہے اس طرح پاپا کو قانون کے کٹہرے میں جانا پڑے گا...... اور مجھے کیا ملے گا؟'' اس کے احساسات قطروں کی صورت آنکھوں سے ابل پڑے۔

''اپنی محبوب ہستیوں سے ہمیشہ کی جدائی۔ بھیا عجیب نصیب لے کے آئی ہوں۔ چاہتی ہوں پاپا کا سایہ ہمیشہ سر پہ برقرار رہے، انھیں کچھ بھی نہ ہو مگر یہ ممکن نہیں۔ اسماعیل کو سر کا تاج بنانا چاہتی ہوں یہ اس سے بھی گراں ہے...... اسماعیل کو گرفتار نہ کراؤں تو شاید دونوں میں سے ایک کو بچا لوں اور اس صورت میں یقیناً دونوں کو کھونا پڑے گا...... میں سچائی کا ساتھ دوں گی۔ مگر یاد رکھیے گا، آپ کو اپنا وعدہ ایفا کرنا پڑے گا اسے کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے، ہلکی سی گزند بھی نہیں پہنچنی چاہیے۔''

''اللہ تعالیٰ تمھیں ثابت قدم رکھے میری بہن...... اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسماعیل نے گرفتاری کے بعد سدھرنے کی کوشش کی تو اسے ضرور موقع دوں گا۔''

''نہیں کوشش نہیں......'' حنا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے یہ موقع لازماً دینا پڑے گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اسے اپنا حق مل جائے...... اس کے ساتھ یہ وعدہ بھی کرو کہ اس سے پوچھ گچھ کے لیے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔''

''تم مجھے بے دست و پا کر رہی ہو ؟''

''آپ جو بھی سمجھیں...... لیکن یاد رکھنا اس کے برعکس ہونے کی صورت میں میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ بہن کہا ہے تو

خیال رہے بہنیں کبھی بد دعا نہیں دیتیں لیکن اگر انھیں دکھ پہنچے تو ان کی آہیں اور سسکیاں بھائیوں کو سکون نہیں لینے دیتیں۔"

"اپنے بھائی پہ اعتبار کرو...... میں اسے بچانے کے لیے پورا زور لگاؤں گا لیکن تقدیر پہ میرا اختیار نہیں۔تم بھی مجھ سے اتنی ہی توقعات وابستہ رکھنا جتنا ایک انسان کا خاصا ہوسکتی ہیں۔میری منشا اور ارادے کے خلاف بھی کچھ ہوسکتا ہے...... ایسی صورت میں تمھیں اپنے بھائی کو معاف کرنا پڑے گا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی میں اسماعیل سے بات کرتی ہوں شاید وہ مان جائے...... دوسری صورت میں یہ کارروائی چند دن ٹھہر کر ہی ہو سکے گی تاکہ میں صحیح طور پہ چلنے پھرنے کے قابل ہوسکوں۔"

"کیا ابھی نہیں چل سکتی ہو؟"

"چل سکتی ہوں لیکن کمزوری ہے اور ہلکی سی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے۔زخم ابھی کچا ہے نا ؟ دو تین دنوں تک انشاءاللہ کچھ بہتری آجائے گی۔"

"انشاءاللہ۔" عاطف پرخلوص لہجے میں بولا۔"آج جمعرات ہے اتوار کے دن میں دوبارہ آؤں گا...... اس وقت تک خدا حافظ اور یہ میرا فون نمبر رکھ لو"اس نے کاغذ کے ٹکڑے پہ اپنا فون نمبر لکھ کر اس کے جانب بڑھایا۔"اگر کوئی اہم بات ہو تو مجھے ضرور مطلع کرنا۔"

"کیا بھائیوں سے صرف اہم باتیں ہی کی جاتی ہیں ؟"

وہ مسکرایا۔"ہاں! کیونکہ بہنوں کی ہر بات بھائیوں کے لیے اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔" اور حنا اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔"کیا اتنے مختصر وقت میں کوئی اتنا قابل اعتماد ہوسکتا ہے...... اتنا اپنا ہوسکتا ہے؟۔" اس نے عقیدت سے سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

فون کی گھنٹی اسماعیل کو کافی ناگوار محسوس ہوئی...... وہ حالت ہی ایسی تھی لیکن فون کرنے والے نے بھی قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اٹینڈ نہیں کرے گا، کال کیے کرتا ہی رہے گا۔جذبات کا طوفان تھمتے ہی اس نے تپائی پہ پڑا موبائل اٹھایا سکرین پہ اسے حنا کا نام چمکتا نظر آیا۔نیہا (مدھو) کو سائیڈ پہ دھکیلتا ہوا وہ بیڈ سے اتر آیا گلے لمحے وہ کال بیک کر رہا تھا۔

"بیل نہیں سنائی دیتی، بہرے ہوگئے ہو کیا؟" حنا کال اٹینڈ کرتے ہی اس پہ برس پڑی۔

"وہ میں...... کیا ہے کہ...... ہاں...... باتھ روم میں تھا۔"

"تو اتنا گڑبڑانے کی کیا ضرورت ہے......"

"بھاڑ میں گیا گڑبڑانا...... اتنی رات گئے کیوں کال کی ہے؟" خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے موضوع بدلا۔

”کیوں رات گئے کال کرنی منع ہے؟“

”منع تو نہیں ہے، لیکن پہلی مرتبہ اس ٹائم زحمت کی ہے، میں نے سوچا شاید کوئی ضروری بات ہو؟“

”نہیں بس گپ شپ کرنی ہے..... نیند نہیں آ رہی نا؟“

”پر مجھے تو آ رہی ہے۔“

”یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔“

”اچھا میں پانچ منٹ بعد رنگ کرتا ہوں۔“

”میں منتظر ہوں گی لیکن اپنے اصل نمبر سے بات کرنا، اب اس کنکشن کا استعمال ختم کر دو۔“

”میں سمجھا نہیں؟۔“

”مجھے پتا چلا ہے کہ کسی کو بھی موبائل نمبر کے ذریعے ٹریس (Trace) کیا جا سکتا ہے اور یہ نمبر پاپا کے پاس بھی ہے، ہو سکتا ہے کسی کے حوالے کر دے۔“

”اچھا اس بارے بعد میں بات کرتے ہیں۔“ اس نے رابطہ منقطع کیا اور کپڑے پہنتے ہوئے نیہا سے مخاطب ہوا۔

”محترمہ! آپ تشریف لے جا سکتی ہیں..... تعاون کا شکریہ۔“

”اتنی جلدی ابھی تک تو میرا جی نہیں بھرا۔“ وہ لاڈ سے بولی۔

”بس مجھ میں اتنی ہی ہمت تھی کمی بیشی کل پوری کر لینا۔“ اسماعیل کا انداز ایسا نہیں تھا کہ وہ بحث کر سکتی۔ دل ہی دل میں کال کرنے والی کو گالیاں دیتے ہوئے وہ کپڑے پہننے لگی۔ مطلب کی بات کی شروعات سے پہلے ہی اسے وہاں سے جانا پڑ رہا تھا۔ یوں بھی اس نے اندازہ لگایا کہ اسماعیل ٹیڑھی کھیر تھا مشکل سے ہی قابو آتا۔ اس کے رخصت ہوتے ہی اسماعیل دوبارہ حنا کا نمبر ڈائل کرنے لگا لیکن اس مرتبہ اس نے اپنے اصلی نمبر سے کال کی تھی۔

”جی اب بتائیں سیٹھ زادی صاحبہ آپ کو نیند کیوں نہیں آ رہی۔“

”دن رات بستر پہ پڑی رہتی ہوں نیند خاک آئے گی؟۔“

”تو کوئی کام کر لیا کرو نا..... ہفتہ تو ہو گیا ہے آپریشن کو؟“

”کام میں نے آپریشن سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اب اس حالت میں کیا کروں گی؟“

”یہ نہیں چلے گا محترمہ!..... مجھے تو کام کاج کی ماہر خاتون چاہیے۔ تم نرا نادان ہو۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم ابھی سے گھر کے کام میں دلچسپی لینا شروع کر دو یہ نہ ہو مجھے کوئی اور لڑکی ڈھونڈنی پڑے؟“

وہ تڑ کی بہ تڑ کی بولی۔ "مجھے بھی کسی پیسے والے کا رشتا درکار ہے، میرا دماغ خراب تو نہیں ہوا کہ فیکٹری کے مزدور کو پرپوز کروں۔"

صحیح کہا یوں بھی تم مل مالک کی بیٹی ہو وہ کیا کہتے ہیں۔

مل مالک کے کتے بھی چربیلے ہیں

لیکن مزدوروں کے چہرے پیلے ہیں

"آپ کا مذاق برحق اور میرا قابل گرفت ٹھہرا؟" اسماعیل کے طنزیہ انداز پر وہ یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

اسماعیل نے قہقہہ لگایا۔ "چندا قیدی تھیں تو تجھے اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر کھلاتا رہا ہوں، شریک سفر بن کر آؤ گی تو جانے کتنی ناز برداریاں اٹھاؤں گا؟"

"بس بس میں جانتی ہوں......؟"

"جب آؤ گی تو پھر یقین آجائے گا۔"

"اچھا چھوڑو اس بات کو۔ پتا ہے میں نے کس لیے فون کیا ہے؟"

"وہی تو پوچھا تھا، کہ محترمہ نے فرمایا گپ شپ کرنے کے لیے، اب کوئی اور بات نکل آئی ہے؟"

"آج خفیہ ایجنسی کا ایک آفیسر آپ کے بارے پوچھ گچھ کرنے آیا تھا۔ کیا بتاؤں کتنا، نائس اور اچھا آدمی ہے۔ مجھے تو اس نے بہن بنا لیا ہے......"

"ہاں پہلے پہلے بہن ہی کہتے ہیں......اصل حقیقت تو بعد میں کھلتی ہے"

"اے!......کیا مطلب؟......وہ سچ مچ میرا بھائی ہے......"

"اسی کی وجہ سے تو نے نمبر بدلنے کی بات کی ہے"

"صحیح کہا۔"

"اچھا شکل وصورت کیسی ہے؟"

"لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک ہے۔" حنا کے لہجے میں فخر کی جھلک تھی۔

"مجھ سے بھی خوبصورت ہے؟" اسماعیل بظاہر شرارت سے بولا مگر اس فقرے میں عجیب قسم کے اندیشے پنہاں تھے۔

"اگر میں کہوں ہاں۔"

"تو کیا......؟ ہوگا! میں نے کب کہا ہے کہ میں یوسف ثانی ہوں۔"

"کچھ جلنے کی بو آرہی ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''بالکل نہیں......میں نے حقیقت سے کبھی نظریں نہیں چرائیں۔''

''شاہ جی!......چاہتوں کا انحصار صورتوں پہ نہیں ہوتا۔اگر وہ اس سے کئی گناہ خوبصورت ہو تو کیا شاہ جی کی جگہ لے لے گا ؟ کبھی نہیں۔یہ دلوں کے سودے ہیں جانو......؟''حنا کے لہجے میں بلا کی چاہت موجزن تھی۔

''ہے نا پگلی......؟میں تو مذاق کر رہا تھا؟''کہتے ہوئے اس نے تپائی پر رکھی وسکی کی بوتل اٹھائی اور اس میں بچی شراب گلاس میں انڈیلنے لگا۔

''ایسا کبھی مذاقاً بھی نہ کہنا ......اور یہ آواز کیسی؟''

''بب......بب......پانی انڈیلا ہے بوتل سے۔''وہ گڑبڑا گیا تھا اسے شک ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا سوال کر سکتی ہے۔

''تمھیں میری قسم......پانی ہی ہے ناں؟''

''نہیں......کولڈ ڈرنک ہے۔''

''سچ کہو......شراب ہے نا؟''

''اگر میرا جواب اثبات میں ہو تو؟''

''ایک گھونٹ بھی نہ لینا اس خبیث محلول سے''۔

''تم میری ذاتیات میں کچھ زیادہ ہی دخیل ہو رہی ہو؟۔''

''میں نے کہا ایک گھونٹ بھی نہ لینا......اور تمھیں قسم ہے اگر تو نے پی تو میرا مرا منہ دیکھے۔''

''حنا!......بکواس کی ضرورت نہیں۔''

''میں کہہ رہی ہوں فی الفور یہ بوتل توڑ دو،ورنہ میں نے بھوک ہڑتال کر دینی ہے۔''

''بڑی آئی بھوک ہڑتال والی......یہ لو''اس نے گلاس دیوار پہ مارتے ہوئے بوتل بھی اس کے پیچھے اچھال دی۔شیشے کے ٹوٹنے کا واضح چھناکا سنائی دیا تھا۔''یہ ٹوٹ گئی ہیں۔تم کون سا ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہو۔''

''اب قسم کھاؤ میرے سر کی کہ اگر تو یہ پئے تو میرا مرا منہ دیکھے۔''

''اچھا ماں نہیں پیوں گا......نہیں پیوں گا......نہیں پیوں گا بس اب خوش۔''

''نہیں قسم کھاؤ۔''وہ مصر ہوئی۔

''میرے لیے اتنی اہم نہیں ہو کہ تیری قسم سے رک جاؤں۔''

''بھول ہے تمھاری۔''اس کا لہجہ حد سے زیادہ پراعتماد تھا۔''اور اگر آپ کے حیئں یہ سچ ہے تو پھر گھبرا کیوں رہے ہو؟''

وہ قسم کھاتے ہوئے بولا" اب یہ موضوع ترک کرو تم کچھ بتانے والی تھیں؟"

"ہاں...... عاطف بھائی بتا رہے تھے کہ آپ نے کسی انسپکٹر کا قتل کیا ہے؟"

"تو؟"

"تو یہ، کہ کیوں کیا ہے ایسا؟"

"میرے گھر کی بربادی اور بہن کی عصمت دری میں وہ برابر کا حصے دار تھا، کیا معاف کر دیتا اسے ؟"

"نہیں...... مگر قانون تو ہاتھ میں نہ لوناں؟"

"کیسا قانون؟ جو ایک مظلوم بیٹے کو ماں کا قاتل ثابت کرنے پہ تلا ہے، جو ایک معصوم لڑکی کو خودکشی کرنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ یہ قانون خود دعوت دیتا ہے کہ مجھے اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اگر اسے توڑنے پہ ہی مجھے انصاف ملے تو میں اسے توڑنے سے کیسے باز رہ سکتا ہوں؟"

"شاہ جی سمجھنے کی کوشش کرو...... کیا آپ نے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے انصاف کے حصول کی کوشش کی ہے؟"

"ہا...... ہا...... ہا...... قانون کے دائرے میں انصاف کا حصول...... ایسے چند لطیفے اور سنا دو کافی دنوں سے ہنسا نہیں ہوں؟"

"اچھا زیادہ ہی...... ہی کی ضرورت نہیں، ایک تجویز سنو۔"

"سنائیں جی...... اب تیری ہی سننی ہیں؟"

"عاطف بھائی کہہ رہے تھے کہ اگر آپ گرفتاری دے دیں تو وہ آپ کی ہر قسم کی مدد کریں گے، قانون کے دائرے میں رہتے میں آپ کو انصاف دلائیں گے، اور.........."

"Shut up stupid" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے چلایا۔

"شاہ جی پلیز۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔" آپ سمجھتے کیوں نہیں...... برے بھلے کی تمیز ہی کھو دی ہے آپ نے۔"

"ابھی تم مجھے برے بھلے کی تمیز سکھاؤ گی؟"

"ہاں سکھاؤں گی...... اور آپ کو میری بات ماننی پڑے گی۔"

"محترمہ! مانا کہ تمہیں اپنے والد سے بہت محبت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ محبت کے نام پہ مجھے قربانی کا بکرا بنا دو، اس ہمدردی میں سراسر تمہارے والد کا فائدہ ہے۔ میں بچہ تھوڑی ہوں کہ تمہاری باتوں میں آجاؤں...... اپنے محترم والد کو بتا دو کہ جو پٹی اس نے تجھے پڑھائی ہے میرے نزدیک ایک بھونڈے مذاق سے بڑھ کر نہیں ہے۔"

"اب میری محبت پہ بھی شک کرنے لگے ہو؟" حنا کا لہجہ دکھ سے پر تھا۔

"تیری تجاویز ایسا سوچنے پہ مجبور کر دیتی ہیں۔"

''شاہ جی!......میں کیسے بتاؤں کہ اسی میں آپ کی بہتری ہے۔میں آپ کو سرخرو دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''کسی اور موضوع پہ بات ہو سکتی ہے مس حنا فاضل علی خان؟''

''اچھا یوں ہے کہ آپ آج کی رات ٹھنڈے دل سے سوچیں کل............'' مگر اس کی بات ختم ہونے سے پہلے اسماعیل نے رابطہ منقطع کیا اور پھر موبائل آف کر کے تکیے کے نیچے رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔حنا کی ایسی تجاویز اسے متنفر کر دیتی تھیں۔اسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے باپ کی راہ کے کانٹے چن رہی ہو مگر جب اس کے رویے پہ غور کرتا تو خیال کرتا شاید وہ نیت نیتی سے ایسا کر رہی ہے۔ بہر حال کچھ بھی تھا اس کی یہ تجویز اسماعیل کے لیے ناقابل عمل تھی۔

☆......☆......☆

''تمھیں یقین ہے وہ اس کی بات مان جائے گا؟''

صدیقی صاحب کے استفسار پہ عاطف بولا۔''شاید نہیں۔''

''تو پھر؟''

''وہ اسے پکڑوا دے گی۔''

''اگر وہ اسے اتنا ہی چاہتی ہے تو یہ ناممکن لگتا ہے۔''

''نہیں!......وہ اس کی بھلائی چاہتی ہے۔اور اگر دیکھا جائے تو اسی میں اسماعیل کی بھلائی ہے۔اس کے ساتھ اس کا اپنا مفاد بھی اسی میں ہے۔''

تم اس سے کیا ہوا وعدہ نبھا پاؤ گے؟''

''ارادہ تو ہے نبھانے کا......اس ضمن میں انسپکٹر دلشاد امین بھی میرے کام آئے گا۔باقی امید ہے اسماعیل سے راکے ایجنٹوں کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوں گی شاید میجر روہیت کا اتا پتا بھی معلوم ہو جائے؟''۔

''یہ امکانی بات ہے......اور پھر تم نے اس بچی سے بھی وعدہ کیا ہے کہ اس پہ تشدد نہیں کرو گے جبکہ ایسے لوگ لاتوں کے بھوت ہوتے ہیں۔''

''دھمکا تو سکتا ہوں نا سر۔''

''اس کی بجائے اگر فون نمبر سے ہی اسے لوکیٹ (Locate) کرتے تو مناسب رہتا۔''

''سر میں غلطی سے حنا بہن کے سامنے اس بات کا اظہار کر بیٹھا تھا کہ فون نمبر سے کسی کو بھی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔اس کے بعد یہ بعید تھا کہ وہ اسماعیل کو اس بات سے بے خبر رکھتی۔''

''اب شاید اس نے اسماعیل کو باخبر نہ کیا ہو؟''

''لیکن میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں...... اور سچ کہوں سر وہ مجھے بالکل اپنی چھوٹی ہمشیرہ کی طرح عزیز لگنے لگی ہے۔''

''ویسے ٹرائی کر لینے میں کیا حرج ہے...... شاید اس طرح اس بچی کو بھی اسماعیل کے سامنے نادم نہ ہونے پڑے؟''

''وقت کا زیاں ہے سر!...... اس طرح اس کا پکڑا جانا یقینی نہیں ہے۔ یوں بھی میں اس پہ پکا ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں جبکہ اس صورت میں اس کے بدک جانے کا خدشہ ہے۔''

صدیقی صاحب مسکرائے۔ ''مطلب بہن کے کہنے پہ ہی چلو گے؟''

''سر!...... وہ بہت معصوم اور ہمدرد لڑکی ہے۔ سیٹھ زادی ہونے کے باوجود اگر آپ اس کا اخلاق دیکھ لیں تو حیران رہ جائیں گے؟''

''بہر حال دیکھ لو...... میں بدر صاحب کو اس کی اطلاع نہیں دے رہا۔''

''تھینک یو سر۔'' عاطف ممنونیت سے کہتے ہوئے جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دل سے حنا کی مدد کرنا چاہ رہا تھا آخر بہنوں کے لیے بھائیوں کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

☆......☆......☆

وہ ایک عجیب وغریب سچویشن میں گرفتار تھی۔ اسے باپ سے محبت تھی اور اسے قتل کرنے کی کوششوں میں مبتلا اسماعیل شاہ بھی اس کی سوچوں کا مرکز تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ گناہ گار ہے اور اسماعیل مظلوم۔ دونوں کے درمیان صلح کی کوشش کسی صورت کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ خصوصاً اسماعیل کو اس بات پہ راضی کرنے کی کئی مرتبہ کی کوشش کے باوجود نتیجہ صفر رہا تھا۔ اب اس جنگ کا خاتمہ دو ہی صورتوں میں ممکن تھا یا تو اس کا باپ اسماعیل کو قتل کر یا کروا دیتا جس کے بغیر اس کے لیے زندہ رہنے کا تصور ہی محال تھا۔ دوسری صورت میں اسماعیل اس کے باپ کو قتل کر دیتا جو انصاف کے نقطہ نظر سے صحیح تھا مگر اس کے بعد اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ ساری زندگی گزارنی چاہے وہ اس کا محبوب کیوں نہ ہوتا نہایت گراں تھا۔ وہ کیسے اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ خوش وخرم رہ سکتی تھی۔ ایسے حالات میں اس کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ وہ اسماعیل کو گرفتار کرا دے اور جائز قانونی طریقے سے اسے اس کا حق مل جائے اس طرح اس کے باپ کو جو بھی سزا ہوتی اس میں اسماعیل کو قصور وار ٹھہرانا انصاف کے خلاف ہوتا۔ لیکن اس میں یہ قباحت تھی کہ اسماعیل اس سے متنفر ہو جاتا وہ لازماً یہ خیال کرتا کہ اس نے اپنے باپ کو بچانے کے لیے یہ کھیل کھیلا ہے۔

''شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے میری بے گناہی کا یقین آ جائے۔'' ایک امید افزا سوچ اس کے دماغ میں ابھری۔

''مجھے چاہتا بھی تو ہے۔'' ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ کھیلنے لگی۔ اسے قید میں گزارے دن یاد آ گئے جب اس کے چہرے پہ غصے کے تاثرات ہوتے مگر آنکھیں کوئی اور کہانی سنا رہی ہوتیں۔

وہ آہستگی سے بیڈ سے اٹھ کر ٹہلنے لگی پیٹ کا زخم کچا تھا، مگر پہلے کی طرح چلنے پھرنے میں تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ یوں بھی اس کی ٹریٹ منٹ صحیح طریقے سے ہو رہی تھی اور اچھی دواؤں کے استعمال سے زخم بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

"پہلے اس کا عندیہ تو لے لوں۔" یہ خیال آتے ہی وہ موبائل نکال کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کافی کوششوں کے بعد ہی اس نے نمبر اٹینڈ کیا۔ اور پھر بات چیت کے خاتمے کے بعد وہ ذہنی طور پہ اسماعیل کو گرفتار کرانے کے لیے تیار ہو گئی۔ کہ اس صورت حال میں اسے اس کے علاوہ کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"یار وہ الو کی پٹھی تو بالکل ہی ناکام رہی ہے؟" روہیت سامنے بیٹھے رندھیر سے مخاطب ہوا۔

"سر!......کیا کہہ سکتے ہیں......؟ اس سے پہلے تو اس کی کارکردگی کافی اچھی رہی ہے؟"

"بڈھے کھوسٹوں کو بہلانا کون سا مشکل ہے؟......بات تو تب ہے نا، کہ نوجوانوں کو بھی اسی طرح ہینڈل کر سکے۔"

"ویسے سر!......رپورٹ کیا دی ہے؟"

"وہ حرامی ڈیڑھ دو بجے تک اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا ہے، جب بات کرنی چاہی اس وقت اس کی کسی پریکا کا فون آگیا اور وہ اس کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گیا۔ دن کے ٹائم جب یہ گدھی اس کے پاس گئی تو وہ بھتے سے اکھڑ گیا اور اس کی کافی انسلٹ کی۔ اب اس کا کہنا ہے وہ میرا منتظر ہے کہ رخصت لے کے جائے گا، اگر میں شام تک نہ گیا تو بغیر ملے ہی چلا جائے گا اور سیٹھ فاضل کے مرنے کے بعد ہی اس کی واپسی ہو گی۔"

"سر!......آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"یار!......اسے چند دنوں کے لیے تو روکنا چاہیے تاکہ بلیک لیکوئڈ سے بات چیت کر کے اس مسئلے کا کوئی دوسرا حل سوچا جا سکے۔"

"سر!......اسے کسی بہانے سے بھی چند دنوں کے لیے روکا جا سکتا ہے؟"

"وہی بہانہ تو پوچھنا چاہ رہا ہوں۔" میجر روہیت کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"سر!......آپ کو پتا ہے کراچی میں چوراچکوں اور اٹھائی گیروں کی کتنی بہتات ہے؟"

"تو پھر؟"

"اگر چند اچکے اسے لوٹ کر اتنا زخمی کر دیں کہ وہ چند دنوں کے لیے بستر کا ہو جائے تو میرا خیال ہے کچھ دنوں کے لیے اسے روکنے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے؟"

"اور اچکوں کے روپ میں ہمارے اپنے آدمی ہوں گے......گڈ یار! تیری سوچ بالکل مہاراج پاشا سے ملتی جلتی ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''مہاراج پاشا مہان تھے سر!''

''اوکے..... میں جا کے اسے رات کے کھانے کے لیے روک لیتا ہوں تم تین آدمی تیار رکھو انھیں سمجھا دینا کہ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹنی چاہیے باقی اجازت ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں سر!.....'' رندھیر اعتماد سے بولا۔

''اور ہاں انھیں بتا دینا کہ چہرے بدل کر جائیں یا نقاب چڑھا کر جائیں کیونکہ ہو سکتا بعد میں کسی وجہ سے انھیں اکٹھے مل کر کام کرنا پڑ جائے۔''

''میں سمجھا دیتا ہوں سر؟'' اور رندھیر کا جواب سن کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

''شاہ جی!..... چند دن تو خدمت کا موقع دیا ہوتا؟'' میجر روہیت خوشگوار لہجے میں کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''خاک خدمت راجیل بھائی!.....'' اسماعیل اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ''کل سے آپ کی شکل ہی نہیں دیکھی۔''

''بس ایک ضروری میٹنگ میں شمولیت کے لیے جانا پڑ گیا تھا..... اور آپ کو کمپنی دینے کے لیے نیہا موجود تو تھی، کیا اس کی کمپنی اچھی نہیں لگی۔''

''نہیں! اچھی لڑکی ہے۔'' اسماعیل نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''لیکن اتنا ٹائم نہیں ہے کہ میں نیہا کی کمپنی سے لطف اندوز ہو سکوں بقول اے کے صاحب، مقصد کی تکمیل میں تاخیر عموماً ناکامی کا سبب بن جایا کرتی ہے..... اور دشمن کو ڈھیل دینا اسے مضبوط کرنے کا موقع فراہم کرنے کے برابر ہے، جبکہ میں نہ تو ناکام ہونا چاہتا ہوں اور نہ سیٹھ فاضل کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کم آن یار! سیٹھ کوئی بھاگا جا رہا ہے..... پہلے بھی تو آپ اتنا انتظار کر چکے ہیں چند ماہ مزید سہی۔''

''پہلے میں مجبور تھا۔''

''یار..... میں کبھی بھی آپ کو زحمت نہ دیتا اور آپ کے انتقام کو انتظار کی راہ نہ دکھاتا، مگر بدقسمتی سے اپنے اہم بندوں کی وفات کے بعد کچھ کام لٹک گئے ہیں ان کی تکمیل کے لیے ہمیں تربیت یافتہ بندوں کی ضرورت ہے اور یہ تو علم ہوگا کہ آپ کے ساتھ ٹریننگ کرنے والے سارے جانباز سرحد عبور کرنے کے دوران شہید ہو چکے ہیں اب انقلابی تنظیم کے پاس ٹرینڈ شدہ بندوں کی نہایت قلت ہے۔ گو عوام کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں، اور وہ دن دور نہیں جب ہمارا ملک اس صبح کو طلوع ہوتا دیکھے گا جس کا خواب ہمارے اجداد نے دیکھا تھا ۔لیکن شرط یہی ہے کہ ہماری کارروائیوں کے تسلسل میں رکاوٹ نہ آئے۔ باقی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ ایک مرتبہ پھر منظر عام سے غائب ہو جائیں۔ سیٹھ فاضل کی سیکیورٹی بلاشبہ بہت سخت ہو گئی ہے اور ایسے حالات میں اس پہ ہاتھ ڈالنا سراسر خودکشی ہوگی۔ لیکن امید ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ چند ماہ تک صورت حال پہلے جیسے ہو جائے گی۔ وعدہ رہا کہ اس وقت فاضل خان کو ول کر دکھائیں گے۔"

"راحیل بھائی!......دل اور دماغ کا کسی کام کے لیے متفق نہ ہونا کامیابی کو غیر یقینی بنا دیتا ہے؟"

"کیا......انقلاب جیسے مقدس نظریئے کے لیے آپ کا دل اور دماغ متفق نہیں ہو رہے ہیں......وہ نظریہ جس کے لیے ماموں جیسی عظیم ہستی نے جان قربان کی۔ امی ابو کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے، شہزادی جیسی معصوم لڑکی اغواء ہوئی اور اب تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ کس حال میں ہے؟"

"آپ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے......میں اس کام کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے تک تیار ہوں لیکن......" اسماعیل نے گفتگو میں وقفہ دیا اور پھر دھیرے سے بولا۔"فاضل خان کی ہلاکت کے بعد......میرے ذہن کو یکسوئی تب ہی ملے گی جب میں فاضل خان کا سارا قرض بے باک کر دوں گا۔"

"شاہ جی آپ کی سوئی ایک ہی مقام پہ اٹکی ہوئی ہے۔"

"ہاں بھائی! ایسا ہی ہے، اگر اسے معاف کرنے کی گنجائش ہوتی تو میں اپنی محبوب ہستی کے کہنے پہ کب کا اس انتقام کو ترک کر چکا ہوتا۔"

"آپ کی محبوب ہستی؟......پر کون؟" روحیت چونکا۔ اسماعیل کو محسوس ہوا کہ وہ بے خیالی میں غلط کہہ بیٹھا ہے۔ بات سنبھالنے کے لیے اس نے پٹری بدلتے ہوئے کہا۔

"میری مراد شہزادی سے ہے......اس نے دو سال پہلے التجا کی تھی کہ میں انتقام کا رستہ ترک کر کے اپنی توانائیاں انقلابی سرگرمیوں میں صرف کروں۔"

"سمجھا۔" روحیت نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا مگر وہ اسماعیل کی بات سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"اب محفل برخاست کرنی چاہیے۔" اسماعیل نے گفتگو سمیٹنی چاہی۔

"یعنی ساری بحث بے فائدہ ٹھہری؟"

"راحیل بھائی پلیز! مزید کچھ نہیں......ورنہ مجھے دکھ ہوگا......میں سمجھوں گا اپنے میری راہ کھوٹی کر رہے ہیں؟"

"اوکے شاہ جی۔" روحیت نے گہری سانس لی۔"بڑا بھائی ہونے کے ناطے میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر اس کے باوجود آپ مصر ہیں تو میری ہمدردیاں اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"مجھے آپ سے یہی امید تھی۔"

"چلو کھانا کھاتے ہیں۔" روحیت اٹھتے ہوئے بولا اور اسماعیل اس کی معیت میں کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

کھانے سے فارغ ہوکر اسماعیل نے روہیت سے اجازت لی۔

"کہاں چلنا ہے میں ڈراپ کردیتا ہوں ؟" اس آفر کے جواب میں اسماعیل بولا۔

"تھینک یو بھیا میں چلا جاؤں گا ۔"

'As you wish' روہیت اصرار نہ کرتا ہوا بولا اور اسماعیل اس سے مصافحہ کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔مکان سے نکلتے ہی وہ پیدل ایک جانب روانہ ہو گیا۔اس کا دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔فاضل خان کی سیکورٹی کے بارے راحیل (روہیت) کی باتیں جانے کس حد تک سچ تھیں۔گذشتہ رات حنا سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اسے ان باتوں میں کچھ نہ کچھ حقیقت کی جھلک محسوس ہوئی۔لیکن یہ خطرات اسے اپنے مقصد سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔وہ چاہتا تو سیٹھ فاضل کو کسی دور مار رائفل سے نشانہ بنا کر کیفر کردار تک پہنچا سکتا تھا،لیکن اسے ایسی آسان موت کے حوالے کرنے پر انتقام کا مزا کرکرا ہو جاتا۔وہ اسے تڑپا تڑپا کے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔انھی سوچوں میں گم وہ روڈ کی طرف جانے والی گلی میں مڑا۔اس گلی میں دوسری گلیوں کی نسبت تاریکی چھائی تھی۔شاید سٹریٹ لائیٹ کسی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی یا وہاں اس کا انتظام ہی نہیں تھا۔البتہ ایک دو گھروں کے سامنے چمکتے بلب تاریکی کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ایک گیٹ کے سامنے اسے تین آدمی سر جوڑے کسی خاص گفتگو میں مصروف نظر آئے ۔وہ انھیں نظر انداز کرتا ہوا ان کے قریب سے گزرا۔اچانک ان میں سے ایک اسماعیل سے مخاطب ہوا۔

"اے مسٹر!......بات سنو ؟"

"جی مجھ سے کچھ کہا ؟" وہ چونک کر رک گیا۔

"ہاں تجھے یہ چیک کرانا تھا۔"بات کرنے والا جیب سے پسٹل نکال کر اس کے جانب بڑھا۔باقی دونوں بھی اس کے ہمراہ ہو لیے ۔اسماعیل سمجھ گیا کہ وہ اٹھائی گیروں کے چنگل میں پھنس گیا ہے ایسے اچکوں کی کراچی میں کوئی کمی نہیں تھی جو راہ چلتے آدمیوں کی جیب کا بوجھ ہلکا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہوں۔

"اپنا موبائل اور نقدی ہمارے حوالے کر کے تم جان بچا سکتے ہو؟"

"یہ لو"اس نے جیب سے پرس نکال کر اس کے جانب بڑھایا جس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔رقم کی خاطر پنگا لینا اس نے مناسب خیال نہ کیا تھا۔

"موبائل ؟" پرس اپنے ساتھی کے حوالے کر کے اس نے دوسرا مطالبہ کیا۔

اسماعیل کا ہاتھ ایک مرتبہ پھر جیب میں رینگا اس مرتبہ اس نے موبائل نکال کر اس کے جانب بڑھا دیا۔

"قمر!......اس کی تلاشی لو۔" پسٹل والا ایک ساتھی سے مخاطب ہوا اور وہ۔"جی جناب" کہتا ہوا اسماعیل کی طرف بڑھا۔اب

بات اس کی برداشت سے باہر تھی جیب میں گلاک نائینٹین جیسا پسٹل رکھ کر ان اچکوں کی ہر بات بے چوں چراں ماننا بزدلی تھی۔ وہ اسے آڑے ہاتھوں لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ جیسے ہی تلاشی لینے والا اس کے اور پسٹل والے کے درمیان میں آیا اسماعیل کی داہنی ٹانگ بجلی کی سی سرعت سے تلاشی کے لیے آگے بڑھنے والے کے سینے سے ٹکرائی اور وہ توپ سے نکلے گولے کی طرح ساتھیوں کے جانب بڑھا اور پستول والے کو ساتھ لیے زمین پر گر گیا۔ خالی ہاتھ نے ایک قدم دائیں لے کر اس کی ٹکر سے جان بچائی تھی۔ اسے تک لگاتے ہی اسماعیل نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پسٹل نکالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پسٹل سے کسی کا نشانہ لے پاتا تیسرے آدمی نے اس پہ چھلانگ لگا دی۔ جھکائی دے کر اس کا وار خطا کرتے ہوئے اس کا پسٹل والا ہاتھ گھومتے ہوئے پسٹل سمیت تیسرے آدمی کی کنپٹی سے ٹکرایا۔ وہ منہ سے ''اوغ'' کی آواز نکالے دھڑام سے پختہ گلی میں منہ کے بل گر پڑا۔ اس کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی اسماعیل باقی دو کے جانب متوجہ ہوا اور پھر گلی کی روشنی میں اس نے پسٹل والے کو لیٹی حالت میں ہی پسٹل اپنی جانب تانتے دیکھا لیکن اس کے ٹریگر دبانے سے پہلے اس نے ٹریگر پریس کر دیا۔ گولی پسٹل والے کے سر میں لگی جبکہ اگلی گولی نے دوسرے آدمی کے سر میں بھی روشن دان کھول دیا تھا، تیسرا آدمی پہلے سے ہی بیہوش تھا۔ اسماعیل نے آگے بڑھ کر اطمینان سے ان کی تلاشی لی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فائر کی آوازیں معمول کی بات تھی کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ گھر کا دروازہ کھول کر گلی میں جھانک سکتا۔ اپنا موبائل اور پرس ان کی جیب سے نکال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اپنے خیالات کا سلسلہ اس نے وہیں سے جوڑ لیا جہاں منقطع ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''بھیا میں بول رہی ہوں۔'' رابطہ ہوتے ہی حنا بولی۔

''ہاں چھوٹی!......حکم کرو ؟''

''بھیا!......آپ یہاں آ جائیں ناں، تفصیلی بات کرنی ہے۔''

''فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کل اتوار کو میں نے یوں بھی آنا تھا۔''

''نہیں آج۔'' وہ لاڈ سے مصر ہوئی۔

''اوکے میں آدھے گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں۔''

''میں منتظر ہوں۔'' اس نے کہا اور عاطف رابطہ منقطع کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار حنا کے گھر کے جانب اڑی جا رہی تھی۔ گیٹ پہ کھڑے چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا شاید حنا اس کی آمد کی اطلاع پہلے سے دے چکی تھی۔ پارکنگ میں گاڑی روک کر وہ حنا کے کمرے کے جانب بڑھ گیا۔

''یس۔'' اس کی دستک کے جواب میں حنا کی آواز آئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''بھیا اسلام علیکم '' اسے دیکھتے ہی وہ کھڑی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام '' اس نے اس کے جھکے ہوئے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیں بھیا۔'' اور عاطف شکریہ کہتے ہوئے بیڈ کے کنارے ٹک گیا۔

''چائے یا کافی۔''

''چائے ٹھیک رہے گی۔'' وہ بے تکلفی سے بولا ''اور کچھ کھانے کے لیے بھی منگوالو۔''

''کھانا ہی منگوا لیتی ہوں؟''

''نہیں......کوئی ہلکی پھلکی چیز۔'' عاطف نے نفی میں سر ہلایا۔

حنا نے بیل دے کر ملازمہ کو بلایا اور اسے چائے اور لوازمات کا بتانے لگی۔

''طبیعت کیسی ہے اب؟''

''اللہ کا شکر ہے بھیا!......اب تو اچھی خاصی چہل قدمی کر لیتی ہوں اور زخم بھی پہلے سے بہتر ہے۔''

''اسماعیل شاہ سے بات ہوئی تھی؟''

''جی......اور اسی سلسلے میں آپ کو زحمت دی ہے۔''

''تو کیا رہا ؟۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے تھے، وہ نہیں مان رہا۔''

''پھر؟''

''کل کا پروگرام طے کر لیتے ہیں؟ ......آپ وعدے پہ قائم ہیں ناں؟''

''بہنیں وعدے کے بغیر بھی بات منوانے کا حق رکھتی ہیں۔''

''اللہ آپ کو سلامت رکھے بھیا!......'' حنا جذباتی ہوگئی۔

''پگلی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عاطف مسکرا دیا۔

''بھیا!......آپ نہیں جانتے جن لڑکیوں کے بھائی نہیں ہوتے وہ خود کو کتنا ادھورا، غیر محفوظ اور کمزور محسوس کرتی ہیں؟......'' اسی وقت ملازمہ چائے اور لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ان کی گفتگو میں تھوڑا سا وقفہ آیا۔ملازمہ کے باہر جاتے ہی عاطف نے پوچھا۔

''آپ نے وعدہ لیا تھا کہ میں اسماعیل کو کچھ بھی نہیں کہوں گا لیکن چھوٹی یہ یاد رہے کہ وہ ایک ٹرینڈ شدہ دہشت گرد ہے اور ایسے لوگ اتنی آسانی سے بات نہیں سنا کرتے......اس لیے کچھ نہ کچھ اجازت آپ کو دینی پڑے گی؟۔''

"بالکل ہی نہیں بھیا.....آپ کو میری قسم، اسے انگلی بھی نہیں لگانی۔"

"اچھا دھمکا تو سکتے ہیں نا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس کے سامنے کسی اور پہ تشدد کریں گے تاکہ خوف زدہ ہو کر وہ خود بخود ہماری بات ماننے پہ مجبور ہو جائے۔"

"یعنی ذہنی طور پہ ٹارچر کرو گے؟"

"ہاں۔"

"اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں ہے؟"

"ہے.....میں اس سے دست بدستہ عرض کروں گا کہ جناب سید اسماعیل شاہ غازی صاحب اگر آپ میری سات نسلوں پہ احسان کرتے ہوئے ہماری بات مان جائیں تو آپ کا احسان عظیم ہوگا۔" حنا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بھیا آپ بھی ناں بس......؟"

"مارنا تو چھوڑو دھمکانا بھی منع ہے، تو پھر یہی ہو سکتا ہے۔"

"اچھا دھمکا لینا لیکن مارنا بالکل بھی.....ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک ہے.....ویسے اس سے ملنے کی بات کر لی ہے؟"

"نہیں آج رات کروں گی۔"

"مان جائے گا؟"

"آسانی سے۔"

"یعنی تجھ پہ اعتماد کرتا ہے.....بہرحال یوں کرو اسے بلا لو لیکن خود نہ جاؤ۔ یہ نہ ہو وہ تجھے یرغمال بنا لے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے؟"

"وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرے گا۔" حنا کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ "دوسرا مجھے وہاں نہ پا کر وہ بدک بھی سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے مقابلہ کرنے کی کوشش کرے اور پھر؟.........نہیں میرا جانا لازمی ہے۔"

"او کے.....کس ٹائم اور کس جگہ؟"

"آپ Decide کریں؟"

"نہیں.....جگہ کا چناؤ خود ہی کرو بس اتنا خیال رہے کہ کھلی جگہ نہیں ہونی چاہیے؟"

''چلو صبح ہو گیا۔ صبح میں آپ کو مطلع کر دوں گی۔''

''ٹھیک ہے پھر مجھے اجازت ؟'' عاطف کھڑا ہو گیا۔

''بھیا کھانا کھا کر چلے جاتے؟''

''نہیں چھوٹی پھر کبھی سہی...... اللہ حافظ۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

''کیا آج پھر نیند نہیں آرہی؟'' اسماعیل، حنا کی کال اٹینڈ کرتے ہی بولا۔

''کیوں میں آپ کو بے خوابی کی مریض لگتی ہوں؟''

''لگتا تو ایسے ہی ہے کہ اس کے علاوہ تیری کال ہی نہیں آتی۔''

''تو آپ کو کسی نے منع کیا ہے کال کرنے سے ؟''

''غریب آدمی ہوں اتنی استطاعت ہی نہیں رکھتا کہ کال کا خرچہ برداشت کرسکوں۔''

''شرم تو نہیں آتی ہو گی ایسی بات کرتے؟''

''پہلے آتی تھی، لیکن جب سے آپ سے تعلقات ہوئے آہستہ آہستہ ختم ہو گی ہے۔''

''یعنی میں بے شرم اور بے حیا ہوں۔'' اس نے مصنوعی غصہ ظاہر کیا۔

''نہیں لیکن مجھے کر دیا ہے۔''

''فضول باتوں میں تو آپ سے جیتنا ناممکن ہے، اب کام کی بات سنو؟۔''

''سناؤ؟ ''

''تجھ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کیا پہلے والا زخم بھر گیا ہے؟'' وہ ہنسنے لگا۔

''مذاق چھوڑو میں سنجیدہ ہوں۔''

''میں تھوڑا مصروف ہوں اور..........''

''مجھے کوئی غرض نہیں ......۔'' اس نے قطع کلامی کی۔

''کیا کرو گی مل کر؟''

''تم سے مطلب؟''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''آخر کچھ پتا تو چلے...... پولیس کے ہاتھوں پکڑوانے کا ارادہ تو نہیں ہے۔'' اسماعیل کا لہجہ مزاحیہ تھا۔

وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی۔''ٹھیک ہے کوئی ضرورت نہیں۔''اور رابطہ منقطع کر دیا۔اس کے اندازے کے مطابق اگلے ہی لمحے اسماعیل کی کال آنے لگی۔

''اب کیا ہے ؟''اس نے کال اٹینڈ کی۔

''خفا ہو گئی ہو؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''خفا تو اپنوں سے ہوا جاتا ہے۔''

''اچھا بکواس کرنے کی ضرورت نہیں...... مذاق برداشت کر لیا کرو۔''

''جب کہہ دیا ہے کہ ملنا ہے تو پھر تو نے انٹرویو ضرور لینا تھا۔یا منتیں کروانا اچھا لگتا ہے؟''

''نہیں بلکہ ڈر لگتا ہے۔''

''کس چیز سے؟''

''تیری بھولی بھالی صورت سے، باتوں سے،اداؤں سے، کہ تو مجھے کسی قابل نہیں چھوڑے گی۔''

''چل جھوٹے ؟'' وہ خواب ناک لہجے میں بولی۔

''حتا سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اچھا بتاؤ نا؟ ملنے آؤ گے کہ نہیں۔''

''سر کے بل چل کر آنا پڑا تب بھی آؤں گا۔''

''تو پھر کل دن بارہ بجے طے ہو گیا۔''

''کہاں؟''

''جہاں تمھاری مرضی ہو؟''

''تمھارے دم چھلوں کا کیا ہو گا ؟''

''وہ میرا کام ہے۔''

''جگہ بھی تم ہی بتا دو؟۔''

''پیراڈائز ہوٹل تیسری منزل اور کمرہ نمبر نو۔''

''اس کمرے میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ ہم دوبارہ وہیں ملیں؟''

"تو نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ اچھا نہیں لگا تو خود ہی تعین کر لو۔"

"چلو ٹھیک ہو گیا..... اگر یہ کمرہ خالی نہ ہوا تو میں اسی ہوٹل میں کوئی بھی کمرہ بک کرا لوں گا..... کھانا تو اکٹھے کھائیں گے نا؟"

"ہاں" اس کا جواب اثبات میں تھا۔

"اور زخم اب کیسا ہے.....؟"

"پہلے سے کافی بہتر ہے..... بالکل ٹھیک ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا نا؟" وہ جواباً بولی اور پھر وہ رات بھر اسی طرح گپ شپ میں مصروف رہے۔ اسماعیل نے چند دفعہ آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر وہ نہ مانی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی جلد ہی اسماعیل کی محبت نے نفرت کا روپ دھار لینا تھا۔ صبح کی اذانوں کے ساتھ انھوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔

☆.....☆.....☆

"مسٹر!..... عاطف یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ آپ ثریا کو بطور چارہ استعمال نہیں کر سکتے؟" عاطف کی بات پہ فاضل خان ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"اسے کچھ بھی نہیں ہو گا سیٹھ صاحب؟" عاطف نے اسے تسلی دینی چاہی۔

"اگر کچھ ہو گیا تو..... وہ ہونا کیسے ری کور (Recover) ہو گا؟"

عاطف کے جواب دینے سے پہلے حنا ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی ہوئی بولی۔ "پاپا میں عاطف بھائی کے ساتھ جاؤں گی۔"

"مسٹر عاطف! تم نے میری بیٹی کو جذباتی طور پہ بلیک میل کیا ہے۔ اگر تم صحیح معنوں میں اسے بہن سمجھتے تو اسے کبھی بھی خطرے میں نہ گھسیٹتے۔" وہ بجائے بیٹی کو جواب دینے کے عاطف سے مخاطب ہوا۔ جواباً عاطف کہہ سکتا تھا کہ یہ سارا منصوبہ تیری لاڈلی کا ہی ہے، مگر اسے معلوم تھا کہ اس بات سے حنا نے خفا ہو جانا تھا۔

"پاپا مجھے کچھ نہیں ہونے والا..... اس سے پہلے بھی تو میں دو دفعہ اس کے قبضے میں آئی ہوں کیا اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی؟"

فاضل خان تپتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے تم اپنے باپ سے بھی بڑی ہو گئی ہو؟"

"سیٹھ صاحب! آپ نہیں جانتے اس کے گرفتار نہ ہونے میں آپ کا کتنا نقصان ہے۔ وہ ایک تربیت یافتہ دہشت گرد ہے۔"

"تو بھائی کرو گرفتار..... میں نے کب منع کیا ہے..... میں تو کہہ رہا ہوں میری بیٹی کو چارہ نہ بناؤ۔"

"پاپا پلیز....." حنا آگے بڑھ کر باپ کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔ "آپ پورا منصوبہ تو سن لیں..... جب تک میں اس کے ساتھ بات چیت کروں گی عاطف بھائی اور اس کے آدمی باہر سے نگرانی کرتے رہیں گے۔ جیسے ہی بات چیت ختم ہو گی پاپا میں ویسے ہی

کسی بہانے سے باہر نکلوں گی تو عاطف بھائی کے آدمی اسے گھیرے میں لے لیں گے۔'' حنا نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

''جب یہ جانتے ہیں کہ اس نے کس جگہ آنا ہے تو یہ ڈراما رچانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

''پاپا جب تک وہ مجھے نہیں دیکھے گا کمرے میں کیسے گھسے گا..... تربیت یافتہ آدمی ایسے نہیں پھنستے۔''

''گڑیا تم نہیں جانتیں تمھیں کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا..... ہماری طرف سے بھاڑ میں جائے، دہشت گرد پوری قوم کا مجرم ہوتا ہے اسے پکڑنے کے لیے ایک میں ہی اپنی بیٹی کی قربانی کیوں دوں؟''

''کیونکہ وہ آپ کا دشمن ہے..... کسی اور کو نقصان پہنچائے یا نہیں آپ کے درپے رہے گا۔''

''تو کیا کر لے گا میرا؟ میں اس سے ڈرتا تھوڑی ہوں۔''

حنا اس کے گال پہ بوسہ دیتی ہوئی بولی۔ ''پاپا پلیز.....''

''گڑیا تم حد سے بڑھنے لگی ہو؟..... میرا خیال ہے تیرے بارے کچھ سوچنا پڑے گا؟۔''

فاضل خان کے لہجے کی نرمی سے حوصلہ پا کر حنا شوخی سے بولی۔''بھیا میں جانتی تھی پاپا میری بات نہیں ٹالیں گے۔'' اور اس کی بات پہ فاضل خان کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بچپنا نہیں گیا اس لڑکی کا؟'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''سیٹھ صاحب! آپ بے فکر رہیں حنا جیسے آپ کی بیٹی ہے اسی طرح میری بھی بہن ہے۔ انشاء اللہ اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اگر اسے ذرا بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو ہم مجرم کو گرفتار نہیں کریں گے۔ ہماری پہلی ترجیح حنا کی حفاظت ہوگی۔''

''عاطف صاحب! اب بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ میں بھروسہ کرتے ہوئے اپنے جگر کا ٹکڑا آپ کے حوالے کر رہا ہوں میرے بھروسے کی لاج رکھنا۔''

''اللہ نے چاہا تو آپ کو ہلکی سی شکایت کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے لے جاؤ لیکن میرے آدمی بھی دور دور سے نگرانی کرتے رہیں گے۔''

''گو اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن آپ کی تسلی اس سے ہوتی ہے تو یونہی سہی۔''

''ٹھیک ہے تم گپ شپ کرو میں ذرا اپنے آدمیوں کو تیاری کا حکم دے دوں۔'' فاضل خان وہاں سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی حنا بولی۔''بھیا تھینکس آپ نے میری لاج رکھ لی۔''

''اسماعیل سے بات ہوئی ہے؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کا میسج ملا ہے کہ پیرا ڈائز ہوٹل، تھرڈ فلور پہ کمرہ نمبر گیارہ اس نے بک کرا لیا ہے''۔

"اچھا تو گھر سے کتنے بجے نکلو گی؟"

"ساڑھے گیارہ بجے۔"

"ٹھیک ہے اب دس بجنے والے ہیں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوٹل پہنچ رہا اب وہیں پہ ملاقات ہوگی۔"

"ٹھیک ہے بھیا" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور عاطف ڈرائنگ روم سے نکل کر پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

"سیٹھ صاحب آپ فکر ہی نہ کریں مجھے اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے" کوڑل نے اپنا بڑا سا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کوڑل غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... اس کا پولیس کے ہاتھ آنا ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ ہلکا سا چانس لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ اگر اس کی وجہ سے کسی پولیس والے کو گولی لگنے کا اندیشہ ہو تو پرواہ نہیں ہے بس اسے نہیں بچنا چاہیے۔ اور فکر نہیں کرنی اگر تم پکڑے بھی گئے تو آزاد کرانا میرا کام ہے۔ باقی بخش بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ اگر تیرا نشانہ چوک جاتا ہے تو اس کا کام ہے کہ اسے زندہ نہ رہنے دے یہ وہی شخص ہے جو تمھیں بیہوش کر کے بھاگ گیا تھا اور اسی کی وجہ سے تم دونوں کو پچاس پچاس کوڑے کھانے پڑے تھے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاب" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اب تم دونوں جاؤ اور ہوٹل میں جا کر کوئی اچھی سی پوزیشن سنبھالو۔ یہ ڈیوائس دونوں نے اپنی جیب میں رکھنا ہے اس کی مدد سے ہم تمھاری گفتگو آسانی سے سن سکیں گے۔" فاضل خان نے سگریٹ کی ڈبیا کے حجم کے دو ڈیوائس ان کی جانب بڑھائے۔ جسے احترام سے اس کے ہاتھ سے لے کر وہ سلام کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"نورل تمھیں بھی سمجھ آ گئی ہے۔" ان کے باہر جاتے ہی وہ نورل سے مخاطب ہوا۔

"جی سیٹھ صاب۔"

"کیا سمجھ آئی ہے؟"

"یہی کہ اسماعیل کو قتل کرنا نہایت ضروری ہے۔"

"اگر اسے قتل کرتے ہوئے یہ دونوں گرفتار ہو جاتے ہیں تو کیا ہمارے بارے پولیس کو مطلع نہیں کریں گے؟"

"پولیس کے تشدد کے سامنے شاید یہ سچ بولنے پہ مجبور ہو جائیں۔" نورل ڈرتے ڈرتے بولا۔

"گڈ ایسا ہی ہے۔" فاضل خان تحسین بھرے لہجے میں بولا۔ "اس کا کوئی حل بھی تو ہونا چاہیے؟"

"انھیں تیزی سے وہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔"

"مشکل ہی ہے...... یہ عام پولیس والے نہیں سپیشل پولیس والے ہیں۔ وہ انھیں فرار نہیں ہونے دیں گے۔"

"پھر انھیں چاہیے کہ تمام پولیس والوں کو ہلاک کر کے نکل آئیں۔"

"یہ بھی مشکل ہے..... پہلی مرتبہ جب یہ اسماعیل کو نشانہ بنائیں گے تو پولیس والے شاید بے خبری میں مارکھا جائیں لیکن اس کے بعد یہ ممکن نہیں رہے گا۔ کیونکہ وہ سنبھل جائیں گے اور یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ وہ عام پولیس والے نہیں ہیں سپیشل پولیس والے ہیں بلکہ تم سے کیا چھپانا ان کا تعلق خفیہ ایجنسی سے ہے۔"

"تو پھر آپ ہی بتائیں سیٹھ صاحب کہ کیا کرنا چاہیے؟۔"

"دونوں جیسے ہی اپنا کام کر لیتے ہیں ان دونوں کو بھی پار کر دو، اور یہ کام تمھیں کرنا ہوگا۔"

"مم مگر سیٹھ صاحب پھر میں کیسے ایجنسی کے آدمیوں سے جان چھڑاؤں گا؟" خوف سے نورل کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

"بہت آسان ہے۔" فاضل اطمینان سے بولا۔ "میں نے جو ڈیوائس ان دونوں کے حوالے کیے ہیں وہ درحقیقت ریموٹ کنٹرول بم ہیں۔ تم ان کا ریموٹ کنٹرول لے جاؤ جیسے ہی وہ اپنا کام کر لیں تم نے ریموٹ کنٹرول کا سرخ بٹن دبا دینا ہے وہ خود بخود ہوا میں اڑ جائیں گے۔ ورنہ وہ ایجنسی کے ہاتھ آ گئے تو ہم سب کو پھنسائیں گے اور ہمارا ایجنسی کے ہاتھ پکڑے جانے کا مطلب دردناک موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔" اس کی تجویز سن کر نورل اطمینان بھرا سانس لیا تھا۔

"یہ لو ریموٹ کنٹرول۔" سیٹھ نے جیب سے ایک چپٹا سا ریموٹ کنٹرول نکال کر اس کے جانب بڑھایا۔" اس بات کا خیال ضرور رکھنا کہ کہیں گڑیا دھماکے کی زد میں نہ آئے۔ اور یہ بھی تمھیں پتا ہونا چاہیے کہ دھماکے سے صرف انہی کو نقصان پہنچے گا جس کی جیب میں بم ہوگا اس کے قریب موجود بندے زخمی تو ہو سکتے ہیں مرنے کا چانس نہیں ہے۔"

ریموٹ کنٹرول فاضل خان سے لے کر نورل سلام کرتے ہوئے الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ جبکہ فاضل خان کے ہونٹوں پہ ایک زہریلی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ حنا کے نہ جانے پہ اس کا اصرار کرنا بھی اس وجہ سے تھا کہ وہ اسماعیل شاہ کی گرفتاری نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اسماعیل کے گرفتار ہونے کی صورت میں اس کے اپنے پھنسنے کا اندیشہ تھا۔ پھر یہ خیال اچانک اس کے ذہن میں آیا تھا کہ وہ اسماعیل کے کانٹے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال سکتا ہے۔ اور اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے اپنی بیٹی کو جانے کی اجازت دے دی۔ حنا کی حد تک اسے پہلے ہی اطمینان تھا کہ اسماعیل شاہ اسے کچھ نہیں کہے گا ان دونوں کے مابین پسندیدگی کا پنہاں جذبہ فاضل خان کی جہاندیدہ نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ وہ عاطف اور حنا کی گفتگو بھی وہ چھپ کر سن چکا تھا۔ حنا جس راستے پہ چل پڑی تھی وہ سراسر تباہی کا راستہ تھا۔ یہ بات فاضل خان کے لیے مستقبل میں اچھا خاصا مسئلہ پیدا کر سکتی تھی۔ جبکہ اسماعیل کی موت تمام مسائل کا حل تھا۔ اور جو پوزیشن اب پیدا ہو گئی تھی اس میں اسماعیل کا بچنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

حنا نے گاڑی ہوٹل کی پارکنگ میں کھڑی کی اور آہستہ قدموں سے اندر کے جانب چل پڑی۔ اس کا زخم کافی حد بہتر ہو گیا تھا لیکن مکمل طور پہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ ہوٹل میں اسے عاطف نظر نہ آیا اسے ہلکی سی بے چینی محسوس ہوئی۔

"کہیں لیٹ نہ ہو گیا ہو؟" ایک سوچ اس کے دماغ میں ابھری مگر پھر اسے خیال آیا کہ آخر وہ ایک خفیہ ایجنٹ تھا لازمی طور پہ حلیہ بدل کے آیا ہو گا۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ لفٹ کے جانب بڑھ گئی تھوڑی دیر بعد وہ تیسری منزل پہ تھی۔ کمرہ نمبر گیارہ تلاش کرنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی۔ دروازے کے قریب پہنچتے ہی اس کے احساسات عجیب سے ہو گئے تھے۔ اسے اپنے محبوب کو ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہنا تھا۔ یہ جتنا مشکل اور گراں کام تھا اس کو ایک محبت کرنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

کمرے کا دروازہ اسے کھلا ملا اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر صوفے پہ بیٹھے اسماعیل پہ پڑی وہ اس وقت اپنے اصل حلیے میں تھا اسے دیکھتے ہی بے تابی سے کھڑا ہو گیا۔

"میں لیٹ تو نہیں ہو گئی۔" وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔

"نہیں...... یوں بھی میں قیامت کی اکتیس تاریخ تک محترمہ کا انتظار کر سکتا تھا۔"

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے؟" وہ صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"ویسے، ترس نہیں آتا مجھ غریب پہ؟"

"کیا مطلب؟" اس کا افسردہ لہجہ حنا کو حیران کر گیا۔

"مطلب واضح ہے...... ایک تو اللہ تعالیٰ نے صورت ہی ایسی دی ہے کہ دیکھنے والے کی مت ماری جائے اوپر سے ایسے سجنا سنورنا، یہ سراسر ظلم نہیں ہے تو کیا ہے؟" اسماعیل کے چہرے پہ چھائے چاہت کے تاثرات اور محبت پاش نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے حیا آلود مسکراہٹ سے سر جھکا لیا۔

اسماعیل آہستہ سے گنگنایا۔

نظر جھکا کے وہ اپنی ادا پہ شرمائے
خدا کرے کہ یہ موسم یہیں ٹھہر جائے

"بس بس زیادہ مسکہ لگانے کی ضرورت نہیں، یہ بتاؤ کہ اصل حلیے میں کیوں آئے ہو؟"

"کیوں، بہت ہی بری ہے میری اصل صورت؟"

"نہیں، بہر حال اتنا بھی نہیں ہے جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، گزارا چلایا جا سکتا ہے......" یہ بات اس کے ہونٹوں پہ تھی کہ کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولتے ہوئے عاطف اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں دبے پسٹل کا رخ اسماعیل کی جانب تھا۔

"خبردار!......حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔" وہ تحکمانہ لہجے میں چلایا۔اس کے ساتھ ہی پانچ چھ مسلح افراد کمرے کے اندر گھستے چلے آئے۔اسماعیل کے چہرے پہ عجیب سے تاثرات نمودار ہوئے۔وہ کبھی بھی خطروں سے نہیں گھبرایا تھا مگر اس وقت اسے محسوس ہوا جیسے اس کے بدن کی طاقت بالکل ہی ختم ہو گئی ہو۔اس کی سرسراتی سوچوں میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ

"کیا یہ حنا کی مخبری ہے؟" لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری سوچ نے سختی سے اس خیال کو جھٹلایا۔"نہیں وہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکتی۔اس نے حنا کی طرف دیکھا وہ اس کے جانب ہی متوجہ تھی۔اس کی آنکھوں سے جھلکتی ندامت اور کپکپاتے ہونٹوں نے اسماعیل کو لرزا دیا۔واضح نظر آ رہا تھا کہ وہ اس کارروائی میں برابر کی شریک ہے۔

"کھڑے ہو جاؤ.....غلط حرکت کی تو شاید تیری لاش کو لے جانا پڑے۔" عاطف کی سرد آواز اس کی سماعتوں میں گونجی۔اسماعیل آہستگی سے کھڑا ہو گیا۔

"چھوٹی تم ادھر آ جاؤ۔" اس مرتبہ اس کی مخاطب حنا تھی جو اس کے دھمکی آمیز لہجے پہ اسے شاکی نظروں سے گھور رہی تھی۔اس کے کہنے پہ آہستگی سے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اسماعیل شاہ سے مخاطب ہونے کوشش کی۔

"شاہ جی مجھے........" مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اسماعیل کا ہاتھ گھوما اور چہرے پہ لگنے والے تھپڑ سے وہ دوبارہ صوفے پہ گر گئی۔

"تمھاری یہ جرأت ؟" عاطف بجلی کی سرعت سے حرکت میں آیا اور اس کی ٹانگ خطرناک انداز میں اسماعیل کے سینے کی طرف بڑھی۔مگر اسماعیل اس سے غافل نہیں تھا اس نے تیزی سے اپنے ہاتھوں کا کراس بنا کر اس کی کک کو روکا۔اس سے پہلے کہ عاطف دوبارہ حملہ کرتا حنا تیزی سے اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔

"نہیں بھیا آپ نے وعدہ کیا تھا؟" عاطف نے بڑی مشکل سے خود پہ قابو پایا۔اسی دوران عاطف کے دو ساتھیوں نے آ کر اسماعیل کے دونوں بازوؤں سے تھام لیا جبکہ تیسرا اس کی تلاشی لینے لگا۔

عاطف حنا کے جانب متوجہ ہوا جس کے چہرے پہ تیزی سے کھڑے ہونے کی وجہ سے تکلیف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

"چھوٹی خیر تو ہے؟" وہ پریشانی سے مستفسر ہوا۔

"بس بھیا زخم میں تکلیف ہونے لگی ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولی۔اس کی تکلیف میں ڈوبی آواز سن کر اسماعیل یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں دبا لیا ہو۔مگر پھر اسے اپنی افسردگی پہ غصہ آنے لگا۔

"تم بیٹھو۔" وہ اسے صوفے پہ بٹھاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کے بولا۔

"اسے لے جاؤ.....اگر بھاگنے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بھیا..............؟"

"چھوٹی تم خاموش نہیں رہ سکتیں۔" عاطف نے بات مکمل ہونے سے پہلے اسے جھڑکا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے چپ ہو گئی۔ اس سے اسماعیل کی بے بسی نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ پھر عاطف کی گولی مارنے کی بات نے تو جیسے اسے لرزا دیا تھا۔

وہ تمام اسماعیل کو ساتھ لیے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

"پگلی اسے گولی تھوڑی مارنی ہے" عاطف اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تو دھمکا رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی غلط حرکت نہ کرے۔"

"سوری بھیا میں اپنے جذبات پہ قابو نہ رکھ سکی......"

"اچھا اب بے فکر رہو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمھاری تکلیف کو دیکھ کر مجھے اس کے چہرے پہ جو تاثرات نظر آئے ہیں اگر تم دیکھ لیتیں تو شاید خوشی سے اچھل پڑتیں۔"

"کک کیا مطلب بھیا؟"

"اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ تجھے بھلا سکے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک دن میرے پاس میری گڑیا بہن کے رشتے کی بھیک مانگنے ضرور آئے گا۔" اس کی بات نے حنا کو شرما کر سر جھکانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اسی وقت اچانک گولی چلنے کی آواز آئی اور مسلسل فائرنگ ہونے لگی۔

"حنا لڑکھڑاتی آواز میں منمنائی۔" "بب بھیا......؟"

مگر عاطف اس کی بات پہ توجہ دیے بغیر اچھل کر دروازے کی سمت بڑھا۔

"گڑیا دروازہ اندر سے کنڈی کر دینا......اور میرے علاوہ کسی کے لیے دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہتے ہی وہ جھپاک سے باہر نکل گیا۔ مگر حنا کو محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگوں میں سانس ختم ہو گیا ہو۔ وہ دروازے تک جانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اسی وقت یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے جس نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔ وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے صوفے پہ لیٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اسماعیل کے لیے حنا کی بے وفائی کا صدمہ بہت جانکاہ تھا۔ اسے حنا سے اتنے بڑے دھوکے کی امید بالکل نہیں تھی مگر اب جب کہ یہ انہونی ہو گئی تھی تو اسے دل سے لگا کر بیٹھ جانا اپنی جان گنوانے کے مترادف تھا۔ اسے جان بچانے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اسے معلوم تھی کہ خفیہ ایجنسی کے ایجنٹ اتنے بودے نہیں تھے کہ اسے یونہی نکلنے دیتے۔ اور پھر اسے لے جانے والا کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اکیلا ایجنٹ بھی نہیں تھا کہ اسماعیل بھاگنے کی کوشش کرتا وہ تعداد میں پانچ چھ تھے اور ان سے لڑ جھگڑ کر یا دھوکے سے فرار ہونے کی کوشش کرنا بے فائدہ تھا۔

وہ اسے لفٹ کے ذریعہ نیچے لائے۔تمام تربیت یافتہ ایجنٹ تھے اسماعیل کو انھوں نے اس انداز میں گھیرا ہوا تھا کہ اس کے بھاگ نکلنے کا کوئی رستہ نہیں تھا۔ہال سے گزرتے وقت اسماعیل نے گہری نظر سے دائیں بائیں کا جائزہ لیا اس جگہ اگر کسی طریقے سے افراتفری پھیلادی جاتی تو وہاں سے بھاگنے کی سعی کی جاسکتی تھی مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ اسے بیرونی امداد حاصل ہوتی۔اور ایسی مدد اسے میسر نہیں تھی۔وہ کھانے کا ٹائم تھا اور ہال تقریباً بھرا ہوا تھا۔کچھ لوگ کھانے کو جتے ہوئے تھے اور کچھ بیرے کے منتظر تھے۔ان کی خوش گپیوں سے اٹھنے والی آواز ایک مستقل شور کا روپ دھارے ہوئے تھی لیکن یہ شور اتنا زیادہ نہیں تھا کہ کانوں کو ناگوار گزرتا۔وہاں کھانا کھانے والے نسبتاً بہتر حیثیت کے لوگ تھے اور ہوٹل کا معیار بھی اچھا تھا کہ بیروں کو بلانے کے لیے چیخیں بلند نہیں کرنی پڑتی تھیں۔

ہوٹل کا ہال کافی وسیع تھا۔وہ بمشکل ہال کے درمیان میں پہنچے ہوں گے کہ اچانک اسماعیل کی نظر ایک جانی پہچانی صورت پر پڑی۔یہ فاضل خان کا وہی آدمی تھا جسے اس نے اسی ہوٹل میں بیہوش کیا تھا۔

''شاید یہ بھی خفیہ ایجنسی کی مدد کے لیے آئے ہوں......؟''اس نے تلخی سے سوچا۔اسی وقت اس نے فاضل خان کے آدمی کا ہاتھ جیب میں رینگتے دیکھا جو ایک خوفناک پسٹل لیے باہر نکلا۔

''خطرہ......؟''اس کے دماغ میں گونجا اور پھر پسٹل کی نال کا رخ اپنی طرف ہوتا دیکھ کر اس نے یکدم خود کو زمین پہ گرادیا۔اس کا زمین پہ گرنا اور دھماکا ہونا ایک لے میں ہوا تھا۔گولی اس کے پیچھے آنے والے سی آئی کے آدمی کو لگی۔ہلکی سی چیخ کے وہ بھی نیچے گر گیا۔اسماعیل کے دائیں طرف چلنے والے سی آئی کے آدمی نے بجلی کی سی سرعت سے پسٹل نکال کر فاضل خان کے آدمی پہ گولی داغ دی۔گولی اس کے کندھے میں لگی۔اسی وقت بائیں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔سی آئی کے تمام ایجنٹ زمین بوس ہوگئے لیکن اس کے باوجود ایک آدمی کی کمر میں گولی لگ گئی تھی۔پہلی گولی چلنے پہ ہال میں چھا جانے والی خاموشی، دوسری گولی کی آواز کے ساتھ چیخ وپکار میں بدل گئی تھی۔اور پھر جس کا جدھر منہ آیا وہ اٹھ کے بھاگا۔ایسی سچویشن سے فائدہ نہ اٹھانا نری بیوقوفی تھی۔اسماعیل بظاہر آڑ پکڑنے کے لیے ایک طرف رینگا۔اسی وقت دو دھماکے ہوئے جنھوں نے چیخ وپکار اور افراتفری میں اضافہ کردیا تھا۔

''عمران!......قیدی کو سنبھالو''اسماعیل کے کانوں میں ایک چیختی آواز آئی۔اس کے ساتھ ہی اس نے مینڈک کی طرح اچھل کر زقند بھری اور بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے والے لوگوں کے ہجوم میں گھس گیا۔ہوٹل کے ہال میں پھیلی افراتفری اس کے لیے از حد ممدو معاون ثابت ہوئی۔تیزی سے دوڑتے ہوئے وہ ہوٹل کے مین گیٹ سے نکلا۔ہوٹل کی کار پارکنگ میں بھی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔اسماعیل نے دوڑتے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار کو تاڑا جو کک مار کر موٹر سائیکل سٹارٹ کر چکا تھا اس سے پہلے کہ وہ گیئر لگا کر آگے بڑھتا

اسماعیل اس پہ جا پڑا۔ ایک ہاتھ سے موٹر سائیکل کا ہینڈل تھام کر اس نے دوسرے ہاتھ کا وائز دی مکہ موٹر سائیکل سوار کی ٹھوڑی پہ جڑ دیا۔ وہ اچھل کر نیچے گر گیا۔ اگلے ہی لمحے موٹر سائیکل اس کے نیچے تھا گیئر لگاتے ہی اس نے کلچ چھوڑا اور موٹر سائیکل پستول سے نکلی گولی کی طرح روڈ کے جانب بڑھا۔ گو پارکنگ ایریا میں رش تھا مگر موٹر سائیکل کا رستہ بہر حال موجود تھا اور اسی وجہ سے اس نے موٹر سائیکل پہ قبضہ جمایا تھا۔ روڈ پہ آتے ہی وہ فل سپیڈ سے ایک جانب روانہ ہو گیا۔ اس کی اپنی موٹر سائیکل پارکنگ ایریا میں ہی پھنسی رہ گئی تھی۔ جلد ہی وہ جائے حادثہ سے محفوظ فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''زمعیر! یہ کارکردگی ہے تمھارے سورماؤں کی...... دو زنگ میں پہنچ گئے، تیسرا ہاسپٹل میں ہے؟'' روہیت نے بمشکل اپنے جذبات کو قابو کیا ہوا تھا ورنہ تو اس کا جی کر رہا تھا کہ سب کو الٹا لٹکا دے۔

''بس...... سر انھوں نے اسماعیل کو سمجھنے میں غلطی کی ہو گی؟۔''

''یار!...... پھر تاویلوں کا سہارا نہ لو۔ اسماعیل کو ہم نے ہی ٹریننگ دی ہے، وہ ان پہ کیسے حاوی ہو گیا؟''

''سر!...... ہر آدمی کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے اسماعیل کو وقتی طور پہ ناکارہ کرنا تھا جبکہ اسماعیل نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اس نے تو انھیں سڑک چھاپ غنڈے سمجھا ہو گا۔''

''بہر حال...... اب کیا کریں وہ بھوتنی کا تو غائب ہو گیا اور ہم نے اسے ہر حال میں روکنا ہے؟۔''

''سر!...... ہیڈ کوارٹر میں بتا دیتے ہیں کہ وہ غائب ہو گیا ہے۔''

''نہیں!'' روہیت نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تو صریحاً اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا ہے، پھر اس کا یہ نقصان بھی ہے کہ ہیڈ کوارٹر نے میری ناکامی کا سنتے ہی یہ خبر بلیک لیکوئڈ کو پہنچا دینی ہے اور وہ اسماعیل کو قتل کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔''

''سر ہونے دیں اسے قتل...... ہمارا سر درد ہی تو ہے۔''

''نہیں یار!...... باصلاحیت آدمی ہے اور تعلیم یافتہ بھی ہے، بہت کام آ سکتا ہے۔'' روہیت نے بے ساختہ اسماعیل کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔

''سر!...... ہمیں اپنے مفاد سے غرض ہونی چاہیے، اس کی زندگی سے نہیں۔''

''اس کی زندگی میں بھی ہمارا کافی مفاد پوشیدہ ہے؟''

''ہیڈ کوارٹر کا بھی تو کچھ کام بنتا ہے سر!...... یہ فیصلہ ان پہ چھوڑ دیں۔ اگر انھیں اسماعیل کی زندگی عزیز ہوئی تو وہ لازماً بلیک لیکوئڈ سے اس کی زندگی کا مطالبہ کریں گے؟''

"کیوں ناں ہم خود ہی اسے قتل کر دیں؟"

رندھیر اس کی تائید کرتا ہوا بولا۔"جی سر!......کم ازکم اس طرح ہماری کارکردگی پہ تو حرف نہیں آئے گا۔"

"بلکہ ایسا کرو، تمام آدمیوں کو اس کی تلاش میں بھیج دو، جسے بھی نظر آئے اسے گولی مار دے......لیکن کوشش یہ کرے کہ وہ صرف زخمی ہو۔" روہیت اپنی تجویز میں ترمیم کی۔

"سر! مسئلہ تو جوں کا توں رہا......زخمی ہونے پہ وہ وقتی طور پہ ہی فاضل خان کی مخالفت ترک کرے گا جیسے ہی زخم بھرے وہ دوبارہ اس کے درپے ہوگا۔"

"اس دوران ہم کوئی ایسی تجویز سوچنے کی کوشش کریں گے کہ اسے فاضل خان کی دشمنی سے مستقل طور پہ کنارہ کش ہونے پہ مجبور کر سکیں۔"

رندھیر نے پرجوش لہجے میں کہا۔"اسے بلیک میل بھی تو کیا جا سکتا ہے......آخر اس کے خلاف کافی مواد ہمارے پاس موجود ہے؟۔"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو......یہ مواد تب ہی استعمال کیا جا سکتا ہے جب اس کی معاشرے میں کوئی حیثیت ہو......وہ پہلے سے ہی سرکار کو مطلوب ہے تو اسے بلیک میل ہونے کا کیا ڈر؟"

"تو پھر......؟"

"پھر جو کہا ہے، فی الحال اس پہ عمل کرو میں بھی اس کی تلاش میں نکل رہا ہوں تم بھی تمام کو بتا کر نکل پڑو، تلاش کا دائرہ کار ہوٹلز، ریسٹورنٹس یا ایسی جگہوں تک محدود رکھنا جہاں وہ وقتی طور پہ رہائش پذیر ہو سکتا ہو۔ مقامی آدمیوں کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنا کہ اپنے آدمی ناکافی ہوں گے، اس کے علاوہ فاضل خان کی نگرانی پہ بھی دو آدمی متعین کر دینا۔"

"او کے سر" رندھیر! روہیت کے نشست چھوڑنے پہ اس کے احترام میں اٹھتا ہوا بولا۔ اور روہیت نے سر ہلاتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔

☆......☆......☆

لفٹ کا انتظار کیے بغیر عاطف سیڑھیوں ذریعے نیچے پہنچا۔ جب وہ دوڑتا ہوا ہال میں پہنچا تو ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ صرف ہوٹل انتظامیہ کے آدمی اور اپنے چند ماتحت ہی اسے وہاں نظر آئے۔ اختر کے بازو سے خون بہہ رہا تھا جبکہ صغیر کی کمر اور نچلا دھڑ اسے سرخ نظر آیا۔ عرفان خون کا اخراج روکنے کے لیے اس کی کمر کے گرد اپنی قمیص باندھ رہا تھا۔ اسماعیل اسے نظر نہ آیا۔

"قیدی کہاں ہے؟" اس نے پہلی فرصت میں پوچھا۔

"بھاگ گیا ہے......عمران اس کے تعاقب میں ہے۔" جواب دینے والا الیاس تھا۔ اس کی بات بمشکل مکمل ہوئی تھی کہ عمران

ہال میں داخل ہوا۔اس کے انداز میں ناکامی مترشح تھی۔

''الیاس اور اکرم!.....صغیر کو ہاسپٹل لے جاؤ،اختر تم بھی ساتھ چلے جاؤ.....اور عرفان ہوٹل کے دروازے بند کرا دو پولیس والوں کو بھی اندر نہیں آنے دینا۔''

''جی سر'' کہہ کر عرفان ریسپشن کاؤنٹر کے جانب بڑھ گیا جبکہ الیاس اور اکرم زخمی صغیر کو اٹھانے لگے اختر کے بازو میں گولی لگی تھی ۔وہ بھی ان کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

''عمران کیا ہوا تھا؟'' وہ ایک گری ہوئی کرسی کو سیدھا کر کے بیٹھ گیا۔

''سر ہال میں موجود ایک بندے نے اچانک کھڑے ہو کر فائر کیا،اسماعیل نے اسے فائر کرتے دیکھ لیا تھا یا شاید اسے پہلے سے اس کارروائی کا علم تھا بہر حال وہ جلدی سے نیچے لیٹ گیا،پہلے تو میں نے سمجھا وہ گولی لگنے سے گرا ہے۔مگر اختر کی کراہ سننے پر میری غلط فہمی دور ہوئی۔عرفان نے حملہ آور پہ جوابی فائر کیا جو اس کے بازو میں لگا،میں اسماعیل کے جانب متوجہ ہوا جو وہاں سے کھسکنے کی فکر میں تھا۔اسی اثناء میں دائیں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور ہمیں زمین پہ لیٹنا پڑا۔جب تک ہم صورت حال کا جائزہ لیتے اسماعیل لوگوں کے بھاگتے ہجوم میں شامل ہو گیا تھا۔اسی وقت دو دھماکے ہوئے اور دونوں حملہ آور ان دھماکوں میں اڑ گئے۔شاید وہ خود کش حملہ آور تھے یا ثبوت کے خاتمے کے لیے انھیں جان بوجھ کر اڑا دیا گیا۔میں اسماعیل کے تعاقب میں بھاگا وہ یقیناً پکڑا جاتا لیکن پارکنگ میں اس نے ایک آدمی سے موٹر سائیکل جھپٹ لی اور اس کی خوش قسمتی کہ رستے پر موٹر سائیکل کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ہماری گاڑی درمیان میں پھنسی ہوئی تھی مجبوراً اس کا تعاقب ترک کرنا پڑا۔''

عاطف نے کہا۔''بھاگتے ہوئے اس کی ٹانگ میں گولی ماری جا سکتی تھی؟''

عمران نے جواب دیا۔''اس افراتفری میں شاید کوئی دوسرا اس کا نشانہ بن جاتا۔''

عرفان اس دوران واپس آ گیا تھا ان کی گفتگو میں دخل انداز ہوا۔''سر ہتھکڑی لگی ہوتی تو اسے روکنا آسان ثابت ہوتا لیکن آپ نے ہتھکڑی لگانے سے منع کر دیا تھا۔''

''ایسا بھی کسی مصلحت کے تحت کیا تھا.....بہر حال اب حملہ آورز کی شناخت کرنی ہے۔'' کہتے ہوئے عاطف لاشوں کی طرف بڑھ گیا ۔عرفان پارٹی نے بھی اس کی تقلید میں قدم بڑھا دیے۔

دس پندرہ منٹ تک وہ سراغ کی تلاش میں سرگرداں رہے اور پھر عاطف کے بلانے پہ دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔

''سر!یہ بٹوا ملا ہے،اس میں شناختی کارڈ بھی ہے۔'' عرفان نے بٹوا عاطف کے جانب بڑھایا۔''بخش نام ہے۔''

''سر یہ بھی ملا ہے۔'' عمران نے سفید رومال میں لپٹا ایک چپٹا سا آلہ اس کے جانب بڑھایا جس کی جسامت سگریٹ کی ڈبی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے جیتنی تھی۔

عاطف، احتیاط سے آلہ تھام کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”یہ ریموٹ کنٹرول ہے..... ایسا کرو بارود شناخت کے ماہر کو بلوالو۔“

”جی سر۔“ کہتے ہوئے عمران موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔

عاطف کو جائے حادثہ سے دو پسٹل ملے تھے وہ انھیں دیکھنے لگا۔ ان میں گلاک نائنٹین تو بہت عمدہ پسٹل تھا اور ایسا ہی پسٹل انھیں اسماعیل کی جیب سے بھی ملا تھا۔ دوسرا تمیں بور پسٹل تھا۔

”یار گلاک نائنٹین اتنا سستا پسٹل تو نہیں ہے کہ ہر ایرا غیرا اسے لے کے گھوم سکے؟“ اس کا مخاطب عرفان تھا۔

”سر اسماعیل سے بھی گلاک کا یہی ماڈل ملا ہے۔ اور شاید یہ عام آدمی نہ ہوں.....“ عرفان نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے جانب آتے ہوٹل انتظامیہ کے آدمی کو ہاتھ کے اشارے سے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

وہ دور سے ہی پوچھنے لگا۔ ”بس..... سر وہ انسپکٹر صاحب گیٹ پہ ہے..... کیا اندر آنے دیں؟۔“

عاطف نے کہا ”عرفان جاؤ اسے تھوڑی دیر کے لیے ٹال دو“ اور عرفان سر ہلاتے گیٹ کے جانب بڑھ گیا۔

عمران نے کہا ”سر ریموٹ کنٹرول سے تو یہی لگ رہا ہے کہ حملہ آوروں کی بے خبری میں انھیں اڑایا گیا ہے۔“

”ایسا ہی ہے“ عاطف نے تائید کی۔ ”اور تو نے یہ بھی دیکھا ہے کہ دھماکے میں صرف اتنا بارود استعمال کیا گیا ہے جس سے صرف ایک آدمی ہی ہلاک ہوا ہے۔ ارد گرد موجود کوئی بھی ہلاک یا شدید زخمی نہیں ہوا، معلوم ہے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟۔“

”یہی کہ ماسٹر مائنڈ کا ارادہ صرف یہی تھا کہ حملہ آور ہمارے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔“

”ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ زیادہ بارود استعمال کرتا تو اس حملے کو خودکش حملہ بھی ثابت کر سکتا تھا، گو میڈیا اب بھی اسے خودکش حملہ ہی شو کرے گا لیکن آپ کو تو واضح ہوگا کہ کم از کم یہ خودکش حملہ نہیں تھا۔ اور اس صورت میں اگر ارد گرد کے لوگوں کو نقصان پہنچتا بھی ہے تو ماسٹر مائنڈ کے لیے کوئی خاص فرق نہ پڑتا۔ بلکہ یوں کہوں کہ اس کے لیے زیادہ بہتر تھا تو بے جا نہ ہوگا۔“

”سر! اس کا مقصد صرف ثبوت کا ضیاع تھا، شاید خواہ مخواہ کی قتل و غارت اسے پسند نہ ہو؟“

”یہ بھی خوب کہی۔“ عاطف ہنسا۔ ”اللہ کے بندے ایسے لوگوں کے لیے قتل و غارت معمول کی بات ہے۔ باقی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا مقصد یہی تھا کہ حملہ آور ہمارے ہاتھوں زندہ نہ لگیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہلکی طاقت کے بم کے استعمال میں یہ مصلحت تھی کہ ماسٹر مائنڈ کسی اپنے بندے کی حفاظت کا خواہاں تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود وہیں موجود ہو؟۔“

”ویسے سر!..... یہ کارروائی میری سمجھ سے باہر ہے، آیا قاتل اسماعیل کو رہا کرانا چاہتے تھا یا ان کا ارادہ اسے قتل کرنے کا تھا، اگر

ان کا مطمح نظر اسماعیل کی رہائی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ اسے پہلے سے علم تھا کہ اس کے خلاف پھندا تیار ہے، اس صورت میں اس کا یہاں آنا خلاف قیاس لگتا ہے کہ جانتے بوجھتے کون موصل میں سر دیتا ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ اس نے حفظ ماتقدم کے طور پہ آدمی تیار رکھے ہوں؟"

عاطف نے کہا۔" یہ یقینی بات ہے کہ حملہ آور اسماعیل کو ہلاک یا رہا کرانا چاہتے تھے۔ ہلاک کرنے والے فاضل خان کے آدمی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس کا دشمن ہے، اسماعیل کی موت میں اس کا فائدہ ہے اور اسے یہ علم بھی تھا کہ ہم نے اسماعیل کے خلاف پھندا تیار کر رکھا ہے۔ اگر وہ اسے رہا کرانے چاہتے تھے تو پھر انڈین ایجنٹ ہی ہو سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔"

"یعنی ہمیں دونوں صورتوں کو مدنظر رکھ کر کارروائی کرنی پڑے گی ؟"

"ہاں .... لیکن پہلے ایکسپلوزیو (Explosive) کے نمونے حاصل ہو جائیں پھر اس پر تفصیلی بات کرتے ہیں۔ امید ہے ریموٹ کنٹرول پہ فنگر پرنٹ بھی ثبت ہوں گے۔" یہ الفاظ عاطف کے ہونٹوں پر تھے کہ عرفان ایکسپلوزیو کے ماہر کے ساتھ وہاں پہنچا وہ پولیس انسپکٹر کو تالنے گیا تھا۔

"آپ لوگ نمونے حاصل کریں بعد میں لاشیں پولیس کو اٹھانے دینا، انھیں اصل بات بتانے کی ضرورت نہیں، میں چھوٹی کو گھر چھوڑ آؤں پھر دفتر پہنچ کر باقی کی کارروائی کرتے ہیں۔"

عرفان پارٹی کے کچھ کہنے سے پہلے ایکسپلوزیو کا ماہر بولا۔" سر لاشوں کو ساتھ لے جانا پڑے گا۔"

عاطف نے کہا۔" ٹھیک ہے .... لاشیں بھی ساتھ لے جاؤ بعد میں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

"او کے سر" عمران اور عرفان نے بیک وقت سر ہلایا۔ اور وہ لفٹ کے جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

جانے کتنی دیر گزر گئی۔ وہ بے حس و حرکت صوفے پہ لیٹی تھی۔ لیکن اس کے ذہن میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

"اس نے لازماً بھاگنے کی کوشش کی ہوگی، اتنی گولیاں چلنے کے بعد وہ کیسے بچ پائے گا؟" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، جو کچھ ہوا تھا اس کی ذمہ دار وہ خود تھی۔ اتنا بڑا اقدام اٹھانے سے پہلے اس نے کسی سے مشورے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"بھیا کی بجائے کرن سے مشورہ لینا چاہیے تھا، بھیا تو اپنے پیشے سے مجبور ہے۔" اسے پشیمانی کے عالم میں اپنی عزیز سہیلی کی یاد آئی۔" پر اب کیا ہو سکتا ہے، اب تو بس ساری زندگی کے پچھتاوے ہی باقی ہیں؟"

"وہ زندہ ہوتا تو کون سا میرا بن جاتا؟" اس نے خود کو تسلی دینی چاہی مگر یہ سوچ دل کے زخموں کا مداوا نہ بن سکی۔

اسماعیل اس کی پہلی چاہت تھا۔ وہ کالج یونیورسٹی کی طالبہ تھی مگر اس کے باڈی گارڈز کے ڈر سے کبھی کسی لڑکے کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس سے اظہار محبت کر سکتا۔ لیکن لڑکوں کی اکثریت کی نگاہیں جس طرح اس کے رخ کا طواف کرتیں .... جس طرح اس کی نظر

کرم کی منتظر رہتیں اور آنکھوں آنکھوں میں اسے جو پیغام ملتے وہ سب اچھی طرح جاننے کے باوجود انجان بنی رہتی تھی کہ وہ اس رستے کی مسافر نہیں تھی۔ جہاں تک اسماعیل کا تعلق تھا تو وہ انجانے میں اس کی منزل بن گیا تھا، اپنے تئیں وہ اس سے ہمدردی کر رہی تھی۔ اس ہمدردی نے کب چاہت کا روپ دھارا، کب وہ اس کی منزل بنا، کب وہ اس کی آرزوؤں اور خواہشوں کا محور بنا اس سے وہ بے خبر تھی۔ بس اچانک ہی اسے محسوس ہوا تھا، کہ اس کے بغیر زندگی بے رنگ، پھیکی اور بے مزہ ہے۔ اچانک دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے عاطف اندر داخل ہوا اس کے چہرے کے تاثرات نے رہی سہی امید کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔

''بھیا کیا ہوا......؟'' اس نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے پوچھا۔

''چھوٹی میں شرمندہ ہوں۔ لیکن تدبیر پہ تقدیر بھاری ہے.........''

اشکوں کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے اس نے آنکھیں بھینچیں لیکن تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

''ارے پگلی!...... اس میں رونے کی کیا بات ہے؟۔'' عاطف کے لہجے میں حیرانی تھی۔ ''خدانخواستہ وہ مر تو نہیں گیا۔ آج بھاگ گیا ہے تو کل ہاتھ آ جائے گا۔ اور فکر مت کرو تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ قائم ہے، اسے اگر ہم نے اپنی کوشش سے بھی گرفتار کیا تب بھی اسے تشدد کا نشانہ نہیں بنائیں گے۔''

''م......مم مگر......وہ......کیا......وہ......وہ زندہ ہے؟۔'' شدت جذبات میں اس سے بولا نہ گیا۔

''ہا......ہا......ہا......تم اسے مردہ سمجھ رہی ہو؟''

''آپ کا انداز ہی ایسا تھا۔'' حنا کے چہرے پر چھائے غم کے بادل خوشی میں ڈھل گئے تھے۔

''بہت خوب......اب اپنے اندیشوں کو میرے انداز کا نام دے دو۔''

''تو اور کیا......۔'' خوشی جیسے اس کے چہرے پہ ثبت ہو گئی تھی۔

''اچھا اب اٹھ جاؤ تجھے گھر پہنچا دوں۔''

اور وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

''ریموٹ وہاں پھینکنے کی کیا ضرورت تھی بیوقوف۔'' فاضل خان، نورل کی ساری بات سنتے ہی غصے سے پھٹ پڑا۔

''سیٹھ صاحب! پکڑے جانے کے خوف نے مجھے اس کام پہ آمادہ کیا۔''

''بے بی کے بارے کچھ پتا نہیں چل سکا؟''

''ہوٹل کے ہال میں تو نظر نہیں آئی تھی۔''

”لازماً وہ کمرے میں ہوگی ...... یہ لڑکا عاطف بھی کافی ہوشیار ہے۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔”خیر، تم فٹ جا کر وہاں چیک کرو...... امید ہے ابھی تک کسی کی نظر ریموٹ پہ نہیں پڑی ہوگی۔“

”مم...... مگر سیٹھ صاحب......۔“

”اگر مگر چھوڑو اور پہنچنے کی کرو......۔“

”ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔“ نورل نے باہر نکل کر ہوٹل کا رخ کیا۔ مگر وہاں اسے کسی نے اندر نہ جانے دیا۔

”صاب! گھنٹے ڈیڑھ بعد تشریف لائیں...... فی الحال پولیس تفتیش کر رہی ہے“ چوکیدار نے اسے واپسی کا رستہ دکھایا۔ فاضل خان کو کال کر کے اس نے پرابلم بتائی۔

جواب ملا۔”وہیں رہو...... ہماری پولیس اتنی باریک بینی سے تفتیش نہیں کرتی کہ ریموٹ تلاش کر لے۔ البتہ یہ پتا ضرور کر لینا کہ ایس آئی نے بھی تفتیش کی ہے کہ نہیں؟۔“

اور اس نے ”جی سیٹھ صاحب۔“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ تفتیش کے ختم ہونے کا انتظار وہ ہوٹل کے سامنے کھڑے ہو کر نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں سے قریبی ہوٹل میں جا کر اس نے دن کا کھانا کھایا۔ گو کھانے کا ٹائم نکل گیا تھا مگر پہلے اسے کھانا کھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

ڈیڑھ دو گھنٹوں کے قریب ٹائم گزار کر وہ دوبارہ پیراڈائز ہوٹل پہنچا۔ سہ پہر ڈھلنے کو تھی اس مرتبہ دربان نے اس سے تعرض نہیں کیا تھا۔ ہوٹل کے ہال میں اسے کا دکا آدمی ہی نظر آئے۔ اس نے مطلوبہ جگہ کا رخ کیا کہ جہاں اس نے ریموٹ پھینکا تھا۔ مگر وہاں اسے ریموٹ نہ ملا۔

چائے منگوا کر وہ آس پاس نظر دوڑانے لگا مگر اسے ناکامی ہوئی۔

”کیا پتا پولیس کے ہاتھ لگا ہے یا کسی بیرے نے جیب میں ڈال لیا ہے۔“ اس سوچ نے اسے بیرے سے استفسار کی ترغیب دی۔

”ان دو نوٹوں کا حصول نہایت آسان ہے۔“ نورل نے ہزار ہزار کے دو نوٹ اپنے سامنے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے چائے لانے والے بیرے کو لالچ دی۔

”حکم کرو صاب؟“ بیرے نے سعادت مندی پوچھا۔

”دوپہر کو یہاں ہونے والے ہنگامے کے دوران میرے ڈی وی ڈی پلیر کا ریموٹ یہاں گر گیا ہے میرے خیال میں وہ کسی بیرے کے ہاتھ لگا ہے...... اگر وہ لا دو تو ان دونوں نوٹوں کے بلا شرکت غیرے مالک بن سکتے ہو۔“

”مگر صاب! اتنی رقم میں تو غالباً بازار سے نیا ڈی وی ڈی پلیر ہی مل جائے گا۔“ بیرے کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

”پاگل آدمی!...... وہ عام ڈی وی ڈی پلیر نہیں ہے۔ یو ایس اے (USA) سے میرے بہنوئی نے بھیجا ہے۔ لاکھ سے بھی

زیادہ قیمت ہے اس کی۔ اور بدقسمتی سے اس کا سپیئر ریموٹ بازار میں دستیاب نہیں کیونکہ اس قسم کے پلیئرز کے ساتھ صرف اپنا ریموٹ ہی کام کرتا ہے۔''

''اتنا مہنگا ڈی وی ڈی پلیئر سر؟''

''بس یار شوق کی بات ہے...... بہرحال تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''میں کوشش کرتا ہوں سر!......''

''لیکن کسی کو پتا نہ چلے۔''

''اس میں چھپانے کی کیا بات ہے سر؟''

''بھائی! اتنے بھولے نہ بنو...... فائرنگ کے وقت میں یہیں موجود تھا۔ پولیس کو لازماً چشم دید گواہوں کی ضرورت ہوگی اور تھانے کچہری کے چکر لگانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔''

''اوہ سمجھا۔'' بیرے نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا یہ بتاؤ پولیس والے سول کپڑوں میں تھے یا وردی میں تھے؟۔''

''پہلے سول کپڑے والے تفتیش کرتے رہے، لاشیں بھی وہی اٹھا کر لے گئے ہیں ان کے بعد وردی والے آئے، ہوٹل کے منیجر سے ملے، یہاں کھانا کھایا اور چلے گئے۔''

''اچھا! یہ لو...... ایک نوٹ رکھ لو دوسرا کام کے بعد ملے گا۔''

''تمام سے پوچھنے پہ تھوڑا ٹائم تو لگے گا نا سر؟''

''ٹھیک ہے اپنا موبائل نمبر دے دو میں کل کسی ٹائم معلوم کر لوں گا۔''

اور بیرے نے اپنا نمبر دہرا دیا۔ چائے پی کر وہ ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فاضل خان کے سامنے اپنی کارگزاری دہرا رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے ریموٹ سی آئی کے ہاتھ لگ گیا ہے؟''

''سیٹھ صاحب!...... گستاخی معاف کیا ریموٹ بہت ہی قیمتی تھا؟'' نورل نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''اس سے ہم پہچانے جاسکتے ہیں۔'' خلاف توقع سیٹھ کا لہجہ نرم تھا۔

''وہ کیسے سیٹھ صاحب؟''

''یہ تیرے لیول کی بات نہیں ہے۔'' فاضل خان اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور نورل سلام کہتے ہوئے

الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"بلیک لیکوئڈ...... اور اس کیس میں؟...... سمجھ سے باہر ہے......" عاطف کی بات سن کر صدیقی صاحب اچنبھے میں پڑ گیا تھا۔

"سر!...... شاید میں اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکا ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسماعیل کو ٹریننگ را نے دی ہے تو وہ اسے کیوں مروانا چاہیں گے اور پھر ریموٹ کنٹرول کی ساخت سے پتا چلا ہے کہ یو ایس اے کا بنا ہے۔ اسی طرح بم میں جو بارود استعمال کیا گیا ہے وہ بھی بلیک لیکوئڈ یا ایف بی آئی استعمال کرتی ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ، دو جمع دو چار...... یہ کام را کا نہیں ہو سکتا...... موساد اور کے جی بی وغیرہ بھی یہ ڈیوائس کیوں استعمال کریں گے؟ پھر ان ساری ایجنسیوں کا مقصد پاکستان میں دہشت گردی اور خوف وہراس پھیلانا ہے انھیں اتنی کم طاقت کے بم استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟...... اس لیے یہ کام یقینی طور پہ کسی نے ذاتی مفاد کے لیے کیا ہے۔ اور ثبوت ختم کرنے کے لیے حملہ آوروں کے خاتمے کے ساتھ وہ کسی قریبی آدمی کی سلامتی کا بھی خواہاں تھا۔ ایسا آدمی جس کے کسی اپنے کی موجودگی موقع پہ متوقع ہو...... مختصراً یہ کہ اس کا مقصد اسماعیل کو قتل کرنا تھا اور قتل کرانے والے کا تعلق بلیک لیکوئڈ سے ہے، لیکن یہ کام اس نے تنظیم کے لیے نہیں بلکہ ذاتی مفاد کے لیے کیا ہے۔"

"اور وہ فاضل خان ہے، کہ وہی اسماعیل کا جانی دشمن ہے، یہی باور کرانا چاہتے ہیں آپ؟"

"لاریب...... اس کی جان سے پیاری بیٹی بھی موقع پہ موجود تھی اور اسے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ اسماعیل کے خلاف ہم یہ کارروائی کرنے والے ہیں"۔

"لائحہ عمل کیا ہوگا؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد صدیقی صاحب گویا اس کے ساتھ متفق ہو گیا۔

"فی الحال فاضل خان کی نگرانی...... کیونکہ اس پہ ہاتھ ڈالنے کی صورت میں اس کی پشت پہ موجود بلیک لیکوئڈ کے چوکنا ہونے کا خدشہ ہے...... اور میں انھیں خاموشی سے گھیرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر بدر صاحب سے مشورہ کر لیتے......؟"

"سر!...... آپ ان سے مل لیں، میں ذرا جوانوں کو بریف کر لوں۔"

"اوکے......" صدیقی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا اور عاطف سلام کہتا ہوا اس کے آفس سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

وہ سارا ڈراما کرشنا کے سامنے ہوا تھا۔ جس وقت اسماعیل بھاگا وہ اس کے ساتھ ساتھ تھا مگر اس کی بدقسمتی کہ اسماعیل کو موٹر

سائیکل مل گئی اور وہ اس کا تعاقب نہ کر سکا۔ کچھ سوچ کر وہ دوبارہ ہال کی جانب بڑھا۔ وہاں اسے انتظامیہ کے علاوہ وہی لوگ نظر آئے جو اسماعیل کے ساتھ تھے۔ اسی وقت اس کی نظر عاطف پہ پڑی۔

''اس کا مطلب ہے اسماعیل سی آئی کے ہتھے چڑھ گیا تھا..... مگر حملہ آور کون تھے.....؟'' اس وقت سی آئی والے ایک آدمی کو اٹھائے باہر نکلے، عاطف البتہ وہیں ایک کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔

اس کی سوچوں میں دربان مخل ہوا ''سر پلیز دروازہ بند کرنے کا حکم ملا ہے۔''

''ضرور.....'' وہ چونکتا ہوا بولا اور ہال سے نکل کر پارکنگ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس کی جیپ وہاں پہنچی مگر انھیں بھی کسی نے اندر نہیں جانے دیا۔ کرشنا کا ارادہ عاطف کا تعاقب کرنے کا تھا۔ گھنٹا بھر کے انتظار کے بعد اسے عاطف ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ باہر آتا دکھائی دیا۔ لڑکی کو پہچانتے ہی وہ حیران رہ گیا تھا۔

''فاضل خان کی بیٹی اور عاطف کے ساتھ؟..... شاید مجھے پہچاننے میں غلطی ہوئی ہے'' مگر جس وقت وہ دونوں اس کے قریب سے گزرے تو اس نے خوب غور سے دیکھا وہ وہی تھی..... ان کے پارکنگ سے نکلتے ہی وہ بھی اپنی کار میں بیٹھ کر ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ انھیں فاضل خان کی کوٹھی میں جاتے دیکھ کر وہ آگے نکلتا چلا گیا آدھے گھنٹے بعد وہ رندھیر کے سامنے بیٹھا یہ تفصیل دہرا رہا تھا۔

اس کی بات ختم ہونے پہ رندھیر نے رائے دی۔ ''عجیب کہانی سنا رہے ہو یار۔ اسماعیل کیسے پکڑا گیا؟ اس پہ قاتلانہ حملہ کس نے کیا؟ پھر سی آئی کے ایک اہم رکن کا فاضل خان کی بیٹی کے ساتھ دیکھا جانا، اسماعیل کا سی آئی کے ہاتھوں فرار کوئی بات پلے نہیں پڑ رہی۔''

''سر! میں نے جو دیکھا ہے وہ بتا دیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے حملہ آور اسماعیل کو رہا کرانے آئے ہوں؟''

''ایسا ہو سکتا ہے سر!..... لیکن اسماعیل کے ایسے غم خوار کہاں سے پیدا ہو گئے جو اس کے لیے جان پہ کھیل جائیں۔''

''یعنی یہ اسے قتل کرنے کی کوشش تھی؟''

''جی سر..... اور جہاں تک میرا خیال ہے یہ فاضل خان کا کام ہو سکتا ہے۔''

''یار!..... ایک طرف تم کہتے ہو کہ سی آئی کا ایک اہم ایجنٹ عاطف فاضل خان کی بیٹی کے ساتھ تھا اور اس کے ہمراہ فاضل خان کی کوٹھی میں داخل ہوا گویا ان کے تعلقات فاضل خان کی نظر سے اوجھل نہیں ہیں۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ فاضل خان کے آدمیوں کا حملہ عاطف کی ایما پہ ہوا..... لیکن عاطف کے آدمی بھی حملے میں زخمی ہوئے اور حملہ آوروں کو بھی دھماکے سے اڑا دیا گیا اور ایسا لازماً ان کی شناخت چھپانے کے لیے کیا گیا ..... بات پھر وہیں کی وہیں رہی۔''

''سر!..... عاطف کا فاضل خان کی بیٹی سے تعلقات کا یہ مطلب تو نہیں بنتا کہ وہ اس کے تمام رازوں سے واقف ہو..... شاید

ان دونوں کے درمیان پیار محبت کا چکر ہو جو آج نوجوان طبقے کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عاطف بھی در پردہ فاضل خان سے ملا ہوا ہو۔ دولت اور پھر شباب، بڑے بڑوں کی مت ماری جاتی ہے۔''

''نہیں اس نے اپنی بیٹی اور بیوی کو ان کاموں سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔''

''تو پھر یہ کام عاطف کی لاعلمی میں ہوا ہوگا؟''

''بہر حال کافی گمبھیر صورت حال ہے۔''

''سر!......میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''میجر صاحب سے مشورے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا۔''

''تو بات کر لیں ناں سر؟''

رندھیر موبائل نکال کر روہیت سے رابطہ کرنے لگا۔

''سر! ایک اہم بات ہے اگر چند منٹ دے سکیں؟''

''کہو؟''

''سر فون پہ نہیں بتا سکتا......اگر ملاقات ہو جاتی......''

''میں آجاؤں یا......؟''

''جیسا مناسب سمجھیں سر!......اگر حکم کریں تو میں آجاتا ہوں؟''

''نہیں میں خود آرہا ہوں۔''

''میں منتظر ہوں سر!......'' کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ روہیت کے آنے تک وہ حالیہ موضوع پہ مصروف گفتگو رہے۔ روہیت کو دیکھتے ہی وہ استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''کیا نئی تازی ہے بھئی؟'' روہیت نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور رندھیر نے کرشنا سے سنی ساری گفتگو دہرا دی۔

''یہ الو کا پٹھا کیا کرتا پھر رہا ہے؟......فاضل خان کی بیٹی کا نام تیسری مرتبہ اس کے ساتھ آرہا ہے۔ اور میرا اندازہ ہے اس کی گرفتاری میں فاضل خان کی بیٹی ہی کا ہاتھ ہے۔''

رندھیر نے کہا''ہم نے تو کچھ اور اندازہ لگایا تھا۔''

''وہ کیا؟'' روہیت نے پوچھا۔ اور رندھیر اسے کرشنا سے ہونے والی گفتگو کے بارے بتانے لگا۔

''یہ سب اندازے ہیں کہ آیا عاطف اور فاضل خان کا آپس میں کوئی تعلق ہے یا نہیں جبکہ میں اسماعیل کی گرفتاری کے متعلق بات کر رہا ہوں کہ وہ کیسے گرفتار ہوا ہوگا؟''

رندھیر نے کہا۔''پھر بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا فاضل خان کی بیٹی سے کوئی تعلق ہوگا اور اس لڑکی نے اسے اپنے باپ کا دشمن سمجھتے ہوئے گرفتار کرایا ہوگا۔''

''سوال یہ ہے کہ اس کے فاضل خان کی بیٹی کے ساتھ تعلقات کیسے بن گئے؟''

خاموش بیٹھے کرشنا نے اپنی رائے دی''سر!.....میرا خیال ہے کہ جن دنوں اسماعیل نے اسے اغواء کیا تھا انھی اوقات میں فاضل خان کی بیٹی نے اسے پٹا لیا اور ایسا اس نے اپنی عزت و جان بچانے کے لیے کیا ہوگا۔ دوسری مرتبہ بھی غالباً ملاقات کے بہانے بلا کر اس لڑکی نے اسے مروانا چاہا مگر اسماعیل اس کے ملازمین سے قابو نہ آسکا اور اس مرتبہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس نے''سی آئی'' کو بلوا لیا۔ اس سب کے پیچھے فاضل خان کی عقل کام کر رہی ہے اور اپنی خوبصورت بیٹی کو وہ بطور مہرہ استعمال کر رہا ہے۔''

''گڈ.....''رودھیت نے تحسین آمیز انداز میں سر ہلایا۔''اب یہ سوال حل طلب ہے کہ اسماعیل پہ قاتلانہ حملہ کس نے کیا؟''

''شاید فاضل خان نے!''رندھیر نے رائے دی۔''ایک طرف اس نے اسماعیل کی مخبری اپنی بیٹی کے ذریعے کرائی اور دوسری طرف سے اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے ختم کرانا چاہا کیونکہ اسماعیل کی گرفتاری کے بعد اس سے پوچھ گچھ ہوتی۔ اس کے نتیجے میں خود فاضل خان کے جرائم بھی تو سامنے آنے تھے۔''

''اور پھر اسماعیل ان کے حملے سے بچ نکلا بلکہ اسی کا فائدہ اٹھا کر وہ فرار ہو گیا......''رودھیت نے رندھیر کی بات کی تائید کی۔''اب آخری بات کہ فاضل خان کے تعلقات سی آئی سے کیسے ہوئے؟''

رندھیر نے کہا۔''سر! اپنے ملک کی ایجنسی سے تعلقات پیدا کرنا کتنا کچھ مشکل ہے؟''

''صحیح کہا.....''رودھیت بولا۔''اب سب سے پہلے ہم اس معاملے کی تصدیق کریں گے کہ آیا سب کچھ اسی طرح ہوا ہے جس طرح کہ ہم نے سوچا ہے۔ یا کوئی اور معاملہ ہے.....اس سلسلے میں فاضل خان کے آدمیوں سے سن گن لو۔ باقی اسماعیل کی تلاش میں تیزی لے آؤ کہ اب وہ فاضل خان کا حساب چکانے میں دیر نہیں کرے گا۔ اور اپنے تمام آدمیوں کو بھی تازہ صورت حال سے بھی آگاہ کر دینا تاکہ انھیں بروقت فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔''

''ٹھیک ہے سر۔''رندھیر نے کہا۔

''آپ لوگوں کی طرف سے کوئی تجویز؟''

''فی الحال کوئی نہیں سر۔''رندھیر نے کہا اور رودھیت سر ہلاتا ہوا اٹھ گیا جو گفتگو کے خاتمے کا اعلان تھا۔

☆......☆......☆

''نواب زادی صاحبہ کب تک بستر سے چپکی رہے گی؟'' کرن نے حنا کے بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بڑی آئی غم خوار...... کبھی جھوٹے منہ تیمارداری کی زحمت تو کی نہیں جناب نے۔'' حنا اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہونے لگی۔

''لیٹی رہو...... لیٹی رہو۔'' اٹھنے سے پہلے وہ اس سے آن لپٹی۔

''بے شرم اتنے دنوں بعد میری یاد آئی ہے'' حنا نے گلہ کیا۔

''اور جو فون پہ بات ہوتی رہی ہے اس کا کوئی شمار نہیں؟''

''فون پہ تو غیر بھی حال احوال دریافت کر لیتے ہیں؟''

''اچھا گلے شکوے ہی کرتی رہو گی یا کچھ کھانے پینے کا بھی پوچھو گی؟''

''پیٹ تو ہتھیلی پہ لیے پھرتی ہو؟'' حنا نے ہنستے ہوئے، گھنٹی بجائی۔

''اچھا سناؤ زخم کیسا ہے......؟ اور وہ کیسا ہے؟''

''کرن! جیسے زخم پائیدار نہیں ہوتے، اسی طرح راہ چلتے بننے والے رشتے بھی عارضی ہوتے ہیں۔'' حنا یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اسی وقت ملازم دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''جی چھوٹی بی بی؟''

حنا نے کہا۔ ''شرفو چاچا!...... چائے اور کچھ کھانے کو لے آؤ۔''

اور وہ ایک مرتبہ پھر۔ ''جی چھوٹی بی بی۔'' کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

''یار سیدھی طرح بتاؤ کیا شاہ جی سے لڑائی ہو گئی ہے؟''

''تم قطع تعلق کہہ سکتی ہو۔''

''کچھ پتا تو چلے؟''

جواباً حنا تفصیل سے ساری بات دہرانے لگی۔ درمیان میں وہ صرف اس وقت خاموش ہوئی جب ملازم چائے اور لوازمات کے ساتھ حاضر ہوا اور اس کے جاتے ہی سلسلہ کلام وہیں سے جوڑ لیا جہاں منقطع ہوا تھا۔ کرن نے چائے بنا کر ایک کپ اس کی طرف بڑھایا اور دوسرا خود تھام لیا۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی کرن نے کہا۔ ''یہ تو سراسر...... تمھاری زیادتی ہے۔''

''میں نے اس کی بہتری کے لیے سوچا تھا۔''

''یہ تمھاری اپنی سوچ تھی...... اگر سارے معاملے کو بنظر انصاف دیکھا جائے ہر کوئی تمھیں قصوروار ٹھہرائے گا، اس نے دشمن کی

بیٹی ہونے کے باوجود تم پہ اتنا اعتماد کیا، جہاں تو نے کہا آنکھیں بند کیے پہنچ گیا اور تو نے کیا کیا..........؟"

"تو کیا اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتی، قاتل بننے دیتی، ایجنسی والے دہشت گرد سمجھ کر گرفتار کر کے لے جاتے اور ساری عمر کسی تاریک کوٹھری میں گزار دیتا۔ جبکہ میں تو اسے انصاف دلانا چاہتی تھی، اسے حق دلانے کی خواہاں تھی۔ اور تم جانتی ہو، میں اسے چاہتی ہوں پیار کرتی ہوں، اپنانا چاہتی ہوں لیکن اگر وہ میرے باپ کا قتل کر دے تو کیا میں اس کے ساتھ ساری زندگی گزار سکوں گی۔ کیا یہ خیال مجھے چین سے رہنے دے گا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہ رہی ہوں.....کبھی نہیں۔"

"تو پھر ہوئی کامیابی اپنے مقصد میں، اسی کو کہتے ہیں.....

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

"طنز کر رہی ہو.....؟" حنا دکھی ہو گئی۔

"نہیں میری جان!....." کرن اس سے لپٹ گئی۔ "تجھے، تیری بیوقوفیوں سے آگاہ کر رہی ہوں۔ اتنا بڑا قدم اٹھا رہی تھیں تو کسی سے مشورہ تو کر لینا تھا۔"

"عاطف بھائی سے پوچھا تو تھا۔"

"عاطف اگر بھائی ہے تو تیرا ہے، اسماعیل تو اس کی نظر میں مجرم ہے اور مجرم اگر سگا بھائی بھی ہو تو یہ ایجنسی والے اسے کوئی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے.....پاکستانی پولیس نہیں ہے بی بی! کہ جاہ، ماہ اور پیسے کی حکمرانی ہو۔"

"اس کے علاوہ کیا ہو سکتا تھا.....ظاہری طور پہ اور کنایتاً اس موضوع پر کئی مرتبہ شاہ جی سے بات ہوئی ہے۔ نہ وہ پاپا کو معاف کرنے پہ تیار تھے اور نہ انصاف کے لیے قانون کا دروازہ کھٹکھٹانے پہ راضی تھے۔"

"بہت کچھ ہو سکتا تھا۔"

"مثلاً؟"

"دیکھو حنا! جیسے تم اسے چاہتی ہو وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔ تیری خاطر وہ بہت کچھ کرنے پہ تیار ہو جاتا، لیکن کچھ سے تو لگتا ہیں ناں؟.....اگر تمھارا خیال ہے کہ پہلی مرتبہ کہنے پر ہی وہ انکل کو معاف کر دیتا یا خود کو پولیس کے حوالے کر دیتا تو ایسا ہونا عقلی لحاظ سے بھی بعید ہے۔ بارش کے پہلے قطرے کے ساتھ زمین جل تھل نہیں ہو جایا کرتی؟ حبس زدہ ماحول کو ہوا کا اکیلا جھونکا خوشگوار نہیں کر سکتا؟ بھوکا پیٹ ایک نوالے سے نہیں بھرا کرتا؟ کسی کی زندگی کی پہلی ضرورت بننے کے لیے کچھ وقت تو لگتا ہے، جبکہ تمھاری سوچ یہ ہے کہ تم نے اسے کہا اور اسے اسی وقت مان جانا چاہیے تھا.....وہ ضرور مانتا اگر تمھارے بنا جینا اسے دشوار لگتا۔ پہلے تم اس کی زندگی میں اتنی اہمیت تو اختیار کر

لیتیں پھر سب کچھ منوا لیتیں۔"

"تمھارا کیا خیال ہے اب اس کی زندگی میں میری اہمیت نہیں ہے؟"

"ہوگی، اسی لیے تو وہ پھنس گیا تھا۔ کیا کہتے ہیں......

نشانے ان کے کبھی چوکتے نہیں دیکھے
بہت قریب سے جو لوگ وار کرتے ہیں

"بکواس کرنا کوئی تم سے سیکھے۔" حنا جھینپ گئی تھی۔

"تو اب سیٹھ زادی کا کیا ارادہ ہے؟"

"اب کیا ہو سکتا ہے؟......اب تو شاید وہ میری صورت دیکھنے کو بھی تیار نہ ہو؟"

"خیر......ایسا بھی نہیں ہے۔" کرن نے اسے تسلی دی۔ "اسے کال کر کے چیک کر لینا تھا؟"

"میرے نمبر سے کال وہ کبھی بھی اٹینڈ نہیں کرے گا۔"

"میں اپنے موبائل سے بات کرلوں؟"

"تم......تم کیا کہو گی اسے؟"

"اپنی سی کوشش کروں گی کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے۔"

"کرلو۔" لہجے میں ہویدا بے یقینی کے باوجود اس کے دل میں امید کی ہلکی سی چنگاری سلگ رہی تھی۔ واقعی امید ہی ایسی دولت ہے جس سے زندگی کی تلخیوں، دکھوں اور غموں کا مرہم خریدا جا سکتا ہے۔

"نمبر بتاؤ؟" کرن نے موبائل نکال کر پوچھا۔ اور پھر حنا کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری بیل پہ ہی کال ریسو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو......" ایک حنا طآواز ریسیور سے ابھری۔

"شاہ جی! میں کرن بول رہی ہوں۔"

"جی؟"

"میں حنا کی سہیلی ہوں اور......"

وہ قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ "کرن بہن! میں عاطف بات کر رہا ہوں، چھوٹی تیرے پاس ہے؟"

"ج......جی عاطف بھائی"

"فون اسے دو۔"

"!...... یہ لو حنا! عاطف بھائی سے بات کرو" اس نے موبائل حنا کے جانب بڑھایا۔

حنا امید و یاس کی تصویر بنی کرن کی گفتگو کی طرف متوجہ تھی عاطف کا نام آتے ہی چونک گئی۔

"عاطف بھیا؟" اس نے موبائل تھامتے ہی کہا۔

"چھوٹی!...... اسماعیل کی تلاشی لیتے وقت اس کی ساری چیزیں ہم نے نکال لی تھیں۔ اب دوبارہ اس نمبر پر کال نہ کرنا۔"

"جی بھیا!......" وہ آہستہ سے بولی اور عاطف نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"اسماعیل کا موبائل عاطف بھائی کے پاس......؟" کرن کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"اسماعیل کو گرفتار کر کے اس کی جیب سے سب کچھ عاطف بھیا کے ساتھیوں نے نکال لیا تھا اور جہاں تک میرا اندازہ ہے عاطف بھیا، اسماعیل کے موبائل کے ذریعے اس ساتھیوں کو کھوجنے کے چکر میں ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس بات کو چھوڑو، یہ خفیہ ایجنسی کا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے۔"

"خیر، اب تو رابطہ اسماعیل بھائی کی مرضی پر ہی ہوگا۔"

"وہ کب رابطہ رکھنا چاہے گا؟" حنا کا لہجہ مایوسی سے لبریز تھا۔

"اس بارے تجھے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"اچھا بابا اب معاف کرو۔" حنا چڑ کر بولی۔ "غلطی ہوگئی ہے...... مگر اب ہوگئی ہے تو اس کا مداوا کیا ہوگا؟"

"انتظار۔"

"انتظار......؟ مگر کس چیز کا؟"

کرن نے اطمینان سے کہا۔ "شاہ صاحب کے فیصلے کا۔"

"وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے اب میں چلوں گی، اپنا خیال رکھنا اور کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور لینا۔"

حنا نے کہا "ٹھیک ہے اماں جان" اور وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

اب اسماعیل کو راحیل (روحیت) کی باتوں کی تصدیق ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے انتقام کو مزید موخر کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ زندگی کے گزشتہ چند ہفتوں کا جائزہ لینے پر اسے محسوس ہوا کہ اس نے فاضل خان سے انتقام لینے میں مجرمانہ تساہل برتی

تھی۔ حنا فاضل علی خان کی بناوٹی چاہت نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اسے، ایکے کی! عورت ذات سے متعلق کی گئی نصیحتیں شدت سے یاد آئیں۔ وہ کہا کرتا تھا۔

''عورت کی محبت کو صرف جسمانی تعلق تک محدود رکھو، اگر اسے اپنے دل و دماغ پر طاری کرلو گے تو خسارہ پانے والوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ پیار و محبت، کہنے کو بہت عظیم جذبہ ہے۔ نام نہاد انسانیت کبھی بھی یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوگی کہ حقیقی محبت کا کوئی وجود نہیں یہ بس ہماری ذہنی اختراع ہے۔ مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھ کر لطیف جذبات محسوس کرنا نفسانی خواہشات ہی کی ایک قسم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو سمجھنا ہر آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اور لوگ اسے عشق، محبت، پیار اور جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ لیکن میں اسے بیوقوفی اور عقلی فتور کا نام دیتا ہوں۔ آپ لوگوں نے عملی زندگی میں اس سے احتراز برتنا ہے۔ عورت فقط وقتی عیاشی اور ہمارے جسمانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔ اسے گلے کا زیور اور زندگی کا روگ نہ بنا لینا۔''

اس وقت اسماعیل کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایکے کی باتیں کتنی مکمل تھیں۔ حنا کی وجہ سے وہ کتنے دنوں سے اپنے مقصد پہ توجہ نہیں دے سکا تھا۔ حنا کے اغوا کے علاوہ وہ فاضل خان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکا تھا۔

''حنا فاضل علی خان!...... تو نے بہت برا کیا ہے اور اس کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑے گا۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا نیا کنکشن وہ بازار سے لے آیا تھا۔ حنا کا نمبر اسے یوں بھی زبانی یاد تھا۔ دو تین گھنٹیوں کے بعد کال رسیو کی گئی۔

''یس؟'' اس کی محتاط آواز سنائی دی۔

''کیوں کیا ایسا؟'' اس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

حنا کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اسماعیل کی کال یوں اچانک آجائے گی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

اسے خاموش پا کے وہ دوبارہ بولا۔ ''میں نے کچھ پوچھا ہے، مس حنا فاضل علی خان؟''

''ایک تو آپ کی مخبری پر دس لاکھ کا انعام مل رہا تھا دوسرے آپ میرے پاپا کے بھی دشمن تھے میں نے سوچا ایک تیر سے دو شکار کرلوں۔''

''تم شاید، میری بات کو مذاق میں ٹال رہی ہو مگر تمھارے جواب میں کم از کم آدھا سچ ضرور ہے۔''

اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میں نے پورا سچ کہا ہے تم بے شک آدھا سچ جانو۔''

''وہ ایک شاعر کہتا ہے نا......

حسین سانپ کے نقش و نگار خوب سہی
نگاہ زہر پہ رکھ خوش نما بدن پہ نہ جا

"میری غلطی کہ میں، تمھارے ظاہر میں کھو کر باطن کو نہ سمجھ سکا۔ تیری مطلب پرستی کو تیرا اخلاص سمجھا، مکاری کو سادگی پر محمول کیا۔ چالبازیوں کو چاہت سمجھا۔ یہ تو شکر ہے اللہ کا اور میری زندگی بچانا تھی جو بچ گیا ورنہ تم نے اور تیرے باپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور اب جبکہ نقاب تیرے رخ سے ہٹ گیا ہے، تم دیکھو گی کہ میں تیرا کیا حشر کرتا ہوں...... بس ایک دفعہ سامنے آجاؤ؟"۔

"کہاں آجاؤں؟"

"تمھیں شاید میری بات مذاق لگ رہی ہے؟"

"نہیں...... لیکن تم نے انتقام لینا ہے ناں...... کہاں تلاش کرتے پھرو گے، مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ میں خود ہی آجاتی ہوں، لے لینا بدلہ...... قتل کرو گے یا عصمت دری کرو گے؟"

"تم بکواس بند کرو...... مجھے پتا ہے، وہاں ساتھ تمھارا یار موجود ہوگا۔ ویسے اسے کب اس کی حیثیت یاد دلا رہی ہو؟"

"تھوڑی رنگ رلیاں تو منا لوں...... اتنا عرصہ تمھارے ساتھ عیاشی کرتی رہی ہوں، اب اس کا بھی تو حق بنتا ہے......" کوشش کے باوجود وہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اسماعیل اتنے گھٹیا الزامات عائد کرے گا۔

"مت کرو بکواس" وہ دھاڑا۔ "تو نے کیوں کیا ایسا...... کیوں میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی...... کیوں محبت کے نام پر ڈرامے بازی کی، کیوں میرا جذباتی استحصال کیا...... کیوں آخر کیوں؟"

"تجھے کھونے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں......؟"

"اس لیے ایجنسی کے ہاتھوں پکڑوا دیا تاکہ میری لاش کا بھی پتا نہ چلے۔"

"عاطف بھائی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ تمھیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ نہ تو پوچھ گچھ کے نام پہ تشدد کیا جائے گا اور نہ کوئی اور تکلیف پہنچائی جائے گی۔ بلکہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تمھیں اپنے جائز حقوق ملیں گے۔"

"ماشاء اللہ! تو تم اتنی معصوم تھیں کہ ان کی بات کا یقین کر لیا۔ محترمہ یہ ایجنسی والے اپنے باپ کو نہیں بخشتے کجا مجھ جیسا بے آسرا...... اور پھر یہ بات تو لازماً تمھارے علم میں ہوگی کہ میں تیرے والد کے قاتلانہ حملے سے بمشکل ہی بچ پایا ہوں۔ بس قسمت اچھی تھی ورنہ اب تک پرلوک سدھار چکا ہوتا اور یہ سب کچھ تمھاری وجہ سے ہوا ہے، صرف اور صرف تمھاری وجہ سے اور میں اس بات پہ اعتبار کرنے کو بالکل تیار نہیں کہ یہ سب کچھ تم نے نیک نیتی سے کیا ہے؟"

"کچھ بھی کہو...... تمھیں یقین دلانے کے لیے نہ تو میں قسمیں کھاؤں گی اور نہ بار بار اپنی صفائی پیش کروں گی...... بس ایک دفعہ جو کہہ دیا وہ کافی ہے...... ہمارے ملن میں پہلے بھی بہت سی رکاوٹیں تھی ایک اور سہی۔ باقی تم مجھے اپنی چاہت سے تو باز نہیں رکھ سکتے ناں اور میرے لیے اتنا ہی کافی ہے...... میں ہمیشہ دعا کروں گی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں حفظ و امان میں رکھے۔"

"اب میں تیری باتوں میں آنے والا نہیں۔"

"شاہ جی! میری بات مان جاؤ..... گرفتاری دے دو۔ تم نہیں جانتے سی آئی کے نزدیک تم دہشت گرد، را کے ایجنٹ اور جانے کیا کیا ہو..... تم عاطف بھائی سے تفصیلی بات کر کے ہی اپنے اوپر لگے الزامات صاف کر سکتے ہو اس کے ساتھ عاطف بھائی نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ تمہیں مکمل انصاف دلائے گا۔"

عجیب بے حیا لڑکی ہو..... میں نے تم سے مشورہ مانگا ہے؟"

"اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"تم میرے فائدہ نقصان کو رہنے دو اور اپنی فکر کرو۔ اب فاضل خان سے پہلے تمہارا نمبر ہے، اس ضمن میں مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ میرے سامنے آنے سے گریز کرنا ورنہ عبرت ناک موت تیرا مقدر بن جائے گی۔"

"میں کوشش کروں گی کہ تم گرفتار ہو جاؤ۔"

"ہاں اسی طرح تم اپنے باپ کو بچا سکتی ہو..... لیکن میں تمہاری کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔" یہ کہتے ہی اسماعیل نے رابطہ منقطع کر کے موبائل بھی آف کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حنا نے اسے کال کرتے رہنا ہے۔

☆......☆......☆

"چھوٹی!..... کیا تم اسے جانتی ہو؟" عاطف نے بخش کا شناختی کارڈ حنا کی طرف بڑھایا۔

"جی بھیا" وہ کارڈ پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "یہ میرے محافظ کا کارڈ ہے۔ مگر آپ کے پاس کیسے؟"

"یہ حملہ آور کے پاس سے ملا ہے، اور اس کا مطلب ہے اسماعیل پر قاتلانہ حملہ کرانے والا تمہارا والد ہے اور اسی وجہ سے اسماعیل کو بھاگنے کا موقع ملا ہے۔"

"ایسا ہونا ممکن ہے بھیا!..... لیکن پچھلی دفعہ اسماعیل سے ملاقات کے وقت یہ میرے ساتھ تھا اور اسماعیل نے اسے بیہوش کیا تھا شاید اسی بات کا بدلہ لینے کے لیے اس نے اسماعیل پر حملہ کیا ہو۔ ویسے آپ اس سے پوچھ گچھ کریں ناں اصل بات خود بخود سامنے آ جائے گی؟"

"اگر یہ زندہ ہوتا تو تفتیش کر بھی لیتے۔"

"ک..... کیا..... کیا یہ مر گیا ہے..... مگر کیسے؟"

"اسماعیل پہ قاتلانہ حملے کے بعد اسے مروا دیا گیا اور یہ اکیلا نہیں تھا اس کے ہمراہ ایک دوسرا آدمی بھی تھا جس کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔"

''بھیا مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کیا ہو رہا ہے۔'' حنا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''چھوٹی!......ایک بات پوچھوں؟''

''جی بھیا۔''

''اگر تمہارا والد ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہو تو......؟'' عاطف نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''نہیں بھیا!......ایسا نہیں ہو سکتا'' وہ تیزی سے بولی۔

''شواہد تو کچھ اسی قسم کے ملے ہیں بہرحال دعا کرو یہ غلط ثابت ہو جائیں۔''

''بھیا! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ، پہلے شاہ جی اور اب پاپا؟''

''چھوٹی یہ حقائق ہیں اور حقائق رشتوں کے تقدس سے نہیں جھٹلائے جا سکتے۔''

''بھیا! کیا میں پاپا سے اس موضوع پر بات کر سکتی ہوں؟''

''کرلو......لیکن تمہارے پاس گھنٹے پون گھنٹے کا ٹائم ہے کیونکہ اس کے بعد ہم تمہارے والد کو گرفتار کرلیں گے۔''

''م......مگر بھیا......!''

''چھوٹی!......کسی اگر مگر کی ضرورت نہیں، اگر مجھے پتا چل جائے کہ میرا والد ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے تو میں اسے بھی معاف نہیں کروں گا۔''

''اگر پاپا بے گناہ ہوا تو......؟''

''تو میں وعدہ کرتا ہوں اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ لیکن یہ یاد رکھنا ہم جب بھی کسی بندے پہ ہاتھ ڈالتے تو پوری تحقیقات کے بعد ہی ڈالتے ہیں۔''

''اگر پاپا بھاگ جائیں......؟''

عاطف نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا۔''تم فکر نہ کرو وہ ہمارے گھیرے میں ہے، اور میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم آخری ملاقات کرلو تاکہ ہم اسے لے جائیں۔''

حنا نے مایوسی سے سر جھکا لیا جبکہ عاطف اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر باہر نکل آیا۔ اس کا ارادہ فاضل خان کی نگرانی کرنے کا تھا مگر بدر صاحب نے فی الفور اس کی گرفتاری کا حکم جاری کیا تھا۔ اور اس وقت سی آئی نے فاضل خان کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

☆......☆......☆

''ڈیوی صاحب!......آپ سے ملاقات کرنی تھی۔''

''سیٹھ صاحب!.....میں کراچی میں ہی ہوں، جس وقت حکم کرو حاضر ہو جاؤں گا۔''

''تو آ جائیں ایک ضروری بات کرنی تھی۔''

''او کے میں گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا۔''

اور فاضل خان نے ''تھینکس'' کہہ کر فون بند کر دیا۔اسی وقت انٹر کام کی گھنٹی بجی۔

وہ فون اٹھا کے بولا۔''یس؟''

''سیٹھ صاحب!! چھوٹی بی بی آپ کے پاس آ رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔اسی وقت حنا دروازہ کھٹکھٹا کر سلام کہتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

''پاپا کی جان!.....کیسے آنا ہوا؟'' فاضل خان اس کے استقبال کے لیے اٹھ گیا۔مگر حنا خاموش رہی۔

''کیا ہوا گڑیا!.....؟ خیر تو ہے؟'' وہ فکر مندی سے مستفسر ہوا۔

''پاپا!.....آپ نے کیوں کیا ایسا؟''

''کیا کیا تیرے پاپا نے؟'' وہ اسے ساتھ لیے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

''بھیا کہہ رہے ہیں آپ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔''

''کیا؟.....کس وقت۔'' وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا۔''کہاں ہے وہ؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ یہی بتانے آیا تھا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں گڑیا،تم جاؤ میں اس سے بات کر لیتا ہوں۔''

وہ روتے ہوئے بولی۔''کہاں جائیں گے آپ؟ خفیہ پولیس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔''

''او تو!'' وہ جلدی سے موبائل نکال کر ڈیوی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''جی سیٹھ صاحب؟۔''

پروگرام موخر سمجھو کیونکہ فی الحال میں نہیں آ سکوں گا۔''

''خیر تو ہے؟''

''مجھے شک ہے میری نگرانی ہو رہی ہے۔''

''او کے بعد میں بات کرتے ہیں'' ڈیوی نے گھبرا کے کال منقطع کر دی۔

''پاپا! اب کیا ہو گا؟''

”کچھ بھی نہیں گڑیا.....تم فکر مت کرو، تیرا پاپا کوئی عام آدمی نہیں ہے کہ پولیس یا کوئی سپیشل ایجنسی من مانی کر سکے۔“

”پاپا! بھیا کی بات سچ ہے۔“

”نہیں بیٹا!.....ایسی کوئی نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا مگر اس کے چہرے کے تاثرات الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

”میں اب بچی نہیں رہی پاپا!.....آپ کے چہرے کے تاثرات کوئی اور کہانی سنا رہے ہیں۔ آپ نے تھوڑے سے منافع کے لیے اپنی دنیا برباد کر لی، میں نے اور ممانے تو کبھی کوئی ناجائز فرمائش نہیں کی، ہمیں تو صرف آپ کی ذات سے غرض تھی۔ اگر آپ ہمیں کسی جھونپڑی میں بھی رکھتے روکھی سوکھی کھانے کو دیتے، ہمیں اعتراض نہ ہوتا۔ اب.....اب ہمارا کیا بنے گا، کیا یہ ساری دولت آپ کی کمی پوری کر سکے گی؟“

”تم!.....یونہی پریشان ہو رہی ہو۔“ اس نے اسے ساتھ لپٹا کر تسلی دینے کی کوشش کی۔ ”میں ابھی ایک دوست کو فون کرتا ہوں دیکھتا ہوں یہ خفیہ پولیس کیسے مجھ پر ہاتھ ڈالتی ہے۔“ اس نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کرنے چاہے مگر اس کے رنگ کرنے سے پہلے عرفان اندر داخل ہوا۔

”سیٹھ صاحب!.....آپ کو فون کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

وہ بپھرتے ہوئے بولا۔ ”کون.....کون روکے گا ہمیں؟“

”میں روکنے ہی کے لیے اندر داخل ہوا ہوں۔“ وہ جیب سے پسٹل نکالتے ہوئے اطمینان سے بولا۔ ”اور آپ کے پاس اپنی بیٹی سے بات چیت کرنے کے لیے پانچ منٹ ہیں اس کے بعد آپ کو ہمارے ساتھ جانا پڑے گا۔“

”تت.....تم ہم سے واقف نہیں ہو؟“

”سیٹھ صاحب! چار منٹ باقی ہیں۔“ عرفان اس کی دھمکی نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ اور فاضل خان بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

☆.....☆.....☆

”پاپا!.....آپ انھیں روک نہیں سکتے۔“ حنا کی خوبصورت آنکھیں چھلک پڑیں۔

”گڑیا کچھ بھی نہیں ہوگا.....تم فکر کیوں کرتی ہو.....تمھارا پاپا ابھی زندہ ہے ناں؟“

”پاپا.....“ کہتے ہوئے وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔ فاضل خان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔

دروازہ کھول کر عمران اندر داخل ہوا۔

”اسے لے جانے کا حکم ملا ہے۔“ وہ عرفان سے مخاطب ہوا۔

"ہتھکڑی لگائی......؟"

"نہیں بغیر ہتھکڑی کے۔" عمران نے قطع کلامی کی۔

عرفان نے کہا۔ "چلو پھر تلاشی لے لو۔" اور عمران کے قدم صوفے پہ بیٹھے فاضل خان کی طرف بڑھ گئے۔

فاضل خان تسلی کے انداز میں حنا کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ عمران نے ماہرانہ انداز میں اس کی تلاشی لی، اس کا موبائل، پسٹل اور دوسرا سامان اپنی جیبوں میں منتقل کر کے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ فاضل خان نے خاموشی سے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ حنا نم آنکھوں سے انھیں جاتے دیکھتی رہی۔

ان کے کمرے سے نکلتے ہی عاطف اندر داخل ہوا۔

"چھوٹی!......چلو تمھیں گھر چھوڑ دوں۔"

"بھیا! یہ بھی میرا گھر ہی ہے۔"

"ہاں پر یہاں تم اکیلی ہو......"

"اکیلا کرنے والا اپنا بھائی ہی ہے۔"

"او......شٹ اپ چھوٹی۔"

"میرا سگا بھائی کبھی بھی ایسا نہ کرتا۔"

"اگر میں ہوتا تو یونہی کرتا۔"

"کہنے کی حد تک آسان ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی گھلی تھی۔

"یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟"

"بھیا!......سوری......لیکن مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"چھوٹی......؟" عاطف ششدر رہ گیا تھا۔

"بھیا!......پلیز؟" وہ سر پکڑ کے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"تمھیں پتا ہے کہ یہ میری مجبوری ہے......پھر بھی؟"

"ہاں پھر بھی......وہ میرے پاپا ہیں۔وہ......وہ بے قصور ہیں......ان کے ساتھ آپ کے آدمی نے بدتمیزانہ لہجے میں بات کی ہے"

"غلط۔"

"غلط!......اس لیے کہ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔"

"چھوٹی!...... میں دوں گا ایک جھانپڑ۔"

"صحیح کہتے ہیں، پولیس والوں کی نہ دوستی اچھی ہے اور نہ دشمنی۔"

"نہ میں تمھارا دوست ہوں، اور نہ پولیس والا۔"

"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

"چلو اٹھو، تمھیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"میں بچی نہیں ہوں...... چلی جاؤں گی۔ لیکن فی الحال مجھے تنہائی کی ضرورت ہے"۔

عاطف نے ایک لمحے کے لیے اسے گھور کر دیکھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

عاطف کے باہر جاتے ہی اسے احساس ہوا کہ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اسے عاطف سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ چند لمحے سر پکڑے بیٹھی رہی اور پھر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "مجھے سوری کرنا چاہیے ورنہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔" اس نے موبائل نکال کر عاطف کا نمبر ڈائل کیا مگر اس نے کال ڈس کنکٹ کر دی وہ دوبارہ نمبر ڈائل کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر عاطف اندر داخل ہوا۔

وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "بھیا!...... وہ...... میں...... جذباتی...... آئی ایم سوری......"

"تو...... گھر چل رہی ہو؟"

"چلیں بھیا۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ویسے آپ تو خفا ہو کے کمرے سے نکلے تھے؟"

"ہاں۔"

"پر گئے نہیں؟"

"کیونکہ تم نے کہا تھا مجھے تنہا چھوڑ دو اور میں جانتا ہوں...... مجھے تنہا چھوڑ دو کا کیا مطلب ہے؟"

"بات الجھا رہے ہیں؟"

"نہیں چھوٹی!...... کچھ ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر کے برعکس معنی دیتے ہیں۔ جب ایک آدمی کہتا ہے ناں...... مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، تو حقیقت میں اس کی زندگی تہہ و بالا ہو چکی ہوتی ہے۔ زندگی کی اصل سچائی کو یہ کہہ کر ٹالا جاتا ہے کہ...... یہ صرف ایک مذاق تھا۔ جب کہا جاتا ہے...... یہ کون سی نئی بات ہے، تو کہنے والے کے نزدیک یہ حیران کن اور نئی بات ہی ہوتی ہے۔ اور جب آدمی کو کسی کی سخت ضرورت ہوتی ہے تو وہ کہتا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

"بھیا......" کہتے ہوئے وہ سسک پڑی اور عاطف اس کا سر سہلاتے ہوئے اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

فاضل خان کی کوٹھی تک پہنچنے سے پہلے ڈیوی کو فاضل کی کال آ گئی تھی۔ خطرے کا اشارہ ملتے ہی اس نے سب سے جیمس کا نمبر ملایا جیمس اس کا نمبر ٹو تھا۔

''یس سر؟'' کال وصول کرتے ہوئے وہ مستفسر ہوا تھا۔

''جیمس فوری طور پر متبادل کنکشن آن کر دو لیکن اس سے پہلے تمام آدمیوں کو کال کر کے کنکشن اور سیل فون تبدیل کرنے کا بتا دو اور سارے ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤ، شاید ہمیں کچھ اہم فیصلے کرنے پڑیں۔'' اور پھر جیمس کی ''او کے سر'' سنتے ہی اس نے کال منقطع کر دی۔ کار کا رخ خفیہ اڈے کی طرف موڑتے ہوئے وہ فاضل خان کے بارے سوچ رہا تھا اسے فاضل خان کی جگہ کسی دوسرے بندے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گیا تھا۔ کار پورچ میں روکتے ہوئے وہ اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا جلد ہی جیمس وہاں آن پہنچا۔ اس کے بعد فرداً فرداً تین سفید فام اور بھی وہاں پہنچ گئے کہ مع ڈیوی ان کی تعداد پانچ ہو گئی۔ آخری آدمی کے پہنچتے ہی ڈیوی نے کھنکار کر سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''آپ سب لوگ اس طرح ایمرجنسی کی کال پر حیران ہوں گے، لیکن بات چونکہ سلامتی کی تھی اس لیے آپ لوگوں زحمت دی گئی...... ہمارے سب سے اہم آدمی فاضل خان کی نگرانی ہو رہی ہے، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ نظروں میں آ گیا ہے اور سی آئی اس کے ذریعے ہم تک پہنچنے کی فکر میں ہے۔''

جیمس مستفسر ہوا۔ ''سر! کیا یہ کنفرم ہے کہ نگرانی سی آئی ہی کر رہی ہے؟''

ڈیوی نے کہا۔ ''اس کے علاوہ کون ہو سکتے ہیں؟''

''پولیس...... یا اس کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔''

''پاکستانی پولیس اور نگرانی......؟'' ڈیوی نے قہقہہ لگایا۔ ''البتہ دشمن کی بات کسی حد تک درست ہو سکتی ہے، مگر اسماعیل کے علاوہ اس کا کوئی خاص دشمن نہیں ہے اور اسماعیل کو وہ اچھی طرح پہچانتا ہے اس کے علاوہ اسماعیل کی نگرانی سے خوف کھانے کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آ رہی۔''

''اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی نگرانی کرنے والے کون ہیں؟'' یہ مینڈی تھا۔

ڈیوی نے جواباً کہا۔ ''نہیں۔''

''اگر ابھی فون کر کے اس سے پوچھ لیا جائے؟'' کالر نے مشورہ دیا۔

''نہیں......'' جیمس نے انکار میں سر ہلایا۔ ''اگر نگرانی سی آئی والے کر رہے ہیں تو وہ لوگ لازماً فون کالیں بھی ٹریس (Trace) کر رہے ہوں گے۔''

”سر! ضروری تو نہیں کہ ہم یہیں پہ اسے کال کریں ......“ خاموش بیٹھے روڈز نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ”پرانا کنکشن میرے پاس موجود ہے، یہاں سے تھوڑی دور جا کر بات کی جا سکتی ہے۔ اگر سی آئی والے کالیں ٹریس کر بھی رہے ہوئے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔“

”ہاں ...... تاکہ اگر انھیں فاضل خان پہ شک ہے تو وہ یقین میں بدل جائے۔“ مینڈی نے روڈز کے مشورے کی مخالفت کی۔

”عجیب بات ہے۔“ روڈز نے منہ بنایا۔ ”ہم کوئی واضح الفاظ میں استفسار کریں گے۔“

”اگر سی آئی والے نگرانی کر رہے ہیں تو ان کے لیے آپ کی گفتگو سے اصل بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔“ جیمس نے مینڈی کی طرف داری کی۔

”اب کیا پتا فاضل خان کو کیا پرابلم ہے؟“ روڈز اپنی بات پہ اڑا رہا۔ ”صورت حال جانے بغیر ہم کوئی لائحہ عمل کیسے طے کر سکتے ہیں؟“

ڈیوی نے کہا۔ ”روڈز کی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔“

”تو پھر؟“ جیمس نے پوچھا۔ مگر تمام کے چہروں پہ نظر آنے والے تاثرات ظاہر کر رہے تھے کہ یہ سوال سب کے ذہنوں میں مچل رہا ہے۔

”پھر یہ کہ آپ لوگ ایک اہم بات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔“ ڈیوی نے مسکرا کر کہا۔

”کون سی؟“ وہ بیک زبان مستفسر ہوئے تھے۔

”فاضل خان نے مجھے تھوڑی دیر پہلے فون پر بتایا ہے کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اگر تو وہ فون کال ٹریس کر رہے ہیں تو فاضل خان کی یہ بات ان تک پہنچ گئی ہو گی ...... اس لحاظ سے مشکوک تو وہ ہو گیا، اب احتیاط کیسی؟۔ البتہ ہمیں خود احتیاط برتنی چاہیے اور اس کی ابتدا میں کنکشن و سیل فون بدلی کرا کے کر چکا ہوں؟“

جیمس بولا۔ ”گویا ہم میں سے کسی کو باہر جا کر اس سے بات کر لینی چاہیے؟۔“

ڈیوی نے کہا۔ ”ہاں ...... مگر بات پرانے کنکشن سے کرنی پڑے گی۔“

”ٹھیک ہے آپ لوگ گپ شپ کرو میں جانکاری لے کے آتا ہوں۔“ جیمس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں مجھے خود جانا پڑے گا۔“ ڈیوی اٹھتے ہوئے بولا۔ ”تم اردو نہیں بول سکتے۔ انگریزی میں گفتگو بات کو زیادہ مشکوک کر دے گی۔“

اور تمام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈیوی کی واپسی تک ان کی گفتگو اسی موضوع پر جاری رہی۔ ڈیوی نے پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگائے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیا رہا؟'' گو اس کے چہرے پر چھائی گمبھیرتا سے حالات کی سنگینی واضح ہو رہی تھی مگر اس کے باوجود جیمس فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور تھا۔

''میرا خیال ہے وہ گرفتار ہو گیا ہے۔''

''سر! اگر وضاحت ہو جائے؟''

''اس کا فون کسی اور نے اٹینڈ کیا ہے۔''

''فون اٹینڈ کرنے والا اس کا ملازم بھی تو ہو سکتا ہے، شاید وہ باتھ روم یا..........''

''نہیں۔'' ڈیوی، کالر کی بات قطع کرتے ہوئے بولا۔''اس نے مجھے کریدنے کی کوشش کی ہے اور فاضل خان کا کوئی ملازم ایسا نہیں کر سکتا؟''

''اس کے گھر کے نمبر پر بات کر لینی تھی؟'' روڈز نے مشورہ دیا۔

''کی تھی.....فون کسی ملازم نے اٹینڈ کیا اور اسے فاضل خان کے بارے کچھ معلوم نہیں تھا۔یا وہ بتانا نہیں چاہ رہا تھا۔''

''شاید وہ کہیں روپوش ہو گیا ہو؟'' مینڈی نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں......'' ڈیوی نے انکار میں سر ہلایا۔''ایسی صورت میں اس کا موبائل آف ہونا چاہیے تھا۔''

کالر بولا۔''یعنی اس کی گرفتاری کنفرم ہے۔''

''ہاں۔'' ڈیوی نے اثبات میں سر ہلایا۔

کالر نے پوچھا۔''اب.....لائحہ عمل کیا ہوگا؟'' باقی سب بھی سوالیہ نظروں سے ڈیوی کو گھورنے لگے۔

ڈیوی گویا ہوا۔''فاضل خان کے پاس ہمارے کافی راز ہیں اور اگر اس نے زبان کھول دی تو بہت برا ہو گا......اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ سی آئی کے سامنے زبان بند رکھ سکے۔''

کالر نے کہا''اسے کیسے روکا جا سکتا ہے؟''

''یہی سوچنے کے لیے تو آپ کو اکٹھا کیا ہے۔'' ڈیوی نے تمام کو سوچنے کی دعوت دی۔

''اسے قتل کرا دیتے ہیں۔'' مینڈی نے جھٹ مشورہ دیا۔

ڈیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔''گڈ.....مگر ملے گا کہاں؟۔''

''سر ڈھونڈنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں ناں۔'' مینڈی نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

''ہاں.....لیکن امید یہی ہے کہ اسے ڈھونڈنے سے پہلے سی آئی تمھیں تلاش کر چکی ہو گی؟''

"اسے دھمکایا جا سکتا ہے؟"

ڈیوی بولا۔ "رابطہ کیسے ہوگا......؟ موبائل اس کے پاس نہیں ہے۔"

جیمس نے کہا۔ "سر! سب سے پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ ہم اسے کون سی دھمکی دے کر زبان بند رکھنے پر مجبور کر سکتے ہیں؟"

"دردناک موت......" کالر سرسراتے لہجے میں بولا۔

"گدھا ہے تو۔" ڈیوی نے اسے جھڑکا۔ "کیا خاموش رہ کر سی آئی کے ہاتھوں بچ پائے گا؟"

"اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟" کالر ڈھیٹ پن سے بولا۔

ڈیوی نے انکشاف کیا۔ "اپنی بیٹی اسے جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"گویا بیٹی کی دھمکی سے وہ زبان بند رکھنے پہ مجبور کیا جا سکتا ہے۔" روڈز نے کہا۔ "لیکن رابطے کا سوال ہنوز توجہ طلب ہے۔"

جیمس اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔ "یہ بات اس کے کانوں میں انڈیلنا بہت آسان ہے۔"

"کچھ پتا بھی چلے؟" روڈز کے لہجے میں اشتیاق کی جھلک تھی۔ باقی بھی جیمس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

جیمس نے کہا۔ "موبائل کے ذریعے اس سے بات کی جا سکتی ہے۔"

"مگر کیسے؟" روڈز چڑچڑا ہونے لگا۔ "جب موبائل اس کے پاس نہیں ہے۔"

"ڈیوی صاحب اس کے نمبر پہ کال کرے گا......" جیمس سسپنس پیدا کرنے کے انداز میں ایک لحظہ کے لیے رکا اور پھر گویا ہوا۔ "کال ریسیو کرنے والا سی آئی کا نمائندہ ہوگا، ڈیوی اس سے کہے گا کہ فی الفور فاضل سے بات کراؤ کہ نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے......لازمی بات ہے انھیں بھی یہ بات معلوم کرنے کا تجسس ہوگا اور یہ جاننے کے لیے وہ فاضل کو بات کرنے کی اجازت دے دیں گے......گو وہ بھی یہ سب سن رہے ہوں گے مگر ہمارا مقصد تو فاضل خان کے کانوں تک یہ بات پہنچانا ہے ناں۔"

"قباحت یہ ہے کہ اس طرح سی آئی کو فاضل خان کا جرم ثابت ہو جائے گا۔" ڈیوی کا انداز جیمس کی تجویز کو رد کرنے کا تھا۔

"ہاں......لیکن اس طرح ہمیں اتنی مہلت مل جائے گی کہ اسے قتل کر کے اس خطرے سے خلاصی پا سکیں......باقی فاضل خان ہماری پہنچ سے واقف ہے، اس کے لیے ہماری دھمکی کو نظر انداز کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔"

"گڈ......" ڈیوی کے لہجے میں تحسین تھی۔ "کسی کا اعتراض۔"

اس کی بیٹی کافی خوبصورت ہے......کیا اس کے حسن کو خراج تحسین پیش کرنے کا موقع ملے گا؟" مینڈی شیطانی لہجے میں مستفسر ہوا۔

"تیرا ندیدہ پن ختم نہیں ہوگا" جیمس نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے اعتراض نہیں......لیکن فاضل خان کی موت کے بعد۔" ڈیوی حتمی لہجے میں بولا۔

’’منظور ہے۔‘‘ مینڈی چہکا۔

’’ہم بھی امیدوار ہیں جناب۔‘‘ کالر نے دانت نکوسے۔

’’سب اپنا حصہ وصول کر لینا کم بختو! پہلے کام کی بات کرو۔‘‘ ڈیوی نے انھیں جھڑکا۔

’’سوری سر۔‘‘ وہ دونوں ندامت سے بولے۔

ڈیوی مستفسر ہوا۔ ’’تو اسے کون اغواء کرنے جا رہا ہے؟‘‘

’’میں‘‘ مینڈی اور کالر یک زبان بولے تھے۔

’’روڈ زیہ کام تم کرو گے، اگلے چند گھنٹوں میں مجھے کامیابی کا مژدہ سناؤ.....اور خبردار میری اجازت کے بغیر کسی نے اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔‘‘

گویا ڈیوی صاحب آپ بھی......؟‘‘ مینڈی نے غلاظت اگلی۔

’’شٹ اپ یار.....کام کے ٹائم پر صرف کام، نو جوک (Joke).....نو بیش اور نو بکواس۔‘‘

’’یس سر۔‘‘ تمام بیک آواز بولے۔

’’اوکے.....مینڈی اور کالر! تم دونوں ابھی سے فاضل خان کی تلاش شروع کر دو۔ جیمس تمھیں لیڈ کرے گا...... مجھے حالات سے اپ ڈیٹ رکھنا۔ اور کچھ......؟‘‘

’’نو سر۔‘‘ ایک دفعہ پھر تمام کی آواز گونجی اور ڈیوی سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

’’فاضل خان کی گرفتاری ہمارے لیے اچھی خبر نہ ہونے کے باوجود ہمیں اس لیے خوشی ہو رہی ہے کہ اسماعیل شاہ جیسا باصلاحیت ایجنٹ ہمیں واپس مل جائے گا۔‘‘ میجر روہیت نے فاضل خان کی گرفتاری کے متعلق تفصیلی رپورٹ سنتے ہی رائے دی۔

رندھیر نے پوچھا۔ ’’سر! اس بارے بلیک لیکوئڈ کو مطلع کرنا ہے؟‘‘

’’کس بارے......؟ فاضل خان کی گرفتاری کے بارے......؟‘‘ اور رندھیر کا سر اثبات میں ہلتا دیکھ کر بولا۔ ’’نو...... یہ ہمارا درد سر نہیں ہے......ویسے بھی وہ واتنے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ ابھی تک اس کی گرفتاری سے لاعلم ہوں۔‘‘

’’اب ہمیں اسماعیل کو ڈھونڈنا ہوگا...... ہے ناں؟‘‘

’’نہیں......وہ خود ہی واپس آ جائے گا......‘‘ روہیت نے کہا۔ ’’اب ہمیں عاطف کو اغواء کرنا ہے کیونکہ اسی کو معلوم ہے کہ پارتی کہاں ہے۔ واپس جانے سے پہلے میں یہ کام نبٹانا چاہتا ہوں اور یہ ہماری خوش قسمتی کہ امریش نے سی آئی کا ٹھکانہ ڈھونڈ لیا ہے۔‘‘

''سر!......کہیں یہ عاطف کی چال نہ ہو؟'' رندھیر نے اندیشہ ظاہر کیا۔''کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ عاطف اپنے تعاقب سے اتنا بے خبر ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی اس کا تعاقب کرتا سی آئی کے خفیہ ٹھکانے تک پہنچ جائے اور اسے پتا بھی نہ چلے۔''

''ممکن ہے......لیکن ہم نے کون سا ان کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ بولنا ہے۔''

''تو پھر سر؟'' رندھیر کے لہجے میں حیرانی تھی۔''ایسے کیسے عاطف..........''

''ہاتھ آئے گا'' میجر روہیت نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''جی سر۔''

''اپنے آدمیوں کو بتا دو کہ دور دور سے ہیڈ کوارٹر کی نگرانی رکھیں، جیسے ہی وہ باہر نکلتا ہے ہمیں مطلع کر دیں مل کر اسے گھیر لیں گے۔''

''سر! اگر وہ اپنے تعاقب سے باخبر ہو گیا تھا، پھر تو وہ کوئی انتظام کر کے ہی باہر نکلے گا۔ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں ہمیں اسے ہیڈ کوارٹر ہی سے اغواء کرنا چاہیے۔''

''نہیں......'' روہیت نے انکار میں سر ہلایا۔''ہیڈ کوارٹر کی حفاظت کا انھوں نے خاطر خواہ بندوبست کیا ہو گا وہاں پہ حملہ کرنے کی صورت میں ہمارا بھی جانی نقصان ہو سکتا ہے جبکہ اسے باہر گھیرنے کی صورت میں ایسا کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے تعاقب سے باخبر ہونے کی صورت میں انھیں اب تک ہمارے آدمی کو گھیر لینا چاہیے تھا۔ اور اگر بالفرض وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہے تو یاد رکھنا وہ اکیلا باہر نہیں نکلے گا......اور اگر نکلا تو اپنی حفاظت کا بندوبست کر کے ہی نکلے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں فوراً اطلاع مل جائے گی کیونکہ اس کے نکلنے کے بعد بھی ہم اپنا ایک آدمی ان کے ہیڈ کوارٹر کی نگرانی پر مامور رکھیں گے۔''

''ٹھیک ہے سر۔''

''خیال رہے کوئی بھی آدمی گھنٹے سے زیادہ نگرانی پہ مامور نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ ایک آدمی کو مسلسل اپنے ٹھکانے کے گرد گھومتے دیکھ کر وہ چونک سکتے ہیں۔''

''جی سر'' رندھیر نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا۔ اور روہیت اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے گہری سوچ میں کھو گیا وہ عاطف کو قابو کرنے کا بے داغ پلان سوچنا چاہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

حنا سے بات چیت کے بعد اسماعیل نے فاضل خان کے خلاف پلان پہ عمل کی ابتدا کچھ ضروری سامان کی خریداری سے کی۔ فاضل خان کی تباہی کے لیے سب سے پہلے اس نے اس کے مالی نقصان کی بابت سوچا وہ اسے ایک دفعہ ہی قتل کر کے مارنے کی بجائے قسطوں میں مارنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسے بندوں کی جان دنیا میں اٹکی ہوتی ہے۔ باقی یہ تو وہ خوب جانتا تھا کہ حنا کے خلاف اس

سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جیسی بھی تھی اسے عزیز تھی۔ اس سے اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد بھی وہ اس کی محبت کو ذہن سے کھرچنے میں ناکام رہا تھا۔ لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ فاضل خان کے لیے اس کے دل میں چھپی نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اس وقت وہ فاضل خان کی اس کوٹھی کے سامنے سے گزر رہا تھا جہاں فاضل خان اپنا زیادہ ٹائم گزارتا تھا۔ فاضل خان کے معمولات پہ نظر رکھنے پر اسے معلوم ہوا تھا کہ شام کے بعد وہ یہاں سے اپنے گھر چلا جاتا تھا اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹا سا سفری بیگ لدا ہوا تھا کہ دیکھنے والے اسے کوئی مسافر سمجھتے۔ اپنی بائیک اس نے چند سو گز پیچھے ایک ریستوران کی پارکنگ میں کھڑی کر دی تھی۔

گیٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے گہری نگاہ سے کوٹھی کا جائزہ لیا، اسے عجیب قسم کی ویرانی محسوس ہوئی جیسے کوٹھی خالی پڑی ہو۔ حالانکہ گیٹ کے مضبوط ستونوں پر لگے دونوں بلب روشن تھے۔ اپنے احساس کی وہ کوئی توجیہہ نہ کر سکا۔ کوٹھی کے سامنے مین روڈ گزر رہی تھی۔ روڈ کے پار اسے ایک ریڑھی والا نظر آیا جو جانے کیا بیچ رہا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک مالشی، ماہرانہ انداز میں اپنے گاہک کے سر میں تیل کی مالش کر رہا تھا۔ دو آدمی دھیمے لہجے میں باتیں کرتے اس سے آگے رواں تھے۔ ایک نشئی فٹ پاتھ پہ لیٹا دھوئیں کے مرغولے اڑا رہا تھا۔ ان سب پہ طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اسماعیل چکر کاٹ کر کوٹھی کے پیچھے آیا۔ سامنے سے آنے والے دو آدمیوں کو دیکھ کر اس نے قدموں کی رفتار سست کر لی۔ جب وہ گزر گئے اور گلی خالی ہو گئی تو بجلی کی سی سرعت سے اچھل کر اس نے دیوار کے اوپری کنارے کو پکڑا اور دیوار کے اوپر سے ہوتا ہوا اندر لٹک گیا۔ نیچے کودنے سے پہلے اس نے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی اور کسی کو موجود نہ پا کر اندر کود گیا۔ سامنے کے حصے میں روشن بلب نے کوٹھی کی پشت پہ موجود اندھیرے کو ملگجی روشنی میں بدل دیا تھا۔

نیچے کودتے ہی وہ دبک کر دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا، ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب میں رینگا اور خوفناک شکل کے بریٹا کو لیے باہر نکلا۔ چند لمحے چپ سادھے وہیں بیٹھنے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھا اور دبے قدموں چلتا ہوا اندرونی عمارت کی پشت پر پہنچا اور پھر اسی طرح سائیڈ کی دیوار کے ساتھ بے آواز چلتا ہوا آگے بڑھا۔ کھڑکی کے شیشے سے جھانکنے پر اسے کوٹھی کے اندر اندھیرا چھایا نظر آیا۔ مزید تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس نے آہستگی سے کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف نگاہ دوڑائی مگر وہاں اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ گیٹ کے ساتھ بنا چوکیدار کا کمرہ بھی اسے اندھیرے میں ڈوبا نظر آیا۔ کوٹھی کے خالی ہونے کا احساس گہرا ہو گیا تھا۔

محتاط انداز میں چلتے ہوئے وہ گیٹ کے قریب پہنچا، چوکیدار کی کوٹھری کے دروازے کے باہر لگی کنڈی اس کے اندازوں کی تصدیق کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ کوٹھی کے خالی ہونے کا گہرا احساس ہونے کے باوجود اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ دروازوں پہ تالوں کی غیر موجودگی نے ایک مرتبہ پھر اس کے دماغ میں اندیشے جگا دیے کہ کہیں اس کے خلاف پھندا نہ تیار کیا گیا ہو۔ مگر اس سوچ نے کہ۔

”کس کو اس کے ادھر آنے کی بابت معلوم ہے؟“ نے اسے رکنے نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد پنسل ٹارچ کی باریک روشنی میں وہ ساری

کوٹھی چھان چکا تھا۔کوٹھی بلاشبہ خالی تھی۔مگر کوٹھی میں موجود سامان یہ ظاہر کر رہا تھا کہ کوٹھی مستقل بنیادوں پر خالی نہیں کی گئی تھی۔اس نے زیادہ دیر اس بات پہ مغز کھپانا مناسب نہ سمجھا اور پیٹھ پر لادا بیگ اتار کر کارروائی میں مصروف ہو گیا۔آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد بیگ میں موجود تمام خود ساختہ ٹائم بم وہ مناسب جگہوں پہ فٹ کر چکا تھا۔فٹ کرنے کے بعد اس نے سارے بموں پہ بیس منٹ کا وقت سیٹ کر دیا۔اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کچن میں جا کر گیس کے سارے چولہے کھول دیئے۔کھڑکیاں دروازے پہلے سے بند تھے کچن کا دروازہ البتہ اس نے جان بوجھ کر کھلا چھوڑ دیا تا کہ گیس ساری کوٹھی میں پھیل جائے۔اگلے چند منٹ میں اپنی آمد کے رستے وہ کوٹھی سے باہر نکل آیا۔

کوٹھی سے دور ہٹنے کے لیے اس نے تیزی دکھائی وہ بمشکل سو ڈیڑھ سو گز دور آیا ہو گا کہ ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔کوٹھی کی سمت دیکھنے پر اسے صرف آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیئے۔مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے وہ اس طرف کو دوڑا جہاں اس نے اپنی بائیک پارک کی تھی۔یوں بھی دھماکے کی آواز نے لوگوں کی ٹانگوں میں چستی بھر دی تھی اس لیے اس کا دوڑنا کسی کے لیے حیرانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے وہ ایک جانب کو روانہ ہو گیا۔

آگ سے ہر موسم میں تپش خارج ہوتی ہے مگر فاضل خان کی کوٹھی میں لگی آگ ایسی فرحت انگیز اور جاں فزا تھی جس نے اس کے سینے میں ٹھنڈک ڈال دی تھی۔اس لبوں پہ مچلتی مسکراہٹ اس کی اندرونی خوشی کا پتا دے رہی تھی۔خوشی اور غم ہر دو ایسی کیفیات ہیں جن میں اپنوں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔اس کے دل میں اپنے کے تصور پہ حنا کا خوبصورت چہرہ ابھرا۔مگر اس کے ساتھ ہی یہ سوچ اسے اداس کر گئی کہ۔

''وہ کیسی اپنی ہے جسے دکھ دے کر ہی مجھے خوشی ملتی ہے۔'' لیکن یہ سوچ اسے فون کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔اس کا رخ حنا کے گھر کے جانب ہی تھا۔موٹر سائیکل روک کر اس نے حنا کا نمبر ڈائل کیا ایئر فون کان میں لگا کر وہ ایک مرتبہ پھر چل پڑا۔دوسری بیل پر ہی فون اٹینڈ کر لیا گیا تھا۔

''جی شاہ جی؟''

اس کے لہجے کی اداسی اسماعیل کے لیے حیران کن تھی جانے اتنی جلدی اسے اپنی کوٹھی کی تباہی کا پتا کیسے چل گیا تھا؟ وہ مستفسر ہوا۔

''خیر تو ہے اداس کیوں ہو؟''

''میری اداسی کو چھوڑو، پہلے کب تمھیں میری اداسی کا احساس ہوا ہے۔البتہ تمھارے لیے ایک خوشخبری ہے۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں نے سوچا تھا شاید یہ خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا...... بہر حال......"

"آپ کو شاید ابھی خبر ہوئی...... میں تو اس وقت پاپا کے ساتھ ہی تھی۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"آپ پاپا کی گرفتاری کی بات کر رہے ہیں ناں؟"

"فاضل خان کی گرفتاری...... نہیں میں اس سے لاعلم ہوں، میں نے تو.........."

"کون ہو تم؟ یہاں کیسے گھسے؟" اچانک حنا کی بپھری آواز اسماعیل کو حیران کر گئی۔ وہ شاید کسی اور سے مخاطب تھی۔ پھر کسی اجنبی مرد کی ہلکی سی بڑبڑاہٹ اس کے کانوں میں آئی وہ غالباً انگلش میں کچھ بولا تھا لیکن اس کی بات اسماعیل کی سمجھ میں نہ آسکی۔

"Who are you Mr and what,s problum with you" اسے حنا کی واضح آواز سنائی دی تھی۔

"شاید کوئی انگریز ہے۔" اس نے سوچا۔ "مگر حنا کے بیڈ روم میں؟" غصے کی لہر اسے سر سے پاؤں تک سلگا گئی تھی۔

"میں نے تمھیں سوال پوچھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور براہ مہربانی یہ موبائل پھینک دو۔" اس مرتبہ اسماعیل کو اس مرد کی آواز بھی واضح طور پر سنائی دی تھی۔

"رک جاؤ......" حنا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اگر میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں چیخ مار کر اپنے ملازموں کو اکٹھا کر لوں گی۔"

"میں انھیں ایسی جگہ بھیج چکا ہوں جہاں شاید وہ تمھاری چیخیں نہیں سن سکیں گے...... ویسے سن بھی سکتے ہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ تیری مدد کو نہیں پہنچ سکتے...... بہر حال...... تم ٹرائی کر کے دیکھ لو۔"

"تت...... تو کیا تم نے انھیں......" حنا کی پریشان آواز سن کر اسماعیل کو کچھ ہونے لگا۔

"مجبوری تھی......" اس کریہہ آواز نے اسماعیل کے کانوں میں زہر انڈیلا۔ "اگر میں انھیں نہ مارتا تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" حنا کی آواز میں خوف کی لرزش نمایاں تھی۔

"فی الحال تو تمھیں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں...... اور یہ موبائل بند کرو۔" یہ آخری الفاظ اسماعیل کے کانوں میں پڑے اور پھر رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ اسماعیل کے دماغ پر سرخ چادر سی تن گئی تھی حنا خطرے میں تھی۔ کوئی اسے اغواء کرنے کی کوشش میں تھا۔ دشمن کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ اسے عزیز تھی۔ فاضل خان کی عبرت ناک موت کے بعد اس کی سب سے بڑی خواہش حنا کو اپنی دلہن کے روپ میں دیکھنے کی تھی۔ اور اس وقت اس کے خوابوں کی دلہن مشکلات میں گھری تھی۔ موٹر سائیکل کی رفتار اس نے انتہائی حد تک بڑھا دی۔ چوک میں لگی سرخ بتی پر رکے بغیر وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ حنا کا گھر چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھا مگر یہ تھوڑا سا فاصلہ اسے اتنا طویل لگ رہا تھا جیسے

اسے دنیا کے دوسرے کنارے تک جانا ہو۔ پھر وہ حنا کے گھر سے سو ڈیڑھ سو میٹر دور تھا کہ وہاں سے ایک قیمتی کار تیز رفتاری سے باہر نکلی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسماعیل کی نظر سب سے پہلے اس کی نمبر پلیٹ پر پڑی وہ نہیں جانتا تھا اندھیرے اور رش کی وجہ سے وہ کار کو کھو بیٹھے ساتھی رات گئے بھی رش میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ پہلے تو اس نے اسی جگہ کار پہ حملہ کرنے کا سوچا مگر پھر احتیاط آڑے آ گئی۔ دشمن اس وقت چوکنا تھا، ذرا سی بے احتیاطی سے حنا کو نقصان پہنچ سکتا تھا جو اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ وہ مناسب فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

☆......☆......☆

فاضل خان کے گھر کے سامنے گاڑی رکتے دیکھ کر چوکیدار سرعت سے باہر نکلا اور پھر گاڑی کی اندرونی لائیٹ کی روشنی میں گورے کو بیٹھے دیکھ کر تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ یہ صرف اس کی نہیں ہر پاکستانی کی کمزوری ہے کہ گورے کو دیکھ کر ہم رعب میں آ جاتے ہیں۔ آزادی کے سورج کو طلوع ہوئے نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا ہے مگر ہماری قوم آج بھی ذہنی طور پر گوروں کی غلام ہے۔ کیا ہائی سوسائٹی اور کیا نچلا طبقہ سب ان سے مرعوب ہیں۔ صرف مذہبی سوچ رکھنے والے انھیں اہمیت نہیں دیتے مگر یہ بات گوروں سے زیادہ اپنوں کو کھٹکتی ہے۔

اس وقت فاضل خان کا چوکیدار بھی گورے کو دیکھ کر ساری احتیاطیں بھول چکا تھا۔

''جی صاحب؟'' اس نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

''گیٹ اوپن کرو...... فاضل خان سے ملنا مانگتا۔'' گورا جو روڈز تھا ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا۔

''وہ تو گھر پر نہیں ہے صاحب؟''

''ہم ویٹ کرے گا...... اس کا وائف سے مل لے گا تم گیٹ اوپن کرو۔''

''جی صاحب'' چوکیدار اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گیا اس نے فاضل خان کی بیوی سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی تھی۔ گیٹ کھول کر اس نے کار کو اندر آنے کا رستہ دیا۔ کار پورچ میں روک کر روڈز باہر نکلا چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔ صحن میں لگی ٹیوب لائیٹس کی روشنی میں فرش پہ پڑے تنکے بھی واضح نظر آ رہے تھے۔ روڈز نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سائیلنسر لگا پسٹل نکالا چوکیدار جیسے ہی گیٹ بند کر کے پیچھے مڑا روڈز کے ہاتھ میں دبے پسٹل سے ٹھک کی آواز آئی...... گولی چوکیدار کے ماتھے میں لگی تھی۔ زوردار کراہ کے ساتھ نیچے گرتے ہوئے وہ ہاتھ پاؤں پٹخنے لگا۔ روڈز اس کے تڑپنے کا نظارا کیے بغیر مڑ کر اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ دروازے سے دور تھا کہ ایک ملازم صورت حال جاننے کے لیے باہر نکلا۔ بے آواز پسٹل نے ایک اور گولی اگلی اور دوسرا ملازم بھی ڈھیر ہو گیا۔ ڈرائینگ روم میں گھستے ہی تپائی پر رکھے ٹیلی فون کی تار کاٹ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ ڈرائنگ روم سے ملحق پہلے بیڈ روم میں جھانکنے

پر اسے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نظر آئی جو بلاشبہ فاضل خان کی بیوی تھی۔

"کک.....کون ہو تم؟" اسے دیکھتے ہی وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

مگر روڈز نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر اندر گھستے ہوئے اطمینان سے اس کی سمت قدم بڑھائے۔

"خبردار وہیں رک جاؤ.....ورنہ میں پولیس بلاتی ہوں" فاضل خان کی بیوی تپائی پر رکھا موبائل اٹھاتے ہوئے غرائی۔

روڈز نے اس کی آنکھوں کے سامنے پسٹل لہراتے ہوئے کہا۔

"نو کال.....ام گولی چلائے گا" فاضل خان کی بیوی کو اس کی بات سمجھ آئی تھی یا نہیں پسٹل کا اشارہ اسے متنبہ کرنے کے لیے کافی تھا وہ موبائل واپس پھینکتے ہوئے گڑگڑائی۔

"پلیز آپ کو جو چاہیے لے لیں مگر گولی نہ چلانا۔"

"گڈ....." روڈز اس کے قریب پہنچ کر پسٹل کو نال سے پکڑتا ہوا بولا۔ "ام تمہارا ڈاٹر (Daughter) مانگتا۔" اور اس سے پہلے کہ اس کی بات فاضل خان کی بیوی سمجھ میں آتی اس نے پسٹل کا دستہ زوردار انداز میں اس کے سر پر مارا اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ فاضل خان کی بیوی کو اس نے جان بوجھ کر ہلاک نہیں کیا تھا۔ بستر کی چادر کو پٹیوں کی صورت میں پھاڑ کر اس نے فاضل کی بیوی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور منہ پر بھی پٹی باندھ دی۔

بیڈ روم سے نکل کر اس نے دروازے کو لاک کیا اور اگلے کمروں کی طرف بڑھ گیا تیسرے کمرے میں اسے حنا بیڈ پر لیٹی موبائل پر باتیں کرتی نظر آئی۔ اس کے چہرے پہ چھائی سوگواری اس کے اندرونی غم کو ظاہر کر رہی تھی۔ روڈز کو دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیسے گھسے؟"

"Hands up and stop movement" وہ جانتا تھا کہ فاضل خان کی بیٹی پڑھی لکھی ہے اس لیے اس نے اردو کی ٹانگیں توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"Who are you Mr and what,s problum with you" (کون ہو تم اور کیا مسئلہ ہے تمھیں) حنا خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"میں نے تمھیں سوال پوچھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور براہ مہربانی یہ موبائل پھینک دو۔" وہ اس کے جانب قدم بڑھاتا ہوا بولا۔

"رک جاؤ......" وہ چلائی۔ "اگر میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں چیخ مار کر اپنے ملازموں کو اکٹھا کر لوں گی۔"

"میں انھیں ایسی جگہ بھیج چکا ہوں جہاں شاید وہ تیری چیخیں نہ سن سکیں......ویسے سن بھی سکتے ہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ تیری مدد کو نہیں پہنچ سکتے......بہر حال تم ٹرائی کر کے دیکھ لو۔" اس نے پیش قدمی جاری رکھی تھی۔

''تت......تو کیا تم نے انھیں......''

''مجبوری تھی......'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے قطع کلامی کی۔ ''اگر میں انھیں نہ مارتا تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔''

''کیا چاہتے ہو؟'' حنا کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

''فی الحال تو تمھیں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں......اور یہ موبائل بند کرو'' اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر اس نے رابطہ منقطع کرنے کا بٹن دبایا اور موبائل اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''مت چھوؤ مجھے۔'' وہ چلائی مگر روڈز نے غلیظ انداز میں ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ملائم گال پر پھیرا۔ حنا پیچھے سرکتے ہوئے دیوار سے جا لگی تھی۔

''پپ......پلیز......'' وہ گڑگڑائی۔

''کیوں میرے ہاتھوں میں کانٹے لگے ہیں......''

اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور ملازمہ کی آواز آئی۔ ''چھوٹی بی بی خیر تو ہے۔'' اور پھر حنا کے کچھ کہنے سے پہلے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اندر کا منظر دیکھتے ہی وہ چلاتے ہوئے ان کی طرف بڑھی۔

''موئے سفید سؤر! چھوڑو میری بی بی کو......'' لیکن غریب چند قدم سے زیادہ نہیں لے سکی تھی۔ سائیلنسر لگے پسٹل نے اس کی کھوپڑی میں روشندان کھول دیا اور وہ نیچے گر کر تڑپنے لگی۔

''تم غلیظ کتے!......'' حنا چلائی مگر سر پر لگنے والے پسٹل کے دستے نے اسے بات پوری کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ وہ لہرا کر نیچے گرنے لگی۔ لیکن گرنے سے پہلے روڈز نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کی کار کی عقبی نشست پر بندھی پڑی تھی اور کار کا رخ اس کے خفیہ ٹھکانے کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

''مسٹر عاطف!......تم ہمیں جانتے نہیں......تم......تم پچھتاؤ گے......یہ تمھیں بہت مہنگا پڑے گا۔ ہمارا نام سیٹھ فاضل علی خان ہے۔ اور ہماری پہنچ کہاں تک ہے، یہ تیری سوچ ہے؟''

اس کی ساری بکواس کا عاطف پر اتنا اثر بھی نہیں ہوا تھا جتنا کسی کے کان میں مچھر کی بھنبھناہٹ سے ہو سکتا ہے۔ وہ اطمینان سے بولا۔

''سیٹھ فاضل خان! کیا تم مجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلا سکتے ہو تاکہ تمھیں رہا کر کے میں اپنی بہن کے سامنے سرخ رو ہو سکوں۔''

''مت کہو اسے اپنی بہن......جو سلوک تم اس کے ساتھ کر چکے ہو اس کے بعد شاید وہ تم پہ تھوکنا بھی پسند نہ کرے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' عاطف کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔ ''بہنیں بھی بھلا بھائیوں پہ تھوکتی ہیں؟''

"تیرے جیسے بھائی کی موجودگی میں کسی دشمن کی کمی محسوس نہیں ہو سکتی۔"

"دیکھو سیٹھ! میں اپنی لاڈلی بہن سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اس کے باپ پر تشدد نہیں کروں گا...... لیکن یاد رہے، یہ وعدہ میری اپنی ذات تک محدود ہے باقیوں کو شاید اس وعدے کی اہمیت کا احساس نہ ہو؟"

"تت...... تم ہمیں دھمکا نہیں سکتے۔" عاطف کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ فاضل خان ہکلا گیا تھا۔

"دھمکی وہ دیتے ہیں جو عمل نہ کر سکتے ہوں؟"

فاضل خان نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیری۔ "ہم بے گناہ ہیں۔"

عاطف کے ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔ اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے یقین دلاؤ ناں؟"

"کک...... کیسے؟" فاضل خان کا اعتماد چکنا چور ہو چکا تھا۔

"دیکھو سیٹھ صاحب! اسماعیل شاہ کے خلاف ہم نے پھندا تیار کیا تھا اور اس بات سے تم اچھی طرح واقف تھے۔ اسماعیل شاہ کے اوپر تمھارے آدمیوں نے حملہ کیا جس میں غلطی سے میرے آدمی زخمی ہو گئے...... یہاں تک مجھ سے متفق ہو؟"

"یہ کوئی طے شدہ بات نہیں ہے، کہ ہمیں تمھاری کارروائی کا پہلے سے علم تھا اس لیے حملہ ہمارے آدمیوں نے کیا ہوگا؟"

"اس بندے کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے؟" عاطف نے اس کے جانب بخش کا شناختی کارڈ بڑھایا۔

"یہ...... یہ......"

"بالکل صحیح پہچانا......" عاطف نے لقمہ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ چھوٹی کا محافظ ہی ہے......وہی جسے پچھلی ملاقات میں اسماعیل شاہ بیہوش کر کے بھاگ گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے ذاتی دشمنی کی بنا پر یہ حملہ کیا ہو؟"

"ممکن ہے...... لیکن وہاں پر ایک دوسرے آدمی نے بھی فائرنگ کی ہے اور وہ بھی تمھارا ملازم ہے، کیا بھلا سا نام ہے اس کا......" عاطف نے سوچنے کی اداکاری کی۔

"کک...... کوڑل۔" فاضل خان نے گڑبڑاتے ہوئے لقمہ دیا۔

"جی...... وہی کوڑل...... اب اس نے کیوں فائرنگ کی؟"

"وہ...... بھی...... اسے بھی اسماعیل شاہ نے بیہوش کیا تھا۔ شش...... شاید دونوں نے مل کر اسماعیل شاہ کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا ہو۔"

"گڈ" عاطف نے سمجھنے والے انداز میں اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ "یہ مسئلہ تو سمجھو حل ہو گیا...... لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان دونوں کو بم سے کس نے اڑایا؟"

"شاید گرفتاری سے بچنے کے لیے انھوں نے خودکشی کر لی ہو؟"

"کہانی کوئی خاص دل کو تو نہیں لگتی مگر مانی جا سکتی ہے.....اصل پرابلم اس چیز کی ہے۔" اس مرتبہ عاطف نے جیب سے ریموٹ کنٹرول نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس پر بھی غلطی سے تیرے ملازم کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ میری مراد نورل سے ہے جو اس وقت ہماری حراست میں ہے۔" اس مرتبہ فاضل خان سے کوئی بات نہیں بن پائی تھی اس کا جھکا سر دیکھ کر عاطف نے پوچھا۔

"تو.....اس بارے کیا خیال ہے سیٹھ صاحب؟"

"وہ میرا جانی دشمن ہے اور ایسا کرنا میری مجبوری تھی۔"

"یعنی تمھیں اپنے جرم کا اقرار ہے؟"

"جرم کون سا.....؟ اسماعیل شاہ زندہ ہے۔"

"ایس آئی کے دو بندے ہاسپٹل میں ہیں جبکہ بخش اور کوڑل ہلاک ہو چکے ہیں۔"

"یہ اتنا سنگین جرم نہیں ہے کہ ایس آئی مجھے اپنی حراست میں رکھنے کی ضرورت محسوس کرے.....زیادہ سے زیادہ پولیس کا کیس ہے اور آپ کو پولیس کے کام میں دخیل نہیں ہونا چاہیے۔"

"صحیح کہا.....تمھیں اس وجہ سے حراست میں نہیں لیا گیا۔"

"پھر؟" اس مرتبہ فاضل خان کا لہجہ حیرانی سے پر تھا۔

"یہ ریموٹ کنٹرول بم تمھیں کہاں سے ملے؟"

"یہ.....یہ.....بازار سے خریدے ہیں۔"

"فاضل خان ہر جھوٹ تمھاری مشکلات میں اضافہ کرتا جائے گا....."

"م.....میں صحیح کہہ رہا ہوں۔"

"اچھا.....دکان کا نام بتاؤ۔" عاطف نے ہونٹ بھینچتے ہوئے پوچھا۔ مگر اس سے پہلے کہ فاضل خان جواب دیتا ایک آدمی نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"سر! کوئی ڈیوی نامی آدمی فاضل خان سے بات کرنے پہ مصر ہے۔"

"عرفان! تم کاکے ہو؟" عاطف خشمگین لہجے میں دریافت کیا۔

"سر!.....وہ کوئی اہم بات کرنا چاہتا ہے اور میرا خیال ہے فاضل خان چالاکی کے انجام سے واقف ہو گا۔"

"او کے فون لے آؤ۔" اسے کہتے ہوئے وہ فاضل خان کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرا خیال ہے یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ ہم تمھاری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اصلیت سے واقف ہو چکے ہیں......اور تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ بلیک لیگونڈ کے جتنے راز تمہارے پاس ہیں ہمارے حوالے کر دو......شاید تمہاری سزا میں تخفیف ہو جائے۔اس کے ساتھ وطن کے اصل مجرموں کی گرفتاری میں بھی ہمیں تمہارے تعاون کی ضرورت ہو گی۔اب بھی میرے اندازے کے مطابق بلیک لیگونڈ کا کوئی نمائندہ ہی تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔اس سے نارمل لہجے میں بات کرنی ہے۔اسے تمہاری گرفتاری کا علم نہیں ہونا چاہیے۔" جواباً فاضل خان خاموش رہا تھا مگر اس کے چہرے پر چھانے والے اثرات اس کی اندرونی حالت کا پتا دے رہے تھے۔اسی وقت عرفان اندر داخل ہوا موبائل اس نے کان سے لگایا ہوا تھا۔

"سر یہ لیں سیٹھ صاحب سے بات کریں؟" اس نے موبائل فاضل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"سیٹھ صاحب!......ڈیوی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔"

فاضل خان نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو! فاضل خان سپیکنگ۔" اس کے لہجے کی گھن گرج اور طنطنہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

"سیٹھ صاحب! خیر تو ہے......خفا خفا سے لگ رہے ہو، فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہے......اور تمہارے ملازم بھی کافی بدتمیز ہو گئے ہیں؟"

"نہیں ڈیوی صاحب!......ایسی کوئی بات نہیں آپ حکم کریں......اصل میں کچھ دنوں کے لیے مجھے کراچی سے باہر آنا پڑ گیا ہے تو......"

"اچھا دفع کرو سیٹھ صاحب کام کی بات سنو۔" ڈیوی قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔"یوں کریں کہ کسی کو کہو تمہارے گھر جا کر تمہاری بیوی کو آزاد کر دے غریب بندھی پڑی ہے یہ نہ ہو بندھی بندھی ہی پار ہو جائے۔"

"یہ......یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"صحیح کہہ رہا ہوں......اور ہاں تمہاری خوبصورت بیٹی بھی ہمارے پاس ہے۔دل تو بہت چاہتا ہے کہ اسے ......میرا مطلب ہے ......خیر چھوڑو آپ سمجھ گئے ہوں گے......یوں بھی رات کے ٹائم شباب سامنے ہو تو الٹے سیدھے خیالات کا آنا فطری بات ہے......بس یہ خیال رکھنا کہ تمہاری زبان بند رہے۔ورنہ شاید دوبارہ تمہاری وائف کو زندہ نہ چھوڑا جا سکے۔اور تمہاری بیٹی ......وہ......فی الحال تو محفوظ ہے......اور جب تک تم چاہو گے محفوظ ہی رہے گی۔"

"ڈیوی......تم......تم......بہت بری موت کا انتخاب کیا ہے اپنے لیے۔"

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں......مرنے کو کس کا دل کرتا ہے۔یہ تو صرف حفظ ماتقدم کے طور پر کیا گیا ہے۔گو تمہارے پاس کوئی خاص راز نہیں ہے۔لیکن پھر بھی راز تو راز ہوتے ہیں ناں......اور جب میں وعدہ کر رہا ہوں کہ خاموشی تمہاری بیوی کی جان اور بیٹی کی وہ کیا کہتے ہو تم مشرقی لوگ......ہاں عصمت بچا سکتی ہے تو پھر میرا نہیں خیال کہ گونگا بننے میں کوئی نقصان ہے۔"

"میری بیٹی کو چھوڑ دو......وعدہ کرتا ہوں کہ میری زبان سے تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا۔زیادہ سے جان ہی چلی جائے گی

ناں.....تو پرواہ نہیں۔"

"وہ ہمارے پاس ہی محفوظ ہے۔"

"مسٹر ڈیوی! تم نے اچھا نہیں کیا۔..... میری خدمات کا یہ صلہ دیا.........۔"

"گڈ بائی سیٹھ صاحب..... میری بات یاد رکھنا۔ اور یہ بھی کہ تیرے منہ کھولنے کی بات ہم تک پہنچتے دیر نہیں لگے گی۔ شاید تم سے انکوائری کرنے والا در پردہ ہمارا آدمی ہی ہو..... ہماری پہنچ سے یقیناً تم اچھی طرح واقف ہو گے۔" ڈیوی نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"فاضل خان! غداری کبھی خدمات کا روپ نہیں دھار سکتی۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، میر صادق اور میر جعفر جیسے غداروں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا کرتا۔"

عاطف صاحب! انھوں نے میری گڑیا کو اغواء کر لیا ہے۔ وہ..... وہ تیری بہن بھی تو ہے؟"

"سن لیا ہے میں نے..... چھوٹی کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ تیری بیٹی ہے اور تیرے جرائم کی سزا اسے بھگتنی پڑ رہی ہے۔"

"عاطف میری بیٹی کو بچا لو میں..... میں سب کچھ بتا دوں گا۔ ایک لفظ بھی نہیں چھپاؤں گا۔"

"تم کچھ بتاؤ گے تو ہم انھیں پکڑ سکیں گے ناں..... ویسے ہمیں کیا معلوم کہ یہ ڈیوی کون ذات شریف ہے۔ اور یہ کہاں ملے گا؟"

"نہیں..... میں رسک نہیں لے سکتا۔ گڑیا ان کے قبضے میں ہے..... ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے آپ بھی ان کے آدمی ہوں۔"

"فاضل خان مجھے اگلوانے کے کئی طریقے آتے ہیں۔"

"آزما لو..... سارے آزما لو..... گڑیا کے لیے میں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر سکتا ہوں۔" فاضل خان کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی کہ جس نے عاطف کو سوچنے پہ مجبور کر دیا۔ کچھ سوچ کر وہ بولا۔

"ڈیوی کے بارے تو کوئی کلیو دے سکتے ہو ناں؟"

"امریکی ہے..... درمیانہ قد، کلین شیو، براؤن بال، طوطے کی چونچ کی طرح ناک، چھوٹی چھوٹی نیلی آنکھیں، اردو اچھی طرح سمجھ بول لیتا ہے۔"

"اوکے..... میں مصور کو بھیجتا ہوں اس کی مدد کر دینا۔ اس کے علاوہ اگر کسی آدمی کے حلیے سے واقف ہو تو اس کی تصویر بھی بنوا دینا۔ باقی باتیں چھوٹی کی بازیابی کے بعد ہوں گی۔"

"وہ میری بیوی بھی گھر میں......"

"سن لیا ہے میں نے..... تم اپنا کام کرو۔ وہاں میں اپنے آدمی بھیج دیتا ہوں" عاطف نے باہر کی جانب قدم بڑھائے مگر پھر کچھ سوچ کر رکتا ہوا بولا" ایک اور بری خبر بھی سن لو..... جس کوٹھی سے ہم نے تمھیں گرفتار کیا تھا وہ بھی دھماکے سے اڑا دی گئی ہے۔ شاید یہ بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیرے کرم فرماؤں کا کام ہے۔"

فاضل خان خاموش رہا تھا بیٹی کے اغواء کے مقابل سارے غم ہیچ تھے۔

☆......☆......☆

"اچھا یہاں تک تو ہمارا کام ہوگیا، اب فاضل خان کو ڈھونڈنے کا مسئلہ رہ گیا ہے۔" ڈیوی نے انھیں فاضل خان سے ہونے والی گفتگو بتا کر اگلا مسئلہ پیش کیا۔

"واقعی......اسے ڈھونڈ کر ہی حنا کو اپنی آغوش میں لے سکوں گا؟" مینڈی نے غلاظت اگلی۔

"شٹ اپ یار، دوبارہ بکواس کی تو میں اسے گولی مار دوں گا۔" ڈیوی کا لہجہ غصے سے پر تھا۔

"سوری سر!......" مینڈی جلدی سے بولا کیونکہ وہ جانتا تھا ڈیوی ایسا کر گزرتا تھا۔

"فاضل خان کو ڈھونڈ لو وہ تیری ہوگئی۔" ڈیوی نے اسے اکسایا۔

"سر!......میں بھی......" کالر احتجاجی لہجے میں بولا۔

"جس نے بھی ڈھونڈ لیا......اور اب بتاؤ فاضل خان کی تلاش کہاں تک پہنچی؟" ڈیوی نے موضوع بدلا۔

کالر نے کہا۔"سر!......کچھ مقامی آدمی اس کی تلاش میں لگا دیے ہیں ان کی طرف سے کوئی مثبت رپورٹ اب تک نہیں ملی۔"

ڈیوی نے مینڈی کی طرف سوالیہ نظروں سے گھورا۔ وہ بھی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔"میرے آدمیوں نے بھی کوئی خوشخبری نہیں سنائی۔"

"وہ زیادہ دن تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا......ایس آئی کے پاس تو چند دنوں میں پتھر بھی بول پڑتے ہیں وہ تو صرف گوشت پوست کا انسان ہے۔" ڈیوی کے لہجے میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔

جیمس جو فون کے وقت ڈیوی کے ہمراہ تھا حیرانی سے مستفسر ہوا۔"سر!......آپ تو فون پر فاضل خان کو کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس کوئی خاص راز نہیں ہیں پھر اتنی تشویش......میری سمجھ سے باہر ہے؟"

"وہ صرف ایس آئی کو سنانے کے لیے کہا تھا......ورنہ فاضل خان تنظیم کے کافی رازوں سے واقف ہے۔ سب سے بڑھ کر وہ ہمارے سیٹ اپ کو جانتا ہے......مختلف شہروں میں پائے جانے والے مقامی نمائندوں کو پہچانتا ہے۔ وہ ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

کالر نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔"کیوں ناں سارے سیٹ اپ کو بدل دیں......مقامی نمائندے بھی ختم کرا دیں تا کہ کسی قسم کا خطرہ نہ رہے؟"

"یہ اتنا آسان ہوتا تو میں کب کا کر چکا ہوتا......اتنی جلدی وفاداریاں نہیں خریدی جا سکتیں۔ اب تو سارے آزمائے ہوئے

لوگ ہیں۔ نئے بندے جانے کیا گل کھلائیں...... ہیڈ کوارٹراطلاع دی ہے۔وہاں سے بھی فی الفور فاضل خان کے خاتمے کا حکم ملا ہے۔اس کے ساتھ دوسرے مقامی نمائندوں پر بھی گہری نظر رکھنے کا بتایا گیا ہے کہ اگر وہ فاضل خان کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو لازمی بات ہے سی آئی ان بندوں پہ حملہ بولے گی اس وقت انھیں ختم کرادیں گے۔"

"سر! فاضل خان کے دشمن نمبرون اسماعیل کے بارے کیا خیال ہے ......را نے اسے اچھی تربیت دی ہے۔کیوں ناں اسے فاضل خان کوختم کرنے کا ٹاسک دیا جائے،مقامی آدمی ہے اور فاضل خان کا دشمن بھی ہے شاید وہ تلاش کرلے۔"

"جیمس بچوں والی باتیں نہ کرو" ڈیوی نے اسے جھڑکا۔"وہ غریب سی آئی کے قید میں پھنسے آدمی تک کیسے رسائی پاسکتا ہے؟"

"سر! کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے......" جیمس مصر ہوا۔"کبھی کبھی گیا گزرا آدمی بھی ایسا کام کر گزرتا ہے جو اچھے اچھے نہیں کر سکتے۔اور پھر وہ را کا تربیت یافتہ ہے شاید اس کا تکا لگ جائے......زیادہ سے زیادہ ناکام ہوگا ناں تو ہم کون سا اسے معاوضے پر ہائر کر رہے ہیں......"

"سر! جیمس صحیح کہہ رہا ہے؟ راوڈز نے جیمس کی حمایت کی۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد ڈیوی نے موبائل نکالا اور ہیڈکوارٹر بات کرنے لگا۔رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

"سر! کراچی میں را کا ایجنٹ میجر روہیت ہے،اس کا فون نمبر درکار ہے۔" پھر دوسری طرف کی بات سن کر بولا۔"اوکے سر میں منتظر ہوں۔" کال منقطع کرکے سب کی طرف متوجہ ہوکر بولا۔"اچھا یہ تو ہوجائے گا کوئی اتنا اہم اقدام نہیں ہے کہ اس کے بل بوتے پر ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ سکیں کوئی دوسرا مشورہ بھی دو؟"

کالر بولا۔"سر اگر مقامی پولیس سے مدد لی جائے؟"

"میں سمجھا نہیں؟" ڈیوی کے لہجے میں الجھن نمایاں تھی۔

کالر نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"سر! شاید پولیس تھانیدار سی آئی ہیڈکوارٹر کی لوکیشن سے واقف ہوں......اگر ان سے سن گن لی جائے۔"

"مشکل ہے......البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی پولیس والے کی سی آئی کے کسی آدمی سے دوستی ہو اور پولیس والے کے ذریعے اس آدمی کو ٹریس کرکے اغواء کرکے اس سے پوچھ گچھ کی جائے......لیکن قباحت یہ ہے کہ ہمیں پتا کیسے چلے گا کہ فلاں شخص کی سی آئی کے کسی بندے سے سلام دعا ہے،اخبار میں اشتہار دینے سے تو رہے؟"

"یعنی تجویز مسترد ہے؟" کالر نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسا کرو کہ اپنی واقفیت والے پولیس کے آدمیوں سے سن گن لے لو شاید کسی سے ٹھیٹ خبر مل جائے،لیکن اس پر بھی انحصار نہیں کیا جا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکتا.....کوئی عمدہ تجویز سوچو۔" یہ الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ اچانک اس کے موبائل پہ میسج ریسیو ہونے کی گھنٹی بجی موبائل سکرین پہ نظر ڈالتے ہوئے وہ بولا۔

"میجر روہیت کا نمبر ریسیو ہوا ہے.....میرا خیال ہے پہلے اس سے بات کر لیتے ہیں؟"

"جی سر۔" تمام اس کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

نمبر ڈائل کر کے ڈیوی نے موبائل کان سے لگا لیا۔ چند گھنٹیوں کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

"یس؟" ایک محتاط آواز ریسیور سے ابھری، ڈیوی نے سپیکر آن کر دیا۔

"میجر صاحب! میں آپ کا ایک کرم فرما بول رہا ہوں ہم پہلے مل چکے ہیں۔"

"پہچانا نہیں؟" میجر روہیت سپاٹ لہجے میں بولا۔"اور میرا نمبر آپ نے کہاں سے لیا؟"

"وہیں سے، جہاں سے آپ کا ایڈریس لیا تھا۔"

"غالباً آپ بلیک......"

"جی میجر صاحب۔" ڈیوی قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔" آپ نے صحیح پہچانا۔"

"خیر تو ہے؟"

"دراصل پچھلی ملاقات میں آپ سے ایک درخواست کی تھی۔"

"یاد ہے مجھے......اور میں نے کافی مشکل سے اپنے آدمی کو روکا ہے۔"

" آپ کا احسان یاد رہے گا......اب آپ اپنے ایجنٹ کو کھلی چھوٹ دے دیں...... بلکہ اسے بتا دیں کہ اگر اس نے ایک دو دن میں فاضل خان کا کام تمام کر لیا تو اسے خاطر خواہ انعام بھی دیا جائے گا۔"

"کیوں......؟ اتنا ڈرتے ہو سی آئی سے؟" روہیت کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ فاضل خان سی آئی کی قید میں ہے؟"

"مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ وہ کہاں قید ہے" روہیت نے فخریہ لہجے میں کہا۔"اور یہ بھی کہ گھنٹا دو پہلے فاضل خان کی کوٹھی دھماکے سے اڑا دی گئی ہے۔"

"کیا......؟" ڈیوی بے اختیار اپنی جگہ پہ کھڑا ہو گیا۔

"سچ کہہ رہا ہوں؟" روہیت کو اس کی حیرانی پر اچنبھا ہوا تھا۔" کیا دھماکا آپ نے نہیں کروایا؟"

"نہیں......یہ ہمارا کام نہیں ہے۔" بہر حال تم فاضل خان کا بتاؤ، کہاں قید ہے؟" ڈیوی کے لہجے میں بے صبری کا عنصر نمایاں تھا۔

"بتانے کا فائدہ؟" روہیت نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا چاہیے؟" ڈیوی یہ سراغ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا دے سکتے ہو؟" روہیت نے گیند دوبارہ اس کے کورٹ میں پھینکی۔

"مانگ کر دیکھو۔" ڈیوی بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔

"اکٹھے بیٹھ کر بات کرتے ہیں..... شاید سودا ہو جائے؟"

"او کے۔" ڈیوی نے رضامندی ظاہر کی۔

"تو کب...... اور کہاں؟"

"ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے، اس لیے ابھی...... اور جہاں کہو۔"

میجر روہیت نے حیرانی سے کہا۔ "ٹائم دیکھا ہے؟"

"ہاں..... بارہ بجنے والے ہیں۔ لیکن یہ کراچی ہے بھائی؟"

"او کے..... سرینہ ہوٹل، دوسری منزل، کمرہ نمبر ۲۲...... ہم تین آدمی ہوں گے۔"

"ہم بھی تین ہی ہوں گے" ڈیوی نے رابطہ منقطع کر کے پوچھا۔ "روڈز! تم نے فاضل خان کے گھر کوئی ٹائم بم تو فٹ نہیں کیا تھا؟"

"نہیں سر۔"

"پھر وہاں پہ دھماکا..... کس نے کیا؟" ڈیوی کے لہجے میں الجھن تھی۔

جیمس بولا۔ "سر! فاضل خان کی تین چار کوٹھیاں ہیں، جانے کس کوٹھی میں دھماکا ہوا ہے؟"

"صحیح کہا..... بہر حال یہ بعد کا مسئلہ ہے فی الحال میجر روہیت سے ملنے چلتے ہیں وہیں پہ پتا چل جائے گا کہ فاضل خان کی کس کوٹھی میں دھماکا ہوا ہے۔"

"سب نے چلنا ہے؟" جیمس مستفسر ہوا۔

ڈیوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "نہیں! تم اور کالر میرے ساتھ جاؤ گے..... ہینڈی اور روڈز یہیں رہیں گے..... روڈز! اگر تمھاری ضرورت پڑی تو بلا لوں گا۔ میری کوشش یہی ہو گی کہ آج رات ہی سی آئی کے ہیڈ کوارٹر پہ حملہ کیا جائے۔"

اور ان دونوں کے۔ "جی سر" کہنے پر ڈیوی سر ہلاتا ہوا جیمس اور کالر کے ہمراہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

رابطہ منقطع کرتے ہی روہیت نے ساتھ بیٹھے رندھیر سے پوچھا۔

''کمرہ نمبر غلط تو نہیں بتا دیا؟''

''نہیں سر! شنکر اسی کمرے میں مقیم ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے بتا دو کہ تین مہمان آنے والے ہیں، ہوسکتا ہے وہ ہم سے پہلے پہنچ جائیں۔'' اور رندھیر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شنکر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''کہاں ہو تم؟'' رابطہ ہوتے ہی وہ مستفسر ہوا۔

''سر میں اب تک فاضل خان کی کوٹھی کے سامنے ہوں جہاں پہ دھماکا ہوا تھا۔''

''کرشنا بھی تیرے ساتھ ہے نا؟''

''جی سر۔''

''اسے وہیں چھوڑ کر تم اپنے کمرے میں پہنچو، تین غیر ملکی مہمان آئیں گے، میں اور میجر صاحب بھی پہنچ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے مہمان ہم سے پہلے پہنچ جائیں۔''

وہ مستفسر ہوا۔''کوئی خاص ہدایت سر......''

''نہیں......بس انھیں ریسیو کرنا، باقی بات چیت میجر صاحب خود ہی کر لیں گے۔''

اور اس کی ''ٹھیک ہے سر'' سنتے ہی رندھیر نے رابطہ منقطع کر دیا۔

میجر روہیت کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے رندھیر نے پوچھا۔''ویسے یہ دھماکا کون کر سکتا ہے سر؟''

''میرا گمان تو اسماعیل شاہ پہ ہے۔''

رندھیر نے کہا۔''شاید ایسا ہی ہے۔'' کمرے سے نکل کر وہ پورچ میں کھڑی کار میں بیٹھے اور روڈ پر نکل آئے۔ کار رندھیر ڈرائیو کر رہا تھا۔ روہیت موبائل نکال کر ہیڈ کوارٹر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے مختصر الفاظ میں موجودہ صورت حال بتا کر مشورہ لیا کہ آیا وہ بلیک لیکونڈ کو کون سا مطالبہ پیش کر سکتا ہے۔ جواب ملا۔''بلیک لیکونڈ اگر ہمارا احسان ہی مان لے تو یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے ہمارے لیے۔''

''ٹھیک ہے سر! میں بغیر کسی خاص مطالبے کے ان کے مطلوبہ آدمی ایڈریس انھیں دے دوں گا۔''

''اگر ان کے ساتھ مل کر کوئی کام کر سکو تو شاید را کی اہمیت ان کی نظروں میں بڑھ جائے۔''

''میں کوشش کروں گا سر۔'' روہیت بولا اور ''وش یو گڈ لک'' کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ سرینا ہوٹل کی پارکنگ میں داخل ہو رہے تھے۔ ہوٹل میں داخل ہو کر وہ ریسپشن کی طرف جانے کی بجائے

سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ ڈیوی پارٹی ان سے پہلے وہاں موجود تھے۔ ان کی رسمی بات چیت مصافحے اور ہیلو ہائے تک محدود رہی۔

''تو میجر صاحب! اب بتائیں آپ کو فاضل خان کے ایڈریس کے بدلے کیا درکار ہے؟'' ڈیوی بغیر تمہید کے مطلب کی بات پہ آیا۔

''آپ کو فاضل خان کا ایڈریس کیوں درکار ہے؟''

''فضول سوال ہے۔'' ڈیوی نے منہ بنایا۔

''اوکے...... آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟''

''آپ کو کتنا درکار ہے؟''

''مجھے پیسے نہیں چاہییں۔''

''میجر صاحب! آپ گھما پھرا کر باتیں نہ کریں تو بہتر ہوگا، مجھے فاضل خان کا ایڈریس درکار ہے۔ اب آپ بتائیں کیا چاہتے ہیں؟'' ڈیوی نے سامنے رکھا جام اٹھایا جو ان سب کے سامنے شنکر نے بھر کر رکھے تھے۔

''سی آئی کا ایک ایجنٹ ہے...... عاطف نام ہے اس کا۔ وہ مجھے زندہ چاہیے۔''

ڈیوی نے حیرانی سے پوچھا۔ ''مجھے کیا پتا وہ کہاں ملے گا؟''

روہیت نے کہا۔ ''فاضل خان کو قید کرنے والا وہی ہے۔''

''گویا فاضل خان کے ارد گرد ہی ملے گا۔''

''امید تو ہے۔''

''میرا مقصد فاضل خان کو ہلاک کرنا ہے...... اس لیے میری کوشش یہی ہوگی کہ لمبے بکھیڑے میں پڑنے کی بجائے پوری عمارت ہی اڑا دوں، ایسی صورت میں تمھارے عاطف کو کیسے بچا پاؤں گا؟''

''اگر ہم مل کر ان پر حملہ کریں......؟''

''یعنی......؟''

''بالکل...... را اور بلیک لیکو مل کر کام کریں تو میرا نہیں خیال کہ انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے؟'' روہیت اس کا فقرہ مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''مگر......؟''

''آپ پوچھ رہے تھے ناں...... کہ کیا چاہیے۔'' روہیت نے ایک مرتبہ پھر اس کا فقرہ اچکا۔

''اوکے...... پر کام بڑھ جائے گا۔''

''نہیں بڑھے گا۔''

''تو کیا طے رہا؟''

''طے آپ نے کرنا ہے...... ہم آپ کے ساتھ ہوں گے...... بس ہمیں سی آئی کا عاطف نامی آدمی زندہ درکار ہے کہ اس سے کچھ ضروری پوچھ گچھ کرنی ہے۔''

''ٹائم کم ہے...... میں آج ہی چھاپہ مارنے کی تجویز دوں گا۔''

''جلد بازی سے کام بگڑنے کا اندیشہ ہے...... کیوں ناں یہ کل رات تک مؤخر کردیں۔اس اثناء میں ہم کوئی مناسب پلان بھی بنا لیں گے،اپنے آدمیوں کو اکٹھا کر کے بریف بھی کرلیں گے اور آبجیکٹ(Object) کی قراولی(Reconnaissance)[1] بھی تسلی سے کرلیں گے۔''

''دیر ہو جائے گی۔''ڈیوی نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''آپ جلد بازی پہ کیوں مصر ہیں؟''

''دیر ہونے کی صورت میں سی آئی فاضل خان سے بہت سے راز اگلوا لے گی۔''

''انھیں کوئی جلدی نہیں ہے...... دو تین دن تک وہ اسے ٹارچر کرنے پہ اکتفا کریں گے،اس کے بعد ہی پوچھ گچھ کریں گے۔''

ڈیوی نے منہ بنا کر کہا۔''ضروری نہیں کہ سی آئی اور را کا طریقہ کار ایک سا ہو؟''

''ساری خفیہ ایجنسیوں کا طریقہ کار ایک سا ہوتا ہے کہ پہلے نارمل بات چیت سے دشمن سے سب کچھ اگلوانے کی کوشش کی جاتی ہے جو ایک روٹین کی کارروائی ہوتی ہے ورنہ سب کو معلوم ہے کہ مجرم اتنی آسانی سے جرم کا اقرار نہیں کیا کرتا...... اور یہ سب کارروائی دراصل اس کی ٹھکائی کے لیے راہ ہموار کرنے کی ہوتی ہے۔دوسرے مرحلے میں اسے دو تین دن تک سختی سے ٹارچر کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کچھ بتانے پہ راضی بھی ہو جائے تو اس کی بات نہیں سنی جاتی...... اور جب آخری مرحلے میں دوبارہ پوچھ گچھ کی جاتی ہے تو مجرم میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ کچھ چھپا سکے...... میرا خیال ہے آپ کا طریقہ کار بھی اس کے قریب قریب ہی ہوگا؟''

''ہمارے ہاں بہت سے سائنٹفک طریقے رائج ہیں۔''ڈیوی کے لہجے میں چھپا ازلی تفاخر واضح تھا۔

''بہرحال یہ غیر متعلق بحث ہے۔''روحیت اسے خفا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔''میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جلد بازی ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

ڈیوی نے سوالیہ نظروں سے جیمس کے جانب دیکھا۔وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''ہاں جی......؟''وہ کالر کی طرف متوجہ ہوا۔

''سر!..... ایک دن سے کوئی خاص فرق نہیں پڑنے والا .....اور پھر فاضل خان کی بیٹی بھی تو ہمارے قبضے میں ہے.....اتنی جلدی نہیں کچھ نہیں بکے گا۔''

روہیت نے پوچھا۔''فاضل خان کی بیٹی آپ کے ہاتھ کیسے آئی؟''

''بلیک لیکوئڈ جس کو اور جس وقت چاہے اغواء کر سکتی ہے'' ڈیوی فخریہ لہجے میں بولا۔''اور میجر صاحب! صاف بات کروں میں کل تک انتظار نہیں کر سکتا..... باقی جیسے تیری مرضی، اگر ہمارے ساتھ آنا ہے تو موسٹ ویلکم ورنہ ہم اکیلے ان کے لیے کافی ہیں۔''

میجر روہیت جلدی سے بولا۔''ہم چلیں گے.....''

ڈیوی نے پوچھا۔''آپ کے پاس کتنے آدمی ہیں؟''

''دس، بارہ ہوں گے.....کم لگیں تو مقامی آدمیوں کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔''

''نہیں یہ کافی ہیں..... بلکہ یوں کریں ان میں سے پانچ چھ کا چناؤ کر لو۔ پانچ ہم ہو جائیں گے دس بندے کافی ہیں، زیادہ بھیڑ مناسب نہیں رہے گی۔''

''ٹھیک ہے..... پروگرام تشکیل دے لیتے ہیں.....''

وہ شنکر سے مخاطب ہوا۔''نقشہ لے آؤ۔''

''جی سر'' کہہ کر شنکر نے اٹھ کر الماری سے کراچی شہر کا تفصیلی نقشہ نکالا اور میجر روہیت کے سامنے پڑی میز پر بچھا دیا۔ ڈیوی جیمس اور کالر بھی نقشے پر جھک گئے تھے۔ جیب سے پین نکال کر میجر روہیت نے ایک جگہ دائرہ لگا کر کہا۔

''وہ عمارت تقریباً ادھر موجود ہے.....اس کے سامنے اور پیچھے سے یہ دو بڑی گلیاں گزر رہی ہیں۔'' اس نے لائن لگا کر دو گلیوں کو اجاگر کیا۔''عمارت کی شمالی جانب دیکھیں، دو عمارتیں چھوڑ کر سائیڈ گلی گزر رہی ہے جو ان دو بڑی گلیوں کو آپس میں ملا رہی ہے۔ اسی طرح جنوبی طرف سے بھی تین عمارتیں چھوڑ کر ایک گلی ان دونوں گلیوں کو لنک کر رہی ہے.....اس عمارت کے دائیں بائیں موجود ساری عمارتیں اس کی نسبت چھوٹی ہیں۔ یہاں چوک پر رہائشی فلیٹوں کی پانچ منزلہ عمارت ہے۔'' روہیت نے ایک دوسری جگہ چھوٹا سا دائرہ لگا کر کہا۔''جس کی چھت پر سے اس عمارت پہ نظر رکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح پیچھے کی ایک گلی چھوڑ کر ایک اونچا پلازہ ہے اس کی چھت سے بھی یہ عمارت واضح نظر آ سکتی ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ نگرانی والے کے پاس دوربین موجود ہو۔ اسی طرح رات کے ٹائم پر صوفی تھرمل نائیٹ سائیٹ (Sophie Thermal Night Sight) جیسے کسی آلے کا ہونا ضروری ہے..... یہ موٹے طور پہ عمارت کا حدود اربع ہے اب آپ چھاپے کی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔''

ڈیوی نے پوچھا۔''اندر کتنے آدمی موجود ہو سکتے ہیں؟''

روہیت نے کہا۔"واضح کچھ نہیں کہا جاسکتا.....اندازہ یہی ہے کہ پندرہ اور بیس کے درمیان میں ہوں گے۔"

"عمارت کے سیکورٹی سسٹم کے متعلق کوئی معلومات؟" ڈیوی نے اگلا سوال کیا۔

"ظاہری طور پر دیواریں سادہ نظر آتی ہیں کہ ان پر کانٹا دار تار بھی موجود نہیں ہے.....البتہ باقی عمارتوں کی نسبت اس کی دیواریں کچھ زیادہ بلند ہیں، اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں۔"

"رات کے ٹائم پر آمدورفت کی کیا صورت حال ہے؟"

"یہ جگہ فاضل خان کی گرفتاری کے بعد ہماری نظروں میں آئی ہے.....یعنی آج دن کو.....اس لیے ان کی آمدورفت کے بارے بھی کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی.....اور ناکافی معلومات کی وجہ سے ہی میں اس وقت چھاپہ مارنے کے حق میں نہیں تھا۔"

"دیکھیں میجر صاحب!.....وہ ہمارے حملے سے لاعلم ہیں اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔ دوسرا ان کا سیکورٹی سسٹم اتنا اعلیٰ درجے کا نہیں ہوسکتا کہ بلیک لیکوئڈ کا حملہ جھیل سکے۔ اور پھر ہمارے ساتھ را کا مایہ ناز ایجنٹ میجر روہیت بھی تو موجود ہوگا رہی سہی کسر اس سے پوری ہوجائے گی۔"

"تو پھر کیا طے رہا؟" اپنی تعریف سن کر میجر روہیت کی چھاتی دو انچ بڑھ گئی تھی۔

"پہلے تو میرا ارادہ پوری عمارت کو اڑانے کا تھا.....لیکن اب تمھارے عاطف صاحب کو بچانے کے لیے بیہوش کرنے والی زود اثر گیس کی شیلنگ کرنی پڑے گی۔ گو اس میں تھوڑا سا رسک ہے، مگر اس کے علاوہ اتنے مختصر وقت میں کچھ کیا بھی تو نہیں جاسکتا۔"

"کیسا رسک؟"

"اس کا انحصار عمارت کے تہہ خانوں کے اگزاسٹنگ سسٹم پر ہے۔"

"سمجھا....." روہیت نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔"کوئی بات نہیں تہہ خانے والوں سے ویسے نبٹ لیں گے۔"

ڈیوی بولا۔"تو پھر چلیں؟"

روہیت نے پوچھا۔"دو بج رہے ہیں.....کارروائی کا آغاز کتنے بجے ہوگا؟"

"چار بجے مناسب رہے گا۔"

"تین ہم ہیں.....باقی دو آدمیوں کو میں کال کر کے بلا لیتا ہوں.....آپ بھی اپنے آدمیوں کو یہیں بلا لیں پھر اکٹھے نکلتے چلیں گے۔"

ڈیوی نے اپنا ایڈریس بتاتے ہوئے کہا۔"نہیں.....تم اپنے آدمیوں کو میرے ٹھکانے پہ لے آؤ، وہاں سے ضروری ہتھیار بھی لے لیں گے اور تمام آدمیوں کو اپنا اپنا کام بھی سمجھا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے ہم آدھ پون گھنٹے تک آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔" روہیت نے کہا اور ڈیوی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

ڈیوی پارٹی کے جاتے ہی روڈز اٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کچھ دیر آرام کیا جائے۔"

مینڈی نے کہا۔ "نہیں، بیٹھو ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"کہو؟"

"میرا خیال ہے ڈیوی پارٹی کی واپسی دو تین گھنٹوں میں ہی ہو گی؟"

"زیادہ بھی لگ سکتے ہیں تم بات کرو......؟"

مینڈی کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بازاری انداز میں بولا۔ "روڈز......فاضل خان کی بیٹی کیسی لگی؟"

روڈز نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "یار بے غیرتی نہ کر؟......ڈیوی نے بتا تو دیا ہے کہ فاضل خان کی ہلاکت کے بعد جو چاہے کر لینا۔"

"ایسی صورت میں باسی ہو کر ہی ملے گی......سر ڈیوی، جمس اور پھر کالر بھی ہم سے سینئر ہے۔ وہ کہاں باز رہنے والے ہیں۔"

"تو کیا......؟"

"تو یہ......کہ ابھی ہمارے پاس موقع ہے......اور ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔"

"سر ڈیوی خفا ہو جائیں گے یار۔"

"نہیں ہوتے خفا......اس کی بہن یا بیٹی تو نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی تو سوچ، ان چھوا مال ہے، اپنے ہاں تو پتا ہے ہمیں اپنی بیویوں کا بھی بھروسا نہیں ہے کہ ان کی زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہم ہیں......اور اس وقت بھی جانے وہ کس کی آغوش میں پڑی ہوں گی......یقین کرو میری تو حسرت ہی رہی ہے کہ کسی لڑکی کو آغوش میں لینے والا پہلا مرد بنوں......اور آج قسمت مہربان ہو ہی گئی ہے تو......"

"مگر یار......"

"اگر مگر چھوڑو......تمھیں خواہش نہیں ہے تو نہ سہی، مجھے روکنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تو باز نہیں آئے گا......" روڈز پھیکی ہنسی سے بولا۔ "تو چل اس کے پاس میں کچھ پینے کو لاتا ہوں۔"

مینڈی خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا۔ "یہ ہوئی نہ بات......"

روڈز جب وسکی کی بوتل کے ہمراہ وہاں پہنچا تو مینڈی خود کو کپڑوں کی قید سے آزاد کر چکا تھا۔ روڈز حیرانی ظاہر کیے بغیر اپنا لباس اتارنے لگا۔ وہ جس گندی اور گھٹیا تہذیب کے پروردہ تھے ان کے لیے یہ روٹین کی بات تھی۔ جہاں بیٹی، باپ کے سامنے انڈر ویئر پہن کر

گھوم سکتی ہو، بہن، بھائی کے سامنے بکنی پہن کر سوئمنگ پول میں بوائے فرینڈ کے ساتھ اٹھکیلیاں کر سکتی ہو۔ وہاں اپنے جیسے مرد کے سامنے برہنہ ہونا تو کسی شمار میں نہیں تھا۔

"دیکھ یار!...... کبھی دیکھی ہے ایسی لاجواب چیز......" مینڈی غلاظت بھرے انداز میں ہونٹوں پہ زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"تعریفیں چھوڑو ٹائم کم ہے۔" روڈز اپنے لیے گلاس بھرنے لگا۔

"دو تین گھنٹے بہت ہیں بھائی...... ساری رات کی عیاشی بے بی کے والد کی ہلاکت کے بعد ہی ملے گی۔"

انھیں دیکھ کر حنا کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ہلکورے لینے لگیں۔ اور پھر ان کی بدنگی نے سونے پہ سہاگہ کے مصداق اس کی سانسیں اتھل پتھل کر دیں۔ منہ پر ٹیپ لگی ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بول نہ سکی۔ اس کے بس میں صرف اتنا تھا کہ آنکھیں بند کر کے اس کریہہ منظر کو نہ دیکھے۔

مینڈی اپنا گلاس بھر کر حنا کی طرف بڑھا اور اس کے منہ سے ٹیپ ہٹاتا ہوا شیطانی لہجے میں بولا۔

"کچھ لینا پسند کرو گی میری جان......؟"

حنا کی حالت اس وقت بھوکے بھیڑیوں کے چنگل میں پھنسی بھیڑ کی سی تھی "پپ...... پلیز...... مجھے چھوڑ دو۔" وہ گڑگڑائی۔ "آپ کو جتنی رقم چاہیے ہوگی میں دلا دوں گی۔"

"رقم...... ہاہاہا" مینڈی کا قہقہہ کافی بلند تھا۔ "بے بی رقم تم ہم سے لے لینا...... لیکن شور مچا کر مزہ کرکرا نہ کرنا...... گو لڑکیوں کو رلانا میرا محبوب مشغلہ ہے مگر پھر بھی اس وقت میں کسی اور موڈ میں ہوں۔"

"مم...... میں زخمی ہوں" وہ منمنائی۔ "آپریشن ہوا ہے میرا۔"

"کوئی دوسری بات کرو بے بی...... کہا تو ہے آج صرف ایک کام کا موڈ ہے اس کے علاوہ مجھے کچھ بجھائی نہیں دے رہا۔" یہ کہہ کر وہ روڈز کی طرف۔ "ذرا میرے لباس سے چاقو نکال کر تو پھینکو بے بی کو ہماری طرف دیکھنے میں شرم محسوس ہو رہی ہے، اس کے کپڑوں کا بوجھ بھی ہلکا کر لیں تاکہ سب ایک جیسے ہو جائیں اس کے بعد شاید اس کی شرم بھی دور ہو جائے۔"

"پلیز نہیں...... خدا کے لیے......" حنا کے آنسو بہنے لگے۔

"اچھا چھوڑو یار...... بے بی چاقو سے ڈر رہی ہے میں ہاتھوں سے ہی کام لے لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر مینڈی نے شراب کا جام پیچھے رکھ کر اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالا۔ اگلے لمحے 'چر' کی آواز کے ساتھ حنا کی قمیص سامنے سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

"نہیں......" اس نے چیختے ہوئے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کی مگر اس کے ہاتھ پاؤں بڑی مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ فقط تڑپ کر رہ گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگلے مرحلے میں مینڈی نے زیریں لباس بھی اس کے جسم سے علیحدہ کر دیا۔

''پلیز.....خدا کے لیے مت کرو.....کیوں کر رہے ہو ایسا؟.....میں نے کیا بگاڑا ہے تم لوگوں کا.....؟''

''ہائے.....اس بیچاری کو پتا ہی نہیں ہے کہ اس نے کیا بگاڑا ہے ہمارا۔'' مینڈی بھونڈے انداز میں افسوس کا اظہار کرتا ہوا گلاس تھام کر روڈز کے ساتھ جا بیٹھا۔ ''بیوقوف حسن کے خزانے پہ سانپ بن کر بیٹھی ہے اور کہہ رہی کیا بگاڑا ہے ہمارا۔''

''اب بیٹھنے کا ٹائم نہیں بھائی.....شروع کرو.....ورنہ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔'' روڈز کے لہجے میں بے صبری تھی۔

''یار جام تو خالی کرنے دو.....اور دیکھو تو کتنا دلکش نظارا ہے، ایسی صورت کبھی اپنے ہاں نظر آئی ہے؟ سالیاں، ساری پھیکی، بے رونق اور بدمزہ ہوتی ہیں.....ٹھنڈے گوشت کی دکانیں.....اس کے بدن کو ذرا ہاتھ لگا کر دیکھو بالکل جلتی ٹیوب لائیٹ کی مانند ہے.....حیرانی ہوتی ہے.....اس کا لباس کیوں نہیں جلتا.....رخساروں پہ غور کرو دہکتے انگارے ہیں انگارے.....آنکھیں دیکھو اتنی بڑی بڑی اور سیاہ اوپر سے گھنی پلکوں کی جھالریں یقین مانو میں ان پلکوں کی خوبصورتی پر ایک کتاب لکھ سکتا ہوں، پورے پانچ سو صفحے کی کتاب.....ایک میری بیوی کی آنکھیں ہیں.....'' مینڈی جام خالی کر کے دوبارہ بھرنے لگا۔ ''چھوٹی چھوٹی بے تاثر زندگی کی چمک سے محروم۔ اور بال دیکھو یار!.....قسم سے اگر انھیں کاٹ کر رسی بنی جائے تو ایفل ٹاور پر آسانی سے کمند ڈالی جا سکے گی.....اور تو نے صراحی دار گردن کا نام سنا ہوگا۔ میں نے بھی سنا تھا دیکھی آج ہے.....اور.....دیکھو.....''۔

مینڈی کا منہ گٹر کی مانند گندگی اگلنے لگا۔ حنا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی سماعتوں پہ مہر لگائے، اتنی گندی اور واہیات باتوں سے اس کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا۔

روڈز بھی اس کی بکواس سے تنگ آ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے تیرا ارادہ نہیں بن رہا۔''

''نہیں نہیں.....یہ بات نہیں ہے۔'' مینڈی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے سے باز رکھا۔ ''قسم سے میں حیران ہوں ڈیوی کی عقل پر اس خزانے کی رکھوالی مجھ جیسے ڈکیت کو سونپ گیا ہے.....دوسرا اس کا باپ ہے الو کا پٹھا.....سمجھتا ہے زبان بند رکھ کر اسے بچا لے گا۔ بتاؤ بھلا ایسی چیز دسترس میں آئے تو کون کافر اس سے مستفید ہوئے بنا رہ پائے گا.....تم! بیوقوف مجھے ڈیوی کی ناراضی سے ڈرا رہے تھے، قسم سے اگر اس کے حصول کے بعد مجھے ڈیوی قتل بھی کر دے تو میں سمجھوں گا گھاٹے کا سودا نہیں۔''

''اچھا میرے باپ اب اٹھ بھی جا۔'' روڈز غصے سے چیخا۔ اور مینڈی مکروہ انداز میں ہنستا ہوا حنا کی جانب بڑھا۔ اس کی غلیظ باچھیں کسی عفریت کے مانند کھلی ہوئی تھیں۔ خوف کی شدت سے حنا کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اپنے بندھے بدن کو مسلسل جھٹکے دینے سے اس کے پیٹ کے زخم سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ ان سے رحم کی بھیک مانگ کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں بڑی شدت سے اسماعیل شاہ کی بہن کا خیال آیا۔ ''ہو نہ ہو یہ اسی کی سزا ہے.....میرے باپ نے بھی تو ایک معصوم کو اسی طرح باندھ کر برباد کیا تھا۔

اور پھر اس کے بعد اس کے کارندوں نے بھی اس معصوم کو بھنبھوڑا تھا۔شاید ان دونوں کے بعد مجھے ان کے ملازموں کو بھی بھگتنا پڑے..... چلو اس بہانے شاہ جی کا انتقام تو پورا ہو جائے گا ناں......وہ شاید میرے ساتھ یہ سلوک نہ کر سکتا۔" اس خیال کے باوجود وہ آخری کوشش کے طور پر ایک مرتبہ پھر گڑگڑائی۔

"پلیز..... مجھے میرے باپ کے جرموں کی سزا نہ دو، پلیز.....ایسا نہ کرو..... یاد رکھو اس کا بدلہ تمھاری بہن، بیٹی سے لیا جائے گا"

"بہن..... بیٹی..... ہاہاہا.....روڈ زا سنا بے بی کیا کہہ رہی ہے..... بیوقوف گدھی، ہماری بہنیں، بیٹیاں بالغ ہونے سے پہلے اس مرحلے سے گزر چکی ہوتی ہیں..... یہ تم مشرقی لوگ ہو جو اس بات کو اتنی اہمیت دیتے ہو۔ پاگل انجوائے کرو..... چند دن کی زندگی گھٹ گھٹ کر گزار دیتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے خالی گلاس کو ایک جانب اچھالا اور حنا کے برہنہ وجود پر جھکنے لگا۔

"نہیں..............." حنا گلا پھاڑ کر چلائی، مگر اس کے چیخنے سے اس کے مقدر پہ چھائی ذلت اور رسوائی دور نہیں ہو سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

اسماعیل!.....اس کار کا تعاقب کرتے ہوئے بڑی آسانی سے ان کے ٹھکانے تک پہنچ گیا تھا۔وہ کافی بڑی کوٹھی تھی۔اس کے اندر دشمن کتنی تعداد میں ہو سکتے تھے اس بارے اندازہ لگانا مشکل تھا۔لیکن جتنے بھی ہوتے اسماعیل کی زندگی میں حنا کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔چند لمحوں تک کوٹھی کا سامنے سے جائزہ لینے کے بعد وہ بغلی گلی سے ہوتا ہوا کوٹھی کے پچھلے حصے میں پہنچا اور پھر وہاں رکنے کی بجائے آگے بڑھتا چلا گیا۔اسے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں پڑی جلد ہی ایک مناسب جگہ اسے نظر آ گئی جہاں وہ موٹر سائیکل پارک کر سکتا تھا۔

موٹر سائیکل لاک کر کے وہ واپس روانہ ہوا۔جلد ہی وہ دوبارہ اس کوٹھی کی عقبی جانب پہنچ گیا تھا جہاں اس کی جان حیات قید تھی۔دائیں بائیں دیکھ کر اس نے گلی کے خالی ہونے کا یقین کیا اور پھر اچھل کر دیوار کا اوپری کنارہ پکڑتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اوپر پہنچ گیا۔

دیوار کے اوپر لیٹ کر اس نے کوٹھی کے عقبی حصے میں ایک گہری نظر دوڑائی اور پھر دیوار سے نیچے لٹک کر آہستہ سے اپنے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

پنجوں کے بل پہ کودنے کی باوجود ہلکا سا دھماکا ہوا، مگر یہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ کسی کو اس کی طرف متوجہ کر سکتا۔لیکن وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس لیے چند لمحے وہیں دبک کر بیٹھا رہا اس اثناء میں خوفناک شکل کا بریٹا پسٹل جیب سے اس کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا تھا۔جب چند لمحوں تک کوئی ردعمل نہ ہوا تو وہ آہستگی سے اٹھ کر اندرونی عمارت کی پشت پہ پہنچا اسی اثناء میں اس کے کانوں میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی کار اس کوٹھی میں داخل ہوئی ہو۔اس بات کی تصدیق کوٹھی کی دیواروں پہ پڑنے والی گاڑی کی ہیڈ لائیٹ کی روشنی کر رہی تھی۔یہ آواز ایک مرتبہ پھر اسے ساکن کر گئی۔روشنی کے معدوم ہوتے ہی وہ کوٹھی کی دائیں سائیڈ سے ہوتا ہوا سامنے کے حصے کی طرف بڑھا۔کونے پہ رک کر اس نے گیٹ کی سمت جھانکا، چوکیدار اسے کافی مستعد نظر آیا۔چوکیدار کو ٹھکانے لگائے بغیر اس کا کوٹھی کے اندر داخل ہونا مشکل تھا۔اگر وہ اسے گولی مارتا تو دشمن چوکنا ہو جاتے اور حنا ان کے پاس قید تھی اس لحاظ سے ان کا پلڑا بھاری تھا۔ایک عام سا آدمی

بھی حنا کو یرغمال بنا کر اسماعیل کو گھٹنے ٹیکنے پہ مجبور کر سکتا تھا۔ چوکیدار کو گولی مارے بغیر بھی وہ اس پہ قابو پا سکتا تھا لیکن اصل مسئلہ چوکیدار تک رسائی تھی کہ وہ جیسے ہی عمارت کی آڑ سے نکل کر آگے کی طرف بڑھتا چوکیدار کی نظروں میں آ جاتا۔ اس کے بعد چوکیدار اس کے خلاف کوئی کارروائی کر پاتا یا نہیں اسے للکارتا ضرور اور اس کی آواز سے کوٹھی کے اندر موجود لوگ چوکنا ہو جاتے۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا...... چند لمحے سوچنے کے بعد وہ پیچھے مڑا۔ اس کا ارادہ عمارت کی عقبی سمت میں موجود باتھ روم کی پائپ لائن سے اوپر چڑھنے کا تھا اچانک اس کی نگاہ دیوار میں بنی کھڑکیوں پہ پڑی جو دیوار سے چند فٹ بلند تھیں۔ سیدھے کھڑے ہو کر اس نے پہلی کھڑکی کے کواڑوں کو اندر کے جانب دھکیلا یہ دیکھ کر اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا کہ کھڑکی اندر سے کھلی تھی۔ پائپ لائن کی نسبت اس کھڑکی سے اندر گھسنا آسان تھا۔ وہ اچک کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد رسک لیتے ہوئے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی۔ وہ درمیانے سائز کا ایک کمرہ تھا۔ اندر بچھا قالین اور اس پہ پڑا ڈبل بیڈ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی کا بیڈ روم تھا۔ اسماعیل دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو آہستگی سے کھولتا ہوا باہر آ گیا۔ گیلری میں تیز روشنی تھی۔ ایک کمرے سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی وہ دبے پاؤں اس طرف بڑھا۔ وہ کمرہ سیڑھیوں کے ساتھ تھا۔ وہاں کھڑے ہونا رسکی تھا البتہ سیڑھیوں کے نیچے اتنی جگہ موجود تھی جہاں چھپا جا سکتا تھا پہلے اس کا ارادہ سیڑھیوں سے اوپر چڑھ کر دوسری منزل کی تلاشی لینے کا بنا مگر پھر وہ ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان کی گفتگو سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ کہہ رہا تھا......

"How did you come to know that Fazil Khan is under custody of CI

وہ رسک لیتا ہوا دروازے کے نزدیک ہو گیا۔ دوسرے بندے کی جوابی گفتگو اسے نہ سنائی دی۔

"What ?" پہلے والے بندے کی حیرانی سے پر آواز سن کر اسے یقین ہو گیا کہ وہ فون پر محو گفتگو ہے۔ اور پھر آخر تک ان کی گفتگو سن کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ سی آئی کے ہیڈ کوارٹر پر ہلہ بولنے جا رہے ہیں اور ان کا مقصد فاضل خان کی رہائی ہو سکتا تھا، مگر پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ فاضل خان کے دوست ہوتے تو اس کی بیٹی کو کیوں اغواء کراتے...... "شاید اسے ہلاک کرنا چاہ رہے ہوں۔" ایک امکانی سوچ اس کے دماغ میں ابھری اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے اندازہ ہوا کہ ان میں سے تین بندے میجر روحیت سے ملنے جا رہے تھے اور دو ادھر ہی موجود رہتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ فاضل خان کی کوٹھی میں ہونے والے دھماکے کے بارے بھی اچنبھے میں تھے۔ ان کے فرشتے بھی نہیں جان سکتے تھے کہ وہ دھماکا کرنے والا اسماعیل تھا۔ ان کے نکلنے سے پہلے وہ سیڑھیوں کے نیچے چھپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس وقت تک وہیں دبکا رہا جب تک کار گیٹ سے باہر نہیں چلی گئی۔ اب وہاں دو آدمی رہ گئے تھے۔ چوکیدار کے ہمراہ ان کی تعداد تین ہو رہی تھی ان کے علاوہ کوئی ملازم ٹائپ بندہ ہی وہاں موجود ہو سکتا تھا ورنہ اس کے برعکس ہونے کی صورت میں ا

ن کا لیڈر اس کا ذکر لازمی کرتا۔ کار کے کوٹھی سے نکلتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر اسی کمرے کے نزدیک پہنچا اور اس دفعہ ان دونوں کی گفتگو نے اس کے دماغ پر سرخ چادر سی تان دی۔

وہ حنا کے بارے جس قسم کی گفتگو کر رہے تھے اس کے بعد اسماعیل کے نزدیک ان کے زندہ رہنے کی ضرورت پاگل کتے جتنی بھی نہیں رہی تھی۔ پہلے تو اس کا ارادہ انھیں وہیں فنا کرنے کا ہوا مگر پھر اس نے سوچا کہ ان پر حملہ بولنے کی صورت میں چوکیدار ان کی مدد کو آسکتا تھا۔ اس کے برعکس اگر وہ چوکیدار کو پہلے ختم کر دیتا تو یکسو ہو کر انھیں ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ ان کے کمرے سے نکلنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ پر دبک گیا۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر اس جانب بڑھ گئے جس طرف سے اسماعیل وہاں آیا تھا۔ لازمی حنا بھی اسی طرف کہیں قید تھی۔ ان کے غائب ہوتے ہی وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جیسے ہی دروازہ کھول کے باہر نکلا گیٹ پہ کھڑا چوکیدار اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر وہ اندرونی عمارت سے نکلا تھا اس لیے چوکیدار نے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ البتہ اپنے جانب آتے دیکھ کر وہ مضطرب سا ہو گیا تھا۔ روسی طرز کی کلاشن کوف جس کی بیرل قلم کی طرح ترشی ہوئی تھی اس نے کندھے سے لٹکائی ہوئی تھی۔

"مسٹر...... ! کیا ڈیوی صاحب بتا کر گئے ہیں وہ کس ٹائم لوٹیں گے؟" چند قدم دور ہی سے اس نے سوال کیا۔

"نہیں سر!......" چوکیدار جلدی سے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" کہتے ہوئے وہ اچانک جھپٹا، ایک ہاتھ چوکیدار کے منہ پر رکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبوچ لیا۔ چوکیدار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں وہ خود کو چھڑانے کے لیے زور سے مچلا مگر گردن پہ پڑنے والے اسماعیل کے بازو کے دباؤ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ چند لمحے بعد ہی اس نے بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کلاشنکوف کی سلنگ نکال کر اسماعیل نے اس کے بازو پشت پہ باندھے اور اس کی شلوار سے آزار بند نکال کر اس کے پاؤں مضبوطی سے کس دیے کہ وہ اسے زندہ چھوڑنے کے بعد کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسے گھسیٹ کر ایک کونے میں ڈال کر اسماعیل کلاشنکوف تھامے سرعت سے اندر کے جانب بڑھ گیا۔ حنا کی عزت خطرے میں تھی اور اس کی ذرا سی سستی حنا کو ناقابل تلافی نقصان سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ ایک کمرے سے اسے باتیں کرنے کی آواز آئی نزدیک پہنچ کر اس نے درز سے آنکھ لگا کر اندر جھانکا۔ اسی وقت اس کے کانوں میں حنا کی منمناتی ہوئی آواز آئی۔

"مم...... میں زخمی ہوں ...... آپریشن ہوا ہے میرا۔" اور جواباً ان کی کراہیت آمیز گفتگو نے اسماعیل کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ وہ جان بوجھ کر انتظار کرتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ حنا کو بھی احساس ہو، کہ ایک لڑکی جب بھیڑیا صفت مردوں میں پھنس جاتی ہے تو اس پہ کیا بیتتی ہے۔ حنا کا گڑگڑانا، رونا اور منت سماجت کے جواب میں ان دونوں خبیثوں کی طنزیہ گفتگو نے اسماعیل کے غصے کو بام عروج پہ پہنچا دیا تھا۔ دروازے کی درز دیکھ کر اسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ جس وقت چاہتا اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اور پھر اندر موجود دونوں بندے لباس سے بے نیاز تھے اسماعیل کے ہاتھ میں کلاشن کوف ہونے کی وجہ سے ان کے لیے جوابی کارروائی بھی ناممکن تھی۔ آخر وہ مرحلہ آپہنچا جب اس

کا اندر گھسنا ناگزیر ہو گیا۔ دروازے کو ٹھوکر مارتا ہوا وہ دھاڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"خبردار اگر کسی کتے نے بھی حرکت کی کوشش کی۔" یہ الفاظ اس نے انگلش میں ادا کیے تھے۔ صوفے پر بیٹھے روڈز کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ مینڈی بھی جھٹکے سے مڑا۔ اس کا جذبات بھرا چہرہ بھی حیرت کی تصویر بن گیا تھا۔ اور پھر ابتدائی جھٹکے سے سنبھلتے ہی مینڈی کے منہ سے نکلا۔

"تم......کون ہو......؟"

"سوال نہیں سفید سوّر......" اسماعیل جو اس کے قریب پہنچ گیا تھا غرایا اور اگلے ہی لمحے اس نے ایک بھرپور کک مینڈی کے پیٹ میں جڑ دی۔

"حرکت نہیں۔" اس نے اضطراری انداز میں اٹھتے ہوئے روڈز کو متنبہ کیا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے مسٹر......" مگر اس سے پہلے کہ روڈز کا فقرہ مکمل ہوتا اسماعیل نے کلاشنکوف کو بیرل سے پکڑتے ہوئے زور سے گھمایا۔ کلاشن کوف کا مضبوط بٹ دھماکے سے روڈز کے سر سے ٹکرایا اور وہ پکے ہوئے پھل کی طرح فرش پہ ڈھیر ہو گیا۔

"کھڑے ہو جاؤ کتے۔" اس مرتبہ اس کا مخاطب فرش پہ بیٹھا مینڈی تھا۔ جو پیٹ کو سہلا رہا تھا۔

"تت......تم اسماعیل شاہ ہو ناں؟" وہ اٹھتے ہوئے مستفسر ہوا۔ "میں نے تمھیں پہچان لیا......حلیہ بدل کر تم چھپ نہیں سکتے۔"

"تیرے لیے تو موت کا فرشتہ ہوں۔" اسماعیل کی اگلی ٹھوکر نے اسے دوبارہ فرش چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ......یہ تیرے دشمن کی بیٹی ہے اسماعیل شاہ......ہم تمھارے ہمدرد ہیں......ہم سے تعاون کرو تمھیں مالا مال کر دیں گے۔"

"تم صرف گندی نالی کے کیڑے ہو۔" کہہ کر اسماعیل نے کلاشن کوف کے بٹ سے اس کی خبر لینی شروع کر دی۔ وہ بمشکل ایک دو دفعہ ہی چیخ سکا تھا اس کے بعد اس میں چیخنے کی سکت نہیں رہی۔ کلاشن کوف کے بٹ نے اس کا سر تربوز کی طرح پھاڑ دیا تھا۔ اس کا کام تمام کرتے ہی وہ بیہوش پڑے روڈز کی طرف مڑا اور کلاشن کوف کی دو ضربوں نے اس کی بیہوشی کو بھی ہلاکت میں بدل دیا۔ ان سے فارغ ہوتے ہی وہ حنا کی طرف مڑا وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔

وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پہ تبسم کھل رہا تھا۔ پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر نکال کر اسماعیل نے اس کی بندشوں کو کاٹا۔ آزاد ہوتے ہی وہ اس کی بانہوں میں سما گئی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی......" وہ سسک پڑی۔

"ہاں......جان بوجھ کر ایسا کیا ہے......میں کافی دیر سے یہاں ہوں......سارا ڈراما میرے سامنے ہوا ہے میں انھیں شروع سے روک سکتا تھا مگر تجھے احساس دلانا تھا کہ ایک لڑکی جب جنسی بھیڑیوں کے چنگل میں پھنستی ہے تو اس پہ کیا گزرتی ہے......اس طرح شاید

تجھے میری گڑیا کی اس اذیت کا اندازہ ہو سکے جو اس پہ بیتی تھی۔"

اس نے چہرہ پیچھے کر کے اسماعیل شاہ کی آنکھوں میں جھانکا۔"شاہ جی اگر مجھے تیری تکلیف کا اندازہ نہیں ہو گا تو کس کو ہو گا؟"

"اگر ہوتا تو تم کبھی بھی اپنے باپ کی وکالت نہ کرتیں۔"

"میں نے کب پاپا کی وکالت کی ہے؟"

"اچھا یاد ہے جب میں تیرے محافظ کو گولی مارنے لگا تھا...... تو تم نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی ناں؟"

وہ جواباً بولی۔"تو کیا تجھے قاتل بننے دیتی؟"

"ان دونوں کو قتل کرتے وقت بھی میں قاتل بن رہا تھا لیکن تم نے مجھے نہیں روکا۔"

"یہ کمینے تھے ہی اس قابل، اگر تم انھیں چھوڑ دیتے تو میں گولی مار دیتی۔"حنا کا لہجہ نفرت سے پر تھا۔

"صحیح کہا......"اسماعیل نے اسے قریب گھسیٹا۔"لیکن یہی بات جب میں تمھارے والد کے متعلق کہتا ہوں تو تم خفا ہوتی ہو؟"

"کیا کروں......؟"اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔"وہ میرا باپ ہے...... جتنا بھی برا ہو میرے سر کا سائبان ہے۔ کون بیٹی اپنے باپ کا قتل گوارا کر سکتی ہے۔"

"اچھا اس بحث کو بعد کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ فی الحال یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔"

"چلو......"وہ اس سے علیحدہ ہو گئی۔

"ایسے ہی چلو گی؟"اسماعیل نے اس کی بے لباسی کی طرف اشارہ کیا۔"کیا پورے کراچی کو پاگل کرنے ارادہ ہے۔"

"مم......"حنا یکدم شرما کر سمٹ گئی، اسماعیل کی آمد کی خوشی میں وہ اپنی حالت سے بے خبر ہو گئی تھی۔"اُدھر دیکھو...... بے شرم"اس نے اسماعیل کا منہ دوسری طرف موڑا اور اسماعیل نے ہنستے ہوئے رخ پھیر کر کہا۔

"اب مجھے بے شرم کہو؟"

"تو اس میں شک کیا ہے؟"

"اچھا فی الحال یہ پہن کر گزارا کرو۔"اسماعیل نے ان دونوں کے اترے ہوئے سوٹ اٹھا کر حنا کی سمت بڑھائے جو اپنے بدن کے گرد بستر کی چادر لپیٹ چکی تھی۔

"گھن آتی ہے مجھے ان کے کپڑوں سے۔"حنا کراہیت آمیز لہجے میں بولی۔

"تو کیا اسی طرح چادر میں لپٹ کر چلو گی؟"

وہ اطمینان سے بولی۔"ہرج ہی کیا ہے؟"

''تمہیں شاید حرج نہ ہو؟......دیکھنے والے غریب ہوش و خرد سے جائیں گے۔''

''چل جھوٹے۔'' کہہ کر حنا ایک سوٹ پہننے لگی۔ وہ سوٹ گو اس کے بدن پہ کافی ڈھیلا تھا مگر اس سوٹ میں بھی وہ اسماعیل کو بہت دلکش لگی۔

''ہاں یاد آیا......ان کے ساتھی تو تیرے بھائی کے ہیڈ کوارٹر پہ حملے کا پلان بنا رہے تھے......ان کا مقصد تیرے والد کی ہلاکت ہے۔ ڈیوی نامی آدمی غالباً ان کا سربراہ ہے۔ اس کے ساتھ میجر روہیت نامی آدمی اور اس کے کچھ ساتھی بھی شامل ہوں گے اور یہ سب کسی خفیہ جگہ پہ پلان بنا رہے ہیں امید یہی ہے کہ یہ آج رات ہی حملہ کریں گے۔ یہ دونوں بھی ان کے ساتھ حصہ لینے والے تھے۔''

وہ تیزی سے مستفسر ہوئی۔''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''بتایا تو ہے میں کافی دیر سے یہیں ہوں......ان کی ساری باتیں چھپ کر سن چکا ہوں۔''

''یہ بات تو فی الفور بھیا کو بتانی پڑے گی۔'' حنا کے لہجے میں پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

''تو بتاؤ ناں۔''

''مم......مگر کیسے بتاؤں......میرا فون اس خبیث نے نکال لیا تھا۔'' حنا نے روڈز کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''اور مجھے بھیا کا نمبر زبانی یاد نہیں ہے۔''

اسماعیل بولا۔''دیکھو شاید ابھی تک اس کی جیب میں ہو؟''

حنا نے جلدی جلدی دونوں سوٹوں کی تلاشی لی۔ مگر اسے اپنا موبائل نہ ملا۔

''ی......یہاں تو نہیں ہے۔''

اسماعیل نے پوچھا۔''اپنے والد کا نمبر یاد ہے؟''

''ہے......مگر وہ کس کام کا۔''

''بیوقوف وہ بھی تو تیرے بھیا کی قید میں ہے ناں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' حنا جوش سے بولی۔ اگلے لمحے وہ اپنے سوٹ کی جیب میں موجود موبائل پہ اپنے باپ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ دوسری گھنٹی پہ ہی کال رسیو کر لی گئی۔

''یس؟'' حنا کے کانوں میں ایک اجنبی آواز گونجی۔

''بھائی آپ جو بھی ہیں......جلدی سے عاطف بھیا کو فون دیں، میں حنا فاضل علی خان بول رہی ہوں۔''

''بہن آپ کہاں ہیں؟'' اجنبی نے پر جوش لہجے میں پوچھا۔

''عاطف بھیا سے بات کراؤ'' وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی بولی۔ ''میرے پاس ٹائم کم ہے۔''

''بس ایک منٹ..........'' وہ تیزی سے بولا اور پھر ایک لمحے کے بعد ریسیور سے عاطف کی آواز ابھری۔

''چھوٹی کیا واقعی تم ہو.....کہاں ہو اور.........؟''

''بھیا تفصیل کا ٹائم نہیں ہے۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ کے ہیڈ کوارٹر پر کچھ لوگ حملہ کرنے والے ہیں۔ان کا مقصد پاپا کو ہلاک کرنا ہے؟''

''مگر تجھے کیسے پتا چلا.....اور تم تو ان کی قید میں تھیں؟''

''بھیا مجھے شاہ جی نے رہا کرا لیا ہے.....ان کے دو آدمی بھی شاہ جی کے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے ہیں.....اسی نے یہ بتایا ہے کہ کوئی ڈیوی نامی آدمی یہ حملہ کرا رہا ہے.....اس کے ساتھ کوئی میجر روحیت بھی ہے اور یہ دونوں مرنے والے بھی ان کے ساتھ جانے والے تھے.........اور بھیا جلدی سے کچھ کرو میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔''

اسماعیل نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے موبائل لیا اور کہا۔

''مسٹر عاطف! میں اسماعیل شاہ بات کر رہا ہوں.....''

''شاہ جی آپ.........''

''کوئی سوال نہیں صرف بات سنو'' اسماعیل نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ڈیوی نامی ایک گورا اور میجر روحیت نامی شخص کسی خفیہ مقام پہ سی آئی کے ہیڈ کوارٹر پہ حملے کا پلان بنا رہے ہیں۔پلان بنانے کے بعد یا تو وہ اپنے ان ساتھیوں کے پاس پہنچیں گے جو.....'' وہ اس کوٹھی کا ایڈریس دہراتا ہوا بولا ''یہاں مرے پڑے ہیں۔یا شاید وہ انھیں موبائل پہ ہی کال کر کے بلا لیں۔تمھارے ہیڈ کوارٹر پہ حملہ وہ فاضل خان کو ہلاک کرنے کے لیے کر رہے ہے۔میں اور حنا فی الحال یہاں سے نکل رہے ہیں ان دونوں کی لاشیں اور موبائل آپ کو یہیں پڑے مل جائیں گے۔اپنی حفاظت کا خود بندوبست کر لینا اور یہ تو تمھیں پتا ہی ہو گا، کہ میں فاضل خان کو کیوں بچانا چاہ رہا ہوں.....خدا حافظ۔'' کہہ کر اسماعیل نے موبائل حنا کی طرف بڑھا دیا۔

''بھیا.....سمجھ آ گئی ہے ناں؟'' وہ بے تابی سے مستفسر ہوئی۔

''ہاں چھوٹی میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں.....تم بالکل فکر نہ کرو اور فی الحال شاہ جی کے ساتھ ہی رہو۔میں بعد میں تم سے بات کروں گا ،اور ہاں تیری مما بھی ہمارے پاس ہے۔اس کی فکر مت کرنا۔''

''تھینکس بھیا۔''

''اب چلو بھی۔'' اسماعیل نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر وہیں چارپائی پہ پھینکا اور اسے ساتھ لیے باہر نکلتا چلا گیا۔

”بات تو کرنے دی ہوتی؟“

”بات کی بچی..... کسی بھی ٹائم دشمن پہنچ سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے تیرے بھائی کے آدمی یہاں پہنچنے والے ہوں۔“

”اتنی جلدی.....“

”ہاں اتنی جلدی.....اور اس طرف سے جانا ہے۔“ حنا کو گیٹ کا رخ کرتے دیکھ کر وہ کوٹھی کی عقبی سمت اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”مگر.........“

”خاموشی سے چلتی رہو۔“ اسماعیل نے اسے جھڑکا اور حنا اسے شاکی نظروں سے گھورتی ہوئی چپ ہو گئی۔

بیرونی دیوار کے قریب رکتے ہوئے وہ بولا۔ ”دیوار عبور کرنی پڑے گی۔“

”شاہ جی میں دیوار پہ نہیں چڑھ سکتی۔“

”میں کس لیے ہوں۔“ اسماعیل نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر اوپر اٹھایا۔

”شاہ جی کیا مذاق ہے.....؟“

اسماعیل نے سنی ان سنی کر کے اسے سر سے بلند کر کے کہا۔ ”دیوار پہ لیٹ جاؤ، تجھے نیچے بھی میں خود ہی اتاروں گا۔“

اس مرتبہ حنا نے خاموشی سے اس کی بات پہ عمل کر لیا کہ وہ جانتی تھی اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اس کی طرف سے بے فکر ہوتے ہی اسماعیل اچھل کر دیوار پہ چڑھا اور پھر رکے بغیر دوسری سمت نیچے اتر گیا۔

”آجاؤ“ اس نے دیوار پہ لیٹی حنا کی طرف ہاتھ بڑھائے اور وہ بے جھجک اس کی بانہوں میں سما گئی۔

”اب تھوڑا سا پیدل چلنا پڑے گا“ اسماعیل نے موٹر سائیکل کے پارکنگ کے مقام کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہاں.....چلو“ وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

”تھک گئی ہو؟“

”ایسا ہی سمجھو.....مگر تمھارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔“

”دیکھ لو.....میں ایسا مسافر ہوں جس کی منزل کا تعین نہیں ہے۔“

”مگر میری منزل تو تم ہو ناں۔“

”اسی لیے تو دنیا میں کوئی خود سے خوش قسمت نظر نہیں پڑتا۔“

”شاہ جی ایک بات مانو گے؟“

وہ جواباً بولا۔ ”مقصد کی تکمیل کے بعد ہر بات مانوں گا.....“ اور حنا نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ پانچ منٹ میں وہ موٹر سائیکل

کے قریب پہنچ گئے تھے۔موٹر سائیکل کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کے بولی۔

"شاہ جی! میں تو کبھی موٹر سائیکل پہ نہیں بیٹھی ہوں۔"

وہ کک مار کے موٹر سائیکل سٹارٹ کرتا ہوا بولا۔"اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو یہ عادت ڈالنی پڑے گی ورنہ کوئی دولت مند ڈھونڈ لو۔"

"بکواس کرنا خوب آتا ہے"اس کی دیکھا دیکھی وہ بھی بیٹھ گئی۔اپنے دونوں بازوؤں سے اس نے اسماعیل کی کمر کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

☆......☆......☆

"سمجھ آگئی ہے؟" کال منقطع ہوتے ہی وہ عرفان سے مستفسر ہوا جو وہ ساری گفتگو ریکارڈ کر رہا تھا۔

"کہیں ان کی چال نہ ہو؟" عرفان نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"چھوٹی مجھ سے غلط بیانی نہیں کر سکتی۔"

"اسے مجبور بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں......لیکن اتنا بچہ نہیں ہوں......لہجے کا فرق جانتا ہوں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ......سب کو ہائی الرٹ کر دو تم ادھر ہی رہو گے۔فی الحال چار بندے تیرے ساتھ چھوڑ کر باقیوں کو میں ساتھ لے جا رہا ہوں۔تم کال کر کے ڈیوٹیوں پر موجود آدمیوں کو فی الفور بلا لو۔اور ابھی ہیڈ کوارٹر میں موجود افراد کو پانچ منٹ کے نوٹس پہ کانفرنس ہال میں اکٹھا کر لو......اپنے لیے چار آدمی علیحدہ کر کے ابھی سے ڈیوٹیوں پہ تعینات کر دو......گیس ماسک سنتریوں کے پاس ہونے چاہییں......دشمن گیس کے شیل بھی فائر کر سکتا ہے۔اب شروع ہو جاؤ ہری اپ۔"

عرفان سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا جبکہ عاطف صدیقی صاحب کا نمبر ڈائل کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے تم کارروائی جاری رکھو۔" صدیقی صاحب اسے آپریشن کی اجازت دیتے ہوئے بولا۔اور عاطف نے "تھینکس" کہہ کر فون کریڈل پہ رکھا اور کانفرنس ہال کی طرف بڑھ گیا۔مختصر نوٹس پر تمام وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔اس کے اندر داخل ہوتے ہی تمام اپنی نشستوں پہ کھڑے ہو گئے تھے۔انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرفان سے پوچھا۔

"تیرے ساتھ کون کون ہوگا؟۔"

اس نے جواب دیا۔"امیر، اختر، صغیر اور سہیل۔"

"او کے......اب یوں ہے کہ دشمن ہیڈ کوارٹر کی نگرانی کر رہے ہیں......اس لیے جیسے ہی ہم نکلیں گے نگرانی کرنے والوں نے ہمارا

پیچھا کرنا ہے......تم چھت پہ چڑھ جاؤ......شب دید عینک

(Night vision goggle) ساتھ لے جانا۔تعاقب کرنے والے کو تم آسانی سے پہچان لو گے۔کیونکہ باہر نکلتے ہی انھوں نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کر دینا ہے۔عمران اور الیاس ہم سے پانچ منٹ بعد نکلیں گے انھیں تو نے تعاقب کرنے والوں کی نشاندہی کرا دینی ہے۔اور اگر ان کا پتا نہیں چلتا ہے تو......"

وہ عمران اور الیاس سے مخاطب ہوا۔"تب بھی تم دونوں نے پانچ منٹ بعد ہمارے پیچھے آ جانا ہے۔اور اگر کوئی نظر آ جاتا ہے تو ان سے رستے میں نبٹ لینا ہے......باقی تمام نے صرف اتنی بات ذہن میں رکھنی ہے کہ ہم بلیک لیکونڈہ پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ذہنی اور جسمانی طور پر ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار رہنا ہے......اور جس جگہ ہم نے حملہ کرنا ہے وہاں ان کے دو ساتھیوں کی لاشیں پڑی ہیں جبکہ تین ساتھی میجر روہیت کے پاس کسی نامعلوم مقام پہ ہمارے ہیڈکوارٹر پہ حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔وہ کسی بھی ٹائم اپنی جگہ پہ واپس پہنچ سکتے ہیں اگر وہ ہم سے چند منٹ بھی پہلے اپنی کوٹھی میں پہنچ گئے تو اس کے بعد ان کا ہاتھ آنا شاید ممکن نہ رہے......کوئی سوال؟" بات ختم کرتے ہی اس نے پوچھا۔

"نو سر" تمام بیک آواز بولے تھے۔

"میرے ساتھ!......اشفاق اور ذیشان ہوں گے......دوسری کار میں ذوالفقار،ظفر اور افضل ہوں گے،ذکا،قیوم اور نذر ویگن میں ہوں گے جبکہ الیاس اور عمران آخری کار میں ہوں گے۔سب نے بذریعہ وائرلیس رابطے میں رہنا ہے۔اگر وائرلیس کام نہ کرے تو متبادل رابطے کے لیے موبائل استعمال کر لینا۔اب چلو" تمام سرعت سے گیراج کی طرف بڑھ گئے۔اگلے چند منٹ میں ان کی کاریں اندھی و طوفان کی طرح ٹارگٹ کی طرف رواں دواں تھیں۔عاطف کی کار سب سے آگے تھی۔

ان کے نکلنے کے دو منٹ بعد ہی الیاس کو اپنے سیٹ پہ عرفان کی آواز سنائی دی۔

"ایک موٹر سائیکل سوار ان کے تعاقب میں چل پڑا ہے۔"

الیاس کار گیٹ سے نکالتے ہوئے مستفسر ہوا۔"اسے پہچانیں گے کیسے؟"

"تمھاری اپنی صوابدید پہ ہے......یہاں سے نہ تو اس کی نمبر پلیٹ پڑھی جا سکتی ہے اور نہ ہی حلیہ دکھتا ہے کہ بتا سکوں۔بس اتنا نظر آیا ہے کہ اس کا رخ پہلے مخالف سمت میں تھا اور یہ ہیڈکوارٹر کے سامنے سے آہستہ روی سے گزر رہا تھا۔سر عاطف کی کار کو دیکھتے ہی اس نے اپنا رخ بدلی کیا اور رفتار بڑھاتے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔"

"اوکے تھینکس......ہم دیکھ لیتے ہیں۔" کہتے ہوئے الیاس نے رفتار بڑھا دی۔جلد ہی انھیں ایک موٹر سائیکل سوار نظر آ گیا ،اس کی بدقسمتی کہ اس وقت روڈ پہ اس کے علاوہ کوئی موٹر سائیکل سوار موجود نہیں تھا۔

اسے دیکھتے ہی عمران نے کہا۔ ”یہی ہے۔“

”اگر نظر آ گیا ہے تو پکڑ لو......“ ان کے کانوں میں عاطف کی آواز گونجی۔

”او کے سر۔“ وہ دونوں بیک آواز بولے۔

عاطف دوبارہ مستفسر ہوا۔ ”ویسے یقین تو کر لیا ہے ناں کہ اکیلا ہی ہے؟“

الیاس نے جواب دیا۔ ”جی سر...... اکیلا ہے۔“

عاطف نے کہا۔ ”پھر ٹھیک ہے...... چھاپ لو۔“

”کار اس کے قریب لے جاؤ۔“ عمران نے کہا اور الیاس رفتار بڑھاتے ہوئے کار اس کے موٹر سائیکل کے قریب لے گیا۔

”ٹکر مارو...... مگر خیال رہے بچ گیا تو پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔“

”دیکھتے جاؤ۔“ کہہ کر الیاس نے اچانک ایکسی لیٹر دبایا، اگلے ہی لمحے کار زوردار انداز میں موٹر سائیکل کے پچھلے پہیے سے ٹکرائی۔ سوار کے لیے ناممکن تھا کہ وہ موٹر سائیکل سنبھال پاتا۔ وہ اچھل کر ایک طرف جا گرا جبکہ موٹر سائیکل بھی گھسٹتی ہوئی دوسری طرف جا گری۔ وہ کسی گہری چوٹ سے بچ گیا تھا اس نے اٹھنے میں دیر نہ لگائی لیکن عمران بھی اس کے کھڑے ہونے تک کار کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔

”اندھا ہے...... موٹر سائیکل چلانا نہیں جانتا تو اس پہ بیٹھتا کیوں ہے؟“ وہ غصے سے دھاڑتا ہوا اس کے جانب بڑھا۔

”مسٹر تم اپنی غلطی اس طرح نہیں چھپا سکتے......“ اس کا لہجہ کافی سخت تھا۔

”تیری تو......“ کہہ کر عمران نے اس کے گریبان سے پکڑا۔ گھبرانے کی بجائے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا، عمران سمجھ گیا کہ وہ ہتھیار نکالنے لگا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آتا عمران نے ایک جچا تلا ہاتھ اس کی کنپٹی پہ دے مارا۔ ہتھیار نکالنے کی حسرت دل میں لیے وہ زمین پہ لمبا ہو گیا۔ رات کے اس ٹائم ٹریفک کا رش نسبتاً کم ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ایکسیڈنٹ کے وقت صرف ایک کار والا وہاں رکا تھا۔ مگر ان کو آپس میں الجھتے دیکھ کر وہ انھیں چھڑانے کی بجائے آگے بڑھ گیا یوں بھی کراچی کے حالات اس نہج پہ پہنچے ہوئے ہیں کہ کسی بھی آدمی کے لیے ہمدردی کی جرأت کرنا اپنے لیے مصیبتوں کے دروازے وا کرنے کے مترادف ہے۔

عمران نے پہلے اس کی تلاشی لے کر اس کی جیبوں کا سامان اپنی جیبوں میں منتقل کیا اور اس کے بعد اسے گھسیٹ کر کار کی پچھلی نشست پہ منتقل کیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس ساری کارروائی میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے بیٹھتے ہی الیاس نے کار آگے بڑھا دی۔ عمران اس آدمی کی بیلٹ نکال کر اس کے ہاتھ کسنے لگا جبکہ الیاس موبائل پہ عاطف کا نمبر ڈائل کرنے لگا کہ ان کے رکنے کی وجہ سے عاطف پارٹی کافی آگے نکل گئے تھے اور وائرلیس سے رابطہ ممکن نہیں رہا تھا۔

''سر آدمی ہمارے قبضے میں ہے۔''

''گڈ..... بس اسے اپنی کار میں ہی رکھو، واپسی پر اس سے گپ شپ ہوگی۔''

''جی سر۔'' کہہ کر اس نے کال منقطع کر دی۔ اور کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے مطلوبہ مکان کی طرف بڑھ گیا جلد ہی انھیں عاطف کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔ وہ تمام کو کارروائی کی عام ترتیب بتا رہا تھا۔

''ذکاء، قیوم اور نذر مکان کی عقبی سمت چلے جاؤ، نذر کو باہر چھوڑ دینا..... ذوالفقار اور ظفر مکان کی دائیں گلی میں چلے جاؤ، افضل کو سامنے اتار دینا۔ وہ اندر نہیں جائے گا۔ ذوالفقار تو نے بھی باہر ہی رہنا ہے۔ میں ذیشان اور اشفاق سامنے سے جائیں گے..... اور تم دونوں کہاں پہنچے ہو؟'' آخر میں وہ الیاس پارٹی سے مستفسر ہوا۔

الیاس نے کہا۔''بس پہنچ گئے سر۔''

''دونوں بائیں سائیڈ کے مکان میں گھس جانا..... اگر کوئی جاگ جائے تو کارڈ دکھا کر خاموش کرا دینا دونوں میں سے ایک ہی اندر داخل ہو، دوسرا اسی مکان میں رہے۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' اس مرتبہ عمران نے کہا۔ اسی وقت موڑ کاٹتے ہوئے الیاس نے کار اس مکان کے سامنے لا کھڑی کی۔ ہینڈ بریک کھینچتے ہوئے وہ بولا۔

''آن لوکیشن سر۔''

''اوکے، آل سٹیشن! موو کرو۔'' عاطف نے سب کو آرڈر پاس کیا اس وقت وہ اس مکان کی سامنے کی دیوار کے قریب تھا۔ اچھل کر دیوار کا اوپری کنارہ پکڑتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اوپر پہنچ گیا ذیشان اور اشفاق نے اس کی تقلید کی تھی۔ ایک طائرانہ نگاہ اندر دوڑاتے ہوئے وہ اندر کود گیا۔

''نمبر فور ان (Number four in)'' اسے عمران کی آواز سنائی دی۔ ''فائیو ان'' یہ ذکا تھا۔ اور اس کے بعد ظفر کی آواز آئی ''سکس ان۔''

''ہم بھی ان ہوگئے ہیں..... اور تینوں اندرونی عمارت میں داخل ہو رہے ہیں آپ تمام نے باہر الرٹ رہنا ہے۔''

''اوکے سر'' تمام یک آواز بولے تھے۔

اشفاق نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔''سر یہاں ایک آدمی بیہوشی کی حالت میں بندھا پڑا ہے۔''

''قیوم..... سامنے آکر بیہوش آدمی کو سنبھالو..... ظفر تو نے اور عمران نے کھڑکیوں کا خیال رکھنا ہے اور ذکاء چھت کی طرف متوجہ رہنا'' تمام کی طرف سے اوکے ملتے ہی عاطف ذیشان اور اشفاق کے ساتھ اندر گھس گیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ مختلف کمروں کی تلاشی لیتے

ہوئے اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں دو سفید فاموں کی لاشیں پڑی تھیں دونوں کے پچکے ہوئے سر ظاہر کر رہے تھے کہ ان کی موت سر پہ لگنے والی ضربوں سے ہوئی تھی۔خون آلود بٹ والی ایک کلاشن کوف بھی وہاں پڑی تھی۔دونوں سفید فام برہنہ تھے۔

راجا ذیشان مستفسر ہوا۔"سر انھیں ننگا کر کے کیوں قتل کیا گیا ہے؟"

"بیڈ پہ زنانہ لباس کے چیتھڑوں کو دیکھو۔"عاطف نے اس کی توجہ بیڈ کی طرف مبذول کرائی۔"اور ان کی حالت کو دیکھو کہ قاتل نے انھیں کس بے دردی سے قتل کیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں سر؟"

"ان خبیثوں نے اپنی یہ حالت خود بنائی ہوگی کسی مظلوم لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لیے۔اوپر سے اس لڑکی کا کوئی قریبی وہاں پہنچ گیا جس نے ان کی یہ حالت بنائی ہے.....سادہ الفاظ میں انھوں نے فاضل خان کی بیٹی کے کپڑے پھاڑے اور اس سے پہلے کہ یہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہوتے اسماعیل شاہ وہاں پہنچ گیا،اس نے جو کچھ کیا اگر اس وقت میں ہوتا تو شاید اس کچھ زیادہ ہی کرتا.....بہر حال اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔میرا خیال ہے وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے.....اور ان کی آمد سے پہلے ہمیں مورچہ بند ہو جانا چاہیے۔"

"سر اسماعیل شاہ تو فاضل خان کا دشمن.....؟"

"راجے یہ بعد کی باتیں ہیں فی الحال چلو۔"عاطف نے اس کا سوال مکمل نہیں ہونے دیا تھا۔

باہر نکلتے ہی وہ قیوم کے پاس پہنچا جو بندھے ہوئے آدمی کے پاس موجود تھا۔

"میرا خیال ہے یہ چوکیدار ہے۔"اشفاق نے خیال ظاہر کیا۔

"ایسا ہی ہے....."عاطف نے کہا۔"یوں کرو تم اس کا لباس اپنے کپڑوں کے اوپر پہن کر گیٹ پہ چلے جاؤ.....اگر ان کے لیے گیٹ نہ کھولا گیا تو شاید وہ چوکنے ہو جائیں۔میں انھیں مکان کے اندر گھیرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔"کہہ کر اشفاق نے اس کا لباس اتارنے کے لیے اس کی بندشیں کھول دیں۔

"سر اس کی شلوار سے تو آزار بند نکال کر اسے باندھا گیا ہے۔"

"تو یار دوبارہ ڈال دو"عاطف ہنستے ہوئے بولا۔اور اشفاق سر ہلاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔چوکیدار کی نسبت اشفاق کا بدن چھریرا تھا اس وجہ سے اسے اپنے لباس کے اوپر بھی اس کے کپڑے فٹ آ گئے تھے۔

"ذکاء اسے باندھ دو۔"عاطف نے چوکیدار کے برہنہ وجود کی طرف اشارہ کیا۔اور ذکاء نے سر ہلاتے ہوئے جیب سے ایک پتلی سی ڈوری نکالی اور اس کے ہاتھ پاؤں جکڑنے لگا۔وہ بمشکل اسے جکڑ کر فارغ ہوا تھا کہ افضل کی آواز سنائی دی۔

’’سر! ایک کار آ رہی ہے..... میرا خیال ہے اس میں ہمارے مطلوبہ آدمی ہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے الرٹ رہو..... اگر بھاگنے کی کوشش کریں تو کار کے پہیوں پہ فائر کرنا ہے۔‘‘ افضل کو کہہ کر وہ اشفاق سے مخاطب ہوا۔’’اشفاق گیٹ کھولتے وقت کوشش کرنی ہے کہ ان کا سامنا نہ ہو۔‘‘

’’جانتا ہوں سر۔‘‘ اشفاق نے کہا۔ اور عاطف دیوار کے ساتھ لگی قد آدم باڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ذیشان اور ذکاء پہلے سے پوزیشن میں تھے۔ کار کے گیٹ کے سامنے رکتے ہی اشفاق نے گیٹ کھول دیا تھا۔ گیٹ کے ایک پٹ کو مخالف جانب دھکا دے کر وہ دوسرے پٹ کی آڑ میں ہو کر اس نے دوسرا پٹ بھی کھول دیا۔ وہ اشفاق پہ توجہ دیے بغیر اندر گھستے چلے آئے تھے۔

☆......☆......☆

ڈیوی پارٹی بمشکل ہوٹل کی پارکنگ تک پہنچے تھے کہ روہیت کی کال آ گئی۔

’’یس؟‘‘ اس کے لہجے میں حیرانی کا عنصر نمایاں تھا۔

’’میرے ایجنٹ نے رپورٹ دی ہے کہ ان کے ہیڈ کواٹر سے تین گاڑیاں نکل کر بڑی تیز رفتاری سے لیاقت آباد کی طرف روانہ ہوئی ہیں..... وہ ان کے تعاقب میں ہے۔ میرا خیال ہے موقع اچھا ہے۔ ہمیں ان کے ہیڈ کواٹر پہ ہلا بول دینا چاہیے۔‘‘

’’صرف پسٹل کے ساتھ تو ہم ان کے ہیڈ کواٹر پہ ہلہ نہیں بول سکتے..... کوئی پولیس چوکی نہیں ہے بھائی، سی آئی کا ہیڈ کواٹر ہے۔‘‘

’’میرا نہیں خیال کہ ہیڈ کواٹر میں دو تین بندوں سے زیادہ ہو سکتے ہیں‘‘ روہیت اپنی تجویز پہ مصر رہا۔

’’اچھا ایسا ہے تم اپنے آدمیوں کے ہمراہ وہاں پہنچو ہم بھی زیادہ سے زیادہ گھنٹے پون گھنٹے میں ضروری سامان لیے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں اپنے دو آدمیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ مزید دو کو بھی وہیں بلا لیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے پہنچتے ہی کارروائی شروع کر دیں گے۔‘‘

اور ڈیوی نے۔’’اوکے۔‘‘ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کے کار میں بیٹھتے ہی کارل مستفسر ہوا۔

’’روہیت تھا سر؟‘‘

ڈیوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔’’بتا رہا تھا کہ سی آئی کے آدمی تین گاڑیوں میں سوار اپنے ہیڈ کواٹر سے نکل کر لیاقت آباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں..... اور بہتر ہو گا کہ ہم ان کی غیر موجودگی میں ہیڈ کواٹر پہ ہلہ بول دیں۔‘‘

جیمس نے مشورہ دیا۔’’سر! کیوں ناں ہم بھی سیدھے وہیں پہنچیں..... میگنڈی اور روڈز ضروری سامان لے کے وہاں آ جائیں گے۔‘‘

''گڈ...... یہ بہتر ہے۔'' ڈیوی نے اسے داد دیتے ہوئے کہا۔ ''روڈز کو کال کر کے سی آئی کے ہیڈ کوارٹر کا ایڈریس سمجھا دو...... انھیں کہنا بیہوشی کے شیل فائر کرنے والی گنیں، شیل اور ضروری اسلحہ لیے وہاں پہنچ جائیں...... اور کالر گاڑی موڑ لو۔''

کالر نے سر ہلاتے ہوئے یوٹرن سے کار موڑ لی۔

''سر!...... دونوں کے موبائل پر گھنٹی جا رہی ہے مگر اٹینڈ نہیں کر رہے...... میرا خیال ہے ڈرنک کر کے سوئے ہیں۔''

''سر! افضل خان کی بیٹی کے ساتھ گل چھرّے نہ اڑا رہے ہوں؟'' کالر نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

ڈیوی ان دونوں کی بات کا جواب دیے بغیر اپنا موبائل نکال کر انھیں کال کرنے لگا۔ مگر اس کی کال بھی دونوں میں سے کسی نے اٹینڈ نہیں کی تھی۔ وہ کالر سے مخاطب ہوا۔

''کار دوبارہ پیچھے موڑ لو...... ورنہ لیٹ ہو جائیں گے؟''

اور کالر نے۔ ''جی سر'' کہتے ہوئے دوبارہ یوٹرن سے گاڑی موڑ لی۔

''سر! چوکیدار کو کیوں نہ بتا دیں؟'' اچانک جیمس کے دماغ میں اچھوتا خیال آیا۔ مگر ڈیوی کی اس بات نے اس کی خوشی کافور کر دی کہ۔ ''اس کا موبائل نمبر نہیں ہے...... کیا تمھارے پاس ہے؟'' اور وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

کالر اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ''سر! سی آئی کا رخ بھی لیاقت آباد کی طرف ہے اور ہمارا ٹھکانہ بھی وہیں ہے کہیں...........''

''بیوقوف! سی آئی کا رخ اگر ہمارے ٹھکانے کی طرف ہے بھی سہی تو وہ رستے میں ہی ہوں گے جبکہ تمھارے سورما کافی دیر سے فون اٹینڈ نہیں کر رہے ہیں۔''

''سوری سر...... میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔''

''دھیان رکھا کرو...... باقی سی آئی اتنی تیز نہیں ہو سکتی کہ بلیک لیکوئڈ پہ ہاتھ ڈال سکے۔''

''یہ تو ہے سر۔'' کالر تیزی سے بولا۔ اس کے بعد اپنے ٹھکانے تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

کوٹھی سامنے پہنچتے ہی ہارن بجانے سے پہلے گیٹ کھل گیا۔ کار پورچ میں روک کر وہ سرعت سے نیچے اترے۔ انھیں جلد از جلد واپس پہنچنا تھا۔ وہ بمشکل کار کے دروازے بند کر پائے تھے کہ اچانک ایک کڑکتی آواز ان کانوں میں پڑی۔

''ہینڈز اپ! اگر کسی کا ہاتھ بھی اس کی جیب کی طرف بڑھا تو وہ اس کے جسم کا حصہ نہیں رہے گا۔''

اپنے جانب اٹھے ہوئے خوفناک دہانے کے پسٹل دیکھتے ہی ان کے ہاتھ میکانکی انداز میں سر سے بلند ہو گئے تھے۔

''مسٹر...... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم شریف لوگ ہیں۔''

''غلط فہمیاں زیادہ دیر قائم نہیں رہا کرتیں برادر......'' بولنے والا لامحالہ عاطف تھا۔ ان نزدیک پہنچ کے اس نے راجا کو اشارہ کر کے کہا۔

''ان کی تلاشی لو؟۔''

''ٹھہریں مسٹر......'' ڈیوی کا لہجہ کافی سخت تھا۔ ''کیا آپ وارنٹ لائے ہیں۔ یہ نہ ہو آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔ ہم امریکی شہری ہیں اور......''

''تمھارے امریکہ کی تو......'' راجا ذیشان کے بھرپور تھپڑ نے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔ وہ مہارت سے ان کی تلاشی لینے لگا۔ اس کی جیب سے گلاک ایٹین(Glock -18) نکلا۔ باقی دونوں کے پاس روگر ایم پی نائن سیمی آٹو میٹک(Ruger mp 9) پسٹل نکلے۔

''تو شریف لوگ یہ ساتھ پھراتے ہیں؟'' عاطف گلاک ایٹین، راجا کے ہاتھ سے لیتا ہوا مستفسر ہوا۔

''ان پسٹلز کا اجازت نامہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک چھوٹا سا فون کرنا چاہوں گا......آپ کی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔''

عاطف نے پوچھا۔ ''تمھارا نام......؟''

وہ جلدی سے بولا۔ ''سٹیفن ڈیوڈ۔''

''تو ڈیوڈ صاحب! میں اپنی غلط فہمیاں دور نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ میں بقلم خود فون پہ آپ کی دھمکیاں سن چکا ہے......آپ فی الحال فون کا چکر چھوڑیں اور چلیں تاکہ آپ کی ملاقات سیٹھ فاضل سے کرائی جائے ......اس طرح کم از کم آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ سی آئی کے شکنجے میں آئے مجرم کو چھڑانا یا کوئی نقصان پہنچانا کیا معنی رکھتا ہے۔''

''سر! پلیز صرف ایک فون......اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار......''

اشفاق جو گیٹ بند کر کے وہاں پہنچ گیا تھا اس کی بات پورا ہونے سے پہلے اس کے کولہوں پہ ٹھوکر رسید کرتا ہوا بولا۔

''ہم اس کے علاوہ بھی تجھے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔''

ٹھوکر کھا کر وہ بمشکل خود کو گرنے سے بچا سکا تھا۔

''بری بات ہے اشفاق......امریکیوں کو مارنا دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔ اور میرا نہیں خیال ہے کہ آپ سی آئی کو دہشت گرد بنانا چاہیں گے؟'' عاطف کا لہجہ طنز کی گہری کاٹ لیے ہوئے تھا۔

''اور یہ جو دنیا میں کسی کو نہیں بخشتے۔''

”یہ بھی غلط بیانی ہے۔“ عاطف، اشفاق کی تردید کرتے ہوئے بولا۔”اسرائیلیوں کو یہ کچھ بھی نہیں کہتے ......اور رحم دلی کس کو کہتے ہیں۔“

”شاید اس سلوک کی جواب دہی آپ کے لیے مشکل ہو جائے؟“ ڈیوی کے لہجے میں ابھی تک امریکی ہونے کا غرور جھلک رہا تھا۔

عاطف نے کہا۔”انھیں ہتھکڑیاں لگا دو باقی گپ شپ گیسٹ ہاؤس میں جا کر کریں گے۔“ چند لمحوں بعد انھیں ہتھکڑیوں میں جکڑ کر دیا گیا تھا۔

”اسی وقت موبائل پہ کال ریسیو ہونے لگی۔

”عاطف صاحب!......مسٹر ڈیوڈ کے موبائل پہ کال آ رہی ہے۔“ راجا ذیشان نے عاطف کو متوجہ کرتے ہوئے ایک قیمتی ساخت کا موبائل عاطف کی سمت بڑھایا۔”کنٹیکٹ(contact) نام لکھا ہوا نہیں ہے۔“

”یس۔“ عاطف نے کال ریسیو کی۔

”مسٹر ڈیوی! میں روہیت بات کر رہا ہوں، آپ شاید میرا نمبر سیو(Save) نہیں کر سکے ہیں؟“ عاطف نے ”یس“ ہی اس انداز میں کہا تھا کہ وہ تعارف کرانے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

”پہچان لیا ہے۔“ عاطف نے انگلش میں بات کرتے ہوئے اپنے لہجے میں کو ڈیوی جیسا بنانے کی کوشش کی تھی۔اس کے ساتھ اس کی کوشش یہ بھی تھی کہ وہ مختصر بات کر کے روہیت سے کچھ اگلوائے مگر اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔روہیت مستفسر ہوا تھا۔

”آپ کی آواز کچھ بدلی ہوئی سی ہے......؟“

”مسٹر روہیت! میں فرینک بات کر رہا ہوں......ڈیوی صاحب واش روم میں ہیں۔“ عاطف نے پینترا بدلا۔

”تیاری تو مکمل کر لی ہے ناں؟“ روہیت کے سوال سے اسے یقین ہو گیا وہ اسے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے وہ اطمینان سے بولا۔”بالکل۔“

”ڈیوی کو بتاؤ ہم جگہ پہ پہنچ گئے ہیں اور شدت سے آپ لوگوں کے منتظر ہیں۔“

”آپ کے ہمراہ کتنے بندے ہیں؟“ عاطف نپی تلی گفتگو کر رہا تھا۔

”ہم تین ہی ہیں......اگر کہتے ہو تو مزید ساتھی بلا لیتا ہوں۔“

”ڈیوی صاحب آتا ہے تو پوچھ کے بتاتا ہوں۔“ عاطف نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔اسے اسماعیل شاہ کی گفتگو یاد آ گئی۔اس نے بھی یہی کہا تھا کہ روہیت اور ڈیوی گروپ مل کر سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ کرنے والے ہیں۔گویا ”را“ اور بلیک لیکونڈ نے ایکا کر لیا تھا۔

روہیت نے کہا”میں منتظر ہوں۔“

”ویسے میجر صاحب آپ کا کیا خیال ہے ہم کامیاب ہو جائیں گے......ڈیوی صاحب تو کافی پرامید ہیں۔“

”کیا بات کرتے ہو مسٹر فریک! تم دیکھنا ہم انھیں چیونٹی کی طرح مسل دیں گے۔“

اچانک عاطف کے قریب کھڑا ڈیوی زور سے چلایا۔”مسٹر روہیت یہ عاطف ہے۔“ گو اس کے نتیجے میں اسے راجے کا ایک زوردار تھپڑ برداشت کرنا پڑا، مگر وہ روہیت پارٹی کو بچا گیا تھا۔

”اوہ......مسٹر عاطف! ایکسیلنٹ (Excellent)۔“ روہیت کے لہجے میں تحسین کا عنصر نمایاں تھا۔” گویا تم نے ڈیوی کو ڈھونڈ نکالا......ویسے تم جیسے دشمن کی موت پہ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔“

”وہ کیا کہتے ہیں میجر صاحب کہ!

کہانی میں کوئی ردّ و بدل کر

میرا مرنا ابھی بنتا نہیں ہے

”گڈ بائی مسٹر عاطف......میں کوشش کروں گا کہ جلد ہی سامنا ہو جائے۔“ کہتے ہوئے روہیت نے رابطہ منقطع کر دیا۔

عاطف ڈیوی سے مخاطب ہوا۔”مسٹر ڈیوڈ! تمھاری را کے ایجنٹ سے ہمدردی......کوئی بچ نہیں رہی۔ شاید تیرا خیال ہو کہ وہ تجھے رہا کرانے کی کوشش کرے گا تو میرا مشورہ ہے یہ خوش فہمی دل سے نکال ہی دو تو بہتر ہے۔“ جواباً ڈیوی خاموش ہی رہا تھا۔

عاطف نے موبائل نکال کر عرفان کا نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

”عرفان اس نمبر کو انڈر آبزرویشن (Under observation) رکھو۔ یہ میجر روہیت کا نمبر ہے۔ اور وہ گیسٹ ہاؤس کے نزدیک ہی کہیں موجود ہے۔“

اس نے پوچھا۔”اس پہ ہاتھ ڈالنا ہے سر؟“

”نہیں......ہم واپس آرہے ہیں......پھر کچھ کرتے ہیں۔“ وہ بمشکل رابطہ ختم کر پایا تھا کہ ایک مرتبہ پھر موبائل کی گھنٹی بجی وہ عمران کا موبائل تھا۔ اس نے موبائل جیب سے نکال کر کہا۔

”سر! را کے آدمی کا موبائل بج رہا ہے......اور غالباً میجر روہیت کا ہی نمبر ہے کہ کنٹیکٹ نام میجر صاحب لکھا ہوا آرہا ہے۔ موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر عاطف نے کال رسیو کی۔

”میجر صاحب! حکم کرو......؟“

”مسٹر عاطف! تیرا انجام بہت برا ہونے والا ہے۔“ میجر روہیت کی آواز سے جھلکتا غصہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں تھا۔

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے استہزائی لہجے میں کہا۔”کیا بھگوان سے بھوشّ (مستقبل) میں جھانکنے کی شکتی (طاقت) لے لی

ہے؟" جواباً کچھ کہے بغیر میجر روحیت نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

ذیشان نے کہا" سر! اسے پھانسنے کی کوشش کی جا سکتی تھی؟"

" لمحہ بھر پہلے اسے ٹھوکر لگ چکی تھی اب اتنی آسانی سے قابو آنے والا نہیں تھا......اور وقت ضائع کرنے کا میں قائل نہیں۔اب یوں کرو کہ لاشیں بھی اٹھوانی ہیں......اور اپنا ہلکا سا سراغ بھی نہیں چھوڑنا۔"

" سر لاشیں اٹھانے کی ضرورت نہیں......" راجا ذیشان نے مشورہ دیا۔" مقصد ہر قسم کا سراغ ختم کرنا ہے تو میرا خیال ہے انھوں نے کافی بارود اکھٹا کر رکھا ہوگا وہی بارود مکان کو اڑانے کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔باقی دیکھ لیتے ہیں اگر کوئی کام کی چیز ہوئی تو ساتھ لے چلیں گے ورنہ جلنے دو سب کچھ۔"

" اچھا مشورہ ہے۔" عاطف نے تحسین آمیز لہجے میں سر ہلایا۔" اشفاق، عمران اور راجا کوٹھی کی تلاشی لو باقی تمام اپنی گاڑیوں میں بیٹھ جاؤ۔اور ہاں راجے! ان کاروں کو بھی جلا دینا" عاطف نے اندرونی عمارت کی طرف جاتے ذیشان کو آواز دے کر کہا۔اور وہ سر ہلاتے ہوئے اندر گھس گیا۔

" نذرو ویگن کوٹھی کے سامنے لے آؤ۔" وائرلیس رسیور کان میں لگاتے ہوئے اس نے کوٹھی کی عقبی سمت میں موجود نذر خان کو آواز دی۔

نذر بولا۔" آیا سر۔"

تھوڑی دیر بعد وہ قیدیوں کو ویگن میں منتقل کر چکے تھے۔چوکیدار کو بھی انھوں نے ویگن میں لاد دیا تھا اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔

رسیور سے ذیشان کی آواز ابھری۔" سر! ان سے تجو

ری کا نمبر پوچھیں۔"

" مسٹر ڈیوی! تجوری کا نمبر کیا ہے؟" ایک لحظہ سوچنے کے بعد ڈیوی نے تجوری کا نمبر دہرا دیا تھا۔

" سن لیا ہے؟" عاطف نے ذیشان سے پوچھا۔

" جی سر......نمبر درست ہے۔" پندرہ منٹ بعد تلاشی لینے والے تینوں باہر آگئے تھے۔انھوں نے ہاتھوں میں دو بیگ پکڑے ہوئے تھے جن میں لازماً اہم سامان۔

" او کے سر......اب چلیں، ٹائم بم فٹ کر دیے ہیں۔ایک ایک بم دونوں کاروں میں بھی فٹ کر دیا ہے۔گیس والو بھی کھول دیا ہے تاکہ آگ خوب بھڑک سکے۔لاشوں کے کمرے میں دو بم نصب کیے ہیں تاکہ کسی کی شناخت نہ ہو سکے۔"

" گڈ" کہہ کر وہ نذر سے بولا۔" چلو نذر۔" نذر نے سر ہلاتے ہوئے ویگن آگے بڑھا دی۔باقی تمام کاریں ان کے پیچھے چل پڑیں۔

گو سب اپنی جگہ الرٹ تھے مگر اس کے باوجود عاطف انھیں نصیحت کرنا نہیں بھولا تھا۔

''اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنے ہیں، میجر روہیت گیسٹ ہاؤس کے دائیں بائیں کہیں گھوم رہا ہے۔ممکن ہے وہ واپس چلا گیا ہو ......لیکن یہ بات یقینی نہیں ہے۔''

☆......☆......☆

ڈیوی پارٹی کے نکلتے ہی روہیت کو کرشنا کی کال موصول ہوئی۔

''یس؟''اس نے کال اٹینڈ کی۔

''سر! تین کاڑیاں سی آئی ہیڈ کوارٹر سے نکلی ہیں......سب سے اگلی گاڑی میں عاطف موجود ہے۔اور میں اس وقت ان کے تعاقب میں ہوں۔ان کا رخ لیاقت آباد کی طرف ہے۔میں نے آپ سے پوچھے بغیر ان کا تعاقب شروع کر دیا ہے کہ کہیں یہ غائب نہ ہو جائیں......اگر آپ کا حکم ہو تو ان کے تعاقب میں رہتا ہوں ورنہ واپس اپنی ڈیوٹی پہ چلا جاتا ہوں۔''

''عاطف کو اچھی طرح پہچان تو لیا تھا ناں؟''

''سر! کار کی اندرونی لائیٹ آن تھی......مجھے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں لگی۔اسی کی وجہ سے تو میں نے تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم تعاقب جاری رکھو میں نگرانی کے لیے کسی اور کو بھجوا دیتا ہوں......مجھے اپ ڈیٹ (Up Date) رکھنا۔''اور پھر کرشنا کی''ٹھیک ہے سر''سنتے ہی اس نے رابطہ منقطع کر کے ڈیوی کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر کے وہ رندھیر کی طرف متوجہ ہوا۔

''رندھیر ایک غلطی ہو گئی ہے۔''

''کیا سر؟''

''کرشنا اور شنکر سی آئی ہیڈ کوارٹر کی نگرانی پہ مامور تھے......شنکر کو بلانے کے بعد ہم اس کی جگہ دوسرا بندہ نہیں بھیج سکے ہیں۔''

رندھیر نے کہا۔''سر! ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہ رات کے اس ٹائم باہر نکلے گا......بہر حال اب بھی کچھ نہیں بگڑا......اور جہاں تک میرا اندازہ ہے عاطف، فاضل خان سے حاصل ہوئی کسی معلومات کے بل پر چھاپہ مارنے جا رہا ہے۔''

''ایسا ہی ہے......مگر کہاں؟''

''ان کا رخ لیاقت آباد کی طرف ہے اور بلیک لیکوئڈ کا ٹھکانہ بھی لیاقت آباد میں ہی ہے، کہیں......؟''

''نہیں۔''روہیت نے انکار میں سر ہلایا۔''فاضل خان ان کے ٹھکانے سے ناواقف ہے۔''

”سر! یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ فاضل کو کسی دوسرے ٹھکانے پہ منتقل کر رہے ہوں۔“ شنکر نے لقمہ دیا۔

”ممکن ہے...... بہر حال یہ بعد کی باتیں ہیں فی الحال چلتے ہیں سی آئی ہیڈ کوارٹر کی خبر لے لیں۔ آج مہاراج پاشا کی موت کا بدلہ بھی لینا ہے۔“ روہیت جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رندھیر اور شنکر نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

”سر! ویسے عاطف تو کسی دوسری جگہ پہنچا ہوا ہے اور ہمارا اصل مقصد اسے اغواء کرنا ہے تو ایسی صورت میں سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ بولنا مناسب رہے گا؟“

”میرا خیال ہے، عاطف پارٹی جلد لوٹ آئیں گے...... اور بالفرض وہ نہیں لوٹتے تب بھی سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ بولنا بلیک لیکونڈ کا مقصد پورا کرنے کے لیے ہے۔ اور بلیک لیکونڈ کوئی عام تنظیم نہیں ہے۔ ان کی ہمدردیاں حاصل کر کے ہم بہت سے فائدے اٹھا سکتے ہیں۔“

”میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں سر۔“ رندھیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”میرا مقصد یہ تھا کہ اگر سی آئی کے ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر کے اس جگہ پہ بھی حملہ کیا جائے جہاں عاطف اس وقت موجود ہے تو شاید ہم انھیں ناقابل تلافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں؟“

روہیت نے کہا۔ ”ہیڈ کوارٹر کی تباہی کی رپورٹ اسے فی الفور مل جائے گی اور وہ واپس لوٹنے کی کرے گا۔ اس وقت اس سے نبٹ لیں گے...... کرشنا یوں بھی ان کے تعاقب میں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے ہمیں روڈ کے اوپر ہی ان پہ حملہ کرنا پڑے۔ بہر حال یہ بعد کا مسئلہ ہے۔“ دوران گفتگو وہ ہوٹل کی پارکنگ میں پہنچ گئے تھے۔

شنکر مستفسر ہوا۔ ”سر میں اپنی بائیک لے لوں یا آپ کے ساتھ ہی بیٹھ جاؤں؟“

”ضرورت پڑ سکتی ہے۔“ روہیت نے جواب دیا اور شنکر سر ہلاتا ہوا اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

پارکنگ سے باہر آتے ہی روہیت نے رندھیر کو رفتار بڑھانے کو کہا۔ وہ ڈیوی پارٹی سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد رندھیر سی آئی ہیڈ کوارٹر کے سامنے ایک مناسب جگہ پہ کار پارک کر چکا تھا۔

”سر میرا خیال ہے وہ ابھی تک نہیں پہنچے۔“

”ایسا ہی ہے...... بہر حال میں پوچھ لیتا ہوں وہ کدھر پہنچے ہیں۔“ روہیت موبائل نکال کر وہ ڈیوی کو کال کرنے لگا۔

اور پھر جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ ڈیوی پارٹی سی آئی کے نرغے میں آ گئے ہیں اس نے رابطہ منقطع کرنے میں دیر نہ لگائی۔

”رندھیر تجھے اندازہ ہو گیا ہو گا؟“ رابطہ منقطع کرتے ہی وہ خاموش بیٹھے رندھیر سے مخاطب ہوا۔ ”کہ بلیک لیکونڈ سی آئی کے شکنجے میں آ گئی ہے۔“

”جی سر۔“

”واپس چلو...... اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ اور رندھیر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واپسی کا قصد کیا۔ جبکہ روہیت،

کرشنا کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اور پھر دوبارہ عاطف کی آواز سن کر اس کا دماغ کھولنے لگا تھا۔ بلیک لیکوئڈ کے مقابلے میں کرشنا کا پکڑا جانا اسے زیادہ گراں لگا تھا۔ موبائل آف کر کے اس نے روڈ کے ساتھ گزرنے والی گندی نالی میں اچھال دیا اور رندھیر سے موبائل لے کر اس نے شنکر کا نمبر ڈائل کیا۔ اور اس کی۔ ''جی سر؟'' سنتے ہی بولا۔

''شنکر! سیدھے نمبر تھری میں پہنچو، واپس اپنے کمرے میں نہ جانا۔ اپنا کنکشن بھی فی الفور بدلی کر لو۔ لیکن اس سے پہلے تمام کو کنکشن بدلی کرنے کا بتا کر نمبر تھری میں پہنچنے کا بتا دو۔''

بنا کوئی سوال پوچھے اس نے ''او کے۔'' کہا اور روہیت نے وہ موبائل بھی بند کر کے نالے میں اچھال دیا۔

''سر! اگر کرشنا ان کے ہاتھ آ گیا ہے تو میرا نہیں خیال کہ ہمیں نمبر تھری پا کٹھے ہونا چاہیے۔ وہ اس ٹھکانے کو جانتا ہے اور۔''

''ہم وہاں دس منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ تمام کے اکٹھا ہوتے ہی وہاں سے نمبر پانچ کو کوچ کریں گے جس سے صرف ہم دونوں واقف ہیں...... باقی بات چیت نمبر پانچ میں ہی ہو گی۔'' اور اس کی بات پہ رندھیر سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ ہے میرا غریب خانہ۔'' اسماعیل اپنے کوارٹر کے سامنے بائیک روکتے ہوئے بولا۔ ''ویسے تمھارا دیکھا بھالا ہے کہ پہلی ملاقات یہیں پہ ہوئی تھی۔''

''ہاں کافی تھپڑ کھائے تھے یہاں۔'' حنا اس کی پیٹھ میں گھونسا رسید کرتے ہوئے بولی۔ اور اسماعیل قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

''زہر لگ رہی ہے تمھاری ہنسی۔'' حنا کا غصہ سراسر مصنوعی تھا۔

''پتا ہے چندا...... !تم میرے لیے سانپ کے منہ میں چھچھوندر ثابت ہوئی تھیں...... اغواء کرنے کے بعد میں خود ہی تیرا دیوانہ ہو چلا تھا۔ اور یہی وجہ تھی تجھے پیٹنے کی۔ میں سمجھ تو گیا تھا کہ یہ اغواء میرے لیے نقصان دہ ثابت ہونے والا ہے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنا تباہ کن ہو گا۔''

''اے...... یہ چھچھوندر کسے کہا اور تباہ کن سے تیری کیا مراد ہے ہاں......؟'' حنا نے آنکھیں نکالیں۔ وہ کوارٹر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اسماعیل نے موٹر سائیکل برآمدے میں کھڑی کر کے اندرونی دروازہ کھولا اور وہ اندر گھس گئے۔

''چھچھوندر تو خیر تم ہو...... اور یہ بھی حقیقت ہے کہ گلے میں پھنس گئی ہو...... نہ چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ......'' کہتے ہوئے اسماعیل نے حنا کے تیور دیکھتے تو جلدی سے کہا۔ ''اور نہ چھوڑا ہی جا سکتا۔ وہ کیا کہتے ہیں......

کوئی تعویز ہو رد بلا کا !

میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

وہ چھوٹا سا کمرہ حنا کی دلکش ہنسی سے گونج اٹھا تھا۔

''ڈرپوک۔'' حنا کے لہجے میں دنیا جہاں کی چاہت سموئی ہوئی تھی۔

''اچھا مسٹر بہادر یہ بتاؤ کہ جب وہ خبیث تمھاری کوٹھی میں گھسا تو تمھارے محافظ کہاں تھے؟''

''پاپا اور نورل چاچا کی گرفتاری کے بعد تمام فرار ہو گئے تھے۔ گھر میں صرف چوکیدار اور رمضان چچا موجود تھے، اور میرا خیال ہے ان دونوں کو بھی اس کمینے نے مار دیا ہوگا۔ ماسی خیراں کو تو اس نے میری آنکھوں کے سامنے گولی ماری تھی۔ البتہ مما کے متعلق بھیا کہہ رہے تھے کہ وہ محفوظ ہے۔'' حنا کی غزالی آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

''میری ماں نے میرے ہاتھوں میں دم توڑا ہے اور میں اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ وہ جو میری چھوٹی سی تکلیف پہ تڑپ اٹھتی تھی۔ میری خاطر پوری پوری رات جاگ کر گزار دیتی تھی۔ جس کی دعاؤں کا مرکز میں تھا۔ جس کی خوشیوں کا محور میں تھا۔ وہ میرے سامنے تڑپتی رہی اور میں دیکھتا رہا۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ ایک ایسے بیٹے کی ماں تھی جو اس کی حفاظت نہ کر سکا......'' اس کے رونے پہ اسماعیل کو اپنی ماں یاد آ گئی۔

''شاہ جی!'' حنا تڑپ کر آگے بڑھی اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''میں بہت بری ہوں...... ہے ناں، تجھے رلا دیا۔''

اسماعیل اپنی آنکھوں سے نمی صاف کرتا ہوا بولا۔ ''نہیں...... تیرا باپ برا ہے۔ اور اسے اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔''

''اچھا چھوڑو...... یہ بتاؤ کہ کب تک یہ غلیظ لباس پہننا پڑے گا؟'' حنا نے صفائی سے موضوع بدلا۔

''کیا ہے...... اتنی اچھی تو لگ رہی ہو؟'' اسماعیل بھی شاید اس موضوع سے فرار چاہتا تھا۔

''جلدی کوئی کپڑے لا دو...... ورنہ.........؟''

''ورنہ کیا؟''

وہ روہانسی ہو کے بولی۔ ''پلیز شاہ جی! مجھے ان سے کراہیت آتی ہے۔ اور نہیں تو کوئی اپنا سوٹ ہی دے دو۔''

''اچھا ادھر آؤ۔'' اسماعیل اسے لے کر کمرے میں موجود واحد الماری کی طرف بڑھا، اور قریب جا کر کہا۔ ''اسے کھولو۔''

''تم سچ مچ اپنے کپڑے......'' اس نے روانی میں کہتے ہوئے الماری کے پٹ کھولے مگر الماری میں لٹکے زنانہ سوٹ دیکھ کر اس کی بولتی بند ہو گئی۔ وہ الماری زنانہ کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور تمام کپڑے شوخ آسمانی رنگ کے تھے۔

''شاہ جی یہ کیا......؟'' وہ حیرانی پہ قابو نہ پا سکی۔ ''اتنے سارے سوٹ، یہ کس کے ہیں؟''

اسماعیل شاہ اطمینان سے بولا۔ ''تمھارے۔''

''تجھے کیسے پتا تھا کہ میں یہاں آؤں گی...... اور پھر یہ کہ شوخ آسمانی میرا فیورٹ کلر ہے۔'' اس کی حیرانی سوا ہو گئی تھی۔

''یہ تو میں نے اپنی تسکین طبع کے لیے لائے تھے۔''

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"اصل میں تمہارے ساتھ یہ رنگ بہت جچتا ہے ناں ۔جب تجھے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو، تو نے اسی رنگ کے کپڑے پہنے تھے۔.....اب جب بھی بازار جانا ہوتا ہے میں ایک دو سوٹ لے آتا ہوں.....حالانکہ جانتا ہوں ہم ندی کے دو کنارے ہیں مگر پھر بھی۔"

"کیوں.....ندی کے دو کنارے کیوں ہیں؟" وہ شدت جذبات سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"جب میں تجھے اپنانے کو تیار ہوں تو پھر تجھے کاہے کی فکر، نہ مجھے گھر والوں کی پرواہ ہے اور نہ دنیا کی۔"

"کہنے کی حد تک آسان ہے۔" اسماعیل کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

"آزما کے دیکھ لو۔" حنا کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"آزمانے کی ضرورت نہیں ہے چندا!.....جلد ہی تیرے سامنے یہ سوال اٹھنے والا ہے کہ اپنے باپ کو اس بے دردی سے قتل کرنے والے کو اپنانا چاہو گی یا اسے پھانسی کے تختے پہ لٹکتا دیکھنا چاہو گی؟"

"شاہ جی! اور کوئی صورت نہیں نکل سکتی.....کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دور..... بہت دور چلے جائیں۔دیکھو..... پاپا خفیہ پولیس کی قید میں ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے ان کا بچنا مشکل ہے کیونکہ پاپا کی ملک دشمنی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔اگر انھیں سزا ہو گئی تو تمھارا انتقام ویسے ہی پورا ہو جائے گا۔اگر بچ گئے تب بھی میری جدائی ان کے لیے کسی سزا سے کم نہیں۔اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی ان سے ملنے کی کوشش نہیں کروں گی، ہمیشہ تمھاری خدمت کروں گی.....جیسے رکھو گے رہ لوں گی.....میں.....میں کھانا بنانا بھی سیکھ لوں گی، تیرے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کروں گی.....بس ایک چھوٹا سا گھر، میں اور تم.....اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔کچھ بھی نہیں چاہیے۔"

اسماعیل نے دونوں ہاتھوں میں اس کا معصوم چہرہ تھاما چند لمحے اس کی غزالی آنکھوں میں جھانکنے کے بعد وہ لاچاری سے بولا۔

"کاش ایسا ہو سکتا.....کاش تیری یہ خواہش پوری کرنا میرے بس میں ہوتا.....کاش میں دنیا جہاں کی خوشیاں تیرے قدموں میں ڈھیر کر سکتا، کاش میں تیری راہوں کا نٹے اپنے دامن میں بھر سکتا۔چندا بس میں یہ خواہش کر سکتا ہوں۔اور خواہشیں ہوتی ہی وہی ہیں جو پوری نہ ہو سکیں۔"

اس کے چہرے پہ جہاں بھر کا دکھ سمٹ آیا۔زندگی اس سے عجیب امتحان لے رہی تھی۔پتا نہیں کیا ہونے والا تھا۔اس کے ہونٹوں سے اذیت بھری سسکی نکلی اور اس کے ساتھ ہی وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی.....

کیا پتا کتنی بار مارے گی
میں فقط زندگی سے ڈرتی ہوں
موت تو ایک بار مارے گی

اسماعیل سے اور کچھ نہ بن پایا تو وہ بولا۔ ''کپڑے بدلی کرلو......'' اور یہ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ اور پھر اس وقت واپس آیا جب حنا نے لباس بدل کے اسے آواز دی تھی۔

''کیسے لگ رہی ہوں؟'' حنا نے ماحول میں چھائی اداسی کو دور کرنا چاہا۔

''آئینہ دیکھ لو......مجھ سے پوچھنا ضروری ہے؟۔''

''میرا آئینہ تو آپ ہیں......۔''

وہ آئینے کو بھی حیرت میں ڈال دیتا ہے
کسی کسی کو خدا یہ کمال دیتا ہے

''سیدھی طرح بتلاؤ ناں؟''

''یہ کپڑے آج اپنی خوش بختی پہ ناز کر رہے ہوں گے۔''

وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔ ''شاہ جی! کیا سارے مرد تمھاری طرح جھوٹے ہوتے ہیں؟''

''جب میری بات پہ یقین نہیں ہے تو پوچھتی کس لیے ہو؟''

وہ مسکرائی۔ ''یقین تو ہے......لیکن بار بار تمھارے منہ سے سن کر اچھا لگتا ہے۔''

اسماعیل چارپائی پہ لیٹتا ہوا بولا۔ ''اچھا فضول باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے؟''

''کیا مطلب؟'' اس نے بھی دوسری چارپائی سنبھال لی۔

''گھر جانا ہے یا عاطف صاحب کے پاس جانا ہے۔ فیصلہ کرلو کیونکہ چند گھنٹے آرام کے بعد میں تجھے چھوڑنے جاؤں گا۔''

''بھول ہے تمھاری......میں نے یہیں رہنا ہے۔''

''میرا دماغ خراب نہیں کرنا سمجھیں۔''

''ٹھیک کب تھا۔'' وہ تکیہ درست کر کے لیٹ گئی۔

''اگر تم نہیں گئیں تو صبح مجھے کہیں جانا پڑے گا۔''

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔''

اسماعیل زچ ہو کے بولا۔ ''اچھا فی الحال تو مجھے نیند آرہی ہے......تم بھی سو جاؤ......اور غلطی سے بھی عاطف یا اپنے والد سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ ورنہ یاد رکھنا اگر تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا تو خود کو تو نقصان پہنچا سکتا ہوں ناں......اور مجھے تیری قسم اگر تو نے اپنے بھیا وغیرہ کو بلایا تو میں لڑ کر جان دے دوں گا مگر گرفتار ہونا مجھے کسی صورت گوارا نہیں ہوگا۔''

اس کے جانب کروٹ بدلتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

"کیا مجھ پہ اعتبار اٹھ گیا ہے جو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔"

"اعتبار نہ ہوتا تو کبھی بھی تیری موجودگی میں نہ سوتا..... تنبیہہ تو صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ اپنے خیال میں تم میرا فائدہ چاہتی ہو..... مگر مجھے اس فائدے سے نقصان ہی ہوتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔"

"اچھا بابا اچھا..... جو ہو گیا وہ معاف کر دو آئندہ کے لیے میری توبہ جو تیرے کسی کام میں دخیل ہوئی۔"

اسماعیل نے کہا۔"اب آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی۔

"تو کیا میرے اس طرح کرنے سے آپ کو نیند نہیں آئے گی؟"

"نیند کس کافر کو نہیں آئے گی بی بی! اصل میں، میں عادی نہیں ہونا چاہتا۔"

"بہانہ بازی میں تو کمال حاصل ہے۔" حنا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔

"یہ حقیقت ہے حنا..... میں نہیں جانتا کہ تم میرے لیے کیا حیثیت رکھتی ہو۔ایک عجیب گورکھ دھندے میں پھنس گیا ہوں۔تجھ سے نفرت کرنا چاہتا ہوں پر نہیں کر سکتا۔ تجھے برباد کرنا چاہا کہ فاضل خان کو زک پہنچاؤں مگر ناکام رہا..... اپنی نظروں ہی سے گر گیا۔تنگ آ کر تجھے قتل کرنے کا سوچا..... پر جرأت ہی نہ ہوئی۔تیری وجہ سے دو دفعہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا..... پر کوئی سبق نہ سیکھا اور ایک دفعہ پھر تجھے اپنے ٹھکانے پہ لے آیا ہوں۔حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ لڑکیوں کی مجھے کوئی کمی ہو یا ان کا وجود میرے لیے کوئی سربستہ راز ہو..... مگر پتا نہیں تم کیا ہو.....؟" اسماعیل نے ایک گہرا سانس لیا،اس کے جانب کروٹ بدلی اور اپنی بات جاری رکھی۔"پتا ہے ؟ میری زندگی میں سب سے پہلی لڑکی جو آئی وہ میرے محسن کی بھتیجی تھی..... شہزادی، یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے اخبار میں اشتہار چھپا تھا اور تو نے اس کے بارے استفسار بھی کیا تھا مگر میں اس وقت ٹال گیا تھا۔یہ وہ لڑکی ہے جس نے مجھ پہ عورت ذات کے راز کھولے،اسی سے مجھے پتا چلا کہ عورت کا ماں، بہن اور بیٹی کے علاوہ بھی کوئی روپ ہے۔شہزادی!..... ایک عجیب لڑکی تھی میں آج تک اس کے رویے کی توجیہہ نہیں کر پایا..... عام حالت میں نہایت معصوم مگر تنہائی میں ایسی بے باک کہ میں مرد ہو کر بھی اس کے سامنے گنگ ہو جاتا تھا۔اس وقت وہی میری ساری کائنات تھی میں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ ٹریننگ کے خاتمے کے بعد اس کے چچا سے اس کا ہاتھ مانگ لوں گا،مگر وہ شروع دن سے ہی بضد تھی کہ ہمارا ملاپ ناممکن ہے اور شاید اسی وجہ سے وہ ہر وہ حد پھلانگ گئی تھی جس کے متعلق ایک شریف لڑکی سوچ بھی نہیں سکتی۔پھر میں ٹریننگ کے لیے انڈیا پہنچ گیا۔ایک بہت بڑی یونیورسٹی جو شہری ہنگاموں سے دور تھی وہاں ہم نے ٹریننگ حاصل کی، بہت سخت مشقوں سے ہمیں گزارا گیا۔لیکن اس کے ساتھ ہمیں آزادی بھی حاصل تھی۔شراب و شباب کی نہ تو کمی تھی اور نہ ممانعت۔ایک مسلمان سے جنت میں

جنتی حوروں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ہمیں زمین پہ ہی میسر ہو گئیں تھیں۔ اور عجیب بات یہ کہ اس یونیورسٹی میں جتنی بھی نازنینیں تھیں سب کی سب مائل بہ کرم تھیں۔ ہر رات کے لیے نیا ساتھی میسر تھا پھر وہ تلخ و شیریں دور بھی بیت گیا اور پندرہ ماہ کی ٹریننگ کے بعد ہماری واپسی ہوئی ......لیکن سرحد عبور کرتے ہوئے ایک اور امتحان کا سامنا کرنا پڑا کہ، پاکستان رینجر کے ہاتھوں ہمارے سارے جانباز، سارے انقلابی شہید ہو گئے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا...... بھاگتے ہوئے مجھے گولی بھی لگی مگر جان بچانے کی فطری جبلت اور انتقام کے جنون نے مجھے صحرا میں دوڑائے رکھا۔ اسی دوران میں ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ایک ظالم وڈیرے کی حکمرانی تھی۔ وہ دنیا کا گھٹیا اور ذلیل ترین شخص تھا اور اتفاق یوں ہوا کہ مجھے جس شخص نے پناہ دی اس کی خوبصورت بہن پہ بھی وہ خبیث نظر رکھے ہوئے تھا۔ پھر یہ بھی اتفاق ہے کہ اس لڑکی کو وڈیرے سے بچانے کے لیے مجھے اس سے شادی کرنی پڑی۔ اس کا نام زلیخا تھا۔ وہ بہت معصوم، پیاری اور نیک لڑکی تھی۔ گو اس سے شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی تھی مگر جب وہ میری جیون ساتھی بنی تو مجھے محسوس ہوا کہ اسے اپنانا میری خوش نصیبی تھی یہاں بھی مقدر نے عجیب رنگ دکھایا......اس کا میرا ساتھ تین دنوں سے زیادہ نہ چل سکا اور وہ...... وڈیرے کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی...... بلکہ مجھ پہ اپنی جان وار گئی۔ کلہاڑی کا وہ وار جو میرے سر پہ کیا گیا تھا وہ اس نے اپنے سر پہ سہار لیا۔ وڈیرے کے آدمی بھاگ گئے۔ اس نے میرے ہاتھوں میں ہی دم توڑا۔ لیکن اب میں پہلے والا اسماعیل نہیں تھا۔ وڈیرے کو زلیخا کے قتل کا حساب دینا پڑا، وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہ پایا۔ اسے بھی کلہاڑی سے ٹکڑے ٹکڑے ہونا پڑا۔ پھر میں کراچی آ گیا۔ میری زندگی کا ایک ہی مقصد تھا، اپنے خاندان کے اجاڑنے والے کے خاندان کو اجاڑنا......مگر میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھے پتا چلا تھا کہ فاضل خان کو اپنی بیٹی بہت عزیز ہے اور یہ بات میرے لیے خوشی کا باعث بنی۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ اسے میں ویسی ہی اذیت میں مبتلا کر سکوں گا جیسے اس نے میرے ساتھ کیا تھا مگر پھر مجھے پتا نہیں کیا ہوا اور اب تک پتا نہیں چلا۔ تم سے دور بھاگتا ہوں مگر قسمت پھر تیرے سامنے لا پھینکتی ہے۔ نفرت کرتا ہوں کامیاب نہیں پاتا۔ ایسے راستے کا مسافر بن گیا ہوں جس کی ہر منزل، ہر پڑاؤ اور ہر گام پہ تم سے سامنا ہے۔ ایسے مدار میں گردش کر رہا ہوں جس کا مرکز تم ہو...... پتا نہیں کیا ہو گا میرا؟"

"تمہارے سارے احساسات کا مجھے پہلے سے پتا ہے...... یاد ہے تم نے مجھے کتنی بے دردی سے پیٹا تھا......لیکن جانے کیوں مجھے تمہارا رویہ مصنوعی لگتا تھا۔ ڈرتی بھی تھی اور منتظر بھی رہتی۔ اور پھر اس دن میں کتنا روئی، کتنا گڑگڑائی تھی...... حالانکہ مجھے یقین تھا کہ تم میرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے مگر تمہیں نشے میں دیکھ کر ڈر گئی کہ نشے میں تو مرد کو ماں بہن کی تمیز نہیں رہتی میں تو غیر تھی...... لیکن وہاں پہ بھی میرے گمان کی فتح ہوئی......اور اب بھی مجھے یقین ہے میں تمہیں جیت لوں گی...... تھوڑا وقت ضرور لگے گا مگر میں جانتی ہوں تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"اس یقین کی وجہ؟"

وہ اطمینان سے بولی۔ "کیونکہ میں بھی تمہارے بغیر زندہ رہنے کا تصور نہیں کر سکتی۔"

''یہ ضروری تو نہیں کہ جو تمھارے احساسات ہوں وہی میرے بھی ہوں؟''

''ہاں.....لیکن چند لمحے پہلے تم اس کا اقرار کر چکے ہو۔'' حنا کا اطمینان برقرار تھا۔

''حنا! میں اپنی بہن کی بربادی نہیں بھول سکتا.....ماں کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا.....کبھی بھی نہیں کچھ بھی ہو جائے .....چاہے تو روٹھ جائے، جدا ہو جائے یا نفرت کرنے لگے مجھے کچھ پرواہ نہیں.....البتہ تیرے باپ کی موت کے بعد میں خود کو تیرے سپرد کردوں گا، چاہے گولی مار دینا.....چاہے پولیس کے حوالے کر دینا یا پھر میری زندگی کو جنت بنا دینا۔''

''اگر میرے اور انتقام میں سے تجھے ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑے؟'' حنا کے لہجے میں ایک عجیب سی حسرت جھلک رہی تھی۔

اسماعیل نے پختہ لہجے میں جواب دیا۔''پاگل میں نے پہلے ہی انتقام کو چنا ہوا ہے۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ اس دن وہ کمینی شہزادی تجھے ملی تھی کہ نہیں۔'' حنا نے یکدم پٹڑی بدلی، وہ دونوں جس موضوع سے نظریں چرانا چاہتے تھے وہی بار بار منہ کھولے ان سامنے آ جاتا تھا۔

''نہیں.....ان کے گھر کو کسی نے آگ لگائی تھی جس میں شہزادی کا انکل جل گیا تھا اور شہزادی اس دن سے غائب ہے۔وہ اشتہار دراصل انقلابی تنظیم کی طرف سے چھپا تھا اور وہ لوگ مجھے ڈھونڈنا چاہ رہے تھے۔''

''اور یہ بات وہ بھی جانتے تھے کہ شہزادی کا نام سنتے ہی تم نے بھاگ کران کے پاس جانا ہے۔''

''شاید.....مگر میرا مطمح نظر وہ نہیں تھا جو تم سمجھ رہی ہو.....؟''

''کچھ بھی تھا.....لیکن اب ایک بات یاد رکھنی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔''اگر دوبارہ شہزادی مل بھی جاتی ہے تو اس کے لیے کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ کر اسے بیاہ دینا۔''

وہ شرارت سے بولا۔''یہی مشورہ وہ تیرے بارے بھی دے سکتی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے ناں.....'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔''سید اسماعیل شاہ غازی سے طے کر دینا میری نسبت۔''

اسماعیل قہقہہ مار کے ہنستے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے پر اب سو جاؤ۔''

''مجھے نیند نہیں آ رہی.....البتہ تم نے سونا ہے تو اجازت ہے۔''

اور اسماعیل نے تھینکس کہہ کر آنکھیں بند کر لیں جبکہ حنا اسی طرح اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔

☆.....☆.....☆

''عاطف صاحب! میری گڑیا کا کچھ پتا چلا؟'' عاطف جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا لوہے کی کرسی سے بندھا فاضل خان بے

صبری سے مستفسر ہوا۔ گو اس کی حالت کافی ناگفتہ بہ تھی کہ عاطف نے اپنے آدمیوں کو اس کی اچھی خاطر داری کا حکم دیا تھا مگر اس حالت میں بھی اسے اپنی بیٹی کا ہی خیال تھا۔

''تمھارے لیے ایک اچھی خبر یہ ہے کہ وہ بالکل خیریت کے ساتھ ہے اور تمھارے دوست ڈیوی پارٹی بھی گرفتار ہو گئے ہیں ۔'' عاطف اس کے سامنے پڑی لکڑی کی کرسی سنبھالتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

''مم...... مگر کیسے؟...... اور گڑیا کہاں ہے؟''

''اسماعیل شاہ کے پاس۔''

''اا...... اس...... اسماعیل شاہ؟'' فاضل خان کے منہ میں جیسے کسی نے کونین کی گولی ڈال دی ہو۔

''ہاں بھائی...... اسی نے تو تیری بیٹی کو رہا کرایا ہے...... اور اگر اسے چند منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو شاید تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتے...... وہ خبیث چھوٹی کے کپڑے پھاڑ چکے تھے۔''

''میں ان کو زندہ درگور کر دوں گا۔'' فاضل خان کا چہرہ غصے کی شدت سے سیاہ ہو گیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں...... اسماعیل یہ کام کر چکا ہے۔ اس نے چھوٹی کو چھونے والے دونوں بدبختوں کو کلاشن کوف کے بٹ کے ساتھ مار مار کر جہنم رسید کر دیا ہے...... شاید اس بے دردی سے تم بھی انھیں قتل نہ کر سکتے ، اب یہ معلوم نہیں اس نے ایسا کیوں کیا ہے ؟...... حالانکہ میرے خیال کے مطابق تو اسے ان کے ساتھ مل جانا چاہیے تھا بہر حال...... یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے۔''

''کیا گڑیا سے میری بات ہو سکتی ہے؟'' فاضل خان کے لہجے میں حد درجہ لجاجت تھی۔

''بتایا تو ہے سیٹھ صاحب وہ اسماعیل کے پاس ہے...... اور تیری اطلاع کے لئے !...... وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے ...... شاید اس کا خیال ہو کہ اسماعیل شاہ ہی اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت نہ کر سکا...... خیر یہ تو وقت کی بات ہے۔''

''آپ شاید طنز کر رہے ہیں؟'' فاضل خان کے لہجے میں ندامت کا عنصر موجود تھا۔

عاطف نے کہا۔'' حقیقت بیان کر رہا ہوں سیٹھ صاحب۔'' اور فاضل خاموش ہی رہا۔

''تو...... اب کیا خیال ہے۔ بلیک لیکونڈ کے خلاف معلومات دے سکتے ہو یا......؟'' عاطف نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

فاضل خان صاف گوئی سے بولا۔'' پہلے مجھے یقین دلاؤ کہ ڈیوی گرفتار ہو گیا ہے...... مجھے آپ کی اطلاع پہ اعتبار نہیں ہے۔''

''یعنی میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''

''شاید......! ...... وہ اتنی آسانی سے قابو آنے والا نہیں ہے۔''

''ہاں مگر اس کی بدقسمتی......اور دلچسپ بات یہ کہ چھوٹی نے ان کی مخبری کی ہے۔''

''گڑیا نے'' فاضل خان کی حیرت دوبالا ہوگئی تھی۔

''ایسا ہی ہے......اور آؤ تجھے اس کا دیدار کرا دیتا ہوں۔'' عاطف نے جیب سے چابی نکال کر کرسی میں لگے لوہے کے لاک کھول دیئے۔سیٹھ فاضل بمشکل کرسی سے اٹھ سکا تھا۔اسے ساتھ لے کر عاطف باہر نکلا اور پھر ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر داخل ہونے سے پہلے فاضل کو کسی کی تیز چیخیں سنائی دیں۔کمرے کے ساؤنڈ پروف ہونے کی وجہ سے پہلے وہ آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔کمرے میں گھستے ہی فاضل خان کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار ابھرے،وہ سو فیصد ڈیوی تھا۔دو نقاب پوش اس کی دھلائی میں مصروف تھے۔عاطف کو دیکھتے ہی وہ گڑگڑایا۔

''پپ......پلیز مسٹر عاطف!جب میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں تو پھر یہ تشدد کس لیے؟'' فاضل خان کو پہچاننے کے باوجود اس نے اسے مخاطب کرنا درخورِ اعتنا نہ سمجھا تھا۔

عاطف نے ہاتھ کے اشارے سے جلادوں کو کارروائی روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ڈیوی!......یہ تمھاری ان دھمکیوں کا جواب ہے جو تو نے گرفتاری کے وقت دی تھیں۔تجھے اپنے امریکی ہونے کا فخر تھا اب بلا ؤ اپنے امریکہ کو۔''

ڈیوی نے چیلنج کرنے کے انداز میں کہا۔''مسٹر عاطف! مجھے ایک فون کرنے دو پھر میں دیکھتا ہوں کہ آپ مجھے کیسے قید رکھتے ہیں؟''

''میں تجھے ضرور ایسا کرنے کی اجازت دیتا......مگر افسوس آج ہمارے مقتدر ذہنی طور پہ تمھارے غلام بن چکے ہیں،ہمارے بیورو کریٹ تمھاری عقل سے سوچتے ہیں،سیاستدان تمھیں خوش کرنا سیاست کی معراج سمجھتے ہیں اور کئی ناعاقبت اندیش چند ٹکوں کی خاطر،اپنے جھوٹے عروج کی خاطر تمھارے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔میں نے اپنے بھائیوں کی ان خامیوں کے باوجود تجھے تلاش کر کے پابند سلاسل کیا ہے تو تجھے پتا ہونا چاہیے کہ میں کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔اور یہ تو تجھے پتا ہوگا کہ حکمرانوں کی کمزوریوں کے باوجود ہم نے ہار ماننا نہیں سیکھا اور انشاءاللہ جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب حکومتی سطح پہ تمھیں منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔''

''بھول ہے تمھاری۔'' ڈیوی کا مغرور لہجہ ایک مرتبہ پھر لوٹ آیا تھا۔

''تم فی الحال اپنی خیر مناؤ۔'' عاطف نے اس سے بحث کرنی مناسب نہ سمجھی تھی۔اسی وقت فاضل خان نے زبان کھولی۔

''تمھارے جیسے احسان فراموش اور گھٹیا بندے کے لیے یہی جگہ مناسب ہے۔''

''احسان کون سا بناوٹی سیٹھ......اپنی خدمات کا تجھے خاطر خواہ معاوضہ ملا ہے۔تمھیں فٹ پاتھ سے اٹھا کر محل میں پہنچانے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والے ہم ہیں۔ اپنی دس پندرہ سال پہلے کی حالت پر غور کرو...... پھر تیرا کون سا احسان ہے ہم پر...... باقی جہاں تک تعلق ہے تجھے دھماکے کا تو اپنے رازوں کی حفاظت ہمارا حق بنتا تھا اور ان کی حفاظت تیری زبان بندی سے ہی ہو سکتی تھی...... اور اس کا آسان طریقہ یہی تھا جو ہم نے اپنایا۔" فاضل خان سے کوئی جواب نہ بن پایا تھا۔

"چلو مسٹر فاضل۔" عاطف جانے کے لیے مڑا دونوں جلاد ایک مرتبہ پھر اپنی کارروائی میں مشغول ہو گئے تھے۔

فاضل خان کو لے کر عاطف دوبارہ پہلے والے کمرے میں پہنچا۔ فاضل خان کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ مستفسر ہوا۔

"اب یقین آیا؟"

"آپ پوچھیں...... کیا جاننا چاہ رہے ہیں؟"

"کراچی میں تیرے علاوہ بلیک لیکوئڈ کا کوئی پاکستانی ایجنٹ موجود ہے؟" عاطف نے براہ راست سوال و جواب شروع کر دیا تھا۔

"اگر ہے بھی تو میں اسے نہیں جانتا۔"

"دوسرے شہروں کے کتنے ایجنٹوں سے واقف ہو؟"

"کوئٹہ میں اسفند یار ہے، ایک بہت بڑا تاجر ہے۔ پشاور میں پہلے اکبر علی خان تھا جسے میں نے قتل کرا دیا تھا...... اس کی جگہ اختر جان نے سنبھالی...... ظاہری طور پر سوشل ورکر ہے۔ سیاست میں بھی گہری دلچسپی لیتا ہے۔ پنڈی اسلام آباد میں نذیر احمد اعوان ہے ٹرانسپورٹ کے شعبے سے وابستہ ہے۔ لاہور میں چوہدری پرویز ہے جدی پشتی زمین دار ہے...... ان کے علاوہ میں کسی دوسرے شہر کے ایجنٹ سے واقف نہیں ہوں؟" فاضل خان نے سرعت سے یہ تفصیل دہرا دی۔

"یہ اکبر علی وہی بزنس مین ہے ناں جس کا قتل قریباً دو سال پہلے ہوا تھا۔ دور مار رائفل سے اسے نشانہ بنایا گیا اور دونوں قاتل پکڑے گئے تھے۔ اس ضمن میں اس کے کسی حریف بزنس مین کا نام لیا جاتا رہا۔"

"جی۔" فاضل نے مختصراً کہا۔

"اسے قتل کرانے کی وجہ؟"

جواباً فاضل خان نے ساری کہانی تفصیل سے سنا دی۔

"کتنے سال سے بلیک لیکوئڈ کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"قریباً پندرہ سولہ سال ہونے کو ہیں۔"

"اپنے کارنامے اگر دہرانا پسند کرو۔" عاطف کے لہجے میں طنز کا اثر نمایاں تھا۔

اس مرتبہ بھی فاضل خان نے بغیر کچھ چھپائے تفصیل سے اپنے کرتوت بیان کر دیے۔

عاطف نے کہا۔ ''تو گویا انسپکٹر دلشاد پہ حملہ کرانے والے تم تھے؟'' اور فاضل خان اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

'' عاطف نے جیب سے ایک چھوٹا سا ڈیوائس نکال کر اسے آف کرتے ہوئے کہا۔

''سیٹھ صاحب! تیری ساری گفتگو تو ہو گئی ہے اس میں ریکارڈ.....اب ذرا پرائیویٹ بات ہو جائے۔''

اور عاطف کا انداز ایسا نہیں تھا کہ فاضل خان چونکے بنا رہ سکتا۔

''م.....میں سمجھا نہیں؟''

''بھئی بڑی واضح اور صاف بات کہی ہے میں نے۔'' عاطف معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''تیرا اب کیا ارادہ ہے؟''

فاضل خان نے اپنے خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے کہا۔ ''بھلا میرا ارادہ کیا ہو سکتا ہے؟''

''دیکھو سیٹھ صاحب تمھیں خوب اندازہ ہو گا کہ ملک سے غداری کی سزا بغیر کسی شبے کے موت ہے۔ اور تم تو اس کے علاوہ بھی کئی ایسے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہو کہ ہر ایک جرم کے بدلے تجھے پھانسی پہ لٹکایا جا سکتا ہے۔''

''جی۔'' اس نے ندامت سے سر جھکا لیا تھا۔

''تو پھر کیا ارادہ ہے؟'' عاطف نے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔

''اگر آپ وضاحت کر دیں تو.....؟'' فاضل خان عاطف کے واضح انداز کے باوجود جھجک رہا تھا۔

''فاضل خان تمھارا تعلق بلیک لیکوئڈ سے ہے..... بلکہ تھا، اس بارے صرف میں جانتا ہوں۔ تمھارے بیان کی ریکارڈنگ بھی میرے پاس ہے۔ کسی سینئر کو معلوم نہیں کہ تم اپنے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہو۔ تمھاری گرفتاری بھی میں نے صرف شبے کی بنیاد پہ کی تھی اور یہی رپورٹ میں نے اپنے سینئر کو دی تھی۔ اب اگر میں چاہوں تو تمھیں رہا کر دوں اور قانون کی نظر میں بھی تجھے بے گناہ سمجھا جائے گا۔''

عاطف نے ایک لمحہ خاموش ہو کر فاضل خان کے حیرانی بھرے تاثرات کو غور سے دیکھا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اپنی آزادی کی کتنی قیمت چکا سکتے ہو؟''

''آ.....آپ مانگ کر دیکھیں۔'' فاضل خان ہکلا گیا تھا۔

''میں نے اسی لیے تجھے دعوت دی ہے کہ اپنی جان کی قیمت خود مقرر کرو۔'' عاطف نے گیند اس کے کورٹ میں پھینکی۔

فاضل خان کے منہ سے نکلا۔ ''دس کروڑ......''

''بس......؟'' عاطف نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''سیٹھ صاحب میرا ریکارڈ ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لاکھ دو لاکھ کے لیے میں اپنی ساکھ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا خواب تھا کہ ایک ہی دفعہ ایسا ہاتھ ماروں کہ اس کے بعد مجھے کبھی غلط کام کی حاجت نہ ہو اور اس تم میری بولی دس کروڑ لگا رہے ہو گویا، میں نے تم سے غلط توقعات وابستہ کی ہیں۔''

''پندرہ......'' فاضل نے بولی بڑھائی۔

''اوکے چلتا ہوں......'' عاطف کھڑا ہو گیا۔

''بب......نہیں۔'' فاضل خان سرعت سے بولا۔

''یاد رکھنا اس آفر کا کسی سے ذکر کرنے کی صورت میں تجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔'' کہتے ہوئے عاطف جانے کے لیے مڑا۔

''پچیس سر!......'' اور پھر عاطف کو نہ رکتے دیکھ کر چلایا۔''تیس سر!......بس میری اوقات اتنی ہی ہے۔اس سے زیادہ کے لیے مجھے اپنی جائیداد بیچنی پڑے گی......پلیز سر......''

عاطف واپس مڑا۔''فاضل خان......شاید تجھے میری بات کی سمجھ نہیں آئی۔''

''اچھا ایک منٹ کے لیے میری بات غور سے تو سن لیں۔''

عاطف نے دوبارہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔''بولو......؟''

''مسٹر عاطف......آپ جانتے ہیں کہ میری ایک ہی بیٹی ہے اور وہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایک ہے۔میری ساری جائیداد اور دولت اسی کو ملنی ہے۔اگر تمھیں قبول ہو تو تیس کروڑ روپے کے ساتھ میں حنا کی شادی بھی تیرے ساتھ کر سکتا ہوں۔یوں بھی اسے آپ بہتر محافظ کوئی نہیں ملے گا۔''

''مگر میں اسے بہن کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں۔''

''کسی لڑکی کو بہن کہنے سے وہ بہن نہیں ہو جاتی......یہ منہ بولا رشتا ہے۔شادی کے بعد شاید آپ دونوں اس جوک سے لطف اندوز ہوں؟'' فاضل خان اپنی خلاصی کے ساتھ بیٹی کے اچھے مستقبل کا بھی خواہاں نظر آ رہا تھا۔اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے بولا۔''اس کے لیے کئی اعلیٰ خاندان کے رشتے آ چکے ہیں مگر میری نظر میں کوئی نہ جچا......اب تیرے لیے یوں حامی بھر رہا ہوں کہ آپ بھی شکل و صورت کے لحاظ سے میری بیٹی کے ہم پلہ ہیں۔''

''سیٹھ صاحب! آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ اسماعیل شاہ کو پسند کرتی ہے۔'' عاطف کے منہ سے اس مرتبہ تم کی بجائے آپ ادا ہوا تھا شاید وہ بھی دل سے اس رشتے کا خواہاں تھا۔

''وہ زندہ بچے گا تو حنا سے شادی کرے گا نا؟''

''ہاں......یوں بھی ہم اس کی تاڑ میں ہیں......شاید آپ کی وجہ سے اس کی گرفتاری ممکن ہو جائے۔''

''تو پھر......؟''

''پھر یہ کہ......حنا کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے اس کا رشتا مجھ سے طے کر دیا ہے۔اسے اسماعیل شاہ کی یادوں

میں مگن رہنے دو...... جب اس کا کانٹا نکل جائے گا تو میں خود اسے سنبھال لوں گا۔البتہ رقم آپ کو رہائی کے فوراً بعد ادا کرنی پڑے گی۔''

''منظور ہے۔'' فاضل خان کے چہرے پہ خوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔اسے گمان ہی نہیں تھا کہ وہ عاطف جیسے آدمی کو خرید لے گا۔اس کے دماغ میں ڈیوی کی آواز گونجی۔

''سیٹھ صاحب! اس دنیا میں ہر کوئی بکاؤ ہے......کوئی سستا کوئی مہنگا،فرق صرف قیمت کا ہے،بس آدمی کو خریداری کا طریقہ آنا چاہیے۔'' فاضل کا پہلے بھی اس بات پہ یقین تھا مگر آج علم الیقین،عین الیقین میں بدل گیا تھا۔

''او کے سیٹھ صاحب کل تک انتظار کرو میں آپ کی رہائی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔''

اور فاضل خان نے اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔اسے لگا وہ موت کے منہ سے واپس لوٹ آیا ہے۔اب اسے صرف بلیک لیکوئڈ کے جانب سے خطرہ تھا۔مگر اسے یقین تھا کہ وہ ان کے بڑوں سے رابطہ کر کے ان غلط فہمیوں کو دور کر سکتا تھا جو اس کی گرفتاری کی وجہ سے پیدا ہوئیں تھیں۔

☆......☆......☆

''تو آپ کا خیال ہے کہ فاضل خان کو وہ اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتا ہے؟'' عاطف کی تفصیلی بات سننے کے بعد صدیقی صاحب مستفسر ہوا۔

''جی سر''

''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''سر!......ڈیوی پارٹی سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے اور لازمی بات ہے کہ بلیک لیکوئڈ کے متعلق ان کے پاس فاضل خان سے کہیں زیادہ معلومات ہیں۔گویا اب فاضل خان کا مصرف اس کی سزا پہ عمل درآمد کرنے کا رہ گیا ہے۔''

صدیقی صاحب نے مسکرا کر کہا۔''عاطف میاں! میں نے آپ کا ارادہ پوچھا ہے......تبصرہ کرنے کو نہیں کہا۔''

''سر!......اسماعیل نہایت کائیاں اور چالاک آدمی ہے۔ایسے بندے اگر کسی ملک دشمن تنظیم کے ہاتھ چڑھ جائیں تو بہت بڑے نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ را کا تربیت یافتہ ہے۔اب جہاں تک میرا اندازہ ہے تو وہ را کی سرگرمیوں سے اس لیے دور ہے کہ ابھی تک انتقام کے چکروں میں پڑا ہوا ہے......اس دن جب اس سے میری بات ہوئی تو اس نے مجھے یہی پیغام دیا کہ۔

''میں جانتا ہوں کہ وہ فاضل خان کو کس لیے بچانا چاہ رہا ہے۔'' گویا بین السطور اس کی بات کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔''

''میرا خیال ہے آپ مجھے کسی خاص نتیجے پہ لے جانا چاہ رہے ہیں؟'' صدیقی صاحب نے عاطف کی لمبی تمہید سن کر تبصرہ کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عاطف نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ ایسا ہی ہے سر۔"

ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کے صدیقی صاحب بولے۔ "جاری رکھو۔"

"اب دوسری جانب دیکھیں کہ میجر روہیت، بلیک لیکونڈ کے ساتھ مل کر فاضل خان کو ہلاک کرنے کے لیے ہمارے ہیڈ کوارٹر پہ حملہ کرنے والا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی ان دونوں ایجنسیوں کا گٹھ جوڑ رہا ہے...... اور اگر یوں ہی ہے تو فاضل خان جو بلیک لیکونڈ کا چہیتا تھا اسماعیل کو اس کے قتل کی اجازت نہیں مل سکتی تھی...... تو گویا کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اسماعیل کی راہ میں روڑے اٹکائے ہوں گے۔ یوں بھی را...... ! بلیک لیکونڈ کی ناراضی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تیسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا اسماعیل جانتا ہے کہ، اسے تربیت دینے والی بدنام زمانہ ایجنسی را ہے، فاضل خان بلیک لیکونڈ کا بندہ ہے اور اسے ملک دشمن سرگرمیوں میں استعمال کیا جا رہا ہے یا مستقبل قریب میں ایسا کیا جاسکتا ہے...... تو میرے گمان میں ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہونا چاہیے۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا تو صدیقی صاحب اپنی دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"میں آپ سے یہاں تک متفق ہوں مگر، ہنوز کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ سکا۔"

عاطف کی بات جاری رہی۔ "اب مرحلہ ہے اسماعیل کو سمجھانے کا تو...... اس ضمن میں چھوٹی ہمارے بہت کام آسکتی تھی مگر بد قسمتی سے ایک تو وہ فاضل خان کی بیٹی ہے کہ اس کی ہر نصیحت اسماعیل شاہ کے لیے شک کا باعث بنتی ہے۔ دوسرا وہ اسماعیل کو بہت زیادہ چاہتی ہے اس لیے اسے اس کے خلاف بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے وہ اسماعیل کی بہتری کے لیے بڑی مشکل سے اسے گرفتار کرانے پہ راضی ہوئی تھی پر بعد میں اپنے اس فعل پہ پشیمان رہی، اب تجدید تعلقات کے بعد ناممکن ہے کہ وہ اسماعیل کے خلاف کچھ کہنے سننے پہ آمادہ ہو جائے...... جبکہ اسماعیل کی بہتری کے لیے اس کا جلد از جلد گرفتار ہو جانا نہایت ضروری ہے۔"

"تو یہ آپ کی گفتگو کا نچوڑ ہے کہ اسماعیل شاہ کی گرفتاری ضروری ہے؟"

"نہیں...... ہمارے لیے اسماعیل کی بہتری سے زیادہ ملک کی سلامتی کا مسئلہ اہم ہے، لیکن وہ چونکہ اپنے سسٹم کا ڈسا ہوا ہے تو دل نہیں چاہتا کہ اس طرح غیر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ایک دن کسی اندھی گولی کا شکار ہو جائے یا گرفتار ہو کر ایسی حالت میں ہمارے سامنے آئے کہ اس کا جرم معاف کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہو۔"

"صحیح ہے...... مگر یہ بات اسے سمجھائیں گے کیسے؟...... میرے اندازے کے مطابق تو اس کی منزل فاضل خان کی موت ہے ۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے۔"

"سر! اس سے قطع نظر کہ وہ کیا چاہتا ہے کیوں نہ ہم فاضل خان کو بطور پھندہ استعمال کریں اس طرح اسے گرفتار کرنے کے ساتھ میجر روہیت کے پھنسنے کا بھی امکان پیدا ہو جائے گا...... اور سب سے بڑھ کر را نے جتنے آدمیوں کو ٹریننگ دی تھی وہ بھی اختتام پذیر ہو

جائیں گے۔"

"وضاحت کرنا پسند کرو گے؟"

"سر! جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ فاضل خان کا مصرف اب یہ رہ گیا ہے کہ اسے اس کے کیے کی سزا مل جائے......اور ملنی بھی چاہیے کہ وہ اس پاک سرزمین کا غدار ہے۔ایسے بندے جتنی جلدی زیرِ زمین اتار دیے جائیں اتنا ہی بہتر ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ ہم کسی اور کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے،اسے قانون کے دائرے میں رہ کر ہی سزا دی جائے گی۔اسے معاف بھی نہیں کر سکتے کہ ایسے بندے کتے کی دم کی مثال ہوتے ہیں۔شاید وہ دوبارہ بلیک لیکونڈ یا کسی اور دشمن ملک ایجنسی سے روابط پیدا کر لے......ان سب نقاط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم اسے یہ یقین دلا کر رہا کر دیں کہ......ہماری تحقیق کے مطابق وہ بے گناہ ہے۔تو وہ خوشی سے بغلیں بجاتا واپس لوٹے گا اور پھر اس کی کڑی نگرانی کر کے امید ہے ہم اسماعیل شاہ کو گرفتار کر لیں گے۔اس کے برعکس اگر اسماعیل شاہ اس پہ کاری وار کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا ہے تب بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔گویا ہمارا صرف فائدہ ہے نقصان کوئی نہیں۔"

"سمجھ گیا۔" صدیقی صاحب نے تحسین آمیز انداز میں سر ہلایا۔"لیکن کیا بلیک لیکونڈا سے معاف کر دے گی؟......میرے خیال میں تو اسے غداری کی سزا ضرور دی جائے گی،گو اس نے بلیک لیکونڈ سے غداری نہیں کی مگر ہمارے کچھ کہے بنا اسے رہا کرنے کا یہی تاثر ملے گا۔"

"نہ کرے معاف،بلکہ ہو سکتا ہے اس طرح ان کا بھی کوئی آدمی ہمارے ہتھے چڑھ جائے۔اسی طرح کوئی دوسری مجرم تنظیم بھی اس سے رابطہ کرنے کی غلطی کر سکتی ہے......سر! ہمارا صرف فائدہ ہی ہوگا......فاضل خان کو بطور چارہ استعمال کرنا ایک بہترین آئیڈیا ہے۔"

"اسے یقین کیسے دلاؤ گے کہ ہم نے اسے بے گناہ سمجھ لیا ہے؟" صدیقی صاحب نے اپنے ذہن میں مچلتے سوال کو الفاظ میں ڈھالا۔"جبکہ وہ اپنے مجرم ہونے کا اقرار کر چکا ہے؟"

"بہت آسان ہے سر......ملک خداداد میں رشوت لینے والوں کی کمی نہیں......اور ہم بھی اسی سسٹم کا حصہ ہیں۔یوں بھی گیسٹ ہاؤس کی حفاظت کے لیے ایک جدید سیکورٹی سسٹم کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور میرا خیال ہے فاضل خان موٹی آسامی ہے۔اور اس جیسے آدمی کے ساتھ یہ سلوک یوں بھی کسی اخلاقی ضابطے کے منافی نہیں کہ اس نے بھی تو ملک و قوم کے ساتھ غداری کی ہے......اور سب بڑھ کر اس کی نفسیات ایسی ہے کہ وہ ہر آدمی کو بکاؤ سمجھتا ہے۔"

"ہا......ہا......ہا......" صدیقی صاب کے قہقہے سے دفتر گونج اٹھا تھا۔"گویا اب سی آئی بھی رشوت لے گی؟"

"حرج ہی کیا ہے۔" عاطف بھی مسکرا دیا تھا۔

"ایکسیلنٹ (Excellent) عاطف میاں......میری طرف سے اجازت ہے......لیکن یہ بھی بتا دو میرا حصہ کتنا ہوگا

؟" صدیقی صاحب ابھی تک اس تجویز سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

عاطف کہاں پیچھے رہنے والا تھا تڑ سے بولا۔" آپ کی کرسی پرانے ماڈل کی ہے اور آفس کے پردے بھی کوئی میچ نہیں کر رہے۔"

صدیقی صاحب معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔" گویا خاصے تجربہ کار ہو؟"

" جیسا بھی ہوں آپ کا شاگرد ہی ہوں۔"

اور دفتر ایک مرتبہ پھر صدیقی صاحب کے قہقہے سے گونج اٹھا۔

" اچھا یہاں تک تو ہو گیا ٹھیک...... اب فاضل خان کی بیٹی کی خبر سناؤ؟"

" اس کے بارے جو معلوم تھا وہ بتلا دیا ہے...... کوئی نئی بات پتا نہیں چلی...... آخری خبر یہی ہے کہ وہ اسماعیل شاہ کے پاس ہے ،اور میرا خیال ہے کافی حد تک محفوظ ہے، میں نے خود اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اسماعیل کے پاس رہے کہ اس وقت میرے پاس نہ تو اتنی فورس تھی کہ اس کی حفاظت کے لیے بھیجتا اور نہ ہی اتنا ٹائم تھا کہ اپنی کسٹڈی میں لے لیتا، لے دے کے اسماعیل ہی بچتا تھا یوں بھی وہ صرف اسی کے پاس خوش رہ سکتی ہے...... یہاں تو اپنے پاپا کے متعلق پوچھ پوچھ کر میرا جینا اجیرن کر دیتی۔"

" میاں، کچھ زیادہ ہی اس کا خیال نہیں رکھنے لگے؟"

" چھوٹی بہن جو ہوئی...... اور میرا خیال ہے ہمارے ہاں چھوٹی بہنیں کافی لاڈلی ہوتی ہیں...... البتہ فاضل خان میرا نکاح اس سے کرانے پہ تلا ہوا ہے۔"

" سمجھا نہیں......"

" میں نے فاضل خان سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ وہ تیس کروڑ روپے دینے پہ آمادہ ہے۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے چھوٹی کا رشتا دینے کی آفر بھی کی ہے...... گو وہ اس قابل ہے کہ اسے اپنانے والا اپنی خوش قسمتی پہ ناز کر سکے مگر بخدا میں بہن کے علاوہ اسے کسی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔"

صدیقی صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔" یعنی تم مجھے اپنا فیصلہ سنانے آئے تھے؟"

" سر! مجھے امید تھی کہ میں اپنی بات کی وضاحت کر لوں گا۔"

" ہاں بھئی! گفتار کے تو تم غازی ہو۔"

" تو کیا کردار کا کھوٹا ہوں؟"

" ایسے بندے بہت کم نظر سے گزرے ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو...... ان میں ایک آپ بھی ہیں...... مجھے تم پہ فخر ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

...... بیٹے "صدیقی صاحب کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔

"سر...... میں آج تک جو کچھ کیا، اس سے دگنے کارنامے مزید سرانجام دے دوں تو بھی آپ کے ان الفاظ کی قیمت نہیں چکا سکتا جو آپ نے میرے بارے کہے ہیں۔"

"یہ میرے دل کی آواز ہے میاں...... تعریف نہیں کر رہا۔"

"سر میں شکریہ کہہ کر ان الفاظ کی قیمت نہیں گھٹا سکتا۔ اور میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔" صدیقی صاحب سر ہلا کر رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت نمبر پانچ میں جمع تھے...... روہیت کے سامنے نو آدمی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اور کراچی میں را کا سرمایہ بھی تھے۔ روہیت اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تھا۔

"اب بتاؤ! میں سی آئی کے خلاف کیا قدم اٹھاؤں...... پارس کو کہاں ڈھونڈوں اور دوسری کارروائیاں کیسے جاری رکھوں...... تم لوگوں کی تو یہ حالت ہے، کسی کا تعاقب بھی نہیں کر سکتے؟"

"سر آئندہ ایسا موقع نہیں دیں گے۔" رندھیر نے اس کے غصے کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"بہر حال ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ہم سی آئی کے ایک چھوکرے کو اغوا نہیں کر سکتے، وہ پرائمری کا طالب علم ہم سب کو چکر کی طرح گھما رہا ہے۔"

"سر قسمت اس کا ساتھ دے رہی ہے ورنہ......؟"

روہیت نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا" رندھیر اپنی ناکامیوں، کمزوریوں اور غلط پلاننگ کو قسمت کا نام نہ دو...... دشمن کی صلاحیتوں کا اعتراف کرو۔ اور جہاں تک اچھی قسمت کا تعلق ہے تو قسمت تو ہماری اچھی تھی جو ہم ڈیوی پارٹی کے ہمراہ نہیں گئے ورنہ اس وقت کسی اور جگہ ہوتے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر...... عاطف کافی چالاک اور مکار ہے...... لیکن بھگوان نے چاہا تو اس بار نہیں بچ سکے گا؟"

"ہونہہ...... نرے دعوے ...... پہلے کوئی پلان تو سوچو" روہیت منہ بنا کر رہ گیا۔

"سر اب ان کا ٹھکانہ ہماری نظروں میں آ گیا ہے میں خود اس کی نگرانی کروں گا اور موقع ملتے ہی اسے چھاپ لیں گے۔"

"اس بات سے وہ واقف ہیں...... اب وہ بھی اپنے ٹھکانے کی نگرانی کرنے والوں کی خوب خبر لیں گے۔"

"سر! رسک تو پھر لینا پڑتا ہے۔"

"نگرانی کے علاوہ کچھ سوچا ہے؟"

''سر...... ہمارے سارے مسائل کا حل تقریباً عاطف کی گرفتاری میں ہے اس لیے ہم نے توجہ بھی اسی طرف مبذول رکھی ہے۔''

''اسماعیل شاہ کا کیا کریں؟''

''جو آپ حکم دیں۔'' رندھیر نے رائے دینے سے احتراز برتا تھا۔

''اس کی تلاش بھی جاری رکھو، اب اس کا مسئلہ تو تقریباً حل ہو گیا ہے...... اگر اب بھی اس پہ فاضل خان کو مارنے کی دھن سوار ہے تو اسے سی آئی کے خلاف استعمال کریں گے، اس بہانے عاطف پر بھی قابو پالیں گے اور اسے بھی اپنے بس میں کر لیں گے۔''

رندھیر مستفسر ہوا۔'' کیا اس کے علاوہ ہم سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ نہیں کر سکتے؟''

''میں نے یہ کب کہا کہ ہم سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں؟'' روہیت کے لہجے میں حیرانی کا عنصر شامل تھا۔

''آپ کی باتوں سے مجھے تو یہی اندازہ ہوا ہے۔''

''غلط اندازہ ہوا ہے۔ میں نے کہا...... اسے سی آئی کے خلاف استعمال کریں گے اس سے یہ کب ظاہر ہوتا ہے کہ ہم سی آئی ہیڈ کوارٹر پہ حملہ کریں گے......؟''

''سوری سر...... میں نے سوچا......''

''رندھیر عقل استعمال کرو۔ سی آئی ہیڈ کوارٹر پر حملہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے پاس بندوں کی بھی کمی ہے اور ایسے ہتھیار بھی میسر نہیں جن کے بل بوتے پہ ہم ان کے ہیڈ کوارٹر پر ہلہ بول سکیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ جانتے ہیں، ہم ان کے ٹھکانے سے واقف ہو گئے ہیں...... بلیک لیکونڈز کے ساتھ مل کر حملہ کرنے میں ایک تو اعلیٰ کوالٹی کے ہتھیار میسر تھے دوسرا اس وقت سی آئی اتنی چوکنا نہیں تھی۔''

''تو پھر اسماعیل کا اس ضمن میں کیا مصرف ہو گا؟''

''جو تم سب کا ہو گا...... اسے بھی یہ یقین دلائیں گے کہ عاطف کی گرفتاری سے ہی وہ فاضل خان تک رسائی حاصل کر سکتا ہے؟۔''

''یعنی اب یہ دونوں کام...... عاطف کی نگرانی اور اسماعیل شاہ کی تلاش حسب معمول جاری رہیں گے؟''

''صحیح کہا...... اور اب بغیر وقت ضائع کیے کام شروع کر دو...... فاضل خان کے گھر کی خصوصی نگرانی کرانی ہے، وہ الو کا پٹھا اسی علاقے میں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' رندھیر نے کہا اور روہیت سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

''اب اٹھ بھی جاؤ نا؟'' اسماعیل کو اپنی ناک پہ گیلے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''کیا چارپائی پہ منہ دھلوانے کا ارادہ ہے۔'' اس نے سیدھے ہو کر تکیے سے ٹیک لگا لی۔

"صاحب جی ناشتا تیار ہے..... آپ ہاتھ منہ دھونے کا کشٹ کریں تو داسی ناشتا لگا دے۔"

"اگر میرے کان بج نہیں رہے تو میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے ناشتا تیار کیا ہے اور وہ بھی میرے لیے..... یعنی سیٹھ زادی حنا خان نے بقلم خود..... مطلب بنفس نفیس یہ کارنامہ انجام دیا ہے..... مطلب میں خواب نہیں دیکھ رہا.....۔"

"آپ اٹھ رہے ہیں یا اٹھاؤں ڈنڈا....." حنا نے آنکھیں نکالیں، اور اسماعیل کان دبائے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے لیے اسے کمرے سے باہر جانا پڑا تھا۔ اس کی واپسی تک حنا نے چارپائی کے اوپر ہی ناشتا چن دیا تھا۔

"یہ پراٹھا ہے.....؟" اسماعیل چھابے سے ایک تین کونا جلی ہوئی چیز اٹھا کر مستفسر ہوا۔ جس کی پراٹھے سے فقط اتنی مشابہت تھی کہ وہ بھی آٹے سے تیار ہوئی تھی اور اس پر گھی چپڑا گیا تھا۔

"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟" حنا نے برا مناتے ہوئے پوچھا۔

"گیلے آٹے سے بنی کوئی چیز ہے، جسے آگ پر ضرورت سے زیادہ سینک دیا گیا ہے..... بہرحال کچھ بھی ہو کم از کم پراٹھا تو نہیں لگ رہا.....۔"

وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔ "دو گھنٹے سے شروع ہوں اور تم میری محنت کا یہ صلہ دے رہے ہو، میرا بنایا ہوا پراٹھا تمھیں کوئی اور چیز لگ رہا ہے..... حالانکہ تم جانتے ہو میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کچھ پکایا ہے۔ اور وہ بھی تمھارے لیے۔"

"صلہ کی بچی..... پچھلے تین دن سے اپنے ہاتھوں سے بنا کر کھلا رہا ہوں۔ اور کیا تجربہ کرنے کے لیے میں ہی ملا تھا" اسماعیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "خود ہی کھا لیتا تھا۔"

"ٹھیک ہے نہ کھائیں۔" حنا نے تپتے ہوئے اس کے سامنے سے چھابہ اٹھانا چاہا مگر اسماعیل نے جلدی سے چھابہ اپنی جانب کھینچ لیا۔

"اب اتنی بھوک لگی ہے..... چلو کھا ہی لیتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں" حنا نے چھابہ چھیننا چاہا۔

"او کے..... او کے، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ یہ پراٹھا بہت اچھا ہے ضروری نہیں کہ شکل بری ہو تو ذائقہ بھی برا ہو۔ جیسے شکل اچھی ہونے سے کوئی اچھا نہیں ہو سکتا..... ویسے بھی پہلی مرتبہ بنایا ہے..... یقین مانو پہلی مرتبہ تو آٹا گوندنا مشکل ہوتا ہے۔" نوالا منہ میں رکھنے تک اس کی زبان بے رکے چلتی رہی۔ اور اس کی باتوں نے حنا کے شاکی چہرے کو گلنار کر دیا تھا۔ اسے تیسرا نوالا لیتے دیکھ کے وہ بولی۔

"مجھے بھی دو نا..... اکیلے ہی جت گئے۔"

"یہ کس کے لیے پکائے ہیں؟"

وہ بے ساختہ بولی۔ "تمھارے لیے....."

"تو بس مجھے کھانے دو...... یوں بھی تمھارے لیے میں خود ناشتا تیار کیا کرتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں...... میں نے یہی کھانا ہے...... مجھے سخت بھوک لگی ہے۔" حنا نے ہاتھ آگے بڑھایا، اسماعیل نے چھابہ پیچھے ہٹانے کی کوشش کی مگر حنا سرعت سے نوالا توڑنے میں کامیاب ہو گئی تھی...... پر یہ نوالا اسے کھانا نصیب نہ ہوا۔ تھوڑا سا چباتے ہی اس نے اگل دیا۔

"اف اتنا نمک......" اس نے چھابہ اسماعیل سے جھپٹ لیا۔ "تم پھر بھی مزے لے کر کھا رہے ہو؟"

"تم نے اتنی چاہت سے تیار کیا ہے تو......"

"تو کیا...... مجھے خوشی ہوتی ہے تمھارا کام کر کے...... یہ تو نہیں کہ تم زہر چبانا شروع کر دو۔"

"کسی اپنے کی خوشی کے لیے اگر تم اتنے کومل ہاتھوں کو آگ میں جھونک سکتی ہو تو کیا اسے یہ حق نہیں کہ تیری خوشی کے لیے تھوڑا نمک ہی برداشت کر لے۔"

"شاہ جی......" حنا کی آنکھوں میں نمی بھر گئی۔ "اتنی محبت نہ دو کہ سنبھالی نہ جا سکے۔"

"ہونہہ! میں اور محبت"

وہ وثوق سے بولی۔ "یہ جو تمھارا رویہ ہے نا...... اسی کو محبت کہتے ہیں۔"

اسماعیل آہستہ سے بولا......

لوگوں نے اسے میری محبت سمجھ لیا
محسن وہ مجھے جان سے پیارا تھا اور بس

"تو...... تم نے کیا طے کیا ہے؟" وہ اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ عجیب دھوپ چھاؤں کا منظر تھا اس کے چہرے پر، اسمٰعیل کے جانب سے چاہت کا اظہار اس کے چہرے کو گلنار کر دیتا تو بے رخی برتنے پہ وہ بجھ سی جاتی۔

"کس بارے؟"

"اپنی شادی کے بارے...... یہاں سے بھاگنے کے بارے...... سارے جہاں سے دور اپنی دنیا بسانے کے بارے؟"

"محبت صرف پانے کا نام نہیں...... اس میں کھونے کا مرحلہ بھی آتا ہے۔" اسماعیل کا لہجہ حد درجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کثرت سے استعمال ہونے والا یہ فرسودہ ترین فقرہ ہے...... جسے یک طرفہ محبت کرنے والوں نے اپنے دل کی تسلی کے لیے ایجاد کیا ہے...... ہمارے درمیان ایسی کوئی دیوار نہیں۔"

"تمھیں میری مجبوریوں کا پتا ہے۔"

"محبت قربانیاں مانگتی ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''میرا اتنا ظرف نہیں ہے۔'' اسماعیل اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا بولا۔

''میں جانتی ہوں تمہارا ظرف کتنا ہے......اور معاف کرنا......تمہارے ظرف ہی نے مجھے تمہارا گرویدہ کیا ہے......دشمن کی بیٹی کی عزت کی حفاظت کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔''

''میں نے اپنی محبت کی حفاظت کی ہے......اگر اتفاق سے وہ دشمن کی بھی عزت ہے تو اسے میں بدقسمتی ہی گردان سکتا ہوں۔''

''اتفاق سے میں تمہاری محبت بن گئی ہوں، ورنہ پاپا کی بیٹی تو برسوں سے ہوں۔''

''دیکھو حنا......! اس سے پہلے بھی ہم اس موضوع پہ کئی دفعہ بات کر چکے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا رہا! صفر......تو جب ہم جانتے ہیں یہ ایک لاحاصل موضوع ہے تو بار بار اسے کیوں چھیڑ دیتی ہو؟''

''آج طے کر لیتے ہیں، محبت کی فتح ہوتی ہے یا انتقام بازی لے جائے گا؟'' حنا فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

اسماعیل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''یہ طے ہو چکا ہوا ہے۔''

''نہیں......وہ صرف سرسری بات چیت تھی......تم بار بار اپنے اوپر ہونے والے ظلم اور اپنی قربانیوں کا ہی تذکرہ کرتے ہو، میری وفائیں زیر بحث نہیں لاتے۔ تمہارے والدین اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے، تم سے جدا کیے گئے اور میں مانتی ہوں یہ بہت بڑا ظلم تھا۔ بدلے میں میں بھی تو وعدہ کر رہی ہوں کہ ہمیشہ کے لیے اپنے والدین سے رابطہ توڑ دوں گی۔ ریحانہ بہن کے ساتھ زیادتی ہوئی تو اس کی جگہ تمھیں دشمن کی بیٹی بھی تو مل رہی ہے۔ گھر کی قیمت تم پہلے ہی وصول کر چکے ہو اور میری جدائی میں جو پاپا کو دکھ پہنچے گا وہ بونس ہے۔ اور اس کے بعد بھی..........

اگر تم یہ سمجھتے ہو تمہارا غم زیادہ ہے
تو اب کی بار آپس میں ہم اپنے غم بدلتے ہیں

''بہت عامیانہ تبصرہ کیا ہے بی بی......میری ماں نے میرے ہاتھوں میں تڑپ تڑپ کر جان دی......بہن کے ساتھ درندگی میری آنکھوں سامنے ہوئی، باپ نے بے وقت موت کا جام چکھا۔ اس کے بدلے تم صرف اپنے والدین کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلو گی اور حساب برابر ہو گیا۔ یہ حساب تب برابر ہوتا جب فاضل خان میرے ہاتھوں انجام کو پہنچتا، تیری امی کو میں قتل کرتا اور تیری عصمت دری کرتا......پھر ہم برابر تھے۔''

''امی جان آپ کی مجرم نہیں ہیں، پاپا قید میں ہیں، اور میں خوشی سے اپنا سب کچھ تمھیں سونپ رہی ہوں۔''

''یہ بحث مجھے ختم ہوتی نہیں لگتی......تو میرا خیال ہے، چائے پیتے ہیں۔'' حنا کا سر اپنی آغوش سے تکیے پہ منتقل کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔

''تم!...... بات کو بیچ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' حنا نے اس کی کلائی تھام لی۔

اسماعیل نے جھک کر اس کے ہاتھ کی پشت کو ہونٹوں سے چھوا اور اپنی کلائی آہستہ سے اس کی گرفت سے آزاد کراتا ہوا بولا۔

تیری شرطوں ہی پہ کرنا ہے اگر تجھ کو قبول

یہ سہولت تو مجھے سارا جہاں دیتا ہے

اور پھر کچن کی سمت بڑھ گیا۔

''شاہ جی اس کا کیا مطلب ہے؟'' اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔

وہ مختصراً بولا۔ ''وہی جو تم نے سمجھا ہے۔''

''یعنی......؟''

''بالکل......'' وہ قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ ''چائے پی کر میں تمھیں گھر ڈراپ کر دوں گا اور اس کے بعد ہماری ملاقات اس وقت ہو گی جب میں اپنے دشمن کو ختم کر چکا ہوں گا......اور پھر سب کچھ تیری مرضی پہ منحصر ہوگا۔ اگر خود ختم ہو گیا تو میری قسمت۔''

''رلانا خوب آتا ہے۔'' حنا کی خوبصورت آنکھیں چھلک پڑیں۔ اسماعیل خاموش رہا۔ اس کے پاس حنا کی تسلی کے لیے کوئی الفاظ موجود نہیں تھے۔

چائے تیار کر کے اس نے کپوں میں ڈالی اور حنا کی طرف کپ بڑھاتے ہوئے کچن میں چھائی خاموشی کو توڑا۔

''لو چائے پی لو۔''

وہ کپ تھامتے ہوئے بولی۔ ''میں نے گھر نہیں جانا......یہیں رہنا ہے تمھارے ساتھ۔''

''مگر میں نے یہاں نہیں رہنا۔''

''تو جہاں رہنا ہے......میں وہیں رہ لوں گی۔''

''ضد نہ کرو۔'' اسماعیل جھلا گیا۔

''شاہ جی پلیز۔'' اس کا التجائیہ لہجہ اسماعیل سے برداشت نہ ہوا اور وہ کچن سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئی تھی۔

''جواب تو دو نا؟'' وہ کہاں اس کی جان چھوڑنے والی تھی۔

اسماعیل نے اس کے دونوں بازو کندھوں کے قریب سے تھامے اور جھنجوڑتے ہوئے بولا۔

''تمھیں کہا ہے ناں مجبور نہ کرو......تمھیں سمجھ نہیں آ رہی......تم جو چاہتی ہو میرے بس میں نہیں ہے......نہیں ہے......نہیں ہے، میری

الجھنوں کو نہ بڑھاؤ...... عورت مرد کی پریشانیوں کو سلجھاتی ہے، تم بڑھا رہی ہو۔"

"میں کب بڑھا رہی ہوں؟ میں نے تو کہا ہے چلو تمھیں تمام پریشانیوں، سارے دھندوں اور ہر قسم کی الجھنوں سے دور لے جاؤں...... بس ایک میں اور ایک تم۔"

اسماعیل اسے چھوڑ کر چارپائی پہ بیٹھتا ہوا بولا۔"کپڑے بدلی کرلو تاکہ تمھیں گھر چھوڑ آؤں...... ایک جوان لڑکی کا اتنے دن گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہوتا۔" یہ اس بات کا اعلان تھا کہ وہ اس موضوع پہ مزید بات چیت نہیں کرنا چاہتا۔ حنا کو بھی پتا چل گیا کہ اس موضوع پہ مزید کچھ کہنا سننا بے کار ہے۔ اس نے سنا تھا کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس کی بات ٹھکرا نہیں سکتا مگر اسماعیل نے اس مقولے کو غلط کر دکھایا تھا یا شاید وہ اسے چاہتا ہی نہیں تھا۔

"اچھا کپڑے بدلی کرلو تاکہ چلیں؟"

"مجھے نئے کپڑے پہننے کا کوئی شوق نہیں۔"

"جانتا ہوں...... پر یہ کپڑے مجھے چاہییں جو تم نے پہنے ہوئے ہیں۔"

"کیوں؟"

"اس سے تجھے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہونہہ!...... کپڑوں والی کو دھتکار دیا اور اس کے استعمال شدہ کپڑے چاہییں نشانی کے طور پر۔ عجیب طرز عمل ہے۔" گو حنا کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی مگر اس کے باوجود وہ الماری کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے وہیں کپڑے بدلتے دیکھ کر اسماعیل نے اپنا رخ بدل لیا۔

"اے!...... کیسی لگ رہی ہوں؟" کپڑے بدل کر اس نے ماحول میں چھائی تلخی کو دور کرنا چاہا۔

"جیسے ہمیشہ لگتی ہو۔"

"ہمیشہ کیسی لگتی ہوں؟"

"جیسے آج لگ رہی ہو۔"

"یعنی بہت بری...... ہے نا۔"

"چلو تمھیں چھوڑ آؤں۔" اسماعیل ان لمحوں میں خود کو کافی کمزور محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اندر سے ٹوٹ چکا ہے اور اگر حنا مزید کچھ دیر وہیں رہی تو شاید وہ اسے رخصت نہ کر سکے۔

حنا بولی۔"میں چلی جاؤں گی۔"

"تیرا اکیلا جانا شاید صحیح نہ ہو۔"

''کچھ نہیں ہوتا.....البتہ میرے ہمراہ تمہیں کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔''

''اوکے۔'' اسماعیل بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ حنا ست قدموں چل کر اس کے نزدیک پہنچی چند لمحے حسرت بھری نگاہوں سے اسے تکنے کے بعد وہ آہستہ سے ''خدا حافظ'' کہتے ہوئے وہاں سے چل دی۔ اور اسماعیل عجیب نظروں سے اسے تکتا رہ گیا۔ اس کی زبان سے ''خدا حافظ'' بھی نہ نکل سکا، البتہ وہ اس کے پیچھے برآمدے میں آ گیا تھا۔ بیرونی دروازے پہ جا کے وہ پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ حنا کی حسرت ویاس بھری نگاہوں نے اسے حد درجہ رنجیدہ وملول کر دیا تھا۔

حنا اب بھی اس امید میں تھی کہ اسماعیل اسے روک لے گا مگر اس کی یہ امید بار آور نہیں ہو سکی۔ اسماعیل زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکا اور واپس کمرے میں گھس گیا۔ وہ خود کلامی کرتے ہوئے بولی۔

آتے آتے اسے کچھ دیر پلٹ کر دیکھا
میں جدائی کی ہر اک رسم نبھا کر آئی

وہ تین دن تک وہاں رہی تھی اور اس دوران اس نے پوری کوشش کی تھی کہ کسی طرح اسماعیل کو انتقام لینے سے باز رکھ سکے مگر اسماعیل نے نہ تو اس بارے اس کی کسی درخواست کو درخور اعتناء سمجھا تھا اور نہ اس کی کوئی التجا قبول کی تھی۔ اس موضوع پہ بات کرتے ہوئے وہ بالکل بیگانا ہو جاتا تھا۔

کوارٹر سے باہر آ کر اسے زیادہ دیر نہ چلنا پڑا، جلد ہی اسے خالی ٹیکسی مل گئی۔ ڈرائیور کو گھر کا ایڈریس بتا کر اس نے نشست سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

''ہیلو! فاضل خان بات کر رہا ہوں۔'' فاضل خان نے وہ مخصوص نمبر ڈائل کیا تھا جو اسے ہنگامی حالت میں رابطہ کرنے کے لیے بلیک لیکونڈز کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اس نمبر کا اس نے عاطف سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

''اوہ!.....سیٹھ فاضل! تیری اتنی جرأت......؟'' ایک سرد اور آواز اس کے کانوں میں گونجی، وہ کانپ کے رہ گیا تھا۔

''نہیں سر......میں نے جرأت کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ اپنی صفائی کے لیے فون کیا ہے۔''

''صفائی کے لیے کچھ باقی ہے کیا؟''

''ہاں......سب کچھ، آپ کو اصل بات کا علم ہی نہیں ہے۔''

''تیری وجہ سے ڈیوی۔ اور دوسرے قیمتی ممبران ہلاک ہوئے ہیں......''

''زیادتی ڈیوی صاحب کی طرف سے ہوئی ......میں بے قصور ہوں۔'' فاضل خان کے لہجے میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی۔

''کھل کر بات کرو؟''

جواباً وہ ساری تفصیل دہرانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔''ڈیوی صاحب نے میری زبان بند کرانے کے لیے میری بیٹی کو اغواء کرلیا..... کیا یہ مناسب تھا، میری خدمات کا یہ صلہ دیا اس نے۔ اس کے باوجود میں نے زبان نہ کھولی..... البتہ ڈیوی کی گرفتاری کے بعد میں نے کچھ ضمنی باتیں سی آئی کے ایک آفیسر کو بتادیں تھیں۔ باقی ڈیوی پارٹی کیسے گرفتار ہوئے میں اس بات سے لاعلم ہوں البتہ یہ مجھے پتا ہے کہ وہ سی آئی کی قید میں ہیں اور ان سے پوچھ گچھ ہورہی ہے۔''

حیرانی سے پوچھا گیا۔''کیا وہ زندہ ہیں۔''

''جی..... فی الحال تو زندہ ہیں۔''

''تم کیسے رہا ہوئے؟۔''

''ایک سی آئی آفیسر کو تیس کروڑ روپے دے کر میری خلاصی ہوسکی ہے۔''

''ہوش میں تو ہوناں؟''

''سر یہ سچ ہے..... میرے اکاونٹ سے تیس کروڑ کی رقم آج ہی اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوئی ہے۔ آپ چیک کرسکتے ہیں۔''

''بہر حال فاضل خان اب تیرا کیا مطالبہ ہے؟''

''اپنے عہدے پہ بحالی، اور جلد ہی میں پہلے سے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرکے دکھاؤں گا''

''وہ تیری نگرانی کرائیں گے۔''

''میں بے گناہ ثابت ہو کر رہا ہوا ہوں..... جسے میرے جرائم کا پتا ہے، اس کے منہ میں میں نے ہڈی ڈال دی ہے..... اس کے علاوہ میں نے اسے اپنی بیٹی کا رشتا دینے کی بھی لالچ دی ہے۔''

''جب اسے رقم دے دی تھی تو پھر یہ کیوں؟۔''

''اس طرح وہ اسماعیل کو ہلاک کرنے میں تھوڑی تیزی دکھائے گا......''

''خوب......'' تحسین آمیز لہجے میں کہہ کر پوچھا گیا۔''تو کب اپنی سرگرمیاں شروع کررہے ہو؟''

''جیسے آپ کا حکم ہو...... ویسے میرا ارادہ تو یہی ہے کہ چند دن انتظار کے بعد ہی اپنی سرگرمیاں شروع کروں۔''

''او کے وش یو گڈ لک۔'' کہہ کر رابطہ منقطع کردیا گیا اور فاضل خان نے مطمئن انداز میں صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں اس کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کمرے میں گول میز کے گرد بارہ افراد کرسیوں پہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔تمام نے سیاہ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے۔اور سب کے سینے پہ ایک نمبر لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کے منتظر ہیں اور پھر ان کا انتظار ایک نقاب پوش کی آمد پہ اختتام کو پہنچا۔سب نے کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی تھی۔کرسی سنبھالتے ہی اس نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کے بیٹھتے ہی گویا ہوا۔

''آپ لوگوں کو پتا چل گیا ہوگا کہ میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہے؟''

سب نے فقط اثبات میں سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

''بہرحال سوال یہ نہیں کہ یہ سب کچھ کیوں کر ہوا یا کیسے ہوا؟......سوال یہ ہے کہ آئندہ اس ہونے کو کیسے روکا جائے۔بات صرف پاکستان کی نہیں پوری مسلم برادری کی ہے۔کل کو کسی دوسرے ملک میں ایسی غلطی نہیں دہرائی جانی چاہیے۔اس موضوع پہ باقاعدہ بات چیت سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے حلقوں کی رپورٹ پیش کریں۔سب سے پہلے نمبر سکس!......کیونکہ آپ کے حلقے میں ہی گڑبڑ ہوئی ہے۔''

سکس نمبر کا بیج لگائے آدمی نے گلا کھنکھارتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا......

''آپ تمام صورت حال سے واقف ہیں،تازہ ترین صوت حال یہ ہے کہ فاضل خان رہا ہو کر آ گیا ہے اور اس سے گھنٹا بھر پہلے ہی بات ہوئی ہے......ہمارے درمیان ہونے والی بات چیت سماعت فرمائیں۔''یہ کہہ کر اس نے اپنے سامنے لگا ایک بٹن دبایا اور اس کی فاضل خان سے ہونے والی بات چیت کی ریکارڈنگ سنائی دینے لگی۔بات چیت کے خاتمے پہ وہ بولا اس ضمن میں میں آپ تمام کے مشورے کا منتظر ہوں۔''

کسی دوسرے کے بولنے سے پہلے ان کے سینئر نے آرڈر پاس کیا۔''سب سے پہلے تو ڈیوڈ اور اس کے ساتھیوں کی رہائی کی بات کرو......باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔''

نمبر سکس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے سامنے میز میں لگی دراز کھولی اور ایک کالے رنگ کا ٹیلی فون نکالا جس میں ریسیور لگا ہوا نہیں تھا۔اس نے مطلوبہ نمبر ڈائل کیا دوسری ہی گھنٹی پہ کال ریسیو کر لی گئی۔

''یس سر؟''بولنے والے کے لہجے میں شامل احترام پہ خوف کا عنصر غالب تھا۔

''کراچی کے سی آئی والوں کے پاس ڈیوڈ نامی آدمی اور اس کے چند ساتھی قید ہیں انھیں فی الفور رہا کراؤ۔''

جھجکتے ہوئے پوچھا گیا۔''سی آئی سر......؟''

''میرا خیال ہے میں نے یہی کہا ہے۔''

''ٹھ......ٹھیک ہے سر...... پر تھوڑا ٹائم لگ سکتا ہے۔''

''تمھارے پاس ٹائم کیا ہو رہا ہے؟'' نمبر سکس نخوت سے مستفسر ہوا۔

''دن کے بارہ بجنے کو ہیں۔''

''شام کی فلائیٹ میں کسی بھی یورپی ملک کے جانب ان کی سیٹیں کنفرم ہونی چاہییں......''

''یس......سر......سی آئی کے پاس پھنسے آدمی کو چھڑانے میں تھوڑا ٹائم تو لگے گا نا؟''

''تمھارے عہدے پہ نامزد ہونے والے دوسرے آدمی کو شاید یہ مشکل پیش نہ آئے۔'' نمبر سکس نے واضح دھمکی دی تھی۔

''یس......یس......سر میں نے انکار تو نہیں کیا ہے۔''

''پتا ہے تم کس عہدے پہ ہو؟......اور اس عہدے پہ تمھیں کس نے بٹھایا ہے؟''

''مم......کوشش کرتا ہوں سر کہ......''

''کوشش......کا لفظ میرے سامنے دوبارہ ادا نہ کرنا۔''

''ٹھٹھ......ٹھیک ہے سر......ہو جائے گا۔'' اور اس مرتبہ نمبر سکس نے بغیر کچھ کہے رابطہ منقطع کر دیا۔ سینئر نے سر ہلا کر اس کی گفتگو کو سراہا اور کہا۔

''اب کسی نے کچھ کہنا ہے تو اجازت ہے۔''

نمبر دو بولا۔'' فاضل خان واقعی بے گناہ ہے لیکن یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی کہ سی آئی نے اتنی آسانی سے اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر تین کروڑ کی خطیر رقم بھی اس بے احتیاطی سے اپنے اکاونٹ میں منتقل کرانا۔ کچھ ڈراما سا لگتا ہے۔''

نمبر پانچ بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ اسے رہا کرنا بطور چارے کے ہے۔ یوں بھی ڈیوڈ پارٹی ان کے ہتھے چڑھ گئے ہیں جن کے پاس فاضل خان سے کہیں زیادہ معلومات ہیں بلیک لیکونڈ کے بارے میں۔''

''مطلب فاضل خان کا کانٹا صاف کر دیا جائے۔'' نمبر چھ نے کسی اور کو بولتے نہ دیکھ کر تجویز پیش کی۔

نمبر ون نے کہا۔'' فائدہ؟''

سکس نے جواب دیا۔'' تاکہ سی آئی کی تجویز ناکام ہو جائے۔''

نمبر ون ہنسا۔'' ناکام کہ کامیاب......انھوں نے فاضل خان کو یوں بھی ہلاک کرنا تھا......اب وہ کام بلیک لیکونڈ کر دے گی تو انھیں کیا فرق پڑے گا۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے......؟ اگر چھوڑ دیتے ہیں تب بھی تو سی آئی کو ہی فائدہ ہے۔'' نمبر سکس کے ساتھ باقی بھی نمبرون کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

نمبرون نے کہا۔''اگر دشمن کی چال سمجھ میں آ جائے اور اس کا توڑ نہ ہو سکتا ہو......تب بھی نقصان سے بچنا ممکن ہو جاتا ہے۔''

نمبر سکس نے پوچھا۔''اگر وضاحت ہو جاتی؟''

''اب ہم نے یوں بھی پاکستان میں موجود سیٹ اپ کو بدلی کرنا ہے......فاضل خان کے قریب اپنے کسی ایجنٹ کو نہ جانے دیں ......نہ ہی اس کو نئے سیٹ اپ کی ہوا لگنے دی جائے۔اسے براہ راست فون پہ احکامات جاری کرو......کام مکمل کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے اسے حسب معمول معاوضہ ادا کرتے رہو،ہمیں کام سے مقصد ہونا چاہیے......اس طرح اگر سی آئی اس کو ہلاک کر دیتی ہے تو ہماری بلا سے کرتی رہے۔اور بالفرض وہ کوئی کام نہیں کرتا تو کسی قسم کا معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں اسے اپنے حال پہ چھوڑ دیں......یہ بات تو یوں بھی ہمیں تسلیم ہے کہ اس نے ہمیں جان بوجھ کے دھوکہ نہیں دیا......اب اگر غلطی سے وہ نظروں میں آ گیا ہے اور اس کی وجہ سے اپنا کوئی نقصان بھی نہیں ہو رہا تو پھرنے دو؟''

نمبر سکس جلدی سے بولا۔''نقصان تو ہے نا؟......اس کے پاس ہمارے کئی راز ہیں۔''

''اس سے کئی گنا زیادہ راز سی آئی، ڈیوڈ پارٹی سے اگلوا چکی ہو گی،اس لیے فی الحال وہ ہمارے لیے کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں بن سکتا۔باقی اپنا سیٹ اپ ہمیں یوں بھی بدلی کرنا پڑے گا۔''

''کیا آپ تمام!......نمبرون سے اتفاق کرتے ہیں؟'' نمبر سکس نے حاضرین محفل سے استفسار کیا۔اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ سینئر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔''سر آپ کی طرف سے کوئی حکم؟''

''نہیں......نمبرون نے مناسب مشورہ دیا ہے۔اب یہ بتاؤ ڈیوڈ کا کیا کرنا ہے وہ تیرا اہم آدمی ہے لیکن دوبارہ پاکستان کے اندر اسے استعمال کرنا شاید ممکن نہ رہے۔''

نمبر سکس کے کچھ کہنے سے پہلے نمبر فائیو بولا''سر اگر ڈیوڈ مجھے دے دیا جائے تو اس کے بدلے میں لارا نمبر سکس کے حوالے کر سکتا ہوں۔اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح ڈیوڈ سے کم نہیں ہے۔''

نمبر سکس نے جلدی سے کہا۔''وہ اردو نہیں جانتی۔''

نمبر فائیو بولا ''تو کیا ہوا......پاکستان میں انگلش اچھی طرح سمجھی جاتی ہے......اور میں بھی اسے ایران سے فقط اسی لیے بلا رہا ہوں کہ مجھے اندیشہ ہے وہ نظروں میں آ گئی ہے ورنہ ڈیوڈ سے وہ دو ہاتھ آگے ہی ہے۔''

نمبر سکس نے مسکراتے ہوئے کہا۔''چلو ٹھیک ہے۔''

او کے نمبر ون!......اپنے حلقے کی رپورٹ پیش کرو۔" اور سینئر کے کہنے پر نمبر ون اپنے حلقے کی تازہ صورت حال بیان کرنے لگا۔

☆......☆......☆

"اسلام علیکم سر! کھانا تیار ہے......" باورچی نے سلام کہہ کر عاطف کو کھانا تیار ہونے کی نوید سنائی۔

"کیا بات ہے یار......" عاطف نے سامنے رکھی فائل بند کرتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "آج تو ایک بجے ہی خوشخبری مل گئی ہے۔"

"سر آپ روزانہ گلہ کرتے ہیں۔ مگر آپ میری مصروفیت سے بھی خوب واقف ہیں؟"

عاطف نے مسکرا کر کہا۔ "بس فیروز بھائی ہمارے کام پہ ہی آپ کی مصروفیت بڑھ جاتی ہے۔"

اس نے گلہ کیا۔ "اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں، تو آپ کی مرضی سر......؟"

"مذاق کر رہا تھا یار......" اسے خفا ہوتے دیکھ کر عاطف جلدی سے بولا۔ "بہر حال آپ کھانا لگائیں اگلے پانچ منٹ میں میں آپ کے پاس ہوں گا۔"

"مہربانی سر" کہہ کر باورچی واپسی کے لیے مڑا۔ عاطف بھی میز پہ پھیلے کاغذات سمیٹنے لگا۔ صبح کا ناشتا عموماً اس سے رہ جاتا تھا اس لیے جلد ہی وہ بھوک محسوس کرنے لگتا تھا۔ روزانہ باورچی سے اس کی اسی موضوع پہ چھیڑ خانی جاری رہتی تھی لیکن دو اڑھائی بجے سے پہلے اسے دوپہر کا کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔

وہ بمشکل کاغذات سمیٹ پایا تھا کہ میز پہ پڑے فون کی گھنٹی بجی۔ ایک لمحے کے لیے تو اس نے کال کو نظر انداز کرنا چاہا مگر پھر رسیور اٹھا لیا۔

"عاطف میاں!......فوراً میرے پاس پہنچو۔ بدر صاحب نے فی الفور بلایا ہے۔" اسے صدیقی صاحب کی بے چین آواز سنائی دی۔

"سر اگر کھانے کے دو نوالے، لے لوں تو......"

"میاں ٹائم بالکل نہیں ہے، کھانا میرے ساتھ کھا لینا، لیکن بدر صاحب سے ملنے کے بعد۔"

"چلو میں آ گیا۔" کہہ کر وہ رسیور رکھ کر باہر آ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں بدر صاحب کے آفس میں موجود تھے۔

"بیٹھو۔" ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بدرالدین صاحب نے کہا۔

"تھینکس سر۔" وہ بیٹھ گئے۔

"فاضل خان کو چھوڑنے کا مشورہ کس کا تھا؟"

"سر مشورہ تو عاطف کا تھا، لیکن میں نے اجازت دی تھی۔" بدرالدین صاحب کا سنجیدہ لہجہ سن کر صدیقی صاحب آہستہ سے بولا۔

''صدیقی صاحب!.....سینئر ہونے کے ناطے میرا حق بنتا ہے کہ اتنا اہم فیصلہ میرے علم میں لایا جائے۔''

''سر میں نے تفصیلی رپورٹ آپ کے پاس بھجوا تو دی تھی؟''

''ہاں.....لیکن فاضل خان کو رہا کرنے کے بعد۔اب میں کیا کہتا،اسے دوبارہ گرفتار کرلو؟''

''سوری سر اگر آپ کو ہمارا فیصلہ غلط لگا.....لیکن ہم نے نیک نیتی سے ہی یہ کام کیا تھا''۔صدیقی صاحب ہونٹ بھینچتے ہوئے بولا ۔اسے بدر صاحب کی بات ناگوار گزری تھی۔عاطف کو بھی ایک ناپسندیدہ احساس نے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''اور مسٹر عاطف!.....آپ کی عقلمندی کہاں چلی گئی تھی۔''اس مرتبہ بدر صاحب کا مخاطب عاطف تھا۔

عاطف نڈر لہجے میں بولا۔''سر میں اب بھی اپنے موقف پہ قائم ہوں.....میں نے ایسا کسی ذاتی مفاد کے تحت نہیں کیا''۔

''اگر مجھے آپ لوگوں کی نیک نیتی پہ شبہ ہوتا تو آپ لوگ اس وقت میرے آفس میں نہ ہوتے۔''

''سر!.....میرا نہیں خیال کہ یہ اتنی بڑی غلطی ہے جو نظر انداز نہ کی جاسکے؟''

''عاطف صاحب!.....میری سروس بھی آپ کی عمر سے چند ماہ زیادہ ہوگی.....اور اگر آپ دونوں فاضل خان کو چھوڑنے سے پہلے مجھ سے اجازت لیتے تو میں آپ کو بتاتا کہ اس میں کیا قباحتیں ہیں۔آپ دونوں جس وطن کے محافظ ہیں بدقسمتی سے قائداعظم کی وفات کے بعد اسے کوئی مخلص رہنما نہ مل سکا اور ہمارے سربراہ جس طرح کے ہیں ان سے آپ لوگ خوب واقف ہیں۔''

''سر!.....گستاخی معاف ہم ابھی تک اپنی غلطی کے مضمرات نہیں جان پائے؟''بدر صاحب کا گمبھیر لہجہ عاطف کو یہ احساس دلانے کے لیے کافی تھا کہ صورت حال کافی خراب تھی۔اس لیے استفسار کرتے وقت اس کے لہجے میں چھپے اندیشے واضح تھے۔

''تو سنو.....شام کی فلائیٹ سے ڈیوڈ اور اس کے دونوں ساتھی انگلینڈ کے لیے فلائی کرنے والے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''عاطف بوکھلا گیا تھا۔

''یہ حکم ملا ہے مسٹر عاطف.....اب ہم انھیں ہاتھ بھی لگائیں گے تو ہماری نوکریاں تو خیر جائیں گی ہی جیل بھی شاید بھگتنی پڑے؟''

''مم.....مگر سر.....؟''

''دیکھو عاطف.....اگر تم فاضل خان کو رہا نہ کرتے تو بلیک لیکوئڈ ڈیوڈ پارٹی کے زندہ رہنے سے لاعلم رہتے اور ہم آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ وہ مقابلے میں پار ہوگئے ہیں.....''

عاطف جلدی سے بولا۔''سر یہ اب بھی کہا جاسکتا ہے۔''

''نہیں.....''بدر صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''اب نہیں کہہ سکتے کیونکہ مجھ سے اس کی زندگی کا اعتراف کرایا جاچکا ہے۔اور اگر بالفرض میں اپنے سینئرز کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوجاتا ہوں تب بھی ڈیوڈ پارٹی کی لاشوں سے ان کی موت کے

وقت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ اور یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ ان کی لاشوں کا مطالبہ اس مقصد کے لیے ضرور کیا جائے گا۔ اگر ہم لاشوں کے ضائع ہونے کا بتاتے ہیں تو ان کے پاس ایک گواہ موجود ہے جس کا نام فاضل خان ہے اور فاضل خان کو قتل کرنے کا مطلب ہے ان کا مطالبہ ماننے سے واضح انکار؟"

"سر...... ہم اتنے بے بس ہیں بلیک لیکوئڈ کے سامنے؟" عاطف اپنی آواز کی لرزش پہ قابو پانے میں ناکام رہا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے غصہ دکھانے والے بدرالدین صاحب کے چہرے پہ دکھ کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ صدیقی صاحب کو بھی حالات کی سنگینی کا احساس ہوگیا تھا اور یہ بات بھی اسے پتا چل گئی تھی کہ اتنا نرم کمانڈر کیوں اتنی چھوٹی سی بات پہ لال پیلا ہو رہا تھا۔ آفس میں گہری خاموشی چھا گئی، اور پھر اس خاموشی کو بدر صاحب نے ہی توڑا۔

"جس جگہ سے انھیں رہا کرنے کا حکم ملا ہے اسے ہم چیلنج نہیں کرسکتے...... اور یاد رکھنا وطن عزیز میں مسند اقتدار صرف اسی کے قبضے میں آسکتی ہے جو اپنے آقاؤں کا ہر جائز، ناجائز حکم ماننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور یہ تو آپ خوب جانتے ہوں گے کہ ہمارے آقا کون ہیں؟"

"سر! اس کے خلاف ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔"

"مثلاً؟"

"ان کے پاس اسلحہ موجود تھا"

"اس کا اجازت نامہ ان کے پاس موجود ہوگا۔ نہیں ہوگا تو ان کا سفارت خانہ چند لمحوں میں تیار کرلے گا۔"

"ان کی کوٹھی میں وافر مقدار میں بارود اور دہشت گردی کے دوسرے آلات موجود تھے۔"

"وہ کہیں گے یہ ہم نے انھیں پھانسنے کے لیے رکھے تھے...... کیا دلیل پیش کریں گے ہم؟"

"ان کے بیان ریکارڈ ہیں۔"

"بیان وہ تسلیم کیا جاتا ہے جو عدالت کے سامنے دیا جائے...... وہ آسانی سے کہہ دیں گے کہ یہ بیان ہم نے تشدد سے بچنے کے لیے دیے تھے...... مسٹر عاطف ہم بے بس ہیں۔ اور غالباً اب تجھے میرے غم و غصہ کی وجہ سمجھ آ گئی ہوگی؟"

عاطف اضطراب کی حالت میں ہاتھ مروڑنے لگا۔

صدیقی صاحب نے پوچھا۔"سر اس کا کوئی حل تو ہوگا؟"

"ہاں...... انھیں آرام سے رہا کردو۔"

"اس کے علاوہ کوئی؟"

"کوئی نہیں...... میں مجبور ہوں اور آپ دونوں سے زیادہ مجھے اس کا دکھ ہے۔"

عاطف اور صدیقی خاموش ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد عاطف بولا۔

''سر میں انھیں رہا نہیں کر سکتا...... آپ بے شک مجھے نوکری سے نکال دیں، میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں، لیکن انھیں اپنے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''ہوش میں تو ہو؟'' بدر صاحب کے لہجے میں غصے کا شائبہ تک موجود نہیں تھا۔

''سر!...... یہ حقیقت ہے، ان دونوں کی وجہ سے میری کتنی بہنیں بیوہ ہوئیں کتنے بھائی شہید ہوئے، کتنے بزرگ ہم سے بچھڑے، وطن عزیز کو کتنا نقصان پہنچا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ میں انھیں نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تم ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والے......'' بدر صاحب اپنی سیٹ چھوڑ کر عاطف کی سمت بڑھا اور اسے کندھوں سے پکڑتا ہوا بولا۔

''جوان...... میں بے بس و مجبور ہوں۔ مجھے تمھارے جذباتی پن کا اندازہ پہلے سے تھا لیکن میں یہ کام تمھاری لاعلمی میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گو اس وقت بات ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے مگر مجھے امید ہے کہ جلد ہی اس کے کوئی اور ساتھی پکڑے جائیں گے پھر تم اپنی من مانی کر لینا۔''

''سر!...... طویلے کی بلا بندر کے سر؟''

''صدیقی صاحب! اسے لے جاؤ اور سمجھاؤ۔'' بدر صاحب بے بسی سے بولا۔ وہ عاطف سے بہت سینئر تھا لیکن جانتا تھا کہ اصولی طور پر وہ خود غلطی پہ تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ خود کو بھی ذہنی طور پر ڈیوڈ پارٹی کو چھوڑنے پہ آمادہ نہیں کر پا رہا تھا مجبوراً اسے صدیقی صاحب کا سہارا لینا۔ یوں بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ صدیقی صاحب کی بات ٹالنا عاطف کے لیے مشکل تھا۔

''انھیں کس ٹائم رہا کرنا ہے سر؟'' صدیقی صاحب مستفسر ہوا۔

''شام آٹھ بجے ان کی فلائیٹ ہے...... باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔''

''اوکے سر'' کہہ کر صدیقی صاحب نے عاطف سے کہا۔ ''چلو میاں۔''

''سر ایسے کیسے............؟'' عاطف نے احتجاج کرنا چاہا۔

''بس خاموش رہو۔'' صدیقی صاحب اسے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لے گیا جبکہ بدر صاحب دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے کرسی پہ ڈھے سا گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک خوشگوار حیرت حنا کی منتظر تھی...... اپنے باپ کو ڈرائنگ روم میں امی سے باتیں کرتے دیکھ کر وہ خوشی و حیرت سے اچھل پڑی تھی۔

''پاپا آپ......؟''

"پاپا کی جان....." فاضل خان والہانہ انداز میں بیٹی کی طرف بڑھا اور اسے بازوؤں میں بھر لیا۔اس کی بیوی رخشندہ بھی دونوں باپ بیٹی کے قریب آ گئی تھی۔

"پاپا.....انھوں نے آپ کو چھوڑ دیا؟"

"میں نے اپنی گڑیا کو کہا تو تھا کہ اس کے پاپا کو زیادہ دیر سلاخوں کے پیچھے نہیں رکھا جا سکتا۔"

"شکر ہے پاپا آپ آ گئے، ورنہ یقین مانو میں اتنی پریشان تھی کہ بتا نہیں سکتی۔"

"تم کہاں رہی ہو اتنے دن؟۔"

"ایک جگہ پہ چھپی ہوئی تھی پاپا۔" وہ باپ سے الگ ہو کر ماں سے لپٹ گئی۔

"کہاں؟"

"پاپا سن کر شاید آپ کو اچھا نہ لگے۔" حنا کو جھوٹ بولنا مناسب نہ لگا تھا۔

"بیگم.....آپ ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل چلی جائیں میں نے گڑیا سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"بعد میں چلی جائیں گی نا پاپا.....۔" حنا کو اکیلے باپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"نہیں بیٹا.....ڈاکٹر سے اپوائنٹمنٹ لیا ہوا ہے.....اور ویسے بھی باپ بیٹی کی باتوں میں میرا کیا کام؟" فاضل خان کے کچھ کہنے سے پہلے اس کی ماں بولی اور حنا خاموش ہو رہی۔

"بیٹھو گڑیا۔" بیوی کے جاتے ہی فاضل خان نے کہا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔باپ کے چہرے پہ چھائے تاثرات اس بات کا مظہر تھے کہ وہ کوئی اہم بات کرنے جا رہا تھا۔چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"اب بتاؤ..... یہ تین دن کہاں اور کس کے ساتھ گزارے؟"

"پاپا.....آپ.....آپ نہیں جانتے اس نے آپ کی بیٹی کی جان اور عزت کی حفاظت کی ہے۔ان کتوں نے مجھے بے لباس کیا تھا اور اس نے میرے بے لباس جسم کو ڈھانپا ہے..... پاپا مجھے اس حالت میں دیکھ کر بھی اس کی نظریں کسی آوارگی کی مرتکب نہیں ہوئیں..... پاپا وہ بہت .....۔" اس سے آگے حنا کی زبان رک گئی اور اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

"دیکھو بیٹی!.....میں تمھارا باپ ہوں.....اور میں نے تمھیں اسی لیے تعلیم دلائی ہے کہ تمھارے دماغ کو اس مطلبی دنیا کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا سکوں.....اب جو باتیں میں کرنے جا رہا ہوں انھیں غور سے سننا.....گو باپ اور بیٹی کے دوران ایسی گفتگو نامناسب لگتی ہے اور اس قسم کی نازیبا باتیں کوئی باپ اپنی بیٹی سے نہیں کر سکتا،مگر میں خاموش رہا تو جو نقصان ہوگا اس کا ازالہ شاید ممکن نہ رہے،اس وجہ سے مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے..... پاپا کی جان تم بہت بھولی ہو.....یاد رکھنا اس ظالم دنیا کے دو چہرے ہیں۔ایک ظاہری اور بناوٹی چہرہ ہے جسے ہر کوئی دیکھ سکتا

ہے۔ دوسرا اصل چہرہ جسے کوئی جہاندیدہ شخص ہی پرکھ سکتا ہے۔ تمہارے جیسی سادہ لوح اور بھولی بھالی لڑکی عموی طور پر لوگوں کی ظاہری اور بناوٹی باتوں سے دھوکا کھا جاتی ہیں اور جب تک بات ان کی سمجھ میں آتی ہے اس وقت تک پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔'' فاضل خان نے ایک لمحے کے لیے رک کر حنا کا جھکا ہوا سر دیکھا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم اسماعیل شاہ سے ہمدردی رکھتی ہو......اور اس کی وجہ بھی جانتا ہوں پر گڑیا تو نے کس طرح ایک اجنبی شخص کی باتوں پہ اعتبار کرتے ہوئے اپنے باپ کو اتنا گھناؤنا سمجھ لیا...... مانتا ہوں مجھ سے جرم سرزد ہوئے ہوں گے اور میری شہرت بھی ایک گینگ کے سربراہ کی سی ہے مگر میرے جرائم میں کسی لڑکی کی عصمت دری شامل نہیں ہے۔ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں، کیا میں بیٹی والا نہیں......؟......اگر مجھے عورتوں کا شوق ہوتا تو ایک چھوڑ چار چار شادیاں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی مجھے عورتوں کی کمی نہیں ہو سکتی تھی۔ دولت پاس ہو تو کیا چیز نہیں ملتی......مگر اس بات کی تم بھی گواہی دو گی کہ تیری ماں کے علاوہ میں نے کسی عورت سے تعلقات نہیں رکھے۔ اگر یوں ہوتا تو ان تعلقات کی کم از کم اڑتی اڑتی شہرت ضرور میرے گھر تک پہنچتی۔ تمہاری ماں کو مجھ سے ہزار شکایتیں ہوں مگر وہ کسی عورت کے سلسلے میں مجھے مطعون نہیں کر سکتی۔ باقی میں ایک دفعہ پہلے بھی اپنی صفائی پیش کر چکا ہوں مگر اس وقت میں نے مجمل بات کی تھی۔ آج تفصیل سن لو......! اسماعیل شاہ کے ساتھ میری دشمنی کی وجہ اس کا گھر بنی...... مانتا ہوں میں نے اس کے گھر کی قیمت کم لگائی اس کی ماں بھی غلطی سے شیر خان کے ہاتھوں قتل ہوئی مگر اس میں غلطی اس کی ماں کی تھی۔ وہ اسماعیل شاہ کا پوچھنے گیا اور اس بڑھیا نے اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی جواباً اس کا بھی ہاتھ اٹھ گیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس کا باپ دل کا مریض تھا اور اتفاقی طور پہ اسے ہارٹ اٹیک ہوا جو اسماعیل شاہ نے میرے کھاتے میں ڈال دیا۔ اسی طرح اس کی بہن کے بارے متضاد کہانیاں پھیلی ہیں...... یہ بھی سنا ہے کہ اس کا کردار ٹھیک نہیں تھا اور یہ بھی کہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ پولیس تھانیدار اور اس کے سپاہیوں نے کیا۔ اسماعیل شاہ کو اپنی ماں کے قتل کے الزام میں بھی اسی انسپکٹر نے گرفتار کیا تھا۔ اور اس کا مقصد اس سے پیسے بٹورنا تھا...... اب مجھے تم بتاؤ کہ...... کس گواہی کے بل بوتے پہ تم مجھے مجرم سمجھ رہی ہو......؟ اسماعیل شاہ کے کہنے پر......؟......اگر یوں ہے تو اس کی سچائی کی دلیل کیا ہے......یہی نا! کہ وہ کہتا ہے وہ حق پہ ہے۔ لیکن پاپا کی جان، یہ بھی تو سوچو وہ میرا دشمن ہے۔ وہ ہر قسم کے رکیک الزام مجھ پہ لگا سکتا ہے......تم اس بارے مجھ سے تو پوچھو......اگر اسے سچا سمجھتی ہو تو کس دلیل کی بنا پر ایسا سمجھتی ہو، اور مجھے کس دلیل کی بنا پہ جھوٹا گردانتی ہو......۔''

''پاپا......ہم...... میں نے کب ایسا سمجھا ہے......یا آپ سے صفائی چاہی ہے......میں تو......''

''گڑیا......میں تمہارا باپ ہوں......کیا میں تمہارے بدلے رویے سے ناواقف ہوں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں پاپا......''

''دیکھو پاپا کی جان......میں نے پہلے بتا دیا کہ آج کھل کر بات کریں گے......باپ بیٹی کے درمیان اس موضوع پہ بات کرنا نہایت معیوب سہی لیکن اس سے زیادہ ایک بیٹی کا باپ کے کردار پہ شک کرنا گھناؤنا ہے......۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''پاپا میں نے کب شک کیا ہے؟'' وہ روہانسی ہونے لگی۔

''اچھا..... یہ بتاؤ تم میرے دشمن میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہی ہو؟..... تمہارے نزدیک وہ جھوٹا ہے تو اس سے ہمدردی کیسی اور اگر سچا ہے تو میں بے گناہ کیسے ثابت ہوتا ہوں؟''

''پاپا.....'' اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ اپنے ہاتھ مروڑنے لگی۔

''دیکھو بیٹی..... میری بات یاد رکھنا دشمن کا دوست ہمیشہ دشمن ہوتا ہے اور تم تو میری بیٹی ہو..... اور اسماعیل شاہ، میرا جانی دشمن ..... تمہارا دوست کیسے ہوسکتا ہے؟..... وہ ایک سازش کے تحت تمہارے قریب آیا ہے..... تمہیں اغواء کرنا اور پھر بغیر کچھ کہے چھوڑ دینا ایک ڈراما تھا..... اب تک میں نے ایک بات تم سے چھپائی ہے، بلکہ چھپائی کیا..... وہ بات تھی ہی اتنی غیر مہذب کہ میں تمہیں بتا نہ سکا، لیکن آج مجبوراً بتانی پڑ رہی ہے۔''

فاضل خان نے ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر سسپنس پیدا کیا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''حوالات کے اندر اسماعیل شاہ نے تھانیدار پہ ہاتھ اٹھایا تھا جواباً تھانیدار حاکم خان نے اس سے بڑا بھیانک انتقام لیا..... اسے..... اسے کسی عورت کے قابل نہیں رہنے دیا'' فاضل خان جھجکتے ہوئے اپنا فقرہ پورا کیا اور حنا کے سر پہ گویا بم پھٹ پڑا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے والد کو دیکھنے لگی۔

فاضل خان نے گفتگو میں وقفہ نہ آنے دیا۔ ''اپنی اس محرومی کو اس نے میرے خلاف انتقام کا ذریعہ بنا لیا..... تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ اس نے شراب کے نشے میں چور ہو کر بھی تیری عصمت کو داغدار نہیں کیا..... حالانکہ تم اس کے دشمن کی بیٹی تھیں..... تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اب تم اتنے دن اس کے پاس رہی ہو کیا اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی.....؟'' یہ سوال کرتے وقت فاضل خان کے دل میں یہ خدشہ بہرحال موجود تھا کہ صورت حال اس کے برعکس بھی ہوسکتی تھی مگر حنا کی آنکھوں کے تاثرات سے اسے محسوس ہوا کہ اس کا تیر نشانے پہ بیٹھا ہے۔ اس سے پہلے بھی حنا کے انداز اور حرکات نے اسے کلی طور پہ یہ باور کرایا تھا کہ وہ شدت سے اسماعیل شاہ کی محبت میں گرفتار ہے اور یہی شک اسے اسماعیل پہ بھی تھا۔ حنا کی پرورش جس طرح ہوئی تھی اسے یقین تھا کہ وہ کسی بے حیائی کی مرتکب نہیں ہوسکتی تھی اور اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔

''بالکل ہی نہیں پاپا مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ..... کہ.....'' وہ بات مکمل نہ کرسکی۔

''گڑیا تم اب بچی نہیں ہو..... ذرا سوچو ایک جوان مرد اس لڑکی کو جو لاکھوں نہیں کروڑوں میں ایک ہو بے لباس دیکھ کر بھی کچھ نہیں کہتا..... اس طرح کا کام شاید جنید بغدادیؒ جیسا کوئی آدمی تو کرلے آج کے بے حیا دور میں یہ ممکن نہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ دعوا کرتا ہے کہ تیرے باپ نے اس کی بہن کو داغدار کیا..... گڑیا یہ حقیقت تجھے ماننی پڑے گی کہ اپنی نامردی کو اس نے میرے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے..... میری بیٹی کو میرے خلاف ابھارا ہے..... اس کا مقصد تیرے دل میں اپنی محبت پیدا کرکے مجھ سے

برگشتہ کرنے کا ہے، وہ بہت بھیانک انتقام لینا چاہتا ہے مجھ سے..... کیونکہ وہ جانتا ہے میں اپنی گڑیا کے بغیر نہیں رہ سکتا......"

"پاپا..... جس وقت اس نے مجھے بے لباس کیا تھا تو اس دن تو آپ........."

"ہاں گڑیا تم صحیح کہہ رہی ہو اس دن میں پریشان تھا..... لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دن تک مجھے یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی..... اسی طرح جب تمھیں گولی لگی تھی اس وقت بھی میں اس بات سے لاعلم تھا..... یہ بات تو مرنے سے ایک دن پہلے مجھے انسپکٹر حاکم نے بتائی..... اسے جب میں یہ کہانی سنائی اور ساتھ اسماعیل کی تعریف بھی کی کہ..... جیسا بھی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس نے میری بیٹی کو کچھ نہ کہہ کر بڑے ظرف کا ثبوت دیا ہے۔ تو انسپکٹر حاکم نے قہقہہ لگا کے بتایا کہ۔ اس نے اسماعیل شاہ کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ میری بیٹی کو کچھ کہہ سکے۔ اور اس کے ساتھ وہ وقت بھی یاد کرو جب تم پہلی مرتبہ اسے ہوٹل میں ملنے گئیں تھیں۔ ایک آبرو باختہ عورت کے ساتھ وہ تمھیں کس حالت میں نظر آیا تھا..... اس سے چند گز دور چارپائی پہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ لڑکی صوفے پہ بیٹھ کے اکیلے شراب نوشی کر رہی تھی ..... گڑیا سوچو اس طرح کون کرتا ہے۔ میں نے اس لڑکی سے سارا انٹرویو لیا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق اسماعیل نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ اس کا مقصد تو بس تجھے اپنی مردانگی کا ثبوت گھٹیا طریقے سے دینا تھا۔ اور اسی وجہ سے جب دوبارہ عاطف نے اسے پھنسانے کے لیے تمھیں چارہ بنایا تھا تو میں نے صرف تمھاری جان جانے کے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ اگر مجھے اس کے بارے یہ بات معلوم نہ ہوتی تو میں کبھی بھی عاطف جیسے گھٹیا آدمی کو یہ اجازت نہ دیتا کہ وہ تجھے اکیلے اس سے ملنے کے لیے بھیجے۔"

"پاپا..... پلیز..... بھیا گھٹیا نہیں ہیں۔" عاطف کو گھٹیا کہنے پہ حنا تڑپ اٹھی تھی۔

"تمھیں پتا ہے اس نے مجھے کیوں گرفتار کرایا؟"

"اسے شک تھا کہ آپ کے آدمیوں نے اسماعیل پہ قاتلانہ حملہ کیا تھا..... اور یہ کہ آپ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔"

"اگر میں نے کسی پہ قاتلانہ حملہ کیا بھی تھا تو یہ پولیس کیس بنتا ہے اس میں خفیہ ایجنسی کو دخیل ہونے کی کیا ضرورت تھی..... اور پھر اسماعیل پہ قاتلانہ حملہ کر کے میں کس طرح ملک دشمن بن گیا..... کیا کوئی ثبوت دکھایا تھا تجھے عاطف نے۔"

"نہیں پاپا مگر وہ کہہ رہے تھے کہ........." حنا کی زبان اٹکنے لگی اسے یاد آیا کہ اس کے علاوہ تو اسے عاطف نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"ویسے مجھے ہلکی سی بھی امید نہیں تھی کہ تم اتنی بے وقوف ہو سکتی ہو..... جو خبیث بھی تیرے پاپا کے خلاف بات کرے گا تجھے یقین آجائے گا؟..... ایک نامرد نے جھوٹے ظرف سے تجھے اپنا گرویدہ بنایا ہوا ہے اور دوسرے کمینے نے بہن کا جھوٹا رشتا قائم کر کے پاپا کے خلاف کیا ہوا ہے۔"

"پاپا پلیز..... وہ..... وہ میرا بھیا ہے۔" اسماعیل کی وکالت وہ باعث شرم نہیں کر سکتی تھی مگر عاطف تو اس کا بھائی تھا..... منہ بولا ہونے کے باوجود سگوں سے بڑھ کر۔

''اس نسبت سے میں اس کا باپ ہوا..... کیا باپ کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا ہے۔'' فاضل خان نے پیٹھ سے کپڑا ہٹا کر اسے دکھایا۔ چمڑے کے چابک سے کی گئی پٹائی کے نشان ابھی تک نہیں مٹے تھے اور سرخ رنگ کی لکیریں بڑی واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

بے اختیار آگے بڑھ کر اس نے اپنے باپ کی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور پریشانی سے بولی۔

''پاپا ضروری تو نہیں کہ اس کے حکم پر آپ کو تکلیف دی گئی ہو؟''

''یہ سب کچھ اس کے سامنے ہوا ہے..... اور پتا ہے یہ تشدد اس نے کس لیے کرایا.....؟ تم سمجھ رہی ہو گی کہ یہ سب کچھ اس نے وطن کی محبت میں کیا ہو گا، مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے یہ سب چند ٹکوں کی خاطر کیا ہے۔ اس نے مجھے رہا کرنے کی قیمت تیس کروڑ روپے طلب کی اور یہ رقم وصول کر کے مجھے رہا کر دیا۔ یہ رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں مجھے وطن دشمنی کی آڑ میں مار دیا جاتا۔'' فاضل خان نے اپنی قمیص برابر کرتے ہوئے ایک نیا انکشاف کیا۔

''پاپا یہ نہیں ہو سکتا.....'' حنا انکار میں سر ہلاتے ہوئے رو پڑی تھی۔ باپ کی باتیں اس کے حلق سے نہیں اتر رہی تھیں۔

''ہاں تیرا باپ جھوٹا ہے ناں.....'' فاضل خان تلخی سے بولا۔ ''لیکن فکر نہ کرو میرے پاس ایک طریقہ ہے تجھے یقین دلانے کا۔'' یہ کہہ کر وہ حواس باختہ حنا کو وہیں چھوڑ کر تیز قدموں سے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا واپسی پہ اس کے ہاتھ میں غلاف میں لپٹا وہ قرآن تھا جس پہ اس کی بیوی تلاوت کرتی تھی۔ غلاف کھول کر اس نے قرآن نکالا اور آنکھوں سے لگا کر قرآن کو بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

''بیٹی مانتا ہوں میں گناہ گار ہوں مگر میرے مسلمان ہونے کا تو یقین کرتی ہو نا.....؟ میں اس پاک کلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرے نام نہاد بھائی عاطف نے مجھ سے تیس کروڑ روپے رہائی کی قیمت وصول کی ہے۔ بلکہ وہ اس سے زیادہ کا طلب گار تھا مجبوراً میں نے اسے لالچ دیا کہ اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتا اسے دوں گا..... اور اس گھٹیا شخص نے مجھے رہا کر دیا..... بیٹی اس کے قول و فعل میں تضاد اور ظاہر و باطن میں فرق ہے..... اگر اب بھی تجھے یقین نہیں تو بینک میں فون کر کے معلوم کر لو کہ میرے اکاؤنٹ سے تیس کروڑ روپے اس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوئے ہیں یا نہیں۔''

حنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سر پکڑتے ہوئے بولی۔ ''پاپا میں..... میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

فاضل خان قرآن مجید کو واپس غلاف میں لپیٹ کر اٹھا اور حنا کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

''گڑیا!..... حقائق کا سامنا کرنا بہت مشکل ہے..... مگر حقائق سے پہلو تہی کرنا بزدلوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور یاد رکھنا رشتے صرف خون کے ہوتے ہیں باقی سب مطلب کے دوست یار ہوتے ہیں..... بیٹی میں تجھے خوش و خرم اور ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہارے دونوں آئیڈیلز کے بارے حقائق چھپا کر میں تجھے قہقہے بکھیرتے ضرور دیکھتا اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ خوشی دائمی ہے۔ لیکن جانتا ہوں کہ یہ خوشی بالکل عارضی ہے۔ اور پھر آج تجھے جتنا دکھ ہو رہا ہے۔ زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد یہ کسی ایسے نقصان کا باعث بھی بن سکتا تھا

جس کا تحمل شاید میں نہ کر سکتا۔ دیکھو جب ماں یا باپ اپنے کمسن بچے کے پھوڑے کو دباتے ہیں تو خوب جانتے ہیں کہ ان کے جان سے پیارے بچے کو تکلیف پہنچے گی لیکن ان کا مقصد بچے کو تکلیف میں مبتلا کرنا نہیں بلکہ پھوڑے سے پیپ اور گند کا اخراج کرنا ہوتا ہے۔ اور اس وقت کی ہلکی سی تکلیف سے بچے کو بچانے کا مطلب پھوڑے کو ناسور میں بدلنے کا موقع دینا ہے۔.....شاید تمھیں میرے موقف کی سمجھ آ گئی ہو؟"

اس مرتبہ حنا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ذہنی لحاظ سے اس قابل ہی نہیں رہی تھی کہ باپ کی بات کو موڑ سکے۔ اس کی کیفیات کو دیکھتے ہوئے فاضل خان کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہے۔

اس ڈرامے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ وہ اس کی شادی اپنی مرضی سے کرنا چاہتا تھا تا کہ بیٹی کے فرض سے سبک دوش ہو جائے...... پر ڈرتا تھا کہ اسماعیل کی محبت میں ڈوبی اس کی بیٹی انکار نہ کر دے اور وہ کسی صورت میں اس پہ سختی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے ضروری سمجھا کہ بیٹی کو اس سے برگشتہ کر دے۔ اور بیٹی کو اس سے متنفر کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی تھا کہ اسماعیل پہ الزام دھرے جائیں لیکن اس ضمن میں مشکل یہ تھی کہ وہ اپنی بات کا کوئی واضح ثبوت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی یہ مشکل عاطف کی رشوت لینے کی حرکت نے پوری کر دی۔ عاطف کے لیے اس کی بیٹی کے دل میں جو جذبات پنہاں تھے وہ ان سے ناواقف نہیں تھا اسی لیے اسماعیل پہ الزام لگانے سے متصل وہ عاطف کی شخصیت کو زیر بحث لے آیا کہ اس کی رشوت خوری اور حنا سے رشتے کی بات پہ وہ قرآن مجید کی بھی قسم کھا سکتا تھا۔ اس طرح اس نے حنا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گویا اس کے باپ کی قسم اسماعیل اور عاطف دونوں کے ضمن میں تھی۔ اور یہ کہ جب عاطف جیسا آدمی دھوکے باز ہو سکتا تھا جسے اس کے باپ سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی تو اسماعیل کیوں ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو اس کے باپ سے دشمنی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے عاطف کے کندھے پر بندوق رکھ کر جو فائر کیا تھا وہ نشانے پہ بیٹھا تھا۔ اس کی بیٹی ایک بہت بڑے شاک کے زیر اثر نظر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے پاپا کی جان!...... جاؤ آرام کرو اس موضوع پہ کل بات ہو گی۔" وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی حنا نے لڑکھڑاتے قدموں اور لرزتی سوچوں سے اپنے بیڈ روم کا رخ کیا۔ اس کے دل و دماغ ایسی آندھیوں کی زد میں تھے جو ہر خوشی کو خاشاک کی طرح اڑا کر لے جانے والی تھیں۔

☆......☆......☆

"دانش......! عاطف بول رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے آپ کو تعارف کرانے کی ضرورت نہیں تھی......! اگر آپ کا نمبر نہ بھی ہوتا تو میرے لیے آواز پہچاننا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔"

"تھینکس" کہہ کر اس نے پوچھا۔ "کہاں ملو گے؟"

"اس وقت تو اپنے آفس میں ہوں......اور خیر تو ہے پریشان سے لگ رہے ہو؟"

’’سن کر آپ بھی پریشان ہو جاؤ گے۔‘‘

اس نے مسکرا کر کہا۔’’تو کرو نہ پریشان۔‘‘

’’میں تیرے پاس ہی آرہا ہوں۔‘‘ اور پھر دانش کی۔’’منتظر ہوں۔‘‘ سنتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دانش کے سامنے بیٹھا اسے ساری کہانی تفصیل سے سنا رہا تھا۔ دانش اس کا ایک اچھا دوست تھا۔ اس کا تعلق آئی ایس آئی سے تھا۔ وقت پڑنے پہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کے لیے کمر بستہ رہتے تھے۔ عاطف کی بات ختم ہوتے ہی وہ مستفسر ہوا۔

’’تو اس ضمن میں میں کیا کر سکتا ہوں...... جہاں سے آرڈر آیا ہے وہاں تک اپنی بھی پہنچ نہیں ہے؟‘‘

’’مجھے بس ان تینوں کی نگرانی کروانی ہے۔‘‘

’’سمجھا نہیں؟‘‘

’’آج شام کی فلائیٹ سے آپ تین آدمی بھیجیں جو ان تینوں کی نگرانی کریں۔ اور اس وقت تک ان کی نگرانی کرتے رہیں گے جب تک انھیں کسی نئے مشن پہ پاکستان یا کسی دوسرے ملک نہیں بھیج دیا جاتا۔ اور پھر نئی جگہ کا ایڈریس مجھے بتا کر ان کا کام ختم ہو جائے گا...... اخراجات کی فکر نہیں کرنی۔‘‘

’’اس کے لیے تو ایک آدمی ہی کافی ہے...... اتنا کھڑاگ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟‘‘

’’ضرورت ہے نا؟...... ہو سکتا ہے یہ آگے جا کر علیحدہ ہو جائیں...... اور مجھے تینوں کے ایڈریس چاہییں۔‘‘

’’او کے...... اور کچھ؟‘‘

’’نہیں بس ایک کپ کافی پلوا دو۔‘‘

’’اوہ سوری...... مجھے خیال ہی نہیں رہا۔‘‘ دانش ندامت سے بولا اور انٹر کام اٹھا کر کافی کا بتانے لگا۔

کافی پی کر عاطف نے اجازت لیتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔ ڈیوی پارٹی کی رہائی اس کی خوداری اور انا کے لیے ایک تازیانہ تھی مگر وہ مجبور تھا۔ اگر صدیقی صاحب شفقت بھری ڈانٹ نہ پلاتا تو شاید وہ ان کی گردن اتارنے کا مرتکب ہو چکا ہوتا۔ دفتر میں بیٹھ کر وہ کافی دیر پاکستانی کی گھناؤنی سیاست پر غور کرتا رہا۔ اس کی محویت عرفان نے آکر توڑی۔

’’سر! وہ خبیث آپ سے ملنے کی درخواست کر رہا ہے؟‘‘

’’کون؟‘‘

’’قیدیوں کا سرغنہ...... مسٹر ڈیوڈ۔‘‘

’’کیا ان کی رہائی کا وقت ہو گیا ہے؟‘‘ اس کی آواز میں چھپا دکھ بہت نمایاں تھا۔

''جی سر۔'' اپنے بھائیوں جیسے سینئر کا دکھ عرفان کے لیے بھی انجانا نہیں تھا۔ وہ اور اس کے دوسرے تمام ساتھی بھی اسی کیفیت میں تھے۔ عاطف ان کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتا تھا، مگر اس جگہ پر عاطف بھی بے دست و پا ہو گیا تھا وہ کیا کرتے۔

''لے آؤ'' وہ منتشر بالوں میں انگلیاں پھیر کر انھیں درست کرتا ہوا بولا۔ اور عرفان سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''گڈ ایوننگ مسٹر عاطف......'' ڈیوی دفتر میں داخل ہو کر چہکا۔ جواباً عاطف نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔ وہ بغیر پوچھے کرسی سنبھالتا ہوا بولا۔

''میجر روبیت سے سنا تھا کہ کوئی عاطف نام کا فرد سی آئی میں ہے، اب زیارت بھی ہو گئی۔''

عاطف عرفان سے مخاطب ہو کر بولا۔

''میری بات مکمل ہونے تک اگر یہ کھڑا نہ ہو جائے تو اسے اٹھا کر نیچے پھینک دینا۔''

''جی سر'' کہہ کر عرفان کرسی پہ بیٹھے ڈیوی کی طرف بڑھا مگر اس سے پہلے وہ گھبرا کے کرسی چھوڑ چکا تھا۔

''مسٹر عاطف یہ کیا مذاق ہے...... آپ کے ہاں مہمانوں سے یہ سلوک کیا جاتا ہے؟''

''مسٹر تم مجرم ہو...... اور جاتے جاتے میری یہ نصیحت یاد رکھنا...... کوشش کرنا دوبارہ میرا سامنا نہ ہو ورنہ......... خیر وہ وقت آنے پہ بتا دوں گا۔''

''مسٹر عاطف اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا؟''

عاطف نے پوچھا۔ ''تم نے ملنے کی خواہش کی تھی...... کیا اپنی طاقت دکھانا چاہتے تھے؟''

''نہیں!...... وہ ہر پاکستانی کو ویسے ہی معلوم ہے کہ ایک امریکی کو پاکستان میں کتنے حقوق حاصل ہیں...... بس آپ جیسے کچھ ضدی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے...... بہرحال، میں آفر لے کے حاضر ہوا تھا۔''

''سن رہا ہوں۔''

''ہمارے لیے کام کرو...... گرین کارڈ اور ماہانہ لاکھوں کا معاوضہ وصول پاؤ...... کام بھی کوئی خاص نہیں...... بس ہمارے مقامی کارکنوں کے کاموں سے آنکھیں بند رکھو...... آپ کو بذات خود کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔''

''میرے سینئر نے تمھیں قتل کرنے سے منع کیا ہے ...... اور مجھے ان کا حکم بحالت مجبوری تسلیم کرنا پڑا، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ تم اگر مزید چند منٹ بھی سامنے رہے تو میرے صبر کا لبریز پیانہ چھلک پڑے گا، پھر تمھاری تنظیم یا حکومت اپنے زر خرید کو کتنی ہی سزا کیوں نہ دیتی رہے تمھیں اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔'' عاطف کا لہجہ اور انداز ایسا نہیں تھا کہ ڈیوی پر اثر نہ کرتا۔ وہ باہر کی طرف قدم بڑھاتا ہوا بولا۔

''اوکے گڈ بائی مسٹر عاطف...... میں نے تمھارے بھلے کی بات کی تھی۔'' عرفان بھی اس کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عاطف ایک مرتبہ پھر گہری سوچوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

کھانے کا پوچھنے کے لیے آنے والی ملازمہ کو اس نے صحت کی خرابی کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔ اس کو واپس گئے چند لمحے نہیں گزرے تھے کہ اس کی امی پریشان سی وہاں آن موجود ہوئی۔

''کیا بات ہے چندا......؟ کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟'' اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر وہ اس کے بدن کی حدت محسوس کرنے لگی۔

''امی دن کو لیٹ کھانا کھایا تھا اب طبیعت نہیں کر رہی۔''

''مگر وہ ملازمہ کہہ رہی ہے کہ تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں امی۔''

''میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔'' رخشندہ بیگم اس کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

''آپ تو بس یونہی پریشان ہو جاتی ہیں۔'' ماں کی شفقت بھری پریشانی نے اس کی آنکھوں کو نم کر دیا تھا۔

''اچھا اب سو جاؤ......اور رات گئے بھوک لگے تو مجھے آواز دے دینا کھانا گرم کر دوں گی۔''

''ٹھیک ہے ممی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور رخشندہ بیگم اسے چادر اڑھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حنا ایک مرتبہ پھر سوچوں میں گم ہو گئی۔ اسماعیل شاہ کی معیت میں گزرے واقعات اس کے دماغ کی سکرین پر کسی فلم کی طرح متحرک تھے۔

''میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی شہزادی تھی......اور پھر ٹریننگ سنٹر میں ہر رات کے لیے نیا ساتھی میسر تھا۔'' اس کے دماغ میں اسماعیل کی آواز گونجی اور اس نے سوچا۔ ''کیا یہ جھوٹ تھا اس کی مردانگی کے دعوے صرف مجھے گمراہ کرنے کے لیے تھے۔''

''پر کوئی اتنا بڑا اداکار کیسے ہو سکتا ہے؟۔'' اسماعیل شاہ کی محبت سے بھرا دل کب اتنی جلدی ہار مان سکتا تھا۔ ''اس کی آنکھوں میں جلتے محبت کے دیپ......اس کی باتیں، اس کا انداز......اور پھر اس نے تو مجھ سے باپ کے خلاف کوئی کام نہیں لینا چاہا آخر وہ مجھے کیسے استعمال کر رہا ہے۔''

''تمھیں جان سے پیارے والد سے متنفر کر دیا یہ کم ہے کیا؟'' حنا کی پریشان سوچیں اسی طرح سرگرداں رہیں کبھی دل کا پلہ بھاری پڑ جاتا تو کبھی دماغ اس پہ حاوی ہو جاتا۔ اور پھر عاطف کے متعلق تو سوچ کر اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں...... ''بھیا کا کردار اتنا گرا ہوا......'' وہ ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی مگر اس کے ساتھ اپنے والد کے ہاتھ میں تھاما ہوا قرآن مجید اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

''نہیں پاپا اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتے۔'' ان گڈمڈ سوچوں نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں رات کے دو بجنے والے تھے جب اس نے تپائی پہ پڑا فون اپنے جانب کھسکایا، مگر پھر کچھ سوچ کر واپس رکھ دیا آخر وہ اسماعیل شاہ سے کیا پوچھتی؟ ''کیا آپ مرد

نہیں ہیں؟" اگر وہ کہہ دیتا ہاں نہیں ہوں...... تب کیا اس کی چاہت جھوٹی ثابت ہو جاتی یا حنا اسے بھلا پاتی۔

کافی دیر خود کو سمجھانے اور تسلی دینے کی باوجود وہ خود کو باز نہ رکھ سکی اور اور یہ سوچ کر اسماعیل شاہ کا نمبر ڈائل کرنے لگی کہ اپنے سے کیا پردہ۔ جس مرد سے اس کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی تھی اس سے احساسات کا کیا پردہ۔ اس کا موبائل روڈز نے چھینا تھا اور پھر اسے واپس نہیں ملا تھا مگر اپنے شاہ جی کا نمبر تو اس کے دل پہ لکھا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے نمبر اسے بند ملا۔ رسیور کریڈل پہ رکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر سوچوں میں کھو گئی۔ اسماعیل شاہ کے نمبر بند رکھنے کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ اب اس سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

"تو نہ رکھے میں کب مری جا رہی ہوں...... دھوکے باز...... جھوٹا۔" اس کے دل میں عجیب دکھ بھری تلخی بھر گئی۔ اس سے لیٹا نہ گیا اور وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ غم زیادہ تھا اور اسے برداشت کرنے کا حوصلہ کم...... اسے شدت سے کسی غم گسار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ڈائری نکال کر اس نے اپنی سہیلی کرن کا نمبر دیکھا رات کے تین بج رہے تھے جب اس کی انگلیاں کرن کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔ چند گھنٹیوں بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

"ہیلو؟" کرن کی نیند کے خمار میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی۔ اور حنا کے ضبط کے دھارے ٹوٹ گئے۔

"اے حنا تم...... کیا ہوا میری جان؟" کرن کی نیند اڑ گئی تھی۔ مگر حنا کوشش کے باوجود کچھ نہ بتا سکی بس اس کی سسکیاں گونجتی رہیں۔

وہ مستفسر ہوئی۔ "انکل، آنٹی تو ٹھیک ہیں ناں؟"

"جی۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"خدانخواستہ شاہ جی کے ساتھ تو حادثہ پیش نہیں آ گیا۔" کرن امکانی گھوڑے دوڑانے لگی۔

"نہیں۔"

"کچھ پتا تو چلے؟" وہ جھلا گئی۔

"کچھ نہیں بس سو جاؤ۔"

"یہ خوب رہی...... یہی کہنے کے لیے جگایا تھا۔"

"م...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیا کہوں؟"

"کچھ پتا چلے گا تو تسلی یا مشورہ دوں گی نا؟"

"پاپا کہتے ہیں شاہ جی نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"ہونہہ! ...... کھودا پہاڑ اور چوہا بھی نہ نکلا...... عقل کو ہاتھ مارو...... اور یہ انکل کو تم دونوں کے تعلقات کا کب اور کیسے پتا چلا؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میرا خیال ہے میں اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکی ہوں؟"

کرن نے کہا "تمھارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" جواباً حنا کو ساری تفصیل دہرانی پڑی۔

"تو...... اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ انکل اگر تیرے برے بھلے کا نہیں سوچے گا تو کون سوچے گا...... اور ان کی بات سے اتفاق کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"تو کیا کروں شاہ جی کو بھلا دوں...... بھیا سے تصدیق کیے بغیر ناطہ توڑ لوں؟"

"قرآن مجید سے بڑی تصدیق کیا ہو سکتی ہے...... انکل اتنا برا جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور جہاں تک تعلق ہے تیرے شاہ جی کا تو اس سے بات کر کے پوچھ لو یا اس کے پاس جا کر اپنا شک دور کر لو۔" آخری بات کرن نے قہقہہ لگا کے کہی تھی۔

"تو کر لوں گی ناں...... میرا اپنا شاہ جی ہے۔" حنا اس کے قہقہہ لگانے پر چڑ گئی تھی۔

"تو جاؤ...... رات کے تین بجے میرا دماغ کیوں خراب کر رہی ہو؟"

"کرن میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں...... کیا تجھے نہیں لگتا بھیا کے پیسے لینے کے پس پردہ کوئی دوسری بات ہے؟"

"یار کسی ایک کی بات تو پوری ہونے دو...... شاہ جی کی بات کرتی ہوں تو تیرا بھیا آ کودتا ہے اور اس کا ذکر چھیڑوں تو شاہ جی آ دھمکتا ہے۔"

"کرن کی بچی...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیا کروں؟"

"اچھا پہلے عاطف صاحب کے بارے سنو! اگر اس نے یا اس کے آدمیوں نے انکل کو زدوکوب کیا ہے اور بعد میں عاطف صاحب نے انھیں رقم لے کے رہا کر دیا ہے تو اس میں دو احتمال ہیں۔ اگر تو انکل مجرم ہیں پھر اس نے رشوت لی ہے اور اگر انکل بے گناہ ہیں پھر اس نے ظلم کیا ہے۔ تیسری کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

"کرن تم بھیا سے ملی نہیں ہو ناں اس لیے ایسی بات کہہ رہی ہو۔"

"شرم کرو...... کیا انکل قرآن مجید اٹھا کر جھوٹ بول رہے تھے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا؟" حنا گھبرا گئی۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ شاید پاپا کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو یا بھیا نے کچھ سوچ کر یہ حرکت کی ہو؟"

"بالکل...... ہر آدمی اپنے مستقبل کا سوچتا ہے اور پھر تیری شکل و صورت تو بڑے بڑوں کی مت مار دیتی ہے...... وہ غریب اگر تجھ سے شادی کا سوچ بیٹھا تو کیا برا کیا؟"

"بکواس بند کرو...... وہ میرا بھیا تھا...... ہے اور رہے گا۔"

"تو بہن صاحبہ اپنے بھیا سے ہی پوچھ لو نا میرا مغز کیوں چاٹ رہی ہو؟"

''ڈرتی ہوں......؟''

''کس بات سے؟''

''اگر جھوٹ ہوا تو اس کا سامنا کیسے کروں گی......؟ اور اگر سچ ہوا تو...... پھر......''

''اے لڑکی...... بات سنو...... یہ جو تو کر رہی ہے نا...... اسے مشورہ لینا نہیں کہتے...... تو بس ٹائم ضائع کر رہی ہے اور وہ بھی میرا ...... ورنہ تو نے کرنا وہی ہے جو تو نے پہلے سے سوچا ہوا ہے۔''

''اچھا شاہ جی کے بارے تیرا کیا اندازہ ہے؟''

''اس کا تمہیں زیادہ تجربہ ہے...... میں نے تو اس کی شکل شریف بھی نہیں دیکھی۔''

''پتا ہے پچھلے تین دن ہم نے اکٹھے ہی گزارے ہیں...... رات گئے اس کے ساتھ مختلف موضوعات پہ گپ شپ ہوتی رہتی مجال ہے اس نے کوئی گری ہوئی حرکت کی ہو؟...... اس سے پہلے جب اس نے مجھے اغواء کیا تھا اس وقت بھی میں تقریباً ہفتہ بھر اس کے پاس قید رہی تب بھی مجھے اس کی نظروں میں کبھی میلا پن نظر نہیں آیا۔ اور آخری دن کی کہانی تو میں اس سے پہلے بھی تجھے تفصیل سے سنا چکی ہوں کہ کیسے اس نے نشے کی حالت میں بھی مجھے معاف کر دیا۔''

''تو صاف کہو نا، انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں...... آج کا نوجوان ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں ہو سکتا؟...... محبت کرنے والوں کے نزدیک جسمانی تعلقات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی؟''

''بڑی آئی لیلیٰ کی نانی...... محبت کا دعوے دار تو وہ خبیث کامران بھی تھا۔'' کرن کو اپنا پرچی یاد آ گیا اور وہ بولی۔''ایک ہی دفعہ غلطی کی تھی اس سے اکیلے میں ملاقات کی...... اللہ نے بچا لیا ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، مجھے زندہ درگور کرنے کی۔''

''کامران اور شاہ جی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''صحیح کہا...... وہ مرد ہے؟...... اور یہ...... اسے پیار کرنے والی ہی کو پتا نہیں کہ کیا ہے؟''

''اچھا...... اگر پاپا کی بات صحیح ہوئی تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس کی محبت جھوٹی ہے؟''

''کہتے ہیں خوبصورت عورتیں بے وقوف اور احمق ہوتی ہیں...... میرا خیال ہے تم اس قسم کی باتیں کر کے اپنی خوبصورتی پہ مہر ثبت کر رہی ہو؟''

''کرن پلیز...... مذاق نہیں۔''

''یہ حقیقت ہے...... بیوقوف اگر انکل کی بات سچ ہے تو اسماعیل کی سچی محبت بھی تیرے کس کام کی؟''

''بھول ہے تمہاری...... مجھے وہ اس خامی سمیت قبول ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''فطرت سے بغاوت کر کے زندہ رہنا صرف فلموں اور کہانیوں میں ممکن ہے۔''

''ہاں.....مگر شاہ جی کے بغیر بھی تو نہیں رہ سکتی ہوں ناں۔''

''عاطف صاحب سے تو نے تصدیق نہیں کرنی.....اور اسماعیل شاہ سے قطع تعلق نہیں کرنا.....تمہارا یہی فیصلہ گفتگو کی ابتداء میں بھی تھا اور اب بھی قائم ہے.....مجھے بے آرام کرنا فقط صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے تھا۔''

''تو کیا میں آپ کو جگانے کا حق نہیں رکھتی؟'' حنا کے لہجے میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔

کرن نے جلدی سے جواب دیا۔''کیوں نہیں میری جان۔''

''بس بس مجھے پتا چل گیا تیری ہمدردی کا.....بار بار یہی طعنے دے رہی ہو کہ تمھیں نیند سے جگا دیا بے آرام کر دیا۔''

باخدا ایسی کوئی بات نہیں چندا.....میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے باپ کی بات کو بھی اہمیت دو، عاطف نے انکل سے رشوت لی ہے اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا کردار بھی ایک عام پولیس والے کی طرح ہے۔تمہاری عزت اور احترام اس وجہ سے تھا کہ تم ایک سیٹھ کی بیٹی تھیں ورنہ شاید وہ تم سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتا، یہ بھی کنفرم ہے کہ اس نے انکل کو گرفتار کرنے کے لیے تمھیں ستعال کیا ہے.....اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس نے تجھے تیرے محبوب اسماعیل شاہ کے خلاف بھی استعمال کیا تھا.....اور یاد رکھنا یہ خفیہ پولیس والے انسانی نفسیات سے کھیلنے کے ماہر ہوتے ہیں، اسے پتا تھا کہ تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے اس وجہ سے اس نے بھائی بن تمھیں اسماعیل کے خلاف استعمال کیا اور جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ انکل کے خلاف بھی اس نے بہت ساری معلومات تم سے ہی حاصل کی ہوں گی۔اسی طرح اسماعیل شاہ نے تمھیں محبت کے جھوٹے جال میں پھانسا ورنہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تم سے تو بے انتہا محبت کرتا ہو اور انکل کا بدترین دشمن ہو.....تمہاری اتنی زیادہ قربانیوں کے باوجود تیری درخواست کو درخور اعتناء نہ سمجھنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کے دل میں تیری ذرہ بھر محبت بھی نہیں ہے بلکہ وہ تجھے انکل سے برگشتہ کر کے انکل سے بہت بھیانک انتقام لے رہا ہے اور اس بات میں تو کوئی شک بھی نہیں ہے کہ انکل تمھیں بے انتہا چاہتا ہے۔''

''تم میری پریشانیوں میں اضافہ کر رہی ہو۔'' حنا کے ذہن میں کلبلاتے اندیشے حقیقت کا روپ دھارنے لگے۔

''مجھے فخر ہے کہ یونیورسٹی بھر میں فقط مجھے ہی تو نے دوستی کے قابل سمجھا.....میں بھی تمھیں دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں...... تمہارا دکھ مجھے اپنا دکھ محسوس ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمھیں جھوٹی تسلیاں دینا شروع کر دوں.....ان دونوں مردوں کا کردار کل کو ویسے ہی کھل کر سامنے آنا تھا اچھا ہوا کہ جلدی پتا چل گیا.....کل کے رونے سے آج کے آنسو بہتر ہیں۔میرا اندازہ ہے کہ انکل نے تم سے اس لیے کھل کر بات کی ہے کہ وہ تیری شادی کرنا چاہتے ہیں اور تیری مرضی ان کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے.....اگر میرا اندازہ ٹھیک ہے تو ہاں کرنے میں ہی تمہاری بہتری ہے۔''

"کرن...... تم جانتی ہو شاہ جی کے لیے میرے دل میں کیا جذبات ہیں پھر بھی یہ مشورہ دے رہی ہو؟"

"ہاں...... کیونکہ اسی میں تمھاری بہتری ہے اور میں تیری بہتری کی خواہاں ہوں۔"

"اپنی بہتری پاس ہی رکھو...... اگر شاہ جی نہیں تو کوئی نہیں، اگر وہ دھوکے باز ہے تب بھی اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا یوں بھی میں منافقت کی زندگی نہیں گزار سکتی......"

"منافقت سے تیری کیا مراد ہے؟" کرن کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"دل میں شاہ جی ہو اور میں کسی دوسرے کی آغوش میں پڑی ہوں تو تمہارے خیال میں یہ کیا ہے؟ اسی طرح شاہ جی کے ساتھ میرا جو تعلق رہ چکا ہے کیا اس کے بعد کوئی غیرت مند مرد مجھے شریک حیات کے طور پر قبول کرلے گا؟"

کرن وثوق سے بولی۔"ایک نہیں کئی...... جوان دل و جان سے قبول کریں گے"

"محترمہ!...... نہ تو مجھے دولت کے لالچی درکار ہیں اور نہ ہی میں ظاہری چکا چوند اور حسن پر مرمٹنے والوں کی خواہش مند ہوں...... مجھے وہ چاہیے جو میری روح سے محبت کرتا ہو۔"

"اور ایسا تیرے خیال میں صرف شاہ جی ہے؟" کرن کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"بے شک...... شاہ جی ایسا ہی ہے......"

"اچھا میری ماں...... جو چاہے کرو اور اب مجھے بخشو کہ اذان شروع ہو چکی ہے۔"

"اچھا وعدہ کرو کل میرے پاس آؤ گی؟"

"او کے...... میں یونیورسٹی سے سیدھے تمھارے پاس آؤں گی...... کھانا انشاءاللہ اکٹھے کھائیں گی۔ اور ہاں یاد سے کوئی اچھی سی ڈش بنوالینا۔"

اور حنا نے "خدا حافظ" کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ نیند اب بھی اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، کرن سے بات کرنے کے بعد بھی وہ کسی واضح فیصلے پہ پہنچنے سے قاصر رہی تھی۔

☆......☆......☆

"رندھیر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" روہیت کے لہجے میں حیرانی تھی۔ اسے ڈیوی پارٹی کی رہائی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"ایسا ہی ہے سر۔" رندھیر اعتماد سے بولا۔

"پہلے فاضل خان کی رہائی اور ابھی ڈیوی پارٹی کو چھوڑ دینا...... کچھ سمجھ نہیں آ رہی؟"

"شاید اوپر سے آرڈر ملا ہو سر۔" رندھیر نے خیال ظاہر کیا۔

"بات پتے کی کر رہے ہو؟...... بہر حال اپنا کام تو درمیان میں ہی اٹکا ہوا ہے۔"

"سر!...... عاطف لازماً اب ہماری طرف متوجہ ہوگا۔"

روہیت نے منہ بنا کر کہا۔ "تو کیا...... ہم اس سے ڈرتے تھوڑی ہیں؟"

"نہیں سر...... میرا مطلب یہ تھا کہ اب کسی کو چارہ بنا کر اسے پھانسا جا سکے گا۔"

"پر کیسے اور کس کو؟"

"سر........." رندھیر کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔

"یس؟" وہ کال ریسیو کرتا ہوا بولا۔ اور کال کرنے والے کے الفاظ سنتے ہی وہ "کیا؟" کہتے ہوئے اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دوبارہ کچھ کہا گیا جسے سن کر وہ بولا۔

"ٹھیک ہے وہیں رہو...... میں اور میجر صاحب آ رہے ہیں۔" رابطہ منقطع کر کے وہ اپنے جانب متوجہ میجر روہیت سے بولا۔

"سر! پاربتی آخر میں جس لڑکے کے ساتھ نظر آئی تھی وہ ابھی ابھی بلیو مون ہوٹل میں دیکھا گیا ہے۔ ایک برقع پوش عورت بھی اس کے ہمراہ ہے۔ شاید وہ پاربتی ہی ہو۔ وہ شنکر کو نظر آئے ہیں...... میرا خیال ہے ہمیں وہیں چلنا چاہیے......"

مگر روہیت اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنی جگہ چھوڑ کر دروازے کے جانب چل پڑا تھا۔ پاربتی کا مل جانا اس کے لیے کسی خزانے سے کم نہیں تھا۔

☆......☆......☆

"یس؟" مسلسل بجنے والی گھنٹی سے تنگ آ کر عاطف انجان نمبر اٹینڈ کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

"عاطف بھائی کال تو اٹینڈ کرو...... میں شہزادی بات کر رہی ہوں۔" اگر وہ تعارف نہ کراتی تب بھی عاطف نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"شہزادی بہن...... کیسی ہو؟...... بڑی جلدی یاد آ گئی؟" اس کا پر تپاک لہجہ ہلکی سی خفگی لیے ہوئے تھا۔

"بھائی آپ کو بھلا سکتی ہوں؟...... بس آپ کی مصروفیت کا سوچ کر کبھی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"تو اب کیوں؟" وہ مسکرا کر مستفسر ہوا۔

"اب تو میں کراچی آئی ہوں سوچا آپ سے ملاقات کرتی چلوں...... تنویر بھی آپ سے ملاقات کے متمنی تھے۔"

"کراچی...... پر کیوں؟"

"تنویر کو کوئی کام تھا۔" اسے عاطف کا پریشان لہجہ سن کر حیرانی ہوئی تھی۔

"اب کہاں ٹھہرے ہو؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ جلدی سے بولی۔ ”بلیو مون ہوٹل میں۔“ عاطف کا تفتیشی انداز اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔

”شہزادی بہن آپ کو میرا تفتیشی انداز شاید اچھا نہیں لگ رہا...... اور شاید میں آپ کو پریشان بھی نہ کرتا مگر اصل بات چھپانے سے اندیشہ ہے کہ آپ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔“

”کک...... کیا بات ہے؟“ شہزادی کے لہجے کی لرزش نمایاں تھی۔

”ارے آپ تو ڈر گئیں...... اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں بس یہ احتیاط برتنی ہے کہ کہیں بھی آتے جاتے نقاب کا استعمال ضرور کرنا۔“

”وہ تو میں یوں بھی کرتی ہوں...... لیکن یہ احتیاط...... کس لیے؟“

عاطف نے پوچھا۔ ”میجر روہیت کے نام سے واقف ہو؟“

”مم...... میجر روہیت...... ہاں اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”وہ بدبخت تیری تلاش میں پاکستان پہنچا ہوا ہے...... اور اس کے گرگے تجھے کتوں کی طرح کھوج رہے ہیں...... اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے کام مکمل کر کے واپسی کا قصد کرو۔“

”بھائی وہ تو بہت خطرناک بندہ ہے...... اور را کا خاص الخاص مہرہ ہے...... اپنے ذمے کا کام ادھورا چھوڑنے کا وہ قائل ہی نہیں ہے...... میں تنویر سے مشورہ کرتی ہوں...... ہمیں آج ہی لوٹ جانا چاہیے۔“

”تیرا اتنا بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں...... تیرا بھائی ابھی زندہ ہے...... بس یوں کرو کہ اپنے شوہر کے ساتھ میرے ٹھکانے پہ آ جاؤ اور...............“

”بھائی ایک منٹ......“ وہ قطع کلامی کرتے ہوئے کسی اور سے مخاطب ہوئی۔ ”کون ہے؟“ اور پھر جوابی بات سن کر وہ دوبارہ بولی۔

”مگر ہم نے تو روم سروس کو کوئی آرڈر نہیں دیا۔“

شہزادی کی بات سنتے ہی عاطف جلدی سے بولا۔ ”شہزادی بہن دروازہ نہیں کھولنا ہوٹل میرے آفس کے قریب ہے، میں ادھر ہی آ رہا ہوں...... اپنا کمرہ نمبر بتاؤ؟“

”تھرڈ فلور...... روم نمبر پچیس۔“

”تنویر کدھر ہے؟“ اس سے بات کرتے کرتے عاطف دفتر سے باہر نکل آیا تھا۔

”واش روم میں ہے...... اور بھائی کمرے کا لاک کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“ شہزادی کی آواز میں گھبراہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

”گھبرانا نہیں...... مجھے زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگیں گے...... تم جلدی سے باتھ روم میں گھس جاؤ۔“

اور شہزادی ”جی اچھا“ کہہ کر غسل خانے کی طرف بھاگی...... تنویر دروازہ کھولو، اس نے بے صبری سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"ایک منٹ......" تنویر کو صورت حال کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا۔

"جلدی کرو......" اس کی آواز میں شامل خوف اور پریشانی اس بات کی غماز تھی کہ وہ میجر روحیت سے اچھی طرح واقف تھی۔ اور پھر کمرے کا دروازہ کھلنے کے ساتھ تنویر نے بھی باتھ روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ دروازے کو دھکیلتی اندر گھستی ہوئی چلائی......

"کنڈی چڑھاؤ......کنڈی چڑھاؤ......"

عاطف نے سرعت سے رابطہ منقطع کر کے ذیشان کا نمبر ڈائل کیا۔

"راجا!......بغیر کسی تاخیر کے بلیو مون ہوٹل تھرڈ فلور کمرہ نمبر پچیس میں پہنچو۔ اشفاق، الیاس، اور عرفان کو بھی کال کر کے وہیں بلالو...... چوکنا رہنا میجر روحیت پہ حملہ بولنا ہے۔" پھر راجا کا جواب سنے بغیر رابطہ منقطع کرتے ہوئے اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ دس منٹ بعد وہ بلیو مون پہنچ گیا تھا کار پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ تیزی سے باہر نکلا اور پھر بھاگتا ہوا ہوٹل کے ہال میں داخل ہو گیا۔ دائیں بائیں موجود لوگوں نے اسے حیرانی سے دیکھا مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ خوش قسمتی سے اسے لفٹ خالی مل گئی۔ تھرڈ فلور پہ پہنچتے ہی اس نے لفٹ سے نکل کر سامنے موجود کمرے کا نمبر پڑھا، انیس نمبر کمرہ اور پھر اس کے بعد بیس نمبر کمرہ دیکھتے ہی وہ اس سمت کو دوڑا۔ پچیس نمبر کمرے کا دروازہ اسے کھلا ملا دروازہ دھکیلتے ہوئے وہ بے صبری سے اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے جیب سے پسٹل نکال لیا تھا۔ باتھ روم کے دروازے پہ کھڑے آدمی نے اسے دیکھتے ہی اس کے جانب پستول سیدھا کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے عاطف ٹریگر دبا چکا تھا۔ سائیلنسر لگے پسٹل سے صرف ٹھک کی آواز آئی اور اس کے سر میں روشندان کھل گیا تھا۔ باتھ روم کے اندر شہزادی کے چیخنے آواز آئی اور پھر میجر روحیت شہزادی کے گلے میں بازو ڈالے اور سر پہ پسٹل تانے باہر نکلا۔ اس کے ہمراہ دوسرا شخص بھی تھا جس نے تنویر کو گرفت میں لیا ہوا تھا۔ وہ یقیناً لمحہ بھر پہلے ہی باتھ روم کی کنڈی توڑ کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"اوہو......مسٹر عاطف...... بڑی جلدی بلا لیا اس نے اپنے یار کو۔" عاطف کو دیکھتے ہی میجر روحیت نے غلاظت اگلی۔ اپنے ساتھی کی لاش پہ ایک سرسری سی نظر ڈالنے کے علاوہ اس نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"اگر تجھے کسی نے رشتوں کی پہچان سکھائی ہوتی تو تم لازماً یہ کہتے کہ بڑی جلدی بلا لیا اپنے بھائی کو۔"

"اوہ......کافی تکلیف ہوئی جناب کو...... بہر حال اگر آپ کو محسوس نہ ہو تو میرا رستہ چھوڑ دو...... کیونکہ تیری ہلکی سی غلط حرکت اس طوائف کی دردناک موت کا باعث بن جائے گی۔"

"تو کیا اسے مارنے سے تم بچ جاؤ گے......اس کمرے کو چاروں جانب سے میرے آدمیوں نے گھیرا ہوا ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا......" میجر روحیت نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔ "لیکن بازی بہر حال میرے ہاتھ میں ہے۔"

"بھول ہے تمھاری......البتہ اتنا میں کر سکتا ہوں کہ تم شہزادی کو چھوڑ دو تو تیرے ساتھ کچھ رعایت برت سکوں۔"

"ہا......ہا......ہا۔" میجر روہیت نے بلند بانگ قہقہہ لگایا۔ "میرا خیال ہے تجھے اس بلبل کی زندگی عزیز نہیں ہے...... شاید تو نے جو کچھ اس سے لینا تھا وہ حاصل کر لیا۔"

"نہیں...... بہت عزیز ہے...... بلکہ سمجھتا ہوں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اگر اس کی جگہ میری ماں جائی بھی ہوتی تو اس کی زندگی کے بدلے بھی میں کسی ملک دشمن کو نہ جانے دیتا کہ سب سے پہلے میرا وطن ہے۔"

"مسٹر عاطف!...... اگر یہ بات ہے تو پھر دونوں مریں گے...... میجر روہیت کو زندہ گرفتار کرنا ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔"

صورت حال کافی الجھ گئی تھی۔ فریقین نے ایک دوسرے پہ پسٹل تانے ہوئے تھے۔ عاطف نے رندھیر کو نظر انداز کر کے اپنی توجہ میجر روہیت پہ مرکوز رکھی تھی۔ شہزادی کی آنکھوں میں واضح طور پہ خوف کی پرچھائیاں لرزاں تھیں کہ وہ میجر روہیت سے اچھی طرح واقف تھی۔ عاطف کی آمد سے بھی اس کے خوفزدہ دل کو ڈھارس نہیں مل سکی تھی۔

ان کے درمیان چھائی لحاتی خاموشی کو عاطف کے موبائل کی گھنٹی نے توڑا۔ میجر روہیت سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے موبائل نکال کر کال رسیو کی۔

"یس؟" کے جواب میں اسے راجا ذیشان کی آواز سنائی دی۔

"سر ہم کمرہ نمبر پچیس کے قریب پہنچ گئے ہیں؟"

"اندر آجاؤ" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اگلے لمحے دروازہ کھول کر وہ چاروں اندر داخل ہوئے۔ کمرے کی صورت حال کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ چاروں نے اپنی جیبوں سے ہتھیار نکال کر ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

"مسٹر عاطف!...... ان آدمیوں کے بل بوتے پہ تم میجر روہیت پر قابو نہیں پا سکتے۔"

"میجر صاحب!...... گرفتاری دینے میں تمھاری بہتری ہے...... شہزادی کو نقصان پہنچا کر تم اپنے انجام کو بد سے بدترین کر دو گے۔"

میجر روہیت ادھر شکار کرنے آیا تھا مگر خود شکار ہو گیا تھا۔ عاطف کے چہرے پہ چھائے تاثرات دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پاربتی ہی کو قتل کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اسے خود بھی مرنا پڑتا۔ اس کا شاطر دماغ بچاؤ کی تجاویز سوچنے میں سرگرداں تھا۔ اسے ذرا بھی شک ہوتا کہ پاربتی اس کے لیے پھندا ثابت ہوگی تو وہ کبھی بھی وہاں نہ آتا۔ دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے وہ بولا۔

"مسٹر عاطف!...... تم جانتے ہو کہ اس وقت ہم دونوں موت کی دہلیز پہ کھڑے ہیں...... اگر میری جان کو خطرہ ہے تو محفوظ تم بھی نہیں ہو...... کیوں نہ ہتھیاروں کو سائیڈ پہ کر کے کوئی فیصلہ کریں؟"

"مثلاً؟" عاطف کا لہجہ استہزائی تھا۔

"ہم دونوں خالی ہاتھ مقابلہ کر لیتے ہیں...... اگر تم جیت گئے تو مجھے گرفتار کر لینا...... دوسری صورت میں مجھے جانے کی اجازت ہوگی اور

پاربتی یعنی تمھاری شہزادی بھی میرے ساتھ جائے گی۔"

عاطف کے جواب دینے سے پہلے شہزادی چلائی "عاطف بھائی یہ غلطی نہ کرنا......" مگر عاطف اس کی بات پہ توجہ دیے بغیر بولا۔

"ٹھیک ہے......مگر تمھارے جیتنے کی صورت میں تم اکیلے ہی جاسکو گے......شہزادی نہیں جائے گی۔"

"میرا ساتھی تو جائے گا نا؟"

"ایک لمحہ سوچ کر عاطف نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "اس کے لیے اسے بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

روہیت نے کہا "ٹھیک ہے پہلے میں اور تم......ہتھیار کسی کے پاس نہیں ہوگا؟"

عاطف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اوکے۔"

"پہلے آپ کے چاروں ساتھی اور رندھیر اپنے اپنے پسٹل باتھ روم میں پھینکیں گے......اس کے بعد میں اپنا پسٹل تیرے ساتھی کے حوالے کروں گا اور تیرا پسٹل رندھیر لے کر ان دونوں پستولوں کو بھی باتھ روم میں پھینک دے گا۔ پھر جیسے ہی باتھ روم کی کنڈی لگ جائے گی میں پاربتی کو چھوڑ دوں گا اور ہم دونوں میدان میں آجائیں گے۔"

عاطف نے باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا دونوں اندرونی کنڈی توڑ کر باتھ روم میں گھسے تھے، بیرونی کنڈی اور دروازہ سلامت تھے۔

"ٹھیک ہے" کہہ کر وہ راجا ذیشان سے بولا "اپنے اپنے ہتھیار باتھ روم میں پھینک دو۔" ان چاروں کے علاوہ رندھیر نے بھی اپنا پسٹل باتھ روم کی طرف اچھال دیا تھا۔ دروازہ بند کر کے رندھیر عاطف کی طرف بڑھا جبکہ اشفاق روہیت کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں نے ایک ساتھ عاطف اور روہیت سے پسٹل لیے اور باتھ روم میں پھینک کر باہر سے کنڈی چڑھا دی۔ باتھ روم کا دروازہ بند ہوتے ہی روہیت نے شہزادی کو چھوڑ دیا۔ اور وہ بھاگ کر تنویر کے قریب پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے دوپٹے کو چہرے کے گرد لپیٹ لیا تھا۔

"تو......مسٹر عاطف!......شروع کریں؟" روہیت کا لہجہ اعتماد سے پر تھا۔

"نہیں......" اطمینان بھرے انداز میں کہتے ہوئے عاطف نے جیب میں ہاتھ ڈالا جو خوفناک شکل کے بریٹا کو لیے باہر نکلا۔ "فی الحال تو تم ہاتھ اٹھانے کا کشٹ کرو نا؟ یہ اچھل کود بعد میں ہوتی رہے گی۔"

عاطف کے ہاتھ میں پسٹل دیکھتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات مسخ ہو گئے تھے۔

"تھو ہے تمھاری مردانگی پہ۔" ایک سائیڈ پہ نفرت سے تھوکتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ سر سے بلند کر لیے تھے۔

عاطف اس کی بات پہ کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"انھیں گرفتار کر لو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ گاڑیوں میں بیٹھے گیسٹ ہاؤس کا رخ کر رہے تھے۔ شہزادی اور تنویر بھی ان کے ہمراہ تھے۔

☆.....☆.....☆

''کہو.....اب میں اس قابل ہوں کہ تیری بات سمجھ سکوں۔'' آخری نوالہ نگلتے ہوئے کرن اطمینان سے بولی۔

''ساری بات رات بتا تو دی تھی.....؟''

''انکل سے دوبارہ بات ہوئی؟''

''نہیں.....'' حنا نے انکار میں سر ہلایا۔

''جہاں تک میرا اندازہ ہے انکل تیری شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے فون پر بھی یہی کہا تھا..... پر کس سے.....میرا مطلب ہے کیسے؟'' حنا گڑبڑا گئی تھی۔

جہاں تک کس سے کا تعلق ہے تو اتنا کنفرم ہے کہ تیرا دولہا کم از کم شاہ جی نہیں ہے۔ باقی سوال رہا کیسے کا، تو وہ بھی نہایت آسان ہے.....ایک مولوی اور دو گواہ بلا کر نکاح کا خطبہ پڑھا جائے گا پھر لڑکی لڑکے سے ایجاب وقبول کرا کے دعائے خیر.....اللہ اللہ خیر سلا۔''

''اگر تیری آمد کا مقصد اسی طرح کی بکواس تھی تو تم جا سکتی ہو۔'' حنا خفگی بھرے لہجے میں بولی۔

''گڑیا رانی! میں صورت حال کا تجزیہ کر رہی ہوں، اگر تم جھوٹی تسلی چاہتی ہو تو سو بسم اللہ۔''

''میں نے شادی نہیں کرنی۔''

''تو نہ کرو.....میں تمھارا عندیہ لینے نہیں آئی.....'' کرن کا اطمینان برقرار تھا۔

''تمھارے انداز سے لگ رہا ہے تمھیں میری کوئی فکر نہیں۔''

''بات فکر کی نہیں میری جان.....میرے بس میں ہے کیا.....جو کچھ کرنا ہے انکل نے ہی کرنا ہے۔''

''جیسے تجزیے تم پیش کر رہی ہو.....انھوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی؟''

''اچھا وہ بعد کی بات ہے.....فی الحال تم ایسا کرو کہ اپنے نام نہاد بھیا سے بات کرو.....''

''اے! کرن کی بچی.....تمیز سے نام لو بھیا کا۔''

''ہونہہ بھیا.....بہرحال اسے فون کرو۔''

''کیا بات کروں؟.....مجھے جرأت نہیں ہو رہی اس سے کچھ پوچھنے کی۔''

''اچھا ایسا کرو.....اسے فون کر کے اپنے پاس بلا لو کہنا کہ تمھارا دل چاہ رہا ہے اس سے ملنے کو.....باقی بات اس سے میں پوچھ لوں گی۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تت..... تم نہیں یہ اور بھی معیوب بات ہے..... میں انھیں بلاتی ہوں اور بات میں خود ہی کروں گی۔"

"چلو ایسا ہی کر لینا..... اسی طرح اپنے شاہ جی سے بھی بات کر لو..... اس سے تمھیں ویسے ہی حیا نہیں آتی۔"

حنا کھسیانی ہو کر بولی۔ "بکواس کرنا کوئی تم سے سیکھے۔"

"خود ہی تو الاپتی رہتی ہو..... میرا شاہ جی اور میرا شاہ جی......"

"پر اس کا موبائل بند مل رہا ہے۔"

"تو وہیں چلی جاؤ..... شکوک اچھی طرح دور کر لینا۔" کرن نے قہقہہ لگایا۔

حنا اس پر تکیہ پھینکتے ہوئے حیا آلود لہجے میں بولی۔ "گندی......"

"واہ جی..... اب گندی میں ٹھہری۔"

"اچھا بکواس نہیں..... سنو جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ اس جگہ سے کہیں شفٹ ہو گیا ہو گا۔ اگر وہاں ہوا بھی تو میرے جانے سے وہ پکڑا جائے گا کیونکہ پاپا نے لامحالہ میرا تعاقب کرانا ہے۔"

"جائے گا اس صورت میں جب اسے تیرے اوپر اعتبار نہیں ہو گا۔"

"یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا..... وہ آنکھیں بند کر کے مجھ پہ اعتبار کرتا ہے۔"

"ایسا ہے..... پھر تو وہ وہیں ملے گا۔"

حنا التجائیہ لہجے میں بولی۔ "کیا تم میری جگہ وہاں جا سکتی ہو......؟"

"نہیں جی..... کہتے ہیں نا دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے..... میں کیوں رسک لوں ایک غیر مرد جو مجھے جانتا ہی نہیں..... اور پھر مجرم بھی ہے..... اس کے چنگل میں جا پھنسوں..... ایویں ہی۔"

"نہیں جانا؟"

"حنا سمجھنے کی کوشش کرو..... میں مذاق نہیں کر رہی، اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ڈیڈی اور بھیا نے میرا گلا دبا دینا ہے۔"

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہو گا پھر تم کیوں ڈر رہی ہو؟" حنا کے لہجے میں شامل اعتماد کرن کے ارادے کو متزلزل کرنے لگا۔

"حنا یہ ٹھیک نہیں ہے......" اس کا لہجہ رودینے والا تھا۔

"او کے نہ جاؤ..... کوئی ضرورت نہیں، یوں بھی اسماعیل شاہ جیسے مجرم کا شمار انسانوں میں تو ہوتا نہیں۔"

"خفا ہو گئی ہو؟"

”نہیں......“ حنا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔”اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔“

”اچھا بابا جاؤں گی......اب خوش......؟“ کرن چاہت سے اس لپٹ گئی۔ مگر حنا موڈ بنائے بیٹھی رہی۔

”اب زیادہ نخرے کرنے کی ضرورت نہیں سمجھیں......“ کرن اس کے کان کھینچتے ہوئے بولی۔”میں اتنا بڑا رسک لے رہی ہوں تو صرف تیرے لیے......“

حنا گلوگیر لہجے میں بولی۔”تیرے علاوہ میرا ہے کون؟“

”اچھا یہ بتا اس سے کہنا کیا ہے؟“

”سب کہانی کا تجھے پتا تو ہے۔“ حنا کے چہرے پہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔

”نہ بابا ناں“ کرن کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔”یہ بات آپ خود ہی پوچھ لینا۔“

”اسے کہنا کہ میں نے اس سے ضروری بات کرنی ہے وہ آج رات اپنا فون آن رکھے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے......اتنا میں کرلوں گی“ کرن اطمینان سے بولی۔

”اچھا مرا اپنا نمبر نوٹ کرلو......“ حنا نے نمبر دہراتے ہوئے کہا۔”یہاں سے سیدھے شاہ جی کے پاس جاؤ آنٹی کو میں بتا دیتی ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو اور رات کا کھانا کھا کر جاؤ گی......باقی شاہ جی کے کواٹر پہ پہنچتے ہی مجھ سے رابطہ کرلینا، موبائل آن حالت میں تیرے پاس رہے گا۔“

وہ نمبر نوٹ کرتے ہوئے بولی۔”ہاں گویا میں تو پہلی ملاقات میں تیرے شہزادے کو ورغلا لوں گی نا۔“

”بکواس نہ کرو......یہ میں تیری تسلی کے لیے کہہ رہی ہوں......“

”ٹھیک ہے ماں جی......اب میں جاتی ہوں ورنہ لیٹ ہوجاؤں گی......اب ذرا شاہ صاحب کا ایڈریس بھی بتا دو۔“

حنا اسماعیل شاہ کا ایڈریس دہراتے ہوئے بولی۔”واپس یہیں آنا......پھر یہاں سے تیرے گھر اکٹھے چلیں گی۔“ اور کرن سر ہلاتے ہوئے باہر چل دی۔

☆......☆......☆

حنا کے رخصت ہوتے ہی اسماعیل شاہ کو یوں لگا جیسے کواٹر میں تاریکی چھا گئی ہو۔ وہ اس کی ساری خوشیاں اور امنگیں اپنے ساتھ لے کر چلی گئی تھی۔ خاموشی سے چارپائی پر لیٹ کر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ حنا توقع سے زیادہ اسے عزیز ہوگئی تھی۔

”یہ ٹھیک نہیں ہے“ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔”مجھے اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا......اس کی وجہ سے میں مقصد زندگی سے ہی ہٹ گیا ہوں۔“ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل آف کر کے سائیڈ پہ رکھ دیا کہ رابطہ کی کوئی

صورت باقی نہ رہے۔ البتہ یہ خوف اس کے دل میں ضرور جاگزیں رہا کہ وہ بنفس نفیس بھی وہاں پہنچ سکتی تھی اور اس کا بہترین حل یہی تھا کہ وہ اپنا ٹھکانہ بدل لیتا۔ اس نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا کہ چند روز کے اندر کوئی مناسب ٹھکانہ ڈھونڈ کر وہ کوارٹر خالی کر دے گا۔

حنا سے جان چھڑانے کی ترکیبوں کے ساتھ وہ فاضل خان کو انجام تک پہنچانے کے بارے بھی سوچتا رہا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ فاضل خان سی آئی کی قید میں ہے اور سی آئی ہیڈ کوارٹر میں گھس کر اسے قتل یا اغواء کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور تھا۔ سب سے پہلے تو اسے سی آئی ہیڈ کوارٹر کی لوکیشن کا پتا چلانا تھا۔ اس کے بعد کچھ کرنے کا مرحلہ آتا۔

ایک مرتبہ تو اس کے جی میں آیا کہ وہ گرفتار ہو کر فاضل خان سے قریب ہونے کی کوشش کرے مگر پھر اس نے یہ تجویز رد کر دی۔ گرفتار ہونے کے بعد وہ بے دست و پا ہو جاتا، اسے کوئی ایسی ترکیب سوچنی تھی جس میں کم از کم فاضل خان کے انجام تک وہ خود محفوظ رہتا البتہ اس کے بعد اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ یوں بھی فاضل خان کو قتل کر کے شاید وہ حنا کی نفرت کا مستحق ٹھہرتا اور ایسی زندگی سے موت بہتر تھی۔ رات بھر وہ اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا۔ رات کا کھانا بھی انہی سوچوں کی نذر ہو گیا۔ صبح کی اذانوں کے قریب اسے نیند آئی اور دوپہر ڈھلے ہی اس کی آنکھ کھل سکی۔

فریش ہونے کے بعد وہ اپنے لیے ناشتا تیار کرنے لگا۔ کپ میں چائے انڈیلتے وقت اس کی نظر حنا کے اس کپ پہ پڑی جس میں اس نے آخری مرتبہ چائے پی تھی۔ کپ کی تہہ میں تھوڑی سی چائے اس وقت بھی موجود تھی۔ وہ تھوڑی سی چائے حلق میں انڈیل کر اسماعیل نے وہ کپ بغیر دھوئے الماری میں رکھ دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے برتن دھوئے اور پھر کچھ کرنے کے بارے سوچنے لگا ......سب سے پہلے اسے وہ کوارٹر خالی کرنا تھا کہ اس کا فون بند پا کر لازماً حنا وہاں آتی، لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے وہ اسی قسم کا کوئی دوسرا ٹھکانہ ڈھونڈ لیتا۔ لباس بدل کر کے اس نے مناسب رقم جیب میں ڈالی اور اس وقت وہ جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔ وہ حیرت سے اچھل پڑا...... اس کے ذہن میں فوراً حنا کا نام گونجا کہ اس کے علاوہ کسی کو بھی اس ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔ ”کوئی پڑوسی بھی ہو سکتا ہے“۔ جیب میں پستول کی موجودگی کا یقین کرتے ہوئے اس نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

”کون؟“

”مم...... میں کرن...... آپ اسماعیل شاہ ہیں نا؟...... مجھے حنا نے بھیجا ہے۔“ اسماعیل شاہ کو ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔

”کہیں یہ پولیس یا سی آئی کی چال نہ ہو......“ ایک امکانی سوچ اس کے دماغ میں ابھری مگر پھر یہ سوچ کر کہ پولیس یا سی آئی کو ایسی چالیں چلنے کی کیا ضرورت تھی...... اگر انھیں اسماعیل شاہ کا ٹھکانہ معلوم ہو جاتا تو دستک دینے کی زحمت کبھی نہ کرتے۔ اور یوں بھی اسے حنا پر اعتماد تھا کہ اس کے تجیہ کرنے کے بعد وہ کسی کو بھی اس ٹھکانے کا نہیں بتا سکتی تھی۔ اس نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ اسے

ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی اسماعیل کو دیکھتے ہی اس نے اعتماد سے ''اسلام علیکم بھائی جان کہا'' مگر اس کے چہرے کے تاثرات میں خوف کی جھلک نمایاں نظر آ رہی تھی۔

اس نے دستک دیتے وقت اپنا تعارف کرا دیا تھا مگر اس کے باوجود وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''جی سسٹر؟''۔

''بھائی!...... مجھے حنا نے بھیجا ہے۔'' اسماعیل کے لہجے یا انداز میں ایسی بات ضرور تھی جس نے کرن کے اعتماد میں اضافہ کیا تھا۔

''اندر آجائیں۔'' اسماعیل نے ایک طرف ہو کر کہا۔اور کرن جھجکتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔دروازے کی کنڈی لگا کر وہ اسے کمرے میں لے آیا......''بیٹھیں۔''اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔کرن خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''میرا خیال ہے پہلے میں چائے بنالوں؟''

وہ جلدی سے بولی۔''نہیں بھائی!......چائے میں حنا کے ہاں پی کے آئی ہوں۔''

اسماعیل نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے سامنے چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بہن !......اب بتائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''آپ میری کیا خدمت کریں گے......اپنی حنا صاحبہ کی ہی کر لیں تو بڑی بات ہے۔'' اسماعیل کے شرافت بھرے انداز نے کرن کی شوخی لوٹا دی تھی۔

''میں سمجھا نہیں بہن؟'' کرن کے انداز سے اسماعیل کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ ہوئی کہ وہ حنا کی کوئی قریبی سہیلی ہے......ویسے بھی اس کا اسماعیل شاہ کو اکیلے ملنے کے لیے چلے آنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ اسماعیل اور حنا کے تعلقات کو بہت قریب سے جانتی ہے۔

''شاہ صاحب!......بات یہ ہے کہ آپ کی حنا بی بی ساری رات سو نہیں سکی ہے اور اس نے مجھے آپ کے پاس یہ پیغام دے کے بھیجا ہے کہ آخر آپ نے اپنا موبائل کیوں آف رکھا ہوا ہے۔''

''وہ......بس یونہی'' اسماعیل سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''چاہے آپ کے......بس یونہی سے کسی پہ کچھ بھی گزر جائے......ہاں۔''

''وہ خود کیوں نہیں آئی؟''

''اسے خوف تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر کے آپ کا ٹھکانہ معلوم کر سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟......اس کی نگرانی بھلا کون کرنے لگا؟''

''اس کا ڈیڈی اس کی چھوٹی سی چھوٹی حرکت پہ نظر رکھتا ہے۔''

''پروہ تو..........؟''

''خفیہ پولیس کی قید میں تھا۔'' کرن نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ ''وہ رہا ہو کر واپس آ گیا ہے۔''

''کیا؟......اتنی جلدی؟'' اسماعیل کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''ہاں بھائی......انکل کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔'' وہ اصل بات گول کر گئی۔

''آپ کا نام کرن ہے نا؟''

''جی بھائی۔''

''تو کرن بہن!......بات یہ ہے کہ اپنی سہیلی کو بتا دینا میں اس سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا، اسے کہنا......ہمارے درمیان جو کچھ ہوا اسے ایک بھیانک یا سنہری خواب سمجھ کے بھلا دے۔ وہ ہماری بیوقوفی یا کم عقلی تھی کہ ہم نے ایک دوسرے کی جانب قدم بڑھائے تھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارا ملاپ ندی کے دو کناروں کی مانند ناممکن ہے۔''

''واہ! کیا بات ہے......'' کرن کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ تھی۔ ''تمہارے لیے یہ کھیل تماشا ہو گیا......ایک بھولی بھالی لڑکی کو سہانے سپنے دکھا کر اب شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ وہ یہ سب بھول جائے......جس دم یہ سب کچھ شروع کر رہے تھے اس وقت آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا، کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ وہ دشمن کی بیٹی ہے......اب جبکہ وہ اتنا آگے بڑھ چکی ہے تو محبت آپ کو بیوقوفی نظر آنے لگی۔ وہ عورت ذات ہے جناب جس کا خمیر ہی وفا سے اٹھا ہے۔ جو اپنے مرد کے ساتھ ستی ہو جاتی ہے، مگر اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی اور پھر حنا!......اس کو تو میں بچپن سے جانتی ہوں، باپ کے علاوہ آپ پہلے مرد ہیں جسے اس نے نظر بھر کر دیکھا ہے......وہ کوئی بازاری لڑکی نہیں ہے کہ آج آپ کی آغوش میں تو کل کسی اور کے پاس......''

اسماعیل نے زخمی نظروں سے کرن کی طرف دیکھا۔

''بہن آپ کو ساری بات کا پتا ہے؟''

''ہاں......حنا کی ایک ایک بات کا پتا ہے۔''

''پھر آپ کو اچھی طرح پتا ہو گا کہ پہل کس کی طرف سے ہوئی......اور یہ بھی کہ میں نے کب اسے سہانے سپنے دکھائے ہیں۔''

''ٹھیک ہے پہل اس کی طرف سے ہوئی مگر آپ نے بھی تو حوصلہ افزائی کی ہے۔''

''کبھی نہیں بہن......کبھی بھی نہیں......میں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی کی ہے......کیونکہ میں جانتا ہوں!......وہ کنول ہے اور میں کیچڑ، وہ بہار کا خوشگوار جھونکا ہے اور میں صحرا کی تپتی لو، وہ پھولوں کی سیج کے لیے بنی ہے اور میرے پاس کانٹوں کا بستر ہے، وہ اس قابل ہے کہ کسی سلطنت کی شہزادی ہو اور میری حیثیت ایک غلام جتنی بھی نہیں ہے......اور پھر سب سے بڑھ کر ہمارے درمیان اس کے والد کی

صورت مضبوط دیوار موجود ہے جو میرے نزدیک دنیا کا مبغوض ترین شخص ہے، جبکہ اس کے لیے وہ سر کا سائبان اور پیارا پاپا ہے...... یہ سب جانتے ہوئے میں کیسے اسے اس رستے پر گھسیٹ سکتا ہوں جو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے ...... ہاں اتنا مجرم میں واقعی ہوں کہ تنہائی کے لمحات میں اس جیسی دلکش لڑکی کی پیش قدمی نے میرے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اپنی محبت ظاہر کرنی پڑی۔ اسی طرح اس بات میں بھی کوئی جھوٹ، کوئی فریب نہیں ہے کہ وہ اس دنیا میں مجھے سب سے عزیز، سب سے پیاری ہے۔ اس کا ساتھ میری روکھی اور بے رونق زندگی میں جینے کی امنگ پیدا کرتا ہے...... لیکن افسوس صد افسوس میں اپنے مقصد سے نہیں ہٹ سکتا، میں اپنے والدین کے قاتل اور بہن کی بے حرمتی کرنے والے کو کسی صورت معاف نہیں کر سکتا...... میرا ظرف اتنا نہیں ہے...... اب بتاؤ بہن اس سے دور نہ بھاگوں تو کیا کروں...... کل کو جب میں اس کے والد کی ہلاکت کا باعث بنوں گا تو وہ مجھے کس نگاہ سے دیکھے گی...... کیا میں اس کی نفرت سہہ پاؤں گا...... کیا اس کے آنسو دیکھ سکوں گا۔ اس سے بہتر یہی نہیں کہ میں ابھی سے اس سے جدا ہو جاؤں، غیر بن جاؤں...... اسمٰعیل شاہ جیسے اسے کئی مل جائیں گے...... بلکہ اسماعیل شاہ سے کئی گنا خوبصورت، دولت مند اور چاہنے والے...... اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اس طرح وہ اپنے والد کے قاتل کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی تو آسانی سے کر سکے گی۔"

اسماعیل شاہ کے لہجے کی صداقت اور آنکھوں میں ابھرنے والی نمی نے کرن کو مبہوت کر دیا تھا۔ اس وقت اسے حنا سے رشک محسوس ہوا، گو حنا کروڑوں میں ایک تھی مگر ایک لڑکی کی نظر سے دیکھنے پہ اسے اسماعیل شاہ بھی اس سے کم نظر نہ آیا۔ مگر جو گورکھ دھندہ اسماعیل نے بیان کیا تھا اس کا حل اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"آپ دونوں یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ...... یہاں سے بہت دور...... میں حنا کو اس بات پہ راضی کر لوں گی" کرن نے نادانستگی میں حنا کی من چاہی خواہش بیان کی تھی۔

"بہن کہنے کو یہ آسان بات ہے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے والدین زندہ ہوں اور وہ ان سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر لے...... کبھی تو ایسا ہو گا کہ والدین کی محبت اسے واپسی کا سوچنے پہ مجبور کر دے...... پھر یہ بھی تو سوچو کہ ہم انسان ہیں اور ازدواجی زندگی میں اونچ نیچ ہونا ایک فطری بات ہے...... کیا آپس کے جھگڑے اسے واپسی کی راہ نہیں دکھائیں گے...... اسی طرح میں ساری زندگی یہ طعنہ کیسے سہوں گا کہ اپنی محبت کے حصول کے لیے میں نے والدین کے قاتل کو معاف کر دیا...... اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتی بہن کے مجرم کو چھوڑ دیا...... نہیں بہن نہیں...... وہ چلتی پھرتی لاش تو ہو سکتی ہے اسماعیل شاہ نہیں ہو سکتا۔"

کرن کے ذہن میں برسوں پہلے سنا شعر گونجا جو اس صورت حال پہ منطبق ہوتا تھا......

ہاتھ الجھے ہوئے ریشم میں پھنسا بیٹھے ہیں
اب بتا کون سے دھاگے کو جدا کس سے کریں

وہ غلط بحث کی شروعات کر بیٹھی تھی...... ایک لاینحل مسئلہ چھیڑ بیٹھی تھی، حالانکہ حنا نے اسے ایک مختصر سا پیغام دینے کے لیے بھیجا تھا۔ اتنی دیر اسماعیل سے گفتگو کے بعد ہر قسم کے اندیشے دم توڑ چکے تھے...... اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتی ہو اور اسی بات نے اسے حنا کے مسئلے کی بابت دریافت کا حوصلہ دیا۔

"بھیا! ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟" اس نے صفائی سے موضوع بدلا۔

"بہنیں بھائیوں سے ہر قسم کی باتیں پوچھ سکتی ہیں...... اور پھر آپ تو حنا کی سہیلی ہیں آپ کو تو دوگنا حق حاصل ہے۔"

"تھینکس بھائی...... پوچھنا یہ تھا کہ انسپکٹر حاکم داد آپ کے ہاتھوں قتل ہوا ہے نا؟"

"جی۔" اسماعیل مختصراً بولا مگر وہ اپنے لہجے کی حیرانی نہیں چھپا سکا تھا۔

"اس کے قتل کی وجہ غالباً.........."

"غالباً نہیں یقیناً...... میری بربادی میں وہ فاضل خان کے ساتھ برابر کا شریک تھا۔"

"اس نے تھانے میں آپ پر تشدد بھی تو کیا تھا نا؟"

"بہت زیادہ...... اسے غیر انسانی سلوک کہو تو مناسب رہے گا...... یہاں تک کہ میں اپنی والدہ کا قتل اپنے سر لینے پہ مجبور ہو گیا تھا۔"

"کیا اس نے آپ کو جسمانی طور پہ کوئی ایسا نقصان پہنچایا جس کی تلافی نہ ہو سکتی ہو؟" کرن محتاط الفاظ میں مستفسر ہوئی۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"مم...... میرا مطلب ہے آپ کو کوئی ایسا نقصان جس سے آپ کے مستقبل یعنی ازدواجی زندگی پہ کوئی برا اثر پڑے؟" کرن کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی بات کی وضاحت کیسے کرے۔

"میں سمجھ نہیں پا رہا؟" اسماعیل بھی الجھ گیا تھا۔

"اچھا چھوڑیں...... یہ بتائیں حنا سے آج رات بات کرو گے یا نہیں؟" کرن کو اس سے زیادہ وضاحت کی جرأت نہ ہوئی۔

"آپ کچھ پوچھنا چاہ رہی ہیں مگر وضاحت نہیں کر پا رہیں۔"

اس نے دوبارہ ہمت باندھتے ہوئے پوچھا "بھیا بات کچھ معیوب سی ہے...... لیکن میں نے انکل سے سنا ہے کہ تھانیدار حاکم داد نے آپ کو ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں...... جہاں تک ازدواجی زندگی کا تعلق ہے تو میں شادی شدہ رہ چکا ہوں...... البتہ میری بیوی شادی کے چند دن بعد ہی قتل ہو گئی تھی لیکن جتنے دن میرے پاس رہی مطمئن اور خوش و خرم رہی تھی اسے مجھ سے کوئی ایسی شکایت نہیں تھی جس کے بل پہ قطع تعلق کرنے پہ مجبور ہو سکتی۔"

"بھائی!.....انکل کہہ رہے تھے کہ تھانیدار نے.....آپ.....کو.....بع.....عو.....رت کے قابل نہیں چھوڑا۔" یہ بات کہتے ہوئے کرن کا چہرہ حیا آلود سرخی سے تمتمانے لگا تھا اور اس کی نظریں فرش پہ گڑی ہوئی تھیں۔

"سچ کہو.....یہی بات پوچھنے کے لیے حنا نے بھیجا ہے نا؟" یکدم اسماعیل کو ساری بات کی وضاحت ہو گئی اور وہ سمجھ گیا کہ کرن کی آمد کا مقصد کیا تھا۔

"نن.....نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" اسماعیل کے انداز نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"کیا سمجھ رہا ہوں میں؟"

"مم.....میرا مطلب ہے کہ.....کہ.........." اس سے کوئی بات نہ بن پڑی اور وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"اچھا اسے کہنا کہ.....تنہائی میں کسی لڑکی کی عزت وعصمت کی حفاظت کرنا نامردی کی علامت نہیں، بلکہ سوچا جائے تو اصل مردانگی یہی ہے.....اور کسی کمزور لڑکی پر دست درازی گھٹیا اور کم ظرف شخص کی علامت ہے۔"

"بھیا آپ حنا سے بدظن ہو گئے.....آپ نہیں جانتے کہ وہ آپ کو کتنا چاہتی ہے؟" کرن نے اپنی سہیلی کا دامن صاف کرنا چاہا۔

"اگر پہلے پتا نہیں بھی تھا تو اب جان گیا ہوں۔"

"اچھا بھیا میں آپ کو ساری صورت حال بتاتی ہوں........." کہتے ہوئے کرن نے مجبوراً ساری بات من وعن اس کے سامنے دہرا دی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسماعیل اس کی وجہ سے حنا سے بدظن ہو جائے۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "بھیا وہ تو آپ کو اتنا چاہتی ہے کہ مجھے کہہ رہی تھی اگر آپ کے متعلق اس کے باپ کی کہی گئی بات حقیقت بھی ہوئی تب بھی وہ صرف آپ سے ہی شادی کرے گی....."

"بہن!.....میرا خیال ہے آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہے.....اور اب شام کی آذان ہو رہی ہے، آپ کا یہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں لگتا۔" اسماعیل نے اس کی بات پہ کسی بھی قسم کا تبصرہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ یوں بھی اس کے نزدیک حنا کی محبت کسی صفائی کی محتاج نہیں تھی۔

مغرب کی اذان کی آواز کرن کے کانوں میں بھی پڑ چکی تھی۔ اسماعیل اگر یہ نہ بھی کہتا تب بھی وہ اٹھنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

"صحیح کہا بھیا!.....مجھے اب چلنا چاہیے.....بس یہ بتا دو کہ حنا کو کیا جواب دوں؟"

"وہ ساری گفتگو اچھی طرح سن اور سمجھ چکی ہے۔" اسماعیل نے اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کے جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جو دوران گفتگو اس نے چھوٹی میز پر رکھتے ہوئے میز اسماعیل شاہ کی طرف کھسکا دی تھی۔

کرن کے چہرے پہ خجالت بھرے تاثرات نمودار ہوئے.....اور وہ بوکھلاتے ہوئے بولی۔

"مم.....میرا مطلب تھا.....موبائل آن کرو گے کہ نہیں؟"

''نہیں......اور کل تک یہاں سے بھی کہیں اور شفٹ ہو رہا ہوں۔''

وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ گئے تھے، کرن نے قدم روکتے ہوئے پوچھا''بھیا ایک بات کہوں برا تو نہیں مناؤ گے......؟''

''شاید نہیں۔''

''اگر آپ کا یہی برتاؤ رہا تو جلد ہی سن لو گے کہ فاضل خان کی ایک بیٹی ہوتی تھی جس کا نام حنا فاضل علی خان تھا۔......ویسے انتقام لینے کا یہ طریقہ کافی منفرد اور اچھا ہے......وہ کیا کہتے ہیں......

خنجر پہ کوئی داغ نہ دامن پہ کوئی چھینٹ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو؟

یہ کہتے ہی وہ اسماعیل کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئی۔اس کی کار قریب ہی پارک تھی۔کار میں بیٹھتے ہی اس نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا......

''تم نے سب کچھ سن لیا ہو گا......مس مصیبتے؟''

''ہاں......لیکن اب ایسا کرو واپس جا کر ایک چھوٹا سا پیغام شاہ جی کو دے دو......کہنا کہ اسے یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں،اور وہ اپنا موبائل بھی آن رکھ سکتا ہے......نہ تو میں اس جگہ کا پتا کسی کو بتاؤں گی اور نہ یہاں آنے کی زحمت کروں گی،اسی طرح اسے کال بھی نہیں کروں گی......جب اس کو میری ضرورت نہیں ہے اور وہ مجھے اپنی راہ کا پتھر سمجھتا ہے تو آج سے میں بھی اس کے لیے مر گئی''

''ٹھیک ہے......یہ بھی کہہ دیتی ہوں،لیکن بعد میں مجھے مورد الزام نہ ٹھہرانا۔''

''نہیں ٹھہراتی۔''حنا کے لہجے میں ایک عزم تھا شاید اسماعیل کے بار بار جان چھڑانے کی بات نے اس کی انا کو مجروح کیا تھا۔کرن ایک مرتبہ پھر کوارٹر کے دروازے کی طرف بڑھی اور ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا جو فوراً کھل گیا شاید اسماعیل دروازے پہ ہی کھڑا تھا۔کرن کو اس کی مستعدی پہ حیرانی ہوئی

''آپ شاید دروازے پہ ہی کھڑے تھے؟''کرن کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''ہاں......کیونکہ مجھے پتا تھا اگر وہ ساری باتیں سن رہی تھی تو ضرور کوئی جواب بھی دے گی......کیا کہا ہے اس نے؟''اسماعیل کے استفسار نے اس کی تمہیدی مشکل حل کر دی تھی۔

''کہہ رہی ہے آپ کو نہ تو ٹھکانہ بدلی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی موبائل آف رکھنے کی ضرورت ہے......آپ یہ سمجھیں کہ حنا نام کی کوئی لڑکی آپ کو جانتی ہی نہیں اور نہ ہی آپ کے ٹھکانے سے واقف ہے،آپ بے دھڑک یہاں رہ سکتے ہیں......اگر آپ کے پیچھے

کوئی یہاں تک پہنچ گیا تو وہ آپ کی کسی اپنی غلطی کی وجہ سے پہنچے گا۔'' یہ کہہ کر کرن واپس مڑ گئی۔اسماعیل بھی دروازہ بند کر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔اس کی زندگی کا ایک اہم باب بند ہو گیا تھا......حنا کے بغیر جینے کا تصور ہی گراں تھا مگر اس نے بھی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ فاضل خان کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہی گرفتاری دے دے گا کہ پھانسی کا پھندہ ہی اسے حنا کی جان لیوا یادوں سے مکتی دلا سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''تو آپ کو گھر میں آرام نہیں آ رہا تھا؟'' عاطف شہزادی سے مخاطب تھا جو نقاب اوڑھے اپنے شوہر کے ہمراہ اس کے آفس میں موجود تھی۔

''عاطف بھائی......ان کا کراچی میں کام تھا......سوچا میری بھی ذرا آؤٹنگ ہو جائے گی اور اس کے ساتھ آپ سے ملاقات بھی کر لوں گی۔'' روایتی بیویوں کی طرح اس نے اپنے شوہر کا نام لینا گوارا نہیں کیا تھا۔

''ویسے انھوں نے آپ کو پہچانا کیسے؟......کہیں غلطی سے آپ نے نقاب تو نہیں الٹا ہوا تھا؟''

''نہیں بھائی......ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔''

''کوئی ایسی عادت......جس سے آپ کو نقاب میں بھی پہچانا جا سکتا ہو؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر انھوں نے کیسے پہچانا......؟''

''شاید میرے شوہر کی وجہ......؟''

''کیا وہ تنویر کو جانتے ہیں؟''

''بھیا کبھی واسطہ تو نہیں پڑا۔'' اس بار جواب تنویر نے دیا تھا۔

''میرا خیال ہے یہی بات ہوئی ہو گی......بہر حال اب یوں ہے کہ فی الحال چند دن تو آپ مجھے میزبانی کا موقع دو نا؟ اس دوران ہم ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیں گے پھر کراچی میں خوب گھوم لینا......اور آئندہ اگر آنا ہو تو اس سے پہلے مجھے فون کر کے حالات کی آگاہی لے لینا......آپ کے پرانے کرم فرما اتنی آسانی سے آپ کو نہیں بھلا سکتے۔''

''ٹھیک ہے بھائی'' شہزادی نے اثبات میں سر ہلایا۔اور اس سے پہلے کہ عاطف مزید کچھ کہتا اس کے موبائل کی گھنٹی بجی......سکرین پہ نظر ڈالنے پر اسے نامعلوم نمبر نظر آیا۔

''جی؟''

''بھیا میں ہوں......'' اسے حنا کی آواز سنائی دی۔

''چھوٹی تم!......واپس آ گئی ہو؟''

''جی بھیا......میں کل واپس آ گئی تھی۔''

''اور اطلاع اب دے رہی ہو؟'' عاطف کا لہجہ شکایت لئے ہوئے تھا۔

''بھیا میرا موبائل اغواء کرنے والے خبیثوں نے چھین لیا تھا......نیا کنکشن لیا ہے اور پھر آپ کا نمبر بھی تو موبائل کے ساتھ چلا گیا تھا...... بڑی مشکل سے ڈائری میں لکھا ملا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے فی الحال آرام کرو میں تھوڑا مصروف ہوں فارغ ہو کر کال کرتا ہوں۔''

''نہیں بھیا آپ فی الفور میرے پاس پہنچیں......''

''چھوٹی میں مصروف ہوں..........اور پھر ٹائم دیکھو عشاء کی اذانیں ہونے کو ہیں۔''

''بھیا کوئی مصروفیت نہیں......باقی رات بھر مجھے یوں بھی نیند نہیں آتی......اور کال ڈس کنکٹ کر دیں خدا حافظ۔''

''تو کیا تم فون بند نہیں کر سکتی ہو؟'' اسے ہنسی آ گئی تھی۔

''امی جان کہتی ہیں کہ بڑوں سے فون پہ بات کرتے ہوئے رابطہ خود منقطع نہ کیا کرو۔''

''اچھا اگر نیند نہیں آتی تو پھر چند گھنٹوں تک پہنچ جاتا ہوں۔'' عاطف نے ایک مرتبہ پھر جان چھڑانے کی کوشش کی۔

''بھیا زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا......اور بس کچھ نہیں سننا خدا حافظ۔''

''چھوٹی بات تو سنو......''

''بھیا خدا حافظ'' حنا اسی لے میں شروع رہی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کیا۔ شہزادی اور تنویر اسی کی طرف متوجہ تھے۔

''پھر آپ لوگ کھانا کھائیں اور آرام کریں......صبح گپ شپ کریں گے۔''

''ٹھیک ہے بھائی'' شہزادی بولی۔ عاطف نے فون اٹھا کر ملازم کو ان دونوں کے بارے ضروری ہدایات دیں۔ اور پھر فون رکھتا ہوا بولا......

''ابھی ملازم آپ کو آرام گاہ دکھا دیتا ہے۔'' شہزادی کے اثبات میں سر ہلانے پہ وہ آفس سے نکل آیا، اور بمشکل اپنی گاڑی تک پہنچا تھا کہ اسے راجا ذیشان تیز قدموں سے اپنی سمت آتا دکھائی دیا۔

''سر! رندھیر نے زبان کھول دی ہے۔'' قریب آ کر وہ بغیر کسی تمہید کے بولا۔

''کتنے آدمیوں کے ٹھکانے پتا چلے ہیں؟''

"میجر روہیت اور اس کے اپنے ٹھکانے کے علاوہ چار مزید ٹھکانوں کو بتایا ہے دو ٹھکانوں پہ دو دو آدمی ہیں باقی دو میں ایک ایک۔"

"او کے پانچ منٹ میں تمام کو کانفرنس روم میں اکٹھا کرو ہم ابھی چل رہے ہیں" جانے کا ارادہ موٴخر کر کے وہ کانفرنس روم کی طرف بڑھ گیا۔تمام کے پہنچتے ہی اس نے تین تین آدمیوں کے گروپ تشکیل دے کر ہر گروپ کو ایک ٹھکانے کی ذمہ داری سونپی۔میجر روہیت کا ٹھکانہ فاضل خان کی کوٹھی کے جانب تھا وہ اپنے لیے منتخب کرتا ہوا وہ بولا......

"میں،منذر اور اشفاق میجر روہیت کی رہائش گاہ کی طرف جائیں گے......وائرلیس پہ ملاپ رکھنا ہے،آؤٹ آف رینج ہونے کی صورت میں موبائل متبادل ذریعے کے طور پر استعمال کرنا......کسی کی کوئی بات؟"

"نہیں سر......"تمام بیک زبان بولے تھے۔

"چلو پھر......ٹائم کم ہے۔"عاطف نے کہا اور تمام کانفرنس روم سے نکل کر پارکنگ میں کھڑی گاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔

میجر روہیت کی رہائش کی تلاشی لے کر وہاں سے ملنے والا سامان اس نے اشفاق کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سامان گیسٹ ہاؤس لے جاؤ......اور منذر تم اس جگہ کی نگرانی کرتے رہو......اگر کوئی یہاں آئے تو پیچھا کرنے پہ اکتفا کرنا ہے اس پہ ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔"دونوں کے اثبات میں سر ہلانے پہ وہ کار میں بیٹھا اور وہاں سے نکل آیا اس کی کار کا رخ حنا کے گھر کی طرف تھا۔ٹھکانوں کی نسبت سے اس نے کل چھ پارٹیاں ترتیب دی تھیں جن میں سے تین پارٹیوں کی طرف سے اسے کامیابی کی امید مل چکی تھی،چوتھی پارٹی اس کی اپنی تھی۔دو پارٹیاں البتہ ابھی تک مطلوبہ آدمیوں کی واپسی کی منتظر تھیں۔ان کے سرغنہ گرفتار ہو چکے تھے اس لیے ان عام ایجنٹوں کی عاطف کو اتنی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔دوسری دفعہ اس نے را کے سیٹ اپ پر کاری ضرب لگائی تھی۔

گھڑی پہ نگاہ ڈالنے پہ اسے رات کے دس بجتے دکھائی دیے مگر حنا کی بات کو ٹالنا بھی اس کے بس میں نہیں تھا وہ اس کے گھر کی طرف بڑھتا گیا۔

☆......☆......☆

سب سے پہلے فاضل خان نے اپنے ان آدمیوں کو اکٹھا کیا جو اس کی گرفتاری کے بعد منظر سے غائب ہو گئے تھے۔اس کے بعد اس نے نورل کے ذریعے درجن بھر نئے بندے بھی اپنے گروہ میں شامل کر لیے،کیونکہ اس کے پانچ چھ بندے اسماعیل کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے دو آدمی اس نے خود مروائے تھے،دو تین آدمی بلیک واٹر کے ہاتھوں انجام کو پہنچے تھے جبکہ ملک دشمن سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے اسے آدمیوں کی شدت سے ضرورت تھی۔

اپنی بیٹی کی حفاظت اور اس کی حرکات پہ نظر رکھنے کے لیے اس نے چار آدمی محافظ کے طور پر اس کے ساتھ مقرر کر دیے تھے۔لیکن وہ صرف ایک دفعہ گھر سے باہر نکلی تھی اور بازار سے موبائل وغیرہ کی خریداری کے بعد واپس آ گئی تھی۔اپنی سہیلی کے ساتھ البتہ وہ

کافی دیر مصروف گفتگو رہی تھی اور فاضل خان جانتا تھا کہ وہ کس مسئلے میں سر کھپا رہی ہے۔ شام کا کھانا بھی اس نے کمرے میں کرن کے ساتھ مل کر کھایا تھا۔ اور پھر کرن کے رخصت ہونے کے تھوڑی دیر بعد وہ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا۔ وہ موبائل پہ کسی سے بات کر رہی تھی ۔فاضل خان کا اندر داخل ہونا اور اس کا رابطہ منقطع کرنا اکھٹے ہوا تھا شاید وہ بات مکمل کر چکی تھی۔

''آئیں پاپا.....'' اسے دیکھتے ہی وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ فاضل خان نے نظر بھر کر اسے دیکھا، اسے محسوس ہوا کہ وہ بہت بڑی ہو گئی تھی۔

''بیٹھو گڑیا۔'' وہ اس کے ساتھ ہی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ ''طبیعت کیسی ہے اب؟۔''

''ٹھیک ہوں پاپا۔''

''اچھا بیٹی میں ایک ضروری بات کرنے آیا تھا۔'' اس کے لہجے میں پہلے والی گھن گرج اور طنطنہ مفقود تھا۔

وہ دھیرے سے بولی۔''جی پاپا ......حکم کریں؟''

''گڑیا پتا ہے نا.....پچھلے دنوں حالات کافی خراب رہے ہیں.....اور اس دوران اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو ایک بہت بڑی ذمہ داری میں ادھوری چھوڑ جاتا..... پاپا کی جان تمھیں پتا ہو گا کہ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں اور والدین کے لیے بیٹی کو رخصت کرنا جتنا مشکل اور گراں مرحلہ ہے اتنا ہی ضروری بھی ہے.....اگر والدین چاہیں بھی تو اسے ساری زندگی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔ تمھیں آج نہیں تو کل پرائے گھر جانا پڑے گا..... پہلے میں اس بات پہ اتنا دھیان نہیں دیتا تھا جبکہ تیری ماں نیک بخت مجھے ہر وقت اس بات کا احساس دلاتی رہتی اور میں اس کی باتوں کو ہنسی مذاق میں ٹال دیتا تھا..... پر اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ وہ حق پر تھی، موت حیات کا کوئی پتا نہیں..... میں تو یوں بھی دشمن دار آدمی ہوں اور موت کے فرشتے کے علاوہ بھی کچھ لوگ میری گھات میں ہیں۔ اس لیے چندا میں تیری پسند پوچھنے آیا ہوں ......اگر تو کسی کو پسند کرتی ہے تو اسے بتا دو کہ وہ اپنے والدین کو ہمارے پاس بھیجے......اگر رشتہ تمھارے لائق ہوا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور اگر تیری کوئی پسند نہیں ہے تو بھی بتا دو تا کہ ہم ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔''

اس وقت حنا کو محسوس ہوا کہ کرن کا تجزیہ بالکل ٹھیک تھا۔ والد اس کی شادی کے بارے سنجیدہ تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''پاپا!......میں نے شادی نہیں کرنی۔''

''پاپا کی جان!......اگر یہ ممکن ہوتا سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوتی۔''

''اس میں ناممکن والی کون سی بات ہے؟''

''یہ فطرت سے بغاوت کرنا ہے......اور ایسا صرف سوچنا ممکن ہے۔''

''کوئی بغاوت نہیں ہے پاپا......اللہ آپ کی عمر دراز کرے، آپ دیکھ لیں گے کہ میں کتنی ثابت قدم ہوں۔''

''غلط بات پہ ڈٹ جانے کو ثابت قدمی نہیں کہتے گڑیا۔''

''پاپا! کیا آپ میری خوشی میں خوش نہیں ہیں؟''

''بیٹی!......آج تک جو بھی کام کیا ہے، چاہے وہ ٹھیک ہے یا غلط تیری خوشی کے لیے ہی کیا ہے۔''

''تو بس ٹھیک ہے پاپا...... میں شادی نہ کر کے خوش ہوں۔'' حنا نے جواب دیا اور پھر اس کے ذہن میں ایک اور بچاؤ آیا اور وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔''اور ماسٹر کرنے سے پہلے تو میں اس بارے سوچ ہی نہیں سکتی۔''

مگر فاضل خان اس کی بار پہ توجہ دیے بغیر بولا۔''تیری ماں نے مجھے تین رشتے بتائے ہیں......ایک امریکن نیشنلٹی ڈاکٹر کا ہے۔ دوسرے کا اپنا کاروبار ہے اور وہ برطانیہ میں سیٹل ہے......جبکہ تیسرا ایم این اے کا بیٹا ہے...... مجھے تو تینوں رشتے پسند ہیں تم ان کے فوٹو دیکھ کر ماں کو اپنی پسند بتا دینا۔''

''پاپا اگر آپ روایتی والدین کی طرح زبردستی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی......ورنہ میں کسی ڈاکٹر انجینئر پہ راضی نہیں ہوں۔''

فاضل خان نے پیار سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے کہا......

''پاپا کی جان!...... تجھے پتا ہے کہ میں تیرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا ہوں...... بہر حال تیرے پاس دو ہفتے کا ٹائم ہے......اگر کوئی لڑکا پسند ہے تو ماں کو بتا دینا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا دوسری صورت میں دو ہفتے کے بعد میں امریکن ڈاکٹر کی فیملی کو گھر بلوا لوں گا ......پھر تیری مرضی بھری محفل میں اپنے پاپا کی انسلٹ کراتی ہو یا اس کی بات کی لاج رکھتی ہو۔''اور پھر حنا کا جواب سنے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حنا کبھی بھی اس کے سامنے اسماعیل کی چاہت کا اقرار نہیں کرے گی۔اور اس کے علاوہ وہ کسی لڑکے سے واقف بھی نہیں تھی۔انہی سوچوں میں سرگرداں وہ اپنے مخصوص کمرے میں داخل ہوا تو اچانک اس کے خفیہ موبائل کی گھنٹی بجنے لگی......اس نے سرعت سے الماری سے وہ موبائل نکالا اور کال اٹینڈ کرتا ہوا بولا۔

''یس سر......فاضل سپیکنگ۔''

''سیٹھ صاحب!......سنا ہے پرسوں فقہ جعفریہ والے ایک بہت بڑا جلوس نکالنے والے ہیں......کوئٹہ میں ہونے والے حالیہ دھماکے میں اس فرقہ کے کافی افراد ہلاک ہوئے ہیں......اور ان کے غم میں احتجاجی جلوس دوسرے بڑے شہروں کے علاوہ کراچی سے بھی نکالا جائے گا۔''

''سر میں چند منٹ میں پتا کر کے آپ کو بتا دیتا ہوں۔''

''مجھے کنفرم ہے......اور پتا ہے تم نے کیا کرنا ہے؟''

''جی سر۔''اس کے لہجے میں خوشی کا عنصر نمایاں تھا......آخر بلیک لیکوئڈ نے اس سے دوبارہ کام لینا شروع کر دیا تھا۔

جواباً ایسے انداز میں ’’گڈ ‘‘کہا گیا جیسے وہ رابطہ منقطع کرنے والا ہو۔وہ جلدی سے بولا۔

’’سر ایک بات پوچھوں؟‘‘

’’پوچھو؟‘‘

’’مسٹر ڈیوی کی جگہ پہ کوئی آدمی نہیں آرہا؟‘‘

’’نہیں اس کی جگہ پہ کوئی نہیں آئے گا......اب تمھیں براہ راست احکامات ملا کریں گے۔ویسے تمھاری اطلاع کے لیے بتادوں کہ ڈیوی واپس ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔‘‘

’’بلیک لیکونڈ کے آدمی کو کون قید رکھ سکتا ہے سر‘‘اس کے لہجے میں خوشامد کا عنصر نمایاں تھا۔

جواباً’’گڈ بائی‘‘کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔موبائل واپس الماری میں رکھتے ہوئے اس نے ایک دوسرا موبائل وہاں سے نکالا اور ایک مخصوص نمبر ڈائل کرنے لگا۔پہلی گھنٹی پہ کال اٹینڈ کرلی گئی تھی۔

’’جی سیٹھ صاحب ؟‘‘

’’کیسے ہو منور صاحب؟‘‘

’’فٹ اینڈ فائن،سیٹھ صاحب۔‘‘

’’اگر یوں ہے تو ایک سوزکی کار تیار کرالو کل شام تک چاہیے ہوگی۔‘‘

’’ہو جائے گی سیٹھ صاحب......کہاں بھیج دوں؟‘‘

ایک لمحہ سوچنے کے بعد وہ بولا’’میرے گھر ہی بھجوا دینا......ویسے کوئی خطرہ تو نہیں ہوگا ناں،اصل میں پہلے میں جس جگہ کو استعمال کیا کرتا تھا وہ کسی دشمن کے ہاتھوں تباہ ہوگئی ہے۔‘‘

’’کیسی بات کرتے ہیں سیٹھ صاحب......اگر میرے کام میں بھی خطرہ ہو تو پھر باقیوں میں اور مجھ میں فرق کیا رہ جائے گا؟‘‘

’’ویسے ایک دوسری جگہ ہے میرے پاس مگر وہ اس لوکیشن سے کافی دور ہے۔جہاں یہ استعمال ہونی ہے اور پھر یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جتنی دور سے آئے گا پکڑے جانے کا خطرہ بڑھتا جائے گا......پھر بھی اگر ذرا سا خطرہ بھی ہو تو مجھے آگاہ کردو میں رسک لیتے ہوئے اسی دور والے مقام کو استعمال کرلوں گا۔‘‘

’’سیٹھ صاحب ! ......اب اتنی بے اعتباری بھی اچھی نہیں ہوتی ...... جب تک ہمارا مخصوص فنکشن ایکٹی ویٹ (Function,Activate) نہیں کیا جائے گا،ہلکا سا بھی خطرہ نہیں......آپ بالکل مطمئن رہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے......کل عصر تک کام ہو جانا چاہیے۔‘‘

جواب ملا" ٹھیک ہے سیٹھ صاحب میں کوشش کروں گا شاید اس سے پہلے ہی مکمل کرلوں۔"

"اوکے......رقم میں آپ کے اکاؤنٹ میں ابھی ٹرانسفر کرادیتا ہوں"

"تھینک یو سیٹھ صاحب......"

"گڈ بائی۔" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

"جی بھائی صاحب......؟" کوٹھی کے گیٹ پہ کھڑا نیا چوکیدار عاطف کو نہیں پہچانتا تھا۔

"حنا بی بی کو کہیں عاطف آیا ہے؟"

"آئیں سر......آپ کے بارے اس نے پہلے سے بتایا ہوا ہے۔" اس بار چوکیدار کے لہجے میں ادب کا پہلو واضح تھا۔اس نے پیچھے جا کر گیٹ کھولا اور عاطف کار اندر لے گیا......گیرج کے سامنے کار کھڑی کر کے وہ اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔حنا کا کمرہ اس کا دیکھا بھالا تھا اس لیے اس نے کسی سے رہنمائی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔برآمدے میں گھومتے ہوئے دو مستعد گن مینوں کو دیکھ کر عاطف کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔سیٹھ فاضل نے بڑی جلدی پر پرزے نکالے تھے۔دونوں گن مینوں نے عاطف کو گہری نگاہوں سے دیکھنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"حنا کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹانے پہ "یس۔" کی آواز آئی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔وہ اس کے انتظار میں بے قراری سے ٹہل رہی تھی۔اسے دیکھتے ہی وہ خفگی سے بولی۔

"بھیا اتنی دیر کر دی؟"

وہ قریب جا کر اس کے جھکے سر پہ ہاتھ رکھتا ہوا بولا' چھوٹی تم اچھی طرح واقف ہو کہ میں کون سی جاب کرتا ہوں۔پھر میرا نہیں خیال کہ تمھیں کوئی گلا ہونا چاہیے......؟"

"اچھا یہ بتائیں کھانا کھایا ہے کہ نہیں؟۔"

"کوئی اچھی ڈش بنی ہے تو منگوالو؟"

حنا نے ہنستے ہوئے کہا" ہاں کرن آئی تھی نا......اور وہ جب بھی آتی ہے کم از کم تین چار ڈشیں بنانی پڑتی ہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے ملازمہ کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔

عاطف نے کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔"طبیعت کیسی ہے اب؟"

"بالکل ٹھیک بھیا......آپ سنائیں؟"

عاطف نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں تو صرف سننے آیا ہوں بھئی''

حنا کے کچھ کہنے سے پہلے ملازمہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ ''جی چھوٹی بی بی؟''

''ماسی کھانا گرم کر کے لے آؤ۔''

وہ دوبارہ ''جی چھوٹی بی بی۔'' کہہ کر باہر نکل گئی۔

حنا نے کھوجتی نظروں سے عاطف کے چہرے کو گھورا مگر اسے کوئی ایسا تاثر نظر نہ آیا جس سے اسے اپنے باپ کی بات میں حقیقت محسوس ہوتی..... مگر اس کے ساتھ وہ قرآن مجید کی قسم کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔

''کوئی خاص بات تھی کیا؟''

''نہیں.....'' حنا نے صریحاً جھوٹ بولا۔

''تو پھر اس ٹائم بلانے کا مقصد؟''

''بس آپ سے ملنے کو من چاہ رہا تھا..... یوں بھی جب تک بہنیں بھائیوں کو باخیریت نہ دیکھ لیں انھیں چین نہیں آتا۔'' حنا نے بھائی کے لفظ پہ غیر محسوس انداز میں زور دیا تھا۔

عاطف مسکرایا۔ ''خیریت تو فون پہ بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔''

''ہاں..... مگر شکل نہیں دِکھتی۔''

''یہ کوئی دیکھنے والی شکل ہے ؟''

وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ ''کیسی بھی ہو..... ایک بہن کے لیے تو دنیا کی سب سے دلکش شکل ہے۔''

''اے چھوٹی!..... اب سیدھے طریقے سے اصل بات بتا دو..... تمھارے چہرے پہ مجھے بارہ بجتے نظر آ رہے ہیں؟''

''بھیا ابھی تھوڑی دیر پہلے پاپا میرے پاس آئے تھے.....''

اس نے پوچھا۔ ''تو پھر؟'' مگر حنا کے کچھ کہنے سے پہلے ملازمہ کھانے کا ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔ اور عاطف کے سامنے پڑی میز پہ ٹرے رکھ کر جس خاموشی سے آئی تھی اس طرح واپس مڑ گئی۔

وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دوبارہ مستفسر ہوا۔ ''تم کچھ بتانے جا رہی تھیں؟''

وہ آہستہ سے بولی۔ ''پاپا میری نسبت طے کر رہے ہیں۔''

''کہاں؟'' اس کے نارمل لہجے سے حنا کو اس کی اندرونی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں ہوا تھا۔

''امریکی شہریت رکھنے والا ایک ڈاکٹر ہے۔''

"اس میں قباحت کیا ہے..... تیرا باپ ہے، تیری بھلائی ہی سوچے گا۔ اور پھر آج کل جو پاکستان کے حالات ہیں تو ایسے میں امریکہ کی شہریت..... میرا خیال ہے آج کل کی لڑکیاں اس سے اچھا سپنا دیکھنا بھی نہیں چاہیں گی۔"

"بھیا آپ کو تو پتا ہے پھر بھی؟" حنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"پاگل بھائیوں کو بھی تو بہنوں کے اچھے مستقبل کی حرص ہوتی ہے..... اسماعیل شاہ تجھے سوائے غموں کے کیا دے سکتا ہے؟..... پھر وہ مجرم بھی ہے، گرفتار ہو گا یا کسی اندھی گولی کا شکار ہو جائے گا..... میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ یہ محبت وغیرہ کے فریب سے باہر نکلو ..... اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔"

"اسمٰعیل شاہ سے اتنی نفرت کا اظہار کس لیے؟" حنا کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اسے چونکا دیا تھا ادھ چبا نوالہ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اس نے پوچھا.....

"اپنی رہائی کی بابت تجھے باپ نے کیا بتلایا ہے؟" حنا کے انداز پہ اسے مجبوراً موضوع بدلنا پڑا تھا۔

"پاپا نے جو بات کی وہ وہ رشتوں کا تقدس ختم کرنے والی ہے، اس لیے وہ راز ہی رہے تو بہتر ہے۔"

"او کے پھر چلتا ہوں....." اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ تقدس مجھے اتنی جلدی بحال ہوتا نظر بھی نہیں آتا۔"

وہ اطمینان سے بولی۔ "پہلے مجھے خودکشی کرنے والوں پہ ہنسی آتی تھی۔"

عاطف کے باہر کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، قریب جا کر وہ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"کیا بھائی کے رشتے سے اعتبار اٹھ گیا ہے؟"

"نہیں..... لیکن جب قرآن مجید ہاتھ میں پکڑ کر کسی کے کردار پہ انگلی اٹھائی جاتی ہے تو یقین نہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

ایک لمحے کے ساتھ عاطف کو ساری بات سمجھ آ گئی۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیڈ پہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"چھوٹی!..... تیز دھوپ میں صحرا یا کسی چٹیل میدان میں سے گزرنے والے آدمی کو اپنے سامنے تھوڑے فاصلے پہ صاف و شفاف پانی کی لہریں نظر آتی ہیں..... اسے عرف عام میں سراب یا فریب نظر کہتے ہیں۔ اور یاد رکھنا یہ فریب نظر کئیوں کی جان لے چکا ہے۔"

"بھیا!..... کچھ سمجھ نہیں آ رہی میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" وہ رو پڑی۔

"اگر مجھے ہلکی سی بھی امید ہوتی کہ تم راز رکھ پاؤ گی تو میں ساری کہانی بتا دیتا..... یاد رکھنا، میں نہ تو راشی ہوں اور نہ ہی کسی مجرم کے ساتھ رعایت برت سکتا ہوں چاہے وہ مجرم میرا باپ کیوں نہ ہو..... البتہ کسی کو انجانے میں جرم کی راہ پہ ڈال دیا جائے تو یہ اور بات ہے۔ باقی یقین کرو تم مجھے چھوٹی بہن کی طرح ہی عزیز ہو، میں تمھیں اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہا..... اسماعیل شاہ کو تمھاری رضامندی سے گرفتار کیا تھا..... ورنہ اب بھی تم اس کے پاس چند دن گزار کر آئی ہو، کیا میں نے تم سے اسماعیل شاہ کے ٹھکانے کی بابت کچھ

دریافت کیا ہے؟" جواباً حنا کا سر نفی میں ہل گیا۔ عاطف کی بات جاری رہی۔ "صرف ایک ماہ انتظار کرو ساری حقیقت تمہیں بتا دوں گا ......اور پھر یقین مانو تمہیں کم از کم مجھ سے کوئی گلہ نہیں رہے گا......اور ہاں کسی کو بہن کہنے اور سمجھنے میں بہت بڑا فرق ہے......اور میں تمہیں بہن سمجھتا ہوں۔"

"پاپا کہہ رہے تھے آپ کے حکم پہ ان کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا گیا؟"

"ان سب باتوں کی صفائی اگر میں اکٹھے ہی کرنا چاہوں تو کیسا رہے گا؟......میرا مطلب ہے مہینے بھر بعد، اس سے پہلے بھی ممکن ہے مگر آخری حد ایک ماہ ہے۔"

"ٹھیک ہے بھیا......میں انتظار کروں گی۔"

"اب بتاؤ......ڈاکٹر سے شادی کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"یہ ایک شریف انسان کے ساتھ دھوکا ہوگا......شاید میں اس کے حقوق ادا نہ کرسکوں......اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں شادی نہ کروں......اسماعیل شاہ پاپا کا دشمن سہی مگر میں ناوشتگی میں بہت آگے بڑھ چکی ہوں، اب وہ......یا پھر کوئی نہیں والی بات ہوگی۔"

"معاف کرنا، اگر وہ تمھارے والد کے قاتل کے روپ میں سامنے آیا پھر؟"

"مرد کے بغیر زندگی گزارنا بہرحال اتنا بھی مشکل نہیں ہے......اور بالفرض کوئی مشکل نظر آئی بھی تو شادی بعد میں بھی تو کی جا سکتی ہے۔ بیس، اکیس سال کوئی اتنی بڑی عمر نہیں ہے کہ بھائی، بہن کی شادی کی فکر میں گھلنا شروع کر دے۔" آخری فقرہ کہتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ کھلنے لگی تھی۔

عاطف کے ہونٹوں پہ بھی تبسم کھلنے لگا اس نے کہا۔ "میں نہیں اس فکر میں تمھارا باپ گھل رہا ہے......البتہ میں اس کی تائید کر رہا ہوں کیونکہ لڑکیاں جتنی اپنے گھر بسا لیں اتنا بہتر ہوتا ہے۔"

"بھیا!......پاپا نے مجھے صرف دو ہفتے کی مہلت دی ہے، اس کے بعد وہ ڈاکٹر کی فیملی کو بلا لیں گے اور بھری محفل میں انکار کرنے پہ پاپا کی جتنی انسلٹ ہوگی......؟ میں کیسے اتنی جرأت کر پاؤں گی۔"

عاطف مسکرایا۔ "تو ہاں کر دینا۔"

"بھیا پلیز۔"

"اچھا یوں کرو......اپنی مما سے مل کر ساری صورت حال انھیں بتا دو، وہ خود تمھارے پاپا سے بات کر لیں گی۔"

"اگر مما کا بھی یہی فیصلہ ہوا تو؟"

"تو یہ کہ......اپنے والدین سے خود نبٹو......تم جانو اور تمھارے ممی پپا۔" یہ کہہ کر وہ کھڑا ہوگیا۔ "مجھے بھی اب اجازت دو؟"

"ٹھیک ہے بھیا..... میں ایک دفعہ مما سے بات کرلوں۔" خلاف توقع اس نے عاطف کو روکنے کی ضد نہیں کی تھی۔ عاطف اس کے سر کو سہلاتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

"یس؟" سیٹھ فاضل انجان نمبر کی کال اٹینڈ کرتے ہوئے بولا۔

"سیٹھ صاحب میں چوکیدار شاہین بات کر رہا ہوں۔"

وہ نخوت سے بولا۔"جلدی بولو کیا بات ہے؟"

"سیٹھ صاحب .....کوئی منور صاحب ایک نئی کار لے کر آئے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ یہ کار آپ کی ہے.....بیگم صاحبہ بھی اسے نہیں جانتیں، انھوں نے کہا ہے آپ سے پوچھ کو گیراج میں کھڑی کرادوں.....وہ خود اس وقت مہمانوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔"

اس نے کہا۔"جو بندہ کار لے کے آیا ہے اسے فون دو۔"

"جی سیٹھ صاحب.....۔" اسے منور کی آواز سنائی دی۔"آپ کا نمبر بند مل رہا تھا اس لیے مجبوراََ چوکیدار کا سہارا لینا پڑا۔"

"بڑی جلدی آ گئے ہو؟.....ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔"

"سیٹھ صاحب ساری رات مصروف رہا ہوں.....سخت تھکا ہوا ہوں.....اگر آرام کے لیے لیٹ جاتا تو شاید ٹائم پہ نہ پہنچ سکتا.....اس لیے سوچا امانت آپ کے حوالے کر کے ہی آرام کروں گا۔"

"فنکشن میں کوئی نئی بات؟"

"کوئی نہیں وہی پرانا طریقہ کار ہے۔"

"ٹھیک ہے فون چوکیدار کو دو۔" اور منور نے موبائل چوکیدار کی طرف بڑھا دیا۔

"شاہین اسے کار صحن میں کھڑی کرنے دو.....اور اس کی چابی اپنے پاس رکھ لینا.....میں بس گھنٹے دو میں پہنچتا ہوں۔"

"جی سیٹھ صاحب۔" وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے فاضل خان فون بند کر کے سامنے بیٹھے شخص کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"تو ہم کہہ رہے تھے اسفندیار صاحب.....ریٹ آپ نے بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔"

"سیٹھ صاحب ہماری مجبوری بھی سمجھنے کی کوشش کریں.....خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا اتنا آسان کام نہیں۔"

"وہ ہم بھی جانتے ہیں کہ موت کے منہ میں کون جا رہا ہے۔"

"سیٹھ صاحب آپ کو پتا ہے ایک آدمی کو تیار کرنے کے لیے ہمارا کتنا خرچہ ہو جاتا ہے؟"

”چلو......دس لاکھ پہ ڈن ہو گیا۔“

”لاسٹ پندرہ لاکھ......اس سے ایک پائی بھی کم نہیں لوں گا۔“

”وہ ڈرائیونگ تو کر لے گا نا؟“

اسفندیار نے جواب دیا۔”بالکل۔“

”اچھا یوں ہے کہ کل ظہر کی نماز کے بعد جلوس نکلے گا اور اسے لے کر دس بجے ہمارے پاس پہنچ جانا تاکہ فنکشن کے بارے آپ کو بریف کر دیں۔“

”وہی پرانا طریقہ ہے نا؟......ٹیپ ریکارڈ کے آف ہوتے ہی دھماکا ہوگا؟“

”ہاں......وہی ہے۔“

”بس بریفنگ کی ضرورت نہیں۔“اسفندیار اطمینان سے بولا۔

”پھر ہمیں اجازت؟“سیٹھ فاضل اٹھنے لگا۔

”کھانا کھائے بغیر، ناممکن۔“اسفندیار حتمی لہجے میں بولا۔اور سیٹھ فاضل واپس بیٹھ گیا تھا۔اسے اطمینان تھا کہ اگلے دن نکلنے والے فقہ جعفریہ کے جلوس کے اندر دھماکے کا پروگرام فائنل ہو گیا تھا۔اور یہ کام جلتی پہ تیل ڈالنے کے مترادف تھا۔ملک میں پہلے ہی اس بارے فضا کشیدہ تھی،اس دھماکے نے حالات بگاڑنے میں سونے پہ سہاگے کا کردار ادا کرنا تھا۔

منور اور اسفندیار اس کے پرانے واقف کار تھے۔منور مختلف بارودی پھندے تیار کرنے کا ماہر تھا تو اسفندیار ان پھندوں کو استعمال کرنے کے لیے افراد تیار کرتا تھا۔ان میں خودکش اور ریموٹ کے ذریعے دھماکا کرنے والے سب شامل تھے۔

کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر پینے پلانے کا شغل چلا اور پھر اسفندیار سے رخصت لے کر وہ واپس گھر کی طرف چل پڑا۔اس کی کار کے آگے اور پیچھے محافظوں کی ایک ایک جیپ چل رہی تھی جس میں چار چار ہتھیار بند افراد سوار تھے۔ان کی گاڑیوں کو دیکھتے ہی چوکیدار نے سرعت سے دروازہ کھول دیا تھا۔کمپاؤنڈ میں گاڑی روک کر اس کے محافظ نے جلدی سے اس کے لیے دروازہ کھولا۔نیچے اتر کر وہ اس محافظ سے مخاطب ہوا۔

”چوکیدار کو ہمارے پاس بلاؤ۔“

”جی سیٹھ صاحب۔“کہہ کر اس نے وہیں سے آواز دی۔”شاہین......ادھر آؤ سیٹھ صاحب یاد فرما رہے ہیں۔“اور شاہین بھاگ کر نزدیک آ گیا۔

”نئی کار کی چابی ہمارے حوالے کرو......اور کار کہاں کھڑی کی ہے؟“

چوکیدار جلدی سے بولا۔" کار تو بیگم صاحبہ لے گئیں ہیں انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے پاس جانا تھا۔ ان کی اپنی گاڑی میں کوئی گڑ بڑ تھی تو وہ نئی کار لے کے چلی گئیں............"

"اچانک فاضل کو زمین آسمان گھومتے نظر آئے......"

"تت......تم......تم......" مگر اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا اور سینے پہ ہاتھ رکھ کر نیچے جھکتا چلا گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی بیوی رخشندہ دوران سفر میوزک سننے کی دلدادہ تھی۔

☆......☆......☆

"سر! ایک آدمی نئی سوزکی کار میں آیا تھا...... چوکیدار اور فاضل خان کے گھر والے اسے نہیں جانتے تھے...... چوکیدار نے فون پر فاضل خان سے پوچھ کے وہ کار کوٹھی میں کھڑی کروا دی ہے......اب کار لانے والا واپس جا رہا کیا اس کا تعاقب کرنے کی ضرورت ہے......؟ دانش فاضل خان کے پیچھے گیا ہوا ہے اور میں اس وقت اکیلا ہوں؟" اختر، عاطف کو تفصیلی رپورٹ دیتا ہوا مستفسر ہوا۔

عاطف نے پوچھا۔" فاضل خان کہاں گیا ہوا ہے؟"

اختر نے جواب دیا۔" یہ تو دانش کو پتا ہوگا۔"

"اوکے...... بندہ مشکوک لگ رہا ہے...... فاضل خان جیسے آدمی سوزکی کار استعمال نہیں کرتے ،تم اس کا تعاقب کرو...... فاضل خان کے تعاقب میں یوں بھی دانش موجود ہے۔" اور پھر اختر کی" ٹھیک ہے سر" سنتے ہی اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"راجا! فاضل خان کی کوٹھی پہ کسی کو نگرانی کے لیے بھیج دو۔" وہ ٹی وی پہ خبریں سنتے راجا ذیشان سے مخاطب ہوا۔

"جی سر" کہہ کر اس نے موبائل نکالا اور آگے حکم پاس کر کے دوبارہ خبریں دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد عاطف دوبارہ اس سے مخاطب ہوا۔" دانش کی بھی خیر خبر لے لو؟"

اور وہ ایک مرتبہ پھر" جی سر" کہہ کر دانش کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند منٹ اس کے ساتھ مصروف گفتگو رہنے کے بعد وہ رابطہ منقطع کرتے ہوئے عاطف کی طرف متوجہ ہوا......

"سر دانش بتا رہا ہے کہ وہ کسی اسفند یار نامی بیوپاری کی کوٹھی میں موجود ہے......ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کی کوئی صورت موجود نہیں ہے......دانش کوٹھی کے باہر اس کا منتظر ہے۔"

"ایسا کرو......اس اسفند یار کی نگرانی کے لیے بھی کسی کو بھیج دو کیونکہ دانش تو فاضل خان کی ہی نگرانی کرے گا۔" اور راجا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے الیاس کو اس کی نگرانی کا بتانے لگا۔

ایک بجے جب وہ ذیشان کے ساتھ ڈائننگ ہال کا رخ کر رہا تھا تو اسے فاضل خان کی واپسی کی اطلاع ملی اس کے ساتھ اسے

فاضل خان کی بیوی کے بھی کہیں جانے کی خبر لی۔گو عاطف جانتا تھا کہ وہ بے ضرر عورت ہے اس کے باوجود اس نے ،اس کی نگرانی کرانی ضروری سمجھی تھی۔

وہ بمشکل کھانے کھا کر فارغ ہوئے تھے جب اسے ذکاء اللہ کی طرف سے یہ روح فرسا خبر ملی کہ فاضل خان کی بیوی کی کار ایک زوردار دھماکے سے اڑ گئی ہے۔

''کیا کہہ رہو؟'' وہ حیرانی سے اچھل پڑا تھا۔''کس جگہ پہ ہوا ہے یہ دھماکا؟''

''سر ڈاکٹر درانی کے کلینک کی پارکنگ میں...... یہ تو شکر ہے میں باہر ہی رک گیا تھا ورنہ شاید میں بھی شدید زخمی یا ہلاک ہو جاتا۔''

''دھماکا خیز مواد فاضل خان کی بیوی کی کار میں ہی تھا؟''

''مجھے تو ایسا ہی لگا......''

''او کے ہم وقوعہ پہ پہنچ رہے ہیں۔'' رابطہ منقطع کر کے وہ جلدی جلدی راجا کو ساری صورت حال سے آگاہ کرنے لگا...... چند لمحوں بعد ان کی گاڑیاں وقوعہ کی طرف رواں دواں تھیں۔وہ رستے میں ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی فاضل خان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔

''اس تک اتنی جلدی یہ خبر کیسے پہنچ گئی؟'' اس نے خود کلامی کی تھی مگر اسے اطلاع دینے والا دانش حیرانی سے مستفسر ہوا۔

''کون سی خبر سر؟''

''اس کی بیوی کی کار میں دھماکا ہوا ہے۔''

''اوہ......'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا''بہر حال کچھ کہہ نہیں سکتے سر!......اسے کیسے معلوم ہوا؟''

''او کے اس کے ساتھ ساتھ رہو۔'' کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

دھماکے کی جگہ پولیس نے گھیراؤ کیا ہوا تھا مگر ان کے سروس کارڈ دیکھنے کے بعد وہ انھیں روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔پارکنگ ایریا میں ذکا انھیں اپنا منتظر نظر آیا۔دھماکا اتنا شدید تھا کہ پارکنگ ایریا کے ساتھ ملی کلینک کی دیوار بھی گر گئی تھی۔

''بارود فاضل خان کی بیوی کی کار میں ہی تھا۔'' وقوعہ کا جائزہ لیتے ہی عاطف وثوق سے بولا۔

ذیشان نے کہا۔''سر!ویسے بات کچھ عجیب سی ہے...... فاضل خان اب اتنا گر گیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو ہی دہشت گردی کے لیے استعمال کر ڈالا؟''

''شاید اصل بات کچھ اور ہو......لیکن اتنا کنفرم ہے کہ فاضل خان کو پہلے سے اس حادثے کے بارے معلوم تھا۔'' عاطف کی بات ان کے لیے حیرانی کا باعث بنی تھی۔ذکا مستفسر ہوا۔

''وہ کیسے سر؟''

جواباً عاطف انھیں فاضل خان کو ہارٹ اٹیک ہونے کی خبر سنانے لگا۔

"واقعی سر...... اگر فاضل خان اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا...... اتنی جلدی اسے کیسے پتا چل سکتا ہے، اگر ڈکا واس کا تعاقب نہ کر رہا ہوتا تو ہم بھی اب تک اس سے بے خبر ہوتے ...... بلکہ ابھی تک تو پولیس کو بھی پتا نہیں چلا ہے کہ دھما کا کس کی کار میں ہوا ہے۔" وہ تمام پارکنگ ایریا کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر اس پہ تبصرہ کر رہے تھے۔

عاطف نے کہا۔"مجھے ایک اور شک ہو رہا ہے...... بلکہ امید واثق ہے ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

وہ بیک زبان بولے۔"وہ کیا سر؟"

"فاضل خان کی بیوی جس سوزوکی میں سوار تھی یہ کچھ دیر پہلے ہی ایک مشکوک شخص لے کے آیا تھا، اور اس کار کے اندر فاضل خان کے حکم پہ ہی بارود فٹ کیا گیا ہوگا...... اب اس کی بیوی اس بات سے انجان تھی، وہ ڈاکٹر کو ملنے آئی تو اس نے سوچا ہوگا کہ نئی کار کو ہی استعمال کر لوں یا پھر اس کی اپنی گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہوگی۔ اس بات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ گھر آتے ہی جب فاضل خان کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی بیوی یہ کار لے کے ڈاکٹر کے پاس گئی ہے تو یہ سنتے ہی اسے ہارٹ اٹیک ہو گیا۔"

ذیشان نے کہا۔"یعنی کار لانے والے کو اٹھوا لیا جائے؟"

"ہاں...... تم دونوں اختر کے پیچھے پہنچو، عمران اور اکرم کو بھی بلا لینا...... میں فاضل خان کی کوٹھی سے ہو کر آتا ہوں۔" ٹھیک ہے سر کہتے ہوئے دونوں اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ گئے جبکہ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر فاضل خان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوٹھی کے گیٹ پہ ہی اسے اس پرائیویٹ ہاسپٹل کا ایڈریس معلوم ہو گیا جہاں اسے لے جایا گیا تھا ۔تھوڑی دیر بعد وہ اس کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا دروازے پہ کھڑے فاضل خان کے محافظوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس کا سروس کارڈ دیکھ کر پیچھے ہو گئے۔ فاضل خان آنکھیں بند کیے چت لیٹا تھا جبکہ حنا باپ کے سرہانے کے جانب کرسی پہ سوگوار بیٹھی تھی۔ عاطف کو اندر آتے دیکھ کر وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"آئیں بھیا......" اسے دیکھ کر عاطف کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ اس حادثے سے لاعلم تھی۔

عاطف نے اس کا سر اپنی چھاتی سے لگا کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"چھوٹی!...... قسمت کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا، اللہ تمھیں صبر دے۔"

"آمین" وہ خشوع و خضوع سے بولی "بہر حال بھیا ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔"

"چھوٹی!...... تیری ممی نہیں رہیں۔" عاطف نے بمشکل فقرہ پورا کیا تھا۔

"بب...... بھیا کک...... کیا کہہ رہے ہو؟" عاطف کی بات سن کر حنا کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا۔

"ہاں گڑیا...... اسی وجہ سے تیرے ڈیڈی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے...... تیری ماں دہشت گردی کا شکار ہوئی ہے۔" اصل بات بتانے سے

اس نے گریز کیا تھا۔

"نہیں......" کہتے ہوئے وہ عاطف کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔اس کی چیخ سن کر فاضل خان کا محافظ بھی سرعت سے اندر داخل ہوا۔

"جلدی کرو ڈاکٹر کو بلاؤ۔" عاطف تیز لہجے میں بولا اور محافظ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔حنا کو صوفے پہ لٹا کے وہ اس کے جوتے اتارنے لگا۔ڈاکٹر کو جانے کیا کہا گیا تھا کہ اس نے آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب!......اسے چیک کریں۔" اسے فاضل خان کی طرف بڑھتا دیکھ کر عاطف نے اسے حنا کی طرف متوجہ کیا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ قریب آ کر اس کی نبض چیک کرنے لگا۔

"اسے ابھی ابھی اپنی ماں کے مرنے کی خبر ملی ہے۔"

"اوہ......سن کر افسوس ہوا......بہر حال خطرے کی کوئی بات نہیں یہ وقتی شاک کے زیر اثر ہے،میں سکون آور انجکشن لگا دیتا ہوں اٹھنے پہ بہتر محسوس کرے گی۔" یہ کہہ کر اس نے پاس کھڑی نرس کو مخصوص انجکشن لانے کو کہا اور خود فاضل خان کا معائنہ کرنے لگا۔جب تک وہ اس کے معائنے سے فارغ ہوتا نرس مطلوبہ انجکشن لے آئی تھی۔

حنا کو انجکشن لگا کر وہ عاطف سے مخاطب ہوا۔

"کیا اس کے لیے بھی ادھر بیڈ لگوا دیں؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔"نہیں ڈاکٹر صاحب......یہ صوفے پہ پڑی رہے گی۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ فاضل خان کے محافظ سے بولا۔

"ماسی کو گھر سے بلا لو......میں تھوڑی دیر تک واپس آتا ہوں......حنا میرے بارے پوچھے تو بتا دینا اس کی امی کی لاش کے سلسلے میں ضروری کارروائی کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر۔" محافظ نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔اور عاطف ہاسپٹل سے باہر نکل آیا۔اس کے بعد اپنے اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے اس نے حنا کی والدہ کی لاش وصول کی تاکہ اس کی آخری رسومات کی ادائیگی ہو سکے۔لاش کیا تھی گوشت کے لوتھڑے، چند چورا ہڈیاں اور لباس کی ادھ جلی دھجیاں تھیں۔دایاں ہاتھ جس میں سونے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی سلامت رہ گیا تھا۔چمڑے کا پرس بھی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا مگر اس میں موجود شناختی کارڈ نسبتاً بچ گیا تھا۔فاضل خان کی بیوی کا تابوت اس کے گھر میں رکھوا کر جب عاطف واپس ہاسپٹل پہنچا تو حنا کو ہوش آ گیا تھا۔عاطف کو دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی تھی۔فاضل خان بھی حسرت و یاس کی تصویر بنا بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اس کی بوئی ہوئی فصل اس کی بے گناہ بیوی کو کاٹنی پڑ گئی تھی۔

"اللہ کو یہی منظور تھا چھوٹی۔" عاطف حنا کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اسے تسلی دینے لگا۔حنا صرف رو رہی تھی۔

"سیٹھ صاحب !......آنٹی کی لاش گھر پہنچ گئی ہے آخری رسومات کا کیا کرنا ہوگا؟"

"فاضل خان نے خالی خالی نظروں سے اس کے جانب دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"مہربانی عاطف صاحب!......بس ڈاکٹر کو بتا کر گھر چلتا ہوں۔" عاطف سر ہلاتے ہوئے حنا کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہاسپٹل سے رخصت ہو رہے تھے۔ وہ دن اور اس سے اگلا دن عاطف نے حنا کی کوٹھی میں ہی گزارا اور تیسرے دن وہ حنا سے اجازت لے کے واپس آ گیا۔ فاضل خان کی بیوی کی موت کا اسے دلی افسوس ہوا تھا۔ سوزکی کار لانے والے آدمی نے تھوڑی ہی مار کھانے کے بعد ہی اصل بات اگل دی تھی۔ یہ بات ذیشان نے اسے فون پہ بتا دی تھی......اس کے بعد اس نے اسفند یار کی گرفتاری کا حکم بھی دے دیا......فاضل خان کو اس نے چند دن نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا تھا......وہ جانتا تھا کہ اس کی گرفتاری سے حنا خود کو کوئی جسمانی نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔ جبکہ ہفتے ڈیڑھ بعد وہ اسے اعتماد میں لے کر ساری صورت حال سے آگاہ کر کے فاضل خان کو گرفتار کر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

روہیت کا گرفتار ہوئے چوتھا دن تھا اس دوران اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی گئی تھی۔ اور یہ خاموشی اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھی۔ اس نے ایک دو دفعہ کھانا لانے والوں سے عاطف سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی تھی مگر وہ خاموش رہے تھے۔ اور پھر چوتھے دن جب اسے گن مینوں کے نرغے میں کمرے سے باہر نکالا گیا تو وہ جان گیا کہ اس کی کم بختی کی شروعات ہونے والی ہے، وہ ذہنی طور پر ہر بری صورت حال کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر جب ہتھیار بردار اسے لے کے ایک بڑے ہال میں پہنچے تو وہ حیران رہ گیا۔ اس کی بیڑیاں کھول کے اسے ہال میں بند کر دیا گیا تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ہال کا دروازہ کھلا اور عاطف درجن بھر افراد کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"ہاں بھئی میجر صاحب! کیا حال ہیں آپ کے؟" اندر داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"مسٹر عاطف! خود کو مسلمان کہلا کر تیری یہ دھوکا دہی واقعی افسوس ناک ہے......اور پھر تیرے جیسے ایجنٹ سے مجھے یہ توقع نہیں تھی۔"

"یار وہ کیا کہتے ہیں کہ "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے......یا اسی طرح کا کوئی اور مقولہ بہر حال صحیح یاد نہیں آ رہا۔"

"ہونہہ! اپنی بزدلی اور دھوکے پہ پردہ ڈالنے کے لیے تم کچھ بھی کہہ سکتے ہو؟" روہیت کے لہجے میں نفرت ابل رہی تھی۔

"میجر صاحب......ان تین چار دنوں میں میرے خیال میں تجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا"

"بالکل......لیکن میں قید تو ہوں ناں......جبکہ آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ مجھے رہا کر دیں گے۔"

"ہاں......مگر اس کے لیے کچھ طے بھی ہوا تھا۔"

"تو اس سے پہلو تہی کس نے کی؟"

"پہلو تہی نہیں میجر صاحب!......صرف مؤخر کیا تھا......اور اب وہ وقت آ گیا ہے......تم مجھ پہ قابو پا کے رہائی پا سکتے ہو......لیکن یاد

رہے مجھے شکست دینے کے بعد میرے آدمی تجھے سرحد پار کرادیں گے واپس آنے کی صورت میں تم خود جوابدہ ہو گے۔"

"منظور......" میجر روہیت زہر خند لہجے میں بولا۔اس کے ہونٹوں پہ استہزائی ہنسی چھا گئی تھی۔عاطف کے اشارے پہ اس کے تمام آدمی دیواروں کے ساتھ پھیل کر کھڑے ہو گئے تھے۔جبکہ وہ تن کر میجر روہیت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔میجر روہیت سے کافی حساب کتاب بقایا تھے مگر وہ اسے زبان دے چکا تھا اور زبان سے پھر کر وہ اپنی کردار کشی نہیں کر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

میجر روہیت نے جیکٹ اتار کر سائیڈ پہ پھینکی اور پینترے بدلتا ہوا عاطف کی طرف بڑھا۔اس کے انداز میں بے پرواہی تھی۔عاطف کے قریب پہنچتے ہی وہ اپنے بائیں پاؤں پہ گھوما اور اس کی دائیں ٹانگ خطرناک انداز میں عاطف کے چہرے کی طرف بڑھی۔اپنی جگہ بدلے بغیر عاطف نے سر کو ہلکا سا پیچھے کیا اور روہیت کی کک خطا ہو گئی۔مومنٹ رکتے ہی وہ اچھلا اس مرتبہ اس نے فرنٹ کک مارنے کی کوشش کی تھی۔عاطف کا بدن گھٹنوں سے اوپر پیچھے کی طرف جھک گیا روہیت اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔اگلے لمحے وہ سیدھا ہو اور اپنا رخ میجر روہیت کی طرف پھیر لیا۔اس کے پاؤں قریب قریب اسی جگہ براجمان تھے۔

اتنی زوردار کک خطا ہونے کے بعد روہیت بمشکل خود کو گرنے سے بچا سکا تھا۔اس وقت اگر عاطف چاہتا تو اس پہ کامیاب وار کر سکتا تھا مگر عاطف نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میجر روہیت جھلائے ہوئے انداز میں عاطف کی طرف بڑھا اور کھڑی ہتھیلی کا وار عاطف کی گردن پہ کیا۔عاطف کا بالائی بدن پنڈولیم کی طرح دائیں طرف جھکا اور میجر روہیت کا وار ایک مرتبہ پھر بیکار گیا۔اور پھر اس سے پہلے کہ میجر روہیت سنبھلتا عاطف کا ہاتھ گھوما اور ایک زوردار تھپڑ میجر روہیت کے چہرے پہ لگا "چٹاخ" کی آواز سے پورا ہال گونج اٹھا تھا۔

عاطف کے تھپڑ نے روہیت کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔وہ غصے سے پھنکارتا ہوا عاطف کی طرف بڑھا،غصے میں وہ اپنے دفاع سے غافل ہو گیا تھا۔اور یہ غفلت اسے مہنگی پڑی،ٹھوڑی کے نیچے لگنے والی عاطف کی کک نے اسے پشت کے بل گرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔اس نے اٹھنے میں دیر نہ لگائی......اس دفعہ وہ محتاط تھا۔اس نے گہری نظروں سے عاطف کا جائزہ لیا اور ایک لمحہ اپنی جگہ پر ساکن کھڑا رہنے کے بعد اس نے اچھلنے کا تاثر دیا عاطف کے دونوں بازو دفاع کے لیے اٹھے......مگر روہیت چھلانگ لگانے کی بجائے کھڑے کھڑے گھوما، اس کی کک عاطف کے پیٹ میں لگی اور عاطف کولہوں کے بل زمین پہ گرا۔گرتے ہی اس وہ الٹی قلابازی کھا کر پیچھے کی طرف کھڑا ہو گیا تھا......اسی لمحے روہیت نے اس پہ چھلانگ لگائی،سرعت سے سائیڈ پہ ہوتے ہوئے اس نے روہیت کی پشت پہ زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ اپنا چہرہ دیوار سے ٹکرانے سے نہیں بچا سکا تھا۔چوٹ کافی شدید تھی اس نے بمشکل خود کو سنبھالا مگر عاطف کی اگلی ٹھوکر دوبارہ اس کے کندھوں پہ لگی وہ دوبارہ دیوار سے جا ٹکرایا،اس مرتبہ کی ٹکر نے اسے زمین پہ بیٹھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔اور پھر عاطف کے پاؤں جیسے مشین کی

طرح چلنے لگے۔روہیت کا بدن فٹ بال کی طرح اس کے آگے اچھلتا رہا۔چند ٹھوکریں کھانے کے بعد روہیت کو موقع ملا اور اس نے عاطف کا پاؤں پکڑ کر کھینچ لیا۔عاطف اس کے اوپر گرا اور روہیت نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر کھینچا۔لیکن اس کے گردن پہ دباؤ ڈالنے سے پہلے عاطف کی دائیں کہنی اس کے ماتھے پر لگی اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی،عاطف تڑپ کر اس سے دور ہو گیا،روہیت بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا،مگر اس کے چہرے پہ نظر آنے والی گہری پریشانی اس کی اندرونی حالت کا پتا دے رہی تھی۔لیکن اس کے باوجود وہ شکست ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔عاطف سے دور ہو کر وہ پنجوں کے بل اچھلنے لگا اس کا مقصد چوٹوں سے ہونے والے درد کی شدت کو کم کرنا تھا۔

''میجر صاحب بڑی جلدی تھک گئے ہو؟''عاطف کی طنزیہ آواز نے جلتی پہ تیل کا کام کیا اور عاطف کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے وہ پے تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔عاطف کے جسم میں جیسے بجلی کی رو دوڑ رہی تھی۔اپنی ساری قوت اور مہارت صرف کر کے بھی روہیت اسے چھونے میں ناکام رہا تھا۔روہیت کے حملوں میں ہلکی سی سستی آئی اور اگلے ہی لمحے عاطف کی بھرپور ککک اس کی چھاتی میں لگی......وہ اڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔مگر دیوار سے ٹکراتے ہی وہ جیسے اڑتا ہوا واپس آیا،اس کے سر کی بھرپور ٹکر عاطف کی چھاتی میں لگی اور وہ عاطف کو ساتھ لیے زمین پہ جا گرا نیچے گرتے ہی اس نے زوردار مکے عاطف کے چہرے پہ رسید کیے،عاطف کے ہونٹوں سے خون رسنے لگا تھا ۔اس کے تیسرے مکے کو دونوں کہنیوں پہ سہارتے ہوئے عاطف اسے دونوں پاؤں کی مدد سے پیچھے اچھالنے میں کامیاب ہو گیا۔اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔اس مرتبہ عاطف نے حملے میں پہل کی تھی اوپر اچھلتے ہوئے اس کا گھٹنا روہیت کی چھاتی کی طرف بڑھا جسے روہیت نے دونوں ہاتھوں پہ سہارا تھا۔ہاتھوں کے نیچے ہونے کی وجہ سے وہ چہرے کا دفاع نہیں کر سکتا تھا جس کا عاطف نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور قدم زمین پہ لگتے ہی اس نے دائیں ہاتھ کا دائروی مکہ گھمایا جو روہیت کی ٹھوڑی میں لگا وہ لہراتے ہوئے زمین پر جا گرا اور اس کے بعد عاطف نے اسے اٹھنے کا موقع نہ دیا۔جلد ہی اس نے اپنے ہاتھ چہرے کے سامنے تان لیے تھے۔تاکہ عاطف کی ٹھوکروں سے بچا سکے۔

''اٹھو مسٹر میجر روہیت چکرورتی صاحب''عاطف غصے سے پھنکارا۔

''اوکے......مجھے اپنی شکست قبول ہے......''وہ ہانپتے ہوئے چلایا۔

''اتنی جلدی''عاطف کا لہجہ استہزائی تھا۔''دیکھ لو......تیری سسٹر میرے آفس میں بیٹھی ساری کارروائی دیکھ رہی ہے۔''عاطف نے شہزادی کو اس کی سسٹر کہا تھا جواباً روہیت خاموش ہی رہا۔

''میجر صاحب!......غالباً سی آئی کے ایک دو ریکروٹس پہ قابو پا کر تم خود کو بڑی توپ چیز سمجھنے لگے تھے۔''

میجر کو خاموش پا کر اس کی اس کی بات جاری رہی۔''اس لڑائی کی وڈیو تیار ہو رہی ہے اور جلد ہی تمھاری مایہ ناز ایجنسی را کو بھجوا دی جائے گی......تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا شیر دھوکے سے مارا گیا۔''

مگر عاطف کی یہ بات بھی روہیت کے جذبات میں گرمی پیدا نہ کر سکی، وہ جانتا تھا کہ لڑائی کو جاری رکھنا اپنی بے عزتی میں اضافہ کرنا تھا، وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے عاطف کو چیلنج کیا تھا۔

عاطف نے کہا۔ ''تو نے میری بھیانک موت کا اعلان بھی تو کیا تھا.....وہ کیا ہوا؟'' مگر جواب ندارد۔

''میرا خیال ہے ان تلوں میں تیل نہیں ہے.....'' اپنے ساتھیوں کو کہتے ہوئے وہ میجر سے مستفسر ہوا ''ویسے میں نے اپنا وعدہ تو پورا کر دیا ہے نا؟''

اور میجر روہیت کا سر اثبات کے اظہار میں جھک گیا۔

''او کے راجا!.....اسے لے جاؤ اور اپنی تفتیش کا آغاز کر دو.......''

''عاطف صاحب!.....میں سب کچھ غیر مشروط طور پہ بتانے کو تیار ہوں۔'' روہیت کے لہجے میں واضح تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔اس کی برتری کا زعم عاطف کے ہاتھوں مٹی میں مل چکا تھا۔

''بتا دو، مگر تصدیق تو انھوں نے کرنی ہی ہو گی، اور تصدیق کا ان کا بھی وہی طریقہ ہے جو را کا ہے۔''

''جب میں سب کچھ بتا رہا ہوں تو پھر تشدد کیوں؟''

''ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''تو کیا تشدد سے یقین آ جائے گا۔''

''نہیں.....لیکن تیری حرکتوں کا حساب کتاب تو باقی ہے نا؟'' کہتے ہوئے عاطف واپسی کے لیے مڑ گیا اور میجر روہیت بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

☆......☆......☆

اسماعیل کے لیے یہ بات بہت زیادہ خوشی کا باعث بنی تھی کہ فاضل خان رہا ہو کر آ گیا تھا۔اب کم از کم سی آئی تو اس کے رستے کی دیوار نہ بنتی اور اسے صرف فاضل خان کے کتوں سے نبٹنا پڑتا۔فاضل خان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایک جامع منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔پہلے تو اس نے فاضل خان کا گھر بارود سے اڑانے کی بابت سوچا اس طرح فون پہ اس سے گفتگو کر کے اسے یہ بھی باور کرایا جا سکتا تھا کہ اس کی موت میں کس کا ہاتھ ہے مگر پھر حنا کا خیال آتے ہی اسے یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔کچھ بھی ہو وہ حنا پہ آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔دور مار رائفل سے فاضل خان کو نشانہ بنانا ممکن تھا مگر اس طرح وہ بے خبری کی حالت میں موت سے ہمکنار ہوتا اور یہ بھی اسماعیل شاہ کو گوارا نہیں تھا.....وہ اسے مارتے وقت یہ باور کرانا ضروری سمجھتا تھا کہ اسے جہنم واصل کرنے والا کون ہے۔انسپکٹر حاکم داد کو ختم کرنے والا طریقہ بھی اپنایا جا سکتا تھا مگر اس میں یہ قباحت تھی کہ فاضل خان اکیلا سفر نہیں کرتا تھا اور آگے پیچھے اس کے کتوں کی گاڑیاں ہوتی تھیں اس

وجہ سے یہ ترکیب بھی اسے ترک کرنی پڑی بہت سوچ وبچار کے بعد اس نے یہ طے کیا کہ اسے رات کے ٹائم فاضل خان کی کوٹھی میں گھسنا چاہیے۔گو اس کے محافظوں کی موجودگی میں زیادہ احتمال اس بات کا تھا کہ وہ پہلے سے چوکنا ہو جاتا مگر اس کے علاوہ بھی اسے کوئی موزوں ترکیب بھائی نہ دی اور اس نے حتمی طور پہ یہی طے کر لیا۔فاضل خان کی کوٹھی میں اس کے کافی گرگوں سے سامنا ہونے کی توقع تھی اور بغیر تیاری وہاں جانا حماقت ہوتی ۔ضروری سامان کی خریداری کے لیے وہ حلیہ بدل کر باہر نکل آیا۔بارودی پھندے، ہینڈ گرنیڈ اور s IED(Improvised Explosive Device) وغیرہ بہت عام قسم کے سامان سے تیار ہو جاتی تھیں (سیکورٹی کی وجہ سے دانستہ ان چیزوں کے تیار کرنے کے طریقے درج نہیں کیے جا رہے،یوں بھی یہ قارئین کے کسی کام نہیں آسکتے۔ مصنف)

وہ پیدل ہی گھر سے نکلا اور ٹہلنے کے انداز میں بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔رستے میں آنے والے ریسٹورینٹ کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ صبح کا ناشتا ابھی تک وہ نہیں کر سکا تھا۔یوں بھی جس دن سے حنا گئی تھی اس کے کھانے پینے کے اوقات میں بے قاعدگی آگئی تھی۔

ناشتا کرتے ہوئے بھی اس کی ساری توجہ فاضل خان کی کوٹھی میں گھسنے کے منصوبے پر تھی مگر اس دوران وہ بے دھیانی سے ٹی وی سکرین کو گھور رہا تھا جس پر کسی ڈاکٹر کے کلینک میں ہونے والے دھماکے کی خبر دکھائی جا رہی تھی۔اچانک اسے لگا کہ خبر میں فاضل خان کا نام لیا جا رہا ہے۔وہ پوری طرح خبر کی طرف متوجہ ہو گیا......

ڈاکٹر درانی کے کلینک کے پارکنگ ایریا میں ہونے والے زوردار دھماکے میں دوسرے بہت سے افراد کے ساتھ کراچی کے ایک دولت مند سیٹھ فاضل خان کی بیوی بھی مع ڈرائیور اور ایک گارڈ کے ہلاک ہو گئی تھی۔اندازہ یہی تھا کہ دھماکا خیز مواد اسی کی کار میں رکھا گیا تھا۔اب دہشت گرد یہ مواد اس کی کار تک پہنچانے میں کیسے کامیاب ہوئے تھے اس بارے مختلف اندازے ظاہر کیے جا رہے تھے۔یہ گمان بھی ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یہ کام فاضل خان کے کسی دشمن کا بھی ہو سکتا ہے۔اسماعیل شاہ غور سے خبر سننے لگا۔اس کے دشمن کا ایک اور نقصان ہوا تھا جو اس کے لیے خوشی کا باعث ہونا چاہیے تھا مگر اسے خوشی نہ ہوئی کہ وہ جانتا تھا وہ عورت بے گناہ ہے،پھر وہ حنا کی والدہ بھی تو تھی ......اور وہ فاضل خان کی موت کے علاوہ حنا کو کسی دکھ، تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس نے حنا کو کال کرنے کے لیے موبائل نکالا مگر پھر کچھ سوچ کر واپس رکھ دیا۔اس سے بات کرنے کا مطلب پھر اپنا رستہ کھوٹا کرنے کے مترادف تھا۔

"تسلی کے چند بولوں سے فرق ہی کیا پڑتا ہے......تعزیت تو دشمن سے بھی کر لی جاتی ہے؟" دل نے دماغ پہ اعتراض جڑا۔

"ٹھیک ہے......مگر اس طرح وہ میری راہ میں دوبارہ روڑے اٹکانا شروع کر دے گی۔" دماغ دلائل دینے سے باز نہ آیا۔

"پہلے بھی تو وہ ایسی کوششیں کر چکی ہے......کیا کچھ کر پائی......؟" دل بھی اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں تھا۔

"یہ صرف اس سے بات چیت کا بہانہ تلاش کرنا ہے۔"

”کیا پہلے کسی نے مجھے منع کیا تھا..... اب تو اس کی ماں کے ساتھ اتنا بھیانک حادثہ پیش آیا ہے اور ایسے میں کسی اپنے کی تسلی کے چند بول بھی دل کو بہت تقویت دیتے ہیں۔“

”پروا اپنی کب ہوئی.....؟..... اور جس راہ پہ سفر نہیں کرنا اس کا پتا کیا پوچھنا، جب اس کے والد کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اسے اپنانا ایک ایسا خواب ہی ہو سکتا ہے جس کی تعبیر ناممکن ہو۔“

دل و دماغ کی جنگ میں، دماغ کے دلائل چاہے کتنے وزنی کیوں نہ ہوں جیت ہمیشہ دل کی ہوتی ہے۔ بل پے کر کے وہ ریستوراں سے نکلا اور حنا کو کال کرنے لگا۔ دوسری بیل پہ ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ اسے حنا کی سسکیاں سنائی دیں، بغیر کچھ کہے اس نے رونا شروع کر دیا تھا.....

”مجھے ابھی پتا چلا ہے..... سن کر بہت افسوس ہوا“ حنا کی سسکیوں نے اس کے لیے الفاظ کے چناؤ میں مشکل پیدا کر دی تھی۔

”شاہ جی وہ بہت اچھی تھیں.....“

وہ گلوگیر آواز میں بولا۔”ہاں مائیں بہت اچھی ہوتی ہیں..... جب چھوڑ جاتی ہیں تب احساس ہوتا ہے۔“

”اس نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا..... یہ لوگ اتنے ظالم کیسے بن جاتے ہیں؟“

”یہ بات میں بھی نہیں جانتا“ عادت کے برخلاف اس نے طعن زنی سے گریز کیا تھا۔

”شاہ جی مجھے لگتا ہے زندگی کا کوئی مقصد باقی نہیں رہا۔“

”چندا!..... مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔“

”شاید..... مگر مرنے والے زندگی کی رونقیں تو ساتھ لے جاتے ہیں ناں؟“ حنا کا لہجہ دکھ سے لبریز تھا۔

ان کی گفتگو کافی دیر تک جاری رہی..... اسماعیل سے گفتگو کر کے حنا کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ”ہمدردی کے بول اداسی کا مرہم ہوتے ہیں۔“

حنا سے بات چیت کے دوران وہ کوارٹر پہ واپس آ گیا تھا۔ فاضل خان کے خلاف کارروائی اس نے چند دن کے لیے مؤخر کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈیوی پارٹی کو رہا کیے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا..... روبیت کی گرفتاری کے متعلق مفصل رپورٹ تیار کر کے عاطف نے صدیقی صاحب کو بھجوا دی تھی۔ اس وقت وہ اپنے آفس میں موجود تھا۔ اجازت طلب کرتے ہوئے شہزادی اپنے شوہر کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔

”آؤ بہن بیٹھو.....“ وہ ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔

”بھائی میں جانے کی اجازت لینے آئی تھی۔“ عاطف کے اشارے پر وہ صوفہ سنبھالتے ہوئے بولی۔

عاطف نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ”جی بھر گیا ہے کراچی سے؟“

”بھائی!......ان کا کام مکمل ہو گیا ہے تو یہاں رہنے کا کوئی مصرف نظر نہیں آرہا۔“ حنا نے تنویر کے جانب اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

”اب تو تیرے سپر ایجنٹ کا کانٹا بھی نکل گیا ہے۔“

”بھائی! آپ نے اسے اچھی طرح لتاڑا ہے......ورنہ یقین مانو یہ بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اگر میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی تو کبھی یقین نہ کرتی......سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ پیدا کرتا ہے......میجر رو بیت کے انجام سے اس بات کا تجربہ بھی ہو گیا ہے۔“

”ہاں یاد آیا......آپ کے انکل پاشا کا دوست اسماعیل شاہ آج کل کافی سرگرم ہے۔“ عاطف تنویر کی وجہ سے جان بوجھ کر اس کا اسماعیل شاہ سے تعلق کا ذکر گول کر گیا تھا۔ یوں بھی شہزادی نے شادی کے بعد جس طرح اپنی سابقہ زندگی کو خیر باد کہا تھا وہ لائق تحسین تھا۔

”اس......ما......عیل......شاہ......وہ واپس آ گیا ہے؟“ شہزادی کا لہجہ حیرانی سے پر تھا۔ ”اس کے علاوہ بھی تو کچھ آدمی تھے؟“

”باقی سارے مارے گئے تھے۔“

”اور اسے آپ نے......م......م......میرا......مطلب انکل کی وجہ سے زندہ چھوڑ دیا۔“

وہ شہزادی کے انداز پہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”نہیں......میں کسی ملک دشمن کو تعلقات کی بنا پہ نہیں چھوڑ سکتا......وہ بھاگ گیا تھا......اس کو تو میں آپ کے کہنے پر بھی نہ چھوڑتا۔“

شہزادی نے پوچھا۔ ”باقی سرحد پار کرتے ہوئے مارے گئے تھے؟۔“

”ہاں......ان کے آنے کی سمت میں نے پہلے سے بندے متعین کر دیے تھے۔“

”تو پھر شاہ جی کیسے بھاگا؟“ شہزادی کے لہجے میں چھپا اشتیاق عاطف سے مخفی نہ رہ سکا۔

جواباً عاطف نے اجمالاً ساری تفصیل اس کے گوش گزار کرتے ہوئے اسماعیل کے نئے کارناموں پہ بھی ہلکی سی روشنی ڈال دی۔

”ویسے بھائی!......گرفتاری کے بعد اس سے کیا سلوک کریں کیا جائے گا؟“

”اس کا انحصار اس کے جرائم پر ہے......“

”اگر وہ ابھی گرفتار ہو جائے؟“

”وہ مظلوم ہے......کوشش کروں گا کہ اسے کم سے کم سزا ہو......مگر اس کی گرفتاری اتنی آسان نہیں، جتنی آپ نے سمجھ رکھی ہے۔“

”وہ فاضل خان کی بیٹی......؟ کیا نام بتا رہے تھے......؟“

عاطف نے لقمہ دیا۔"حنا خان۔"

"ہاں حنا......اسماعیل شاہ کی گرفتاری کے بارے اس سے دوبارہ بات نہیں ہوئی؟"

"نہیں......ویسے اگر آپ نے اسماعیل شاہ سے ملاقات کرنی ہو تو حنا کی وساطت سے کر سکتی ہو، مجھے امید ہے وہ اس کا انتظام کر لے گی۔"

"نہیں بھائی!" شہزادی نے انکار میں سر ہلایا۔"ایک غیر مرد سے میرا کیا کام؟......یوں بھی شادی کے بعد آپ واحد مرد ہیں جس سے میں بھائی ہونے کی وجہ سے اس طرح آزادی سے مل رہی ہوں ورنہ پرائے مردوں سے میل جول نہ تو میرے شوہر کو پسند ہے اور نہ خود مجھے۔"

"صحیح کہا۔" عاطف نے اس کی بات پہ پسندیدگی سے سر ہلایا۔

"بھیا میں نے اسے کسی بات سے منع نہیں کیا......مجھے یہ بیچ میں یونہی گھسیٹ رہی ہے۔" خاموش بیٹھا تنویر جلدی سے بولا۔"میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ میری ہے اور بس۔" اس کی بات سن کر عاطف مسکرانے لگا۔

"تو ہمیں اجازت ہے ناں بھائی۔" شہزادی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بہن......" عاطف نے کھڑے ہو کر کہا۔"جب تک میں یہاں ہوں اس رہائش کو اپنا گھر سمجھنا......میرے لائق کوئی بھی خدمت ہوتی ہے میرا موبائل نمبر آپ کے پاس ہے......تکلف نہ کرنا......اور کوشش کر کے کچھ عرصہ کراچی کا رخ نہ کرنا......جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں انھوں نے آپ کو تنویر کی وجہ سے پہچانا تھا، گو تنویر کو پہچاننے والے تمام افراد گرفتار ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود احتیاط بہتر ہے۔"

شہزادی نے کہا۔"ٹھیک ہے بھائی......ہم احتیاط کریں گے۔"

اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے عاطف نے تنویر سے معانقہ کیا اور انھیں رخصت کرنے آفس کے دروازے تک ساتھ گیا۔واپس آ کر وہ بمشکل بیٹھا ہی تھا کہ موبائل بجنے لگا۔اس نے کال اٹینڈ کی۔

"جی دانش؟" اس کے آئی ایس آئی کے دوست دانش کی کال تھی۔

"کہاں ہو بھئی؟"

"آفس میں۔"

"او کے......میں وہیں آ رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد دانش اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

رسمی کلمات کے بعد عاطف نے پوچھا۔ ”کیا پیو گے؟“

”کھانے کا ٹائم ہے جناب۔“

اور عاطف مسکراتے ہوئے انٹرکام پہ کھانے کا بتانے لگا۔

”ہاں جی! کس طرح تشریف آوری ہوئی؟“ رسیور رکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”میں یہ بتانے آیا تھا کہ، تیرے تینوں دوست ایران پہنچ گئے ہیں۔“

”میرے دوست......؟“

”یار میری مراد بلیک لیکویڈ کے ان ایجنٹس سے تھی جن کی نگرانی کا تو نے مجھے بتایا تھا۔“

”اوہ یس......“ عاطف نے گرم جوشی سے پوچھا۔ ”تمھارا مطلب ہے ڈیوی پارٹی ایران پہنچ گئے ہیں۔“

دانش نے منہ بنایا۔ ”جی ہاں......میرا مطلب بالکل یہی ہے۔“

”تینوں؟“

”جی تینوں،......اور آج ہی پہنچے ہیں۔“

”کوئی اور تفصیل......؟“

”نہیں بس یہی رپورٹ ابھی تھوڑی دیر پہلے ملی تھی......البتہ اتنا کنفرم ہو گیا ہے کہ اس وقت وہ تہران میں ہیں۔“

”خوب......ویسے بڑی جلدی انھیں کام پہ بھیج دیا گیا ہے۔“

اور پھر دانش کے کچھ کہنے سے پہلے ایک آدمی کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور وہ عاطف کی بات کا جواب دیئے بغیر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جبکہ عاطف فون اٹھا کر اشفاق کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”جی سر؟“ کہتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی۔

عاطف اسے ایران جانے کے انتظامات کے بارے احکامات دینے لگا۔

”سر خیر تو ہے؟“

”ہاں یار کچھ ادھار وصول کرنے جانا ہے۔“

”میری گنجائش نکل سکتی ہے سر؟“

”تمھاری......“ ایک لمحہ سوچ کر وہ بولا۔ ”اوکے......ایک ہفتے کی چھٹی کرا لو...... یہ غیر سرکاری دورہ ہوگا۔“

اشفاق خوشی سے چہکا۔ ”تھینک یو سر۔“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''دبئی کی فلائیٹ میں سیٹیں کرالو وہاں سے تہران کے لیے فلائیٹ آسانی سے مل جائے گی۔'' اور اشفاق کی ''او کے سر۔'' سنتے ہی اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔

''یعنی جناب بذات خود تشریف لے جائیں گے؟'' دانش نے نوالہ نگلتے ہوئے پوچھا۔

''ایسا ہی ہے......ویسے تمہارے آدمی کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''لالہ نام کا ہوٹل بتا رہے تھے۔''

عاطف اثبات میں سر ہلاتے ہوئے صدیقی صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا تا کہ اپنی چھٹی کا بتا سکے، اشفاق کی چھٹی یوں بھی اس نے خود منظور کرنی تھی۔اس بارے اس نے صدیقی صاحب کو اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆......☆......☆

حنا کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی جان سے پیاری امی اب نہیں رہیں۔عاطف، کرن اور اسماعیل شاہ کے ہمدردانہ بولوں سے گو اسے کافی حوصلہ ملا تھا مگر والدہ کی مفارقت کا زخم اتنی جلدی مندمل ہونے والا نہیں تھا۔ماں کی موت کا جتنا دکھ اسے تھا اس سے کئی گنا دکھ اس کے باپ کو ہوا تھا۔ہسپتال سے واپسی کے بعد سے وہ گم سم تھا۔اپنے غم کو بھلا کر حنا والد کی دل جوئی میں مصروف ہو گئی۔

اس دن کرن اس سے ملنے آئی ہوئی تھی۔تھوڑی دیر کی گپ شپ کے بعد وہ اچانک چونکتے ہوئے بولی۔

''حنا !......رات خبریں سنی تھیں؟''

''خبریں......؟نہیں......پر کیوں......؟''

''ایک عجیب سی خبر چل رہی تھی...... بلکہ میرے آنے کی وجہ بھی وہی خبر بنی۔''

''کیا......کون سی خبر؟''

''کہا جا رہا تھا کہ آنٹی جس کار میں سوار تھیں وہ بغیر کاغذات کے تھی اور یہ کہ کار میں بارود ایک منصوبہ بندی سے فٹ کیا گیا تھا ......یعنی رپورٹر کا کہنا تھا کہ کار باقاعدہ خودکش دھماکے کے لیے تیار کی گئی تھی۔''

''ک......کک......کیا کہہ رہی ہو؟'' حنا گڑبڑا گئی تھی۔

''یقین کرو......اب بھی شاید یہ خبر چل رہی ہو، کیونکہ ''بریکنگ نیوز'' ایک ہفتہ تو چلتی رہتی ہے۔''

کرن نے کمرے میں پڑا ٹی وی آن کر دیا۔کمرشل چل رہی تھیں لیکن سکرین کے نیچے لکھی ہوئی ہیڈ لائن پہ نظر ڈال کر حنا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔وہاں وہی خبر ایک تسلسل سے لکھی ہوئی آ رہی تھی۔

''یہ......یہ کیا ہے؟'' حنا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

''اسی الجھن کو حل کرنے کے لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔''

''مم......مگر میں اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتی ہوں؟''

''انکل سے پوچھ لو۔''

''کیا پوچھوں......؟''

''ایسا کرو اس خبر کے متعلق اسے بتادو......اور دیکھو وہ اس پہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں؟''

''ویسے کوئی ایسی بات ہوتی تو پولیس کو پوچھ گچھ کے لیے ہمارے گھر آنا چاہیے تھا؟''

''اپنی پولیس کی تیز رفتاری کو تم اچھی طرح جانتی ہو......پھر ایسے سوالات کا فائدہ؟''

اچھا میں پاپا سے بات کرتی ہوں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں اس بارے؟''

''انکل کی باتوں کو بعد میں شیئر کریں گی......فی الوقت میں چلوں گی۔''

اور حنا اسے رخصت کر کے والد کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

تہران ایئر پورٹ سے ٹیکسی پکڑ کر عاطف اور اشفاق نے لالہ ہوٹل کا رخ کیا۔آئی ایس آئی کے آدمیوں کو تلاش کرنے میں انھیں کوئی پرابلم پیش نہیں آئی تھی۔وہ تینوں مختلف کمروں میں رہائش پذیر تھے۔اس وقت ان کی ملاقات صرف مظہر نامی آدمی سے ہو سکی باقی دونوں ڈیوٹی پر تھے۔

شناخت کے کوڈ ورڈز اور رسمی کلمات کے بعد وہ براہ راست اصل بات پہ آ گئے۔

''سر ڈیوڈ نامی آدمی مائیک کے فرضی نام سے یہاں آیا ہوا ہے۔کالر کا نام فریک اور جیمس کا الیگزینڈر ہے۔جیمس اور کالرا کھٹے رہ رہے ہیں جبکہ ڈیوڈ ان سے علیحدہ مکان میں ہے......اقبال ڈیوڈ کی اور نثر باقی دونوں کی نگرانی کر رہا ہے۔''

''آپ لوگ پرسوں یہاں پہنچے تھے؟''

''جی سر۔''

''اس دوران ان لوگوں کی کوئی خاص کارروائی؟۔''

''کوئی خاص نہیں......ایک دو مقامی افراد سے ملاقات کی ہے،زیادہ تر وقت اپنی رہائش پہ ہی گزار رہے ہیں۔''

''انگلینڈ کی کوئی خاص بات؟''

''انگلینڈ سے یہ فرانس چلے گئے تھے......ہفتہ بھر انھوں نے وہاں گزارا......ان کو احکامات فون پہ ہی ملتے رہے......فرانس میں

یہ ایک اپارٹمنٹ میں ہی رہائش پذیر ہے......اور خوش قسمتی سے ہمیں وہاں خفیہ آلہ فٹ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ان کی فلائیٹ میں صرف مجھے سیٹ مل سکی تھی، فخر اور اقبال کو ایک دن پہلے یہاں آنا پڑا۔"

"گڈ......" عاطف نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔"میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر ان کی رہائش گاہوں کو ایک نظر دیکھنے جائیں گے۔"

"سر سوری......ٹھنڈے گرم کا پوچھ ہی نہیں سکا ہوں۔"مظہر کا لہجہ ندامت کا اثر لیے ہوئے تھا۔

"چائے کا کہہ دو......کھانا ہم نے جہاز میں کھا لیا تھا۔" یہ کہہ کر عاطف باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

چائے پی کر اس نے ایک باریک ماسک جیب سے نکال کر اپنا حلیہ تبدیل کیا......اور پھر یہی کارروائی اس نے اشفاق کے چہرے کے ساتھ دہرائی اور چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

چلتے وقت مظہر بولا۔"ویسے حلیہ بدلنے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی سر؟"

اشفاق نے کہا۔"وہ ہمیں پہچانتے ہیں میاں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔"مظہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ڈیوڈ کی رہائش کے سامنے موجود تھے......اقبال سے ملنے کے بعد عاطف نے اسے کچھ ضروری ہدایات دیں اور باقی دونوں کی رہائش کی طرف بڑھ گئے۔وہاں مظہر کو چھوڑ کر وہ فخر کو ساتھ لیے ہوٹل میں واپس آ گئے۔کہ فخر کی ڈیوٹی کا وقت پورا ہو چکا تھا۔بقیہ کارروائی کے لیے عاطف نے اگلے دن کا انتخاب کیا تھا۔

☆......☆......☆

حنا کی باتوں نے فاضل خان کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔بیٹی کو تو اس نے کسی نہ کسی طرح مطمئن کر کے واپس بھیج دیا اور خود اس کا شاطر دماغ اس مسئلے کو سلجھانے میں مصروف ہو گیا۔جانے والی چلی گئی تھی اب اس کے غم میں اپنا گلا پھانسی کے پھندے میں دینا کہاں کی عقل مندی تھی۔اپنا دامن صاف کرنے کے لیے اس نے سب سے پہلے چوکیدار کو اپنے پاس بلایا۔

"شاہین خان !اس دن وہ نئی سوزکی کار تو نے کس کے کہنے پہ کوٹھی میں کھڑی کی تھی۔"

اس کے پوچھنے پہ چوکیدار گڑبڑا کے بولا۔"سس......سیٹھ صاحب آپ نے ہی تو حکم دیا تھا۔"

"ہمیں اس بات کا بالکل پتا نہیں سمجھے۔" فاضل خان نے اسے جھڑکا۔"اگر کوئی تم سے پوچھے تو یہی کہنا کہ جو آدمی وہ کار لے کے آیا تھا اس نے میرا حوالہ دیا اور تو نے کار کوٹھی میں کھڑی کرا دی۔"

"ٹھ......ٹھیک ہے سیٹھ صاحب۔"

’’اور فکر کی کوئی بات نہیں ......اس بات پہ تمھیں کوئی مجرم نہیں ٹھہرا سکتا......اور خبر دار اگر تیرے منہ سے اس کے علاوہ کچھ نکلا۔‘‘

’’جب اس کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی سیٹھ صاحب تو پھر منہ سے کیسے نکلے گی؟‘‘

’’گڈ......سمجھدار آدمی ہو......باقی اگر پولیس آئے تو تو نے انھیں بتانا ہے.........‘‘ فاضل اسے تفصیل سے سمجھانے لگا۔ جواباً ہر بات پہ چوکیدار سر ہلاتا رہا گویا وہ سب سمجھ رہا تھا۔ آخر میں فاضل خان اسے کہہ رہا تھا......

’’نورل کو ہمارا بتا کر دس ہزار روپے بھی لے لینا......یہ تیری وفاداری کا انعام ہوگا۔‘‘

’’بڑی مہربانی سیٹھ صاحب۔‘‘ شاہین نے کہا اور پھر فاضل خان کا اشارہ پا کر وہ باہر نکل گیا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد فاضل خان نے موبائل نکالا، ایک دو اہم کالیں کیں پھر چند دوسرے ملازموں کو بلا کر اہم ہدایات دیں اور اس کے بعد ایس پی کا نمبر ملانے لگا۔

’’جی سیٹھ صاحب!......کیسے یاد فرمایا؟‘‘ ایس پی سکندر حیات کی بھاری آواز ریسیور سے برآمد ہوئی۔

’’ایس صاحب آپ کو حالیہ حادثے کا تو پتا ہوگا......اپنی شریک حیات کے غم میں ہم پچھلے ہفتے سے بستر سے لگے ہوئے ہیں ......آج ٹی وی پر میڈیا کی گل افشانیاں سن کر آپ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔‘‘

’’سیٹھ صاحب......پہلے تو میں معذرت چاہوں گا کہ آپ کے پاس تعزیت کے لیے نہ آسکا......باقی جہاں تک میڈیا کی گفتگو کا تعلق ہے تو اس ضمن میں سپیشل برانچ کا انسپکٹر دلشاد امین تحقیقات کر رہا ہے شاید آج یا پھر کل تک آپ کے پاس حاضر ہو۔‘‘

’’ہاں......دلشاد امین سے ہم واقف ہیں۔ وہ اب سپیشل برانچ میں چلا گیا ہے؟‘‘

’’ہاں سیٹھ صاحب......اس جیسے محنتی افسر کے لیے سپیشل برانچ ہی مناسب تھی۔‘‘

’’ایسا ہی ہے۔‘‘ فاضل خان نے جھوٹے منہ اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ’’بہرحال اگر ہوسکے تو اسے آج ہی ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ تفصیلی گفتگو ہوسکے۔‘‘

’’ٹھیک ہے سیٹھ صاحب......میں بتا دیتا ہوں، تھوڑی دیر تک آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔‘‘

اور فاضل خان نے۔ ’’خدا حافظ‘‘ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ چوکیدار کو دلشاد امین کی آمد کا بتا کر وہ اس کے متعلق سوچنے لگا۔ دلشاد امین نہایت ہی ایماندار اور محنتی انسپکٹر تھا۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے نہایت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اس کی آمد تک وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا رہا۔

دلشاد امین کافی دیر بعد وہاں پہنچا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے فاضل خان سے رسمی تعزیت کی اور پھر اپنے مدعا پر آ گیا۔

’’سیٹھ صاحب!......میرا ارادہ تو کل آپ کے پاس آنے کا تھا اب آپ نے خود ہی بلا لیا ہے تو بتائیں......کیا صورت حال ہے؟‘‘

''سچ کہوں انسپکٹر صاحب تو ہمیں کل ٹی وی دیکھتے ہوئے پتا چلا ہے کہ رخشندہ کسی سوزکی کار میں تھی حالانکہ گھر میں ایسی کوئی کار موجود نہیں تھی......ہم نے تمام ملازمین کو بلوا کر باز پرس کی تو چوکیدار نے بتلایا کہ وہ کار کوئی آدمی ہماری غیر موجودگی میں وہاں چھوڑ گیا تھا۔اس کے ساتھ ایک کار ڈیلر کا کارڈ بھی تھا میں نے اس شوروم میں بھی بات کر کے پتا کرلیا ہے......وہ بھی اس بات سے لاعلم ہیں۔''

دلشاد نے حیرانی سے پوچھا۔''یعنی آپ اس بات سے ہی لاعلم ہیں کہ مرحومہ سوزکی کار میں ڈاکٹر کے پاس جارہی تھی۔''

''بالکل یہی بات ہے......اس دن میں گھر میں حاضر نہیں تھا اور پھر جس وقت لوٹا گھر داخل ہوتے ہی مجھے یہ روح فرسا خبر ملی۔

''آپ کو کس نے مطلع کیا تھا؟''

''میرے گارڈز کی گاڑی اس کے پیچھے تھی۔''

''ڈرائیور کے علاوہ بھی ایک ہتھیار بند آدمی کی لاش کار میں ملی ہے۔''دلشاد کے لہجے میں شک کی پرچھائیاں تھیں۔

''بیٹی کے اغوا کے واقعے کے بعد میں نے اس معاملے میں زیادہ احتیاط برتنی شروع کردی تھی۔اس لیے گھر والوں کے ساتھ گاڑی کے اندر بھی ایک محافظ موجود رہتا تھا۔''فاضل خان نے سارے جواب تیار رکھے ہوئے تھے۔

''تو جو محافظ دوسری گاڑی میں تھا اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ مرحومہ کس کار میں سوار تھیں؟''

''نہ ہم نے پوچھا اور نہ ہی اس نے بتانے کی ضرورت محسوس کی،کیونکہ اس کے خیال کے مطابق نئی کار ہم نے ہی خریدی تھی۔''

''اور آج میڈیا کی گفتگو سن کر آپ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے......؟''

''ہاں......یوں بھی رخشندہ کی موت کے بعد ہم اپنے آپ میں نہیں تھے۔''

''ان کی ذاتی گاڑی کون سی تھی۔''

''وہ کار خراب تھی......اور اسی وجہ سے وہ یہ نئی کار لے کے گئی تھی۔''فاضل خان کے لہجے میں حقیقی غم کی جھلک تھی۔

''اچھا یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ کسی دشمن نے بارود سے بھری گاڑی آپ کی غیر موجودگی میں گھر بھجوائی اب اتفاق سے وہ کار مرحومہ بھابی صاحبہ اپنی ذاتی کار خراب ہونے کی وجہ سے ساتھ لے گئیں......لیکن اگر ایسا اتفاق نہ ہوتا تو......آپ میرا سوال سمجھ گئے ہوں گے......میرے کہنے کا مطلب ہے،دشمن نے بارود سے بھری ایک کار آپ کے گھر کس لیے بھجوائی تھی......انھیں تو یہ علم نہیں تھا کہ بھابی صاحبہ کی کار خراب ہے......اگر بالفرض یہ علم ہوتا تب بھی ضروری نہیں تھا کہ بھابی وہی کار استعمال کرتیں وہ آپ کی کار میں بھی ہاسپٹل جاسکتی تھیں؟''

''شاید......دھماکے سے ہمارے گھر کو اڑانے کا ارادہ تھا۔''

''تو پھر دھماکا کرایا کیوں نہیں گیا؟''

''ہماری غیر موجودگی میں دھماکا کیوں کر کیا جاتا......جبکہ دشمن کا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا تھا......یہ تو رخشندہ کی بدقسمتی تھی کہ اپنی

کار خراب ہونے کی وجہ سے اسے وہی کار میسر ہوئی اور وہ اس میں بیٹھ کے چلی گئیں؟" فاضل خان کا جواب مدلل تھا۔اس کے باوجود دلشاد کو اس کی باتوں پہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"سیٹھ صاحب آپ کے ملازموں سے کچھ بات چیت کرنی تھی......"

"ضرور۔" فاضل خان نے خندہ پیشانی سے کہا اور نورل کو کہہ کر تمام ملازموں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔

دلشاد امین نے فرداً فرداً سب کو کریدا مگر وہ رٹے رٹائے بیانات دہراتے رہے۔گھنٹا بھر کی مغز ماری کے بعد وہ فاضل خان سے مخاطب ہوا.........

"سیٹھ صاحب!......ان کے بیانات سے تو کوئی اندازہ نہیں ہو رہا کہ دشمن کون ہے......ویسے اسماعیل شاہ کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ اس کی حرکت ہو سکتی ہے؟"

"انسپکٹر صاحب!......بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں آپ۔" فاضل خان تحسین آمیز لہجے میں بولا۔"بہر حال کچھ کہہ نہیں سکتے ......ہو سکتا ہے اسی کا کام ہو کیونکہ بارود کا استعمال وہ اچھی طرح جانتا ہے......اور اس کے علاوہ بھی میرے کافی دشمن ہیں۔"

"اوکے سیٹھ صاحب!......فی الحال میں چلوں گا۔اگر کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے تو مجھے لازماً مطلع کرنا......میری تفتیش جاری ہے انشاءاللہ جلد ہی اصل بات سامنے آ جائے گی۔"

فاضل خان جواباً انشاءاللہ بھی نہ کہہ سکا، فقط سر ہلا کر رہ گیا۔دلشاد کے جانے کے بعد فاضل خان نے مخصوص موبائل نکال کر منور کا نمبر ڈائل کیا مگر اس کا موبائل اسے بند ملا۔دو تین کوششوں کے بعد اس نے اسفندیار کا نمبر ملایا مگر اس کا نمبر بھی بند تھا۔اس کا دل ناخوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا،دونوں کے سیل فونز کا بیک وقت بند ہونا اسے عجیب سا لگا تھا۔کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک اور نمبر ڈائل کیا جو کہ اسفندیار اور منور کے واقف کار کا تھا۔

"یس؟" کال اٹینڈ کرنے والا شائستہ انداز میں مستفسر تھا۔

"ہم سیٹھ فاضل خان بول رہے ہیں آپ غالباً......نور زمان صاحب بول رہے ہیں؟"

"اوہ......سیٹھ فاضل صاحب!......معذرت کرنا چاہوں گا کہ آپ کا نمبر میرے پاس نہیں ہے اس لیے پہچان نہیں سکا۔"

"کوئی بات نہیں نور زمان صاحب......اس سے پہلے فون پہ بات کرنے کی نوبت بھی تو نہیں آئی۔"

"کیسے یاد فرمایا؟"

"اسفندیار صاحب کا پوچھنا تھا وہ فون نہیں اٹینڈ کر رہا......اسی طرح منور صاحب کا نمبر بھی بند ہے۔"

"سیٹھ صاحب!......جانکاری کے مطابق تو وہ خفیہ پولیس کی قید میں ہیں۔"

’’مم...... میں...... ہم سمجھے نہیں؟‘‘ فاضل خان گربڑا گیا تھا۔

’’انھیں ہفتہ بھر پہلے سول کپڑوں میں خفیہ پولیس کے ارکان گرفتار کر کے لے گئے تھے اور اب تک ان کا کوئی پتا نہیں چلا ہے۔‘‘

’’اوہ......!‘‘ فاضل خان کے منہ سے تاسف بھری آہ خارج ہوئی۔

’’سیٹھ صاحب!...... آپ کی بیگم کا سنا تھا، بہت افسوس ہوا، بہر حال جو اللہ تعالیٰ کی مرضی۔‘‘ نورزمان تعزیت کرنے لگا۔

’’مہربانی نورزمان صاحب...... بہر حال ان کی کوئی خیر خبر ملتی ہے تو ہمیں ضرور مطلع کرنا۔‘‘

’’ٹھیک ہے سیٹھ صاحب!...... اور کچھ؟‘‘

’’نہیں بس خدا حافظ۔‘‘ اس نے موبائل آف کر کے واپس الماری میں رکھا اور صوفے پر بیٹھ کر گہری سوچ میں کھو گیا...... ان دونوں کا اکٹھے گرفتار ہونا اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا...... حیرانی کی بات یہ تھی کہ ایک ہفتے پہلے گرفتار ہونے والوں نے ابھی تک اس کے متعلق زبان بند رکھی ہوئی تھی...... اور یہ بات یقین کرنے والی نہیں تھی۔ ایک ہفتے میں تو خفیہ پولیس ہاتھی سے بندر ہونے کا اقرار کروا سکتی تھی۔ یہ تو پھر دو آدمی تھے...... اور پھر ان کی فاضل خان سے کوئی رشتا داری بھی نہیں تھی کہ وہ اس کے جرم پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔

اس نے سوچا۔ ’’یقیناً میرے خلاف کوئی گہری سازش تیار ہو رہی ہے یا خفیہ پولیس میرے ساتھ چوہے بلی کا کھیل، جاری رکھے ہوئے ہے؟‘‘ دلشاد امین کو بیوقوف بنانے کی ساری خوشی خاک میں مل گئی تھی۔

’’اگر عاطف سے بات کی جائے...... وہ ایک اہم پوسٹ پہ ہے اور اس کے حوالے میں نے اچھی رقم بھی کی ہے۔ وہ لازماً میری مدد کرے گا۔‘‘ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک متضاد سوچ ابھری۔

’’عاطف کے ساتھ تو پچھلے جرائم پہ سودا ہوا تھا اور یہ بالکل نیا جرم ہے، وہ تو اور غصے ہو گا کہ میں ابھی تک اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہوں۔‘‘

کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے بلیک لیکوئڈ کے نمائندے سے بات کرنے کا سوچا کہ اس کے علاوہ وہ کوئی ایسا بندہ نظر نہیں آ رہا تھا جس سے وہ مشورہ کر سکتا۔

کال اٹینڈ کرتے ہی پوچھا گیا۔ ’’مسٹر فاضل خان!...... شاید تم اپنی ناکامی کی رپورٹ دینا چاہ رہے ہو؟‘‘

’’سر وہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے...... اور وجہ بھی معلوم ہو گی؟‘‘

’’اچھی طرح...... معلوم ہوتا ہے اب تم بوڑھے ہو گئے ہو؟‘‘

’’سر بس قسمت میں یہی لکھا تھا۔‘‘

طنزیہ انداز میں کہا گیا۔ ’’قسمت، انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے جناب سیٹھ صاحب۔‘‘

''سر!......کبھی کبھی تدبیر کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔''

''بہرحال اب تم ہار چکے ہو......اور یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو گے کہ زندگی ایسا ٹورنامنٹ ہے جس میں ناک آؤٹ سسٹم رائج ہے۔''

''سر!......فون کرنے کا مقصد آپ سے رہنمائی چاہنا تھا۔''

''بات بہت بڑھ گئی ہے فاضل خان ......ہم پٹے ہوئے مہرے کو زندہ نہیں چھوڑا کرتے مگر تیری سابقہ خدمات مدنظر رکھتے ہوئے تجھے کچھ نہیں کہا جا رہا......''

''میں پہلے سے زیادہ خدمات سرانجام دے سکتا ہوں۔'' بلیک لیکونڈ کے سامنے وہ نوابی بولی بھول جاتا تھا۔

''فاضل خان تم سی آئی کی نظروں میں آ گئے ہو......اب تم ہمارے لیے کوئی خدمت سرانجام نہیں دے سکتے۔''

''سی آئی کو میں ہڈی ڈال چکا ہوں......اور مزید رقم بھی ان کے حوالے کر سکتا ہوں۔''

''یہ تمھاری بھول ہے بیوقوف......رشوت لینا تمھیں آزاد کرنے کا ایک مناسب بہانہ تھا۔''

''اس میں ان کا فائدہ؟''

''ہمارے لیے جال بچھانا اور بس۔''

''گویا ان کی نظر میں میں اب بھی مجرم ہوں؟''

''ہاں......اور تیری وجہ سے ہی منور اور اسفندیار گرفتار ہوئے ہیں۔''

''آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟''

''بلیک لیکونڈ اپنی آنکھیں کھلی رکھتی ہے فاضل خان......''

''وس......سر ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے؟''

''مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ پاکستان سے بھاگ جاؤ۔'' یہ کہتے ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ یہ مشورہ فاضل خان کو مناسب لگا تھا موجودہ حالات اسی بات کے متقاضی تھے کہ وہ پاکستان سے فرار ہو جاتا۔ یوں بھی وطن عزیز میں تمام مشکلات کا آسان حل یہی ہے کہ حکومت کرو، لوٹو کھسوٹو اور جب دیکھو کہ احتساب کا خطرہ ہے تو بیرون ملک بھاگ جاؤ۔

☆......☆......☆

''مظہر، تو نے سامنے سے اور اقبال نے عقبی جانب نگرانی کرنی ہے۔ میں اور اشفاق اندر جائیں گے، تمام نے وائرلیس پہ رابطے میں رہنا ہے......'' اس وقت وہ ڈیوی کی رہائش گاہ کے سامنے کرائے کی ایک کار میں بیٹھے تھے۔ اور عاطف انھیں پلان سمجھا رہا تھا۔

مظہر نے پوچھا۔ ”سر! اگر صرف ایک آدمی باہر رہے......؟“

عاطف نے انکار میں سر ہلایا۔ ”نہیں......فرنٹ اور بیک دونوں سائیڈ کی نگرانی ضروری ہے اور یوں بھی اندر صرف ایک آدمی ہی ہوگا اس کے لیے دو آدمی کافی ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ تمام نے سر ہلا دیا۔

”ہم عقبی جانب سے اندر داخل ہوں گے......صورت حال کو دیکھتے ہوئے اندر کارروائی کی جائے گی، ہر قسم کی ناگہانی صورت حال کے لیے تیار رہنا......کوئی پلان میں تبدیلی کرنا چاہتا ہو؟“ اس نے حسب عادت آخر میں پوچھا مگر سب کا سر نفی میں ہل گیا۔

عقبی دیوار عبور کرتے ہوئے عاطف اور اشفاق اندر داخل ہوئے۔

”تم بائیں طرف سے جاؤ اگر کوئی کھڑکی کھلی ہو تو بتانا؟“ اشفاق کو بتا کر وہ خود دائیں طرف مڑ گیا۔

پہلی کھڑکی دیکھتے ہی اسے پلان تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کھڑکی کھلی تھی مگر اس میں جالی لگی ہوئی تھی۔ اور یقیناً باقی کھڑکیوں کا بھی یہی حال ہونا تھا۔ اسی وقت اسے اشفاق کی آواز سنائی دی۔

”سر کھڑکیوں میں جالی لگی ہے۔“

”دیکھ لیا ہے......اب سامنے سے جانا پڑے گا“ عاطف دبے پاؤں آگے بڑھ گیا۔ مین گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔

”مظہر! گیٹ پہ ہلکی سی دستک دے کر چوکیدار کو اپنی طرف متوجہ کرو۔“

”جی سر۔“ مظہر کی ہلکی سی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ چند سیکنڈ بعد ہی گیٹ ہلکے سے کھٹکھٹایا گیا اور چوکیدار چونکتے ہوئے ذیلی کھڑکی کھولنے لگا۔ اتنی مہلت ان کے لیے کافی تھی وہ دونوں بجلی کی سی سرعت سے اندرونی عمارت میں گھس گئے۔ انھیں مظہر کی چوکیدار سے بات چیت سنائی دینے لگی۔ وہ کسی فرضی آدمی کے بارے استفسار کر رہا تھا۔ ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے وہ چوڑی گیلری میں پہنچے، وہاں تین کمروں کے دروازے موجود تھے جن میں سے درمیانی دروازے میں ہلکی سی درز موجود تھی اور اس سے ٹی وی چلنے کی آواز باہر آ رہی تھی۔ کھلے دروازے نے ان کا آدھا کام آسان کر دیا تھا۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے وہ دونوں اکٹھے اندر داخل ہوئے۔ دونوں کے پسٹل کا رخ کمرے کے واحد مکین ڈیوی کی طرف تھا جو میز پہ نقشہ پھیلائے کام میں مصروف نظر آیا۔ ٹی وی پر کوئی مقامی چینل چل رہا تھا۔ نیوز کاسٹر غالباً۔ فارسی میں خبریں پڑھ رہی تھی جو ان کی سمجھ سے باہر تھیں۔

”تت......تم......کون ہو تم؟“ ڈیوی، بدلے حلیے کی وجہ سے انھیں پہچان نہیں پایا تھا۔

عاطف نے اپنا ماسک اتارتے ہوئے کہا۔ ”خادم کو عاطف کہتے ہیں۔“

''اس ڈرامے کا مقصد؟'' ڈیوی نے لہجے کو بے خوف بنانے کی کوشش کی جو کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

''تم سے کچھ ادھار چکانا تھا مسٹر ڈیوی...... یاد ہے ناں آخری ملاقات میں، میں نے کہا تھا کہ کوشش کرنا دوبارہ میرا سامنا نہ ہو؟''

''تو میں نے کب کوشش کی ہے سامنا کرنے کی؟''

''تمھاری گرائمر کا حال بھی میری طرح کچھ اچھا نہیں ہے۔ مسٹر!...... میں نے کہا تھا کوشش کرنی ہے میرا سامنا نہ ہو، سادہ الفاظ میں مجھ سے بچنا کہ تم......! میرے ملک وقوم کے مجرم ہو اور مجرموں کو معاف کرنے کا میں بالکل قائل نہیں ہوں۔''

''آپ کی حکومت سے معاہدہ ہو چکا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔''

''ہا ہا ہا...... معاہدہ...... مسٹر وہ معاہدہ نہیں دھونس تھی...... ایک کنفرم مجرم کو رہا کرنا...... کیا تیری حکومت اسی طرح مجرموں سے معاہدے کیا کرتی ہے؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مگر آپ کے ایک ذمہ دار عہدے دار نے تو معاہدہ کیا ہے ناں اور اس کی پاس داری آپ کو لازم ہے۔''

''بیوقوف!...... اس نے کوئی قانونی معاہدہ نہیں کیا...... تیری تنظیم کی وساطت سے اسے کرسی ملی جو لیا ایک مجرم کی رہائی کا حکم دیتے ہوئے اس نے نمک حلالی کا مظاہرہ کرنا چاہا جو ملک وقوم سے غداری تھی۔''

''اگر میں ابھی آپ سے معاہدہ کرنا چاہوں......؟''

''تم کیا دے سکتے ہو؟''

''آپ مانگ کر دیکھیں......؟''

''پاکستان کا جتنا نقصان کر چکے ہو کیا اسے پورا کر سکتے ہو؟''

''کک...... کوئی ایسی چیز مانگو جو ممکن ہو؟''

''میرا خیال ہے کافی گپ شپ کر لی ہے۔'' عاطف نے جیب سے سائیلنسر نکال کر پستول کی نال پر چڑھایا...... ڈیوی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا تھا۔

''پپ...... پلیز مسٹر عاطف۔'' وہ گڑگڑایا۔

''الوداع مسٹر ڈیوی......'' عاطف نے ہونٹ بھینچتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ ''ٹھک'' کی آواز کے ساتھ ڈیوی کی دونوں آنکھوں کے بیچ روشندان کھل گیا تھا۔ چند سیکنڈ تک ہاتھ پیر جھٹکنے کے بعد وہ ساکن ہو گیا۔

اشفاق نے پوچھا۔ ''سر!...... تلاشی لینے کی ضرورت ہے؟''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں" پسٹل جیب میں ڈال کر وہ دوبارہ اپنا ماسک ٹھیک کرنے لگا۔

"سر! کام ہو گیا ہے؟" اس کے کانوں میں مظہر کی آواز گونجی۔

"ہاں ...... اور ہم باہر نکل رہے ہیں، تم چوکیدار کو دوبارہ اپنے جانب متوجہ کرو۔"

"او کے۔" کہہ کر مظہر کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ ڈرائینگ روم کے دروازے پہ پہنچے اس وقت مظہر دستک دے کر چوکیدار کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔

کوٹھی کی داہنی سائیڈ سے چکر کاٹتے ہوئے وہ عقبی سمت میں پہنچے اور پھر دیوار عبور کرتے ہوئے باہر آ گئے۔ وہاں سے چاروں کار میں بیٹھ کر کالر اور جیمس کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں فخر ان کا منتظر تھا۔

عاطف نے جاتے ہی فخر سے پوچھا۔ "کیا صورت حال ہے؟"

"دونوں موجود ہیں سر ...... شام کے ٹائم ہی باہر جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ...... ایسا کرو تم کوٹھی کی عقبی جانب چلے جاؤ، اقبال سامنے سے نگرانی کرے گا اور ہم تینوں اندر داخل جائیں گے۔" اقبال اور فخر سر ہلاتے ہوئے اپنی ڈیوٹی پہ چلے گئے، جبکہ عاطف ان دونوں کے ہمراہ کوٹھی کی عقبی جانب بڑھ گیا۔ جلد ہی وہ کوٹھی کے اندر تھے۔ ان کی خوش قسمتی کہ عقبی جانب ہی انھیں کھلی کھڑکی مل گئی۔ اس سے ہوتے ہوئے وہ اندرونی عمارت میں داخل ہوئے، دونوں انھیں ڈرائینگ روم میں ہی مصروف گفتگو نظر آئے تھے۔ وہ تینوں بے دھڑک اندر داخل ہوئے گئے۔

ان پر نظر پڑتے ہی وہ ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"شاید تمھیں حیرانی ہو کہ ہم کون ہیں؟" عاطف نے ماسک اتارتے ہوئے کہا۔ "فدوی کو عاطف کہتے ہیں اور تم لوگوں کو اپنا جرم خوب معلوم ہے وضاحت کرنا وقت کا ضیاع ہوگا" یہ کہتے ہی اس کے سائلنسر لگے پستول سے دو مرتبہ "ٹھک، ٹھک" کی آواز نکلی اور وہ صوفوں پہ گر کے تڑپنے لگے۔

"چلو۔" عاطف ان کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے واپس مڑ گیا۔ اپنی آمد کا رستہ استعمال کرتے ہوئے وہ تینوں باہر آ گئے۔ اور پھر آدھے گھنٹے بعد وہ واپس ہوٹل پہنچ گئے تھے۔

عاطف مظہر سے مخاطب ہوا۔ "کل کی فلائیٹ سے ہمارے لیے سیٹیں ریزرو کرالو اور اپنے بارے دانش صاحب سے پوچھ لینا۔"

وہ جواباً بولا۔ "ہم نے بھی واپس ہی جانا ہے سر۔"

"او کے ...... سیٹیں کنفرم کر کے مجھے مطلع کر دو۔"

"جی سر" کہہ کر مظہر کمرے سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

حنا کی ماں کی موت کے بعد تین دن تک اسماعیل اپنے کوارٹر تک محدود رہا اس دوران وہ مسلسل فاضل خان کے خلاف منصوبے بناتا اور بگاڑتا رہا، یہاں تک کہ ایک حتمی نتیجے پہ پہنچ گیا۔اس کے ذہن میں یہ چھوٹا خیال آیا کہ فاضل خان نے اپنے گرگوں کے مرنے کے بعد محافظوں میں نئے آدمی شامل کیے ہوں گے اور وہ اس کے ملازم ہی تو ہوں گے کوئی رشتہ دار تو نہیں۔اور دولت کے لیے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے ،اپنے مالک سے غداری بھی کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔اس نے سوچ لیا کہ فاضل خان کے کسی آدمی کو ورغلا کر اور دولت کا لالچ دے کر اپنا کام نکالے گا۔

نئے پلان پر عمل کرنے کے لیے وہ حلیہ بدل کے کوارٹر سے باہر آ گیا۔سارا دن اسے کوٹھی کے دائیں بائیں گھومنا پڑا،آخر سہ پہر کے نام اس نے دو آدمیوں کو محافظوں کی جیپ میں باہر آتے دیکھا۔وہ بے دھڑک ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔اس کے پاس موٹر سائیکل موجود تھی۔ایک ورکشاپ میں ان کو رکتے دیکھ کر وہ بھی ایک سائیڈ پر رک گیا۔شاید انھوں نے جیپ کا کوئی کام کرانا تھا۔اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا جلد ہی ان دونوں میں سے ایک آدمی ورکشاپ سے باہر نکل آیا۔اس کا رخ فرلانگ بھر فاصلے پہ موجود ہوٹل کی طرف تھا۔اسماعیل کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔جیسے ہی وہ ہوٹل میں داخل ہوا اسماعیل بھی پارکنگ میں موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر گھس گیا۔وہ اسے کونے کی ایک میز پہ اکیلا بیٹھا نظر آیا۔

اس کے قریب جا کر اسماعیل نے پوچھا۔"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"بیٹھیں بھائی صاحب۔"گہری نظر سے اسماعیل کا جائزہ لے کر اس نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"چائے پیئں گے آپ؟"

"مہربانی جی !میں نے منگایا ہوا ہے۔"اس کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی تھی۔

اسماعیل،بیرے کو چائے کا کہہ کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ غالباً سیٹھ فاضل کے آدمی ہیں؟"

اسماعیل کی بات پہ اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔"ہاں......مگر تم کیسے جانتے ہو؟"

"سیٹھ صاحب ایک مشہور شخصیت ہیں......آتے جاتے نظر پڑ ہی جاتی ہے اور پھر ویسے بھی انھیں آپ لوگوں نے گھیرا ہوتا ہے تو آپ لوگ زیادہ نظر میں رہتے ہو۔"

"ہونہہ!"کہہ کر اس نے کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے گریز کیا تھا۔

"آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"اسماعیل نے گفتگو جاری رکھی۔

"الٰہی بخش۔"

’’بخش بھائی!......اگر میں فاضل خان صاحب کے پاس کام کرنا چاہوں؟‘‘

’’بھائی صاحب یہ کام اس کا خاص آدمی نورل کرتا ہے۔ کہتے ہو تو اس سے ملا دیتا ہوں۔‘‘

’’ویسے تنخواہ وغیرہ کتنی دیتا ہے؟‘‘

’’تنخواہ کیا یار......بس گزارا ہی چلانا ہے۔‘‘اس نے منہ بنایا۔

’’ایک لاکھ کمانے کے بارے کیا خیال ہے؟‘‘

’’ای......ایک لاکھ......میں سمجھا نہیں؟‘‘

’’میرا ایک کام کرو......اور لاکھ روپے وصول کرو۔‘‘

’’پہلے کام بتاؤ؟‘‘

’’کسی آدمی کی نگرانی کرنی ہے اور اس کے بارے ایک ایک پل کی رپورٹ دینی ہے۔‘‘

’’پر میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے؟‘‘الٰہی بخش کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کام کے لیے تیار تھا۔

’’موجودہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے بھی تم میرا کام کر سکتے ہو۔‘‘اسماعیل آپ سے تم پہ آ گیا تھا۔

’’وہ کیسے......؟‘‘

’’فاضل خان کی نگرانی کرنی ہے۔‘‘اسماعیل مطلب کی بات پہ آ گیا تھا۔

’’کیا......؟ وہ حیرت سے اچھل پڑا۔’’مجھے نمک حرام سمجھا ہے؟‘‘اس کے لہجے میں غصہ بھرا تھا۔

’’ایک لاکھ کام سے پہلے اور ایک لاکھ کام کے بعد۔‘‘اسماعیل نے ریٹ بڑھاتے ہوئے نوٹوں کی گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔ نوٹوں کی جھلک نے عجیب اثر دکھایا تھا، الٰہی بخش کے بگڑے تاثرات میں نرمی جھلکی جو بتدریج اثبات میں ڈھل گئی۔اس نے دائیں بائیں دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیری......

’’مگر میں اس کے ہر پل کی رپورٹ نہیں دے سکتا؟‘‘

’’ہر پل سے مراد اس کے گھر سے نکلنے اور واپس آنے کی رپورٹ ہے......اور اس کے علاوہ بھی اگر کوئی بات معلوم ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی بات نہیں۔‘‘اسماعیل نے نوٹوں کی گڈی اس کی سمت بڑھائی جو اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے سرعت سے جیب میں رکھ لی۔

’’اسے معلوم ہو گیا تو دونوں جان سے جائیں گے؟‘‘

’’کچھ بھی نہیں ہوتا......یہ بات ہم دونوں کے بیچ ہوئی ہے کسی تیسرے کو پتا چلے گی تو اسے معلوم ہو گی ناں۔اور یوں بھی تو نے

صرف نگرانی کرنی ہے اس پہ حملہ نہیں کرنا، نہ اس کے گھر سے کوئی چیز چرانی ہے۔"

"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" دولت نے اس کے لہجے میں احترام پیدا کر دیا تھا۔

"غازی شاہ۔" اسماعیل نے نام کا آخری حصہ دہرایا۔

"اس نگرانی سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"کہتے ہیں میٹھے آم کھاتے ہوئے پیڑوں کو گننے کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔"

"شاید آپ بتانا نہیں چاہتے؟"

"کوئی فائدہ ہوتا تو ضرور بتاتا۔"

"اوکے......آپ کو رپورٹ کیسے دینی ہوگی؟" بخش نے اصرار نہیں کیا تھا۔

"میرا نمبر نوٹ کرلو......اس پہ کال کر لیا کرنا۔"

اسماعیل کا موبائل نمبر نوٹ کر کے وہ اٹھتے ہوئے بولا۔"تو پھر مجھے اجازت؟"

"بالکل......اور ہاں اگر کام تسلی بخش پایا گیا تو انعام بھی ملے گا۔" اسماعیل نے اسے لالچ دینا مناسب سمجھا کہ اس طرح وہ کام دل جمی سے کرتا۔

ایک اہم کام بہت آسانی سے نبٹ گیا تھا۔ باقی کا دن اس نے ضروری سامان کی خریداری میں گزارا۔

فاضل خان کا مسئلہ حنا کی وجہ سے بہت طول کھینچ گیا تھا اور اب وہ جلد از جلد اسے نبٹانا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

"......سر!......اس طرح عاطف کی اس تجویز کی بدولت دو اہم مہرے پکڑے گئے ہیں۔ کراچی میں ہونے والی زیادہ تر دہشت گردی کے واقعات ان دونوں کی وجہ سے ہی ممکن ہوئے۔ کہ ایک آدمی کا کام دہشت گردی کے آلات تیار کرنا تھا اور دوسرا انھیں استعمال کرنے کے لیے آدمی مہیا کیا کرتا۔" صدیقی صاحب اس وقت بدر صاحب کے آفس میں بیٹھا اسے تفصیل سے تازہ صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔

"درست ہے......مگر ہم نے اس کی قیمت بھی تو ادا کر دی ہے؟......میری مراد بلیک لیکونڈ کے ایجنٹس کی رہائی سے ہے۔" بدر صاحب اب تک ڈیوی پارٹی کی رہائی نہیں بھلا پایا تھا۔

"سر! ان سے ہم نے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔"

"صدیقی صاحب!......وہ پاک سرزمین کے مجرم تھے......کوئی مجرم قانون کے شکنجے سے بچ جاتے ہیں مگر یہ تو پکڑے گئے تھے

ناں..... ان کو رہا کرنا اور پھر میری بدقسمتی کہ ان کی رہائی کا حکم بھی مجھے دینا پڑا..... یہ سب عاطف کی تجویز کی بدولت ہی ہوا۔"

"سر!..... شاید یہ خبر آپ کے لیے خوشی کا باعث بنے کہ وہ تینوں اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں..... عاطف نے پرسوں انھیں اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" بدر صاحب کے لہجے میں حیرانی تھی۔ "کیا وہ دوبارہ پاکستان آ گئے تھے؟"

"نہیں سر..... انھیں ایران میں ہلاک کیا گیا ہے۔"

"بجھارتیں نہ بجھواؤ؟" بدر صاحب کے لہجے میں خفگی بھرا اشتیاق تھا۔ جواباً صدیقی صاحب نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔

"عاطف کے ایران جانے کی بات سے مجھے کیوں لاعلم رکھا گیا؟"

"کیونکہ میں خود اس بات سے لاعلم تھا..... اس نے ایک ہفتے کی چھٹی مانگی اور چار دنوں میں واپس آ کر غیر رسمی طور پر مجھے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اسی طرح میں نے بھی آپ کو رپورٹ نہیں دی ہے، اگر آپ کو برا لگا ہو تو ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

اور صدیقی صاحب کی بات پہ بدر صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"یہ عاطف بھی خوب ہے؟" بدر صاحب کے لہجے سے صدیقی کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ عاطف سے خفا نہیں ہے۔

"سر!..... دشمن ملک عناصر کے لیے اس کے دل میں ذرا بھر بھی رحم نہیں ہے۔"

"صدیقی صاحب!..... ایسے جوان ملک و قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں..... آج جبکہ جوانوں کو لہو و لعب سے فرصت نہیں ایسے حالات میں عاطف جیسے جوان کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔"

"بجا ارشاد فرمایا۔" صدیقی صاحب کا سر اس کی تائید میں اوپر نیچے ہلنے لگا۔

"میری طرف سے اسے تھینکس کہہ دینا..... پچھلے دو ہفتوں سے میں صحیح طریقے سے سو نہیں سکا تھا۔ حالانکہ مجرموں کی رہائی میری منشاء کے خلاف تھی مگر پھر بھی ضمیر کی عدالت میں جوابدہی کافی مشکل ہو جاتی ہے؟۔"

"آپ کی خوشی اس کے لیے کسی بڑے انعام سے کم نہیں ہوگی سر۔"

"انعام تو خیر اسے توقع سے بھی بڑھ کر ملے گا..... اور ضرور ملے گا..... لیکن وہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔"

"سر کچھ ہمیں بھی پتا چلے؟۔" صدیقی صاحب مسکرائے۔

"سمیعہ نے ماسٹر کر لیا ہے اور جانتے ہو دونوں ایک دوسرے کو کافی پسند کرتے ہیں؟"

"سر!..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ عاطف کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

''وہ خاندانی لڑکا ہے میاں ...... سمیعہ سے اس کی ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی ...... عاطف میاں کسی کیس کے سلسلے میں وہاں گیا تھا، اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ میری بیٹی ہے۔ اس نے اپنے بارے سب کچھ سمیعہ کو بتا دیا تھا۔ اور اپنے والدین کو ہمارے ہاں بھیجنے کے بارے پوچھا...... جواباً سمیعہ نے بتایا کہ اس کے ماسٹرز کرنے کے بعد ہی وہ اپنے والدین کو ہمارے ہاں بھیج سکتا ہے۔ اب دونوں کی کبھی کبھار فون پر ہیلو ہائے ہو جاتی ہے اور بس، میں نے بھی عاطف میاں کو باور کرانے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی کہ سمیعہ میری بیٹی ہے۔ یوں بھی میں اس کی کارکردگی اور ایمانداری سے مطمئن تھا۔ باقی نہ تو وہ فلمی انداز کا کوئی گھٹیا عاشق ہے اور نہ ہی سمیعہ کوئی گرے پڑے کردار کی مالک ہے۔ اپنی ہر بات وہ مجھ سے شیئر کرتی ہے۔''

صدیقی صاحب نے کہا۔ ''پھر یہ تو واقعی اس کے لیے بہت بڑا انعام ہے؟''

''انعام کا تو نام ہے صاحب...... میں تو یوں بھی کسی بہانے کی تلاش میں تھا۔''

''بہرحال میری طرف پیشگی مبارک قبول کریں سر۔''

''تھنکس صدیقی صاحب''

''سر! وہ میرے لیے بیٹے کی طرح ہے...... جتنی آپ کو سمیعہ پیاری ہے اتنا ہی وہ مجھے عزیز ہے۔''

''وہ بھی تو آپ کی ہر بات بے چوں چراں تسلیم کرتا ہے۔''

صدیقی صاحب مسکرایا۔ ''شاگرد جو ٹھہرا...... وہ کیا کہتے ہیں فرمانبردار شاگرد۔''

''بہرحال اسے بتا دینا ہفتے کی شام اس کی ہمارے ہاں دعوت ہے، مع اس کے استاد محترم کے۔''

''او کے سر!...... اس کے علاوہ کوئی حکم؟'' صدیقی صاحب جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ حکم نہیں، درخواست ہے صدیقی صاحب۔'' بدر صاحب اس کو الوداع کرنے کے اروادے سے کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

دو دن الٰہی بخش نے باقاعدگی سے اسماعیل کو رپورٹ پیش کی تھی تیسرے دن اسماعیل نے اسے ملاقات کے لیے اسی ہوٹل میں بلا لیا جہاں وہ پہلی مرتبہ ملے تھے۔

''مسٹر بخش!...... کام اچھا پایا گیا ہے...... اس لیے یہ تیرا انعام ہے۔'' اسماعیل نے چند بڑے نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ نوٹ وصول کرتے ہوئے بخش کی باچھیں کھل گئیں تھیں۔ اتنے معمولی کام کے اتنے زیادہ پیسے؟...... اس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ مگر اسماعیل کو پیسوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، پہلے فاضل خان اور پھر انسپکٹر حاکم داد سے وہ اچھی خاصی رقم وصول کر چکا تھا۔

''بہت مہربانی صاحب۔'' الٰہی بخش کے لہجے میں مؤدبانہ انداز در آیا تھا۔

''اور بھی ملیں گے میاں!......بس تم کام صحیح کرتے رہو؟''

''آپ فکر ہی نہ کریں صاحب......''

''اچھا یہ بتاؤ......رات کو کتنے محافظ ڈیوٹی پہ ہوتے ہیں؟'' اسماعیل مطلب کی بات پہ آ گیا۔

''چوکیدار گیٹ پہ ہوتا ہے......جبکہ ایک محافظ کوٹھی کی عقبی جانب، دو محافظ سیٹھ صاحب کے بیڈ روم کے دروازے پر اور ایک چھوٹی بی بی کے بیڈ روم کے دروازے پر موجود ہوتا ہے۔ان پانچ بندے کوٹھی کے اندر موجود کوارٹر میں تیار لیٹے ہوتے ہیں اور ہلکی سی گڑبڑ پہ مدد کو آسکتے ہیں۔یہی پانچ آدمی آدمی رات کے بعد ڈیوٹی پہ آجاتے ہیں اور پہلے والے سو جاتے ہیں۔'' الٰہی بخش نے تفصیل سے تمام محافظوں کی ڈیوٹیاں بتا دی تھیں۔

''تمھاری ڈیوٹی کس جگہ پہ ہوتی ہے؟''

''کوئی متعین جگہ نہیں ہے۔''

''کیا مرضی کی ڈیوٹی لے سکتے ہو؟''

''ہاں......اس بارے ہم ایک دوسرے سے تعاون کر لیتے ہیں۔''

''تو یوں کرو آج رات کوٹھی کے گیٹ پہ سیکنڈ ڈیوٹی لینی ہے......شاید آج رات مجھے کوٹھی میں گھسنا پڑے؟''

''مم......مگر............''

اسماعیل نے قطع کلامی کی۔''نہ میں نے چوری کرنی ہے،اور نہ کوٹھی میں کسی کو جانی نقصان پہنچانا ہے۔بس کوٹھی کا جائزہ لے کے واپس آجاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اسماعیل نے چند مزید نوٹ اس کے جانب بڑھا دیے تھے۔

حریصانہ انداز میں نوٹ جھپٹتے ہوئے وہ بولا......

''اوکے......مگر احتیاط سے آنا،اگر پکڑے گئے تو دونوں مارے جائیں گے۔''

''تو فکر نہ کر یار!......تم پر بات نہیں آنے دوں گا۔''

''بس صاحب!دیکھ لینا......میری نوکری اور عزت دونوں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔''

''کہہ دیا ناں کہ کچھ نہیں ہوگا......اب تم جاؤ بس ٹائم یاد رکھنا رات کے دو بجے آؤں گا۔''

الٰہی بخش اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔اس کے جانے کے چند منٹ بعد اسماعیل بھی وہاں سے اٹھ گیا۔بقیہ دن اس نے اپنے کوارٹر ہی میں گزارا۔رات کو ڈیڑھ بجے وہ فاضل خان کی کوٹھی کے سامنے موجود تھا۔اور ٹھیک دو بجے اس نے مین گیٹ کو بالکل خفیف سا کھٹکھٹایا۔الٰہی بخش اس کا منتظر تھا۔ذیلی کھڑکی کھول کر اس نے اسماعیل کی شناخت کی اور ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا رستہ دیا۔

"صاحب!...... حقی چوکیدار کو نیند کی گولیاں چائے میں ملا کر پلا دی ہیں...... تم جلدی جلدی کوٹھی کا جائزہ لو لیکن خیال کرنا اندر محافظ جاگ رہے ہیں۔"

اسماعیل وہاں فاضل خان اور اس کے محافظوں کی گاڑیوں میں خود ساختہ بم فٹ کرنے آیا تھا لیکن الٰہی بخش کی بات سے اس کی بات سنتے ہی اس کے ذہن میں ایک عمدہ سی ترکیب آئی اور وہ گاڑیوں میں بارود فٹ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتا ہوا بولا۔

"الٰہی بخش ایسا کرو صبح بارہ بجے مجھے ملنا...... وہیں جہاں پہلے ملے تھے۔"

"مم...... مگر...... آپ نے کوٹھی کا جائزہ لینا تھا......؟"

"بس لے لیا جائزہ...... تم بارہ بجے تک پہنچ جانا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" وہ فرمانبرداری سے بولا۔ اور اسماعیل واپس چل دیا۔

بارہ بجے وہ الٰہی بخش کے ساتھ اسی ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران وہ روایتی گفتگو کرتا رہا۔ کھانے کے بعد اس نے چائے منگوائی اور چائے پیتے ہوئے وہ مطلب کی بات پر آ گیا......

"الٰہی بخش!...... یہ بتاؤ رات کا کھانا کہاں اور کس ٹائم کھاتے ہو؟"

"کوٹھی میں ہی کھاتے ہیں صاحب!...... سیٹھ صاحب اور چھوٹی بی بی قریباً ساڑھے آٹھ بجے ڈنر کرتے ہیں۔ ان کے بعد تمام ملازمین کھانا کھاتے ہیں۔"

"مالکوں اور ملازموں کا کھانا اکٹھا بنتا ہے؟"

"ایسا پہلے کبھی ہوا ہے صاحب!......؟"

"صحیح کہا......" اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر جیب سے رقم کی گڈی نکال کر اس کی سمت بڑھائی......

"یہ ایک لاکھ روپے ہیں...... تمہارا پچھلا حساب بے باق۔"

"بڑی مہربانی صاحب......" الٰہی بخش کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کی تو لاٹری نکل آئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس آدمی کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آ گئے ہیں۔ پہلی مرتبہ تو اس نے اسماعیل کے دیئے ہوئے نوٹ باقاعدہ بینک سے چیک کرائے تھے کہ کہیں نقلی نہ ہوں۔

"اب نیا سودا کرتے ہیں......"

"وہ کیا؟" الٰہی بخش کے لہجے میں اشتیاق بھرا ہوا تھا۔

اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اسماعیل نے پوچھا۔ "کیا تم کچن میں باآسانی جا سکتے ہو؟...... مطلب تمہارے کچن کے اندر جانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟"

''کون سا کچن؟''

''جس میں ملازموں کا کھانا بنتا ہے''

''ہاں......اپنے کچن میں ہم آسانی سے جا سکتے ہیں البتہ مالکوں کے کچن میں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔'' بخش کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی تھی۔ ''مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

تو نے ملازموں کے سالن میں یہ دوائی کی شیشی انڈیلنی ہے......دو لاکھ روپے دوں گا'' اسمعیل نے دوائی کی ایک چھوٹی سی شیشی اس کے جانب بڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟''

''بے ہوشی کی دوا......جو آدمی بھی سالن کھائے گا چار پانچ گھنٹے تک بے ہوش رہے گا؟''

''آ......آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' وہ ہکلا گیا۔

''کچھ نہیں......فاضل خان کے ساتھ تھوڑا حساب کتاب کرنا ہے''

''م......مگر اس کام میں خطرہ ہے......سوری میں..........''

اسماعیل نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔''تین لاکھ......''

''آپ سمجھنے کی کوشش کریں جناب اصل میں..........''

''چار لاکھ..........'' اسماعیل نے اس کا فقرہ پورا نہیں ہونے دیا۔

بخش کے چہرے پہ عجیب سا تاثر ابھرا، لوہا گرم دیکھ کر اسماعیل نے بولی بڑھائی......

''پانچ لاکھ......بلکہ چھ لاکھ اور سارے کام سے پہلے''

بخش کا سانس اتھل پتھل ہو گیا۔''اگر پکڑا گیا تو جان سے جاؤں گا؟''

''وہی کھانا خود بھی کھا لینا......تم بھی بے ہوش ہو جاؤ گے اس طرح سارے ملازم مشکوک ہوں گے اکیلے تم پہ بات نہیں آئے گی......اور گھبرانا نہیں اس میں صرف بے ہوشی کی دوا ہے۔ اگر تجھے شک ہو تو میں تھوڑی سی دوا پی کر بھی دکھا سکتا ہوں؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے......بس یہ بتا دو آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟''

''تمھارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں ہے''

''پھر بھی......؟'' بخش مصر ہوا۔

''یہ کام کوئی بھی دوسرا اس سے کم رقم میں کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا، باقی تیری مرضی''

''ٹھیک ہے صاحب..... ٹھیک ہے۔'' اسماعیل کی دھمکی کام کر گئی تھی۔ ''میں راضی ہوں۔''

''یہ دوا کھانے کے ٹھیک دو گھنٹے بعد اثر کرے گی ..... تم ایسا کرنا کہ رات کا کھانا کھاتے ہی مجھے فون کر دینا..... لیکن یقین کر لینا کہ تمام محافظوں نے کھانا کھا لیا ہے۔''

''او کے صاحب۔''

''چلو پھر تمام رقم تمھیں دے دوں اور یاد رکھنا آج ہی یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

''ہو جائے گا صاحب..... لیکن وعدہ کرو کوئی گڑبڑ ہو گئی تو میرا نام نہیں لو گے۔''

''کیسی گڑبڑ؟''

''سیٹھ صاحب نے تو وہ سالن نہیں کھانا، ہو سکتا وہ پولیس وغیرہ کو بلا لے؟'' بخش نے وضاحت کی۔

''فکر نہ کرو تمھارا نام کسی صورت نہیں آئے گا۔'' اسماعیل نے کہا اور بخش اطمینان بھرے انداز میں سر ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

''سر!..... فاضل خان بیٹی کے ساتھ بیرون ملک بھاگنے کی فکر میں ہے۔'' عاطف کو عرفان کی کال موصول ہوئی تھی۔

عاطف نے پوچھا۔''فون کال ٹریس کی ہے؟''

''جی سر۔''

''یعنی اب اسے گرفتار کر لینا چاہیے؟''

''جی سر..... انسپکٹر دلشاد امین بھی اسی تگ و دو میں ہے..... کل وہ اس کے پاس آیا تھا بلکہ فاضل خان نے خود ہی ایس پی کو فون کر کے اسے بلایا تھا۔ وہ اس کی بیوی کی کار میں ہونے والے دھماکے کی تفتیش کر رہا ہے، اگر آپ فاضل خان کو گرفتار نہیں کرنا چاہتے تو اس کے خلاف سارے ثبوت دلشاد امین کے حوالے کر دیتے ہیں۔''

''دلشاد امین کے بارے پہلے رپورٹ کیوں نہیں دی؟''

''کل آپ حاضر نہیں تھے..... راجا ذیشان !..... آپ کی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھا اسے رپورٹ دے دی تھی..... شاید آپ کو بتانا اسے یاد نہ رہا ہو؟''

''اس کے جانے کا ارادہ کب تک ہے؟''

''شاید ایک دو دن میں نکل پڑے؟''

''ہونہہ!..... بہرحال دیکھتے ہیں صدیقی صاحب سے مشورہ کرتا ہوں..... یوں بھی اس کی نگرانی ہو رہی ہے کہیں بھاگ نہیں سکتا۔''

”سر یاد آیا..... الیاس بتا رہا تھا کہ رات ایک آدمی دو بجے فاضل خان کی کوٹھی پہ آیا تھا..... اس نے ہلکی سی دستک دی تو چوکیدار نے کھڑکی کھول کر اسے اندر بلایا۔ اور پھر ایک دو منٹ بعد وہ واپس چلا گیا۔“

”اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا گیا؟“

”ایک تو الیاس اکیلا تھا دوسرا اسے محسوس ہوا کہ وہ چوکیدار کا کوئی جاننے والا ہے اگر اس کا تعلق فاضل خان سے ہوتا تو وہ اسے ملے بغیر تو واپس نہ جاتا؟“

”نگرانی پہ دو آدمی مامور کرنے چاہیے تھے۔ اگر ایسا کسی وجہ سے نہ ہو سکا تو الیاس کو اس وقت فون کر کے کسی کو بلانا چاہیے تھا، تعاقب بہر حال لازمی تھا۔“

”غلطی ہوگئی سر۔“

”ایسا ہی ہے..... بہر حال آئندہ خیال رکھو..... یہ ایسی فیلڈ ہے کہ اس میں کوئی بات کتنی ہی غیر اہم کیوں نہ ہو اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔“

”سر!..... دوسرا آدمی ابھی متعین کر دیتا ہوں۔“

”او کے..... اللہ حافظ۔“ کہہ کر عاطف نے رابطہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صدیقی صاحب کے آفس میں داخل ہو رہا تھا۔

”آؤ میاں!“ صدیقی نے صاحب کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ ”آج میں تمھاری طرف آنے والا تھا..... اچھا ہوا تم خود آ گئے۔“

عاطف مسکرایا۔ ”نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے سر؟“

”ایک لڑکی ملی تھی آج..... تمھارا گلہ کر رہی تھی..... سوچا تمھیں براہ راست اس کا شکوہ پہنچا دوں۔“

”لڑکی..... شکوہ؟“ عاطف سچ مچ حیران ہو گیا تھا۔

”جی..... لڑکی مع شکوہ شکایت کے..... غالباً سمیعہ یا اسی طرح کا کوئی نام بتا رہی تھی، یونیورسٹی کی طالبہ ہے بلکہ تھی کہ ابھی ابھی ماسٹرز کے امتحان سے فارغ ہوئی ہے..... کہہ رہی تھی عاطف صاحب لفٹ ہی نہیں کراتے.....“

”سر میں اور لڑکی..... مگر یہ سمیعہ؟“ عاطف سچ مچ پریشان ہو گیا تھا۔

”ہا..... ہا..... ہا..... تیرا کیا خیال ہے میاں اکیلے تم جاسوس ہو پاکستان میں..... اپنے استاد کو بھول گئے کیا؟ ہم بہر حال اس مرحلے سے کافی پہلے گزر چکے ہیں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں سر!..... یہ کوئی ایسا عشق نہیں ہے جیسا کہ آپ جوانی میں کرتے رہے ہیں۔ ہم بس ایک دوسرے کو پسند

کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں...... باقی یہ بھی پتا نہیں کہ اس کے والد محترم راضی ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ اب تک تو میری ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ پہلے سمیعہ خود ان سے بات کریں گی اگر ان کی اجازت ہوئی تو میں امی جان کو کراچی بلاؤں گا ورنہ اللہ مالک ہے۔"

صدیقی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اس کے والد کی ذمہ داری میں قبول کر لیتا ہوں۔"

"ہاں اگر اس نے اپنی بیٹی کا کہنا نہ مانا تو آپ کو زحمت دینی پڑے گی...... لیکن میں کم از کم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ سمیعہ نے اس موضوع پہ آپ سے کوئی بات کی ہوگی۔"

"ویسے ہی مذاق کر رہا تھا یار...... تم نے تو سنجیدگی سے لے بیٹھے...... اتنا ڈرتے ہو اس کی ناراضی سے؟"

"اب منہ نہ کھلوائیں سر!...... آپ اس سے بھی زیادہ ڈرتے تھے آنٹی سے؟"

صدیقی صاحب مسکین سی صورت بنا کر بولے۔"اب تو پہلے سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں بھئی...... اور یہ تو اس کی مہربانی کہ پٹائی نہیں کرتی ورنہ...... خیر یہ راز کی باتیں ہیں جلد جان جاؤ گے۔"

اور عاطف قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ویسے سر!...... سچ سچ بتائیں...... آپ کو سمیعہ کے بارے کس نے بتایا ہے؟"

"اس وقت یہ بات راز رہنے دو، بعد میں بتاؤں گا فی الحال تو یہ جان لو کہ ہفتے کی شام بدرالدین صاحب نے تمھیں کھانے پہ بلایا ہے۔"

"بدرالدین صاحب اور کھانا؟...... عجیب بات کر رہے ہیں سر۔"

"تیری کارکردگی سے انھیں خوشی ہوئی ہے۔"

"آپ نے انھیں بتا دیا ہے سب کچھ؟"

"وہ ہم سے زیادہ پاکستان کے خیر خواہ ہیں...... اور ان کی رہائی کا حکم دینا ان کی مجبوری تھی۔"

"سر!...... میں ایک مشورے کے لیے حاضر خدمت ہوا تھا؟' عاطف مطلب کی بات پہ آ گیا۔

"میں سن رہا ہوں؟"

اور عاطف نے ساری صورت حال تفصیل سے بیان کر دی، آخر میں وہ کہہ رہا تھا......

"اب سوال یہ ہے کہ فاضل خان کو ابھی گرفتار کر لیں یا ایک دو دن مزید دیکھ لیں؟"

"یہ کوئی اتنا سنگین مسئلہ نہیں ہے...... جب نگرانی ہو رہی ہے تو گرفتاری رہنے دو، دیکھو کیا کرتا ہے، شاید اس کے ذریعے کوئی اور کالی بھیڑ سامنے آ جائے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’ٹھیک ہے سر۔‘‘

’’ویسے معلوم یہی ہوتا کہ فاضل خان کا باب بھی بند ہونے کو ہے؟‘‘

’’جی سر؟......کوئی بھی مجرم زیادہ عرصہ تک من مانیاں نہیں کر سکتا۔‘‘

’’روہیت کا کیا ہوا؟‘‘

’’فی الحال تو مہمان نوازی ہو رہی ہے......اور چند دن مزید بھی اس کی سیوا ہوتی رہے گی، اس نے کافی تنگ کیا ہے؟‘‘

’’سنا ہے بڑے مقابلے ہوتے رہے ہیں؟‘‘

’’نہیں سر!......بس وہ..........‘‘

’’میاں!......راجا مجھے تفصیل سے سب کچھ بتا چکا ہے۔‘‘

’’جب سب کچھ پتا ہے، تو شرمندہ کرنا ضروری تھا سر؟‘‘

’’شرمندہ نہیں......متنبہ کر رہا ہوں......بدر صاحب کو پتا چلا تو بے عزت کرے گا......داؤ پیچ میں مہارت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ مجرموں سے مقابلوں کا انعقاد شروع کر دو......جب وہ قابو آ گیا تھا تو میرا نہیں خیال کہ طاقت کے اظہار کی کوئی ضرورت تھی؟‘‘

عاطف یک دم سنجیدہ ہو گیا۔’’سر!......میں نے کبھی اپنی طاقت کا اظہار نہیں کیا......طاقت ور صرف اللہ کی ذات ہے، لیکن کبھی کبھی لڑائی انسان پر اس انداز میں مسلط کر دی جاتی ہے کہ اس سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔‘‘

’’مجھے سب پتا ہے......صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں؟‘‘

’’صفائیاں نہیں دے رہا سر!......حقیقت بیان کر رہا ہوں۔‘‘

’’اچھا مان لیا یار!......اب موضوع بدلو۔‘‘

’’تو پھر مجھے اجازت دیں......عاطف جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔’’کافی کام کرنے ہیں۔‘‘

☆......☆......☆

ماں کی موت نے ان کے گھر کی رونقیں چھین لی تھیں......دونوں باپ بیٹی اپنے کمروں تک محدود ہو گئے تھے۔حنا کی اپنی زندگی ایسے موڑ پہ آ گئی کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے مفقود ہو گئی تھیں۔کبھی کبھی کرن سے گپ شپ ہوتی تو وہ ذرا سی دیر کے لیے مایوسی کے خول سے باہر نکل آتی، اس کے جانے کے بعد پھر وہی دکھ بھری اداسی۔اور ماں کی موت کے ساتھ اسماعیل سے بچھڑنے کا غم اور رات کو تو یہ حالت کہ......

رات بھر غم کے مصلے پہ پڑا رہتا ہوں
ہجر دیتا ہے تیرا جب بھی اذاں شام کے بعد

باپ کے بارے بھی اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میڈی پارٹی کو قتل کرتے وقت وہ اسماعیل کو وحشت کی حالت میں دیکھ چکی تھی۔ اور جانتی تھی کہ جس دن اسماعیل نے اس کے باپ پہ قابو پا لیا وہ ان کی یہی حالت کرے گا...... اسماعیل کے علاوہ اسے پولیس کا بھی ڈر تھا۔ باپ کے جرائم کے بارے زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ وہ جان چکی تھی۔ کہ اسماعیل کے خاندان کی تباہی کے علاوہ بھی اس کا باپ غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے۔ لیکن مجرم ہوتے ہوئے بھی وہ اس کا باپ تھا...... اور باپ بہر حال باپ ہوتا ہے۔

میڈیا پہ باپ کے خلاف خبریں آنے کے بعد سے وہ باقاعدگی سے خبریں سننے لگی تھی، مگر دو دن کے بعد ایک نئے سکینڈل نے اس پرانی خبر کی اہمیت اور تذکرے کو ختم کر دیا تھا۔

خبروں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی اور ٹائم گزارنے کا کوئی مشغلہ باقی نہ رہا...... اس رات اس نے اسماعیل سے گپ شپ کرنے کا سوچا مگر پھر انا آڑے آ گئی۔ اگر وہ لڑکا ہوتے ہوئے اس سے رابطہ نہیں کر رہا تھا تو حنا کا کام بھی نہیں بنتا تھا کہ اس کے پیچھے پڑی رہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اسے دوبارہ یونیورسٹی جوائن کرنی چاہیے۔ باپ کو وہ پہلے ہی اشارہ دے چکی تھی کہ ماسٹرز سے پہلے اس کا شادی کرنے ارادہ نہیں اب باقاعدہ والد کی رضامندی جاننے کے لیے وہ کھڑی ہو گئی، جانتی تھی کہ وہ جاگ رہا ہو گا۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اسے اپنا محافظ کرسی پہ بیٹھے بیٹھے سویا دکھائی دیا۔ ملازموں کو کرسی پہ بیٹھنے کی اجازت بھی اس نے لے کر دی تھی ورنہ تو اس کے باپ کی منشا تھی کہ کھڑے ہو کر ڈیوٹی دیتے۔

''محبوب'' ملازم کو جگانے کے لیے اس نے آواز دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''یہ بھی انسان ہی تو ہیں...... چلو واپسی پہ جگا لوں گی تھوڑا آرام کر لے۔'' اس سوچ نے اس کے قدم آگے بڑھا دیئے۔ مگر والد کے کمرے کے سامنے کرسی پہ بیٹھے دونوں ملازموں کی ڈھلکی گردنیں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

''کرم الٰہی...... شکور......؟'' اس نے ان دونوں کو زور سے پکارا مگر محبوب کی طرح وہ بھی نہ ہلے۔ اس کے دوبارہ پکارنے پہ فاضل خان نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے گڑیا......؟''

''پاپا !...... یہ دونوں سوئے ہیں اور میرا محافظ بھی سویا ہے ایک ٹائم میں تینوں کو کیسے نیند آ گئی؟''

''اوئے کرمے، شکورے؟'' فاضل خان نے زور سے پکارا مگر ان کے بدن ساکن رہے۔

''یہ بے غیرت زندہ تو ہیں......؟'' فاضل خان نے پریشانی کے عالم میں آگے بڑھ کر انھیں چیک کیا مگر ان کی سانسیں چل رہی تھیں۔

"مجھے پولیس کو فون کرنا پڑے گا؟"

"نہیں پاپا!...... بھیا کو فون کریں، پولیس کی کارکردگی سے تو آپ واقف ہوں گے؟"

"ٹھیک ہے......تم ذرا سوئے ہوئے ملازموں کو فون کرو" فاضل خان نے گیلری میں تپائی پہ پڑے پاس کام کی طرف اشارہ کیا اور خود کمرے میں داخل ہو گیا۔

حنا سر ہلاتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گئی......ریسیور اٹھا کر اس نے دو تین کوششیں کیں مگر کال اٹینڈ نہ ہوئی......اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا......کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہونے کو تھی۔ فون رکھ کر وہ باہر کی طرف بھاگی اس کا ارادہ گیٹ پہ بیٹھے چوکیدار کو ہشیار کرنے کا تھا۔ ڈرائینگ روم کے دروازے سے چند قدم دور ہی اس کے پاؤں جیسے زمین میں گڑ گئے......اسماعیل شاہ دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا اس کے ہاتھ میں خوفناک شکل کی کلاشنکوف تھی۔ حنا کو لگا وہ اسماعیل شاہ نہیں موت کا فرشتا ہے۔

☆......☆......☆

بطورِ خاص سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے
لکھا گیا ریما نور رضوان کا خوبصورت ناول

محبت زیست کا حاصل

اس ناول کی اقساط ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو
سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

SohniDigest.com

سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے
لکھا گیا فرحین اظفر کا خوبصورت ناول

ردائے وفا

اس ناول کی اقساط ایک ماہ میں دو بار (15 دن بعد)
سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

SohniDigest.com

اسماعیل کو الٰہی بخش کی کال موصول ہوئی......

''صاحب!......سب نے کھانا کھالیا ہے۔''

''تمھاری ڈیوٹی کہاں ہے؟''

''مین گیٹ پہ پہلی ڈیوٹی ہے......ابھی کھانا کھا کر ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔''

''اوکے......اب یوں کرو ڈیلی کھڑکی کی کنڈی کھول دو......تمھارا کام ختم،اس کے بعد سمجھو تم مجھے جانتے ہی نہیں۔''

''صاحب!......اس کے بعد بھی کوئی کام ہو تو خدمت کا موقع ضرور دینا۔'' الٰہی بخش کے لہجے میں نوٹوں کی مٹھاس ابل رہی تھی۔

''ضرور......ضرور۔'' کہہ کر اسماعیل نے رابطہ منقطع کر دیا۔

دو گھنٹوں کے بقدر وقت ایک نزدیکی ہوٹل میں گزار کر وہ فاضل خان کی کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔مین گیٹ کی ڈیلی کھڑکی اسے کھلی ملی ......کھڑکی کا اکیلا پٹ کھول کر اس نے کوٹھی کے اندر جھانکا،الٰہی بخش اسے کرسی پہ آڑا ترچھا پڑا نظر آیا وہ بے دھڑک اندر گھس گیا۔کھڑکی کا بولٹ بند کرنا اسے نہیں بھولا تھا۔

اس کی جیب میں گلاک اسٹین موجود تھا مگر اس نے الٰہی بخش کی گود میں پڑی کلاشن کوف اٹھانا مناسب سمجھا کہ کلاشن کوف کی کارکردگی بہر حال پسٹل سے کئی گنا زیادہ تھی۔اندرونی عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ذہن میں اپنی گڑیا کی آخری چیخوں کو تازہ کیا......اسے اپنی بہن کا کہا ہوا ایک ایک لفظ یاد تھا......اسی طرح فاضل خان کے منہ سے اگلتی ہوئی غلاظت بھی اس کی سماعتوں میں زندہ تھی......اسماعیل کی کنپٹیاں جیسے سلگ اٹھیں۔صحن کو عبور کرتے ہی چار بڑے ستونوں پہ بنا ہوا کھلا برآمدہ تھا اس سے متصل ہی لکڑی کا منقش دروازہ،جو ڈرائینگ روم کا تھا۔وہ جیسے ہی ڈرائینگ روم کا دروازہ کھول اندر گھسا اسے سامنے سے کوئی دوڑتا ہوا نظر آیا۔وہ ٹھٹکا مگر آنے والا بلکہ والی کو پہچانتے ہی اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔وہ حنا تھی،جانے دوڑتے ہوئے کہاں جارہی تھی اسماعیل کو دیکھتے ہی اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پہ حیرانی اور خوف کا ملا جلا تاثر ابھرا اور وہ رکنے کی بجائے پیچھے پلٹ کر بھاگی...... چند قدم لے کے اسے جانے کیا خیال آیا کہ وہ دوبارہ رک گئی ......مگر اس کا یہ رکنا بھی عارضی تھا اگلے ہی سیکنڈ میں وہ دوبارہ بھاگ پڑی مگر دو تین قدموں کے بعد ایک بار پھر رک گئی وہ شاید فیصلہ نہیں کر پارہی تھی کہ کیا کرے۔اسماعیل دعا کر رہا تھا کہ کاش وہ اپنے کمرے جا کر چھپ جائے مگر اس کی دعا رد گئی اور وہ باپ کے کمرے کے دروازے سے چند قدم پہلے رک کر پیچھے مڑی اس کی آنکھوں میں خوف کی جگہ اعتماد کا تاثر ابھرا اور اس کے قدم اسماعیل کے جانب اٹھنے لگے۔

اسماعیل دھاڑا۔''میرے قریب آنے کی کوشش کی تو جان سے جاؤ گی۔''

مگر حنا کے قدموں میں لرزش نہ آئی اس کے لبوں سے پر اعتماد آواز برآمد ہوئی......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''چلاؤ گولی......روکا کس نے ہے؟''

''آج مجھے کوئی نہیں روک سکتا......کوئی نہیں؟'' اسماعیل نے کلاشن کوف کاک کر لی۔ مگر حنا اس کے لہجے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس سے لپٹ گئی......

''شاہ جی نہ کرو......واپس چلے جاؤ......دیکھو اس سے زیادہ دکھ برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں......ہم......میں بہت کمزور ہوں......تیری توقع سے بھی زیادہ......پاپا کی موت کا مطلب مجھ سے انتقام لینا ہے......امی مجھے چھوڑ گئیں......تو بھی میرا نہ بنا ،ایک پاپا تو میرے پاس رہنے دو......ہم میں وعدہ کرتی ہوں انھیں تیری دنیا سے بہت دور لے جاؤں گی......وہ تجھے دوبارہ پاکستان میں نظر نہیں آئیں گے۔ بس ابھی چلے جاؤ بہت رلا دیا ہے......مزید نہ رلاؤ پلیز چلے جاؤ......میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں......''

''حنا یہ ناممکن ہے......میں تم سے بھی زیادہ بے بس ہوں۔'' اسماعیل نے اسے اپنے سے دور جھٹکا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے گری مگر اسماعیل کے قدم بڑھانے سے پہلے وہ دوبارہ اس سے لپٹ گئی تھی......

''تو نے پاپا سے انتقام لینا ہے نا......لو مجھے قتل کر دو انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف ہو گی جتنی تمھیں اپنوں کے بچھڑنے سے ہوئی ہے۔''

''میں کہتا ہوں دور ہو جاؤ......'' اسماعیل نے دھاڑتے ہوئے اسے دوبارہ دور جھٹکنے کی کوشش کی لیکن وہ بری طرح اس سے چمٹ گئی تھی۔

''شاہ جی نہیں......تم پاپا کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''کون روکے گا مجھے؟''

''میں......میں روکوں گی......تمھیں میری ماننی پڑے گی۔''

''نہیں مانوں گا......آج کسی کی نہیں مانوں گا۔''

''اگر تو نے قدم بڑھائے تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

''پروا نہیں......'' اسماعیل ساری کشتیاں جلانے پہ تل گیا تھا۔

''میری موت برداشت کر لو گے؟''

''ہاں......ہاں......ہاں......سب کچھ برداشت کر لوں گا۔''

حنا سسکی۔ ''ایک یہی دکھ باقی تھا۔''

''نہیں......فاضل خان کی موت کا دکھ ابھی تک رہتا ہے۔''

''اچھا شاہ جی!.....ایک دفعہ میری آنکھوں میں دیکھ کے کہو کہ تجھے میری زندگی عزیز نہیں ہے اور میری موت سے تجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا، باخدا میں تیرا رستہ چھوڑ دوں گی۔''

''یہ اتنا مشکل نہیں ہے مس حنا خان!'' کہہ کر اسماعیل نے اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں.....حنا کی پرنم آنکھیں اسی کی طرف متوجہ تھیں۔ عجیب قسم کی بے بسی، دکھ اور امید کا تاثر تھا اس کی سیاہ آنکھوں میں۔ اسماعیل بے خود سا ہو گیا، وہ آنکھیں اسے دنیا کی ہر شے سے عزیز تھیں اور ان میں اسی کی وجہ سے پانی بھرا تھا۔

اس کے لب آہستہ سے ہلے۔ ''شاہ جی مجھے باپ کی موت سے زیادہ تیری جدائی کا غم ہے.....اگر پاپا کو قتل کرو گے تو تم سے دوری میرا مقدر ہو جائے گی، کیا میرے لیے اتنا نہیں کر سکتے.....اتنا ذرا سا.....چند طعنے.....اگر ظرف بڑا ہو تو معافی دینے پہ طعنے نہیں ملا کرتے.....میں نے تمھیں دعاؤں میں اپنے رب سے مانگا ہے۔ پاپا کا دشمن ہونے کے باوجود تیری سلامتی کے لیے سجدے کیے ہیں.....سب کچھ ٹھکرا کے تیرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے۔ تمھیں چاہا ہے.....مجھے اقرار ہے کہ میں تیرے بنا نہیں رہ سکتی.....نہیں رہ سکتی، کیا اپنی حنا کو نہیں بچاؤ گے.....اچھی طرح جانتی ہوں تم مجھے چاہتے.....مجھے دیکھو شاہ جی!.....میں وہی ہوں جس کی اترن تجھے نشانی کے طور پر درکار تھی.....جس کے لیے تو نے شراب چھوڑی.....غلط کام چھوڑے.....ہاں ہاں وہی ہوں تیری حنا.....صرف تیری.....حنا خان نہیں ،حنا شاہ.....کیا مجھے بانہوں میں بھر کے ساری دنیا سے دور نہیں لے جاؤ گے۔ تیرے سارے غم، سارے دکھ، سارے درد مجھے بھی اتنا ہی بے چین کرتے ہیں جتنا تجھے کرتے ہیں، میری وفا کا یقین کرو.....بھروسا کرو مجھ پر.....جاؤ واپس چلے جاؤ.....جاؤ.....پلیز شاہ جی!.....پلیز۔'' حنا کی ہچکیاں بندھ گئیں تھیں۔ کلاشن کوف پہ اسماعیل کی گرفت ڈھیلی پڑی اور گن ایک دھماکے سے نیچے جا گری اسماعیل کے دماغ میں اکیلے کی آواز گونجی.....

''میری یہ بات پلے باندھ لو، محبت کمزور کرتی ہے.....چاہت انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے.....کبھی عورت کو خود پہ حاوی نہ ہونے دینا، وہ جو کہتے ہیں ناں کہ محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے.....میں مانتا ہوں، سچ کہتے ہیں لیکن اگر کبھی ایسا موقع آئے تو بابی گارڈ اس سے دور بھاگ جانا.....اس کا سامنا نہ کرنا.....بس اسے بھلا دینا.....اپنے اندر کی نفرت کو ہوا دینا.....یہ تمھیں طاقت دے گی، تمھاری ہمت بڑھائے گی.....ہمت بڑھائے گی.........'' مگر اسماعیل کی نفرت پہ حنا کی چاہت غالب آ گئی تھی.....اسماعیل کو لگا وہ مکمل طور پہ حنا کا اسیر ہو چکا ہے۔ اس نے سختی سے آنکھیں بھینچیں اور دھاڑا.....

''میری سب سے بڑی دشمن تم ہو.....تم.....سمجھیں.....تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔'' پاؤں میں پڑی گن کو ٹھوکر مار کر دور کرتے ہوئے اس نے جیب سے پسٹل نکالا اور کھینچ کر دیوار پہ دے مارا۔

''بس اب خوش ہو.....یہی چاہتی تھیں ناں کہ ساری عمر بے غیرتوں کی سی زندگی گزاروں لو خوش ہو جاؤ.....بلا لو پولیس کو تاکہ

مجھے پولیس کے حوالے کرنے کی تیری حسرت بھی پوری ہو جائے۔'' عجیب قسم کی بے بسی کا تاثر اس کی نس نس میں بھر گیا......وہ جنگ ہار چکا تھا......فاضل خان کی بیٹی نے اسے شکست دے دی تھی، وہ دشمن کی بیٹی کو مایوس کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

حنا اسی طرح اس کے ساتھ لپٹی روتی رہی۔ اچانک فائر کی آواز آئی اور وہ دونوں چونک پڑے۔ آواز فاضل خان کے بیڈ روم سے آئی تھی۔

''پاپا؟'' حنا سراسیمہ ہو کر چلاتے ہوئے کمرے کی طرف دوڑی۔ اسماعیل کے قدم بھی اسی جانب اٹھ گئے تھے۔ وہ بمشکل دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ اس کی سماعتوں میں حنا کی تیز چیخ گونجی......

''نہیں پاپا......آپ ایسا نہیں کر سکتے؟'' اندر داخل ہونے پر اسے فاضل خان کا بایاں پہلو خون سے رنگین نظر آیا اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھی تھیں۔ اسماعیل کو دیکھتے ہی اس نے دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں باندھے اور شکستہ الفاظ میں بولا......

''شش......شاہ......جی مجھے معاف کر دینا......مم......میں تیرا قصور وار ہوں......گگ......گڑیا کا خیال رکھنا......'' اس کے ساتھ ہی فاضل خان کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ اسماعیل آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھا، اس کا ہاتھ فاضل خان کی کھلی آنکھوں کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی پلکیں ڈھک دیں۔ اس کی مٹھی میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا اسماعیل وہ کاغذ نکالنے ہی لگا تھا کہ دروازے کی طرف سے قدموں کی چاپ ابھری اسماعیل نے پیچھے مڑ کر دیکھا عاطف اندر داخل ہو رہا تھا۔ دو اور آدمی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اسماعیل کا ہاتھ پیچھے ہو گیا۔ اسماعیل سے تعرض کیے بغیر عاطف حنا کے قریب بیٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا سسکیاں بھرتی حنا نے نظریں اٹھا کر اس کے جانب دیکھا اور اگلے لمحے وہ ''بھیا'' کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔

''گڑیا اللہ کو یہی منظور تھا......دیکھو وہ بہت دکھی تھا......اور یہ فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے، پھانسی کا پھندہ یوں ہی اس کا مقدر ہو چکا تھا......شاید تجھے لمبی اذیت سے چھٹکارا دینے کے لیے اس نے یہ کام کیا ہے......اور آنٹی کی موت کا ذمہ دار بھی تیرا پاپا ہی تھا......اس نے جو کھڈا دوسروں کے لیے کھودا تھا اس میں اس کی اپنی بیوی گر گئی۔'' اس کی باپ کی موت کے صدمے کو کم کرنے کے لیے عاطف نے حقیقت اس کے سامنے بیان کر دی تھی۔ ''اور گڑیا تمھیں پتا نہیں ہے لیکن تیرا باپ جانتا تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی تھی......اور یاد ہے ناں تو نے پوچھا تھا کہ میں نے رشوت لے کے تیرے پاپا کو کیوں رہا کیا تھا......تو میں واضح کر دوں وہ رشوت نہیں تھی......صرف تمھارے پاپا کو یہ یقین دلانا تھا کہ ہم اسے پیسے لے کے رہا کر رہے ہیں حقیقت میں ہم نے نگرانی کر کے اس کے ذریعے دوسرے مجرموں کو گرفتار کرنا تھا......اس وقت میں نے یہ بات تجھے اس لیے نہیں بتائی کہ یہ راز تم سے سنبھالا نہ جاتا، آخر کچھ بھی ہو وہ تیرا والد تھا۔''

حنا اسے جواب دیئے بغیر روتی رہی......عاطف کے ہمراہ آنے والے اختر اور عمران فاضل خان کی لاش کو چادر سے ڈھکنے لگے......اسی اثناء میں عمران کی نظر اس کی مٹھی میں بند کاغذ پہ پڑی اس نے وہ کاغذ نکال لیا......کاغذ پر شکستہ الفاظ میں ایک تحریر ثبت تھی۔

''اپنی موت کا ذمہ دار میں خود ہوں، اسماعیل شاہ بے گناہ ہے اس کی بے گناہی کے ثبوت میرے سیف میں محفوظ ہیں۔'' اس تحریر کے نیچے فاضل خان کے اپنے سائن موجود تھے۔ وہ کاغذ عمران نے عاطف کی سمت بڑھا دیا جو پڑھ کر عاطف نے حنا کی سمت بڑھا دیا......

''یہ تیرے پاپا کا آخری بیان ہے۔''

حنا اپنے والد کی تحریر اچھی طرح پہچانتی تھی...... تحریر پڑھتے ہوئے وہ دوبارہ رونے لگی تھی۔

''اب تو یقین آ گیا ناں میری بات کا؟''

''بھیا میں نے پہلے بھی کبھی آپ کی بات پہ شک نہیں کیا تھا۔''

''اچھا اب تیرا کیا ارادہ ہے؟''

''میں سمجھی نہیں بھیا؟''

''اچھا میں بعد میں بتاتا ہوں......'' اسے کہہ کر وہ عمران کی طرف متوجہ ہوا۔ ''عمران! شاہ جی کو میرے آفس لے جاؤ......''

عمران نے پوچھنا چاہا......

''ہتھکڑی......؟''

''نہیں......'' عاطف نے قطع کلامی کی۔ ''یہ مجرم نہیں، میرا مہمان ہے۔''

''بھیا......'' حنا فرط جذبات سے عاطف سے لپٹ گئی تھی۔

''ہاں گڑیا! اب تم میری ذمہ داری ہو ناں'' عاطف کی آواز بھرا گئی تھی۔

''چلیں شاہ جی'' عمران نے باہر کی طرف قدم بڑھائے اور اسماعیل شاہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ فاضل خان کی موت کے بعد اسے زندگی میں عجیب سا خلا نظر آنے لگا تھا۔ اگر عاطف پارٹی وہاں نہ آتے تو وہ خود گرفتاری دے دیتا۔

☆......☆......☆

صدیقی صاحب سے فون پہ مشورہ کر کے عاطف نے دلشاد امین کو بلوا کر سارا کیس اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اگلے دن فاضل خان کا پوسٹ مارٹم ہوا اور پھر نعش حنا خان کے حوالے کر دی گئی۔ اس کی آخری رسومات میں عاطف کے ساتھ اسماعیل شاہ نے بھی شرکت کی تھی۔ دو تین دن تک عاطف حنا کے ساتھ ہی رہا اس دوران اس کے مشورے پہ حنا نے نورل، چوکیدار اور مالی کے علاوہ باقی سارے محافظوں کو فارغ کر دیا تھا۔ تیسرے دن جب اس نے حنا سے جانے کی اجازت چاہی تو وہ کہنے لگی......

''بھیا آپ سے کچھ مشورے کرنے تھے...... پہلے تو میں اپنے حواس میں ہی نہیں تھی۔''

''ضرور۔'' عاطف اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

”بھیا!.....شادی کے بارے آپ نے کیا سوچا ہے؟“

”ابھی تک وہ آرام سے ہے.....اس سے تفصیلی بات چیت آج ہوگی انشاءاللہ؟“

”کیا اسے ناکردہ جرائم کی سزا ملے گی؟“

”اگر سزا ملنی ہوتی.....تو اسے بھی پولیس کے حوالے کر دیا ہوتا۔“

”بھیا!.....اپنا وعدہ یاد ہے نا؟“

”کون سا بھلا؟“

”آپ نے کہا تھا.....اسے کچھ نہیں ہوگا؟“

”بھئی کہہ تو دیا میری طرف سے وہ بری ہے.....اگر وہ کسی ملک دشمن کارروائی میں ملوث ہوتا تو پھنس جاتا۔اس کی خوش قسمتی کہ وہ اپنے انتقام کی تگ و دو میں مصروف رہا اور را کی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے سکا۔“

اس نے اندیشہ ظاہر کیا۔”وہ پولیس کو بھی تو مطلوب ہے؟“

”انسپکٹر دلشاد امین کو اس کی بے گناہی کے ثبوت میں نے دے دیے ہیں اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اسماعیل شاہ کے خلاف سارے کیس وہ ختم کر دے گا.....ایس پی صاحب بھی اس کے حق میں ہے،مزید کچھ؟“

”بھیا!.....اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے۔“حنا کے دل کی گہرائیوں سے نکلا۔

”اچھا اب کیا ارادہ ہے؟“

”ارادہ کیا ہونا ہے.....؟“حنا ہلکے سے مسکرائی۔”بڑا بھائی موجود ہے،یہ اس کا دردِ سر ہے۔“

فاضل خان کی موت کے بعد یہ پہلا تبسم تھا جو اس کے ہونٹوں ظاہر ہوا تھا۔

”بہنیں،بھائیوں کے لیے بوجھ نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود وہ جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں بہتر ہے.....اور میری سوچ بھی ایک روایتی بھائی کی طرح ہی ہے۔“

حنا نے اثبات کے اظہار میں سر جھکا دیا تھا۔

”یعنی تمھیں کوئی اعتراض نہیں.....“عاطف مسکرایا۔”اب رہ گیا کسی اچھے رشتے کی تلاش تو چند اچھے رشتے میرے ذہن میں ہیں.....۔“

”بھیا.....“حنا خفگی بھرے میں لہجے میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔اور عاطف مسکراتے ہوئے باہر نکل آیا۔تھوڑی دیر بعد وہ اپنے آفس میں داخل ہو رہا تھا۔کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے انٹرکام اٹھا کر کہا.....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اسماعیل شاہ کو میرے پاس بھیجو۔'' اور جواباً ''جی سر'' سنتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسماعیل شاہ اس کے سامنے تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''بیٹھو شاہ جی۔'' اس نے سائیڈ پر پڑے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ سر۔''

''کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یہاں؟''

''نہیں سر...... بس الجھن ہے کہ ایک مجرم کے ساتھ یہ مہربانی کس لیے؟''

''مجرم تو چھوڑو...... تم اب ملزم بھی نہیں رہے......''

''مگر میں تو اپنے جرائم سے واقف ہوں ناں سر۔''

''اس کا فیصلہ قانون نے کرنا ہے ......اور اب میں تیری کہانی بلا کم و کاست سننا چاہوں گا۔ جواباً اسماعیل شاہ نے اپنی آپ بیتی تفصیل سے بیان کر دی۔ درمیان میں عاطف سوال بھی کرتا رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی عاطف نے کہا......

''شاہ جی!...... خوش قسمت ہو کہ تم ملک دشمنی میں ملوث نہیں پائے گئے۔ دوسرا یہ کہ تمھاری دشمنی بھی اتفاق سے اس بندے کے ساتھ تھی جو خود ملک دشمن کارروائیوں میں شریک کار تھا...... انسپکٹر حاکم داد گو سرکاری آدمی تھا مگر اس کے بارے جو کچھ مجھے دلشاد امین نے بتایا ہے اس کے مطابق اس کا زیر زمین چلے جانا ہی بہتر تھا، باقی انسپکٹر دلشاد امین بھی تیری کافی طرف داری کر رہا ہے...... سب سے بڑھ کر وہ پاگل حنا ہے...... بہر حال میں نے کبھی عام مجرم کو نہیں چھیڑا جب تک کہ وہ ملک دشمنی میں ملوث نہ ہو...... عام مجرموں کا کیس پولیس کے پاس ہوتا ہے۔ جبکہ پولیس ایس پی اور انسپکٹر دلشاد نے اپنے کاغذات میں تمھیں ویسے ہی رہا کر دیا ہے اس لیے تم میری طرف سے بھی آزاد ہو اور جا سکتے ہو...... آخر میں صرف یہ نصیحت کرنا چاہوں گا کہ کسی عالم دین سے رجوع کر کے اس سے اپنے ایکے صاحب کے نظریات کی وضاحت ضرور کر لینا کیونکہ اس نے بڑی ٹیکنیک سے تم سب کی برین واشنگ کی تھی''

''تھینکس سر!......'' اسماعیل نے الوداعی مصافحے کے لیے اس کے جانب ہاتھ بڑھایا۔ ''آپ کا احسان مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔''

''اور ہاں ......'' اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے عاطف بولا۔ ''بھائی ہونے کے ناطے حنا خان کا سرپرست اب میں ہوں ...... غالباً تجھے اس انفارمیشن کی ضرورت پڑے گی۔''

ایک زخمی مسکراہٹ اسماعیل کے ہونٹوں پہ نمودار ہوئی......اور وہ کراہنے کے انداز میں بولا......

''شاید کبھی نہیں سر۔''

''پر کیوں؟'' عاطف بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

"عاطف صاحب!...... میں اسے کتنا چاہتا ہوں یہ میں خود نہیں جانتا۔ اس بات سے خود حنا اچھی طرح واقف ہے، وہ مجھ سے ہر بات منوانے کی طاقت رکھتی ہے اور منواتی بھی ہے۔ لیکن آپ میرے ماضی سے واقف ہو چکے ہیں، ایمانداری سے بتائیں کیا میں اس کے قابل ہوں...... آپ کا جواب لازماً نفی میں ہوگا، کیونکہ مجھے اپنے اندر سے بھی یہی جواب مل رہا ہے...... اسے یقیناً مجھ سے بہتر رشتے مل جائیں گے۔ میں یوں بھی اپنے گناہوں کے کفارے کے لیے کشمیر یا افغانستان کا رخ کروں گا...... شاید مجاہدین کی امراہی میں میرے گناہ دھل جائیں اور جو جہنم کی آگ میں اپنے لیے واجب کر چکا ہوں اسے میرا خون بجھا دے۔"

عاطف نے قریب آکر اسے کندھوں سے پکڑا ......

"بیوقوف!...... اسے مار دوگے...... تمھیں اس کی محبت کی شدت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ والدین کی موت کے بعد تم سے بچھڑنے کا صدمہ...... یقیناً وہ پاگل ہو جائے گی...... وہ ان صدموں کو صرف تیرے آسرے پہ جھیل پائی ہے...... یاد رکھو کہ اہمیت ماضی کی نہیں حال و مستقبل کی ہوتی ہے، اگر تم سدھرنے کا ارادہ کر چکے ہو تو تیرے ماضی کو کریدنے والا کوئی کمینہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور گناہ صرف خون کے قطروں سے نہیں ندامت کے آنسوؤں سے بھی دھل جاتے ہیں...... مجاہد اگر افغانستان یا کشمیر میں کفر سے برسرپیکار ہیں تو یہی کام ہم روشنیوں کے شہر کراچی میں بیٹھ کر کر رہے ہیں...... گو وہ ہم سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مگر ہمارا مقصد بھی تو اسلام اور پاکستان کا دفاع ہے اور میں تمھیں بھی اس کی دعوت دیتا ہوں تم ایک ٹرینڈ شدہ آدمی ہو...... دشمن نے تمھیں اپنے مقاصد کے استعمال کے لیے ٹریننگ دی ہے تم وہی مہارت انھی کے خلاف استعمال کرو...... میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تھوڑا عرصہ پرائیویٹ کام کرو بعد میں تمھیں باقاعدہ بھرتی کرلوں گا ...... بولو کیا کہتے ہو؟"

"عاطف بھائی!...... میرے ماں باپ یا کوئی بڑا تو ہے نہیں، کیا میں خود حنا کا رشتہ طلب کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟"

عاطف کے چہرے پہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ "یقیناً میرا جواب اثبات میں ہوگا۔"

اسماعیل گلوگیر لہجے میں بولا۔ "تو پھر میں حنا کے لیے آپ کے سامنے جھولی پھیلا رہا ہوں۔"

عاطف نے اسے سینے سے لگا لیا۔ "میرے بھائی وہ کل بھی تیری منتظر تھی اور آج بھی تیری راہ تک رہی ہے۔"

"میں شکریہ کہہ کر آپ کے احسان کو ہلکا کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" اسماعیل کی آنکھیں پرنم ہو گئیں تھیں۔

"اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

اسماعیل نے اندیشہ ظاہر کیا۔ "ویسے ایک دفعہ اس کی رضامندی لے لینی چاہیے تھی۔"

"اب تک شک میں ہو یار!......"

"نہیں بھائی...... اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آرہا۔"

’’اچھا یوں کرنا گھر جاتے ہوئے اس سے ملاقات کرتے جانا‘‘ اور اسماعیل اس سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

’’آپ کی دوسری آفر پر میں حنا سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا۔‘‘

’’ہاں بھئی جورو والے جو ہوئے.....اور جورو والے غریب،......جورو کے غلام ہی ہوتے ہیں۔‘‘

اسماعیل اس کی بات پہ ہنستا ہوا وہاں سے نکل آیا۔حنا کی کوٹھی تک اسے ٹیکسی مل گئی تھی۔ چوکیدار اسے پہچانتا تھا اسے حنا سے ملنے کا بتا کر وہ اندر داخل ہو گیا چند لمحوں بعد ہی وہ اس کے سامنے تھا وہ بیڈ پر لیٹی جانے کن سوچوں میں گم تھی کہ اسے اسماعیل شاہ کے اندر آنے کا ہی پتا نہ چلا۔

’’کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟‘‘

اس نے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔اسماعیل کو پہچانتے ہوئے اس کے چہرے پر جو قوس وقزح کے رنگ ابھرے تھے وہ اسماعیل کے دل کو خوشی سے لبریز کرنے کے لیے کافی تھے۔

’’شاہ جی آپ؟......مجھے لگا ملازمہ اندر آئی ہے۔‘‘ وہ بے ساختہ اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔’’آئیں یہاں بیٹھیں‘‘ وہ اسے ساتھ لیے اپنے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

’’میں ایک بات پوچھنے کے لیے آیا تھا۔‘‘

اسماعیل کے سنجیدہ لہجے سے اس کے دلکش چہرے پر تفکرات کی پرچھائیاں ابھریں اور وہ ہولے سے بولی۔

’’جی؟‘‘

’’اگر ایک تہی دامن، مفلس اور بے گھر آدمی، آپ کو پرپوز کرنے کی جسارت کرے تو آپ کے احساسات کیا ہوں گے؟‘‘

اسماعیل کے ہاتھ وہ اپنے ملائم ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔’’مجھے کتنی خوشی ہوگی یہ پوچھنے والے کو مجھ سے زیادہ پتا ہے۔‘‘

’’تو پھر سن لو......آج میں اس قابل ہوں کہ کہہ سکوں......حنا میری بے رونق زندگی میں بہار بن کر آجاؤ، میری بے سکونی کو سکون سے بدل دو......میرے غموں کو خوشیوں میں ڈھال دو......میری بن جاؤ صرف میری کہ تم پہ صرف میں ہی حق جتا سکوں۔‘‘

’’یہ حق تو تمھیں پہلے بھی حاصل تھا۔‘‘ حنا کھسک کر اس کے قریب ہوئی اور اس کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

’’شاہ جی!......میں تمھاری چاہتوں کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتی، کبھی نہیں......جو مان، جو عزت، جو اعتماد مجھے تم سے ملا ہے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی......میں کل بھی تیری تھی آج بھی ہوں اور آئندہ بھی رہوں گی۔‘‘

’’اچھا میں نے عاطف بھائی سے بات کر لی ہے اور وہ بھی راضی ہیں......تو پھر، کب آؤں تمھیں لینے؟‘‘

حنا شوخی سے بولی۔’’آئے تو ہو؟......لیتے جاؤ ساتھ۔‘‘

"اچھا مذاق نہیں سچی بتاؤ..... آج جمعہ ہے، سوموار کا دن کیسا رہے گا؟"

"میں سنجیدگی سے بتا چکی ہوں شاہ جی۔"

"اچھا ایک اور بات..... عاطف بھائی نے مجھے آفر کی ہے کہ میں ان کے لیے کام کروں..... ایک سیکرٹ ایجنٹ بن جاؤں۔"

"یہ تو میرا خواب ہے کہ میرا سرتاج، وطن کا رکھوالا بنے۔"

"دیکھ لو..... خطرناک کام ہے، جان بھی جا سکتی ہے؟"

"اگر مجھے یقین ہو کہ اپنی آغوش میں لے کے، تمھیں موت سے بچا لوں گی تو شاید میں کبھی تمھیں آغوش سے نہ نکلنے دوں۔ لیکن موت تو برحق ہے۔"

"مجھے فخر ہے اپنی چندا پر" اسماعیل تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ حنا کی آنکھیں سرشاری سے بند ہو گئیں اور اسماعیل کی انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں سرسرانے لگیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆.....☆.....☆

"میاں!..... تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟"

"خیر تو ہے سر!..... کس چیز کی تیاری؟" عاطف کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"یار بتایا تو تھا، ہفتے کی شام بدر صاحب کے ہاں دعوت پر جانا ہے۔"

صدیقی صاحب کی بات پر عاطف ماتھے پہ ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "سوری سر مجھے بھول گیا تھا۔"

"اچھا تیرے پاس آدھا گھنٹا ہے، فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ بدر صاحب کے گھر کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔

"سر!..... کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا؟"

"کیا.....؟" صدیقی صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہی..... بدر صاحب کے ہاں کھانے پر جانا۔"

"بھئی وہ تیری حالیہ کارکردگی سے کافی خوش ہوئے ہیں..... اور اسی وجہ سے تمھیں کھانے کی دعوت دے دی ہے، میں تو یونہی بن بلایا مہمان ہوں۔"

"پھر بھی سر!..... میں نے پہلی مرتبہ تو کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ناں؟"

"یہ تو انھیں پتا ہوگا..... ویسے مجھے جو بات انھوں نے بتلائی ہے وہ آپ کے حق میں نہیں جاتی۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''میں سمجھا نہیں سر؟''

''ان کی بیٹی جوان ہو چکی ہے۔''

''تو......؟''

''وہ آپ کو داماد بنانا چاہ رہے ہیں......اور ان کے تئیں یہ آپ کا انعام ہوگا۔''

''م......مگر......س س......سر......آپ تو جانتے ہیں......یہ......یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟'' عاطف بوکھلا گیا تھا۔

'صدیقی صاحب نے اطمینان سے کہا۔'تو انکار کر دینا......لیکن لڑکی دیکھ تو لو ہو سکتا ہے تجھے پسند آ جائے۔ میری تو دیکھی بھالی ہے۔ سگھڑ، تمیز دار اور خوبصورت بچی ہے۔ تعلیم یافتہ بھی ہے۔ پھر خاندان بھی بہت اچھا ہے۔''

''سر!......یہ سب اپنی جگہ مگر سمیعہ......نہیں سر پلیز آپ کوئی حل سوچیں؟''

''جھوٹ بول دینا میں کہ تیری منگنی ہو چکی ہے؟''

''سر!......میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

'صدیقی صاحب ہنسے۔''یار جاسوس ہو اور پہلے قدم پر ہی تمھیں جھوٹ بولنا سکھایا گیا ہے پھر کیسی پریشانی؟''

''نہیں سر!......وہ جھوٹ بولنا کسی اور مقصد سے ہوتا ہے۔''

''اچھا یار......میں جھوٹ بول دوں گا، اور کچھ'' اور عاطف ہونٹ کاٹتا ہوا خاموش ہو گیا۔ اس وقت تک وہ بدر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے تھے۔ چوکیدار نے صدیقی صاحب کو پہچان کر گیٹ کھول دیا وہ کار اندر لیتا گیا۔ گاڑی کھڑی کر کے وہ باہر نکلے اس وقت تک بدر صاحب اپنی اہلیہ کے ہمراہ ان کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ ڈرائینگ روم میں چلے آئے۔

''اور سنائیں صدیقی صاحب......کوئی نئی تازی؟''

''کوئی خاص تو نہیں سر!......بس عاطف میاں کی منگنی کی خبر بلکہ خوشخبری تھی۔''

''عاطف کی منگنی مگر کب؟ کیسے؟'' بدر صاحب نے حیرانی سے صدیقی صاحب کی طرف دیکھا اور اس نے آنکھ دبا کر انھیں مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سر!......ان کی امی کی مرضی تھی اور ماں کی تو عاطف میاں کوئی بات بھی نہیں ٹال سکتے ناں۔''

بدر صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔''چلو مبارک ہو بھئی۔'' عاطف نے خفیف انداز میں سر ہلا دیا وہ خیر مبارک بھی نہیں کہہ سکا تھا۔

''میرا خیال ہے باقی گپ شپ ڈائیننگ ٹیبل پر صحیح رہے گی؟''

"بالکل سر!......" صدیقی صاحب نے اس کی تائید کی۔

وہ ڈائیننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے کھانا لگایا جا چکا تھا۔

"ہماری بھتیجی نظر نہیں آرہی؟" صدیقی صاحب نے کرسی سنبھالتے ہی پوچھا۔

"وہ کوکنگ کرتی رہی ہے اور اسے تیار ہونے کا موقع نہیں ملا......بس آتی ہی ہوگی۔" یہ بات بدر صاحب کی اہلیہ کے ہونٹوں پر تھی کہ ایک خوبصورت اور دلکش لڑکی۔ "اسلام علیکم انکل۔" کہتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"وعلیکم اسلام......آؤ بیٹی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا؟" صدیقی صاحب نے کہا اور وہ لڑکی جو لازماً سمیعہ تھی نے آ کر صدیقی صاحب کے سامنے سر جھکا دیا۔

"جیتی رہو بیٹی۔" صدیقی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، عاطف اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس نے عاطف کو بھی شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سلام کہا۔ مگر عاطف اتنا حیران تھا کہ جواب بھی نہیں دے سکا تھا۔

کھانے کے دوران بھی عاطف گم سم رہا۔ کھانے کے بعد وہ کوٹھی کے خوبصورت لان میں آ بیٹھے تھے۔ صدیقی صاحب نے عاطف سے دبی زبان میں پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"خیر تو ہے میاں، بالکل خاموش سے ہو؟"

"سر......بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے؟" عاطف بھی دبی زبان میں بولا۔

"کچھ پتا تو چلے؟" صدیقی صاحب جانتے بوجھتے انجان بن گئے تھے۔

"سر!......یہی تو سمیعہ ہے۔"

"کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں بھئی؟" بدر صاحب نے مداخلت کی۔

"سر!......عاطف میاں کو ابھی ابھی میسج ملا ہے کہ ان کی منگنی ٹوٹ گئی ہے، اس کے متعلق بتا رہے تھے۔"

"ہا......ہا......ہا۔" صدیقی کی بات پر بدر صاحب کے منہ سے بے ساختہ قہقہہ نکلا۔ "یار کیوں تنگ کر رہے ہو بچے کو؟"

صدیقی صاحب بھی بے ساختہ ہنس پڑا تھا جبکہ عاطف ہونقوں کی طرح ان کا منہ تکنے لگا۔

بدر صاحب عاطف سے مخاطب ہوا۔ "برخوردار!......ایسا ہے کہ سمیعہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے اور میری آرزو بھی یہی تھی کہ تیرے جیسا کوئی باصلاحیت اور محب وطن ہی میرا داماد بنے، باقی صدیقی صاحب کو پہلے سے اس بارے معلوم تھا اور یہ سارا ڈراما انھوں نے خود ترتیب دیا ہے۔" بدر صاحب کی بات سن کر عاطف پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

سمیعہ کی ماں بولی۔ "اچھا اب شرمانے کی ضرورت نہیں اور جاؤ سمیعہ اپنے کمرے میں تمہاری منتظر ہے، اپنی منگنی کی تاریخ تم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں نے خود ہی مقرر کرنی ہے۔'' اور عاطف جھجکتا ہوا اٹھا جیسے ہی قدم اٹھائے وہ لڑکھڑا کے گرنے لگا مگر اس نے جلدی سے صدیقی صاحب کا سہارا لے لیا۔ اور سوری کہتے ہوئے سمیعہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی دستک کے جواب میں سمیعہ کی مترنم ''یس'' سنائی دی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

''سمیعہ کی بچی...... بتایا کیوں نہیں کہ بدر صاحب تمھارے والد بزرگوار ہیں۔'' اندر داخل ہوتے ہی عاطف نے آنکھیں نکالیں۔

''اتنا بڑا جاسوس بنا پھرتا ہے خود معلوم کرنا تھا ناں۔'' سمیعہ کے لہجے میں چاہے جانے کا گہرا احساس موجود تھا۔

''اب میں تیری جاسوسی کرنے سے تو رہا؟'' عاطف منہ بناتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''مگر میں تو تیری جاسوسی سے باز آنے والی نہیں...... تیرے جیسے لڑکوں کا کوئی پتا نہیں چلتا کب کیا کر جائیں؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب وغیرہ کو چھوڑو اور یہ بتاؤ میرا گھر اتنا کیسا لگا؟''

''بالکل تیری طرح۔''

''یعنی پھیکا اور بے رونق؟''

''نہیں...... بہت پیارا، بہت اچھا اور...... اور...... بس تیری طرح۔''

سمیعہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔ اور عاطف اسے مبہوت ہو کر دیکھنے لگ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ شرما گئی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ چونک گیا اور جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا ''اچھا پتا ہے آنٹی نے کیا کہا ہے؟۔''

''کیا کہا ہے؟''

''اپنی شادی کی تاریخ ہم دونوں نے مقرر کرنی ہے۔''

''تو کرو ناں؟''

وہ شرارت سے بولا ''نو بج رہے ہیں...... گیارہ بجے کیسے رہے گی؟''

''یعنی اتنا لیٹ؟'' سمیعہ برجستہ بولی اور عاطف کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ایک دوسرے کو پانے کی خوشی ایسی تھی کہ انھیں بات بے بات ہنسی آ رہی تھی۔

''اچھا مذاق نہیں سچ بتاؤ؟'' سمیعہ نے پوچھا تو عاطف بولا۔

''ایسا ہے کہ سوموار کو میری منہ بولی بہن کی شادی ہے...... اور منگل کو میری فلائیٹ ہے، جمعہ تک میں امی جان اور ابو جان کو

ساتھ لے کر لوٹ آؤں گا...... ہفتہ کے دن بزرگ مل کر طے کر لیں گے۔"

"منظور ہے......" سمیعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے تجھے پتا ہے...... میری لاعلمی سے صدیقی صاحب نے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟"

"کیا مطلب...... کیسا فائدہ؟" وہ حیرانی سے بولی اور عاطف نے اسے صدیقی صاحب کے ڈرامے کے بارے بتا دیا۔ سمیعہ کی ہنسی رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔

"آپ پھر بھی خود کو جاسوس سمجھتے ہیں؟"

"تم دیکھنا تو سہی میں اس کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟" عاطف سیل فون نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے موبائل کا سپیکر آن کر دیا تھا۔

"جی بیٹے؟" ایک مشفق نسوانی آواز سپیکر سے برآمد ہوئی۔

"آنٹی اسلام علیکم۔"

"وعلیکم اسلام...... بیٹے کیسے یاد آ گئی آنٹی کی۔"

"آنٹی...... وہ آپ کو بتانا تھا کہ صدیقی انکل تھوڑا لیٹ ہو جائیں گے تو آپ نے کھانے پر انتظار نہیں کرنا۔"

"مجھے پتا ہے بیٹے ان کا کھانا آج بدر بھائی کے گھر میں ہے۔"

"اچھا آپ سے یہ بہانہ کر کے آئے ہیں؟" عاطف کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ "چلو ٹھیک ہے آنٹی جب آپ کو پتا ہے تو......"

"بیٹے...... سیدھی بات بتاؤ کیا پتا ہے، آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے......"

"نہیں نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں...... بدر صاحب کے گھر واقعی دعوت تھی لیکن وہ میری تھی صدیقی صاحب تو ایک انکوائری کے سلسلے میں گیسٹ ہاؤس میں ہیں۔"

"کیسی انکوائری؟" وہ چونک گئی تھی۔

"آنٹی!...... انڈیا کی ایک جاسوس پکڑی تھی ناں...... اداکارہ بن کر آئی ہوئی تھی، تو اس سے تفتیش کر رہے ہیں اکیلے کمرے میں، حالانکہ بدر صاحب نے ذیشان کو بانا تھا مگر صدیقی صاحب نے ذیشان کو کہا کو وہ خود انکوائری کریں گے......"

"بیٹے!...... میری بات کراؤ؟"

"آنٹی...... دروازہ انھوں نے اندر سے بند کیا ہوا ہے، جیسے ہی دروازہ کھلا میں آپ کی بات کرا دوں گا...... ویسے آپ ان کے نمبر پر ٹرائی کریں شاید وہ کال اٹینڈ کر لیں۔"

''ٹھیک ہے بیٹے۔'' آنٹی نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

سمیعہ نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ ہلانے چاہے مگر عاطف نے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ اسی وقت موبائل کی گھنٹی بجی۔ آواز عاطف کی جیب سے آ رہی تھی۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر سمیعہ کو دکھایا اور کال ڈس کنکٹ کر دی۔ چند سیکنڈ بعد دوبارہ بیل ہوئی مگر عاطف نے دوبارہ کاٹ دی اسی طرح چند مرتبہ ہوا اور پھر عاطف نے موبائل آف کر دیا۔

''یہ..... یہ انکل کا موبائل تھا؟'' سمیعہ حیرانی سے مستفسر ہوئی۔

''جی ہاں'' عاطف اطمینان سے بولا۔

''مگر آپ کے پاس.....؟''

''آپ کے کمرے کی طرف آتے وقت نکالا تھا۔''

''یعنی چوری؟''

''ہاں کیونکہ، اینٹ کا جواب پتھر سے دینا پڑتا ہے..... اب یوں کرو کہ میرے لیے کچھ کھانے کو لے آؤ۔''

''کھانا..... ابھی تو کھایا ہے کھانا؟'' اس کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''خاک کھایا ہے..... تمھیں دیکھنے کے بعد مجھے ہوش کہاں رہا تھا..... ویسے بھی صدیقی صاحب نے مجھے صحیح الو بنایا ہے۔''

''اچھا ابھی لائی'' سمیعہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی اور چند منٹ بعد مختلف لوازمات سے ٹرے بھر لائی۔ کھانے کو دوران وہ زبردستی عاطف کے منہ میں مختلف چیزیں ٹھونستی رہی۔ کھانا کھاتے ہی عاطف جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو کیا صرف کھانا کھانے آئے تھے۔'' اس کے ارادے کو دیکھ کر سمیعہ شکوے کے انداز میں بولی۔

عاطف شرارتی لہجے میں بولا۔''ہاں..... اور جانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ تمھیں دیکھ کر عجیب قسم کے خیال ذہن میں پرورش پانے لگے ہیں..... جن پر عمل شادی کے بعد ہی ہو سکے گا۔'' اس کی بات ایسی نہیں تھی کہ سمیعہ اسے روکنے کی کوشش کر سکتی۔ البتہ وہ اسے رخصت کرنے ساتھ چل پڑی تھی۔ لان میں صدیقی صاحب اور بدر صاحب خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ سمیعہ کی امی کسی سے فون پر معروف گفتگو تھی۔

''کتنی پیاری جوڑی ہے۔'' انھیں لان کی طرف آتے دیکھ کر صدیقی صاحب بے ساختہ بولا۔

''ہاں..... اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے، گڑیا رانی کے ساتھ عاطف یوں دکھائی دے رہا ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو۔''

عاطف نے آتے ہی صدیقی صاحب سے کہا۔''سر!..... اب اجازت لینی چاہیے..... گیسٹ روم بھی جانا تھا؟''

''او کے سر!..... اب ہمیں اجازت؟'' صدیقی صاحب نے پوچھا۔

بدر صاحب نے کھڑے ہو کر عاطف کے سر پہ ہاتھ رکھا اور پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com
''برخوردار پھر کیا طے کیا؟''

''سر اگلے ہفتے امی ابو آ جائیں گے پھر مل کر آپ لوگوں نے ہی طے کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے صدیقی صاحب...... آپ اگر جانا چاہتے ہیں تو پھر خدا حافظ کہتے ہیں۔''

صدیقی صاحب نے بدر صاحب سے الوداعی مصافحہ کیا اور سمیعہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

''انکل، گیسٹ ہاؤس جانے سے پہلے ایک مرتبہ آنٹی سے بات کر لینا۔''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔''کیا مطلب بیٹا؟''

''مطلب کا تو پتا نہیں...... عاطف صاحب آنٹی کو کوئی الٹی پٹی پڑھا رہے تھے۔''

''یہ...... یہ کیسے...... عاطف میاں کیا بات ہوئی ہے؟'' صدیقی صاحب گھبرا گئے تھے۔

''کچھ نہیں سر، سمیعہ ایسے ہی شرارت کے موڈ میں ہے۔'' عاطف اطمینان سے بولا مگر صدیقی صاحب کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔اس نے موبائل کی تلاش میں جیب میں ہاتھ ڈالا، اور پھر اپنی مختلف جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''سر!...... شاید آپ یہ تلاش کر رہے ہیں؟'' عاطف نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ہاں...... مگر یہ تیرے پاس کیسے......؟'' اس نے موبائل عاطف سے لے کر آن کیا اور عاطف کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔اس نے جلدی سے کال اٹینڈ کی۔

''جی بیگم......'' اور پھر جانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا کہ......اس کے منہ سے مسلسل ''جی...... جی...... جی اور نہیں...... نہیں'' نکلنے لگی۔عاطف اور سمیعہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ کھلنے لگی تھی۔

بدر صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے عاطف سے پوچھا کیا معاملہ ہے۔عاطف سے پہلے سمیعہ انھیں تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی اور فضا بدر صاحب کے قہقہے سے گونج اٹھی۔

☆......☆......☆

موبائل کی مسلسل بجنے والی گھنٹی سے اسماعیل کی آنکھ کھلی گھڑی پر نگاہ دوڑانے پہ اسے گھنٹے کی سوئی بارہ کا ہندسہ کراس کرتی نظر آئی۔

''یس سر؟'' اس نے کال ریسیو کی۔

''شاہ جی...... ہوٹل بلیو مون فرسٹ فلور کمرہ نمبر دس میں بلیک لیگونڈ کی ایک سینئر رکن لارا مقیم ہے۔الیاس، اشفاق اور راجا کو وہاں بھیج دیا ہے تم بھی فی الفور وہاں پہنچو اور ہوٹل کے چاروں کونوں کا خیال رکھنا۔اگر وہ کہیں جانے کی کوشش کرے تو اس کا تعاقب کرنا ہے ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسماعیل مستفسر ہونے لگا۔"اس کے بارے......؟" مگر عاطف نے اس کا سوال مکمل نہ ہونے دیا۔اور قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔

"ہاں اسی آدمی سے پتا چلا ہے جو آج صبح گرفتار ہوا تھا...... یہ پچھلے دو ماہ سے پاکستان میں ہے اور اگر تجھے ڈیوڈ عرف ڈیوی نامی آدمی یاد ہو تو یہ اسی کی بدلی پہ یہاں آئی ہے۔"

"ٹھیک ہے سر میں پہنچ گیا۔" اور رابطہ منقطع کر کے جلدی جلدی لباس بدلنے لگا۔لباس بدل کر اس وہ اپنی خوبصورت بیوی کے ماتھے پہ جھکا......اچانک اس کی پلکیں وا ہوئیں اور وہ اسماعیل کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے وہ بولی......

"شاہ جی اپنا خیال رکھنا......اور ہر آدھے گھنٹے بعد مجھے او کے دیتے رہنا ورنہ عاطف بھیا سے شکایت کروں گی۔"

"ایک تو میں ان بہن بھائیوں سے تنگ ہوں۔" اسماعیل منہ بناتا ہوا بولا" گھر میں یہ باس بنی رہتی ہے اور آفس میں وہ سر پہ سوار رہتا ہے" جواباً حنا شاہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑی۔

"اللہ کرے تم یونہی میری زندگی میں قہقہے بکھیرتی رہو" اسماعیل کے دل سے دعا نکلی اس کے ماتھے پہ مہر محبت ثبت کرتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر سے نکل آیا۔وہ ایک نا ختم ہونے والی جنگ کا سپاہی بن گیا تھا اور جانتا تھا کہ زندگی کی آخری سانس تک اسے لڑتے رہنا ہے۔

ختم شد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

(Riaz Aqib Kohlar...13th April 2013)

aqibkohlar@gmail.com

03135133119

03455883954